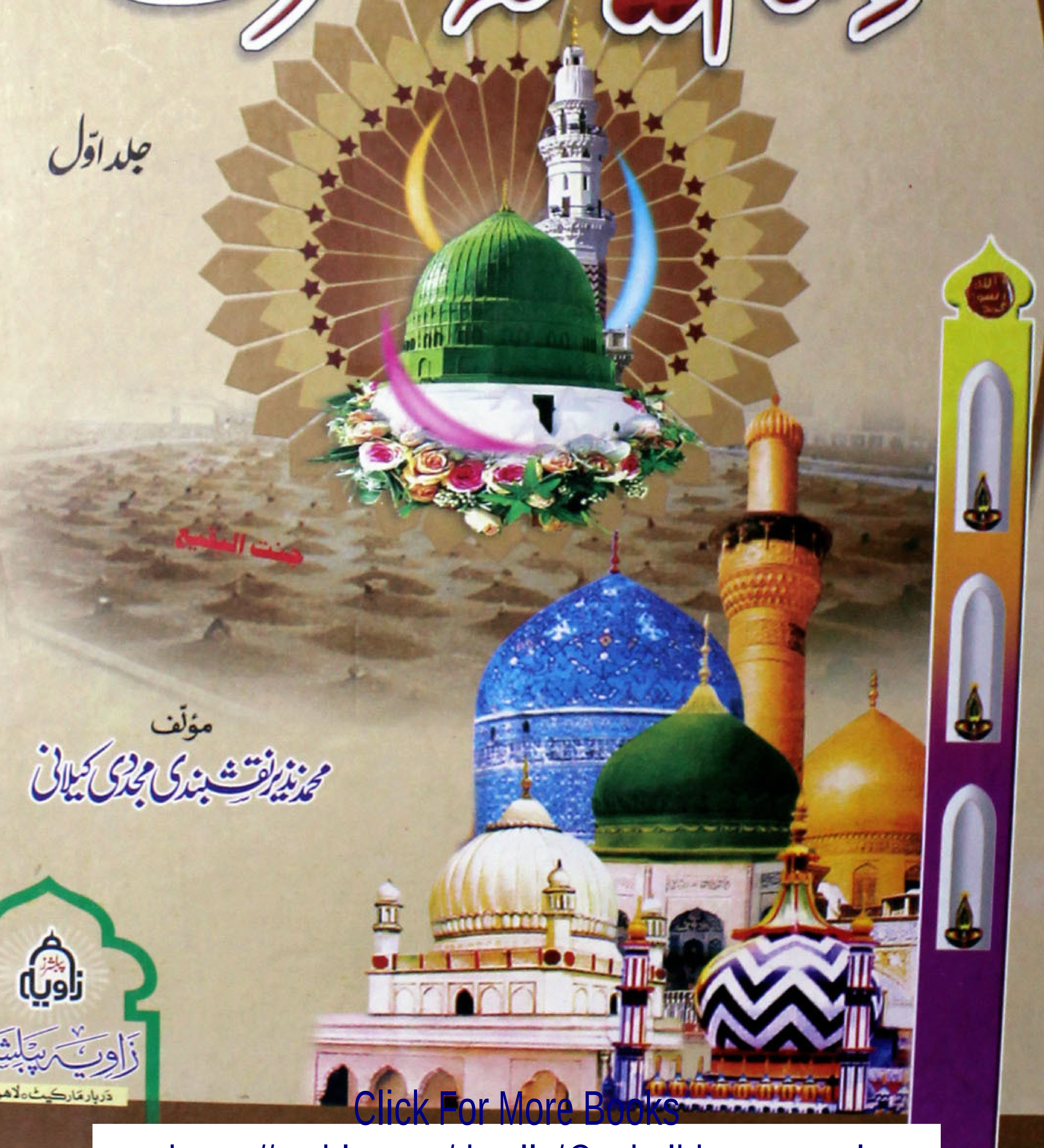
اِنعام یافتہ حضرات

جلد اوّل



مؤلف

محمد نذیر نقشبندی مجددی کیلانی

زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ، لاہور

ارشاد باری تعالیٰ :-

ہم کو سیدھا راستہ چلا ۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا ۔ سورۃ فاتحہ ترجمہ ، کنزالایمان ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے ۔ پارہ ۵ سورۃ النساء آیت ۶۹، ۷۰ ، کنزالایمان ۔

انعام یافتہ حضرات

حصہ اوّل

جلد اوّل

مؤلف

محمد نذیر نقشبندی مجددی کیلانی

زاویہ پبلشرز

(8-C محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ ، لاہور

فون: 042-37248657

موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466

Email:zaviapublishers@yahoo.com

2012ء

باراول..................... 500

ہدیہ....................... 700

زیرِ اہتمام..............نجابت علی تارڑ

﴿لیگل ایڈوائزرز﴾

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

﴿ملنے کے پتے﴾

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف 0301-7241723

مکتبہ قادریہ پرانی سبزی منڈی کراچی 0213-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی 0213-4219324

مکتبہ غوثیہ ہول سیل کراچی 0213-4926110

مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی 0213-2216464

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 041-2631204

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ سخی سلطان حیدر آباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف 048-6691763

رائل بک کمپنی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی 051-5541452

مکتبہ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان 0306-7305026

مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ 0321-7083119

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ

حسن و جمالِ مصطفیٰ

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

انتساب

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے انعام پانے والے چار گروہوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین رضی اللہ عنہم، شہداءِ کرام رضی اللہ عنہم اور صالحین رحمہم اللہ خصوصاً میرے اور سب مومنوں کے آقا و مولا حضور پُرنور سیّد المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، رؤف الرحیم، صاحب لولاک، امام الانبیاء، تاجدارِ مدینہ، نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صدیقوں کے سردار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یارِ غار، زندگی کے ساتھی، قبر کے ساتھی، حشر کے ساتھی اور جنت کے ساتھی سیّدنا و مولانا حضرت ابوبکر صدیق عتیق رضی اللہ عنہ اور شہداء کے سردار سیّدی مرشدی امام عالی مقام حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور شہنشاہِ ولایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برادر، فاتحِ خیبر، شیرِ خدا حضرت سیّدنا و مولانا حضرت امام مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ، شاہِ نقشبند سیّدنا و مولانا حضرت سیّد بہاؤالدین بخاری، سیّدی و مرشدی حضرت سیّد عثمان علی المعروف داتا گنج بخش ہجویری ثم لاہوری، پیرانِ پیر دستگیر ولیوں کے سردار غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی، غوثِ اعظم الشیخ سیدی و مرشدی سیّد عبدالقادر جیلانی بغدادی، خواجہ الشیخ سیّدی و مرشدی حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی فاروقی، خواجہ حضرت سلطان اولیاءِ ہند سیّد معین الدین چشتی اجمیری چشتیوں کے سردار، اور سہروردیوں کے سردار خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ کی طرف اپنی اس کاوش کو منسوب کرتے ہوئے فخر و سعادت محسوس کرتا ہوں۔

اپنے پیر و مرشد اور مخدوم زمانہ، قیوم العصر سراج السالکین، شمس العارفین، سرتاج الاولیاء حضور سیّد نورالحسن شاہ صاحب بخاری قدس سرہ تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف اور آپ کے صاحبزادہ ذی وقار عالی شان فخر الاصفیاء دین و دنیا میں میرے سہارا، غوث وقت، شیخ طریقت فخر المشائخ، زبدۃ العارفین حضرت قبلہ و کعبہ پیر سیّد محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانیہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کی نگاہِ کرم سے اور آپ کے نورِ نظر بے مثل باپ کے بے مثل روحانی جانشین پروردۂ آغوشِ ولایت، مہبط انوارِ شریعت، فخر اہل سنّت و جماعت، پاسبانِ مسلک شیر ربانی اور مجدد الف ثانی پیر طریقت سیّدی و سندی قبلہ و کعبہ حضرت الحاج پیر سیّد محمد عظمت علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی المعروف قبلہ چمن جی سرکار زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف، جنہوں نے کمال کرم سے مجھ ناچیز کو یہ متبرک کتاب لکھنے کی ہدایت فرمائی اور اس میں میری رہنمائی فرمائی اور آپ ہی کی حوصلہ افزائی سے ناچیز یہ کتاب لکھنے میں کامیاب ہوا۔

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تو نے خرید کر آقا انمول کر دیا

اور آپ کے صاحبزادگان جناب صاحبزادہ سیّد محمد علی حسنین شاہ بخاری ولی عہد مدظلہ العالی اور صاحبزادہ سیّد سجاد حیدر علی شاہ بخاری مدظلہ العالی نے بھی اس نیک کام میں ناچیز کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس اپنی کاوش کو ان سب کے نام کرتا ہوں۔

ناچیز طالب مغفرت

محمد نذیر

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اظہارِ خیال

صوفی باصفا خادم سرکار کیلانی محمد نذیر کیلانی زیدعنہ نے یہ کتاب ''انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ'' ترتیب دی ہے' جس کے میں نے اکثر مقامات کو دیکھا ہے جس میں عقیدہ توحید' عقیدہ رسالت اور شانِ صحابہ کرام اور ذکر اہل بیت عظام اور ذکر اولیاء کرام بیان کیا ہے (اور عربی وعبارات کو دیکھا ہے جو بڑی کوشش سے ہر کتاب سے نقل کی گئی ہیں) اور مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کی حقانیت کو حدیث پاک' اقوال صحابہ اور اقوال اولیاء وعلماء سے ثابت کیا ہے۔

وہابیہ کے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے جنتی جماعت کے بارے ہم اہل السنۃ والجماعت شرح العقیدہ واسطیہ صفحہ ۱۶۸ طبع دار السلام الریاض اور کیلانی صاحب نے اس کتاب میں تمام سلاسل کے بارے خوب لکھا ہے' خاص کر سلسلہ نقشبندیہ کے بارے میں۔

اولیاء کے ذکر کے بارے میں علامہ دہر فنافی الرسول حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس صفحہ ۵۸ پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

حِکَایَاتُ الْمَشَائِخِ جُنْدٌ مِّنْ جُنُوْدِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ یعنی لِلْقُلُوْب۔

مشائخ کی باتیں اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔

اللہ کریم خادم سرکار کیلانی محمد نذیر صاحب کی یہ کاوش قبول فرمائے اور دارین کا اجر وثواب بنائے اور ان کو شفاء عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے۔

والسلام

سگ سیالوی: تنویر احمد سیالوی کیرانوی

۸ نومبر ۲۰۰۹ء/ بوقت بعد نماز ظہر

اظہارِ تشکر

سیّدی وسندی حضور قبلہ چن جی سرکار دامت برکاتہم القدسیہ زیب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کی خصوصی ہدایت کے مطابق جناب مکرمی ومحترمی مولانا محمد رفیق کیلانی صاحب ایم۔اے (عربی و اسلامیات) گولڈ میڈلسٹ ناظم دارالتبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف نے اس کتاب یعنی انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ کی پہلی جلد کی نظر ثانی فرمائی اور میرے ساتھ دلی تعاون فرما کر اس کی باب بندی کی اور اس میں بہت سی غلطیوں کو درست فرمایا۔ یہ ناچیز خصوصی طور پر اپنے آقا و مولا حضور قبلہ چن جی سرکار مدظلہ العالی کا دل کی تہہ گہرائیوں سے بہت ہی مشکور ہے اور شرفِ قبولیت کی امید رکھتا ہے۔ میاں غلام حیدر ہاشمی قریشی مدظلہ العالی لاہور اور آپ کے ساتھیوں کا جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ فرمائی، بہت مشکور ہوں اور جن جن حضرات نے اس نیک کام میں جتنا اور جس قسم کا تعاون فرمایا ان سب کا شکر گزار ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ناچیز

محمد نذیر

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ سَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰى آلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

دیباچہ

اس سے قبل عاجز نے اپنے پیرومرشد فخر اہل سنت و جماعت مبلغ اسلام پاسبان امین مسلک شیر ربانی فخر السادات حضور قبلہ سید عظمت علی شاہ صاحب بخاری المعروف چن جی سرکار دامت برکاتہم العالیہ زینت آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کی اجازت خاص سے مختلف موضوعات یعنی شجرہ نسب شریف حضور سیدی و آقا و مولیٰ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین سراجاً منیراً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور دیگر انبیاءِ کرام کے شجرے انساب بمع چند کے مختصر حالات اور عزیز و اقارب حضور نبی کریم ﷺ اور خلافت راشدہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبی رشتہ داریاں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اور اصحاب عشرہ و مبشرہ، اصحاب طبقہ اولیٰ ہجرت حبشہ اور مدینہ شریف کرنے والوں کے اسماء پاک، صالحین عورتوں کے اسماء، بدری صحابہ کی مکمل فہرست اور شہدائے بدر، احد، کربلا رضوان اللہ تعالیٰ عنہم پر اشتہار چھپوا کر خاص و عام میں مفت تقسیم کیے جو کہ بہت مقبول ہوئے۔ جس کی سب سے بڑی شہادت میرے پاس یہ ہے کہ جب میں نے مندرجہ بالا اشتہار چھپوا کر اپنے پیرومرشد کی خدمت میں لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے پیش کئے تو جناب حضرت صاحب ان کو تقسیم کرنے کے کچھ دن بعد عمرہ شریف کے لئے مکہ اور مدینہ تشریف لے گئے وہاں سے واپسی کے دو دن بعد چک ظاہر نزد پاہڑیانوالی (پھالیہ تحصیل) میں ملک حاجی محمد فضل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر محفل میلاد پاک میں شرکت کے لئے تشریف لائے وہاں آپ سے ناچیز کی ملاقات ہوئی بوقت ملاقات آپ نے فرمایا۔ بیلیا تیرے وہ اشتہار بہت مقبول ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل تو آپ ہی جانتے ہیں بندہ ناچیز کے لئے تو آپ کا فرمان ہی کافی ہے۔

مورخہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵ اپریل ۲۰۰۸ء بروز جمعۃ المبارک کو عاصی جمعہ شریف کی نماز ادا کرنے کے لئے آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف حاضر ہوا تو جمعہ شریف کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ کی زیارت اور اجازت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیلیا وہ اشتہار کتابی شکل میں تحریر کرو کیونکہ اشتہار تو ضائع ہو جاتے ہیں اور کتاب محفوظ رہتی ہے۔

لہٰذا آپ کے ارشاد مبارک کے مطابق عاجز نے اس دن کی شام کے بعد یہ کتاب تحریر کرنی شروع کر دی ہے۔ اس کتاب کا عنوان یہ رکھا ہے ''انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ'' اور امید کرتا ہو کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے اور پیرومرشد کی دلی دعاؤں سے جلدی ہی مکمل ہو جائے گی جس میں پہلے سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا اور جو پہلے غلطیاں ہوئی وہ بھی درست کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی جائے گی۔

عاجز نے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لئے پانچ جلدوں کا ارادہ کیا ہے۔ پہلی جلد میں اسلام اور ایمان، مومن، تقدیر اور اسلام کا اہم رکن نماز، مومن کے عقیدہ کا بیان اور انعام یافتہ لوگوں کے چار گروہ کا بیان اور ولی اللہ کے متعلق بزرگان دین کے اقوال، دوسری جلد میں انبیاء کرام علیہم السلام کا بیان، تیسری جلد میں صدیقین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا بیان، چوتھی میں شہداء اور صالحین کا بیان اور پانچویں میں ارشادات باری تعالیٰ اور کچھ حضور نبی کریم ﷺ اور صدیقین اور صالحین میں سے چند کے چند ارشادات بیان کئے جائیں گے۔

عاجز کو بہت امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ معمولی سی کاوش اپنے دربار میں حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اور پیر و مرشد کی دعاؤں سے قبول فرما کر اس کتاب کو مکمل کرنے اور پھر اس کو چھپوانے کے لئے ہر طرح کی امداد فرمائیں گے لیکن زندگی کا کوئی پتہ نہیں اور عاجز کا آخری وقت آ جائے اور مذکورہ بالا کتاب مکمل نہ ہو اور اگر مکمل ہو جائے لیکن چھپ کر شائع نہ ہو سکے۔ اس کے لئے عاجز اپنے لڑکوں کو وصیت کرتا ہے کہ اگر ایسی صورت واقع ہو جائے تو میرے مرنے کے بعد جہاں تک مندرجہ بالا کام مکمل ہو جائے وہ میرے پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کریں اگر آپ فرمائیں کہ یہ اشاعت کے قابل ہے تو آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کریں اور اس کی اشاعت کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر عاجز اور اپنی بخشش کا سامان حاصل کریں اور عاجز امید کرتا ہے کہ فرمانبردار بیٹے میری اس وصیت پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل پیر و مرشد کی دعاؤں سے عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ سب کا حامی و ناصر ہے۔

عاجز

محمد نذیر

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ساکن چک جانو کلاں

تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حرفِ اوّل

الحمدللہ جو بھی جنت میں جائے گا اس کا خاتمہ بالایمان ہوگا اور انجام ان نشانیوں کے مطابق ہوگا جو قرآن مجید میں بیان ہوئیں۔ ہمارے سردار حضور مجدد پاک رضی اللہ عنہ نے دفتر اول مکتوب شریف ۴۸ میں تصریح کی ہے:

دخول جنت و تجنت از نار والبیۃ با تیان شریعت است انبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم کہ بہترین کائنات اند بشرائع دعوت کردہ اند و مدار نجات برآں ماندہ ومقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است پس بزرگ ترین مخلوقات اند علیہم الصلوات والتسلیمات۔

(دفتر اول مکتوب شریف ۴۸)

ترجمہ: جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچاؤ شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔ انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم کہ جو کائنات میں سب سے افضل ہیں شریعت ہی کی طرف بلاتے رہے اور نجات کا انحصار بھی اسی امر پر ہے اور انبیاء کی آمد کا مقصد ہی اپنی اپنی شریعتوں کی تبلیغ تھا لہٰذا بزرگ ترین نیکی شریعت کو رواج دینا ہے اور شریعت کے احکام کو زندہ کرنے کی کوشش کرنا ہے یہ کام کرنا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتدا کرنا ہے جو کہ تمام مخلوقات میں سے بزرگ ترین ہستیاں ہیں۔ (دفتر اول مکتوب شریف ص ۴۸)۔

(۱) حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مکتوبات شریف دفتر اول میں ارشاد فرماتے ہیں حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی فضیلت تمام فضائل و کمالات سے بالاتر ہے ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس نے بزرگان اہل سنت کی مخالفت کی اور ان سے الگ ہوگیا ان کے اصول سے منہ پھیرا اور ان کے گروہ سے نکل گیا۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا پس رویت اور شفاعت کا منکر ہوا اور فضیلت صحبت اور صحابہ کی بزرگی اس سے مخفی رہی اور اہل بیت رسول کی محبت اور اولاد بتول کی مودت سے محروم رہا (رضی اللہ عنہم) اور وہ اس بڑی نیکی سے رک گیا جو اہل سنت و جماعت نے حاصل کی (بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت وقومیت ص ۴۱) پھر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

(۲) . ''طریقت و شریعت عین یک دگراند''

ترجمہ: طریقت اور شریعت بالکل دونوں ایک ہیں۔

''ہرچہ مخالف شریعت است مردو د است''

ترجمہ: جو کچھ بھی خلاف شریعت ہو سب مردود ہے۔ (دفتر اول مکتوب شریف ص ۴۳)

(۳) فرمایا صوفیہ خام یعنی ناپختہ صوفی ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کو بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلے اور اربعینیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت چھوڑ دیتے ہیں ان کے لئے آپ کا یہ ایک جملہ ہی کافی ہے۔ فرماتے ہیں۔

''نمی دانند کہ یک فرض بجماعت از ہزاراں اربعین ایشاں بہتر است''

ترجمہ: انہیں معلوم نہیں کہ ایک فرض باجماعت ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔

پھر فرمایا:

''آرے ذکر و فکر بامراعات آداب شرعیہ و بہتر و مہم تر استہ''۔

ترجمہ: "ہاں آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت ہی اچھا ہے اور اہم ہے۔(دفتر اول مکتوب شریف نمبر ۲۶۰)

(۴) فرمایا: دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ رہے اور ان اعمال کو بروئے کار لایا جائے جن کا تعلق بدن سے ہے اور شریعت نے جن کا حکم دیا ہے جو شخص بدنی اعمال کے بغیر قلب کی سلامتی کا دعویٰ کرے غلط ہے۔ جس طرح دنیوی زندگی میں جسم کے بغیر روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح قلبی احوال کا ظہور بدنی اعمال کے بغیر محال ہے۔(دفتر اول مکتوب نمبر ۳۹)

ولایت کا صحیح تصور:

خلفاء راشدین بعد از نبوت افضل ترین ہستیاں ہیں نیز ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ شہنشاہ ولایت ہیں آپ کی نسل پاک آئمہ ولایت اور اولیاء گر ہے۔ اور ولایت کی نشانی ولزوم کمال اتباع شریعت ہے جو قرآن وسنت وتعامل صحابہ پاک سے ماخوذ ہے۔ ہمارے نزدیک شریعت کی مخالفت میں بھنگ پینا، کڑے پہننا، کالا لباس پہننا یا خلاف شریعت رسوم ورواج ودشمنان صحابہ کی مجالس میں گھل مل جانا یا فرضی نماز ترک کر دینا اور فرضی نماز پر خود ساختہ اذکار وچلہ کشی کو ترجیح دینا کسی پاگل وجاہل اور شیطان کے نزدیک ہی ولایت ہو سکتی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک جس روحانی فیض اور ولایت کے شہنشاہ حضرت مولا علی ہیں اس میں معاذ اللہ ان خبیث افعال پر مبنی ولایت کا کوئی تصور نہیں بلکہ نبی کے گھر والوں اور نبی کے در والوں کی غلامی اور کمال اتباع شریعت کی شرط اہل سنت و جماعت کے ہاں ولایت کے لئے ضروری ہے یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا نام ہے "تذکرہ انعام یافتہ لوگوں کا" لہٰذا ضروری سمجھا گیا ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک جو عقائد اور اعمال صالح، خاتمہ بالخیر کے لئے اور ولایت کے لئے ضروری ہیں ان کا بیان صحیح ابواب بندی کر کے کر دیا جائے لہٰذا اس کتاب کے پہلے باب کا عنوان ہے "انعام یافتہ حضرات کے فیض وانعام کی بنیاد اول، عقائد حقہ" اس باب میں اسلام کے بنیادی عقائد متعلقہ ذات وصفات الٰہی وعقائد متعلقہ نبوت معاد وحشر اور جنت، دوزخ اور فرشتوں اور تقدیر کے متعلق بلکہ ان کے علاوہ بھی تقابلی صورت اختیار کرتے ہوئے گمراہ فرقوں جیسے جبریہ، قدریہ اور دور حاضر کے خارجی فرقے بالخصوص پاک وہند میں رافضی، وہابی، دیوبندی فرقوں کا تفصیل سے رد کیا گیا ہے۔ احقاق حق وابطال باطل ہی وہ بنیاد اول ہے جو انعام یافتہ لوگوں کی پہچان میں ہر عام آدمی کے لئے ضروری ہے۔

باب دوئم ہے "انعام یافتہ حضرات کی بنیاد دوئم دولت اعمال صالح وتقویٰ" اس باب میں اعمال کی درستگی، بزرگان دین کا ارکان اسلام پر کما حقہ عمل کرنا بیان کیا گیا ہے نیز حضرت مجدد پاک نے اسلام کو نقصان پہنچانے والے جو پانچ راستے بیان کئے ہیں ان میں بالخصوص علماء سوء اور اہل بدعت اور گمراہ اور بے دین صوفیوں اور آزاد خیال اہل علم کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں تا کہ وادی تصوف میں آنے والا دھوکہ نہ کھائے بلکہ کھرے اوصاف عقیدہ اور عمل کے عزم کے ساتھ اس وادی میں داخل ہو کر خاتمہ بالخیر کے ساتھ سرخرو ہو۔

تیسرا باب "قرآن مجید کی روشنی میں انعام یافتہ حضرات کے چار گروہوں" کے تعین کے بیان میں ہے۔

باب چہارم میں اولین انعام یافتگان یعنی انبیاء کرام بالخصوص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت آپ کی فضیلت اور آپ کی امت کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں صدیقین کا ذکر خیر ہے جس میں بالخصوص حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان خلفائے ثلاثہ کی اہل بیت نبوت سے قریبی رشتہ داریاں خلفائے راشدین کی شان وعظمت نیز جملہ امہات المومنین وجملہ اہل بیت رسول اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت قرآن وحدیث کے علاوہ گروہ اولیاء کے متبرک اقوال سے بیان کی گئی ہے۔

باب ششم، تیسرے انعام یافتہ گروہ، شہداء کے بارے میں ہے۔ اس میں فلسفہ شہادت کا بیان ہے اور دیگر شہداء اسلام کے علاوہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت اور شہادت کی اہمیت کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں، چوتھے انعام یافتہ گروہ یعنی صالحین اولیاء اللہ کا بیان ہے۔ اس باب کے دو حصے ہیں۔ (نمبرا) صاحب فیضان اولیاء اللہ کے مقام اور مرتبوں کا بیان جس میں ولایت کی تفصیل، فضائل ولایت اولیاء اللہ کی اقسام اور ابدال بزرگان دین کی کرامات کی حقیقت نیز تصوف کی اقسام اور فقر کے آداب خود اولیاء کی تحریروں سے ہی بیان کئے گئے ہیں۔

اس باب کے دوسرے حصے کا عنوان ہے ''فیض ولایت کا حصول کیسے ہوتا ہے؟'' جس میں راہ سلوک اور تکمیل منازل کی مشکل ترین گتھیوں کو حضرت مجدد پاک رضی اللہ عنہ کے مکتوبات شریف کی روشنی میں انتہائی احسن طریقے سے سلجھا دیا گیا ہے۔

باب ہشتم میں ولایت کے مشہور سلاسل اربعہ یعنی نقشبندی، قادری، سہروردی اور چشتی سلاسل کا نیز حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تفصیلاً بیان ہے۔

آخری باب انتہائی بابرکت ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب کی جان ہے کہ اس میں تمام سلاسل ولایت کے شجرہ ہائے طریقت اور بعض خواجگان کے سلسلہ ہائے نسب کو بھی تبرکاً درج کر دیا گیا ہے۔

قارئین حضرات یہ کتاب کا اجمالی تعارف ہے کتاب میں سخت محنت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف نے تقریباً بیس ماخذ کتب جو استعمال کی ہیں ان کی فہرست کتاب میں درج ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہر کتاب اور اس کا مصنف شہرت یافتہ اور اپنی کتب کے موضوع اور فن میں معتبر حیثیت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ مصنف جناب صوفی محمد نذیر احمد صاحب نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ اللہ کے فضل سے تذکرہ انعام یافتہ لوگوں کا صرف اس پہلی جلد تک محدود نہ ہوگا بلکہ اس کے علاوہ مزید چار جلدیں اسی موضوع پر زیر ترتیب ہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اللہ کے فضل سے حضور غوث زمانہ قطب عالم حضور پیر کیلانی کی درگاہ سے وابستہ ہونے والا ہر مخلص خادم اپنے شیخ کامل کے تبلیغ دین کے مشن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جناب صوفی محمد نذیر صاحب بھی ظاہری کم علمی کے اعتراف کے باوجود جس لگن اور خلوص اور محنت پیہم کے ساتھ مواد کی ترتیب و تلاش، احسن ابواب بندی اور موضوع سے انصاف کرنے کی کوشش میں کافی حد تک کامیاب و کامران نظر آتے ہیں۔ اللہ ان کے تبلیغ دین کے ذوق اور خلوص میں سلسلہ عالیہ کے مشائخ کا صدقہ مزید اضافہ فرمائے اور ان کی اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے کتاب کے اندر بعض مقامات پر مصنف کی بزرگان دین کی درج کردہ عبارات کے بعض مقامات کو ان بزرگوں کے تقویٰ کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے نہ کہ فتویٰ کی حیثیت سے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی کوئی سقم پائیں اس سے مصنف اور ناشر کو آگاہ کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔

میری آخر پر التجا ہے کہ تمام امت مسلمہ کا اول سے آخر تک عقیدہ اور عقیدت کا مرکز ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ صحابہ کرام، اہل بیت پاک، ازواج مطہرات، بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، داماد رسول اور کل کے کل اولیاء اللہ رہے ہیں۔ ہماری اگلی نسلیں اگر سکون تلاش کرنا چاہتی ہیں تو سوائے اولیاء اللہ کے محبت والے راستے کے کوئی چارہ نہیں۔ آزادروی اور میڈیا پر کھلم کھلا بحث اور اعتراضات جب تک دین اور دین داروں پر ہوتے رہیں گے۔ ملت اسلامیہ کی نئی نسل سے کسی کمال کی توقع رکھنا عبث ہوگا۔ ہمیں اولیاء کے خادم غازی علم دین شہید حضرت محمد پناہ سندھی اور حضرت عامر عبدالرحمن شہید جیسے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار نوجوان چاہئیں جو ملت کی حیات ابدی کے پیکر ہوں جو صرف اور صرف وادی تصوف میں ہی ممکن ہیں۔ اللہ ہم سب کا اپنے اپنے مشائخ کے صدقے خاتمہ بالخیر، خاتمہ بالایمان فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

یکے از غلامانِ پیر کیلانی

محمد رفیق کیلانی

ایم اے (عربی، اسلامیات)

ناظم دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمہید

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَمۡ یَزَلۡ رَبًّا رَّحِیۡمًا کَرِیۡمًا عَالِمًا قَدِیۡرًا وِّترًا حَیًّا قَیُّوۡمًا سَمِیۡعًا بَصِیۡرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ رَحۡمَۃً لِّلۡعَالَمِیۡنَ شَفِیۡعِ الۡمُذۡنِبِیۡنَ سَیِّدِنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ اِلَی الۡخَلۡقِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّعَلٰی اٰلِهٖ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاهِرِیۡنَ وَصَحۡبِهٖ الۡمُکَرَّمِیۡنَ الۡمُعَظَّمِیۡنَ وَبَارِكۡ وَسَلِّمۡ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ (سورہ فاتحہ) وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ. وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیۡقًا. ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ. وَکَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیۡمًا.

(پ۵ سورہ النساء آیت ۶۹، ۷۰)

ترجمہ نمبر۱: ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا (کنزالایمان)۔

ترجمہ نمبر۲: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا۔ یعنی انبیاء، صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے۔ (کنزالایمان)

انعام یافتہ لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام حاصل کرتے ہیں۔

انبیاء کرام اپنے ذاتی کمالات یا کسب اور شخصی جدوجہد یا کسی اجتماعی و جماعتی تجویز سے نبوت کا درجہ حاصل نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت و رسالت کے لئے چن لیتا ہے۔ ان کے علاوہ سب اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سچے دل سے مان کر اور ان پر صحیح طرح عمل کر کے انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل کرتے ہیں۔ سب انبیاء کرام معصوم ہیں اور باقی میں سے کچھ محفوظ ہوتے ہیں۔

ایمان کسے کہتے ہیں؟

ہمارا اعتقاد ہے کہ زبان سے اقرار، دل سے یقین اور ارکان پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ علم سے ایمان میں قوت آتی ہے اور جہالت سے کمزور ہوتا ہے اور توفیق الٰہی سے وقوع پذیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّهُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ.

تحقیق جو لوگ ایمان لائے تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور خوش ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو چیز زیادہ ہوتی ہے وہ کم بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا. جب ان کے سامنے آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ وَیَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِیۡمَانًا. تاکہ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی یقین کر لیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

(غنیۃ الطالبین)

ایمان کے معنی

لغت میں ایمان کے معنی دل سے کسی چیز کے تصدیق کرنے اور جس پر یقین ہو، اسے حاصل کرنے کے ہیں۔ شریعت میں ایمان کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین کرنا، اس کے اسماء وصفات کو پہچاننا اور ان پر یقین رکھنا، فرائض واجبات اور نوافل کا ادا کرنا، گناہوں اور معاصی سے اجتناب کرنا، اگر ایمان کو مذہب، شریعت اور ملت سے موسوم کیا جائے تو جائز ہے۔ اس لئے دین وہی ہے جس کا اتباع کیا جائے اور طاعات کے ساتھ محرمات وممنوعات سے اجتناب کیا جائے یہی ایمان کی تعریف ہے۔ ایمان کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ اجزائے ایمان پر زبان سے قرار اور دل سے تصدیق کو ایمان کہا جاتا ہے اسلام میں اجزائے ایمان یہ ہیں۔

(۱) ایمان مفصل

ترجمہ: میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر کے خالق اللہ تعالیٰ اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لایا۔

(۲) ایمان مجمل

ترجمہ: میں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء یعنی ناموں اور صفات کے ساتھ ہے ایمان لایا اور میں نے اس کے تمام احکام زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے قبول کئے۔

اسلام کی تعریف

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا دین صرف دین اسلام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامِ یعنی بلاشبہ سچا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ پھر فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کیا اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (غنیۃ الطالبین)

اسلام کی تعریف اگرچہ ایمان کے ساتھ کی جاسکتی ہے کیونکہ ہر ایمان یقیناً اسلام ہے لیکن ہر اسلام ایمان نہیں اس لئے کہ اسلام کے معنی مطیع اور فرمانبردار ہونے کے ہیں۔ ہر مومن احکام الٰہی کا مطیع وفرمانبردار ہے لیکن ہر مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا نہیں کیونکہ بعض اوقات نام نہاد مسلمان تلوار کے خوف سے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ایمان کا لفظ بہت سی قولی اور فعلی صفات پر حاوی ہے اور اس کے دائرے میں اللہ تعالیٰ کی تمام عبادتیں شامل ہیں۔ لفظ اسلام کا مطلب ہے زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا اور پانچوں ارکان اسلام کی صورت میں عبادت کرنا، مشکوٰۃ شریف باب الایمان میں ایک حدیث شریف جو کہ حدیث جبرائیل علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے وہ ایک طویل حدیث ہے یہاں اس کا ایک حصہ بیان کیا جاتا ہے جو ایمان اور اسلام کے متعلق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے زانو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کے رسول اسلام کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اسلام یہ ہے کہ تو کلمہ شہادت پڑھے یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کہے۔ نماز پنجگانہ ادا کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، طاقت ہو تو حج بھی ادا کرے۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا (یعنی جبرائیل علیہ السلام) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ اس کے جواب سے لوگ بہت حیران ہوئے کہ خود ہی

پوچھتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا مجھے ایمان کے متعلق بتایئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، قیامت اور نیکی و بدی کی تقدیر اللہ کی طرف سے ہے پر ایمان لائے۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اور سوال پوچھ کر چلا گیا۔ بعد میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔

غور طلب امر یہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایمان اور اسلام کے متعلق الگ الگ سوال کر کے دونوں میں تفریق کر دی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں سوالوں کے الگ الگ جوابات ارشاد فرمائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ایک حدیث ایک اعرابی والی غنیۃ الطالبین میں درج ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فلاں کو عطا کیا ہے اور مجھے منع فرمایا ہے۔ اس کے اس سوال پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہے اعرابی نے عرض کی میں بھی تو مومن ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم مسلم ہو اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی سند کے طور پر لائے ہیں۔ ترجمہ آیات: ''اعراب (دیہاتی) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ اے پیغمبران سے کہہ دیجئے کہ تم لوگ ایمان نہیں لائے، کہو ہم سب اسلام لائے ہیں۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے (القرآن) ایمان میں زیادتی، اضافہ صرف نماز روزے سے نہیں ہوتی بلکہ دلی یقین کے بعد اوامر و نواہی کی پابندی، تقدیر کو ماننا، اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے تقسیم رزق کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر اعتماد رکھنا اور شک نہ کرنا، اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ اور اپنی قوت اور طاقت پر تکیہ نہ کرنا، مصیبتوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر بجا لانا۔ اللہ تعالیٰ کو عیوب سے پاک جاننا اور کسی قسم کی کسی حال میں اس پر تہمت نہ لگانا۔ امام صاحب کا مسلک ہے کہ جس چیز کا ذکر نہ قرآن میں ہو نہ آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہو (حدیث میں موجود نہ ہو) نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سلسلے میں کچھ کہا ہو اس میں اپنی طرف سے محض خواہش نفس کی بنا پر بغیر کسی دلیل شرعی کے رائے دینا گمراہی ہے۔

مومن ہونے کا دعویٰ

کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ کہے میں یقیناً مومن ہوں بلکہ کہے میں ان شاء اللہ مومن ہوں۔ معتزلہ کے نزدیک یہ کہنا کہ میں سچا مومن ہوں جائز ہے۔ از راہ تکبر یقیناً مومن کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا گیا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ میں قطعی مومن ہوں حضرت نے فرمایا اس سے پوچھو جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا اس نے کہا کہ اللہ ہی خوب واقف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا دوسری بات کو اللہ کے سپرد کرتا ہے پہلی بات مومن ہونے کو اللہ کے سپرد کیوں نہیں کرتا۔ یعنی پہلے ہی کہتا کہ میرا مومن ہونا اللہ کو معلوم ہے۔

یقیناً سچا مومن وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے اور وہی جنتی ہوگا اس کا اعتبار اس وقت ہے جب ایمان پر خاتمہ ہو اور کسی کو ایمان پر خاتمہ ہونے کی خبر نہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ڈرتا بھی رہے اور امید بھی رکھے اعمال کی درستگی بھی کرتا رہے اندیشہ کے ساتھ ساتھ امید بھی رہے یہاں تک کہ نیک اعمال کے ساتھ خاتمہ ہو جائے لوگ جن اعمال پر زندگی گزارتے ہیں انہی پر خاتمہ ہوگا۔ جن اعمال پر خاتمہ ہوگا انہی پر حشر ہوگا۔ حدیث شریف ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جیسے زندہ رہو گے ویسے ہی مرو گے اور جیسے مرو گے ویسے ہی اٹھائے جاؤ گے۔

ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بندے کے تمام اعمال اللہ کے پیدا کردہ ہیں اور ان کے کمائے ہوئے ہیں خواہ نیک ہوں یا بد۔ اچھے ہوں یا برے۔

مسلمان گناہ سے کافر نہیں ہوتا

ہمارا بھی عقیدہ یہی ہے کہ مومن کتنے ہی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کرے لیکن وہ کافر نہیں ہوتا۔ توبہ کے بغیر ہی مر جائے۔ بشرطیکہ توحید و ایمان کو ترک نہ کیا ہو۔ اس صورت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا۔ چاہے بخش دے اور جنت میں داخل فرمادے اور اسے سزا دے اور دوزخ میں بھیج دے۔

لہٰذا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان دخل نہ دینا چاہئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اس کے انجام کی خبر نہ دے۔ (غنیۃ الطالبین)

عقائد اہل سنت و جماعت

اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بارے میں تفصیلاً بیان بہار شریعت کے حصہ اوّل کے حوالے سے تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ وَهَدَانَا بِهٖ اِلٰی عَقَائِدِ الْاِیْمَانِ وَاَظْهَرَ هٰذَا الدِّیْنَ الْقَوِیْمَ عَلٰی سَآئِرِ الْاَدْیَانِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ فِیْ كُلِّ حِیْنٍ وَّاٰنٍ عَلٰی سَیِّدٍ وُّلْدِ عَدْنَانَ سَیِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ الَّذِیْ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مُطَّلِعًا عَلَی الْغُیُوْبِ فَعَلِمَ مَایَكُوْنُ وَمَا كَانَ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَابْنِهٖ وَحِزْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ یَارَحْمٰنُ یَامَنَّانُ.

فقیر بارگاہ قادری ابوالعلا امجد علی اعظمی رضوی عرض کرتا ہے کہ زمانہ کی حالت نے اس طرف متوجہ کیا کہ عوام بھائیوں کیلئے صحیح مسائل کا ایک سلسلہ عام فہم زبان میں لکھا جائے جس میں ضروری روزمرہ کے مسائل ہوں۔ باوجود بے فرصتی اور بے مائیگی کے ''توکلاً علی اللہ'' اس کام کو شروع کیا ایک حصہ لکھنے پایا تھا کہ یہ خیال ہوا کہ اعمال کی درستی عقائد کی صحت پر متفرع ہے اور بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ اصول مذہب سے آگاہ نہیں ایسوں کیلئے سچے عقائد ضروری کے سرمایہ کی بہت شدید حاجت ہے۔ خصوصاً اس پر آشوب زمانہ میں کہ گندم نما جوفروش بکثرت ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے بلکہ عالم کہلاتے ہیں اور حقیقۃً اسلام سے ان کو کچھ علاقہ نہیں۔ عام ناواقف مسلمان ان کے دام تزویر میں آکر مذہب اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ لہٰذا اس حصہ یعنی کتاب الطہارۃ کو اس سلسلہ کا حصہ دوم کیا۔ اور ان بھائیوں کیلئے اس پہلے حصہ میں اسلامی سچے عقائد بیان کئے۔ امید ہے کہ برادران اسلام اس کتاب کے مطالعہ سے ایمان تازہ کریں گے اور اس فقیر کیلئے عفو و عافیت دارین اور ایمان و مذہب اہلسنّت پر خاتمہ کی دعا فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلَی الْاِیْمَانِ وَتَوَفَّنَا عَلَی الْاِسْلَامِ وَارْزُقْنَا شَفَاعَةَ خَیْرِ الْاَنَامِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاَدْخِلْنَا بِجَاهِهٖ عِنْدَكَ دَارَالسَّلَامِ اٰمِیْنَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٥

عقائد متعلقہ ذات و صفات الٰہی جلّ جلالہٗ

عقیدہ……اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں، نہ اسماء میں، واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدیم محال قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔ ازلی کے بھی یہی معنی ہیں باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا اور اسی کو ابدی بھی کہتے ہیں۔ وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت و پرستش کی جائے۔

عقیدہ……وہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور تمام جہان اس کا محتاج۔

عقیدہ……اس کی ذات کا ادراک عقلاً محال کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے عقل اس کو محیط ہوتی ہے اور اس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا البتہ اس کے افعال کے ذریعہ سے اجمالاً اس کی صفات پھر ان صفات کے ذریعہ سے معرفت ذات حاصل ہوتی ہے۔

عقیدہ……اس کی صفتیں نہ عین ہیں نہ غیر یعنی صفات اسی ذات ہی کا نام ہو ایسا نہیں اور نہ اس سے کسی طرح کسی نحو وجود میں جدا ہو سکیں کہ نفس ذات کی مقتضی ہیں اور عین ذات کو لازم۔

عقیدہ……جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں۔

عقیدہ……اس کی صفات نہ مخلوق ہیں نہ زیر قدرت داخل۔

عقیدہ......ذات وصفات کے سوا سب چیزیں حادث ہیں یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔

عقیدہ......صفات الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے گمراہ بددین ہے۔

عقیدہ......جو عالم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حدوث میں شک کرے کافر ہے۔

عقیدہ......نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا نہ اس کیلئے بی بی۔ جو اسے باپ یا بیٹا بتائے یا اس کیلئے بی بی ثابت کرے کافر ہے بلکہ جو ممکن بھی کہے گمراہ بددین ہے۔

عقیدہ......وہ ''حی'' ہے یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے۔ جسے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے موت دے۔

عقیدہ......وہ ہر ممکن پر قادر ہے کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

عقیدہ...... جو چیز محال ہے اللہ ﷻ اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اسے شامل ہو کہ محال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے اور جب مقدور ہو گا تو موجود ہو سکے گا پھر محال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا محال ہے یعنی نہیں ہو سکتا تو یہ اگر زیر قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا تو محال نہ رہا اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ یونہی فنائے باری محال ہے۔ اگر تحت قدرت ہو تو ممکن ہو گی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا اللہ جل جلالہ کی الوہیت سے ہی انکار کرنا ہے۔

عقیدہ...... ہر مقدور کیلئے ضرور نہیں کہ موجود ہو جائے البتہ ممکن ہونا ضروری ہے اگرچہ کبھی موجود نہ ہو۔

عقیدہ......وہ ہر کمال وخوبی کا جامع ہے اور ہر اس چیز سے جس میں عیب ونقصان ہے پاک ہے یعنی عیب ونقصان کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان وہ بھی اس کیلئے محال۔ مثلاً جھوٹ' دغا' خیانت' ظلم' جہل' بے حیائی وغیرہم عیوب اس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی' باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان۔ نقصان تو اس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔

عقیدہ......حیات' قدرت' سننا' دیکھنا' کلام' علم' ارادہ اس کے صفات ذاتیہ ہیں مگر کان' آنکھ' زبان سے اس کا سننا دیکھنا کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں اور اجسام سے وہ پاک۔ ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے بلکہ اس کا دیکھنا اور سننا انہی چیزوں پر منحصر نہیں ہر موجود کو دیکھتا ہے اور ہر موجود کو سنتا ہے۔

عقیدہ......مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے حادث ومخلوق نہیں۔ جو قرآن عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امام اعظم و دیگر ائمہ رضی اللہ عنہم نے اسے کافر کہا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی تکفیر ثابت ہے۔

عقیدہ......اس کا کلام آواز سے پاک ہے اور یہ قرآن عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے' مصاحف میں لکھتے ہیں اسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث ہے اور جو لکھا قدیم ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم یعنی متجلّی قدیم ہے اور تجلّی حادث۔

عقیدہ......اس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات' کلیات' موجودات' معدومات' ممکنات' محالات' سب کو ازل میں جانتا تھا۔ اور اب جانتا ہے اور ابد تک جانے گا۔ اشیاء بدلتی ہیں اور اس کا علم نہیں بدلتا۔ دلوں کے خطروں اور وسوسوں پر اس کو خبر ہے اور اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

عقیدہ......وہ غیب وشہادت سب کو جانتا ہے۔ علم ذاتی اس کا خاصہ ہے۔ جو شخص علم ذاتی غیب خواہ شہادت کا غیر خدا کیلئے ثابت کرے کافر ہے۔ علم ذاتی کے یہ معنی کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو۔

عقیدہ......وہی ہر شے کا خالق ہے ذوات ہوں خواہ افعال' سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

عقیدہ...... حقیقۃً روزی پہنچانے والا وہی ہے ملائکہ وغیرہم وسائل و وسائط ہیں۔

عقیدہ...... ہر بھلائی برائی اس نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر فرمادی ہے جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ برائی لکھی اس لئے کہ زید برائی کرنے والا تھا۔ اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اس کیلئے بھلائی لکھتا' تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔ تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی ﷺ نے اس امت کا مجوس بتایا۔

عقیدہ...... قضا تین قسم ہے:

(۱) مبرم حقیقی کہ علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں

اور (۲) معلق محض کہ صحف ملائکہ میں کسی شے پر اس کا معلق ہونا ظاہر فرمادیا گیا ہے

اور (۳) معلق شبیہ بہ مبرم کہ صحف ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں اور علم الٰہی میں تعلیق ہے۔

وہ جو مبرم حقیقی ہے اس کی تبدیلی ناممکن ہے اکابر محبوبان خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انہیں اس خیال سے واپس فرمادیا جاتا ہے ملائکہ قوم لوط پر عذاب لے کر آئے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ رحمت محضہ تھے ان کا نام پاک ہی ابراہیم ہے یعنی "اب رحیم" مہربان باپ ان کافروں کے بارے میں اتنے ساعی ہوئے کہ اپنے رب سے جھگڑنے لگے۔ ان کا رب فرماتا ہے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (پ۱۲: ھود ۷۴) ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ (کنز الایمان)

اس قرآن عظیم نے ان بے دینوں کا رد فرمایا جو محبوبانِ خدا کو بارگاہ عزت میں کوئی عزت و وجاہت نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کے حضور کوئی دم نہیں مار سکتا حالانکہ ان کا رب ﷻ ان کی وجاہت اپنی بارگاہ میں ظاہر فرمانے کو خود ان لفظوں سے ذکر فرماتا ہے کہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

حدیث میں ہے شب معراج حضور اقدس ﷺ نے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص اللہ ﷻ کے ساتھ بہت تیزی اور بلند آواز سے گفتگو کر رہا ہے حضور اقدس ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی موسیٰ علیہ السلام۔ فرمایا کیا اپنے رب پر تیز ہو کر گفتگو کرتے ہیں؟ عرض کی ان کا رب جانتا ہے کہ ان کے مزاج میں تیزی ہے۔ جب آیہ کریمہ نازل ہوئی: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (پ۳۰ الضحیٰ ۵) بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے (ترجمہ کنز الایمان) حضور سید المحبوبین ﷺ نے فرمایا "اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ" ایسا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی آگ میں ہو۔ یہ تو شانیں بہت رفیع ہیں جن پر رفعت عزت و وجاہت ختم ہے صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم۔

مسلمان ماں باپ کا کچا بچہ جو حمل سے گر جاتا ہے اس کیلئے حدیث میں فرمایا "کہ روز قیامت اللہ ﷻ سے اپنے ماں باپ کی بخشش کیلئے ایسا جھگڑے گا جیسا قرض خواہ کسی قرضدار سے یہاں تک کہ فرمایا جائے گا "اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهٗ" اے کچے بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں چلا جا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا مگر ایمان والوں کیلئے بہت نافع اور شیاطین الانس کی خباثت کا دافع تھا کہنا یہ ہے کہ قوم لوط پر عذاب قضائے مبرم حقیقی تھا۔ خلیل اللہ علیہ السلام اس میں جھگڑے تو انہیں ارشاد ہوا یٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (پ۱۲: ھود ۷۶) ترجمہ: اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑ بے شک تیرے رب کا حکم آچکا اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے کہ پھیرا نہ جائے گا۔ (کنز الایمان)

اور وہ جو ظاہر قضائے معلق ہے اس تک اکثر اولیاء کی رسائی ہوتی ہے ان کی دعا سے ان کی ہمت سے ٹل جاتی ہے۔

اور وہ جو متوسط حالت میں ہے جسے صحف ملائکہ کے اعتبار سے مبرم بھی کہہ سکتے ہیں اس تک خواص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اسی کو فرماتے ہیں "میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں" اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا "اِنَّ الدُّعَآءَ یَرُدُّ الْقَضَآءَ بَعْدَمَا اُبْرِمَ" ترجمہ: بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

مسئلہ...... قضا و قدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آ سکتے ان میں زیادہ غور و فکر کرنا سبب ہلاکت ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے ماوشما کس گنتی میں۔ اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مثل پتھر اور دیگر جمادات کے بے حس و حرکت نہیں پیدا کیا' بلکہ اس کو ایک نوع اختیار دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی عقل بھی دی ہے کہ بھلے برے نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اس پر مواخذہ ہے۔ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں۔

مسئلہ...... برا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا' اور مشیت الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بری بات ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ "جو اچھا کام کرے اسے منجانب اللہ کہے اور جو برائی سرزد ہو اس کو شامت نفس تصور کرے۔"

عقیدہ...... اللہ تعالیٰ جہت و مکان و زمان و حرکت و سکون و شکل و صورت و جمیع حوادث سے پاک ہے۔

عقیدہ...... دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص ہے اور آخرت میں ہر سنی مسلمان کیلئے ممکن بلکہ واقع رہا قلبی دیدار یا خواب میں یہ دیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء کیلئے بھی حاصل ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو خواب میں سو بار زیارت ہوئی۔

عقیدہ...... اس کا دیدار بلا کیف ہے یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے۔ جس چیز کو دیکھتے ہیں اس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے' نزدیک یا دور وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے اوپر یا نیچے رہے دائیں یا بائیں آگے یا پیچھے۔ اس کا دیکھنا ان سب باتوں سے پاک ہوگا پھر رہا یہ کہ کیونکر ہوگا یہی تو کہا جاتا ہے کہ "کیونکر" کو یہاں دخل نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب دیکھیں گے اس وقت بتا دیں گے۔ اس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے اس تک عقل رسا نہیں اور وقت دیدار نگاہ اس کا احاطہ کرے یہ محال ہے۔

عقیدہ...... وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے کسی کو اس پر قابو نہیں اور نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا۔ اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا' نہ تھکے' نہ اکتائے' تمام عالم کا پالنے والا' ماں باپ سے زیادہ مہربان' حلم والا' اسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا' اسی کیلئے بڑائی اور عظمت ہے۔ ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے صورت بنانے والا' گناہوں کا بخشنے والا' توبہ قبول کرنے والا' قہر و غضب فرمانے والا۔ اس کی پکڑ نہایت سخت ہے جس سے بے اس کے چھڑائے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ چاہے تو چھوٹی چیز کو وسیع کر دے اور وسیع کو سمیٹ دے۔ جس کو چاہے بلند کر دے اور جس کو چاہے پست' ذلیل کو عزت دے دے اور عزت والے کو ذلیل کر دے۔ جس کو چاہے راہ راست پر لائے اور جس کو چاہے سیدھی راہ سے الگ کر دے۔ جسے چاہے اپنا نزدیک بنا لے اور جسے چاہے مردود کر دے۔ جسے جو چاہے دے اور جو چاہے چھین لے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا عدل و انصاف ہے۔ ظلم سے پاک و صاف ہے۔ نہایت بلند و بالا ہے۔ وہ سب کو محیط ہے اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ نفع و ضرر اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ مظلوم کی فریاد کو پہنچتا اور ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔ اس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے اور برے سے ناراض۔ اس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہے۔ اللہ عزوجل پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو اس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے۔ ہاں اس نے اپنے قلم سے وعدہ فرما لیا ہے کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور بمقتضائے عدل کفار کو جہنم میں۔ اور اس کے وعدہ و وعید بدلتے نہیں۔ اس نے وعدہ فرما لیا ہے کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف فرما دے گا۔

عقیدہ......اس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں خواہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں اور اس کے فعل کیلئے غرض نہیں کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے۔ نہ اس کے فعل کیلئے غایت' کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے اور نہ اس کے افعال علت وسبب کے محتاج۔ اس نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق عالم اسباب میں مسببات کو اسباب سے ربط فرمادیا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے' کان سنتا ہے' آگ جلاتی ہے' پانی پیاس بجھاتا ہے' وہ چاہے تو آنکھ سنے' کان دیکھے' پانی جلائے' آگ پیاس بجھائے' نہ چاہے تو لاکھ آنکھیں ہوں دن کو پہاڑ نہ سوجھے' کروڑ آگیں ہوں ایک تنکے پر داغ نہ آئے کس قہر کی آگ تھی۔ جس میں ابراہیم علیہ السلام کو کافروں نے ڈالا۔ کوئی پاس نہ جاسکتا تھا۔ گوپھن میں رکھ کر پھینکا۔ جب آگ کے مقابل پہنچے' جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی ''ابراہیم کچھ حاجت ہے؟'' فرمایا'' ہے مگر نہ تم سے۔ عرض کی پھر اسی سے کہئے جس سے حاجت ہے فرمایا'' عِلْمُهٗ بِحَالِیْ کَفَانِیْ عَنْ سُؤَالِیْ '' ترجمہ: اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت است'' ارشاد ہوا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (پ۱۷' الانبیاء ۶۹) ترجمہ: اے آگ! ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔ اس ارشاد کو سن کر روئے زمین پر جتنی آگیں تھیں سب ٹھنڈی ہوگئیں کہ شاید مجھی سے فرمایا جاتا ہو' اور یہ تو ایسی ٹھنڈی ہوئی کہ علما فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ وَسَلٰمًا کا لفظ نہ فرمادیا جاتا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا تو اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ اس کی ٹھنڈک ایذا دیتی۔ (بہار شریعت)

وہ صفات جن کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ناروا اور نا جائز ہے

مندرجہ ذیل صفات سے اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دینا جائز نہیں ہے۔

جہالت، شک، تردد، غلبہ ظن، سہو ونسیان، اونگھ، نیند، مرض، غفلت، عجز، موت، بہرا پن، گونگا پن، نابینائی، شہوت، نفرت، خواہش، غصہ (ظاہری) غضب (باطنی)، غم، افسوس، ملال، پشیمانی، تاسف، دکھ، لذت، نفع، نقصان، آرزو، مقصد اور کذب۔

اللہ تعالیٰ کا نام ایمان رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ فرقہ سالمیہ اس کے جواز کا قائل ہے، انہوں نے مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ جس نے ایمان کے ساتھ کفر کیا یقیناً اس کے عمل ضائع ہوئے، (ان کے خیال کے مطابق اس آیت میں اللہ کو ایمان کہا گیا ہے) اور ہمارے نزدیک ایمان سے وجوب ایمان مراد ہے یعنی جس نے وجوب ایمان کا انکار کیا وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے رسول اور رسول کے لائے ہوئے اوامر ونواہی کو ماننے سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کو فرماں بردار (مطیع) کہنا بھی جائز نہیں نہ اس کو عورتوں کو حاملہ کرنے والا کہنا جائز ہے، اللہ کی حد انتہا نہیں، نہ وہ آگے ہے نہ پیچھے نہ نیچے ہے نہ اوپر، نہ پہلے ہے نہ بعد میں، جہات ستہ (چھ طرفوں) سے اس کے لئے کوئی طرف نہیں۔ اس کی ذات میں چگونگی (کیسی اور کیونکر) کو دخل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہ ''مستوی عرش'' ہے جیسا کہ قرآن اور احادیث میں آیا ہے، سب اطراف کا پیدا کرنے والا وہی ہے، وہ کیف (کیسا) اور کم (کتنا) دونوں صفات سے پاک ہے۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ کو شخص کہنا جائز ہے یا نہیں علماء کا اختلاف ہے جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو سند لاتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا لاشخص اغیر من اللّٰه ولا شخص اب الیه المعاذیر من اللّٰه۔ اللہ سے زیادہ کوئی شخص غیرت والا نہیں اور اللہ سے زیادہ کسی شخص کو معذرت پیش کرنا محبوب نہیں۔

عدم جواز کے حامی کہتے ہیں کہ حدیث میں خدا کے لئے شخص کی تصریح نہیں ہے احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں لا احد غیر من اللّٰه (کوئی شخص اللہ سے زیادہ غیرت مند نہیں ہے) بلاشبہ بعض حدیث میں ''لا احد'' کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ اللہ سے زیادہ کوئی شخص جن، انس، فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق غیرت مند نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ کو فاضل، آزاد (عتیق) فقیہہ، فہیم، فطین (زیرک) محقق، عاقل، موقر (دوسرے کی تعظیم کرنے والا) طبیب کہنا جائز نہیں، بعض کے

نزدیک طبیب کہنا جائز ہے۔اللہ کو عادی (پرانے زمانے کا) کہنا بھی جائز نہیں کیونکہ عادی عاد کی طرف منسوب ہے اور قوم عاد قدیم نہیں بلکہ حادث ہے،اللہ تعالیٰ کو مطیق (طاقت والا) بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ہر طاقت محدود ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ طاقت والا نہیں بلکہ ہر طاقت کا خالق ہے،اس کو محفوظ بھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ حافظ ہے،اس کو کسی کا مرتکب (مباشرہ) بھی نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کا وصف مکتسب ہو سکتا ہے اس لئے کہ مکتسب اس کو کہتے ہیں جو قدرت محدثہ کے ذریعہ کسی دوسری چیز کو ایجاد کرے (یعنی کسب پیدا کردہ مخلوق کی قدرت سے حادث ہے) اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔اللہ تعالیٰ پر عدم کا اطلاق بھی جائز نہیں کیونکہ وہ قدیم ہے اور اس کے وجود کے لئے ابتداء نہیں ہے۔

ابن کلاب نے اس کے برخلاف کہا ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے صفت قدم کے ساتھ اور وہ باقی ہے کبھی فنا نہیں ہوگا،وہ عالم ہے تمام معلومات غیر متناہیہ کا اور وہ قادر ہے تمام غیر متناہیہ مقدورات کا،معتزلہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ سب صفتیں انتہاء پذیر ہی (غیر متناہی نہی ہیں)

وہ صفات جن سے اللہ تعالیٰ کو متصف کرنا جائز ہے

اللہ تعالیٰ کو ان صفتوں سے متصف کرنا جائز ہے۔صفت فرح،ضحک،غضب،سخط،رضا اور اس سلسلہ میں افعال کی حقائق اور کیفیات سے واقف ہے۔اللہ تعالیٰ کے مصیب ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ کسی حاکم کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے،ہاں بندے پر اس لفظ کا جب اطلاق ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بندہ اپنے رب کا فرمانبردار اس کے حکم پر کاربند اور اس کی ممانعت کے باعث کسی کام سے باز رہنے والا ہے،کسی سردار یا حاکم بالادست کا مطیع ہونے کے باعث بندہ کو مصیب کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے افعال کو صواب بمعنی حق و صحیح کہنا درست ہے۔اللہ تعالیٰ کو مثیب (ثواب دینے والا) اور منعم (نعمت دینے والا) کہنا بھی درست ہے یعنی جس شخص کو وہ ثواب دیتا ہے اس کو انعام یافتہ بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو معاقب اور مجازی (سزا اور جزا دینے والا) کہنا درست ہے یعنی وہ نافرمان کو ذلیل کرتا ہے اور اس کی معصیت کے مطابق اس کو دکھ دیتا ہے۔اس کو قدیم الاحسان کہنا بھی درست ہے یعنی تخلیق اور عطا رزق اس کی قدیمی صفات ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اللہ تعالیٰ کو دلیل کہنا بھی درست ہے۔حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ مجھے کچھ توشہ دعا مرحمت فرمایئے میں طرطوس جا رہا ہوں،امام نے فرمایا اس طرح کہو "اے حیرانوں کے راہنما (دلیل) مجھے اہل صدق کا راستہ دکھا دے اور اپنے صالح بندوں میں سے کر دے۔

اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا بھی درست ہے۔ابورمثہ رضی اللہ عنہ تمیمی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں اپنے والد کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھا۔میں نے حضور کے شانہ مبارک پر سیپ (صدف) کی طرح کوئی چیز دیکھی،میرے والد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں طبیب ہوں کیا اس کا علاج کردوں،حضور نے ارشاد فرمایا اس کا طبیب وہی ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔

ابوالسفر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علیل ہوئے،کچھ لوگ آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے کیا ہم آپ کے لئے طبیب کو بلالیں آپ نے ارشاد فرمایا طبیب نے مجھے دیکھا تھا،لوگوں نے دریافت کیا پھر طبیب نے کیا کہا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس نے کہا جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں" حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ایسی ہی ایک روایت آئی ہے کہ آپ بیمار ہوئے اور لوگ عیادت کے لئے آئے اور پوچھا آپ کو کیا بیماری ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ گناہوں کی،لوگوں نے کہا آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا جنت! لوگوں نے کہا کیا ہم آپ کے لئے طبیب کو بلالیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔

اس فصل میں ہم نے ان اسماء کو بیان کیا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنا جائز ہے،اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کو دعا میں پکارنا زیادہ مناسب ہے،ان اسمائے وصفی کے ساتھ بھی جو غنیۃ الطالبین میں اس فصل میں بیان کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ کو پکارنا جائز ہے مگر دعا میں یا ساحِرُ یا مستھزی یا ماکر یا خادع یا مغض یا غضبان یا منتقم یا معادی یا معدم یا مھلک کہہ کر پکارنا منع ہے اگر چہ مجرموں کے جرم کی پاداش اور سزا دینے کے لحاظ سے اللہ کا ان اوصاف سے متصف ہونا صحیح اور درست ہے۔(غنیۃ الطالبین)

عقائد متعلقہ نبوت

مسلمان کیلئے جس طرح ذات وصفات کا جاننا ضروری ہے کہ کسی ضروری کا انکار یا محال کا اثبات اسے کافر نہ کردے' اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نبی کیلئے کیا جائز ہے اور کیا واجب اور کیا محال۔ کہ واجب کا انکار اور محال کا اقرار موجب کفر ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ آدمی نادانی سے خلاف عقیدہ رکھے یا خلاف بات زبان سے نکالے اور ہلاک ہو جائے۔

عقیدہ...... نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کیلئے وحی بھیجی ہو۔ اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ...... انبیاء علیہم السلام سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

عقیدہ...... اللہ عزوجل پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں۔ اس نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی ہدایت کیلئے انبیاء بھیجے۔

عقیدہ...... نبی ہونے کیلئے اس پر وحی ہونا ضروری ہے خواہ فرشتہ کی معرفت ہو یا بلا واسطہ۔

عقیدہ...... بہت سے نبیوں پر اللہ تعالیٰ نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اتاریں' ان میں سے چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر' زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر' انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر' قرآن عظیم کہ سب سے افضل کتاب ہے سب سے افضل رسول حضور پرنور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کلام الٰہی میں بعض کا بعض سے افضل ہونا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے لئے اس میں ثواب زائد ہے ورنہ اللہ ایک' اس کا کلام ایک' اس میں افضل ومفضول کی گنجائش نہیں۔

عقیدہ...... سب آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں۔ اور سب کلام اللہ ہیں ان میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے مگر یہ بات البتہ ہوئی کہ اگلی کتابوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے امت کے سپرد کی تھی ان سے اس کا حفظ نہ ہو سکا۔ کلام الٰہی جیسا اُترا تھا ان کے ہاتھوں میں ویسا ہی باقی نہ رہا بلکہ ان کے شریروں نے تو یہ کیا کہ ان میں تحریفیں کر دیں یعنی اپنی خواہش کے مطابق گھٹا بڑھا دیا' لہٰذا جب کوئی بات ان کتابوں کی ہمارے سامنے پیش ہو تو' اگر وہ ہماری کتاب کے مطابق ہے ہم اس کی تصدیق کریں گے اور اگر مخالف ہے تو یقین جانیں گے کہ یہ ان کی تحریفات سے ہے۔ اور اگر موافقت مخالفت کچھ معلوم نہیں تو حکم ہے کہ ہم اس بات کی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب بلکہ یوں کہیں کہ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ'' ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ہمارا ایمان ہے۔

عقیدہ...... چونکہ یہ دین ہمیشہ رہنے والا ہے لہٰذا قرآن عظیم کی حفاظت اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ رکھی۔ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ۱۴ الحجر ۹) بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان) لہٰذا اس میں کسی حرف یا نقطہ کی کمی بیشی محال ہے اگرچہ تمام دنیا اس کے بدلنے پر جمع ہو جائے تو جو یہ کہے کہ اس میں کے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں بلکہ ایک حرف بھی کسی نے کم کر دیا یا بڑھا دیا یا بدل دیا' قطعاً کافر ہے کہ اس نے اس آیت کا انکار کیا جو ہم نے ابھی لکھی۔

عقیدہ...... قرآن مجید کتاب اللہ ہونے پر اپنے آپ دلیل ہے کہ خود اعلان کے ساتھ کہہ رہا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

(پ۱ البقرہ ۲۳-۲۴)

ترجمہ: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک صورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا' اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے' جس کا

ایندھن آدمی اور پتھر ہیں' تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔ (کنز الایمان)

لہٰذا کافروں نے اس کے مقابلہ میں جی توڑ کوششیں کیں مگر اس کی مثل ایک سطر نہ بنا سکے نہ بنا سکیں۔

مسئلہ......اگلی کتابیں انبیاء ہی کو زبانی یاد ہوتیں۔قرآن عظیم کا معجزہ ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ یاد کر لیتا ہے۔

عقیدہ......قرآن عظیم کی سات قرائتیں سب سے زیادہ مشہور اور متواتر ہیں۔ان میں معاذ اللہ کہیں اختلاف معنی نہیں۔وہ سب حق ہیں۔ اس میں امت کیلئے آسانی یہ ہے کہ جس کیلئے جو قرأت آسان ہو وہ پڑھے اور حکم یہ ہے کہ جس ملک میں جو قرأت رائج ہے' عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے۔جیسے ہمارے ملک میں قرأت عاصم بروایت حفص رحمہم اللہ کہ لوگ ناواقفی سے انکار کریں گے اور وہ معاذ اللہ کلمہ کفر ہوگا۔

عقیدہ......قرآن مجید نے اگلی کتابوں کے بہت سے احکام منسوخ کر دیئے۔یونہی قرآن مجید کی بعض آیتوں نے بعض آیات کو منسوخ کر دیا۔

عقیدہ......نسخ کا مطلب یہ ہے کہ بعض احکام کسی خاص وقت تک کیلئے ہوتے ہیں مگر یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ یہ حکم فلاں وقت تک کیلئے ہے۔ جب میعاد پوری ہو جاتی ہے تو دوسرا حکم نازل ہوتا ہے۔جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا حکم اٹھا دیا گیا اور حقیقۃً دیکھا جائے تو اس کے وقت کا ختم ہو جانا بتایا گیا۔منسوخ کے معنی بعض لوگ باطل ہونا کہتے ہیں یہ بہت سخت بات ہے۔احکام الٰہیہ سب حق ہیں وہاں باطل کی رسائی کہاں۔

عقیدہ......قرآن کی بعض باتیں محکم ہیں کہ ہماری سمجھ میں آتی ہیں اور بعض متشابہ کہ ان کا پورا مطلب اللہ اور اللہ کے حبیب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔متشابہ کی تلاش اور اس کے معنی کی کنکاش (سوچ بچار) وہی کرتا ہے جس کے دل میں کجی ہو۔

عقیدہ......وحی نبوت انبیاء کیلئے خاص ہے جو اسے کسی غیر نبی کیلئے مانے کافر ہے نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔ولی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بعض وقت سوتے یا جاگتے میں کوئی بات القا ہوتی ہے اس کو الہام کہتے ہیں۔اور وحی شیطانی کہ القا من جانب شیطان ہو'یہ کاہن ساحر اور دیگر کفار و فساق کیلئے ہوتی ہے۔

عقیدہ......نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زاید ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (پ ۸'الانعام ۱۲۴) ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (پ ۲۸'الجمعہ ۴) ترجمہ: اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

عقیدہ......جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔

عقیدہ......نبی علیہ السلام کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتے) کا خاصہ ہے کہ نبی علیہ السلام اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی اور بد دینی ہے۔عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کیلئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو لیا جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے بخلاف ائمہ و اکابر اولیا' کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ان سے گناہ ہوتا نہیں اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔

عقیدہ......انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کیلئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمداً صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

عقیدہ......اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کیلئے جتنے احکام نازل فرمائے انہوں نے وہ سب پہنچا دیئے جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے

چھپا رکھا تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا کافر ہے۔

عقیدہ……احکام تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام سے سہو و نسیان محال ہے۔

عقیدہ……ان کے جسم کا برص و جذام وغیرہ ایسے امراض سے جن سے تنفر ہوتا ہے پاک ہونا ضروری ہے۔

عقیدہ……اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی علیہ السلام کے پیش نظر ہے مگر یہ علم غیب' کہ ان کو ہے اللہ کے دیئے سے ہے لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا اور علم عطائی اللہ عزوجل کیلئے محال ہے کہ اس کی کوئی صفت کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں ہو سکتا بلکہ ذاتی ہے جو لوگ انبیاء بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ قرآن عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (پ۱ البقرہ ۸۵) ترجمہ: تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ یعنی قرآن عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں کہ آیت نفی دیکھتے ہیں اور ان آیتوں سے جن میں انبیاء علیہم السلام کو علوم غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے انکار کرتے ہیں حالانکہ نفی و اثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علم ذاتی کی ہے کہ یہ خاصہ الوہیت ہے اثبات عطائی کا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کی شایان شان ہے اور منافی الوہیت ہے اور یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کیلئے مانا جائے تو خالق و مخلوق کی مساوات لازم آئے گی' باطل محض ہے کہ مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ عزوجل کیلئے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے اور یہ نہ کہے گا مگر کافر۔ ذرات عالم متناہی ہیں اور اس کا علم غیر متناہی ورنہ جہل لازم آئے گا اور یہ محال کہ خدا جہل سے پاک نیز ذاتی و عطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان و اسلام کے خلاف ہے کہ اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم کہ ممکن و واجب وجود میں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر و کھلا شرک ہے۔

انبیاء علیہم السلام غیب کی خبر دینے کیلئے ہی آتے ہیں کہ جنت و نار و حشر و نشر و عذاب و ثواب غیب نہیں تو اور کیا ہیں ان کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن تک عقل و حواس کی رسائی نہیں اور اسی کا نام غیب ہے اولیاء کو بھی علم غیب عطائی ہوتا ہے مگر بواسطہ انبیاء علیہم السلام کے۔

عقیدہ……انبیائے کرام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو کسی نبی علیہ السلام کے برابر نہیں ہو سکتا جو کسی غیر نبی کو کسی نبی علیہ السلام سے افضل یا برابر بتائے کافر ہے۔

عقیدہ……نبی علیہ السلام کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے۔ کسی نبی علیہ السلام کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

عقیدہ……حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی بھیجے۔ بعض کا صریح ذکر قرآن مجید میں ہے اور بعض کا نہیں۔ جن کے اسمائے طیبہ بالتصریح قرآن مجید میں ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت شعیب علیہ السلام' حضرت لوط علیہ السلام' حضرت ہود علیہ السلام' حضرت داؤد علیہ السلام' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت ایوب علیہ السلام' حضرت زکریا علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام' حضرت الیسع علیہ السلام' حضرت یحییٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت یونس علیہ السلام' حضرت ادریس علیہ السلام' حضرت ذوالکفل علیہ السلام' حضرت صالح علیہ السلام' حضور سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عقیدہ……حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا اور اپنا خلیفہ کیا اور تمام اسماء مسمیات کا علم دیا۔ ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں سب نے سجدہ کیا۔ شیطان (کہ از قسم جن تھا مگر بہت بڑا عابد و زاہد تھا یہاں تک کہ گروہ ملائکہ میں اس کا شمار تھا) بانکار پیش آیا ہمیشہ کیلئے مردود ہوا۔

عقیدہ……حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے انسان کا وجود نہ تھا بلکہ سب انسان انہیں کی اولاد ہیں اسی وجہ سے انسان کو آدمی کہتے ہیں یعنی اولاد آدم اور حضرت آدم علیہ السلام کو ابو البشر کہتے ہیں یعنی سب انسانوں کے باپ۔

عقیدہ......سب میں پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور سب میں پہلے رسول جو کفار پر بھیجے گئے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ساڑھے نو سو برس ہدایت فرمائی۔ ان کے زمانہ کے کفار بہت سخت تھے۔ ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے' استہزا کرتے اتنے عرصہ میں گنتی کے لوگ مسلمان ہوئے باقیوں کو جب ملاحظہ فرمایا کہ ہرگز اصلاح پذیر نہیں ہٹ دھرمی اور کفر سے باز نہ آئیں گے' مجبور ہو کر اپنے رب کے حضور ان کی ہلاکت کی دعا کی۔ طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔

عقیدہ......انبیاء علیہم السلام کی کوئی تعداد معین کرنا جائز نہیں کہ خبریں اس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معین پر ایمان رکھنے میں نبی علیہ السلام کو نبوت سے خارج ماننے یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لہٰذا یہ اعتقاد چاہئے کہ اللہ کے ہر نبی کو نبوت سے خارج ماننے یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لہٰذا یہ اعتقاد چاہیے کہ اللہ عزوجل کے ہر نبی علیہ السلام پر ہمارا ایمان ہے۔

عقیدہ......نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء و مرسلین' انس و ملک و جن و جمیع مخلوقات الٰہی سے افضل ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں' بلاتشبیہ حضور علیہ السلام کے صدقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

عقیدہ......تمام انبیاء اللہ عزوجل کے حضور عظیم وجاہت و عزت والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاذ اللہ چوہڑے چمار کی مثل کہنا کھلی گستاخی اور کلمہ کفر ہے۔

عقیدہ......نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اپنے صدق کا اعلانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اس کو "معجزہ" کہتے ہیں جیسے حضرت صالح علیہ السلام کا ناقہ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا اور ید بیضا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو جلا دینا اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے تو بہت ہیں۔

عقیدہ......جو شخص نبی نہ ہو اور نبوت کا دعویٰ کرے وہ دعویٰ کر کے کوئی محال عادی اپنے دعویٰ کے مطابق ظاہر نہیں کر سکتا ورنہ جھوٹے سچے میں فرق نہ رہے گا۔

فوائد: نبی علیہ السلام سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو اس کو "ارہاص" کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو صادر ہو اسے معونت کہتے ہیں اور بیباک فجار یا کفار سے جو ان کے موافق ظاہر ہو اس کو استدراج کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو "اہانت" ہے۔

عقیدہ......انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح بحیات حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ کھاتے پیتے ہیں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں تصدیق وعدہ الٰہیہ کیلئے ایک آن کو ان پر موت طاری ہوئی پھر بدستور زندہ ہو گئے۔ ان کی حیات' حیات شہدا سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے فلہٰذا شہید کا ترکہ تقسیم ہوگا۔ اس کی بی بی بعد عدت نکاح کر سکتی ہے بخلاف انبیاء کے کہ وہاں یہ جائز نہیں یہاں تک جو عقائد بیان ہوئے ہیں ان میں تمام انبیاء علیہم السلام شریک ہیں۔ اب بعض وہ امور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔

عقیدہ......اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت خاص کسی ایک قوم کی طرف ہوئی' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق انسان و جن بلکہ ملائکہ' حیوانات' جمادات سب کی طرف مبعوث ہوئے۔ جس طرح انسان کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے' یوں ہی ہر مخلوق پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ضروری۔

عقیدہ......حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ و انس و جن و حور و غلمان و حیوانات و جمادات غرض تمام عالم کیلئے رحمت ہیں اور مسلمانوں پر تو نہایت ہی مہربان۔

عقیدہ......حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی اللہ عزوجل نے سلسلہ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں

ہوسکتا۔ جو شخص حضور ﷺ کے زمانہ میں یا حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنا مانے یا جائز جانے کافر ہے۔

عقیدہ...... حضور ﷺ افضل جمیع مخلوق الٰہی ہیں کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے حضور ﷺ میں وہ سب جمع کر دیئے گئے۔ اور ان کے علاوہ حضور ﷺ کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا حضور ﷺ کے طفیل میں بلکہ حضور ﷺ کے دست اقدس سے ملا بلکہ کمال اس لئے کمال ہوا کہ حضور ﷺ کی صفت ہے اور حضور ﷺ اپنے رب کے کرم سے اپنے نفس ذات میں کامل و اکمل ہیں۔ حضور ﷺ کا کمال کسی وصف سے نہیں بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر خود کمال و کامل و مکمل ہو گیا کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنادے۔

عقیدہ...... محال ہے کہ کوئی حضور ﷺ کا مثل ہو جو کسی صفت خاصہ میں کسی کو حضور ﷺ کا مثل بتائے گمراہ ہے یا کافر۔

عقیدہ...... حضور ﷺ کو اللہ ﷻ نے مرتبہ محبوبیت کبریٰ سے سرفراز فرمایا کہ تمام خلق جویائے رضائے مولیٰ ہے اور اللہ ﷻ طالب رضائے مصطفیٰ ﷺ۔

عقیدہ...... حضور ﷺ کے خصائص سے معراج ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی و عرش تک بلکہ بالائے عرش رات کے ایک خفیف حصہ میں مع جسم تشریف لے گئے اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو کبھی نہ حاصل ہوا' نہ ہو اور جمال الٰہی بچشم سر دیکھا اور کلام الٰہی بلا واسطہ سنا اور تمام ملکوت السموت والارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا۔

عقیدہ...... تمام مخلوق اوّلین و آخرین حضور ﷺ کی نیاز مند ہے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔

عقیدہ...... قیامت کے دن مرتبہ شفاعت کبریٰ حضور ﷺ کے خصائص سے ہے کہ جب تک حضور ﷺ فتح باب شفاعت نہ فرمائیں گے کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی بلکہ حقیقۃً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں حضور ﷺ کے دربار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ ﷻ کے حضور مخلوقات میں صرف حضور ﷺ شفیع ہیں اور یہ شفاعت کبریٰ مومن' کافر' مطیع' عاصی' سب کیلئے ہے کہ وہ انتظار حساب جو سخت جانگزا ہوگا جس کیلئے لوگ تمنائیں کریں گے کہ کاش جہنم میں پھینک دیئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے۔ اس بلا سے چھٹکارا کفار کو بھی حضور ﷺ کی بدولت ملے گا جس پر اوّلین و آخرین' موافقین و مخالفین' مومنین و کافرین' سب حضور ﷺ کی حمد کریں گے اسی کا نام مقام محمود ہے۔ اور شفاعت کے اور اقسام بھی ہیں مثلاً بہت سوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے جن میں چار ارب نوے کروڑ کی تعداد معلوم ہے۔ اس سے بہت زائد اور ہیں جو اللہ و رسول کے علم میں ہیں۔ بہت سے وہ ہوں گے جن کا حساب ہو چکا ہے اور مستحق جہنم ہو چکے ان کو جہنم سے بچائیں گے اور بعضوں کی شفاعت فرما کر جہنم سے نکالیں گے اور بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے اور بعضوں سے تخفیف عذاب فرمائیں گے۔

عقیدہ...... ہر قسم کی شفاعت حضور ﷺ کیلئے ثابت ہے شفاعت بالوجاہۃ' شفاعت بالمحبۃ' شفاعت بالاذن' ان میں سے کسی کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے۔

عقیدہ...... منصب شفاعت حضور ﷺ کو دیا جا چکا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ'' اور ان کا رب فرماتا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (پ ۲۶' محمد ۱۹) اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (کنزالایمان) (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَۃَ حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ. اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (پ۱۹' الشعراء ۸۸-۸۹) ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔ (کنزالایمان) شفاعت کے بعض احوال نیز دیگر خصائص جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے احوال آخرت میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوں گے۔

عقیدہ...... حضور ﷺ کی محبت مدار ایمان بلکہ ایمان اسی محبت ہی کا نام ہے۔ جب تک حضور ﷺ کی محبت ماں باپ اولاد اور تمام جہان سے زیادہ نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

عقیدہ...... حضور ﷺ کی اطاعت عین طاعت الٰہی ہے۔ طاعت الٰہی بے طاعت حضور ﷺ ناممکن ہے یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز

میں ہو اور حضور ﷺ اسے یاد فرمائیں فوراً جواب دے اور حاضر خدمت ہو اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور ﷺ سے کلام کرے بدستور نماز میں ہے اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں۔

عقیدہ……حضور اقدس ﷺ کی تعظیم یعنی اعتقاد عظمت جزو ایمان و رکن ایمان ہے۔ اور فعل تعظیم بعد ایمان ہر فرض سے مقدم ہے۔ اس کی اہمیت کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے کہ غزوۂ خیبر سے واپسی میں منزل صہبا پر نبی ﷺ نے نماز عصر پڑھ کر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا۔ مولیٰ علی نے نماز عصر نہ پڑھی تھی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے مگر اس خیال سے کہ زانو سرکاؤں تو شاید خواب مبارک میں خلل آئے زانو نہ ہٹایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ جب چشم اقدس کھلی مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی نماز کا حال عرض کیا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا' ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ آیا' مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے نماز ادا کی آفتاب پھر ڈوب گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز اور وہ بھی صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر مولیٰ علی نے حضور ﷺ کی نیند پر قربان کر دی کہ عبادتیں بھی ہمیں آپ ﷺ ہی کے صدقہ میں ملیں۔

دوسری حدیث اس کی تائید میں یہ ہے کہ غار ثور میں پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گئے۔ اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اس کے سوراخ بند کر دیئے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا پھر حضور اقدس ﷺ کو بلایا تشریف لے گئے اور ان کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا۔ اس غار میں ایک سانپ مشتاق زیارت رہتا تھا اس نے اپنا سر صدیق اکبر کے پاؤں پر ملا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ حضور ﷺ کی نیند میں فرق نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا۔ آخر اس نے پاؤں میں کاٹ لیا جب صدیق اکبر کے آنسو چہرہ انور پر گرے' چشم مبارک کھلی تو عرض حال کیا حضور ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا فوراً آرام آ گیا ہر سال وہ زہر عود کرتا بارہ برس بعد اسی سے شہادت پائی۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

عقیدہ……حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر جس طرح اُس وقت تھی کہ حضور ﷺ اس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے' اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے۔ جب حضور ﷺ کا ذکر آئے تو بکمال خشوع و خضوع و انکسار باادب سنے اور نام پاک سنتے ہی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ) اور حضور ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ بکثرت ذکر کرے اور درود شریف کی کثرت کرے اور نام پاک لکھے تو اس کے بعد ﷺ لکھے۔ بعض لوگ براہ اختصار صلعم یا ؑ لکھتے ہیں یہ محض ناجائز و حرام ہے۔ اور محبت کی یہ بھی علامت ہے کہ آل و اصحاب مہاجرین و انصار و جمیع متعلقین و متوسلین سے محبت رکھے اور حضور ﷺ کے دشمنوں سے عداوت رکھے اگرچہ وہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا کنبہ کے کیوں نہ ہوں اور جو ایسا نہ کرے وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی محبت میں اپنے سب عزیزوں' قریبوں' باپ' بھائیوں' اور وطن کو چھوڑا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ و رسول سے بھی محبت ہو اور ان کے دشمنوں سے بھی الفت۔ ایک کو اختیار کر کہ ضدین جمع نہیں ہو سکتیں۔ چاہے جنت کی راہ چل یا جہنم کو جا۔

نیز علامت محبت یہ ہے کہ شان اقدس میں جو الفاظ استعمال کیے جائیں ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں کوئی ایسا لفظ جس میں کم تعظیمی کی بو بھی ہو کبھی زبان پر نہ لائے اگر حضور ﷺ کو پکارے تو نام پاک کے ساتھ ندا نہ کرے کہ یہ جائز نہیں بلکہ یوں کہے یَانَبِیَّ اللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ' یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ' اگر مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضہ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلہ سے دست بستہ جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے کھڑا ہو کر سر جھکائے ہوئے صلوٰۃ و سلام عرض کرے بہت قریب نہ جائے نہ ادھر ادھر دیکھے اور خبردار خبردار! آواز کبھی بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اکارت یعنی کہ بے کار جائے۔ اور محبت کی یہ نشانی بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اقوال و افعال و احوال لوگوں سے دریافت کرے اور ان کی پیروی کرے۔

عقیدہ……حضور ﷺ کے کسی قول و فعل و عمل و حالت کو جو بہ نظر حقارت دیکھے کافر ہے۔

عقیدہ……حضور اقدس ﷺ اللہ ﷻ کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں

دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ تمام جہان ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنت سے محروم ہے۔ تمام زمین ان کی ملک ہے' تمام جنت ان کی جاگیر ہے' ملکوت السمٰوٰت والارض حضور ﷺ کے زیر فرمان' جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئیں' رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ﷺ ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے احکام تشریعیہ حضور ﷺ کے قبضہ میں کر دیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کیلئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔

عقیدہ...... سب سے پہلے مرتبہ نبوت حضور ﷺ کو ملا' روز میثاق تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب اعظم ان کو دیا گیا۔ حضور ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء حضور ﷺ کے امتی سب نے اپنے اپنے عہد کریم میں حضور ﷺ کی نیابت میں کام کیا۔ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو اپنی ذات کا مظہر بنایا اور حضور ﷺ کے نور سے تمام عالم کو منور فرمایا۔ بایں معنی ہر جگہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں

كَالشَّمْسِ فِيْ وَسْطِ السَّمَاءِ وَنُوْرُهَا   يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَمَغَارِبًا

مگر کور باطن کا کیا علاج

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسئلہ ضروریہ:

انبیائے کرام علیہم السلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن و روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے۔ وہ اس کے پیارے بندے ہیں اپنے رب کیلئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے گا تو مردود بارگاہ ہوگا پھر ان کے یہ افعال جن کو زلّت و لغزش سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم و مصالح پر مبنی' ہزار ہا فوائد و برکات کے مثمر ہوتے ہیں۔ ایک لغزش اَبِیْنَا آدم علیہ السلام کو دیکھئے اگر وہ نہ ہوتی جنت سے نہ اترتے دنیا آباد نہ ہوتی' نہ کتابیں اترتیں' نہ رسول آتے نہ جہاد ہوتے لاکھوں کروڑوں مثوبات کے دروازے بند رہتے ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم کا نتیجہ مبارکہ و ثمرہ طیبہ ہے بالجملہ انبیاء علیہم السلام کی لغزش من و تو کس شمار میں ہیں صدیقین کی حسنات سے افضل و اعلیٰ ہے۔ (حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ) (بہار شریعت)

ملائکہ (فرشتوں) کا بیان

فرشتے اجسام نوری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔

عقیدہ...... وہ وہی کرتے ہیں جو حکم الٰہی ہے خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے نہ قصداً' نہ سہواً' نہ خطاءً وہ اللہ کے معصوم بندے ہیں ہر قسم کے صغائر و کبائر سے پاک ہیں۔

عقیدہ...... ان کو مختلف خدمتیں سپرد ہیں بعض کے ذمہ حضرات انبیائے کرام کی خدمت میں وحی لانا' کسی کے متعلق پانی برسانا' کسی کے متعلق ہوا چلانا۔ کسی کے متعلق روزی پہنچانا' کسی کے ذمہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی صورت بنانا' کسی کے متعلق بدن انسان کے اندر تصرف کرنا' کسی کے متعلق انسان کی دشمنوں سے حفاظت کرنا' کسی کے متعلق ذاکرین کا مجمع تلاش کر کے اس میں حاضر ہونا' کسی کے متعلق انسان کے نامہ اعمال لکھنا' بہتیروں کا دربار رسالت میں حاضر ہونا' کسی کے متعلق سرکار میں مسلمانوں کی صلوٰۃ و سلام پہنچانا' بعضوں کے متعلق مردوں سے سوال کرنا' کسی

کے ذمہ قبضِ روح کرنا' بعضوں کے ذمہ عذاب کرنا' کسی کے متعلق صور پھونکنا' اوران کے علاوہ اور بہت سے کام ہیں جو ملائکہ انجام دیتے ہیں۔

عقیدہ......فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت۔

عقیدہ......ان کو قدیم ماننا یا خالق جاننا کفر ہے۔

عقیدہ......ان کی تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا اوراس کے بتائے سے اس کا رسول۔ چار فرشتے بہت مشہور ہیں جبریل و میکائیل واسرافیل وعزرائیل علیہم السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔

عقیدہ......کسی فرشتہ کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آ گیا یہ قریب بکلمہ کفر ہے۔

عقیدہ......فرشتوں کے وجود کا انکار یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں اوراس کے سوا کچھ نہیں یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ (بہارِ شریعت)

جنّ کا بیان

یہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان میں بھی بعض کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔ ان کے شریروں کو شیطان کہتے ہیں۔ یہ سب انسان کی طرح ذی عقل اور ارواح و اجسام والے ہیں۔ ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے۔ کھاتے پیتے جیتے مرتے ہیں۔

عقیدہ......ان میں مسلمان بھی ہیں کافر بھی ہیں مگر ان کے کفار انسان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اوران میں کے مسلمان نیک بھی ہیں اور فاسق بھی۔ سنّی بھی ہیں بدمذہب بھی اوران میں فاسقوں کی تعداد بہ نسبت انسان کے زائد ہے۔

عقیدہ......ان کے وجود کا انکار یا بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے۔

عالَمِ بَرزخ کا بیان

دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو برزخ کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام انس و جن کو حسب مراتب اس میں رہنا ہوتا ہے اور یہ عالم اس دنیا سے بہت بڑا ہے۔ دنیا کے ساتھ برزخ کو وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کے ساتھ دنیا کو۔ برزخ میں کسی کو آرام ہے اور کسی کو تکلیف۔

عقیدہ......ہر شخص کی جتنی زندگی مقرر ہے اس میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی۔ جب زندگی کا وقت پورا ہو جاتا ہے اس وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام قبضِ روح کیلئے آتے ہیں اوراس شخص کے دہنے بائیں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمان کے آس پاس رحمت کے فرشتے ہوتے ہیں اور کافر کے دہنے بائیں عذاب کے۔ اس وقت ہر شخص پر اسلام کی حقانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اس لئے کہ حکم ایمان بالغیب کا ہے اور اب غیب نہ رہا بلکہ یہ چیزیں مشاہد ہو گئیں۔

عقیدہ......مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدنِ انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے اگرچہ روح بدن سے جدا ہو گئی مگر بدن پر جو گزرے گی روح ضرور اس سے آگاہ و متاثر ہو گی جس طرح حیاتِ دنیا میں ہوتی ہے بلکہ اس سے زائد۔ دنیا میں ٹھنڈا پانی' سرد ہوا' نرم فرش' لذیذ کھانا' سب باتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں۔ مگر راحت و لذت روح کو پہنچتی ہے اوران کے عکس بھی جسم ہی پر وارد ہوتے ہیں اور کلفت و اذیت روح پاتی ہے اور روح کیلئے خاص اپنی راحت و الم کے الگ اسباب ہیں جن سے سُرور یا غم پیدا ہوتا ہے بعینہٖ یہی سب حالتیں برزخ میں ہیں۔

عقیدہ......مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسب مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے۔ بعض کی قبر پر' بعض کی چاہ زمزم شریف میں' بعض کی

آسمان وزمین کے درمیان، بعض کی پہلے دوسرے ساتویں آسمان تک، اور بعض کی آسمانوں سے بھی بلند اور بعض کی روحیں زیرِ عرش قندیلوں میں اور بعض کی اعلیٰ علیین میں مگر کہیں ہوں اپنے جسم سے ان کو تعلق بدستور رہتا ہے جو کوئی قبر پر آئے اسے دیکھتے پہچانتے اس کی بات سنتے ہیں بلکہ روح کا دیکھنا قربِ قبر ہی سے مخصوص نہیں۔ اس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی ہے کہ ایک طائر پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں (اِنَّ النُّفُوْسَ الْقُدْسِیَّةَ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَتَرٰی وَتَسْمَعُ الْکُلَّ کَالْمُشَاهِدِ)
ترجمہ: بیشک پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں عالم بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں حدیث میں فرمایا (اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ یُخَلّٰی سَرْبُهٗ یَسْرَحُ حَیْثُ شَاءَ) جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جائے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "روح را قرب و بعد مکانی یکسان است" کافروں کی خبیث روحیں بعض کی ان کے مرگھٹ یا قبر پر رہتی ہیں، بعض کی چاہ برہوت میں، کہ یمن میں ایک نالہ ہے بعض کی پہلی دوسری ساتویں زمین تک، بعض کی اس کے بھی نیچے سجین میں، اور وہ کہیں بھی ہو جو اس کی قبر یا مرگھٹ پر گذرے اسے دیکھتے پہچانتے بات سنتے ہیں مگر کہیں جانے آنے کا اختیار نہیں کہ قید ہیں۔

عقیدہ...... یہ خیال کہ وہ روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے خواہ وہ آدمی کا بدن ہو یا کسی اور جانور کا جس کو تناسخ اور آواگون کہتے ہیں، محض باطل اور اس کا ماننا کفر ہے۔

عقیدہ...... موت کے معنی روح کا جسم سے جدا ہو جانا ہیں نہ یہ کہ روح مر جاتی ہو۔ جو روح کو فنا مانے بدمذہب ہے۔

عقیدہ...... مردہ کلام بھی کرتا ہے اور اس کے کلام کو عوام جن اور انسان کے سوا اور تمام حیوانات وغیرہ سنتے بھی ہیں۔

عقیدہ...... جب مردہ کو قبر میں دفن کرتے ہیں اس وقت اس کو قبر دباتی ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اس کا دبانا ایسا ہوتا ہے کہ جیسے ماں پیار میں اپنے بچے کو زور سے چپٹا لیتی ہے اور اگر کافر ہے تو اس کو اس زور سے دباتی ہے کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔

عقیدہ...... جب دفن کرنے والے دفن کر کے وہاں سے چلتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے اپنے دانتوں سے زمین چیرتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی شکلیں نہایت ڈراونی اور ہیبت ناک ہوتی ہیں۔ ان کے بدن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں سیاہ اور نیلی اور دیگ کے برابر اور شعلہ زن ہیں اور ان کے مہیب بال سر سے پاؤں تک اور دانت کئی ہاتھ کے، جن سے زمین چیرتے ہوئے آئیں گے۔ ان میں ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ مردے کو جھنجھوڑتے اور جھڑک کر اٹھاتے اور نہایت سختی کے ساتھ کرخت آواز میں سوال کرتے ہیں پہلا سوال "مَنْ رَّبُّكَ" تیرا رب کون ہے دوسرا سوال "مَادِیْنُكَ" تیرا دین کیا ہے تیسرا سوال "مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ" ان (شخصیت) کے بارے میں تو کیا کہتا تھا، مردہ مسلمان ہے تو پہلے سوال کا جواب دے گا "رَبِّیَ اللّٰهُ" میرا رب اللہ ہے اور دوسرے کا جواب دے گا "دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ" میرا دین اسلام ہے۔ تیسرے سوال کا جواب دے گا "هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" وہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ کہیں گے تجھے کس نے بتایا۔ کہے گا میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سوال کا جواب پا کر کہیں گے کہ ہمیں تو معلوم تھا تو یہی کہے گا۔ اس وقت آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا اس کیلئے جنت کا بچھونا بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کیلئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔

جنت کی نسیم اور خوشبو اس کے پاس آتی رہے گی اور جہاں تک نگاہ پھیلے گی وہاں تک اس کی قبر کشادہ کر دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا کہ تو سو جیسے دولہا سوتا ہے۔ یہ خواص کیلئے عموماً ہے اور عوام میں ان کیلئے جن کو وہ چاہے۔ ورنہ وسعت قبر حسب مراتب مختلف ہے۔ بعض کیلئے ستر ستر ہاتھ لمبی چوڑی، بعض کیلئے جتنی وہ چاہے زیادہ حتیٰ کہ جہاں تک نگاہ پہنچے۔ اور عصاۃ میں بعض پر عذاب بھی ہوگا ان کی معصیت کے لائق۔ پھر اس کے پیران عظام یا مذہب کے امام یا اور اولیائے کرام کی شفاعت یا محض رحمت سے، جب وہ چاہے گا نجات پائیں گے۔

اور بعض نے کہا کہ مومن عاصی پر عذاب قبر شب جمعہ آنے تک ہے اس کے آتے ہی اٹھا لیا جائے گا واللہ تعالیٰ اعلم ہاں یہ حدیث سے ثابت

ہے کہ جو مسلمان شب جمعہ یا روز جمعہ یا رمضان مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا سوال نکیرین وعذاب قبر سے محفوظ رہے گا اور یہ جو ارشاد ہوا کہ اس کیلئے جنت کی کھڑکی کھول دیں گے یہ یوں ہوگا کہ پہلے اس کے بائیں ہاتھ کی طرف سے جہنم کی کھڑکی کھولیں گے جس کی لپٹ اور جلن اور گرم ہوا اور سخت بدبو آئے گی اور معاً بند کردیں گے اس کے بعد دہنی طرف سے جنت کی کھڑکی کھولیں گے اور اس سے کہا جائے گا کہ اگر تو ان سوالوں کے صحیح جواب نہ دیتا تو تیرے واسطے وہ تھی اور اب یہ ہے تاکہ وہ اپنے رب کی نعمت کی قدر جانے کہ کیسی بلائے عظیم سے بچا کر کیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

اور منافق کیلئے اس کا عکس ہوگا پہلے جنت کی کھڑکی کھولیں گے کہ اس کی خوشبو ٹھنڈک راحت نعمت کی جھلک دیکھے گا اور معاً بند کردیں گے۔ اور دوزخ کی کھڑکی کھول دیں گے تاکہ اس پر اس بلائے عظیم کے ساتھ حسرت عظیم بھی ہو کہ حضور اقدس ﷺ کو نہ مان کر یا ان کی شان رفیع میں ادنیٰ گستاخی کر کے کیسی نعمت کھوئی اور کیسی آفت پائی۔ اور اگر مردہ منافق ہے تو سب سوالوں کے جواب میں یہ کہے گا ''هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِیْ'' افسوس مجھے تو کچھ معلوم نہیں (كُنْتُ اَسْمَعُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَاَقُوْلُ) ترجمہ: میں لوگوں کو کہتے سنتا تھا خود بھی کہتا تھا اس وقت ایک پکارنے والا آسمان سے پکارے گا کہ یہ جھوٹا ہے اس کیلئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور آگ کا لباس پہناؤ اور جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو اس کی گرمی اور لپٹ اس کو پہنچے گی اور اس پر عذاب دینے کیلئے دو فرشتے مقرر ہوں گے جو اندھے اور بہرے ہوں گے۔ ان کے ساتھ لوہے کا گرز ہوگا کہ پہاڑ پر اگر مارا جائے تو خاک ہو جائے اور ہتھوڑے سے اس کو مارتے رہیں گے۔ نیز سانپ اور بچھوا سے عذاب پہنچاتے رہیں گے نیز اعمال اپنے مناسب شکل پر متشکل ہو کر کتا یا بھیڑیا یا اور شکل کے اس کو ایذا پہنچائیں گے اور نیکوں کے اعمال حسنہ مقبول ومحبوب صورت پر متشکل ہو کر انس دیں گے۔

عقیدہ...... عذاب قبر حق ہے اور یونہی تنعیم قبر حق ہے اور دونوں جسم وروح دونوں پر ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا جسم اگرچہ گل جائے' جل جائے' خاک ہو جائے' مگر اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے۔ وہ مورد عذاب وثواب ہوں گے اور انہیں پر روز قیامت دوبارہ ترکیب جسم فرمائی جائے گی۔ وہ کچھ ایسے باریک اجزا ہیں ریڑھ کی ہڈی میں جس کو عجب الذنب کہتے ہیں کہ نہ کسی خوردبین سے نظر آسکتے ہیں' نہ آگ انہیں جلا سکتی ہے' نہ زمین انہیں گلا سکتی ہے' وہی تخم جسم ہیں ولہٰذا روز قیامت روحوں کا اعادہ اسی جسم میں ہوگا نہ جسم دیگر میں۔ بالائی زائد اجزا کا گھٹنا بڑھنا جسم کو نہیں بدلتا جیسا بچہ کتنا چھوٹا پیدا ہوتا ہے۔ پھر کتنا بڑا ہو جاتا ہے قوی ہیکل جوان بیماری میں گھل کر کتنا حقیر رہ جاتا ہے پھر نیا گوشت پوست آکر مثل سابق ہو جاتا ہے ان تبدیلیوں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شخص بدل گیا۔ یونہی روز قیامت کا عود ہے وہی گوشت اور ہڈیاں کہ خاک یا راکھ ہو گئے ہوں ان کے ذرے کہیں بھی منتشر ہو گئے ہوں رب ﷻ انہیں جمع فرما کر اس پہلی ہیأت پر لا کر انہیں پہلے اجزائے اصلیہ پر کہ محفوظ ہیں ترکیب دے گا اور ہر روح کو اسی جسم سابق میں بھیجے گا اس کا نام حشر ہے۔ عذاب وتنعیم قبر کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے۔

عقیدہ...... ہر مردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا جائے تو جہاں پڑا رہ گیا یا پھینک دیا گیا غرض کہیں ہو وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اسے پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جسے شیر کھا گیا تو شیر کے پیٹ میں سوال وثواب عذاب جو کچھ ہو پہنچے گا۔

عقیدہ...... انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام وعلمائے دین وشہدا حافظان قرآن کہ قرآن مجید پر عمل کرتے ہوں اور وہ جو منصب محبت پر فائز ہیں اور وہ جسم جس نے کبھی اللہ ﷻ کی معصیت نہ کی اور وہ کہ اپنے اوقات درود شریف میں مستغرق رکھتے ہیں' ان کے بدن کو مٹی نہیں کھا سکتی۔ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں یہ خبیث کلمہ کہے کہ مر کے مٹی میں مل گئے گمراہ' بددین' خبیث مرتکب توہین ہے۔ (بہار شریعت)

معاد وحشر کا بیان

بیشک زمین وآسمان اور جن وانس وملک سب ایک دن فنا ہونے والے ہیں صرف ایک اللہ کیلئے ہمیشگی وبقا ہے۔ دنیا کے فنا ہونے سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی (۱) تین خسف ہوں گے یعنی آدمی زمین میں دھنس جائیں گے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۂ عرب میں (۲) علم اٹھ جائے گا یعنی علماء اٹھا لئے جائیں گے یہ مطلب نہیں کہ علماء تو باقی رہیں اور ان کے دلوں سے علم محو کر دیا جائے (۳) جہل کی کثرت ہوگی

(۴) زنا کی زیادتی ہوگی اور اس بے حیائی کے ساتھ زنا ہوگا جیسے گدھے جفتی کھاتے ہیں بڑے چھوٹے کسی کا لحاظ پاس نہ ہوگا (۵) مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ یہاں تک کہ ایک مرد کی سرپرستی میں پچاس عورتیں ہوں گی (۶) علاوہ اس بڑے دجّال کے اور تیس دجال ہوں گے کہ وہ سب دعویٰ نبوت کریں گے حالانکہ نبوت ختم ہوچکی جن میں بعض گزر چکے جیسے مسیلمہ کذاب' طلیحہ بن خویلد' اسود عنسی' سجاح عورت کہ بعد کو اسلام لے آئی' غلام احمد قادیانی وغیرہم اور جو باقی ہیں ضرور ہوں گے (۷) مال کی کثرت ہوگی نہر فرات اپنے خزانے کھول دے گی کہ وہ سونے کے پہاڑ ہوں گے (۸) ملک عرب میں کھیتی اور باغ اور نہریں جاری ہوجائیں گی (۹) دین پر قائم رہنا اتنا دشوار ہوگا جیسے مٹھی میں انگارا لینا یہاں تک کہ آدمی قبرستان میں جاکر تمنا کرے گا کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا (۱۰) وقت میں برکت نہ ہوگی یہاں تک کہ سال مثل مہینے کے اور مہینہ مثل ہفتہ کے اور ہفتہ مثل دن کے اور دن ایسا ہوجائے گا جیسے کسی چیز کو آگ لگی اور جلد بھڑک کر ختم ہوگئی۔ یعنی بہت جلد جلد وقت گزرے گا (۱۱) زکوٰۃ دینا لوگوں پر گراں ہوگا کہ اس کو تاوان سمجھیں گے۔ (۱۲) علم دین پڑھیں گے مگر دین کیلئے نہیں (۱۳) مرد اپنی عورت کا مطیع ہوگا (۱۴) ماں باپ کی نافرمانی کرے گا (۱۵) اپنے احباب سے میل جول رکھے گا اور ماں باپ سے جدائی (۱۶) مسجد میں لوگ چلائیں گے (۱۷) گانے باجے کی کثرت ہوگی (۱۸) اگلوں پر لوگ لعنت کریں گے ان کو برا کہیں گے (۱۹) درندے جانور آدمی سے کلام کریں گے۔ کوڑے کی پھنچی (نوک) جوتے کا تسمہ کلام کرے گا۔ اس کے بازار جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا بتائے گا بلکہ خود انسان کی ران اسے خبر دے گی (۲۰) ذلیل لوگ جن کو تن کا کپڑا' پاؤں کی جوتیاں نصیب نہ تھیں بڑے بڑے محلوں میں فخر کریں گے (۲۱) دجّال کا ظاہر ہونا کہ چالیس دن میں حرمین طیبین کے سوا تمام روئے زمین کا گشت کرے گا۔ چالیس دن میں پہلا دن سال بھر کے برابر ہوگا اور دوسرا دن مہینے بھر کے برابر اور تیسرا دن ہفتہ کے برابر اور باقی دن چوبیس چوبیس گھنٹے کے ہوں گے اور وہ بہت تیزی کے ساتھ سیر کرے گا جیسے بادل جس کو ہوا اڑاتی ہو۔ اس کا فتنہ بہت شدید ہوگا ایک باغ اور ایک آگ اس کے ہمراہ ہوں گے جن کا نام جنت ودوزخ رکھے گا۔

جہاں جائے گا یہ بھی جائیں گے مگر وہ جو دیکھنے میں جنت معلوم ہوگی وہ حقیقۃً آگ ہوگی اور جو جہنم دکھائی دے گا وہ آرام کی جگہ ہوگی اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا جو اس پر ایمان لائے گا اسے اپنی جنت میں ڈالے گا اور جو انکار کرے گا اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ مردے جلائے گا زمین کو حکم دے گا وہ سبزے اگائے گی۔ آسمان سے پانی برسائے گا اور ان لوگوں کے جانور لمبے چوڑے خوب تیار اور دودھ والے ہوجائیں گے اور ویرانے میں جائے گا تو وہاں کے دفینے شہد کی مکھیوں کی طرح دَل کے دَل اس کے ہمراہ ہوجائیں گے اسی قسم کے بہت سے شعبدے دکھائے گا اور حقیقت میں یہ سب جادو کے کرشمے ہوں گے۔ اور شیاطین کے تماشے جن کو واقعیت سے کچھ تعلق نہیں۔ اسی لئے اس کے وہاں سے جاتے ہی لوگوں کے پاس کچھ نہ رہے گا حرمین شریفین میں جب جانا چاہے گا' ملائکہ اس کا منہ پھیر دیں گے البتہ مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے کہ وہاں جو لوگ بظاہر مسلمان بنے ہوں گے اور دل میں کافر ہوں گے اور وہ جو علم الٰہی میں دجّال پر ایمان لاکر کافر ہونے والے ہیں ان زلزلوں کے خوف سے شہر سے باہر بھاگیں گے اور اس کے فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ دجّال کے ساتھ یہود کی فوجیں ہوں گی اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ''ک ف ر'' جس کو ہر مسلمان پڑھے گا اور کافر کو نظر نہ آئے گا۔ جب وہ ساری دنیا میں پھر پھرا کر ملک شام کو جائے گا اس وقت حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے شرقی مینارہ پر نزول فرمائیں گے۔ صبح کا وقت ہوگا نماز فجر کیلئے اقامت ہوچکی ہوگی۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کو کہ اس جماعت میں موجود ہوں گے امامت کا حکم دیں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھائیں گے۔ وہ لعین دجّال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سانس کی خوشبو سے پگھلنا شروع ہوگا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے اور ان کی سانس کی خوشبو حد بصر تک پہنچے گی۔ وہ بھاگے گا یہ تعاقب فرمائیں گے اور اس کی پیٹھ میں نیزہ ماریں گے اس سے وہ جہنم واصل ہوگا (۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول فرمانا' اس کی مختصر کیفیت اوپر معلوم ہوچکی۔ آپ کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو مال دے گا تو وہ قبول نہ کرے گا۔ نیز اس زمانہ میں عداوت وبغض وحسد آپس میں بالکل نہ ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ تمام اہل کتاب جو قتل سے بچیں گے سب ان پر ایمان لائیں گے۔ تمام جہان میں ایک دین

اسلام ہوگا اور مذہب ایک مذہب اہل سنت۔ بچے سانپ سے کھیلیں گے اور شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے۔ چالیس برس تک اقامت فرمائیں گے۔ نکاح کریں گے۔ اولاد بھی ہوگی بعد وفات روضہ انور میں دفن ہوں گے (۲۳) حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظاہر ہونا اس کا اجمالی واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں جب سب جگہ کفر کا تسلط ہوگا اس وقت تمام ابدال بلکہ تمام اولیاء سب جگہ سے سمٹ کر حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے۔ صرف وہیں اسلام ہوگا اور ساری زمین کفرستان ہو جائے گی۔ رمضان شریف کا مہینہ ہوگا۔ ابدال طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی وہاں ہوں گے۔ اولیاء انہیں پہنچانیں گے ان سے درخواست بیعت کریں گے وہ انکار کریں گے دفعۃً غیب سے ایک آواز آئے گی (هٰذَا خَلِيفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيّ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْهُ) ترجمہ: یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔ تمام لوگ ان کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔ وہاں سے سب کو اپنے ہمراہ لے کر ملک شام کو تشریف لے جائیں گے۔ بعد قتل دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوگا مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جاؤ اس لئے کہ کچھ ایسے لوگ ظاہر کیے جائیں گے جن سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں (۲۴) یاجوج ماجوج کا خروج۔ مسلمانوں کے کوہ طور پر جانے کے بعد یاجوج وماجوج ظاہر ہوں گے۔ یہ اس قدر کثیر ہوں گے کہ ان کی پہلی جماعت بحیرۂ طبریہ پر (جس کا طول دس میل ہوگا) جب گزرے گی اس کا پانی پی کر اس طرح سکھا دے گی کہ دوسری جماعت ان کے بعد والی جب آئے گی تو کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا؟ پھر دنیا میں فساد وقتل وغارت سے جب فرصت پائیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو تو قتل کر لیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں۔ یہ کہہ کر اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ خدا کی قدرت کہ ان کے تیر اوپر سے خون آلودہ گریں گے۔ یہ اپنی انہی حرکتوں میں مشغول ہوں گے اور وہاں پہاڑ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے محصور ہوں گے یہاں تک کہ ان کے نزدیک گائے کے سر کی وہ وقعت ہوگی جو آج تمہارے نزدیک سو اشرفیوں کی نہیں۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے دعا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک قسم کے کیڑے پیدا کر دے گا کہ ایک دم میں وہ سب کے سب مر جائیں گے۔ ان کے مرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے، دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں اور بدبو سے بھری پڑی ہے ایک بالشت بھی زمین خالی نہیں۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے پھر دعا کریں گے اللہ تعالیٰ ایک قسم کے پرند بھیجے گا کہ وہ ان کی لاشوں کو جہاں اللہ چاہے گا پھینک آئیں گے اور ان کے تیر وکمان وترکش کو مسلمان سات برس تک جلائیں گے۔ پھر اس کے بعد بارش ہوگی کہ زمین کو ہموار کر چھوڑے گی اور زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھلوں کو اگا اور اپنی برکتیں اگل دے اور آسمان کو حکم ہوگا کہ اپنی برکتیں انڈیل دے تو یہ حالت ہوگی کہ ایک انار کو ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے کے سایہ میں دس آدمی بیٹھیں گے۔ اور دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ جماعت کو کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ قبیلہ بھر کو اور ایک بکری کا خاندان بھر کو کفایت کرے گا (۲۵) دھواں ظاہر ہوگا جس سے زمین سے آسمان تک اندھیرا ہو جائے گا (۲۶) دابۃ الارض کا نکلنا۔ یہ ایک جانور ہے اس کے ہاتھ میں عصائے موسیٰ اور انگشتری سلیمان علیہ السلام ہوگی۔ عصا سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نشان نورانی بنائے گا اور انگشتری سے ہر کافر کی پیشانی پر ایک سخت سیاہ دھبا۔ اس وقت تمام مسلم وکافر علانیہ ظاہر ہوں گے۔ یہ علامت کبھی نہ بدلے گی۔ جو کافر ہے ہرگز ایمان نہ لائے گا اور جو مسلمان ہے ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا (۲۷) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت کا اسلام معتبر نہیں (۲۸) وفات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ایک زمانہ کے بعد جب قیام قیامت کو صرف چالیس برس رہ جائیں گے، ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ یہ چند نشانیاں بیان کی گئیں ان میں بعض واقع ہو چکیں اور کچھ باقی ہیں۔ جب نشانیاں پوری ہو لیں گی اور مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے سے وہ خوشبودار ہوا گزرے گی جس سے تمام مسلمانوں کی وفات ہو جائے گی اس کے بعد پھر چالیس برس کا زمانہ ایسا گزرے گا کہ اس میں کسی کے اولاد نہ ہوگی یعنی چالیس برس سے کم عمر کا کوئی نہ رہے گا اور دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے۔ اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا، کوئی اپنی دیوار لیستا (پلستر کرتا) ہوگا، کوئی کھانا کھاتا ہوگا، غرض لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ دفعۃً حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ شروع شروع میں اس کی آواز بہت باریک ہو

گی اور رفتہ رفتہ بہت بلند ہو جائے گی۔ لوگ کان لگا کر اس کی آواز سنیں گے اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مر جائیں گے۔ آسمان' زمین' پہاڑ' یہاں تک کہ صور اور اسرافیل اور تمام ملائکہ فنا ہو جائیں گے اس وقت سوا اس واحد حقیقی کے کوئی نہ ہوگا۔ وہ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (پ۲۴' المؤمن ۱۶) آج کس کی بادشاہی ہے؟ کہاں ہیں جبارین؟ کہاں ہیں متکبرین؟ مگر ہے کون جو جواب دے۔ پھر خود ہی فرمائے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (پ۲۴' المؤمن ۱۶) صرف اللہ واحد قہار کی سلطنت ہے پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسرافیل کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کر کے دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور پھونکتے ہی تمام اوّلین و آخرین ملائکہ و انس و جن و حیوانات موجود ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے حضور انور ﷺ قبر مبارک سے یوں برآمد ہوں گے کہ دہنے ہاتھ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بائیں ہاتھ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہوگا۔ پھر مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے مقابر میں جتنے مسلمان دفن ہیں سب کو اپنے ہمراہ لے کر میدان حشر میں تشریف لے جائیں گے۔

عقیدہ...... قیامت بیشک قائم ہوگی اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

عقیدہ...... حشر صرف روح کا نہیں بلکہ روح و جسم دونوں کا ہے۔ جو کہے صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے وہ بھی کافر ہے۔

عقیدہ...... دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ متعلق تھی اس روح کا حشر اسی جسم میں ہوگا یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کر کے اس کے ساتھ روح متعلق کر دی جائے۔

عقیدہ...... جسم کے اجزاء اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہو گئے اور مختلف جانوروں کی غذا ہو گئے ہوں مگر اللہ تعالیٰ ان سب اجزا کو جمع فرما کر قیامت کے دن اٹھائے گا۔ قیامت کے دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے ننگے بدن' ننگے پاؤں' ناختنہ شدہ اٹھیں گے۔ کوئی پیدل کوئی سوار اور ان میں بعض تنہا سوار ہوں گے اور کسی سواری پر دو' کسی پر تین' کسی پر چار' کسی پر دس ہوں گے۔ کافر منہ کے بل چلتا ہوا میدان حشر کو جائے گا۔ کسی کو ملائکہ گھسیٹ کر لے جائیں گے' کسی کو آگ جمع کرے گی۔ یہ میدان حشر ملک شام کی زمین پر قائم ہوگا۔ زمین ایسی ہموار ہوگی کہ اس کنارہ پر رائی کا دانہ گر جائے تو دوسرے کنارے سے دکھائی دے۔ اس دن زمین تانبے کی ہوگی اور آفتاب ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔

راوی حدیث نے فرمایا معلوم نہیں میل سے مراد سرمہ کی سلائی ہے یا میل مسافت۔ اگر میل مسافت بھی ہو تو کیا بہت فاصلہ ہے کہ اب چار ہزار برس کی راہ کے فاصلہ پر ہے اور اس طرف آفتاب کی پیٹھ ہے پھر بھی جب سر کے مقابل آ جاتا ہے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس وقت کہ ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور اس کا منہ اس طرف کو ہوگا تپش اور گرمی کا کیا پوچھنا۔ اور اب مٹی کی زمین ہے مگر گرمیوں کی دھوپ میں زمین پر پاؤں نہیں رکھا جاتا' اس وقت جب تانبے کی ہوگی اور آفتاب کا اتنا قرب ہوگا اس کی تپش کون بیان کر سکے اللہ پناہ میں رکھے۔ بھیجے کھولتے ہوں گے اور اس کثرت سے پسینہ نکلے گا کہ ستر گز زمین میں جذب ہو جائے گا۔ پھر جو پسینہ زمین نہ پی سکے گی وہ اوپر چڑھے گا کسی کے ٹخنوں تک ہوگا کسی کے گھٹنوں تک کسی کے کمر کمر' کسی کے سینہ' کسی کے گلے تک' اور کافر کے تو منہ تک چڑھ کر مثل لگام کے جکڑ جائے گا جس میں وہ ڈبکیاں کھائے گا۔ اس گرمی کی حالت میں پیاس کی جو کیفیت ہوگی محتاج بیان نہیں۔ زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گی۔ بعضوں کی زبانیں منہ سے باہر نکل آئیں گی۔ دل ابل کر گلے کو آ جائیں گے۔

ہر مبتلا بقدر گناہ تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا۔ جس نے چاندی سونے کی زکوٰۃ نہ دی ہوگی' اس مال کو خوب گرم کر کے اس کی کروٹ اور پیشانی اور پیٹھ پر داغ کریں گے۔ جس نے جانوروں کی زکوٰۃ نہ دی ہوگی' اس کے جانور قیامت کے دن خوب تیار ہو کر آئیں گے اور اس شخص کو وہاں لٹائیں گے اور وہ جانور اپنے سینگوں سے مارتے اور پاؤں سے روندتے اس پر گزریں گے۔ جب سب اسی طرح گزر جائیں گے پھر ادھر سے واپس آ کر یونہی اس پر گزریں گے اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک کہ لوگوں کا حساب ختم ہوگا علیٰ ہذا القیاس۔ پھر باوجود ان مصیبتوں کے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ بھائی سے بھائی بھاگے گا' ماں باپ اولاد سے پیچھا چھڑائیں گے' بی بی بچے الگ جان چرائیں گے' ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار' کون کس کا مددگار ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا اے آدم! دوزخیوں کی جماعت الگ کر۔ عرض کریں گے کتنے میں سے

کتنے۔ارشاد ہوگا ہر ہزار سے نو سو ننا وے۔ یہ وقت ہوگا کہ بچے مارے غم کے بوڑھے ہو جائیں گے۔حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا۔لوگ ایسے دکھائی دیں گے کہ نشہ میں ہیں' حالانکہ نشہ میں نہ ہوں گے ولیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔غرض کس کس مصیبت کا بیان کیا جائے۔ایک ہو' دو ہوں' سو ہوں' ہزار ہوں تو کوئی بیان بھی کرے۔ ہزار ہا مصائب اور وہ بھی ایسے شدید کہ الامان الامان اور یہ سب تکلیفیں دو چار گھنٹے' دو چار دن' دو چار ماہ کی نہیں ہوں گی بلکہ قیامت کا دن کہ پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا قریب آدھے کے گزر چکا ہوگا اور ابھی تک اہل محشر اسی حالت میں ہوں گے۔اب آپس میں مشورہ کریں گے کوئی اپنا سفارشی ڈھونڈنا چاہیے کہ ہم کو ان مصیبتوں سے رہائی دلائے ابھی تک تو یہی نہیں پتا چلتا کہ آخر کدھر کو جانا ہے یہ بات مشورے سے قرار پائے گی کہ حضرت آدم علیہ السلام ہم سب کے باپ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور جنت میں رہنے کو جگہ دی اور مرتبہ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے وہ ہم کو اس مصیبت سے نجات دلائیں گے۔غرض اُفتاں و خیزاں کس کس مشکل سے ان کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے آدم (علیہ السلام)! آپ ابوالبشر ہیں۔اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور اپنی چنی ہوئی روح آپ میں ڈالی' اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا' اور جنت میں آپ کو رکھا' تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھائے' آپ کو صفی کہا' آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں۔آپ ہماری شفاعت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے۔فرمائیں گے میرا یہ مرتبہ نہیں۔مجھے آج اپنی جان کی فکر ہے۔آج ربّ ذوالجلال نے ایسا غضب فرمایا ہے کہ نہ پہلے کبھی ایسا غضب فرمایا نہ آئندہ فرمائے گا۔تم کسی اور کے پاس جاؤ۔

لوگ عرض کریں گے آخر کس کے پاس ہم جائیں؟ فرمائیں گے نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے رسول ہیں کہ زمین پر ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔لوگ اسی حالت میں حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے فضائل بیان کر کے عرض کریں گے کہ آپ اپنے ربّ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے کہ وہ ہمارا فیصلہ کر دے۔ یہاں سے بھی وہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں مجھے اپنی پڑی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔عرض کریں گے کہ آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مرتبہ خلّت سے ممتاز فرمایا ہے۔لوگ یہاں حاضر ہوں گے۔وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس کے قابل نہیں۔مجھے اپنا اندیشہ ہے۔مختصر یہ کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔وہاں سے بھی وہی جواب ملے گا۔پھر موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے وہ بھی یہی فرمائیں گے۔کہ میرے کرنے کا یہ کام نہیں۔آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ کبھی فرمایا نہ فرمائے گا۔مجھے اپنی جان کا ڈر ہے تم کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔لوگ عرض کریں گے آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں؟ فرمائیں گے تم ان کے حضور حاضر ہو جن کے ہاتھ پر فتح رکھی گئی۔جو آج بے خوف ہیں اور وہ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو وہ خاتم النبیین ہیں۔وہ آج تمہاری شفاعت فرمائیں گے۔انہیں کے حضور حاضر ہو وہ یہاں تشریف فرما ہیں۔اب لوگ پھرتے پھراتے' ٹھوکریں کھاتے' روتے' چلاتے' دہائی دیتے' حاضر بارگاہ بے کس پناہ ہو کر عرض کریں گے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے اللہ کے نبی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ عزوجل نے فتح باب رکھا ہے۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہیں۔ان کے علاوہ اور بہت سے فضائل بیان کر کے عرض کریں گے حضور آپ ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس مصیبت میں ہیں اور کس حالت کو پہنچے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت فرمائیں اور ہم کو اس آفت سے نجات دلوائیں۔جواب میں ارشاد فرمائیں گے (اَنَا لَهَا) میں اس کام کیلئے ہوں (اَنَا صَاحِبُكُمْ) میں ہی وہ ہوں جسے تم تمام جگہ ڈھونڈ آئے۔یہ فرما کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گے اور سجدہ کریں گے۔ارشاد ہوگا (يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ) ترجمہ: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو جو کچھ مانگو گے ملے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت مقبول ہے۔دوسری روایت میں ہے (وَقُلْ تُطَعْ) کہو تمہاری اطاعت کی جائے۔پھر تو شفاعت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کم بھی ایمان ہوگا اس کیلئے بھی شفاعت فرما کر اسے جہنم سے نکالیں گے یہاں تک کہ جو سچے دل سے مسلمان ہوا اگرچہ اس کے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے اسے بھی دوزخ سے

نکالیں گے۔اب تمام انبیاء اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اولیائے کرام شہدا' علماء' حفاظ' حجاج' بلکہ ہر وہ شخص جس کو کوئی منصب دینی عنایت ہوا اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کرے گا۔نابالغ بچے جو مر گئے ہیں اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔یہاں تک کہ علماء کے پاس کچھ لوگ آ کر عرض کریں گے ہم نے آپ کے وضو کیلئے فلاں وقت میں پانی بھر دیا تھا کوئی کہے گا کہ میں نے آپ کو استنجے کیلئے ڈھیلا دیا تھا علماء ان تک کی شفاعت کریں گے۔

عقیدہ......حساب حق ہے اعمال کا حساب ہونے والا ہے۔

عقیدہ......حساب کا منکر کافر ہے۔کسی سے تو اس طرح حساب لیا جائے گا کہ خفیۃً اس سے پوچھا جائے گا تو نے یہ کیا اور یہ کیا۔عرض کرے گا ہاں اے رب یہاں تک کہ تمام گناہوں کا اقرار لے لے گا۔اب یہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ اب گئے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم نے دنیا میں تیرے عیب چھپائے اور اب بخشتے ہیں۔اور کسی سے سختی کے ساتھ ایک ایک بات کی باز پرس ہوگی جس سے یوں سوال ہوا وہ ہلاک ہوا۔کسی سے فرمائے گا اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت نہ دی تھی' تجھے سردار نہ بنایا تھا' اور تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کو مسخر نہ کیا تھا ان کے علاوہ اور نعمتیں یاد دلائے گا۔بندہ! عرض کرے گا ہاں تو نے سب کچھ دیا تھا۔پھر فرمائے گا تو کیا تیرا خیال تھا کہ مجھ سے ملنا ہے' عرض کرے گا کہ نہیں۔فرمائے گا تو جیسے تو نے ہمیں یاد نہ کیا ہم بھی تجھے عذاب میں چھوڑتے ہیں۔

بعض کافر ایسے بھی ہوں گے کہ جب نعمتیں یاد دلا کر فرمائے گا کہ تو نے کیا کیا۔کافر! عرض کرے گا تجھ پر اور تیری کتاب اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا' نماز پڑھی' روزے رکھے' صدقہ دیا' اور ان کے علاوہ جہاں تک ہو سکے گا نیک کاموں کا ذکر کر جائے گا۔ارشاد ہوگا تو اچھا تو ٹھہر جا تجھ پر گواہ پیش کیے جائیں گے۔یہ اپنے جی میں سوچے گا مجھ پر کون گواہی دے گا اس وقت اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی اور اعضاء کو حکم ہوگا بولو اس وقت اس کی ران اور ہاتھ پاؤں گوشت پوست ہڈیاں سب گواہی دیں گے کہ یہ تو ایسا تھا ایسا تھا وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔نبی ﷺ نے فرمایا میری امت سے ستر ہزار بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے طفیل میں ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور اللہ ربّ العزت ان کے ساتھ تین جماعتیں اور دے گا معلوم نہیں ہر جماعت میں کتنے ہوں گے اس کا شمار وہی جانے۔تہجد پڑھنے والے بلا حساب جنت میں جائیں گے۔اس امت میں وہ شخص بھی ہوگا جس کے ننانوے دفتر گناہوں کے ہوں گے اور ہر دفتر اتنا ہوگا جہاں تک نگاہ پہنچے وہ سب کھولے جائیں گے۔اللہ ربّ العزت فرمائے گا ان میں سے کسی امر کا تجھے انکار تو نہیں ہے؟ میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے تجھ پر ظلم تو نہیں کیا؟ عرض کریگا نہیں اے رب۔پھر فرمائے گا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ عرض کرے گا نہیں اے رب۔فرمائے گا ہاں تیری ایک نیکی ہمارے حضور میں ہے اور تجھ پر آج ظلم نہ ہوگا۔اس وقت ایک پرچہ جس میں (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) ہوگا نکالا جائے گا اور حکم ہوگا جا! تلوا۔عرض کرے گا اے رب یہ پرچہ ان دفتروں کے سامنے کیا ہے؟ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا۔پھر ایک پلے پر یہ سب دفتر رکھے جائیں گے اور ایک میں وہ پرچہ رکھا جائے گا وہ پرچہ ان دفتروں سے بھاری ہو جائے گا۔بالجملہ اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں جس پر رحم فرمائے تھوڑی چیز بھی بہت کثیر ہے۔

عقیدہ......قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا۔نیکوں کے دہنے ہاتھ میں اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں۔کافر کا سینہ توڑ کر اس کا بایاں ہاتھ اس سے پس پشت نکال کر پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔

عقیدہ......حوضِ کوثر کہ نبی کریم ﷺ کو مرحمت ہوا حق ہے۔اس حوض کی مسافت ایک مہینہ کی راہ ہے۔اس کے کناروں پر موتی کے قبے ہیں چاروں گوشے برابر یعنی زاویے قائمہ ہیں۔اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک کی ہے۔اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید' شہد سے زیادہ میٹھا' اور مشک سے زیادہ پاکیزہ' اور اس پر برتن ستاروں سے بھی گنتی میں زیادہ۔جو اس کا پانی پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔اس میں جنت سے دو پرنالے ہر وقت گرتے ہیں ایک سونے کا دوسرا چاندی کا۔

عقیدہ......میزان حق ہے اس پر لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے نیکی کا پلّہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اٹھے۔دنیا کا سا

معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے۔

عقیدہ..... حضور اقدس ﷺ کو اللہ ﷻ مقامِ محمود عطا فرمائے گا کہ تمام اوّلین و آخرین حضور ﷺ کی حمد و ستائش کریں گے۔

عقیدہ..... حضور اقدس ﷺ کو ایک جھنڈا مرحمت ہوگا جس کو لواءُ الحمد کہتے ہیں۔ تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام سے آخر تک سب اسی کے نیچے ہوں گے۔

عقیدہ..... صراط حق ہے یہ ایک پل ہے کہ پشت جہنم پر نصب کیا جائے گا۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا جنت میں جانے کا یہی راستہ ہے۔ سب سے پہلے نبی ﷺ گزر فرمائیں گے پھر اور انبیاء و مرسلین۔ پھر یہ امت پھر اور امتیں گزریں گی اور حسب اختلاف اعمال پل صراط پر لوگ مختلف طرح سے گزریں گے۔ بعض تو ایسے تیزی کے ساتھ گزریں گے جیسے بجلی کا کوندا کہ ابھی چمکا اور ابھی غائب ہوگیا اور بعض تیز ہوا کی طرح، کوئی ایسے جیسے پرندہ اڑتا ہے اور بعض جیسے گھوڑا دوڑتا ہے اور بعض جیسے آدمی دوڑتا ہے یہاں تک کہ بعض شخص سرین پر گھسٹتے ہوئے اور کوئی چیونٹی کی چال جائے گا اور پل صراط کے دونوں جانب بڑے بڑے آنکڑے (اللہ ہی جانے کہ وہ کتنے بڑے ہوں گے) لٹکتے ہوں گے، جس شخص کے بارے میں حکم ہوگا اسے پکڑ لیں گے۔ مگر بعض تو زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے اور بعض کو جہنم میں گرا دیں گے اور یہ ہلاک ہوا۔ یہ تمام اہل محشر تو پل پر سے گزرنے میں مشغول، مگر وہ بے گناہ گناہ گاروں کا شفیع پل کے کنارے کھڑا بکمال گریہ وزاری اپنی امت عاصی کی نجات کی فکر میں اپنے رب سے دعا کر رہا ہے۔ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ الٰہی ان گناہ گاروں کو بچا لے بچا لے۔ اور ایک اسی جگہ کیا۔ حضور ﷺ اس دن تمام مواطن میں دورہ فرماتے رہیں گے کبھی میزان پر تشریف لے جائیں گے وہاں جس کے حسنات میں کمی دیکھیں گے اس کی شفاعت فرما کر نجات دلوائیں گے۔ اور فوراً ہی دیکھو تو حوضِ کوثر پر جلوہ فرما ہو کر پیاسوں کو سیراب فرما رہے ہیں اور وہاں سے پل پر رونق افروز ہوئے اور گرتوں کو بچایا غرض ہر جگہ انہیں کی دوہائی ہر شخص انہیں کو پکارتا، انہیں سے فریاد کرتا ہے اور ان کے سوا کس کو پکارے کہ ہر ایک تو اپنی فکر میں ہے۔ دوسروں کو کیا پوچھے صرف ایک یہی ہیں جنہیں اپنی فکر نہیں اور تمام عالم کا بار اُن کے ذمے۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ

(اَللّٰهُمَّ نَجِّنَا مِنْ اَهْوَالِ الْمَحْشَرِ بِجَاهِ هٰذَا النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ اٰمِيْنَ)

یہ قیامت کا دن کہ حقیقۃً قیامت کا دن ہے جو پچاس ہزار برس کا دن ہوگا جس کے مصائب بے شمار ہوں گے۔ مولیٰ ﷻ کے جو خاص بندے ہیں ان کیلئے اتنا ہلکا کر دیا جائے گا کہ معلوم ہوگا اس میں اتنا وقت صرف ہوا جتنا ایک وقت کی نماز فرض میں صرف ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ یہاں تک کہ بعضوں کیلئے تو پلک جھپکنے میں سارا دن طے ہو جائے گا وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (پ۱۴ النحل ۷۷) قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب۔ (کنز الایمان) سب سے اعظم و اعلیٰ جو مسلمانوں کو اس روز نعمت ملے گی وہ اللہ ﷻ کا دیدار ہے کہ اس نعمت کے برابر کوئی نعمت نہیں۔ جسے ایک بار دیدار میسر ہوگا ہمیشہ ہمیشہ اس کے ذوق میں مستغرق رہے گا کبھی نہ بھولے گا۔ اور سب سے پہلے دیدار الٰہی حضور اقدس ﷺ کو ہوگا۔ یہاں تک تو حشر کے اہوال و احوال مختصراً بیان کیے گئے۔ ان تمام مرحلوں کے بعد اب اسے ہمیشگی کے گھر میں جانا ہے۔ کسی کو آرام کا گھر ملے گا جس کی آسائش کی کوئی انتہا نہیں اس کو جنت کہتے ہیں۔ یا تکلیف کے گھر میں جانا پڑے جس کی تکلیف کی کوئی حد نہیں اسے جہنم کہتے ہیں۔

عقیدہ..... جنت و دوزخ حق ہیں۔ ان کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

عقیدہ..... جنت و دوزخ کو بنے ہوئے ہزار ہا سال ہوئے اور وہ اب موجود ہیں یہ نہیں کہ اس وقت تک مخلوق نہ ہوئیں قیامت کے دن بنائی جائیں گی۔

عقیدہ..... قیامت و بعث و حشر و حساب و ثواب و عذاب و جنت و دوزخ سب کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان

چیزوں کو تو حق کہے مگر ان کے نئے معنی گڑھے (مثلاً ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا اور عذاب اپنے بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا یا حشر فقط روحوں کا ہونا) وہ حقیقۃً ان چیزوں کا منکر ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔ اب جنت و دوزخ کی مختصر کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ (بہار شریعت)

جنت کا بیان

جنت ایک مکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے بنایا ہے۔ اس میں وہ نعمتیں مہیا کی ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ کسی[1] آدمی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۔ جو کوئی مثال اس کی تعریف میں دی جائے سمجھانے کیلئے ہے ورنہ دنیا کی اعلیٰ[2] سے اعلیٰ شے کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ مناسبت نہیں۔ وہاں کی کوئی عورت اگر زمین کی طرف جھانکے تو زمین سے آسمان تک روشنی ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور چاند سورج کی روشنی جاتی رہے اور اس کا دوپٹا دنیا و مافیہا سے بہتر۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر حور اپنی ہتھیلی زمین و آسمان کے درمیان نکالے تو اس کے حسن کی وجہ سے خلائق فتنہ میں پڑ جائیں اور اگر اپنا دوپٹا ظاہر کرے تو اس کی خوبصورتی کے آگے آفتاب ایسا ہو جائے جیسے آفتاب کے سامنے چراغ اور اگر جنت کی کوئی ناخن بھر چیز دنیا میں ظاہر ہو تو تمام آسمان و زمین اس سے آراستہ ہو جائیں اور اگر جنتی کا کنگن ظاہر ہو تو آفتاب کی روشنی مٹا دے جیسے آفتاب ستاروں کی روشنی مٹا دیتا ہے۔ جنت کی اتنی جگہ جس میں کوڑا رکھ سکیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جنت کتنی وسیع ہے اس کو اللہ جل جلالہ و رسول ﷺ ہی جانیں۔

اجمالی بیان یہ ہے کہ اس میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں وہ مسافت ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ رہا یہ کہ خود اس درجہ کی کیا مسافت ہے اس کے متعلق کوئی بھی روایت خیال میں نہیں۔ البتہ ایک حدیث ترمذی کی یہ ہے کہ اگر تمام عالم ایک درجہ میں جمع ہو تو سب کیلئے وسیع ہے۔ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سو برس تک تیز گھوڑے پر سوار چلتا رہے اور ختم نہ ہو۔ جنت کے دروازے اتنے وسیع ہوں گے کہ ایک بازو سے دوسرے تک تیز گھوڑے کی ستر برس کی راہ ہوگی پھر بھی جانے والوں کی وہ کثرت ہوگی کہ مونڈھے سے مونڈھا چھلتا ہوگا بلکہ بھیڑ کی وجہ سے دروازہ چرچرانے لگے گا۔

اس میں قسم قسم کے جواہر کے محل ہیں ایسے صاف و شفاف کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا اندر سے دکھائی دے۔ جنت کی دیواریں سونے اور چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہیں۔ ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی زمین زعفران کی کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت اور ایک روایت میں ہے کہ جنت عدن کی ایک اینٹ سفید موتی کی ہے ایک یاقوت سرخ کی ایک زبرجد سبز کی اور مشک کا گارا ہے اور گھاس کی جگہ زعفران ہے۔ موتی کی کنکریاں عنبر کی مٹی جنت میں ایک ایک موتی کا خیمہ ہوگا جس کی بلندی ساٹھ میل۔ جنت میں چار دریا ہیں۔ ایک: پانی کا دوسرا: دودھ کا تیسرا: شہد کا چوتھا: شراب (شراب طہور) کا۔ پھر ان سے نہریں نکل کر ہر ایک کے مکان میں جاری ہیں وہاں کی نہریں زمین کھود کر نہیں بہتیں بلکہ زمین کے اوپر اوپر رواں ہیں۔ نہروں کا ایک کنارہ موتی کا دوسرا یاقوت کا اور نہروں کی زمین خالص مشک کی۔ وہاں کی شراب دنیا کی سی نہیں جس میں بدبو اور کڑواہٹ اور نشہ ہوتا ہے اور پینے والے بے عقل ہو جاتے ہیں آپے سے باہر ہو کر بیہودہ بکتے ہیں وہ پاک شراب ان سب باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ جنتیوں کو جنت میں ہر قسم کے لذیذ سے لذیذ کھانے ملیں گے جو چاہیں گے فوراً ان کے سامنے موجود ہوگا۔ اگر کسی پرند کو دیکھ کر اس کے گوشت کھانے کو جی ہو تو اسی وقت بھنا ہوا ان کے پاس آ جائے گا۔ اگر پانی وغیرہ کی خواہش ہو تو کوزے خود ہاتھ میں آ جائیں گے۔ ان میں ٹھیک اندازے کے موافق پانی دودھ شراب شہد ہوگا کہ ان کی خواہش سے ایک قطرہ کم نہ زیادہ۔ بعد پینے کے خود بخود جہاں سے آئے تھے چلے جائیں گے۔ وہاں نجاست گندگی پاخانہ پیشاب تھوک رینٹھ کان کا میل بدن کا میل اصلاً نہ ہوں گے۔ ایک خوشبودار فرحت بخش ڈکار آئے گی۔ خوشبودار فرحت بخش پسینہ نکلے گا سب کھانا ہضم ہو جائے گا اور ڈکار اور پسینے سے مشک کی خوشبو نکلے گی۔ ہر شخص کو سو آدمیوں کے کھانے پینے جماع کی طاقت دی جائے گی۔

ہر وقت زبان سے تسبیح و تکبیر بقصد اور بلا قصد مثل سانس کے جاری ہوگی۔ کم سے کم ہر شخص کے سرہانے دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے۔ خادموں میں ہر ایک کے ایک ہاتھ میں چاندی کا پیالہ ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں سونے کا اور ہر پیالے میں نئے نئے رنگ کی نعمت ہوگی۔ جتنا کھاتا جائے گا لذت میں کمی نہ ہوگی بلکہ زیادتی ہوگی۔ ہر نوالے میں ستر مزے ہوں گے ہر مزہ دوسرے سے ممتاز وہ معاً محسوس ہوگا ایک کا احساس دوسرے سے مانع نہ ہوگا۔ جنتیوں کے نہ لباس پرانے پڑیں گے نہ ان کی جوانی فنا ہوگی۔ پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند اور دوسرا گروہ جیسے کوئی نہایت روشن ستارہ۔ جنتی سب ایک دل ہوں گے ان کے آپس میں کوئی اختلاف و بغض نہ ہوگا۔ ان میں ہر ایک کو حورِ عین میں کم سے کم دو بی بیاں ایسی ملیں گی کہ ستر ستر جوڑے پہنے ہوں گی پھر بھی ان لباسوں اور گوشت کے باہر سے ان کی پنڈلیوں کا مغز دکھائی دے گا جیسے سفید شیشے میں شراب سرخ دکھائی دیتی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ ﷻ نے انہیں یاقوت سے تشبیہ دی اور یاقوت میں سوراخ کر کے اگر ڈورا ڈالا جائے تو ضرور باہر سے دکھائی دے گا۔ آدمی اپنے چہرے کو اس کے رخسار میں آئینہ سے بھی زیادہ صاف دیکھے گا اور اس پر ادنیٰ درجے کا جو موتی ہوگا وہ ایسا ہوگا کہ مشرق سے مغرب تک روشن کر دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مرد اپنا ہاتھ اس کے شانوں کے درمیان رکھے گا تو سینہ کی طرف سے کپڑے اور جلد اور گوشت کے باہر سے دکھائی دے گا۔ اگر جنت کا کپڑا دنیا میں پہنا جائے تو جو دیکھے بے ہوش ہو جائے اور لوگوں کی نگاہیں اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ مرد جب اس کے پاس جائے گا اسے ہر بار کنواری پائے گا مگر اس کی وجہ سے مرد و عورت کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اگر کوئی حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے تھوک کی شیرینی کی وجہ سے سمندر شیریں ہو جائے۔

اور ایک روایت ہے کہ اگر جنت کی عورت سات سمندروں میں تھوکے تو وہ شہد سے زیادہ شیریں ہو جائیں۔ جب کوئی بندہ جنت میں جائے گا تو اس کے سرہانے اور پائنتی میں دو حوریں نہایت اچھی آواز سے گائیں گی مگر ان کا گانا یہ شیطانی مزامیر نہیں بلکہ اللہ ﷻ کی حمد و پاکی ہوگا۔ وہ ایسی خوش گلو ہوں گی کہ مخلوق نے ویسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی اور یہ بھی گائیں گی کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہ مریں گی۔ ہم چین والیاں ہیں، کبھی تکلیف میں نہ پڑیں گی۔ ہم راضی ہیں ناراض نہ ہوں گی۔ مبارک باد اس کیلئے جو ہمارا اور ہم اس کی ہوں گی۔ سر کے بال اور پلکوں اور بھوؤں کے سوا جنتی کے بدن پر کہیں بال نہ ہوں گے۔ سب بے ریش ہوں گے۔ سرگیں آنکھیں، تیس برس کی عمر کے معلوم ہوں گے کبھی اس سے زیادہ معلوم نہ ہوں گے۔ ادنیٰ جنتی کیلئے اَسّی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) عورتیں ہوں گی اور ان کو ایسے تاج ملیں گے کہ ان میں کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کے درمیان روشنی کر دے، اور اگر مسلمان اولاد کی خواہش کرے تو اس کا حمل اور وضع اور پوری عمر (یعنی تیس سال کی) خواہش کرتے ہی ایک ساعت میں ہو جائے گی۔

جنت میں نیند نہیں کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنت میں موت نہیں۔ جنتی جب جنت میں جائیں گے ہر ایک اپنے اعمال کی مقدار سے مرتبہ پائے گا اور اس کے فضل کی حد نہیں۔ پھر انہیں دنیا کی ایک ہفتہ کی مقدار کے بعد اجازت دی جائے گی کہ اپنے پروردگار ﷻ کی زیارت کریں اور عرشِ الٰہی ظاہر ہوگا اور اللہ ربُّ العزت جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا۔ اور ان جنتیوں کیلئے منبر بچھائے جائیں گے نور کے منبر، موتی کے منبر، یاقوت کے منبر، زبرجد کے منبر، سونے کے منبر، چاندی کے منبر اور ان میں کا ادنیٰ مشک و کافور کے ٹیلے پر بیٹھے گا اور ان میں ادنیٰ کوئی نہیں اپنے گمان میں کرسی والوں کو کچھ اپنے سے بڑھ کر نہ سمجھیں گے اور خدا کا دیدار ایسا صاف ہوگا جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو ہر ایک اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کیلئے مانع نہیں۔ اور اللہ ﷻ ہر ایک پر تجلی فرمائے گا ان میں سے کسی کو فرمائے گا اے فلاں بن فلاں! تجھے یاد ہے جس دن تو نے ایسا ایسا کیا تھا دنیا کے بعض معاصی یاد دلائے گا۔ بندہ عرض کرے گا۔ تو اے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہ دیا۔ فرمائے گا ہاں میری مغفرت کی وسعت ہی کی وجہ سے تو اس مرتبہ کو پہنچا۔ وہ سب اسی حالت میں ہوں گے کہ ابر چھائے گا اور ان پر خوشبو برسائے گا کہ اس کی سی خوشبو ان لوگوں نے کبھی نہ پائی تھی اور اللہ ﷻ فرمائے گا کہ جاؤ اس کی طرف جو میں نے تمہارے لئے عزت تیار کر رکھی ہے جو چاہو لو۔ پھر لوگ ایک بازار میں جائیں گے (جسے ملائکہ گھیرے ہوئے ہیں۔) اس میں وہ چیزیں ہوں گی کہ ان کی مثل نہ آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سنی، نہ قلوب پر ان کا خطرہ گزرا، اس میں سے جو چاہیں گے ان کے ساتھ کر دی جائے گی اور خرید و فروخت نہ ہوگی اور جنتی اس بازار میں

باہم ملیں گے چھوٹے مرتبہ والا بڑے مرتبہ والے کو دیکھے گا اس کا لباس پسند کرے گا ہنوز گفتگو ختم بھی نہ ہوگی کہ خیال کرے گا میرا لباس اس سے اچھا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ جنت میں کسی کیلئے غم نہیں۔ پھر وہاں سے اپنے اپنے مکانوں کو واپس آئیں گے۔

ان کی بیبیاں ان کا استقبال کریں گی اور مبارکباد دے کر کہیں گی کہ آپ واپس ہوئے اور آپ کا جمال اس سے بہت زائد ہے کہ ہمارے پاس سے آپ گئے تھے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار جبار کے حضور بیٹھنا ہمیں نصیب ہوا تو ہمیں ایسا ہی ہو جانا سزاوار تھا۔ جنتی باہم ملنا چاہیں گے تو ایک کا تخت دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کی سواریاں اور گھوڑے لائے جائیں گے اور ان پر سوار ہو کر جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ سب سے کم درجہ کا جو جنتی ہے اس کے باغات اور بیویاں اور نعیم و خدام اور تخت ہزار برس کی مسافت تک ہوں گے اور ان میں اللہ ﷻ کے نزدیک سب میں معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کے دیدار سے ہر صبح و شام مشرف ہوگا۔ جب جنتی جنت میں جائیں گے اللہ ﷻ ان سے فرمائے گا کچھ اور چاہتے ہو جو تم کو دوں؟ عرض کریں گے تو نے ہمارے منہ روشن کیے' جنت میں داخل کیا' جہنم سے نجات دی' اس وقت پردہ کہ مخلوق پر تھا اٹھ جائے گا تو دیدار الٰہی سے بڑھ کر انہیں کوئی چیز نہ ملی ہوگی۔ (بہار شریعت)

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا زِيَارَةَ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ الرَّؤُفِ الرَّحِيْمِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمُ اٰمِيْنَ.

دوزخ کا بیان

یہ ایک مکان ہے کہ اس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے۔ جس طرح اس کی رحمت و نعمت کی انتہا نہیں کہ انسانی خیالات و تصورات جہاں تک پہنچیں۔ وہ ایک کرشمہ ہے اس کی بے شمار نعمتوں سے۔ اسی طرح اس کے غضب و قہر کی کوئی حد نہیں کہ ہر وہ تکلیف و اذیت کہ ادراک کی جائے ایک ادنیٰ حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ قرآن مجید و احادیث میں جو اس کی سختیاں مذکور ہیں ان میں سے کچھ اجمالاً بیان کرتا ہوں کہ مسلمان دیکھیں اور اس سے پناہ مانگیں اور ان اعمال سے بچیں جن کی جزا جہنم ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ جہنم سے پناہ مانگتا ہے جہنم کہتا ہے اے رب یہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دے۔ قرآن مجید میں بکثرت ارشاد ہوا کہ جہنم سے بچو۔ دوزخ سے ڈرو' ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ ہم کو سکھانے کیلئے کثرت کے ساتھ اس سے پناہ مانگتے۔ جہنم کے شرارے (پھول) اونچے اونچے محلوں کی برابر اڑیں گے گویا زرد اونٹوں کی قطار کہ پیہم آتے رہیں گے آدمی اور پتھر اس کا ایندھن ہے۔ یہ جو دنیا کی آگ ہے اس آگ کے ستر جزوں میں سے ایک جز ہے۔

جس کو سب سے کم درجہ کا عذاب ہوگا اسے آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی جس سے اس کا دماغ ایسا کھولے گا جیسے تانبے کی پتیلی کھولتی ہے۔ وہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ عذاب اس پر ہو رہا ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا ہے۔ سب سے ہلکے درجے کا جس پر عذاب ہوگا اس سے اللہ ﷻ پوچھے گا کہ اگر ساری زمین تیری ہو جائے تو کیا اس عذاب سے بچنے کیلئے تو سب فدیہ میں دے دے گا؟ عرض کرے گا ہاں۔ فرمائے گا کہ جب تو پشت آدم میں تھا تو ہم نے اس سے بہت آسان چیز کا حکم دیا تھا کہ کفر نہ کرنا مگر تو نے نہ مانا۔

جہنم کی آگ ہزار برس تک دھونکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہوگئی' پھر ہزار برس' اور یہاں تک کہ سفید ہوگئی' پھر ہزار برس اور یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی تو اب وہ نری سیاہ ہے جس میں روشنی کا نام نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے قسم کھا کر عرض کی کہ اگر جہنم سے سوئی کے ناکے کی برابر کھول دیا جائے تو تمام زمین والے سب کے سب اس کی گرمی سے مر جائیں۔ اور قسم کھا کر کہا کہ اگر جہنم کا کوئی داروغہ اہل دنیا پر ظاہر ہو تو زمین کے رہنے والے کل کے کل اس کی ہیبت سے مر جائیں۔ اور بقسم بیان کیا کہ اگر جہنمیوں کی زنجیر کی ایک کڑی دنیا کے پہاڑوں پر رکھ دی جائے تو کانپنے لگیں اور انہیں قرار نہ ہو یہاں تک کہ نیچے کی زمین تک دھنس جائیں۔ یہ دنیا کی آگ (جس کی گرمی اور تیزی سے کون واقف نہیں کہ بعض موسم میں تو اس کے قریب جانا شاق ہوتا ہے پھر بھی یہ آگ) خدا سے دعا کرتی ہے کہ اسے جہنم میں نہ لے جائے مگر تعجب ہے انسان سے کہ جہنم میں جانے کا کام کرتا ہے اور اس آگ سے نہیں ڈرتا جس سے آگ بھی ڈرتی اور پناہ مانگتی ہے۔ دوزخ کی گہرائی کو خدا ہی جانے کہ کتنی گہری ہے۔

حدیث میں ہے کہ اگر پتھر کی چٹان جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکی جائے تو ستر برس میں بھی تہہ تک نہ پہنچے گی۔ اور اگر انسان کے سر برابر سیسہ کا گولا آسمان سے زمین کو پھینکا جائے تو رات آنے سے پہلے زمین تک پہنچ جائے گا حالانکہ یہ پانچ سو برس کی راہ ہے۔ پھر اس میں مختلف طبقات و وادیاں اور کنوئیں ہیں۔ بعض وادیاں ایسی ہیں کہ جہنم بھی ہر روز ستر مرتبہ یا زیادہ ان سے پناہ مانگتا ہے۔

یہ خود اس مقام کی حالت ہے اگر اس میں اور کچھ عذاب نہ ہوتا تو یہی کیا کم تھا مگر کفار کی سرزنش کیلئے اور طرح طرح کے عذاب مہیا کیے۔ لوہے کے ایسے بھاری گرزوں سے فرشتے ماریں گے کہ اگر کوئی گرز زمین پر رکھ دیا جائے تو تمام جن وانس جمع ہو کر اس کو اٹھا نہیں سکتے۔ بختی (۳) اونٹ کی گردن برابر بچھو اور اللہ جانے کس قدر بڑے سانپ کہ اگر ایک مرتبہ کاٹ لیں تو اس کی سوزش، درد، بے چینی ہزار برس تک رہے۔ تیل کی جلی ہوئی تلچھٹ کی مثل سخت کھولتا پانی پینے کو دیا جائے گا کہ منہ کے قریب ہوتے ہی اس کی تیزی سے چہرے کی کھال گر جائے گی۔ سر پر گرم پانی بہایا جائے گا۔ جہنمیوں کے بدن سے جو پیپ بہے گی وہ پلائی جائے گی۔ خاردار تھوہڑ کھانے کو دیا جائے گا' وہ ایسا ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں آئے تو اس کی سوزش و بدبو تمام اہل دنیا کی معیشت برباد کر دے۔ اور وہ گلے میں جا کر پھندا ڈالے گا اس کے اتارنے کیلئے پانی مانگیں گے ان کو وہ کھولتا پانی دیا جائے گا کہ منہ کے قریب آتے ہی منہ کی ساری کھال گل کر اس میں گر پڑے گی اور پیٹ میں جاتے ہی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور وہ شوربے کی طرح بہہ کر قدموں کی طرف نکلیں گی۔ پیاس اس بلا کی ہوگی کہ اس پانی پر ایسے گریں گے جیسے تونس کے مارے ہوئے اونٹ۔ پھر کفار جان سے عاجز آ کر باہم مشورہ کر کے مالک (فرشتہ کا نام) علیہ السلام داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔

اے مالک! (علیہ السلام) تیرا رب ہمارا قصہ تمام کر دے۔ مالک علیہ السلام ہزار برس تک جواب نہ دیں گے۔ ہزار برس کے بعد فرمائیں گے مجھ سے کیا کہتے ہو اس سے کہو جس کی نافرمانی کی ہے۔ ہزار برس تک رب العزت کو اس کی رحمت کے ناموں سے پکاریں گے وہ ہزار برس تک جواب نہ دے گا۔ اس کے بعد فرمائے گا۔ تو یہ فرمائے گا ''دور ہو جاؤ جہنم میں پڑے رہو مجھ سے بات نہ کرو'' اس وقت کفار ہر قسم کی خیر سے ناامید ہو جائیں گے اور گدھے کی آواز کی طرح چلا کر روئیں گے۔ ابتداءً آنسو نکلیں گے جب آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون روئیں گے۔ روتے روتے گالوں میں خندقوں کی مثل گڑھے پڑ جائیں گے۔ رونے کا خون اور پیپ اس قدر ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں ڈالی جائیں تو چلنے لگیں۔ جہنمیوں کی شکلیں ایسی کریہہ ہوں گی کہ اگر دنیا میں کوئی جہنمی اسی صورت پر لایا جائے تو تمام لوگ اس کی بدصورتی اور بدبو کی وجہ سے مر جائیں۔ اور جسم ان کا ایسا بڑا کر دیا جائے گا کہ ایک شانہ سے دوسرے تک تیز سوار کیلئے تین دن کی راہ ہے۔ ایک ایک داڑھ احد کے پہاڑ برابر ہوگی۔ کھال کی موٹائی بیالیس ذراع کی ہوگی۔ زبان ایک کوس دو کوس تک منہ سے باہر گھسٹتی ہوگی کہ لوگ اس کو روندیں گے۔ بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جیسے مکہ سے مدینہ تک اور وہ جہنم میں منہ سکوڑے ہوں گے کہ اوپر کا ہونٹ سمٹ کر بیچ سر کو پہنچ جائے گا اور نیچے کا لٹک کر ناف کو آ لگے گا۔

ان مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی شکل جہنم میں انسانی شکل نہ ہوگی کہ یہ شکل احسن التقویم ہے اور یہ اللہ ﷻ کو محبوب ہے کہ اس کے محبوب کی شکل سے مشابہ ہے بلکہ جہنمیوں کا وہ حلیہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ پھر آخر میں کفار کیلئے یہ ہوگا کہ اس کے قد برابر آگ کے صندوق میں اسے بند کریں گے پھر اس میں آگ بھڑکائیں گے اور آگ کا قفل لگایا جائے گا پھر یہ صندوق آگ کے دوسرے صندوق میں رکھا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان آگ جلائی جائے گی اور اس میں آگ کا قفل لگایا جائے گا پھر اسی طرح اس کو ایک اور صندوق میں رکھ کر اور آگ کا قفل لگا کر آگ میں ڈال دیا جائے گا تو اب ہر کافر یہ سمجھے گا کہ اس کے سوا اب کوئی آگ میں نہ رہا اور یہ عذاب بالائے عذاب ہے اور اب ہمیشہ اس کیلئے عذاب ہے۔ جب سب جنتی جنت میں داخل ہو لیں گے اور جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جن کو ہمیشہ کیلئے اس میں رہنا ہے اس وقت جنت و دوزخ کے درمیان موت کو مینڈھے کی طرح لا کر کھڑا کریں گے پھر منادی جنت والوں کو پکارے گا' وہ ڈرتے ہوئے جھانکیں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے کا حکم ہو پھر جہنمیوں کو پکارے گا وہ خوش ہوتے ہوئے جھانکیں گے کہ شاید اس مصیبت سے رہائی ہو جائے۔ پھر ان سب سے پوچھے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں۔ یہ موت ہے وہ ذبح کر دی جائے گی اور کہے گا اے اہل جنت! ہمیشگی ہے اب مرنا نہیں اور اے اہل نار! ہمیشگی ہے

اب موت نہیں۔اس وقت ان کیلئے خوشی پر خوشی ہے اور اُن کیلئے غم بالائے غم (نَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ)

ایمان وکفر کا بیان

ایمان اسے کہتے ہیں کہ سچے دل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضروریات دین ہیں۔اور کسی ایک ضروریات دینی کے انکار کو کفر کہتے ہیں۔اگر چہ باقی تمام ضروریات کی تصدیق کرتا ہو۔ضروریات دین وہ مسائلِ دین ہیں جن کو ہر خاص وعام جانتے ہوں۔جیسے اللہ ﷻ کی وحدانیت‘ انبیاء کی نبوت‘ جنت ونار‘ حشر ونشر وغیرہم۔مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں۔حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔

عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں جو طبقہ علماء میں نہ شمار کیے جاتے ہوں مگر علماء کی صحبت سے شرفیاب ہوں اور مسائل علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں۔نہ وہ کہ کورِدہ (جاہلوں کی بستی) اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے کہ ایسے لوگوں کا ضروریات دین سے ناواقف ہونا اس ضروری کو غیر ضروری نہ کردے گا۔البتہ ان کے مسلمان ہونے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں۔اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے۔ان سب پر اجمالاً ایمان لائے ہوں۔

عقیدہ......اصل ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔اعمال بدن تو اصلاً جزوِ ایمان نہیں۔رہا اقرار اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تصدیق کے بعد اس کو اظہار کا موقع نہ ملا تو عنداللہ مومن ہے اور اگر موقع ملا اور اس سے مطالبہ کیا گیا اور اقرار نہ کیا تو کافر ہے۔اور اگر مطالبہ نہ کیا گیا تو احکام دنیا میں کافر سمجھا جائے گا۔نہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے‘ مگر عنداللہ مومن ہے۔اگر کوئی امر خلاف اسلام ظاہر نہ کیا ہو۔

عقیدہ......مسلمان ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ زبان سے کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین سے ہے۔اگر چہ باقی باتوں کا اقرار کرتا ہو۔اگر چہ وہ یہ کہے کہ صرف زبان سے انکار ہے دل میں انکار نہیں۔کہ بلا اکراہ شرعی مسلمان کلمہ کفر صادر نہیں کرسکتا وہی شخص ایسی بات منہ پر لائے گا جس کے دل میں اتنی ہی وقعت ہے کہ جب چاہا انکار کردیا اور ایمان تو ایسی تصدیق ہے جس کے خلاف کی اصلاً گنجائش نہیں۔

مسئلہ......اگر معاذ اللہ کلمہ کفر جاری کرنے پر کوئی شخص مجبور کیا گیا یعنی اسے مار ڈالنے یا اس کا عضو کاٹ ڈالنے کی صحیح دھمکی دی گئی کہ یہ دھمکانے والے کو اس بات کے کرنے پر قادر سمجھے تو ایسی حالت میں اس کو رخصت دی گئی ہے مگر شرط یہ ہے کہ دل میں وہی اطمینان ایمانی ہو جو پیشتر تھا مگر افضل جب بھی یہی ہے کہ قتل ہوجائے اور کلمہ کفر نہ کہے۔

مسئلہ......عمل جوارح داخل ایمان نہیں البتہ بعض اعمال جو قطعاً منافی ایمان ہوں ان کے مرتکب کو کافر کہا جائے گا جیسے بت یا چاند‘ سورج کو سجدہ کرنا اور قتل نبی یا نبی کی توہین یا مصحف شریف یا کعبہ معظمہ کی توہین اور کسی سنت کو ہلکا بتانا یہ باتیں یقیناً کفر ہیں۔یونہی بعض اعمال کفر کی علامت ہیں جیسے زنّار باندھنا‘ سر پر چوٹیاں رکھنا‘ قشقہ لگانا‘ ایسے افعال کے مرتکب کو فقہائے کرام کافر کہتے ہیں تو جب ان اعمال سے کفر لازم آتا ہے تو ان کے مرتکب کو از سر نو اسلام لانے اور اس کے بعد اپنی عورت سے تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

عقیدہ......جس چیز کی حِلّت نصِ قطعی سے ثابت ہو اس کو حرام کہنا اور جس کی حُرمت یقینی ہو اسے حلال بتانا کفر ہے جب کہ یہ حکم ضروریات دین سے ہو یا منکر اس حکم قطعی سے آگاہ ہو۔

مسئلہ......اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں بلکہ جو بات ہو یقین قطعی کے ساتھ ہو خواہ وہ یقین کسی طرح بھی حاصل ہو اس کے حصول میں بالخصوص علم استدلالی کی حاجت نہیں۔ہاں بعض فروع عقائد میں تقلید ہوسکتی ہے۔اسی بنا پر خود اہل سنت میں دو گروہ ہیں ماتریدیہ۔کہ امام علم الہدیٰ حضرت ابو منصور ماتریدی رضی اللہ عنہ کے متبع ہوئے اور۔اشاعرہ کہ حضرت امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں۔یہ دونوں جماعتیں اہل سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں۔آپس میں صرف بعض فروع کا اختلاف ہے ان کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے کہ دونوں اہل حق ہیں کوئی کسی کی تضلیل و

تفسیق نہیں کر سکتا۔

مسئلہ......ایمان قابل زیادتی ونقصان نہیں اس لئے کہ کمی بیشی اس میں ہوتی ہے جو مقدار یعنی لسبائی' چوڑائی' موٹائی یا گنتی رکھتا ہو اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق کیف یعنی ایک حالت اذعانیہ۔ بعض آیات میں ایمان کا زیادہ ہونا جو فرمایا ہے اس سے مراد مومن بہ ومصدق بہ ہے یعنی جس پر ایمان لایا گیا اور جس کی تصدیق کی گئی کہ زمانہ نزول قرآن میں اس کی کوئی حد معین نہ تھی بلکہ احکام نازل ہوتے رہتے اور جو حکم نازل ہوتا اس پر ایمان لازم ہوتا نہ کہ خود نفس ایمان بڑھ گھٹ جاتا ہو۔ البتہ ایمان قابل شدت وضعف ہے کہ یہ کیف کے عوارض سے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تنہا ایمان اس امت کے تمام افراد کے مجموع ایمانوں پر غالب ہے۔

عقیدہ......ایمان وکفر میں واسطہ نہیں' یعنی آدمی یا مسلمان ہوگا یا کافر' تیسری صورت کوئی نہیں کہ نہ مسلمان (۴) ہو نہ کافر۔

مسئلہ......نفاق کہ زبان سے دعویٰ اسلام کرنا اور دل میں اسلام سے انکار یہ بھی خالص کفر ہے بلکہ ایسے لوگوں کیلئے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہء اقدس میں کچھ لوگ اس صفت کے اس نام کے ساتھ مشہور ہوئے کہ ان کے کفر باطنی پر قرآن ناطق ہوا نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وسیع علم سے ایک ایک کو پہچانا اور فرمادیا کہ یہ منافق ہے۔ اب اس زمانہ میں کسی خاص شخص کی نسبت قطع کے ساتھ منافق نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے سامنے جو دعویٰ اسلام کرے ہم اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے' جب تک اس سے وہ قول یا فعل' جو منافی ایمان ہے نہ صادر ہو۔ البتہ نفاق کی ایک شاخ اس زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ کہ بہت سے بد مذہب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور دیکھا جاتا ہے تو دعویٰ اسلام کے ساتھ ضروریات دین کا انکار بھی ہے۔

عقیدہ......شرک کے معنی غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یعنی اُلوہیت میں دوسرے کو شریک کرنا۔ اور یہ کفر کی سب سے بدتر قسم ہے۔ اس کے سوا کوئی بات اگرچہ کیسی ہی شدید کفر ہو حقیقۃً شرک نہیں ولہٰذا شرع مطہرہ نے اہل کتاب کفار کے احکام مشرکین کے احکام سے جدا فرمائے۔ کتابی کا ذبیحہ حلال' مشرک کا مردار۔ کتابیہ سے نکاح ہوسکتا ہے مشرکہ سے نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی کے نزدیک کتابی سے جزیہ لیا جائے گا مشرک سے نہ لیا جائے گا۔ اور کبھی شرک بول کر مطلق کفر مراد لیا جاتا ہے۔ یہ جو قرآن عظیم میں فرمایا کہ شرک نہ بخشا جائے گا وہ اسی معنی پر ہے یعنی اصلاً کسی کفر کی مغفرت نہ ہوگی۔ باقی سب گناہ اللہ عزوجل کی مشیت پر ہیں' جسے چاہے بخش دے۔ (شرح عقائد)

عقیدہ......مرتکب کبیرہ مسلمان ہے اور جنت میں جائے گا۔ خواہ اللہ عزوجل اپنے محض فضل سے اس کی مغفرت فرمادے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد یا اپنے کیے کی کچھ سزا پا کر اس کے بعد کبھی جنت سے نہ نکلے گا۔

مسئلہ......جو کسی کافر کیلئے اس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے یا کسی مردہ مرتد کو مرحوم یا مغفور یا کسی مردہ ہندو کو بیکنٹھ باشی کہے وہ خود کافر ہے۔

عقیدہ......مسلمان کو مسلمان' کافر کو کافر جاننا ضروریات دین سے ہے' اگرچہ کسی خاص شخص کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا خاتمہ ایمان یا معاذ اللہ کفر پر ہوا۔ تاوقتیکہ اس کے خاتمہ کا حال دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ مگر اس سے یہ نہ ہوگا کہ جس شخص نے قطعاً کفر کیا ہو اس کے کفر میں شک کیا جائے کہ قطعی کافر کے کفر میں شک بھی آدمی کو کافر بنادیتا ہے خاتمہ پر بنا روز قیامت اور ظاہر پر مدار حکم شرع ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ کوئی کافر مثلاً یہودی یا نصرانی یا بت پرست مر گیا تو یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کفر پر مرا مگر ہم کو اللہ ورسول کا حکم یہی ہے کہ اسے کافر ہی جانیں۔ اس کی زندگی میں اور موت کے بعد تمام وہی معاملات اس کے ساتھ کریں جو کافروں کیلئے ہیں۔ مثلاً میل جول' شادی' بیاہ' نماز' جنازہ' کفن دفن جب اس نے کفر کیا تو فرض ہے کہ ہم اسے کافر ہی جانیں اور خاتمہ کا حال علم الٰہی پر چھوڑیں۔ جس طرح جو ظاہراً مسلمان ہو اور اس سے کوئی قول وفعل خلاف ایمان نہ ہو' فرض ہے کہ ہم اسے مسلمان ہی مانیں اگرچہ ہمیں اس کے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ اس زمانہ میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ میاں جتنی دیر اسے کافر کہو گے اتنی دیر اللہ اللہ کرو یہ ثواب کی بات ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ کافر کافر کا وظیفہ کرلو مقصود یہ ہے کہ

اسے کافر جانو اور پوچھا جائے تو قطعاً کافر کہو۔ نہ یہ کہ اپنی صلح کُل سے اس کے کفر پر پردہ ڈالو۔

تنبیہ ضروری...... حدیث میں ہے: ''سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ ثَلٰثًا وَسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً'' ترجمہ: یہ امت تہتر ۷۳ فرقے ہو جائے گی۔ ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنمی۔ صحابہ نے عرض کی ''مَنْ ھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ'' ترجمہ: وہ ناجی فرقہ کون ہے یارسول اللہ؟ فرمایا: (مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ) ترجمہ: وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں یعنی سنت کے پیرو۔ دوسری روایت میں ہے فرمایا (ھُمُ الْجَمَاعَۃُ) وہ جماعت ہے یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ جسے سواداعظم فرمایا۔ اور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں گیا۔ اسی وجہ سے اس ناجی فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت ہوا ان گمراہ فرقوں میں بہت سے پیدا ہو کر ختم ہو گئے' بعض ہندوستان میں نہیں' ان فرقوں کے ذکر کی ہمیں کیا حاجت کہ نہ وہ ہیں نہ ان کا فتنہ پھر ان کے تذکرہ سے کیا مطلب۔ جو اس ہندوستان میں ہیں مختصراً ان کے عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ہمارے عوام بھائی ان کے فریب میں نہ آئیں۔ کہ حدیث میں ارشاد فرمایا: (اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ) ترجمہ: اپنے کو ان سے دور رکھو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ ہندوستان میں پائے جانے والے فرقوں کا بیان آگے صفحہ ۴۰ پر ہے۔

قسمت و تقدیر

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق پیدا فرما کر اس کو تقسیم کر دیا ہے جو رزق مقدر میں کر دیا ہے اس کو نہ کوئی بند کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کو روکنے والا ہے۔ رزق (مقسوم) نہ کوئی بڑھا سکتا ہے نہ اسے کوئی کم کر سکتا ہے نہ اس کا نرم سخت ہو سکتا ہے اور نہ سخت نرم۔ کل کا رزق آج نہیں کھایا جا سکتا۔ زید کی قسمت عمر کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ اللہ نے انسان کو حلال اور حرام کا شعور دیا ہے۔

اسی طرح قاتل مقتول کی زندگی منقطع نہیں کرتا بلکہ مقتول اپنی موت آپ مرتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو پانی میں ڈوب جاتا ہے یا اس پر دیوار گر جاتی ہے یا پہاڑی کی بلندی سے پھینک دیا جاتا ہے یا کوئی درندہ اس کو کھا جاتا ہے یہ سب اپنی موت سے مرتے ہیں اور دوسرے صرف اسباب موت ہیں۔ مسلمانوں اور مومنوں کی ہدایت یابی اور کافروں کی ضلالت اور گمراہی اللہ عزوجل ہی کی طرف سے ہے۔ یہ سب اسی کا فعل اور اسی کی صناعی ہے۔ اس کے ملک میں کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے رہے ہیں) اسی کے ساتھ مزید ارشاد فرمایا بِمَا صَبَرْتُمْ تمہارے صبر کرنے کے عوض میں جیسا تم کرتے ہو ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جیسا کرو گے ایسا ہی ثواب پاؤ گے دوزخیوں سے پوچھا مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ۔ (تم کو دوزخ میں کس چیز نے داخل کیا انہوں نے کہا ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا دیتے تھے۔ پھر ارشاد فرمایا: ھٰذِہِ النَّارُ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِھَا تُکَذِّبُوْنَ۔ یہ وہ آگ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا: بِمَا قَدَّمَتْ یَدَاکَ۔ اس کے عوض جو تیرے دونوں ہاتھوں سے پہلے ہو چکا ہے ان آیات کے دوسری آیات میں جن میں اللہ تعالیٰ نے جزا کو انسان کے افعال سے متعلق فرمایا ہے۔ بندے کا کسب کرنا اس سے ثابت ہے۔

جہمیہ فرقہ کے لوگ اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کے کسب کا وجود نہیں۔ انسانی عمل ایسا ہے جیسے دروازہ کا کھلنا اور بند ہونا (یعنی اختیاری کھولنے والا چاہتا ہے تو دروازہ کھلتا ہے اور بند کرنا چاہتا ہے تو بند کر دیتا ہے) وہ اس درخت کی مانند ہیں جو ہلایا جاتا ہے اور حرکت دیا جاتا ہے (درخت مجبور ہے اس کی حرکت اس کے اختیار سے نہیں ہوتی) یہ لوگ حق کے منکر ہیں اور کتاب و سنت کی تردید کرتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین)

قدریہ کا نظریہ

قدریہ (معتزلہ) قائل ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے یہ امت محمدیہ ﷺ کے مجوسی ہیں۔ انہوں نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا ہے اور اللہ کی طرف سے عجز کی نسبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ملک میں ایسی چیزوں کے وجود کو تسلیم کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے باہر ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاللّٰہُ

خلقکم وما تعملون اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے جب بدلہ انسان کے اعمال پر واقع ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق بھی اعمال پر ہوتی ہے (یعنی جب سزا و جزا کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو اعمال کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہوگا) یہ جائز نہیں کہ کہا جائے اس (مندرجہ بالا نص) سے مراد وہ کام ہیں جو بندے پتھروں پر بناتے ہیں (بتوں کی مورتیں) کیوں کہ پتھر تو جسم ہیں۔ کسی جسم کو کرنے کا کچھ مفہوم نہیں بلکہ کرنے کا تعلق ان اعمال سے ہے جو انسان کرتا ہے۔ پس اعمال وہ ہیں جو انسان کرتا ہے (نہ کہ جامد اجسام) حقیقت میں تخلیق الٰہی انسان کے اعمال کے راجع ہے۔ وہ حرکت یا سکون خداوند عالم کا ارشاد ہے وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ وہ لوگ ہمیشہ اختلاف میں پڑے رہیں گے۔ سوا ان لوگوں کے جن لوگوں پر آپ کا رب رحم فرمائے گا۔ ان کو تو اللہ نے اسی اختلاف کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے: اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔ کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے اللہ کی تخلیق کی طرح مخلوق کو پیدا کیا جس کی بنا پر اللہ کی مخلوق اور مفروضہ شریکوں کی مخلوق میں امتیاز نہیں رہا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اسی سلسلہ میں ارشاد ہوا: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو زمین اور آسمان سے تم کو رزق دیتا ہے۔ مشرکوں کی حالت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچ جائے تو یہ کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچ جائے تو کہیں یہ تمہاری جانب سے ہے۔ ان سے کہہ دیجئے کہ سب خدا کی جانب سے ہے۔ ان لوگوں کا کیا ہوا ہے جو بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے ہر کاریگر کو اور اس کی صنعت کو پیدا کیا۔ یہاں تک کہ قصاب کو اور اس کے ذبح کرنے (کے فعل) کو بھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ہی خیر و شر کو پیدا کیا۔ ان لوگوں کو خوشخبری ہو جن کے ہاتھوں پر میں نے نیکی مقدر فرمائی اور ان کی خرابی ہو جن کے ہاتھوں پر میں نے شر پیدا کیا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ جن اعمال کی وجہ سے لوگ اللہ کی رضامندی یا ناراضگی کے مستوجب ہوتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی عمل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے یا بندوں کی طرف سے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

''وہ پیدا کیے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہیں اور کیے ہوئے بندوں کے''۔ (غنیۃ الطالبین)

فرشتوں، انبیاء و اولیاء کے متعلق عقیدہ اہل سنت و جماعت

سیدنا حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ واضح رہنا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت اور جمہور مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور وہ اولیاء جو محفوظ ہیں۔ فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرشتوں کو انبیاء سے افضل کہتے ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ فرشتوں کا مرتبہ بلند، ان کی خلقت لطیف تر اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے فرمانبردار ہیں اسی لئے بہتر ہے کہ انہیں افضل کہا جائے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حقیقت تمہارے اس گمان کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ بدنی اطاعت بلند مرتبت اور لطیف خلقت فضل الٰہی کے لئے علت نہیں ہے۔ فضیلت وہاں ہوتی ہے جہاں حق تعالیٰ رکھے۔ جو کچھ فرشتوں کے لئے کہتے ہو وہ سب ابلیس کو بھی حاصل تھا لیکن باتفاق وہ ملعون و رسوا ہوا۔ لہٰذا فضیلت اسی کو ہے جسے حق تعالیٰ عطا فرما کر خلق پر برتری فرمائے۔

انبیاء علیہم السلام کی افضلیت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جسے سجدہ کیا جائے اس کا حال سجدہ کرنے والے کے حال سے بلند ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ خانہ کعبہ جو پتھر اور بے حس و حرکت جماد۔ مسلمان اس سے افضل ہو کر اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں لہٰذا جائز ہے کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں اگر وہ انہیں سجدہ کریں اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ مسلمان خانہ کعبہ یا مسجد کے محراب و دیوار کو سجدہ کرتا ہے سب یہی کہتے ہیں کہ خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور ہمارا یہ کہنا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم کی تعمیل میں سجدہ کیا تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ "اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ" یعنی ہم فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور جب مسلمانوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس طرح فرمایا کہ "وَاسْجُدْ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا" الآیہ۔ ترجمہ: اپنے رب کو سجدہ کرو اور اس کی بندگی بجالاؤ اور نیک کام کرو۔

لہٰذا خانہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کی مانند نہیں۔ کیونکہ مسافر جب عبادت کرنا چاہتا ہے تو سواری کی پشت پر خدا کی نفلی عبادت کرتا ہے اگر سواری کا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ ہو تو معذور متصور ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص جس سمت قبلہ ظاہر نہ ہو اور جنگل میں کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو وہ تحری کر کے جدھر دل متوجہ ہو کر رخ کرے نماز ادا کر سکتا ہے۔ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے میں عذر نہ ہوا اور جس نے اپنے لئے خود عذر گھڑا وہ ملعون و رسوا ہوا اہل بصیرت کے لئے یہ دلائل واضح اور کافی ہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ فرشتے اگرچہ معرفت الٰہی میں انبیاء کرام کے برابر ہیں لیکن اس سے ان کے درجوں میں برابری کسی طرح ضروری نہیں کیونکہ فرشتوں کی خلقت میں نہ شہوت ہے اور نہ دل میں حرص و آز۔ اور نہ طبع میں ذوق و حیلہ ہے۔ ان کی غذا اطاعت، ان کا پینا فرمان الٰہی پر اقامت ہے پھر یہ کہ آدمی کی سرشت شہوت سے مرکب ہے۔ اس سے معاصی کا ارتکاب ممکن ہے اور دنیا کی زیب و زینت اس کے دل پر اثر انداز ہو سکتی ہے اس کی طبیعت میں حرص و حیلہ موجیں مار سکتا ہے اور شیطان کو اس کی ذات پر اتنا غلبہ حاصل ہے کہ وہ لوگوں میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے اور وہ اس نفس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے جو تمام برائیوں اور آفتوں کا سرچشمہ ہے۔ جس کے وجود میں یہ تمام باتیں شامل ہوں، پھر وہ غلبہ شہوت کے امکان کے ساتھ فسق و فجور سے اجتناب کرے۔ سراپا حرص ہو کر دنیا سے منہ موڑ نے، دل میں شیطانی وسوسے باقی رہتے ہوئے معاصی سے رجوع و توبہ کرے اور نفسانی آفتوں سے روگردانی کر کے بندگی پر قائم اور اطاعت پر مستحکم ہو کر مجاہدہ نفس اور مجادلہ شیطان میں مشغول ہو درحقیقت وہ فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ فرشتوں کی خلقت میں نہ تو شہوت سے معرکہ آرائی ہے اور نہ ان کی طبعیت میں غذا و لذت کی خواہش نہ

بیوی بچوں کا غم نہ خویش واقرباء کی مشغولیت نہ سبب و وسیلہ کے محتاج نہ امید و آفت کا استغراق ہے۔ ان میں سے مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو افعال و کردار میں فضل کو دیکھتا ہے یا خوبی و جمال میں عزت کو دیکھتا ہے یا عزت و مال میں بزرگی کو تلاش کرتا ہے وہ جلد ہی اس نعمت و بزرگی کو اپنے سے زائل دیکھے گا۔ وہ مالک الاعیان حق تعالیٰ کے افضال کو کیوں نہیں دیکھتا؟ رضائے الٰہی میں عزت اور معرفت و ایمان میں بزرگی کو کیوں نہیں دیکھتا تا کہ اس نعمت کو ہمیشہ موجود پائے اور اپنے دل کو دونوں جہان میں خوش اور شادمان دیکھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہزار ہا سال خلعت کے انتظار میں خدا کی بندگی کی لیکن ان کی خلعت حضور سید عالم ﷺ کی خدمت گزاری میں تھی۔ یہاں تک کہ شب معراج حضور ﷺ کی سواری کی خدمت کی وہ کس طرح حضور ﷺ سے افضل ہو سکتے ہیں؟

جن بندگان خدا نے دنیا میں نفس کو مارنے میں ریاضتیں کیں رات دن مجاہدے کیے حق تعالیٰ نے ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور اپنے دیدار سے سرفراز کر کے تمام خطرات سے محفوظ رکھا۔

جب فرشتوں کی نخوت حد سے بڑھ گئی اور ہر ایک نے اپنے معاملہ کی صفائی کو دلیل بنا کر بنی آدم کے بارے میں زبان ملامت دراز کی تو حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر فرمائے۔ چنانچہ فرمایا: اے فرشتو! اپنے میں سے تین ایسے بزرگ افراد کو منتخب کر لو جن پر تمہیں اعتماد ہو وہ زمین پر جا کر زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور مخلوق خدا کو راہ راست پر لائیں اور بنی آدم میں عدل و انصاف قائم کریں۔ فرشتوں نے تین فرشتے چن لئے ان میں سے ایک تو زمین پر آنے سے پہلے ہی زمین کی آفتوں کو دیکھ کر پناہ مانگ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو روک لیا اور باقی دو فرشتے زمین پر آئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی سرشت اور خلقت کو بدل دیا تا کہ کھانے پینے کے خواہشمند ہو کر شہوت کی طرف مائل ہوں۔ یہاں تک کہ اس پر انہیں مستوجب سزا بنایا۔ اس طرح فرشتوں نے بنی آدم کی فضیلت کا اندازہ کر لیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خواص مومن، خواص ملائکہ سے افضل اور عوام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ لہٰذا وہ جو معصوم و محفوظ نہیں وہ حفظہ اور کراماً کاتبین سے افضل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس معنی میں بکثرت اقوال ہیں ہر شیخ نے اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بزرگی سے سرفراز فرماتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تصوف میں حکیموں کے مذہب کے متعلق اور صوفیاء کے باہمی اختلافات یہ ہیں جن کو بطور اختصار ہم نے بیان کر دیا۔ (کشف المحجوب)

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت

واضح رہنا چاہیے کہ تمام احوال و واقعات میں باتفاق تمام مشائخ طریقت، اولیاء کرام انبیاء کے متبع اور ان کے دعوؤں کی تصدیق کرنے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اولیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ جہاں ولایت کی انتہاء ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام لازماً اولیاء ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی بھی نبی نہیں اور انبیاء علیہم السلام صفات بشری کی نفی میں متمکن و برقرار ہیں اور اولیاء اس میں عارضی ہیں۔ اس لئے کہ اولیاء کرام پر جو خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کا دائمی مقام ہے اور اولیاء کا جو مقام ہوتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے لئے حجاب ہوتا ہے۔

کرامت ولی

واضح رہنا چاہیے کہ صحیح طور پر مکلف ہونے کی حالت میں ولی کے لئے کرامت کا ظہور جائز ہے۔ اہل سنت و جماعت کے دونوں فریق یعنی علماء و مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔ کرامت ولی کی صداقت کی علامت ہے۔ جھوٹے پر کرامت کا ظہور جائز نہیں۔ کرامت ایسا فعل ہے جو اس کی مانند لانے پر انسانی عادتوں کو جائز کر دے۔ معرفت الٰہی کے لئے استدلالی قوتوں سے صدق کے مقابل باطل کو عاجز کر دینا بھی کرامت ہے اہل سنت و جماعت کے ایک طبقہ کے نزدیک کرامت حق ہے لیکن معجزے کی حد تک نہیں۔ مثلاً دعاؤں کا لازمی قبول ہونا یا مرادوں کا ضروری حاصل ہونا یا اس قسم کی باتیں جو انسانی عادتوں کو توڑنے والی ہوں۔ حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکلف ہونے کی حالت میں ولی صادق سے ایسا

فعل سرزد ہو۔ جس سے عادت انسانی ٹوٹتی ہے تو اس میں فساد کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر تم کہو از قسم قدرت الٰہی نہیں ہے تو یہ خود گمراہی ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ از قسم قدرت الٰہی تو ہے لیکن ولی صادق سے اس کا ظہور، ابطال نبوت اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کی نفی ہے تو ہم جواب دیں گے کہ یہ بھی محال ہے اس لئے کہ ولی کرامتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نبی معجزات کے ساتھ۔

معجزہ انبیاء

معجزہ فی نفسہ عاجز کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اس کا حاصل کرنا عاجز کرنے والا ہوتا ہے اور معجزہ کی شرط یہ ہے کہ دعویٰ نبوت بھی شامل ہو۔ لہٰذا ایسا معجزہ انبیاء کے لئے اور کرامات اولیاء کے لئے ہے۔ چونکہ ولی ولی ہے اور نبی نبی اور ان کے درمیان کوئی وجہ التباس و اشتباہ بھی نہیں ہے جس سے اعتراض کیا جائے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کی بزرگی اور ان کی عظمت و برتری عصمت اور صفائے باطنی کی وجہ سے ہے نہ کہ صرف معجزہ یا کرامت یا ایسے افعال کے صدور کی وجہ سے ہے جو خرق عادات ہوں۔ باتفاق تمام نبیوں کے تمام معجزات خارق عادات ہوتے ہیں اور اصل اعجاز میں سب برابر ہیں البتہ فضیلت میں ایک دوسرے پر فائق ہیں۔ اسی طرح اولیاء بھی ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ (کشف المحجوب)

قارئین حضرات چونکہ میرا موضوع انعام یافتہ لوگوں کے متعلق ہے اور وہ کس طرح انعام پاتے ہیں اس پر لکھنا ہے اور چونکہ میں خود ان لوگوں کا ماننے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کے محبوبوں سے محبت رکھو ان سے محبت نہ ہو تو کوئی انسان مومن نہیں ہو سکتا اس لئے میرا عقیدہ ہے کہ جو انبیاء کرام علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین تبع تابعین اور ان کے بعد آج تک جو اس گروہ میں شامل ہوئے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو اس طرح مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں جس طرح ماننے اور عمل کرنے کا صحیح حق ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور شریعت کی پابندی کرتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر آخرالزماں نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی محبت کرتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور صدقہ سے شریعت کے علوم ظاہریہ اور باطنی علوم سے صحیح طریقے سے علم رکھتے ہیں۔

اس لئے مولف نے بڑے بڑے مشہور و معروف بزرگان دین جن پر اہل سنت و جماعت کا اتفاق رائے ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہیں ان کی تصانیف سے استفادہ حاصل کیا ان کی تصانیف کے حوالے سے سب کچھ تحریر کر رہا ہوں تاکہ قارئین حضرات تک صحیح معلومات پہنچ سکیں اور ان کو پڑھ کر اور ان پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ (کشف المحجوب)

ہدایت کے راستے سے بھٹکے ہوئے فرقوں کا بیان

ان گمراہ فرقوں کے بیان میں جوراہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں اس کی اصل وہ حدیث ہے جس کو کثیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد اور جد کی سند کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے سے پہلے لوگوں کے راستے پر قدم بہ قدم ضرور چلو گے اور ان ہی چیزوں کو اختیار کرو گے جن کو انہوں نے اختیار کیا تھا، ایک ایک بالشت ایک ایک ہاتھ اور ایک ایک گز (ان کی پیروی کرو گے) یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار (گوہ) کے بھٹ میں بھی گھسے تو تم بھی ان کی پیروی کے لئے سوسمار کے بھٹ میں داخل ہو گے۔ اچھی طرح سن لو کہ حضرت (موسیٰ علیہ السلام) کی ہدایت کے برعکس بنی اسرائیل ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے تھے جن میں ایک فرقہ کے سوا سب گمراہ تھے اور وہ ایک فرقہ مسلمانوں کی جماعت کا تھا پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف عیسائی پھٹ کر ۷۲ فرقوں میں ہو گئے اور ان میں ایک فرقہ کے سوا تمام فرقے گمراہ اور بے دین تھے وہ ایک فرقہ اسلام اور مسلمانوں کی جماعت کا تھا اس کے بعد تم ۷۳ (تہتر) فرقے ہو جاؤ گے اور ان میں سوائے ایک فرقہ کے باقی سب گمراہ ہوں گے اور وہ فرقہ اسلام اور مسلمانوں کی جماعت کا ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار عالی نے ارشاد فرمایا، میری امت پھٹ کر ۷۳ فرقے بن جائے گی، امت محمد یہ ﷺ کے لئے سب سے بڑا فتنہ وہ فرقہ ہوگا جو احکام (دینی) کا فیصلہ صرف اپنی رائے سے کرے گا، خود ہی حلال کو حرام بنائے گا اور خود ہی حرام کو حلال ٹھہرائے گا۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، بنی اسرائیل پھٹ کر اکہتر فرقوں میں ہو گئے ایک کے سوا سب دوزخی ہوئے اور میری امت پھٹ کر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک کیسا ہوگا آپ نے ارشاد فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سیدھے راستہ پر چلے گا۔

جس تفرقہ کا ذکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہ آپ کے زمانے میں ہوا نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ بلکہ یہ اختلاف صحابہ کرام اور تابعین حضرات کی وفات کے کئی سو سال بعد ظہور میں آیا۔ یعنی اس وقت جبکہ مدینہ منورہ میں ساتوں فقیہ حضرات وفات پا چکے تھے۔ مختلف شہروں کے علماء اور فقیہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے انتقال سے علم بھی مر گیا اور سالہا سال بیت گئے اور صدیاں گزر گئیں تو عام طور پر دین میں افتراق و اختلاف پیدا ہو گیا اور صرف ایک چھوٹا گروہ اہل حق کا رہ گیا، نجات پانے والا گروہ یہی ہے اللہ نے اپنے دین کی حفاظت اسی کے ذریعہ سے فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو علم عطا فرمانے کے بعد ان کے سینوں سے نہیں نکالے گا بلکہ علماء وفات پا جائیں گے۔ جب کوئی عالم مر جائے گا تو اس کا علم بھی اس کے ساتھ چلا جائے گا یہاں تک کہ جہلاء باقی رہ جائیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں ''حضور والا نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح قبض نہیں فرمائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کے وفات پا جانے سے علم بھی مر جائے گا جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے اور وہ نہ جاننے کے باوجود فتویٰ (جواب) دیں گے نتیجہ یہ کہ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔ حضرت کثیر رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن عوف اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح سانپ

سمٹ کر اپنے بل میں آجاتا ہے اسی طرح دین سمٹ کر حجاز میں آجائے گا۔ دین کی حفاظت حجاز سے ہوگی جس طرح ہرنوں کی حفاظت پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جانے سے ہوتی ہے۔ دین کا ظہور غربت کی حالت میں ہوا تھا لوٹ کر دوبارہ دین غریب ہو جائے گا، غریبوں کے لئے یہ خوشخبری کا باعث ہے۔ عرض کیا گیا غرباء کون لوگ ہیں؟ حضور نے فرمایا وہ لوگ کہ جب لوگ میری سنت کو بگاڑ دیں گے وہ سنوار دیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ہر زمانے میں لوگ ایک سنت کو مردہ اور ایک بدعت کو زندہ کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر فرمایا تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! فتنوں سے بچ نکلنے کا کیا راستہ ہوگا؟ فرمایا اللہ کی کتاب کہ یہی پر حکمت وموعظت نامہ ہے، یہی صراط مستقیم ہے، یہی وہ کتاب ہے جس میں زبانوں کا اشتباہ پیدا نہیں ہوتا، اسی کو جب جنات نے سنا تو وہ انا سمعنا قرانًا عجبًا کہے بغیر نہ رہ سکے، جو اس کے موافق کہے گا وہ سچا ہوگا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ انصاف کرے گا۔

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ بن ساریہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ کی اقتداء میں فجر کی نماز پڑھی حضور نے ایسا دل نشین وعظ فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، دلوں پر خوف طاری ہو گیا اور بدن گرما گئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور کی یہ نصیحت تو ایسی ہے کہ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضور ہم کو چھوڑ رہے ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور حاکم کی اطاعت وفرماں برداری کی نصیحت کرتا ہوخواہ وہ حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا تمہارے لئے میری سنت اور میرے ان خلفاء کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے جو میرے بعد ہوں گے اور تم کو سیدھا راستہ دکھائیں گے۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور دانتوں سے پکڑ لینا۔ دین میں نئی باتوں سے بچنا کیونکہ دین میں پیدا کی ہوئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو دعوت دینے والا سیدھے راستے کی طرف بلائے اور اس کی دعوت کی پیروی کی جائے تو اس پیروی کرنے والوں کی طرح اس رہنما کو بھی ثواب ملے گا مگر پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی اور جو ضلالت کی دعوت دے اور اس کی پیروی کی جائے تو اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر اس پر وبال ہوگا جب کہ پیروی کرنے والوں کے گناہوں میں کمی نہ ہوگی۔ (غنیۃ الطالبین)

تہتر فرقے

ناجی، خارجی، شیعہ، رافضی، معتزلہ، قدریہ اور دوسرے فرقے

یہ تمام تہتر فرقے دراصل دس گروہوں سے نکلے ہیں:

(۱) اہل سنت (۲) خارجی (۳) شیعہ (۴) معتزلہ (۵) مرجیہ (۶) مشبہہ

(۷) جہمیہ (۸) ضراریہ (۹) نجاریہ (۱۰) کلابیہ۔

اہل سنت کا صرف ایک ہی طبقہ ہے، خوارج یا خارجیہ کے پندرہ، معتزلہ کے چھ، مرجیہ کے بارہ، شیعہ کے بتیس، مشبہہ کے تین فرقے ہیں۔ ضراریہ، کلابیہ، نجاریہ اور جہمیہ کا ایک ایک فرقہ ہے۔ اس طرح کل ۷۲ (بہتر) فرقے ہوئے۔ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت کا ہے۔ اس کا مسلک اور عقیدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ قدریہ اور معتزلہ فرقہ کے لوگ اس فرقہ ناجیہ کو مجبرہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی مشیت، قدرت، ارادہ اور تخلیق کی تابع ہے۔ مرجیہ اس فرقہ ناجیہ کو شکاکیہ (شکیہ) کہتے ہیں کیونکہ اس گروہ کے لوگ ایمان کو مشیت الٰہی کی شرط سے مشروط کرنے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں اور اس طرح کہنا درست ہے (جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے)

رافضی اس ناجیہ فرقہ کو ناصبیہ کہتے ہیں کیونکہ ان کا اصول ہے کہ اپنے امام کو جماعت کی رائے سے مقرر کرتے ہیں۔ جہمیہ و نجاریہ دونوں اس فرقہ کو مشبہہ کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں علم، قدرت اور حیات وغیرہ صفات کا اثبات کرتے ہیں، باطنیہ اس کو حشویہ کہتے ہیں چونکہ یہ گروہ احادیث کا قائل اور آثار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے حالانکہ ان کا کوئی اور نام نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ اصحاب حدیث اور اہل سنت ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

خارجیوں کے نام اور القاب مختلف ہیں، اس گروہ کو خارجی کہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف خروج کیا تھا، ان کا نام حکمیہ بھی ہے اس لئے کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) کے حکم ہونے کا انکار کیا تھا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا حکم مان لیا تو خارجیوں نے کہا حکم دینا صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی کو خلیفہ کے تقرر کے متعلق فیصلہ صادر کرنے کا حق نہیں ہے) ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ چھوڑ کر مقام حروراء میں جا کر ٹھہر گئے تھے۔ ان کو شراۃ (بیچنے والے) اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی جانیں فروخت کر دی ہیں [1] ان کو مارقہ بھی کہا جاتا ہے۔ مارقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین سے خارج ہو گئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہی حالت بیان کی تھی اور فرمایا تھا یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لا یعودون فیہ (وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے، پھر وہ دین میں واپس نہیں آئیں گے) چنانچہ یہ لوگ دین اسلام سے باہر ہو گئے۔ ملت اسلامیہ کو چھوڑ دیا اور جماعت سے الگ ہو گئے اور راہ راست سے بھٹک گئے، حکومت اسلامیہ سے خارج ہو گئے، خلفاء کے خلاف انہوں نے تلوار اٹھائی اور ان کے خون اور مال کو حلال قرار دیا، اپنے مخالفوں کو کافر کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور انصار پر سب و شتم کیا اور ان سے تبرا (بیزاری کا

(۱) اللہ کی خوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کے لئے۔

اظہار) کیا، ان حضرات کو کافر ہو جانے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے کی نسبت کی، ان کی مخالفت کو جائز قرار دیا، یہ لوگ عذاب قبر اور حوض کوثر پر ایمان نہیں رکھتے، نہ یہ رسول اللہ کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جو دوزخ میں داخل ہو گیا وہ پھر خارج نہیں ہو گا اور کہتے ہی کہ جس نے ایک دفعہ جھوٹ بولا یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہوا اور بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ کافر ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ ایک جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، صرف اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نماز کو اس کے وقت سے تاخیر میں ادا کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بغیر چاند دیکھے روزے اور افطار کو جائز سمجھتے ہیں، نذر کرنے، بغیر ولی کے نکاح کرنے کو بھی درست سمجھتے ہیں۔ دست بدست ایک درہم کے بدلے دو درہم لینا جائز سمجھتے ہیں (سود نہیں جانتے) چمڑے کے موزے پہن کر نماز پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، چمڑے کے موزوں پر مسح کو بھی درست نہیں مانتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بادشاہ کی اطاعت درست نہیں، خلافت قریش کے ساتھ مخصوص نہیں۔

اس فرقہ کے لوگوں کی زیادہ تعداد جزیرہ عمان، موصل، حضر موت (حضر الموت) اور اطراف عرب میں ہے[1] عبداللہ بن زید، محمد بن حرب، یحییٰ بن کامل اور سعید بن ہارون نے ان کے لئے مذہبی کتب تصنیف کی۔ ان کے پندرہ فرقے ہیں۔ ایک نجدات ہے جو نجدہ بن عامر حنفی ساکن یمامہ کی طرف منسوب ہے یہی گروہ عبداللہ بن ناصر کے ساتھیوں کا ہے۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ جس نے ایک مرتبہ جھوٹ بولا یا کوئی صغیرہ گناہ کیا اور اس پر قائم رہا (توبہ نہ کی) تو وہ مشرک ہے اور جس نے زنا کیا، شراب پی مگر ان گناہوں پر قائم نہ رہا (توبہ کر لی) تو وہ مسلمان ہے، ان کی نظر میں امام وقت کی ضرورت نہیں صرف کتاب سے واقفیت ضروری ہے۔

ان میں سے ایک گروہ کا نام ارازقہ ہے یہ نافع بن ارزق کے ساتھیوں کا گروہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور دنیا دارالکفر ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان استحقاق خلافت کا جھگڑا فیصل کرنے کے لئے پنچ اور حکم مانا تھا تو ان دونوں نے حکم بن کر جرم کیا۔ یہ مشرکوں کے بچوں کو (جہاد میں) قتل کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ زنا کی سزا سنگساری (رجم) کو حرام کہتے ہیں۔ پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانے والے پر حد شرعی لگانا یہ جائز نہیں سمجھتے اور پاک دامن شوہر والی عورت پر زنا کی تہمت لگانا جائز خیال کرتے ہیں۔

خارجیوں کا ایک گروہ مذکیہ بھی ہے یہ گروہ ابن فدیک کی طرف منسوب ہے، ایک گروہ عطویہ ہے۔ یہ عطیہ ابن اسود کی طرف منسوب ہے، ایک عجاردہ بھی ہے یہ عبدالرحمٰن بن عجز سے نسبت رکھتا ہے۔ عجاردہ کے مختلف گروہ ہیں یہ سب میمونیہ کہلاتے ہیں یہ لوگ پوتی، نواسی، بھتیجی اور بھانجی سے نکاح جائز قرار دیتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ سورۂ یوسف اصل قرآن میں نہیں ہے بلکہ الحاقی ہے۔ ان کا ایک فرقہ جازمیہ کہلاتا ہے۔ ان کے اہل اسلام سے الگ اور خارج ہونے کا باعث ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دوستی اور دشمنی اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں، فرقہ جازیہ سے بھی ایک گروہ الگ ہو گیا اس کا نام معلومیہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں سے نہیں پہچانتا وہ جاہل ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں۔ کسی فعل کی قدرت......وقوع فعل کے وقت ہوتی ہے اس سے پہلے نہیں ہوتی۔

خارجیوں کے اصلی پندرہ فرقوں میں سے ایک فرقہ مجہولیہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ اگر کوئی کسی ایک نام سے بھی اللہ کو جانتا ہے وہ عالم ہے جاہل باللہ نہیں ہے، خارجیوں کا ایک فرقہ صلتیہ ہے یہ عثمان بن صلت سے نسبت رکھتا ہے اور اس بات کا مدعی ہے کہ جو شخص ہمارے نظریات مان لے اور مسلمان بھی ہو جائے تب بھی اس کی نابالغ اولاد کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک وہ (اولاد) بالغ ہونے کے بعد ہمارے نظریات اور عقائد کو نہ مان لے۔

خارجیوں کا ایک گروہ اخنیہ ہے جو اخنس کی طرف منسوب ہے یہ قائل ہے کہ آقا غلام کی اور غلام آقا کی زکوٰۃ لے سکتا ہے بشرطیکہ محتاج مسکین ہو۔ خارجیوں کا ایک فرقہ ظفریہ ہے جس کی ایک شاخ خفصیہ ہے اس کا عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ کو پہچانتا ہو، اس کا اقرار کرتا ہو وہ شرک سے پاک ہو

(۱) حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے لحاظ سے یہ تعین فرمایا ہے۔

جاتا ہے، خواہ وہ رسول کا، جنت کا، دوزخ کا سب کا منکر ہو اور تمام جرائم کا مرتکب ہو، قاتل ہو، زنا کو حلال جانتا ہو، مشرک صرف وہ ہے جو اللہ کو نہ پہچانے اور اس کا انکار کرے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت میں جو لفظ حیران آیا ہے اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کا گروہ ہے اور اَصْحَابِهٖ یَدْعُوْنَهٗ اِلَی الْهُدَی ائْتِنَا سے مراد اہل نہروان ہیں (یعنی خارجی ہیں) خارجیوں کا ایک فرقہ اباضیہ ہے جس کا خیال ہے کہ تمام فرائض الہیہ ایمان ہیں، گناہ کبیرہ کفران نعمت ہے کفر نہیں ہے۔

خوارج کا فرقہ بہنسیہ ابی بہنس سے منسوب ہے، یہ فرقہ اس امر کا مدعی ہے کہ جب تک آدمی اللہ کے ہر حلال اور حرام کے حکم سے تفصیلی طور پر واقف نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا، اسی گروہ کے کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی نے کوئی فعل حرام کیا تو اس کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک اس کا معاملہ حاکم کے سامنے پیش نہ کر دیا جائے اور وہ اس پر حد شرعی جاری نہ کر دے۔ شرعی سزا جاری ہونے کے بعد اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

خارجیوں کا ایک اور گروہ شرافیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن شمراخ سے منسوب ہے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ ماں باپ کو قتل کر دینا حلال ہے، ابن شمراخ نے جب دارالتقیہ (خوارج کا مرکزی مقام) میں اس عقیدہ کا دعویٰ کیا تو تمام خارجی اس سے الگ ہو گئے۔

خارجیوں کا ایک فرقہ بدعیہ بھی ہے جس کا عقیدہ ازارقہ جیسا ہے، یہ لوگ ازارقہ سے صرف اتنی بات میں الگ اور منفرد ہیں کہ ان کے عقیدے کی بنا پر دو وقت کی نماز فرض ہے یعنی دو رکعت صبح کی اور دو رکعت شام کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ (۱) ازارقہ کی طرح کافروں کی عورتوں کو قید کرنا اور ان کو قتل کرنا ان کے عقیدے میں جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بلا تذر علی الرض من الکافرین۔ (روئے زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ)

فرقہ نجدات کے علاوہ تمام خارجی بالاتفاق گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ابن العاص کی تجویز پر رضا مندی کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔

شیعہ فرقہ

شیعہ فرقہ مختلف ناموں سے موسوم ہے، اس کو رافضی، غالیہ، شیعہ، طیارہ بھی کہتے ہیں۔ اس فرقہ کو شیعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں۔ رافضی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انہوں نے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم (کرام) کو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ بعض لوگوں نے رافضی کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ جب زید بن علی (حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ) نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مودت کا اظہار کیا اور دونوں بزرگوں کی دوستی کا اعتراف کیا تو ان لوگوں (رافضیوں) نے حضرت زید بن علی کو چھوڑ دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا اس لئے ان کو رافضی کہا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیعہ وہ ہوتا ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل نہ قرار دے یعنی رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتا ہے۔

شیعہ کا ایک فرقہ قطعیہ ہے۔ اس نے موسیٰ ابن جعفر کی موت پر قطعی اجماع کر لیا ہے، ایک فرقہ غالیہ ہے، یہ گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت زیادہ غلو کرتا ہے، نازیبا باتیں کہتا ہے۔ حضرت علی کے اندر ربوبیت اور نبوت کی صفات کو تسلیم کرتا ہے۔ ہشام بن حکم، علی بن منصور، حسین بن سعید، فضل بن شاذان، ابوعیسیٰ وراق، ابن راوندی وغیرہ اس فرقے کے مذہبی مصنفین ہیں (اس فرقے کے لئے مذہبی کتابیں لکھی ہیں) اس فرقے کی بیشتر آبادی قم، کاشان، بلاد اور کوفہ میں ہے۔ (۲)

---

(۱) دن کے دونوں اطراف (صبح و شام) میں نماز قائم کرو۔ (۲) روئے زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ۔

رافضیوں کے فرقے

رافضیوں کے اصل تین گروہ ہیں۔ غالیہ، زیدیہ اور رافضہ، غالیہ کے بارہ فرقے ہوگئے جو اس طرح ہیں۔ نباتیہ، طیاریہ، منصوریہ، مغیرہ، خطابیہ، معمریہ، بزیعیہ، مفضلیہ، متناسخہ، شریعۃ، سبیۃ، مفوضہ، فرقہ زیدیہ کی یہ چھ شاخیں ہوگئیں۔ جارودیہ، سلیمانیہ، بتریہ، نعیمتیہ، یعقوبیہ، تناسخیہ (دوبارہ دنیا میں واپس آنے کا قائل، یعنی تناسخ کا)

رافضیہ کے چودہ گروہ ہیں۔ قطعیہ، کیسانیہ، کریبیہ، عمیریہ، محمدیہ، حسینیہ، ناوسیہ، اسماعلیہ، قرامطہ، مبارکیہ، شمیطیہ، عمادیۃ، مطموریہ، موسویہ، امامیہ۔ (۱)

رافضیوں کے تمام گروہ اور فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ خلافت کا ثبوت عقلی ہے (اجماعی نہیں بلکہ نص کا محتاج تمام امام ہر غلطی نسیاں اور خطا سے پاک ہیں۔ مفضول کی امامت افضل کی موجودگی میں جائز نہیں (صحیح قول وہی ہے جو ہم انبیاء کرام کے ذکر میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دینے میں بھی یہ سب متفق ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص ہے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام سے تبرا کرتے ہیں (بیزاری کا اظہار) صرف زیدیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں (وہ اس بات کے مخالف ہیں)۔

تمام رافضی اس بات پر بھی متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت نہ دینے کے باعث (ان سے بیعت خلاف نہ کرنے کے سبب سے) سوائے چھ آدمیوں کے تمام صحابی مرتد ہوگئے۔ وہ چھ افراد یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی اور دو آدمی اور۔ اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ خوف کی حالت میں امام یہ کہہ سکتا ہے کہ میں امام نہیں ہوں، ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ کسی چیز کے موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یوم حساب سے قبل مردے دنیا میں دوبارہ لوٹ آئیں گے مگر رافضیوں کا فرقہ غالیہ اس کا قائل نہیں وہ حساب کتاب اور حشر کا بھی منکر ہے۔

رافضیوں کے تمام فرقوں کا عقیدہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو چکا یا آئندہ جو کچھ ہوگا امام کو ان سب کا علم ہوتا ہے (خواہ وہ دینی چیز ہو یا دنیوی) یہاں تک کہ زمین پر جس قدر رخزف ریزے ہیں اور بارش کے جتنے قطرے زمین پر گرتے ہیں ان کا بھی اسے علم ہوتا ہے اور ان کا شمار جانتا ہے، اسی طرح امام درخت کی پتیوں کی تعداد سے بھی واقف ہوتا ہے۔ انبیاء (علیہم السلام) کی طرح آئمہ کے ہاتھوں سے بھی معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ کافر ہوگئے۔ اسی طرح ان کے اور بھی بہت سے عقائد و اقوال ہیں۔

غالیہ

غالیہ گروہ (جو رافضیوں سے الگ ہے) تو یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام انبیاء سے افضل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح زمین میں دفن نہیں ہوئے بلکہ وہ ابر میں ہیں، وہ وہیں سے اللہ کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور آخر زمانہ میں پھر آئیں گے اور دشمنوں کو قتل کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام آئمہ فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ یہ سب قیامت تک زندہ رہیں گے، ان کی طرف موت کو راستہ نہیں ملے گا (ان کو موت نہیں آئے گی) غالیہ فرقہ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نبی ہیں، جبرئیل نے وحی کے پہنچانے میں غلطی کی، یہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ الہ تھے۔ اللہ اور اس کی مخلوق کی قیامت تک ان پر لعنت ہو۔ اللہ ان کی بستیوں کو اجاڑ اور ویران کردے ان کی کھیتیاں برباد کردے اور زمین پر ان کی کوئی بستی باقی نہ چھوڑے۔ انہوں نے غلو کی حد کردی اور کفر پر جم گئے، اسلام کو ترک کردیا، ایمان سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اللہ اس کے انبیاء اور قرآن کے منکر ہوگئے۔ ہم ایسے اقوال اختیار کرنے والوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

---

(۱) حضرت مصنف پیران پیر کے مبارک دور میں ان کی تعداد ان شہروں میں ایسی ہی تھی جیسا کہ ارشاد فرمایا: یہ تعداد پندرہ ہوتی ہے۔ حضرت مصنف نے چودہ بتائی ہے غالباً آپ نے امامیہ کو پہلے بیان فرمایا اور دوبارہ شمار نہیں فرمایا۔ اصل عبارت ہے۔ "واما الرافضیہ فالا ربع عشرہ فرقۃ التی تفرعت عنہا"۔

انانیہ

فرقہ غالیہ کی ایک شاخ انانیہ ہے، یہ گروہ بعان بن سمعان سے منسوب ہے، ان کی تہمت تراشیوں اور لغو باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طرح ہے۔ یہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ اس تشبیہ سے منزہ اور پاک ہے۔ اس نے خود فرمایا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ (اس جیسی کوئی شے نہیں)

طیاریہ

غالیہ فرقہ ہی کی ایک شاخ طیاریہ ہے۔ یہ فرقہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار سے منسوب ہے۔ یہ تناسخ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ آدم کی روح اللہ کی روح تھی جو آدم کے اندر حلول کر گئی تھی۔ اسی گروہ کے بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد آدمی کی روح جب دوبارہ دنیا میں آتی ہے تو سب سے پہلے بکری کے بچے کے جون میں آتی ہے پھر اس کے بعد اس سے بھی زیادہ حقیر جون میں آتی ہے پھر حقیر سے حقیر تر قالبوں میں دورہ کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ گندگی اور نجاست کے کیڑوں میں جنم لیتی ہے، جون بدلنے کی یہ آخری حد ہے، اس گروہ کے بعض لوگ تو یہاں تک عقیدہ رکھتے ہیں کہ گنہگاروں کی روحیں لوہے، کیچڑ اور کچے برتنوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پھر وہ اپنے گناہوں کی سزا اس طرح پاتی ہیں کہ آگ میں جلائی جاتی ہیں، کوٹا پیٹا جاتا ہے، گلایا جاتا ہے، اس طرح ذلیل وخوار ہونے کے لئے ان پر جسمانی عذاب ہوتا رہتا ہے۔

مغیریہ

یہ فرقہ مغیرہ بن سعد کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کے سربراہ (مغیرہ) نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس کا قول تھا کہ اللہ نور ہے لیکن انسانی شکل میں، اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

منصوریہ

فرقہ منصوریہ، ابومنصور سے نسبت رکھتا ہے، ابومنصور کا دعویٰ تھا کہ مجھے آسمانی معراج ہوئی تھی اور پروردگار نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اول ترین مخلوق تھے، پھر اس کے بعد حضرت علی کی پیدائش ہوئی۔ اللہ کے پیغمبروں کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا، جنت، دوزخ کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص ہمارے چالیس مخالفین کو قتل کر دے گا وہ جنتی ہوگا۔ لوگوں کا مال لوٹنا ان کے نزدیک مباح ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جبرئیل نے نبوت کے پہنچانے میں غلطی کر دی، اس فرقہ کا یہ کفر اتنا عظیم ہے کہ اس کے برابر کوئی اور کفر نہیں ہے۔

خطابیہ

یہ فرقہ ابی خطاب سے منسوب ہے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ امام نبی اور امین ہے۔ ہر زمانے میں دو پیغمبر ضرور ہوتے ہیں۔ ایک ناطق ہوتا ہے اور ایک خاموش رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیغمبر ناطق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش پیغمبر تھے۔

معمرہ

معمرہ کا بھی عقیدہ وہی ہے جو خطابیہ کا ہے، خطابیہ سے یہ اس امر میں بڑھ کر ہیں کہ یہ نماز کے بھی تارک ہیں۔

بزیعیہ

بزیعیہ فرقہ بزیع سے منسوب ہے، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اللہ ہیں۔ اللہ اسی شکل وصورت میں دکھائی دیتا ہے، یہ گروہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس بھی وحی آتی ہے اور ہم کو عالم فرشتگان (عالم ملکوت) کی طرف اٹھایا جاتا ہے، ان کی یہ افترا پردازی، دروغ بافی اور تہمت تراشی کتنی عظیم ہے۔ اللہ ان کو اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ میں ہاویہ کے اندر پھینک دے۔

مفضلیہ

مفضلیہ فرقہ مفضل صیرفی سے منسوب ہے، یہ فرقہ بھی جھوٹی رسالت اور نبوت کے داعی ہیں۔ اماموں کے متعلق ان کے اقوال بھی وہی ہیں جو مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں عیسائیوں کے ہیں۔

شریعیہ

شریعیہ فرقہ شریع (نامی شخص) سے منسوب ہے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ ہستیوں میں حلول کیا تھا۔ نبی ﷺ، علی، عباس، جعفر اور عقیل (رضی اللہ عنہم)

سبائیہ

فرقہ سبائیہ عبداللہ بن سبا سے منسوب ہے، اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے وفات نہیں پائی ہے، قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے۔ مشہور شاعر سید حمیری اسی فرقہ میں سے تھا۔

مفوضیہ

فرقہ مفوضیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا انتظام اماموں کے سپرد فرما دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ ہر چیز تخلیق اور اس کے انتظام کی قدرت رسول اللہ ﷺ کو تفویض فرما دی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ان کا یہی خیال ہے ان میں سے بعض لوگ جب ابر کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ اس میں ہیں۔ ان پر سلام بھیجتے ہیں۔

زیدیہ

اس فرقہ کا نام زیدیہ اس مناسبت سے رکھا گیا کہ یہ لوگ زید بن علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف راغب تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تولا درست ہے۔

جارودیہ

فرقہ جارودیہ کی نسبت ابوالجارود سے ہے، اس گروہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے وصی تھے اور وہی خلیفہ اول تھے ان کا قول تھا کہ رسول اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صفات کی (اپنے خلیفہ کے سلسلہ میں) صراحت کر دی تھی لیکن نام کا تعین نہیں فرمایا تھا۔ یہ لوگ امامت منصوص کا سلسلہ حضرت امام حسین تک چلاتے ہیں اس کے بعد خلافت کے شورائی ہونے کے قائل ہیں۔

سلیمانیہ

یہ فرقہ سلیمان بن کثیر کی طرف منسوب ہے، زرفان کا قول ہے کہ اس فرقہ کا گمان ہے کہ امام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیعت غلط ہوئی۔ یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سبقت کے مستحق نہ تھے اور امت نے امر اصلح کو چھوڑ دیا۔

تبریہ

یہ فرقہ ابتر نامی شخص کی طرف منسوب ہے، ابتر کا اصل نام نواء تھا لیکن ابتر کے نام سے مشہور تھا، اس گروہ کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت غلط نہیں ہوئی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو چھوڑ دیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں یہ لوگ توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ان سے بیعت کی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے۔

یمیہ

فرقہ نعیمیہ نعیم بن یمان کی طرف منسوب ہے، اس فرقہ کا عقیدہ بھی ابتریہ کی طرح ہے لیکن فرق یہ ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تبرا کرتے ں اور آپ کو (معاذ اللہ) کافر کہتا ہے۔

وبیہ

یہ فرقہ یعقوب کی طرف منسوب ہے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل تھے اور رجعت کا انکار کرتے ہیں۔ گروہ کے بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) سے تبرا کرتے ہیں اور رجعت کے قائل ہیں۔[1] (غنیۃ الطالبین)

رجعت سے مراد اول بیعت نہ کرنا اس کے بعد پھر انکار سے ہٹ کر بیعت کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

رافضیوں[1] کے مختلف فرقے

رافضیوں کے شاخ در شاخ چودہ فرقے ہو گئے۔

قطعیہ

چونکہ قطعیہ فرقے کے پیروؤں کو حضرت موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی موت کا قطعی یقین تھا اسی لئے اس کو قطعیہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ امامت کا سلسلہ محمد بن حنفیہ تک لے جاتے ہیں اور آپ ہی کو قائم منتظر مانتے ہیں۔

کیسانیہ

اس فرقہ کی نسبت کیسان کی طرف ہے۔ یہ محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل تھے کیونکہ بصرہ میں علم آپ ہی کو دیا گیا تھا۔

کریبیہ

یہ لوگ ابن کریب ضرر کے ساتھی تھے۔ (اس لئے ان کو کریبیہ کہا گیا ہے)

عمیریہ

اس فرقہ کے لوگ عمر کے ساتھی تھے اور جب انہوں نے مہدی پر خروج کیا تو عمر ہی ان کا امام تھا۔

محمدیہ

یہ گروہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسین رضی اللہ عنہم امام قائم ہیں اور امام قائم نے تمام بنی ہاشم کو چھوڑ کر اپنا وصی ابو منصور کو بنایا تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد کو چھوڑ کر یوشع بن نون کو اپنا وصی بنایا تھا۔

حسینیہ

اس گروہ کا خیال ہے کہ ابو منصور نے اپنے بیٹے حسین کو اپنا وصی بنایا تھا، اس لئے ابو منصور کے بعد حسین ہی امام ہوئے۔

ناوسیہ

یہ فرقہ ناوس بصری کی طرف منسوب ہے۔ وہی اس گروہ کا سردار تھا۔ یہ لوگ امام جعفر رضی اللہ عنہ کی امامت کے اور ان کے زندہ ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں وہی قائم اور مہدی ہیں۔

اسماعلیہ

اسماعلیہ کہتے ہیں کہ جعفر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ان کے بعد اسماعیل امام ہوئے۔ یہی بادشاہ بنیں گے، امام منتظر وہی ہیں۔

قرامضیہ

یہ فرقہ سلسلہ امامت کو جعفر رضی اللہ عنہ تک چلاتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے محمد بن اسماعیل کی امامت کی صراحت کی تھی، محمد زندہ ہیں پس وہی امام مہدی ہیں۔

---

(۱) رافضیوں کے اصل تین گروہوں میں سے ایک گروہ غالیہ کے مختلف فرقے تفصیل سے ان کے عقائد کے ساتھ بیان کر دیے گئے، اب دوسرے اصل فرقے کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

مبارکیہ

مبارکیہ دسواں فرقہ ہے۔ یہ مبارک نامی شخص سے منسوب ہے جو ان لوگوں کا سردار تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ محمد بن اسماعیل زندہ نہیں، وفات پا چکے ہیں۔ لیکن ان کے بعد ان کی اولاد میں امامت جاری ہے۔

شمیطیہ

یہ فرقہ یحییٰ بن شمیط سے منسوب ہے جو ان کا سردار تھا۔ ان کا عقیدہ ہے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ امام ہیں ان کے بعد امامت ان کے بیٹے پوتوں میں جاری وساری ہے۔

معمریہ

یہ فرقہ افطحیہ بھی کہلاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ امام ہیں، عبداللہ کے پاؤں بہت لمبے اور موٹے تھے، اس گروہ کی تعداد بہت زیادہ ہوئی۔

مطموریہ

اس فرقہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے یونس بن عبدالرحمٰن سے مناظرہ کیا (ان کا فرقہ قطعیہ سے تعلق تھا) یونس نے ان کے بارے میں کہا تم لوگ کلاب مطموریہ[1] سے بھی زیادہ گندے ہو۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کا نام مطموریہ پڑ گیا۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ بن جعفر زندہ ہیں، نہ مرے ہیں نہ مریں گے وہی امام مہدی ہیں۔ اس فرقہ کو واقفہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ سلسلہ امامت میں موسیٰ بن جعفر پر ٹھہر جاتے ہیں۔

موسویہ

یہ لوگ سلسلہ امامت میں موسیٰ بن جعفر پر رک جاتے ہیں اس وجہ سے موسویہ سے ملقب ہیں لیکن (مطموریہ کے برعکس) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں کہ موسیٰ زندہ ہیں یا مر گئے اگر کسی دوسرے کی امامت صحیح درست ہوتی تو یہ لوگ اس کو نافذ کرتے۔

امامیہ

یہ فرقہ سلسلہ امامت کو محمد بن حسن رضی اللہ عنہ کی طرف چلاتا ہے اور ان کو امام قائم منتظر (مہدی) تسلیم کرتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام قائم ظاہر ہو کر زمین کو عدل سے بھر دیں گے جس طرح اب وہ ظلم سے بھرپور ہے۔

زواریہ

یہ فرقہ زرارہ نامی شخص کے ساتھیوں کا ہے جو عقیدہ معمریہ کا تھا وہی ان کا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زرارہ نے معمریہ کی مخالفت ترک کر دی تھی، جس کا باعث یہ ہوا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے۔ عبداللہ ان کا جواب نہ دے سکے تو لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور موسیٰ بن جعفر کی طرف رجوع کیا۔ (غنیۃ الطالبین)

---

[1] کلاب مطموریہ، بارش میں بھیگے ہوئے کتے۔

رافضیوں کے اقوال (باطلہ)

رافضیوں کے اقوال یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، شعبی کہتے ہیں کہ رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے، یہودی اس بات کے قائل ہیں کہ امامت حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے درست نہیں اسی طرح رافضی کہتے ہیں کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے علاوہ کسی اور کی صحیح نہیں ہے۔ یہودی اس بات کے قائل ہیں کہ جب مسیح دجال خروج کرے گا اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر رسی پکڑ کر اتریں گے اس وقت جہاد ہوگا اس سے پہلے جہاد نہیں ہوسکتا۔ رافضی بھی کہتے ہیں کہ جب تک مہدی برآمد نہیں ہوں گے اور ایک منادی آسمان کی طرف سے ندا نہ کرے گا اس وقت تک جہاد نہیں ہوسکتا۔ یہودی مغرب کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھتے ہیں کہ آسمان پر ستاروں کا اجتماع ایک جال کی شکل میں نظر آنے لگے (کافی سیاہی نہ پھیل جائے) رافضی بھی مغرب کی نماز میں اسی قدر تاخیر کرتے ہیں۔ یہودی قبلہ کی طرف سے کچھ پھرے ہوئے نماز میں ہوتے ہیں۔ رافضی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہودی فجر کی نماز صبح کے خوب روشن ہو جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔ رافضی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہودی نماز میں کپڑے لٹکائے رہتے ہیں۔ رافضیوں کی بھی یہی حالت ہے۔ یہودی ہر مسلمان کے خون کو حلال سمجھتے ہیں۔ رافضی بھی یہی خیال کرتے ہیں۔ یہودی عورتوں کی عدت کے قائل نہیں ہیں، رافضی بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ یہودی تین طلاقوں کو بے معنی سمجھتے ہیں، رافضیوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہودیوں نے تورات میں تحریف کی ہے۔ رافضیوں نے قرآن میں تحریف کی۔ رافضی کہتے ہیں قرآن پاک میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہے۔

سو یہاں تک چودہ فرقے ہوگئے۔ صاحب غنیۃ نے آغاز میں فرمایا تھا واما الرافضہ فالاربع عشرہ فرقہ التی تفرعت لیکن چودہ فرقے موسویہ پرختم ہوجاتے ہیں لیکن صاحب غنیۃ نے اس کے بعد دو فرقے اور بیان فرمائے ہیں۔ ایک امامیہ دوسرا فرقہ زراریہ، اس طرح کل فرقے اس شاخ کے سولہ ہوئے نہ کہ چودہ۔

ترکیب و ترتیب میں الٹ پھیر کر دیا گیا ہے، نزول کی ترتیب باقی نہیں ہے اور قرآن میں کمی و بیشی کر دی گئی ہے۔ قرآن کی قرأت ایسے طریقوں سے کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

یہودی جبرئیل علیہ السلام سے بغض رکھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں، رافضیوں کا ایک گروہ بھی اس کا قائل ہے کہ جبرئیل نے وحی پہنچانے میں غلطی کی۔ علی رضی اللہ عنہ کے بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچادی، اللہ نے ان کو وحی دے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ اللہ کرے یہ ہمیشہ تباہ و غارت رہیں۔ (غنیۃ الطالبین)

مرجبہ کے فرقے

مرجبہ کے ۱۲ فرقے یہ ہیں:

جہمیہ، صالحیہ، یونسیہ، یونانیہ، نجاریہ، غیلانیہ، شبیبہ، حنفیہ، معاذیہ، مریسیہ اور کرامیہ۔

مرجبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس فرقے کے خیال میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل خواہ کتنے ہی گناہ کرے مگر وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، ایمان قول کا نام ہے عمل کا نہیں، اعمال احکام ہیں، ایمان صرف قول ہے، لوگوں کے ایمانوں میں باہم کمی بیشی نہیں ہوتی۔ پس عام آدمیوں کا ایمان، انبیاء کا ایمان اور ملائکہ کا ایمان ایک ہی سا ہے اس میں نہ کوئی زیادہ ہے نہ کوئی کم۔

اظہار ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہئے (بلکہ یقین کے ساتھ ایمان کا دعویٰ کیا جائے اور کہا جائے میں یقیناً مومن ہوں، اس طرح نہ کہے میں انشاء اللہ مومن ہوں) جو شخص زبان سے ضروریات دین کا اقرار کرے اور عمل نہ کرے جب بھی وہ مومن ہے۔

جہمیہ

جہمیہ فرقہ جہم بن صفوان سے منسوب ہے۔ جہم کا قول ہے کہ اللہ کو، اللہ کے رسول کو اوران چیزوں کو جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں صرف جاننے اور ماننے کا نام ایمان ہے۔ اس فرقہ کا دعویٰ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا، اللہ تو کلام کرتا ہی نہیں ہے نہ اس کو دیکھا جاسکتا ہے اور نہ اس کی جگہ جانی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے نہ عرش ہے نہ کرسی اور نہ وہ عرش پر ہے۔ انہوں نے نامہ اعمال تولے جانے اور عذاب قبر اور جنت ودوزخ کے پیدا ہو جانے کا انکار کیا ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ جب وہ دونوں پیدا ہوں گے تو فنا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ روز قیامت ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کی طرف نظر اٹھائیں گے اور نہ اس کا دیدار جنت میں ہوگا۔ ایمان صرف اعتراف قلب کا نام ہے نہ کہ زبان سے اقرار کرنے کا۔ اس گروہ نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات سے انکار کیا ہے۔

صالحیہ

اس فرقہ کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ یہ لوگ خود کو ابوالحسن صالحی کے مذہب کا پیرو کہتے ہیں، ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معرفت کا نام ایمان اور جہالت کا نام کفر ہے اور یہ کہ جس نے ثالث ثلاثہ (یعنی تین میں سے ایک تیسرا خدا کہا سو یہ کہنا کفر نہیں ہے مگر ایسی بات وہی کہے گا جو کافر ہوا گرچہ وہ ظاہر نہ کرے اور یہ کہ ایمان کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

یونسیہ

یہ فرقہ یونس بری سے منسوب ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ معرفت اور اللہ تعالیٰ سے محبت اور خضوع وخشوع کا نام ایمان ہے جس نے ان باتوں میں سے ایک بات بھی ترک کردی وہ کافر ہوگیا۔

شمریہ

یہ فرقہ ابوشمر کی طرف منسوب ہے اس گروہ کا خیال ہے کہ ایمان، معرفت، خضوع وخشوع اور محبت کے ساتھ ساتھ زبان سے یہ اقرار کرنا بھی ہے

کہ خدا کے مثل کوئی نہیں ہے۔ان سب باتوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ابوشمر نے کہا ہے کہ جو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے اس کو مطلقاً فاسق نہیں کہہ سکتا بلکہ اتنا کہہ سکتا ہے کہ وہ فلاں فلاں عمل سے فاسق ہے۔

یونانیہ

یہ فرقہ یونان سے منسوب ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ معرفت اور اللہ اور رسول کا اقرار اور جسے عقل جائز نہیں سمجھتی اس کام کو نہ کرنا (کہ خدا اس کو معاف نہیں کرتا) ان سب کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔

نجاریہ

فرقہ نجاریہ حسن بن محمد بن عبداللہ نجار سے منسوب ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کی معرفت اور اس کے متفق علیہ فرائض اور اس کے ساتھ خضوع وخشوع اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے کا نام ایمان ہے، پس جو شخص ان میں سے کسی بات سے ناواقف ہے اور اس پر حجت قائم ہو جائے اور وہ اس کا اقرار نہ کرے تو وہ کافر ہے۔

غیلانیہ

یہ فرقہ غیلان سے منسوب ہے اور یہ شمریہ کا ہم خیال ہے اس کا عقیدہ ہے کہ اشیاء کے حدوث سے آگاہ ہونا ایمان کے لئے ضروری ہے۔اور توحید کا علم ہی صرف زبانی اقرار ہے۔قلبی شہادت ضروری نہیں، زرقان کا قول ہے کہ غیلان نے کہا ہے کہ زبانی اقرار کا نام ہی ایمان ہے اور یہی تصدیق ہے۔

تنبیہ

یہ فرقہ محمد بن شبیب سے منسوب ہے، ان کے ساتھی اس کے قائل ہیں کہ اللہ کا اقرار کرنا، اللہ کی وحدانیت کو پہچاننا اور اللہ کی ذات کی ہر تشبیہ سے نفی کرنا (یعنی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) ایمان ہے۔محمد کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ابلیس میں ایمان تھا لیکن وہ اپنے غرور اور تکبر کے باعث کافر ہو گیا۔

حنفیہ (۱)

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے بعض ان پیروؤں اور ساتھیوں کو حنفیہ مرجبہ کہا جاتا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے پیغمبروں کو پہچاننے اور ان تمام چیزوں کا اقرار کرنے کا جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں، اس کا نام ایمان ہے برہوتی نے اپنی کتاب الشجرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

سادیہ

یہ فرقہ معاذ موصی کی طرف منسوب ہے، معاذ کہتا تھا کہ جس نے اللہ کی طاعت ترک کر دی اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا بلکہ کہا جائے گا کہ اس شخص نے فسق کیا ہے، فاسق نہ اللہ کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن۔

مریسیہ

یہ فرقہ بشر مریسی کا ہے، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق دل اور زبان دونوں سے ہوتی ہے۔ابن راوندی کا بھی یہی مسلک تھا اس کا قول تھا کہ سورج کو سجدہ کرنا کفر نہیں بلکہ ایک علامت کفر ہے۔

---

(۱) حنفیہ کا اہل سنت والجماعت کے حنفی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں کہ یہ فرقہ صرف فروع میں امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے اصول میں نہیں، ظاہر اصول میں مقلد نہ ہونا اور فروع میں ہونا تقلید نہیں ہے پس ان کو حنفیہ کس طرح کہا جا سکتا ہے، وہ تو ایک فرقہ ہوا جو حنفیہ سے الگ ہو گیا۔خود حضرت صاحب غنیۃ فرماتے ہیں۔واما الحنفية فهم بعض اصحاب ابی حنيفه نعمان بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه پس حنفی مسلک سے اس گروہ کے عقائد کا فروعی اتفاق ہے اور اصولی اختلاف۔(مترجم)

کرامیہ

یہ فرقہ ابوعبداللہ بن کرام سے منسوب ہے اس کا عقیدہ ہے کہ زبانی اقرار ہی ایمان ہے، قلب کی تصدیق اس کے لئے ضروری نہیں۔ منافق حقیقت میں مومن تھے۔ قدرت فعل کو یہ وجود فعل سے مقدم جانتے ہیں خواہ قدرت فعل وقوع فعل کے ساتھ متصل و معاون ہو۔ اس کے برخلاف اہل سنت کہتے ہیں قدرت فعل و وقوع فعل کے ساتھ ہے اور بغیر شرط کے اس کو مقدم کہنا جائز نہیں۔ ان کی کتابیں ابوالحسن صالحی، ابن راوندی، محمد بن شبیب اوحسین بن محمد نجار نے تصنیف کی ہیں۔ اس فرقہ کے ماننے والے زیادہ تر مشرق میں اور خراسان میں آباد ہیں۔ (غنیۃ الطالبین)

معتزلہ یا قدریہ کے اقوال

معتزلہ کی وجہ تسمیہ

(۱) معتزلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے (اعتزال کنارہ کش ہو جانے کو کہتے ہیں)۔

(۲) یہ لوگ مسلمانوں کے اقوال سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یعنی مسلمانوں میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے کیونکہ اس میں ایمان موجود ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ کافر ہو گیا۔ واصل بن عطا نے تیسرا قول ایجاد کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر، وہ اس قول کی بنا پر سب مسلمانوں سے الگ ہو گیا اور اہل ایمان سے کنارہ کش ہو گیا اس وجہ سے ان کو معتزلہ کہا جانے لگا۔

(۳) معتزلہ کہنے کی یہ وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ یہ لوگ حضرت حسن بصری کی مجلس سے الگ ہو گئے تھے جب حسن بصری کا ان کی طرف گزر ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ لوگ معتزبہ (الگ ہوانے والے) ہیں۔ اس وقت یہ لوگ عمرو بن عبد کی پیروی کرتے تھے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جب عمرو بن عبید پر عتاب کیا تو لوگوں نے حسن بصری کے اس غصہ پر آپ کو ٹوکا، آپ نے ان سے کہا تم ایسے شخص کے سلسلہ میں مجھ سے بگڑتے ہو جس کو میں نے خود خواب میں سورج کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔

(۴) معتزلہ کو قدریہ بھی کہتے ہیں، قدریہ کہنے کی وجہ یہ ہے یہ لوگ انسان کے گناہوں کو قضا و قدر کے تحت نہیں سمجھتے بلکہ خود انسان کو اس کے گناہوں کا خالق سمجھتے ہیں۔

معتزلہ، جہمیہ اور قدریہ صفات خداوندی کے انکار میں یکساں مسلک رکھتے ہیں، ہم اس سلسلہ میں ان کے کچھ عقائد پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس مسلک کی کتابوں کے مصنف ابوالہذیل، جعفر بن حرب، خیاط، لعبی، ابوالہاشم، ابوعبداللہ، عبدالجبار بن احمد ہمدانی ہیں۔ ان کا مذہب اہواز، عسکر اور جہرم میں زیادہ پھیلا، معتزلہ کے مندرجہ ذیل چھ فرقے ہیں۔

ہذلیہ، نظامیہ، معمریہ، جبائیہ، کعبیہ اور بہشمیہ۔ وہ باتیں جن پر معتزلہ کے تمام فرقے متفق ہیں وہ ذات باری کی نفی پر مشتمل ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، حیات، سمع اور بصر کی نفی کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان صفات کی نفی کرتے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں۔ مثلاً استواء نزول وغیرہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ کا کلام محدث (نو پیدا شدہ) ہے اور اس کا ارادہ بھی محدث ہے نیز یہ کہ اس نے اس کلام سے تکلم فرمایا جس کو اس نے اپنے غیر میں پیدا کیا (مثلاً درخت وغیرہ) اللہ ارادہ کرتا ہے اور اس کا ارادہ حادث ہے۔ جو محل کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے معلوم کے خلاف ارادہ کرتا ہے (یعنی جانتا ہے کہ ایک فعل نہیں ہوگا اور پھر اس فعل کا ارادہ کرتا ہے۔ (۱)

بندوں کی طرف سے جو فعل ہونے والا نہیں ہے اللہ اس کا ارادہ کرتا ہے اور جو بات ہو گئی ہے وہ نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مقدورات پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ محال ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے افعال کو پیدا نہیں کیا بلکہ بندے ہی ان افعال کے خالق ہیں۔ بکثرت ایسی چیزیں ہیں جن کو انسان کھاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بندوں کا رزق نہیں بنایا ہے جب کہ وہ حرام ہوں۔ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ حلال ہی کو رزق بناتا ہے نہ کہ حرام کو۔ آدمی کبھی اجل معین سے پہلے قتل کر دیا جاتا ہے اور قاتل وقت سے پہلے اس کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔

(۱) علم الکلام کے یہ مسائل صرف خواص کے لئے قابل توجہ ہیں۔ عوام اور حضرات غوث اعظم کے پرستاروں سے گزارش ہے کہ وہ ان مسائل پر غور و خوض نہ فرمائیں۔

مومن گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے اگر چہ کافر نہیں ہو جاتا لیکن ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے رسول اللہ کی شفاعت کے بھی منکر ہیں۔ معتزلہ میں اکثر ایسے ہی ہیں جو عذاب قبر کو نہیں مانتے اور میزان کا انکار بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ خلیفہ وقت کی اطاعت ترک کرنے اور اس کے خلاف خروج کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ زندہ کی دعا یا خیرات سے مردے کو فائدہ اور نفع نہیں پہنچتا۔ یہ لوگ حصول ثواب کو نہیں مانتے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے آدم سے کلام کیا اور نہ نوح سے اور نہ ابراہیم (علیہم السلام) سے نہ حضرت محمد ﷺ سے اور نہ جبرئیل، میکائیل اور نہ اسرافیل سے، نہ ان ملائکہ سے کلام کیا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کی طرف بھی نہیں دیکھے گا نہ ابلیس، یہودیوں اور نصرانیوں سے کلام فرمائے گا۔

ہذلیہ

فرقہ ہذلیہ کا بانی اور سردار ابوالہذیل اس عقیدے میں معتزلہ کے دوسرے فرقوں سے منفرد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم بھی ہے اور قدرت بھی، سمع بھی ہے اور بصر بھی۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ کلام مخلوق ہے اور کچھ غیر مخلوق۔ لفظ کن غیر مخلوق ہے، اللہ اپنی مخلوق کا دشمن نہیں ہے۔ اللہ کے مقدورات کی ایک خاص حد ہے۔ اہل جنت جنت میں رہیں گے لیکن وہ حرکت پر قادر نہ ہوں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو حرکت دینے پر قادر ہوگا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ مردے، معدوم اور عاجز سے فعل کا صدور ہو سکتا ہے۔ ابوالہذیل کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے سمیع نہیں ہے۔

نظامیہ

فرقہ نظامیہ کا بانی اور سردار نظام تھا اس کا عقیدہ تھا کہ جمادات تخلیقی امر (نیچر) کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ سوائے حرکت اعتمادیہ کے تمام اغراض کی نفی کرتا ہے (یعنی کسی عرض کا وجود تسلیم نہیں کرتا سوائے حرکت اعتماد کے) کہتا ہے کہ انسان روح کا نام ہے اور کسی نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا بلکہ انسان کے جسم کو دیکھا اجماع کے خلاف اس کا قول یہ بھی تھا جس نے قصداً نماز کو ترک کر دیا تو لوٹانا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ نظام اجرا کا قائل نہیں تھا وہ کہتا تھا کہ ان کا اجماع باطل پر تھا۔ وہ اس کا بھی قائل تھا کہ ایمان کفر کی طرح ہے اور طاعت گناہ ہے اور حضور کا فعل ابلیس لعین کی طرح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت حجاج کی سیرت کی مانند ہے اس نے اس دلیل کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ تمام جاندار ایک ہی جنسیت رکھتے ہیں (اس لئے ہر فعل اچھا ہے یا برا دوسرے فعل کی نظام کا یہ بھی قول تھا کہ قرآن حکیم اپنی ترتیب عبارت کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے۔ اس کا قول ہے کہ بچہ اگر دوزخ کے لائق ہو تب بھی اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت نہیں کہ اس کو جلا ڈالے یا دوزخ میں پھینک دے، اہل قبلہ میں یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے کفر کہے ہیں۔ یہ کہتا تھا کہ جسم کی تقسیم کسی حد پر بھی جا کر ختم نہیں ہو سکتی (لامتناہی ہے) اس کا قول تھا کہ سانپ، بچھو، گوبر کے کیڑے، کتے اور سؤر بھی جنت میں ہیں۔

معمریہ

فرقہ معمریہ کا بانی معمر تھا، اس کے اقوال مادہ پرستوں کی طرح تھے بلکہ ان سے بھی کچھ بڑھ کر، یہ کہتا تھا کہ اللہ نے رنگ پیدا کیا ہے اور نہ ذائقہ، نہ بو، نہ زندگی نہ موت بلکہ یہ سب جسم کے طبعی خواص ہیں (نیچر نے انہیں ایسا ہی پیدا کیا ہے) وہ کہتا تھا کہ قرآن بھی اللہ کا فعل نہیں بلکہ جسم کے افعال ہیں، اس نے اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے کا بھی انکار کیا ہے۔ اللہ اس کا ناس کرے اور اس امت سے اس کے خیالات کو دور رکھے۔

جبائیہ

جبائیہ فرقہ کا سردار جبائی تھا، چند امور میں اس نے اجماع کے خلاف کیا اور سب سے الگ ہو گیا، ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کہتا تھا ''بندے اپنے افعال کے خالق ہیں اور اس بات میں اس سے کوئی سبقت نہیں لے جا سکا یعنی اس سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ عورتوں میں حمل کی تخلیق کرتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ بندے جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اطاعت

کرتا ہے۔اس کا قول تھا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انشاء اللہ میں کل اپنا قرض ادا کردوں گا اور قرض ادا نہ کرے تو وہ حانث (قسم توڑنے والا) ہوگا اور انشاء اللہ کہنے سے اس کو کچھ نہیں پہنچے گا۔وہ کہتا تھا کہ پانچ درہم کی چوری کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اگر اس سے ایک حبہ بھی کم ہے تو فاسق نہیں ہوتا۔

بہشمیہ

بہشمیہ فرقہ ابوالہاشم سے منسوب ہے،ابوالہاشم حیائی کا فرزند تھا اس کا قول تھا کہ مکلف قادر ہوتا ہے۔تارک نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ اس کو اس کے فعل پر عذاب دے گا،اگر گنہگار تمام گناہوں سے توبہ کرلے اور ایک کبیرہ گناہ سے نہ کرے تو جن گناہوں سے اس نے توبہ کی ہے وہ توبہ بھی صحیح نہ ہوگی۔

کعبیہ

یہ فرقہ ابوالقاسم کعبی بغدادی سے منسوب ہے،اس نے اللہ تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے سے انکار کیا ہے اور اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ حقیقت میں صاحب ارادہ ہے،وہ کہتا تھا کہ بندوں کے افعال کے متعلق اللہ کے ارادہ کرنے کے معنی افعال کا حکم دینا اور اپنے فعل کے ارادہ کرنے کے معنی ہیں فعل کو جاننا اور مجبور نہ ہونا۔ابوالقاسم کہتا تھا کہ عالم میں خلا محال ہے صرف بیرونی سطح حرکت کرتی ہے گویا کوئی شخص اگر جسم پر تیل لگا کر چلے (تو اس نظریہ کے مطابق) تو وہ خود متحرک نہ ہوگا،بلکہ تیل متحرک ہوگا،یہ قرآن کو حادث تو کہتا تھا مگر اس کے مخلوق ہونے کا قائل نہیں تھا۔(غنیۃ الطالبین)

فرقہ مشبہہ کے عقائد واقوال

مشبہہ کے تین فرقے ہیں۔ ہشامیہ، مقاتلیہ، واسمیہ[1] (غنیۃ الطالبین سے نقل کیے گئے)

یہ تینوں فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ جسم ہے اس لئے کہ کسی موجود کا علم بغیر جسم کے نہیں ہوسکتا۔ رافضیوں اور کرامیہ فرقے پر مشبہہ کے عقائد کا بہت غلبہ تھا۔ ہشام بن حکم نے مشبہہ فرقے کی کتابیں تالیف کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جسمانیت کے اثبات میں خصوصیت سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔

ہشامیہ

یہ فرقہ ہشام بن حکم کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے جس میں طول، عرض اور عمق موجود ہے۔ وہ ایک چمکدار نور ہے لیکن اس کی ایک مقدار مقرر ہے، وہ کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے وہ متحرک بھی ہوتا ہے اور ساکن بھی وہ سیال چاندی کی طرح ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ ہشام نے کہا کہ اللہ کے لئے سب سے اچھی مقدار (قامت) سات بالشت ہے، پوچھا کیا تیرا رب بڑا ہے یا کوہ احد؟ اس نے جواب دیا میرا رب بڑا ہے۔

مقاتلیہ

یہ فرقہ مقاتل بن سلیمان کی طرف منسوب ہے، مقاتل کا عقیدہ تھا کہ اللہ انسان کی شکل میں جسم ہے، اس کے گوشت بھی ہے اور خون بھی، سر، زبان، گردن اور دوسرے اعضاء وجوارح بھی ہیں لیکن اس کی کوئی چیز کسی چیز کے مشابہہ نہیں ہے نہ کوئی شے اس سے مشابہہ ہے۔

جہمیہ کے اقوال

جہم بن صفوان اس قول میں سب سے منفرد اور الگ تھلگ ہے وافعال انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان کا حقیقی فاعل وہ نہیں ہے بلکہ مجازاً اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے جیسے مثلاً کہا جاتا ہے کہ درخت لمبا ہوگیا۔ کھجور پک گئی (یہ سب بطور مجاز ہے) یہ اللہ کو شے کہنے کا منکر اور اللہ کے علم کے حادث ہونے کا قائل تھا، اس کا عقیدہ تھا کہ چیزوں کی پیدائش سے پہلے ان کا علم اللہ کے لئے محال ہے، وہ جنت اور دوزخ دونوں کو فانی کہتا تھا، اللہ تعالیٰ کے صفات کے وجود کی نفی کرتا ہے۔ جہم کے مسلک کے لوگ (جہمی) شہر ترمذ کے ہیں۔ مرو میں بھی اس کے ہم خیال لوگ پائے جاتے ہیں۔ نفی صفات پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کو مسلم بن احور ماروانی نے قتل کردیا۔

ضراریہ کے اقوال

ضراریہ فرقے کو ضرار بن عمرو سے نسبت ہے، ضرار اس امر کا قائل تھا کہ اجسام مجموعہ اعراض کا نام ہے، اجسام کا اعراض بن جانا اس کے نزدیک جائز تھا، (اس طرح جوہر وعرض میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہوا) ضرار کا عقیدہ تھا کہ قدرت قادر کا جز ہے اور یہ فعل کے صدور سے پہلے ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراتوں کا منکر تھا۔

(۱) واسمیہ کے عقائد وہی ہیں جو ہشامیہ اور مقاتلیہ کے ہیں، صاحب غنیۃ نے واسمیہ فرقہ کا کوئی قول بیان نہیں فرمایا ہے اصل کتاب کا حاشیہ پر صرف اسی قدر ہے کہ واسمیہ کے عقائد دونوں فرقوں سے مشابہہ ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔

نجاریہ کے اقوال

نجاریہ فرقہ حسین بن محمد نجار کی طرف منسوب ہے۔ نجار بندوں کے فعل کا حقیقی فاعل اللہ کو بھی قرار دیتا ہے اور بندہ کو بھی ارادہ الٰہی کے سوا معتزلہ کی طرح باقی تمام صفات الٰہیہ کی نفی کرتا ہے چنانچہ اس نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے قدیم ارادہ کرنے والا ہے، وہ خلق قرآن کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کے صاحب ارادہ ہونے کے معنی ہیں اللہ کا مجبور و مغلوب نہ ہونا اسی طرح نجار کا مسلک ابن عون اور ابو یوسف رازی کے مسلک کے مطابق ہے، اس کے مسلک کے پیرو زیادہ تر کاشان میں آباد ہیں۔

کلابیہ کے اقوال

کلابیہ فرقہ ابوعبداللہ بن کلاب کی طرف منسوب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی صفات نہ قدیم ہیں نہ حادث نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات، آیت الرحمٰن علی العرش استوی میں استوی ہونے کے معنی ہیں کج نہ ہونا، اللہ تعالیٰ جس حال پر پہلے تھا اس پر ہمیشہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخصوص جگہ نہیں، اس کا قول تھا کہ قرآن کے حروف نہیں ہیں۔

سالمیہ فرقے کے اقوال

فرقہ سالمیہ ابن سالم کی طرف منسوب ہے، اس کے بہت سے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ محمدی آدمی کی شکل میں دیکھا جائے گا، جن وانس، ملائکہ اور حیوان ہر ایک کے سامنے اسی کی حیثیت میں اللہ نمودار ہوگا۔ لاریب کتاب میں ان کی تکذیب موجود ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (اللہ کی طرح کوئی چیز نہیں ہے، وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

اس فرقہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک راز سربستہ ہے اگر وہ اس کو ظاہر کردے تو نظام عالم درہم و برہم ہو جائے اور انبیاء کا بھی ایک راز سربستہ ہے اگر اس کا اظہار ہو جائے تو نبوت تباہ ہو جائے اور علماء کا بھی ایک راز ہے اگر وہ کھل جائے تو علم ضائع ہو جائے مگر یہ قول غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس کا انتظام ناقابل زوال ہے، تباہی اور بربادی اس کی طرف رخ بھی نہیں کرسکتیں۔ اگر اس گروہ کے اس قول کو سچ مان لیا جائے تو حکمت الٰہی بے سود اور باطل قرار دینے تک پہنچا دیتی ہے اور حکمت الٰہی کو باطل قرار دینا کفر ہے، اس فرقہ کا یہ بھی قول ہے کہ قیامت کے دن کافر اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا حساب کتاب کرے گا۔

ان کا قول ہے کہ دوسری مرتبہ ابلیس نے آدم کو سجدہ کرلیا تھا، قرآن مجید میں ان کے اس قول کی تکذیب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ (ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا) دوسری آیت میں فرماتا ہے: اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ۔ (سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا)

اس فرقہ کا یہ قول بھی ہے کہ ابلیس جنت میں داخل نہیں ہوا، اس بات کی تکذیب بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ۔ (جنت سے نکل جا بے شبہ تو مردود ہے)۔

اس فرقہ کا یہ قول بھی ہے جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے مگر اپنی اصل جگہ سے ہٹے بھی نہیں تھے۔ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو حضرت موسیٰ میں کچھ غرور (خودنگہی) پیدا ہو گیا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ تم خود پسند ہو گئے ہو، آنکھیں اٹھا کر تو دیکھو، موسیٰ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے سو طور نظر آئے۔ ہر طور پر ایک موسیٰ موجود تھا، اصحاب حدیث اور اہل روایت کے نزدیک ان کا یہ قول بالکل لغو، غلط اور باطل ہے۔ اللہ کے رسول پر دروغ بندی کرنے والے کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے وعید کے طور پر فرمایا تھا کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ لگایا اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاہئے۔

ان کا یہ قول بھی تھا کہ ''اللہ بندوں سے طاعت کا ارادہ کرتا ہے معصیت وگناہ کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ان کف نافرمانیاں ان ہی کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب خرافات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ (اللہ جس کے فتنہ یعنی کفر کا ارادہ کرے تو اللہ سے تم اس کو بالکل نہیں بچا سکتے) اور وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ (اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ کفر نہ کرتے) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا۔ (اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے)

ان کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ نبوت سے قبل اور حضرت جبرئیل کے آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو قرآن یاد تھا، اس قول کی تکذیب بھی قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ۔ (اے رسول تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھے) مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ۔ (اس سے پہلے نہ مت کوئی کتاب پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے)

یہ فرقہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ اللہ ہر قاری کی زبان سے پڑھتا ہے جب یہ لوگ کسی قاری کی زبان سے قرآن سنتے تھے، یہ قول حلول کے عقیدہ تک پہنچا دیتا ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کبھی قرآن غلط پڑھتا اور غلط تلفظ کرتا ہے کیونکہ کبھی قاری سے ایسا ہو جاتا ہے۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے، عرش وغیرہ کی تخصیص نہیں۔ قرآن پاک میں اس قول کی بھی تکذیب موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (خدا نے عرش پر قرار پکڑا......)

اللہ تعالیٰ نے عرش پر مستوی ہونا فرمایا ہے۔ زمین پر، پہاڑوں پر یا حاملہ عورتوں کے پیٹوں پر مستوی ہونا نہیں فرمایا۔ گمراہ فرقوں کے مذاہب کا عقائد اور اصول کے بارے میں یہ آخری بیان ہے جو اشارۃً واختصار کے ساتھ پیش کیا گیا۔ درحقیقت ہم نے ان کے مذاہب مختلفہ کے ہر مذہب کے ابطال کی طرف اشارہ نہیں کیا محض اس خوف سے کہ کتاب ضخیم نہ ہو جائے۔ ان کے چند اقوال کا ذکر ہی کر دیا تا کہ ان کی شناخت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم سب کو ان مذاہب (باطلہ) اور ان کے معتقدین کے شر سے بچائے اور ہمیں اسلام اور سنت پر اور فرقہ ناجیہ میں اپنی رضا سے موت عطا فرمائے۔ (آمین) (غنیۃ الطالبین)

اب ایک حدیث مشکوٰۃ شریف کی شرح جو صاحب اشعۃ اللمعات کے مترجم نے تحریر کی ہے نقل کی جاتی ہے۔

(مشکوٰۃ جلد اول مترجم اردو مع اشعۃ اللمعات حدیث نمبر ۱۵۸، صفحہ ۴۶۰)

حدیث کا اردو ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا پھر فرمایا۔ یہ اللہ کا راستہ ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا۔ الخ۔ بے شک یہ ہے میرا راستہ جو سیدھا ہے تو اسی کی پیروی کرو۔ الی آخر الآیۃ۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

شرح اشعۃ اللمعات

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سمجھانے کے لئے ایک خط کھینچا تا کہ راہ راست کے بطور مثال بیان فرمائیں۔ پھر فرمایا یہ سیدھا خط جو میں نے کھینچا ہے خدا تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سیدھے خط کے دائیں اور بائیں کچھ خط کھینچے اور فرمایا یہ راستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتا ہے اور بد راہ کرتا ہے۔ وقرء اور حضور ﷺ نے ہدایت پڑھی کہ پروردگار عالم فرماتا ہے یہ ہے میرا سیدھا راستہ جو میں نے تمہیں دکھایا ہے تو اس پر چلو۔ اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ اور ان راستوں پر نہ چلو جو دائیں بائیں کو جاتے ہیں۔ مختلف غلط ادیان اور ٹیڑھے راستوں کو اختیار نہ کرو تا کہ وہ تمہیں پریشانی میں مبتلا نہ کریں۔ سیدھا راستہ چھوڑ کر گمراہی میں نہ پڑ جاؤ۔

(اسے احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے)

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اور اس موضوع سے متعلق دوسری احادیث جو کتب حدیث میں آئی ہیں۔ ان میں ان خطوط کی تعداد نظر سے نہ گزری ہے۔ ماسوا اس کے تفسیر مدارک میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک حدیث روایت کی حضور نبی کریم ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا یہ راہ ہدایت اور خدا تعالیٰ کا راستہ ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو۔ اس کے بعد اس خط کی جانب چھ چھ خط کھینچے جو ٹیڑھے اور کج تھے اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان مقرر ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔ تو ان ٹیڑھے راستوں سے بچو اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد صاحب مدارک نے فرمایا۔ پھر ان بارہ راستوں میں سے ہر ایک سے چھ چھ راستے نکلتے ہیں۔ اس طرح کل بہتر (۷۲) راستے بنتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس امت کا تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جانا حدیث صحیح میں آچکا ہے۔ مگر اس طرح نہیں جس طرح مدارک میں مذکور ہے بلکہ کتاب ''مواقف'' میں فرمایا بڑے بڑے اسلامی فرقے تعداد میں آٹھ ہیں۔ (۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہہ (۸) ناجیہ۔ پھر معتزلہ کے بیس فرقے بیان فرمائے۔ شیعہ کے بائیس اور خوارج کے بیس، مرجیہ کے پانچ، نجاریہ کے تین اور جبریہ اور مشبہہ کے مختلف فرقے نہ بیان فرمائے اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں اس طرح کل فرقوں کی تعداد تہتر ہوگئی۔ صاحب مواقف کا کلام ختم ہوا۔ (شرح اشعۃ اللمعات)

اس سے قبل اہل سنت و جماعت کے عقائد اور گمراہ فراقوں کا بیان غنیۃ الطالبین سے اخذ کیا جا چکا ہے۔ اب اہل سنت و جماعت کے عقائد کے متعلق تفصیلاً اور جو دوسرے گمراہ فرقے جو پاک و ہند میں پائے جاتے ہیں ان کے متعلق تحریر کیا جاتا ہے۔

چونکہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بھی وہی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کا ہے۔ یہ ایک ہی جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ حضرات کو اسی طرح مانتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ باقی گروہ کوئی انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کرتا، ان کے درجات، فضائل، اختیارات، علم غیب اور ان کی شفاعت پر تنقید کرتا ہے اور ان کے مراتب کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی کرتا ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے۔ کوئی اولیاء کرام پر کیچڑ اچھالتا ہے۔

اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے اور کچھ دوسرے گمراہ لوگوں کے بارے میں جو پاک و ہند میں پائے جاتے ہیں کی نشاندہی کر دی جائے۔ اس کے لئے مشہور و معروف بہار شریعت کے اول حصے سے ص ۱۴۱ تا ۱۸۰ نقل کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے قبل ایک نہایت اہم عقیدہ بیان کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نہایت اہم ایک عقیدہ

اہل سنت و جماعت کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کا مالک، خالق، رازق، غائب دان یعنی عالم الغیب، مختار کل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ اور وہ اپنے رسولوں، ملائکہ اور اپنے برگزیدہ بندوں کو جو جو اختیار اور علم غیب، شفاعت کرنے کا اختیار دیتا ہے جس جس کو چاہے اور جتنا جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے کہ (ترجمہ) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اَللّٰهُ مُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اس لئے کسی نبی یا ولی کو اپنی طرف سے کوئی اختیار یا کسی چیز کا علم نہیں۔ جس جس کو جو جو اور جتنا جتنا ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ ہاں اپنے حبیب ﷺ کو ہر قسم کا علم اور اختیار عطا فرمایا کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی اور اچھے ولیوں کو بھی بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ صاحب اردو ترجمہ اشعۃ اللمعات نے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد کے عنوان میں (جلد اص ۱۰۴) پر شیخ قدس سرہ کا فکری و اعتقادی موقف آپ کی گرانقدر تصنیفات سے بہت سی احادیث کی شرح کے حوالے سے بیان کی ہیں لیکن یہاں اختصار سے دو تین ان میں

سے نقل کی جاتی ہیں۔(مؤلف)

(۱) حدیث پاک فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی شرح میں فرماتے ہیں: فارسی کا اردو ترجمہ: یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو گیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ تمام جزوی وکلی علوم حضور کو حاصل ہو گئے اور حضور ﷺ نے سب کا احاطہ فرمایا اور اس حدیث کی شرح کے اخیر میں فرمایا تو اس سے حضور ﷺ نے عالم اور عالم کے تمام حقائق کو جانا (ص ۳۳۳ ج ا نولکشوری) اشعۃ اللمعات میں دوسری جگہ فرماتے ہیں یعنی ابتدائے آفرینش اور آخرت کے حالات اول مدارج النبوت جلد اول کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں۔ انہوں نے خدائے پاک کی شان میں اس کے احکام، حق تعالیٰ کی صفات اور افعال سارے ظاہری و باطنی اول و آخر علوم کا احاطہ فرمایا ہے۔ اور فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٌ کے مصداق ہو گئے ہیں۔ اسی طرح مدارج النبوت باب ۵ میں فرماتے ہیں کہ زمانہ آدم سے قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب حضور ﷺ پر ظاہر فرمادیئے اور آپ ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کرام کو دی۔

(۱) قادیانی

کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو ہیں۔ اس شخص نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں نہایت بیباکی کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ، طیبہ، طاہرہ، صدیقہ، جناب حضرت مریم کی شان جلیل میں تو وہ بیہودہ کلمات استعمال کیے جن کے ذکر سے مسلمانوں کے دل ہل جاتے ہیں مگر ضرورت زمانہ مجبور کر رہی ہے کہ لوگوں کے سامنے ان میں کے چند بطور نمونہ ذکر کیے جائیں۔

خود مدعی نبوت بننا کافر ہونے اور ابدالآباد جہنم میں رہنے کیلئے کافی تھا کہ قرآن مجید کا انکار اور حضور خاتم النبیین ﷺ کو خاتم النبیین نہ ماننا ہے۔ مگر اس نے اتنی ہی بات پر اکتفا نہ کیا بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وتوہین کا وبال بھی اپنے سر لیا اور یہ صدہا کفر کا مجموعہ ہے۔ کہ ہر نبی کی تکذیب مستقلاً کفر ہے اگرچہ باقی انبیاء و دیگر ضروریات کا قائل بنتا ہو بلکہ کسی ایک نبی کی تکذیب سب کی تکذیب ہے چنانچہ آیہ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ (پ۱۹ الشعراء ۱۰۵) وغیرہ اس کی شاہد ہیں اور اس نے تو صدہا کی تکذیب کی اور اپنے کو نبی سے بہتر بتایا ایسے شخص اور اس کے متبعین کے کافر ہونے میں مسلمان کو ہرگز شک نہیں ہوسکتا بلکہ ایسے کی تکفیر میں اس کے اقوال پر مطلع ہو کر جو شک کرے خود کافر۔

اب اس کے اقوال سنئے۔ ازالہ اوہام صفحہ ۵۳۳ "خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی" انجام آتھم صفحہ ۵۲ "اے احمد تیرا نام پورا ہو جائے گا قبل اس کے جو میرا نام پورا ہو" صفحہ ۵۵ میں ہے "تجھے خوشخبری ہو اے احمد تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔" رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں جو آیتیں تھیں انہیں اپنے اوپر جما لیا۔ انجام آتھم صفحہ ۷۸ میں کہتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ ۱۷ الانبیاء ۱۰۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ نیز آیہ کریمہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (پ ۲۸: الصف ۶) ترجمہ: اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ سے اپنی ذات مراد لیتا ہے دافع البلاء صفحہ ۶ میں ہے "مجھ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِيْ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ)" یعنی اے غلام احمد تو میری اولاد کی جگہ ہے تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ ازالہ اوہام صفحہ ۶۸۸ میں ہے "حضرت رسول خدا ﷺ کے الہام ووحی غلط نکلی تھیں" صفحہ ۸ میں ہے "حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیاں بھی اس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں امید باندھی تھی غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیش گوئیاں زیادہ غلط نکلیں۔" ازالہ اوہام صفحہ ۷۵۵ میں ہے "سورہ البقرہ میں جو ایک قتل کا ذکر ہے کہ گائے کی بوٹیاں نعش پر مارنے سے وہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور اپنے قاتل کا پتا دے دیا تھا یہ محض موسیٰ علیہ السلام کی دھمکی تھی۔ اور علم مسمریزم تھا" اسی کے صفحہ ۵۵۳ میں لکھتا ہے "حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چار پرندے کے معجزے کا ذکر جو قرآن شریف میں ہے وہ بھی ان کا مسمریزم کا عمل تھا" صفحہ ۶۲۹ میں ہے "ایک بادشاہ کے وقت

میں چار سو نبی نے اس کے فتح کے بارے میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست ہوئی بلکہ وہ اسی میدان میں مر گیا۔" اسی کے صفحہ ۲۸، ۲۶ میں لکھتا ہے" قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے"۔

اور اپنی براہین احمدیہ کی نسبت ازالہ اوہام صفحہ ۵۳۳ میں لکھتا ہے" براہین احمدیہ خدا کا کلام ہے" اربعین نمبر ۲ صفحہ ۱۳ پر لکھا" کامل مہدی نہ موسیٰ تھا نہ عیسیٰ" ان اُولُو العزم مرسلین کا ہادی ہونا درکنار پورے راہ یافتہ بھی نہ مانا۔

اب خاص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں جو گستاخیاں کیں ان میں سے چند یہ ہیں: معیار صفحہ ۱۳" اے عیسائی مشنریو! اب (ربنا المسیح) مت کہو اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے" صفحہ ۱۳، ۱۴ میں ہے" خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا یہ اشارہ ہو کہ عیسائیوں کا مسیح کیسا خدا ہے جو احمد کے ادنیٰ غلام سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتا یعنی وہ کیسا مسیح ہے جو اپنے قرب اور شفاعت کے مرتبہ میں احمد کے غلام سے بھی کمتر ہے" کشتی صفحہ ۱۳ میں ہے" مثیل موسیٰ، موسیٰ سے بڑھ کر اور مثیل ابن مریم، ابن مریم سے بڑھ کر" نیز صفحہ ۱۶ میں ہے" خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی، مسیح موسوی سے افضل ہے" دافع البلاء صفحہ ۲۰۔" اب خدا بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا ثانی پیدا کروں گا جو اس سے بھی بہتر ہے جو غلام احمد ہے یعنی احمد کا غلام۔"

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں" دافع البلاء صفحہ ۱۵" خدا تو بہ پابندی اپنے وعدوں کے ہر چیز پر قادر ہے لیکن ایسے شخص کو دوبارہ کسی طرح دنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنہ نے ہی دنیا کو تباہ کر دیا ہے۔" انجام آتھم صفحہ ۴۱ میں لکھتا ہے" مریم کا بیٹا کشلیا کے بیٹے سے کچھ زیادت نہیں رکھتا" کشتی صفحہ ۵۶ میں ہے" مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کلام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا" اعجاز احمدی صفحہ ۱۳" یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی جواب میں حیران ہیں بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں" اس کلام میں یہودیوں کے اعتراض صحیح ہونا بتایا اور قرآن عظیم پر بھی ساتھ لگے یہ اعتراض جما دیا کہ قرآن ایسی بات کی تعلیم دے رہا ہے جس کے بطلان پر دلیلیں قائم ہیں صفحہ ۱۴ میں ہے" عیسائی تو ان کی خدائی کو روتے ہیں مگر یہاں نبوت بھی ان کی ثابت نہیں" اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر لکھا" کبھی آپ کو شیطانی الہام بھی ہوتے تھے"۔

مسلمانو! تمہیں معلوم ہے کہ شیطانی الہام کس کو ہوتا ہے قرآن فرماتا ہے تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ (الشعراء:۲۲۲) بڑے بہتان والے سخت گناہ گار پر شیطان اترتے ہیں۔ اسی صفحہ ۲۴ میں لکھا" ان کی اکثر پیش گوئیاں غلطی سے پُر ہیں"۔

صفحہ ۱۳ میں ہے" افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی پیش گوئیوں پر یہود کے سخت اعتراض ہیں جو ہم کسی طرح ان کو دفع نہیں کر سکتے"۔

صفحہ ۱۴" ہائے کس کے آگے یہ ماتم لے جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔" اس سے ان کی نبوت کا انکار ہے چنانچہ اپنی کتاب کشتی نوح صفحہ ۵ میں لکھتا ہے" ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئیاں ٹل جائیں" دافع الوساوس صفحہ ۳ و ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۷ پر اس کو سب رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی اور ذلت کہتا ہے۔ دافع البلاء ٹائٹل پیج صفحہ ۳ پر لکھتا ہے" ہم مسیح کو بیشک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا واللہ تعالیٰ اعلم مگر وہ حقیقی منجی نہ تھا۔ حقیقی منجی وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوا تھا اور اب بھی آیا مگر بروز کے طور پر۔ خاکسار غلام احمد از قادیان" آگے چل کر راست بازی کا بھی فیصلہ کر دیا کہتا ہے" یہ ہمارا بیان نیک ظنی کے طور پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ عیسیٰ کے وقت میں بعض راستباز اپنی راست بازی میں عیسیٰ سے بھی اعلیٰ ہوں" اسی کے صفحہ ۴ میں لکھا" مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ (یحییٰ) شراب نہ پیتا تھا اور کبھی نہ سنا کہ کسی فاحشہ عورت نے

اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔'' ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ میں لکھا'' آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زنا کاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔سمجھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے'' نیز اس رسالہ میں اس مقدس و برگزیدہ رسول پر اور نہایت سخت سخت حملے کیے مثلاً شریر' مکار' بدعقل' فحش گو' بدزبان' جھوٹا' چور' خلل دماغ والا' بدقسمت' نرا فریبی' پیرو شیطان' حد یہ کہ صفحہ ۷ پر لکھا'' آپ کا خاندان بھی نہایت پاک ومطہر ہے۔تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔'' ہر شخص جانتا ہے کہ دادی باپ کی ماں کو کہتے ہیں تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے باپ کا ہونا بیان کیا جو قرآن کے خلاف ہے۔اور دوسری جگہ یعنی کشتی نوح صفحہ ۱۶ میں تصریح کر دی'' یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی یوسف اور مریم کی اولاد تھے'' حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے ایک دم صاف انکار کر بیٹھا۔انجام آتھم صفحہ ۶ پر لکھتا ہے'' حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہ ہوا'' صفحہ ۷ پر لکھا'' اس زمانہ میں ایک تالاب سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے آپ سے کوئی معجزہ ہوا بھی تو وہ آپ کا نہیں اس تالاب کا ہے۔آپ کے ہاتھ میں سوا مکر وفریب کے کچھ نہ تھا۔'' ازالہ اوہام کے صفحہ ۴ میں ہے'' ماسوائے اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان حواشی سے الگ کر کے دیکھا جائے جو محض افتراء یا غلط فہمی سے گڑھے ہیں تو کوئی عجوبہ نظر نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات پر جس قدر اعتراض ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق پر ایسے شبہات ہوں۔کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق نہیں دور کرتا''۔

کہیں ان کے معجزہ کو کل کا کھلونا بتاتا ہے کہیں مسمریزم بتا کر کہتا ہے'' اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو ان عجوبہ نمائیوں میں ابن مریم سے کم نہ رہتا۔'' اور مسمریزم کا خاصہ یہ بتایا کہ'' جو اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے وہ روحانی' تاثیروں میں جو روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گو مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت وتوحید اور دینی استقامتوں کے دلوں میں قائم کرنے میں ان کا نمبر ایسا کم رہا کہ قریب قریب ناکام رہے'' غرض اس دجّال قادیانی کے خرافات کہاں تک گنائے جائیں اس کے لئے دفتر چاہیے مسلمان ان چند خرافات سے اس کے حالات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس نبی اُولُو العزم کے فضائل جو قرآن میں مذکور ہیں ان پر یہ کیسے گندے حملے کر رہا ہے۔تعجب ہے ان سادہ لوحوں پر کہ ایسے دجّال کے متبع ہو رہے ہیں یا کم از کم مسلمان جانتے ہیں اور سب سے زیادہ تعجب ان پڑھے لکھے کٹ بگڑوں سے کہ جان بوجھ کر اس کے ساتھ جہنم کے گڑھوں میں گر رہے ہیں۔کیا ایسے شخص کے کافر' مرتد' بے دین ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے (حَاشَ لِلّٰهِ مَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ) جو ان خباثتوں پر مطلع ہو کر اس کے عذاب وکفر میں شک کرے خود کافر ہے۔(بہار شریعت)

(۲) رافضی

ان کے مذہب کی کچھ تفصیل اگر کوئی دیکھنا چاہے تو'' تحفہ اثنا عشریہ'' دیکھے چند مختصر باتیں یہاں گزارش کرتا ہوں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں یہ فرقہ نہایت گستاخ ہے یہاں تک کہ ان پر سب وشتم ان کا عام شیوہ ہے بلکہ باستثنائے چند سب کو معاذ اللہ کافر ومنافق قرار دیتا ہے۔حضرت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ کو خلافت غاصبہ کہتا ہے اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے جو ان حضرات کی خلافتیں تسلیم کیں اور ان کے مدائح وفضائل بیان کیے اس کو تقیہ و بزدلی پر محمول کرتا ہے۔کیا معاذ اللہ منافقین وکافرین کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور عمر بھر ان کی مدح وستائش سے رطب اللسان رہنا شیر خدا کی شان ہو سکتی ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید ان کو ایسے جلیل ومقدس خطابات سے یاد فرماتا ہے تو وہ ان کے اتباع کرنے والوں کی

نسبت فرماتا ہے کہ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔ کیا کافروں منافقوں کیلئے اللہ ﷻ کے ایسے ارشادات ہو سکتے ہیں پھر نہایت شرم کی بات ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم تو اپنی صاحب زادی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں اور یہ فرقہ کہے تقیۃً ایسا کیا۔ جان بوجھ کر کوئی مسلمان اپنی بیٹی کافر کو دے سکتا ہے نہ وہ مقدس حضرات جنہوں نے اسلام کیلئے اپنی جانیں وقف کر دیں اور حق گوئی اور اتباع حق میں لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (پ ۶' المائدہ ۶۴) کے سچے مصداق تھے۔

پھر خود حضور سید المرسلین ﷺ کی دو شاہزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی صاحب زادیاں شرف زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ کیا حضور ﷺ کے ایسے تعلقات جن سے ہوں ان کی نسبت وہ ملعون الفاظ کوئی ادنیٰ عقل والا ایک لحمہ کے لئے جائز رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

اس فرقہ کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ پر اصلح واجب ہے یعنی جو کام بندے کے حق میں نافع ہو اللہ ﷻ پر واجب ہے کہ وہی کرے اسے کرنا پڑے گا۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ اطہار رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ بالاِجماع کفر ہے کہ غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا ہے۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید محفوظ نہیں بلکہ اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں یا الفاظ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے نکال دیئے۔ مگر تعجب ہے کہ مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بھی اسے ناقص ہی چھوڑا۔ اور یہ عقیدہ بھی بالاِجماع کفر ہے کہ قرآن مجید کا انکار ہے۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ کوئی حکم دیتا ہے پھر یہ معلوم کر کے کہ مصلحت اس کے غیر میں ہے پچھتاتا ہے اور یہ بھی یقینی کفر ہے کہ خدا کو جاہل بتاتا ہے۔ ایک عقیدہ یہ ہے کہ نیکیوں کا خالق اللہ ہے اور برائیوں کے خالق یہ خود ہیں۔ مجوس نے دو ہی خالق مانے تھے۔ یزدان خالق خیر' اہرمن خالق شر۔ ان کے خالقوں کی گنتی ہی نہ رہی اربوں سنکھوں خالق ہیں۔

(۳) وہابی

یہ ایک نیا فرقہ ہے جو ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا جس نے تمام عرب خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے۔ علماء کو قتل کیا' صحابہ کرام وائمہ وعلماء وشہداء کی قبریں کھود ڈالیں۔ روضہ انور کا نام معاذ اللہ صنم اکبر رکھا تھا یعنی بڑا بت۔ اور طرح طرح کے ظلم کیے جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے خبر دی تھی کہ نجد سے فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا گروہ نکلے گا۔ وہ گروہ بارہ سو برس بعد ''یہ'' ظاہر ہوا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے خارجی بتایا۔ اس عبدالوہاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''کتاب التوحید'' رکھا۔ اس کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام ''تقویۃ الایمان'' رکھا اور ہندوستان میں اسی نے وہابیت پھیلائی۔

ان وہابیہ کا ایک بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو ان کے مذہب پر نہ ہو وہ کافر مشرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بات بات پر محض بلاوجہ مسلمانوں پر حکم شرک وکفر لگایا کرتے اور تمام دنیا کو مشرک بتاتے ہیں۔ چنانچہ تقویۃ الایمان صفحہ ۴۵ میں وہ حدیث لکھ کر کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھا لے گی اس کے بعد صاف لکھ دیا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا یعنی وہ ہوا چل گئی اور کوئی مسلمان روئے زمین پر نہ رہا مگر یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں خود بھی تو کافر ہو گیا اس مذہب کا رکن اعظم اللہ جل جلالہ کی توہین اور محبوبان خدا کی تذلیل ہے۔ ہر امر میں وہی پہلو اختیار کریں گے جس سے منقصت نکلتی ہو۔

اس مذہب کے سرگروہوں کے بعض اقوال نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عوام بھائی ان کی قلبی خباثتوں پر مطلع ہوں اور ان کے دام تزویر سے بچیں اور ان کے جبہ ودستار پر نہ جائیں۔ برادران اسلام بغور سنیں اور میزان ایمان میں تولیں کہ ایمان سے زیادہ عزیز مسلمان کے نزدیک کوئی چیز نہیں اور ایمان اللہ جل جلالہ ورسول اللہ ﷺ کی محبت وتعظیم ہی کا نام ہے۔ ایمان کے ساتھ جس میں جتنے فضائل پائے جائیں وہ اسی قدر زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور ایمان نہیں تو مسلمانوں کے نزدیک وہ کچھ وقعت نہیں رکھتا اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم وزاہد وتارک الدنیا وغیرہ بنتا

ہو۔ مقصود یہ ہے کہ ان کے مولوی اور عالم فاضل ہونے کی وجہ سے انہیں تم اپنا پیشوا نہ سمجھو جب کہ وہ اللہ جل جلالہ و رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہیں۔ کیا یہود و نصاریٰ بلکہ ہنود میں بھی ان کے مذاہب کے عالم یا تارک الدنیا نہیں ہوتے کیا تم ان کو اپنا پیشوا تسلیم کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح یہ لامذہب و بدمذہب تمہارے کسی طرح مقتدا نہیں ہو سکتے۔

ایضاح الحق صفحہ ۳۵، ۳۶ مطبع فاروقی میں ہے ''تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ مے شمارد'' اس میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان و جہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلا کیف ماننا بدعت و گمراہی ہے حالانکہ یہ تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے تو اس قائل نے تمام پیشوایان اہل سنت کو گمراہ و بدعتی بتایا بحرالرائق دُرِمختار و عالمگیری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جو مکان ثابت کرے کافر ہے۔ تقویۃ الایمان صفحہ ۶۰ میں یہ حدیث (اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُلَہٗ) نقل کر کے ترجمہ کیا کہ ''بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو'' اس کے بعد (ف) لکھ کر یہ فائدہ جڑ دیا ''یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں'' حالانکہ نبی ﷺ فرماتے ہیں (اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ) اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے اجسام کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے (فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ) تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ اسی تقویۃ الایمان صفحہ ۱۹ میں ہے ''ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر'' انبیائے کرام و اولیائے عظام کی شان میں ایسے ملعون الفاظ استعمال کرنا کیا مسلمان کی شان ہو سکتی ہے صراط مستقیم صفحہ ۹۵ ''بمقتضائے ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ'' (پ۱۸، النور ۴۰) از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر خود است'' مسلمانو! یہ ہیں امام الوہابیہ کے کلمات خبیثات اور کس کی شان میں؟ حضور اقدس ﷺ کی شان میں۔

جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے وہ ضرور یہ کہے گا کہ اس قول میں گستاخی ضرور ہے تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰ ''روزی کی کشائش اور تنگی کرنی، اور تندرست و بیمار کر دینا، اقبال و ادبار دینا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے''۔

قرآن مجید میں ہے اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ (پ۱۰، التوبہ ۷۴) اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ قرآن تو کہتا ہے کہ نبی ﷺ نے دولت مند کر دیا اور یہ کہتا ہے جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے مشرک ہے تو اس کے طور پر قرآن مجید شرک کی تعلیم دیتا ہے قرآن عظیم میں ارشاد ہے وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ (پ۷، المائدہ ۱۱۰) اے عیسیٰ! تو میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اچھا کر دیتا ہے۔ (کنزالایمان) اور دوسری جگہ ہے وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ (پ۳، آل عمران ۴۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (کنزالایمان) اب قرآن کا تو یہ حکم ہے اور وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ تندرست کرنا اللہ ہی کی شان ہے جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے مشرک ہے۔ اب وہابی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ثابت کیا تو اس پر کیا حکم لگاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اگر ان کو قدرت بخشی ہے جب بھی شرک ہے تو معلوم نہیں کہ ان کے یہاں اسلام کس چیز کا نام ہے۔ تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱ ''گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا۔ درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے بنائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہے یا یوں کہ ان کی اس تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک ہے'' متعدد صحیح حدیثوں میں ارشاد فرمایا

کہ ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینے کو حرم کیا۔ اس کے ببول کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کا شکار نہ کیا جائے۔

• مسلمانو! ایمان سے دیکھنا کہ اس شرک فروش کا شرک کہاں تک پہنچتا ہے تم نے دیکھا اس گستاخ نے نبی ﷺ پر کیا حکم جڑا۔ تقویۃ الایمان صفحہ ۸۔ ''پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اس کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو اس کو اللہ کا بندہ و مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے'' یعنی جو نبی ﷺ کی شفاعت مانے کہ حضور اللہ ﷻ کے دربار میں ہماری سفارش فرمائیں گے تو معاذ اللہ اس کے نزدیک وہ ابوجہل کے برابر مشرک ہے۔

مسئلہ نمبر ا...... شفاعت کا صرف انکار ہی نہیں بلکہ اس کو شرک ثابت کیا اور تمام مسلمانوں صحابہ و تابعین وائمہ دین و اولیاء صالحین سب کو مشرک و ابوجہل بنا دیا۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۵۸) ''کوئی شخص کہے فلانے درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول جانے کیونکہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔'' سبحان اللہ! خدائی اسی کا نام رہ گیا کہ کسی پیڑ کے پتوں کی تعداد جان لی جائے۔ (تقویۃ الایمان صفحہ۔ ۷) ''اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی'' اس میں انبیائے کرام کے معجزات اور اولیاء عظام کی کرامت کا صاف انکار ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (پ۳۰' النازعات ۵) قسم فرشتوں کی جو کاموں کی تدبیر کرتے ہیں تو یہ قرآن کریم کو صاف رد کر رہا ہے صفحہ ۲۲۔ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں'' تعجب ہے کہ وہابی صاحب تو اپنے گھر کی تمام چیزوں کا اختیار رکھیں اور مالک ہر دوسرا ﷺ کسی چیز کے مختار نہیں۔

اس گروہ کا ایک مشہور عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ ان کے ایک سرغنہ نے تو اپنے ایک فتویٰ میں لکھ دیا کہ ''وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول چکا ایسے کو تضلیل تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔'' سبحان اللہ! خدا کو جھوٹا مانا پھر بھی اسلام و سنیت و صلاح کسی بات میں فرق نہ آیا معلوم نہیں ان لوگوں نے کس چیز کو خدا ٹھہرالیا ہے ایک عقیدہ ان کا یہ ہے کہ نبی ﷺ کو خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیاء نہیں مانتے اور یہ صریح کفر ہے چنانچہ تحذیر الناس صفحہ ۲ میں ہے ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم (۵) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (پ۲۲' الاحزاب ۴۰) ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ (کنز الایمان) فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے'' پہلے تو اس قائل نے خاتم النبیین کے معنی تمام انبیاء سے زمانا متاخر ہونے کو خیال عوام کہا اور یہ کہا کہ اہل فہم پر روشن ہے کہ اس میں بالذات کچھ فضیلت نہیں حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے خاتم النبیین کے یہی معنی بکثرت احادیث میں ارشاد فرمائے تو معاذ اللہ اس قائل نے حضور ﷺ کو عوام میں داخل کیا اور اہل فہم سے خارج کیا۔ پھر اس نے ختم زمانی کو مطلقاً (۶) فضیلت سے خارج کیا حالانکہ اسی تاخر زمانی کو حضور ﷺ نے مقام مدح میں ذکر فرمایا۔ پھر صفحہ ۴ پر لکھا ''آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔'' صفحہ ۱۶ پر۔ ''بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' صفحہ ۳۳۔ ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے'' لطف یہ کہ اس قائل نے ان تمام خرافات کا ایجاد بندہ ہونا خود تسلیم کر لیا صفحہ ۳۴ پر ہے ''اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آ گیا اور اگر کسی طفل نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں   بغلط بر ہدف زند تیرے

ہاں بعد وضوح حق اگر فقط اس وجہ سے کہ یہ بات میں نے کہی اور وہ اگلے کہہ گئے تھے۔ میری نہ مانیں اور وہ پرانی بات گائے جائیں تو قطع نظر اس کے کہ قانون محبت نبوی ﷺ سے یہ بات بہت بعید ہے ویسے بھی اپنی عقل وفہم کی خوبی پر گواہی دینی ہے'' یہیں سے ظاہر ہو گیا جو معنی اس نے تراشے سلف میں کہیں اس کا پتا نہیں اور نبی ﷺ کے زمانہ سے آج تک جو سب سمجھے ہوئے تھے اس کو خیال عوام بتا کر رد کر دیا کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں اس قائل پر علمائے حرمین طیبین نے جو فتویٰ دیا وہ ''حسام الحرمین'' کے مطالعہ سے ظاہر اور اس نے خود بھی اسی کتاب کے صفحہ ۴۶ میں اپنا اسلام برائے نام تسلیم کیا۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

ان نام کے مسلمانوں سے اللہ جل جلالہ بچائے اسی کتاب کے صفحہ ۵ پر ہے ''انبیاء علیہم السلام اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں'' اور سنئے ان قائل صاحب نے حضور ﷺ کی نبوت کو قدیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو حادث بتایا صفحہ ۷ میں ہے'' کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے'' کیا ذات وصفات کے سوا مسلمانوں کے نزدیک کوئی اور چیز بھی قدیم ہے۔ نبوت صفت ہے اور صفت کا وجود بے موصوف محال۔ جب حضور اقدس ﷺ کی نبوت قدیم غیر حادث ہوئی تو ضرور نبی ﷺ بھی حادث نہ ہوئے بلکہ ازلی ٹھہرے اور جو اللہ وصفات الہیہ کے سوا کسی کو قدیم مانے باجماع مسلمین کافر ہے اس گروہ کا یہ عام شیوہ ہے کہ جس امر میں محبوبان خدا کی فضیلت ظاہر ہو طرح طرح کی جھوٹی تاویلات سے اسے باطل کرنا چاہیں گے اور وہ امر ثابت کریں گے جس میں تنقیص ہو مثلاً (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱) میں لکھ دیا کہ ''نبی ﷺ کو دیوار پیچھے کا بھی علم نہیں'' اور اس کو شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلط منسوب کر دیا بلکہ اسی صفحہ پر وسعت علم نبی ﷺ کی بابت یہاں تک لکھ دیا کہ ''الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے شرک نہیں تو کون سا حصہ ایمان کا ہے''۔

جس وسعت علم کو شیطان کیلئے ثابت کرتا اور اس پر نص ہونا بیان کرتا ہے اسی کو نبی ﷺ کیلئے شرک بتاتا ہے تو شیطان کو خدا کا شریک مانا اور اسے آیت وحدیث سے ثابت جانا۔ بے شک شیطان کے بندے شیطان کو مستقل خدا نہیں تو خدا کا شریک کہنے سے بھی گئے گزرے۔ ہر مسلمان اپنے ایمان کی آنکھوں سے دیکھے کہ اس قائل نے ابلیس لعین کے علم کو نبی ﷺ کے علم سے زائد بتایا یا نہیں۔ ضرور زائد بتایا اور شیطان کو خدا کا شریک مانا یا نہیں۔ ضرور مانا اور پھر اس شرک کو نص سے ثابت کیا یہ تینوں امر صریح کفر اور قائل یقینی کافر ہے کون مسلمان اس کے کافر ہونے میں شک کرے گا حفظ الایمان صفحہ ۷ میں حضور ﷺ کے علم کی نسبت یہ تقریر کی ''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کیلئے بھی حاصل ہے''۔

مسلمانو! غور کرو کہ اس شخص نے نبی ﷺ کی شان میں کیسی صریح گستاخی کی کہ حضور ﷺ جیسا علم زید وعمرو ہر بچے اور پاگل بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کیلئے حاصل ہونا کہا۔ کیا ایمانی قلب ایسے شخص کے کافر ہونے میں شک کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ اس قوم کا یہ عام طریقہ ہے کہ جس چیز کو اللہ جل جلالہ ورسول ﷺ نے منع نہیں کیا بلکہ قرآن وحدیث سے اس کا جواز ثابت ہے اس کو ممنوع کہنا تو درکنار اس پر شرک وبدعت کا حکم لگا دیتے ہیں مثلاً مجلس میلاد شریف اور قیام وایصال ثواب وزیارت قبور وحاضری بارگاہ بیکس پناہ سرکار مدینہ طیبہ وعرس بزرگان دین وفاتحہ سوم و چہلم واستمداد باحزاح انبیاء واولیاء اور مصیبت کے وقت انبیاء واولیاء کو پکارنا وغیرہم بلکہ میلاد شریف کی نسبت تو براہین قاطعہ صفحہ ۱۴۸ میں یہ ناپاک لفظ لکھے ہیں ''پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت

ہر سال مناتے ہیں معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود حرکت قبیحہ قابل لوم وحرام وفسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے۔ وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں''۔

(۴) غَیر مُقَلِّدِین

یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے وہ چند باتیں جو حال میں وہابیہ نے اللہ ﷻ اور نبی ﷺ کی شان میں بکی ہیں غیر مقلدین سے ثابت نہیں باقی تمام عقائد میں دونوں شریک ہیں ان حال کے اشد دیوبندی کفروں میں بھی وہ یوں شریک ہیں کہ ان پر ان قائلوں کو کافر نہیں جانتے اور ان کی نسبت حکم ہے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے ایک نمبر ان کا زائد یہ ہے کہ چاروں مذہبوں سے جدا تمام مسلمانوں سے الگ انہوں نے ایک راہ نکالی کہ تقلید کو حرام و بدعت کہتے اور ائمہ دین کو سب وشتم سے یاد کرتے ہیں مگر حقیقۃً تقلید سے خالی نہیں۔ ائمہ دین کی تقلید تو نہیں کرتے مگر شیطان لعین کے ضرور مقلد ہیں یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں اور قیاس کا مطلقاً انکار کفر۔ تقلید کے منکر ہیں اور تقلید کا مطلقاً انکار کفر۔

مسئلہ...... مطلق تقلید فرض ہے اور تقلید شخصی واجب۔

ضروری تنبیہ:...... وہابیوں کے یہاں بدعت کا بہت خرچ ہے جس چیز کو دیکھئے بدعت ہے لہٰذا بدعت کسے کہتے ہیں اسے بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بدعت مذمومہ وقبیحہ وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ومزاحم ہو اور یہ مکروہ یا حرام ہے اور مطلق بدعت تو مستحب بلکہ سنت بلکہ واجب تک ہوتی ہے حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں (نِعْمَةُ الْبِدْعَةِ هٰذِهٖ) یہ اچھی بدعت ہے۔ حالانکہ تراویح سنت موکدہ ہے۔ جس امر کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعت قبیحہ نہیں ہوسکتا ورنہ خود وہابیہ کے مدارس اور ان کے وعظ کے جلسے اس ہیات خاصہ کے ساتھ ضرور بدعت ہوں گے پھر انہیں کیوں نہیں موقوف کرتے۔ مگر ان کے یہاں تو یہ ٹھہری ہے کہ محبوبان خدا کی عظمت کے جتنے امور ہیں سب بدعت اور جس میں ان کا مطلب ہو وہ حلال وسنت (وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)

اس سے قبل صفحہ ۱۳۶ پر تحریر شدہ حدیث شریف کی شرح میں اشعۃ اللمعات (جلد اول ص ۴۶۱) کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ پتہ کیسے چلتا ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہیں اور یہ سیدھا راستہ خدا تعالیٰ کا ہے اس کے علاوہ باقی سب دوزخ کے راستے ہیں حالانکہ ہر فرقہ کا دعویٰ ہے کہ وہ راہ راست پر ہے اور اس کا مذہب حق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جو صرف دعویٰ سے ثابت ہو جائے بلکہ اس کے لئے دلائل و براہین کی ضرورت ہے اور اہل سنت وجماعت کی حقانیت کی دلیل و برہان یہ ہے کہ یہ دین نقل سے بھی تعلق رکھتا ہے صرف عقل کافی نہیں اور متواتر اخبار سے معلوم اور احادیث وآثار کی تلاش وتتبع سے متعین ہو چکا ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگ سب اسی عقیدہ اور اسی طریقہ پر تھے اور مذاہب واقوال میں یہ بدعات وخواہشات صدر اول کے بعد پیدا ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف متقدمین سے کوئی ان بدعات وخواہشات کا قائل نہ تھا بلکہ وہ حضرات ان سے پاک اور بری تھے۔ اور جو لوگ ان بدعات وخواہشات کے قائل ہوئے اہل سنت وجماعت نے ان سے قطع تعلق اختیار کر لی اور ان کے خیالات وعقائد کا رد فرمایا۔

احادیث کی چھ کتب (صحاح ستہ) اور دوسری مشہور ومعتمد کتابیں کہ احکام اسلامی کا مدار ومبنی ان پر ہے ان کے مولفین اور مذاہب اربعہ کے آئمہ فقہاء وغیرہم جو ان آئمہ کے طبقہ میں تھے سب اسی مذہب اہل سنت وجماعت پر تھے اور اشاعرہ وماتریدیہ جو اصول کلام کے آئمہ گزرے ہیں سب نے سلف کے مذہب کی ہی تائید کی ہے اور دلائل عقلیہ کے ساتھ اس مذہب کا اثبات فرمایا ہے اور جو کچھ سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت میں آچکا ہے ان حضرات نے اسی کی تاکید کی ہے۔ اس بنا پر ان کا نام اہل سنت وجماعت پڑ گیا ہے۔ ان کا مذہب اعتقاد قدیم ہے ان کا طریقہ احادیث نبوی ﷺ کی اتباع، سلف کے آثار کی اقتداء، عقول، آراء اور خواہشات پر اعتماد نہ کرنا اور نصوص کو ان کے ظاہر معنی پر رکھنا ہے۔ مگر بوقت بخلاف دوسرے فرقوں مثل معتزلہ وشیعہ کے اور ان لوگوں کے جو ان کے اعتقادات کے موافق ہیں کہ انہوں نے فلسفہ سے سہارا لیا اور ان کے اوہام

وآراء کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح متقدمین ومحققین، مشائخ صوفیہ جو طریقت کے استاد، زاہد وعابد، مرتاض ومتورع اور متقی اور جناب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتے ہیں اور آپ نے نفس کی طرف نیکی کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت کی نسبت کرنے سے بری اور پاک تھے۔ یہ سب حضرات اسی مذہب اہل سنت وجماعت پر ہوئے ہیں جیسا کہ ان کی کتب معتبرہ ومعتمدہ سے معلوم ہوتا ہے اور تعرف میں (جو اس گروہ کی کتابوں میں معتمد ترین کتاب ہے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی شان میں فرمایا "لولا التعرف، عرفنا التصوف" اگر تعرف نہ ہوتی تو ہم تصوف کو نہ پہچان سکتے۔ صوفیہ کے عقائد جن پر ان کا اجماع ہے بیان کیے ہیں۔ وہ سب بلا کسی کمی وبیشی کے اہل سنت کے عقائد ہیں۔ جو دعویٰ ہم نے کیا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت وجماعت ہیں تو اس کی صداقت اس سے بھی ظاہر وواضح ہے کہ حدیث شریف، تفسیر، کلام، فقہ، تصوف، سیرت وتاریخ کی معتبر کتابیں جو مشرق ومغرب میں مذکور ومشہور ہیں سب جمع کی جائیں اور مخالفین بھی اپنی کتابیں لائیں تو حقیقت حال بالکل ظاہر ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ دین اسلام میں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ ہر منصف اور متعصب وہٹ دھرمی سے کنارہ کش انسان اس حقیقت کا برملا اعتراف کرے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی راہ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے (اشعۃ اللمعات کے اردو ترجمہ کا بیان ختم ہوا)

فرقہ ناجیہ فقط سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت

اب یہ ضروری ہے کہ فرقہ ناجیہ، سواد اعظم، اہل سنت و جماعت کے متعلق کچھ تحریر کر دیا جائے تا کہ قارئین حضرات کو معلوم ہو سکے یہ ناجیہ فرقہ کون سا ہے۔ اس کے لئے کتاب ''فضائل درود شریف وفضائل سلام'' تصنیف مولانا محمد رفیق کیلانی مدظلہ العالی (ایم اے عربی اسلامیات) گولڈ میڈلسٹ مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ سے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا اعمال امت پر حاظر و ناظر ہونے پر اجماع امت اور اجماع کے خلاف چلنا گمراہی

یہ حقیقت ہے کہ امت کے اندر مختلف مسائل پر مختلف علمی انداز میں اختلاف موجود رہا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ کہ حضور اقدس ﷺ امت کے اعمال پر حاظر و ناظر ہیں۔ یہ اجماعی عقیدہ ہے اور جس چیز پر اجماع امت ہو یعنی ساری حضور پاک ﷺ کی امت متفق ہو اس کے خلاف جو آدمی چلے، قرآن وحدیث کی رو سے صریحاً گمراہی پر ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دیوبند سے جو کتاب چھپی ہے اس کی عبارت ملاحظہ کریں۔

فارسی عبارت کا اردو ترجمہ: ''یعنی علمائے امت میں اتنے اختلافات و کثرت مذاہب کے باوجود کسی شخص کو اس مسئلہ میں آج تک کوئی اختلاف نہیں کہ حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی حیات دنیوی میں کسی شبہ کسی مجاز کسی وہم اور کسی تاویل کا کوئی عمل دخل نہیں اور آپ رؤف و رحیم ﷺ امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ نیز طالبان حقیقت کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو حضور پرنور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی جانب توجہ رکھتے ہیں حضور اقدس ﷺ ان کو فیض بخشنے والے اور ان کی تربیت کرنے والے ہیں۔

(مکتوب سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل مع اخبار الاخیار مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ص ۱۶۱)

مقام غور

ذرا یہ اجماع امت ملاحظہ کریں کہ گیارہویں صدی تک کسی مذہب کے کسی عالم کو اس میں شک نہ تھا۔ سب مانتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ آپ کی حیات طیبہ حقیقی ہے اور جو بھی آپ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں متوجہ ہوتا ہے حضور اقدس نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ ان کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اس اجماع امت کے ساتھ ذرا صحاح ستہ کی درج ذیل احادیث بھی ملا کر پڑھیں۔

(۱) ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو یا فرمایا امت محمدیہ ﷺ کو کبھی گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اور فرمایا جو جماعت سے الگ ہو گیا وہ اکیلا ہی آگ میں ڈالا جائے گا''۔ (رواہ الترمذی)

(۲) ترجمہ: ''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کرو اور بے شک جس نے سواد اعظم کو چھوڑا وہ تنہا دوزخ میں ڈالا جائے گا''۔ (ابن ماجہ)

(۳) ترجمہ: ''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی ہٹا تو اس نے اسلام کا پٹا اپنی گردن سے اتار پھینکا''۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

(۴) ترجمہ: ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسانوں کے لئے اس بکری کے بھیڑیے کی طرح ہے جو گلے سے بچھڑ جائے اور گلے سے دور ہونے والی ہو۔ کیونکہ بھیڑیا گلے کے کنارہ والی بکری کو آسانی سے پکڑ لیتا ہے۔ لہٰذا تم گروہ بندیوں

سے بچو اور تم پر لازم ہے کہ جماعت اور عام امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ رہو"۔

یہ تمام احادیث مبارکہ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل سوئم سے ہم نے نقل کی ہیں اور مولف نے بھی مشکوٰۃ شریف سے ملا لیا ہے۔

اہل سنت و جماعت کی صداقت کے لئے چھ امور

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے درج ذیل چھ امور روز روشن کی طرح واضح ہوئے۔

(۱) امت محمدیہ ﷺ قیامت تک کسی دور میں بھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

(۳) جو مسلمانوں کے کسی بھی متفقہ اور اجماعی عقیدہ سے جدا ہو گیا وہ آگ میں گیا۔

(۴) فرمایا سواد اعظم یعنی میری امت کی بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

(۵) فرمایا گلے اور ریوڑ سے بچھڑنے والی بکری اور دور رہنے والی بکری کو بھیڑیا پکڑ لیتا ہے۔ لہٰذا ایسی غلطی کہ ساری امت سے الگ الگ فرقہ بنانا یہ غلطی نہیں کرنی چاہئے اور فرمایا تم پر لازم ہے کہ جماعت اور اجماع امت کے دامن میں رہو۔

(۶) فرمایا جو ایک بالشت بھر بھی جماعت سے ہٹا تو حقیقت میں اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

ان احادیث مبارکہ میں ذرا غور و فکر کریں اور اب پوری امت کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر اجماع امت نقل فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں آج تک باوجود کثرت مذاہب کے کسی ایک عالم نے بھی مسئلہ مذکورہ میں اختلاف نہیں کیا۔ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ آج کے وہابی یا جو بھی اپنے اعمال پر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔ انہیں محولہ بالا احادیث مبارکہ پکار پکار کر دعوت عمل دے رہی ہیں اور امت کا اجماع کہ حضور ﷺ اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ دعوت ایمان دے رہا ہے۔

اے عزیز سوچنا چاہئے کہ ساری امت اور وہ بھی مسلسل گیارہ صدیاں تک تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتی۔ ذرا اپنی طرف دھیان کرنا چاہئے کہیں تیرے ساتھ ہی شیطانی معاملہ تو نہیں ہے۔ آج وقت ہے آقا کی بارگاہ اقدس میں گنبد خضریٰ کا تصور جما کر یوں سمجھ کہ میں آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں ہوں۔ حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضری کی نیت سے درود شریف پڑھ اور آپ کا لطف و کرم مانگ۔ حضور پر نور ﷺ انشاء اللہ تعالیٰ تجھے فیض عطا کریں گے۔ اللہ کریم سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ حاضر و ناظر کے مسئلہ پر ضمناً لکھ دیا گیا ویسے میرا یہ موضوع نہیں اس لئے اس پر مزید نہیں لکھنا چاہتا کیونکہ اس مسئلہ کو صحیح طور سمجھانے کے لئے ایک مکمل کتاب درکار ہے۔ (فضائل درود شریف کتاب کا بیان ختم ہوا)

اب فرقہ ناجیہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے بارے کتاب "مقالات کاظمی جلد نمبر ۳" از افادات امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ ناشر بزم سعید ملتان سے مذکورہ امام اہل سنت کا ایک مدلل تفصیلی بیان (ص ۵۹۰ تا ۵۹۶) تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور قارئین کرام سے التجا کرتا ہوں کہ ذرا ہٹ دھرمی اور ضد سے ہٹ کر ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچ کر فیصلہ خود کریں کہ اہل سنت و جماعت صراط مستقیم پر چل رہی ہے یا کوئی اور فرقہ۔ اللہ تعالیٰ صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فرقہ ناجیہ

سواد اعظم، اہل سنت و جماعت

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

عن انس بن مالك قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان امتی لا تجمع علی ضلالة فاذا رأیتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضور نے ارشاد فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی جب تم اختلاف دیکھو تو سب سے بڑی جماعت کو لازم پکڑو''۔

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ اسلام میں فرقہ بندی کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف وافتراق کی بابت پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

والذی نفس محمد بیده لتفرقن امتی علی ثلث و سبعین فرقة فواحدة فی الجنة وثنتان و سبعون فی النار. (ابن ماجه)

ترجمہ: اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہو جائے گی (ان میں سے) ایک جنت میں جائے گا اور ۷۲ دوزخ میں جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی انسانی فطرت کے عین مطابق تھی نظام کائنات اور رفتار زمانہ بھی اس پر شاہد ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نسل انسانی ابتداً چند اصولوں کو تسلیم کر لیتی ہے پھر مرور زمانہ کی وجہ سے اس کے بعض افراد کے خیالات میں ان مانے ہوئے اصولوں کے متعلق تفاوت اور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے بلکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد وہ اختلاف کچھ ایسی نوعیت اختیار کر لیتا ہے کہ اس جماعت میں سے ایک فرد بھی مسلمہ اصول پر قائم نہیں رہتا لیکن آسمانی اور الہامی اصول اور سچے دین کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس دین کو قبول کرنے والوں میں سے ضرور ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو اس کثرت اختلاف کے باوجود بھی حق وصداقت پر قائم رہتی ہے اور فرقہ بندی کا طوفان اس کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتا۔

مختصر یہ کہ غلط اصول کا ذکر ہی کیا؟ جب ان کی بنیاد ہی باطل پر ٹھہری تو ان میں حقانیت وصداقت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ الہامی اور آسمانی تعلیمات میں بھی نسل انسانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ مدت مدید کے بعد ان کو قبول کرنے والوں کی اتنی قلیل تعداد حق وصداقت پر باقی رہی کہ اسے ۷۱ یا ۷۲ یا ۷۳ حصوں میں سے ایک حصہ کہا جا سکتا ہے۔ انسان کی اس فطرت کے ساتھ گردش کائنات کا نقشہ بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ رفتار زمانہ کے اثر سے زمانیات میں جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کا انکار بھی نہیں ہو سکتا زمانیات کے بہت تھوڑے افراد ایسے ہوتے ہیں جو اس گردش لیل ونہار سے متاثر ہو کر مختلف اور متفاوت نہیں ہوتے اور اپنے پہلے حال پر قائم رہتے ہیں۔

بہر حال اس فطری اصول کے موافق ہادی اعظم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی عقل سلیم کے عین مطابق ہے اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف امت کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ عین حق وصواب پر مبنی تھا۔

لیکن اس مقام پر جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس دور اختلاف وافتراق میں حق پسند اور نجات پانے والے گروہ کا کیسے پتہ چلے اور کیوں

کر معلوم ہو کہ موجودہ فرقوں میں حق پر کون ہے۔

اس حدیث پاک میں حضورا کرم ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

فاذا رایتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم.

ترجمہ: جب تم اختلاف دیکھو تو سب سے بڑی جماعت کو لازم پکڑو۔

یہاں اختلاف سے مراد اصولی اختلاف ہے جس میں ''کفر وایمان'' اور ''ہدایت واختلاف'' کا فرق پایا جائے۔فروعی اختلاف ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ تو رحمت ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ''اختلاف امتی رحمة'' (میری امت کا (فروعی) اختلاف رحمت ہے)۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر موجودہ اسلامی فرقوں میں اس بڑے فرقے کو تلاش کیجئے جو باہم اصولاً مختلف نہ ہوں اور جس قدر اسلامی فرقے اس کے ساتھ اصولی اختلاف رکھتے ہوں وہ ان سب میں بڑا ہو تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کو ایسا فرقہ اہل سنت و جماعت کے سوا کوئی نہ ملے گا۔جس میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، اشعری، ماتریدی سب شامل ہیں یہ سب اہل سنت ہیں اور ان کے مابین کوئی ایسا اصولی اختلاف نہیں جس میں کفر وایمان یا ہدایت وضلالت کا فرق پایا جائے۔

حنفی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اختلافی مسائل میں خطا اجتہادی پر تسلیم کرتے ہیں مگر ان کے مسائل کو (خطا اجتہادی پر مبنی ہونے کے باوجود) ان کے حق میں ہدایت سے خالی نہیں سمجھتے۔بخلاف معتزلہ مرزائیہ روافض وخوارج وغیرہم کے کہ ان میں بعض گروہ ایسے ہیں جو اہل سنت کے نزدیک دائرہ اسلام وایمان سے خارج ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ہدایت سے بے بہرہ ضلالت میں مبتلا ہیں۔

لہٰذا اس دور پرفتن میں حدیث مذکور کی رو سے سواد اعظم واہل سنت تو جماعت کا حق پر ہونا ثابت ہوا جیسا کہ شیخ عبدالغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ میں اسی حدیث پر ارقام فرماتے ہیں:

فهذا الحديث معيار عظيم لاهل السنه والجماعته شكر الله سعيهم فانهم هم السواد الاعظم وذلك لا يحتاج الى برهان فانك لرنظرت الى اهل الاهواء باجمعهم اثنتان و سبعون فرقة لا يبيلغ عددهم عشر اهل السنة واما اختلاف المجتهدين فيما بينهم وعذالك اختلاف الصوفية الكرام والمحدثين العظام والقراء الاعلام فهو اختلاف لا يضل احدهم الاخر، الخ. (ابن ماجہ ص ۲۹۲)

یعنی یہ حدیث اہل سنت و جماعت (اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے) کے لئے معیار عظیم ہے بے شک وہی سواد اعظم ہے اور یہ امر کسی برہان کا محتاج نہیں تمام اہل ہوا باوجودیکہ بہتر فرقے ہیں ان کو اگر تم دیکھو تو وہ اہل سنت کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔رہا مجتہدین اور اسی طرح صوفیائے کرام اور محدثین عظام اور قراء اعلام کا باہمی اختلاف تو وہ ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے کی تذلیل نہیں کرتا۔

یہاں بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ **منهم المومنون واكثرهم الفاسقون** ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔نیز ارشاد فرمایا: **اعملوا آل دائود شكرا و قليل من عبادى الشكور**۔عمل کرواے آل داؤد علیہ السلام شکر کا اور کم ہیں میرے بندوں سے شکر کرنے والے''۔

ان کے علاوہ اور آیات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومن اور نیک بندے قلیل ہیں۔اسی لئے یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔لہٰذا قابل قبول نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مدار نجات ایمان پر ہے ایمان رکھنے والوں میں بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوتی ہے جو حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کی پوری شکر گزاری کرنے والے اور کامل مومن ہوں۔

دوسرے یہ کہ جن آیتوں میں مومنین کو قلیل اور کفار کو کثیر فرمایا گیا ہے وہاں کفار سے وہ بہتر فرقے بالخصوص مراد نہیں جو مدعی اسلام ہیں بلکہ وہاں کفار سے عام کفار مراد ہیں جن میں اسلام کے مدعی اور منکر سب شامل ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ اسلام کے مدعی اور منکر تمام جہان کے کافروں کے مقابلہ میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت کو لایا جائے تو یہ ضرور قلیل ہوں گے اور وہ کفار یقیناً کثیر ہوں گے۔ لہٰذا قرآن وحدیث میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرقہ ناجیہ کے متعلق فرمایا ہے کہ **ما انا علیه و اصحابی**۔ ناجی گروہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے مسلک پر ہو۔ اس حدیث میں سواد اعظم کا ذکر نہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ حدیث سواد اعظم والی کے خلاف نہیں بلکہ اس کو اور واضح کر رہی ہے۔ کیوں کہ ''**ما انا علیه و اصحابی**'' والی حدیث میں یہ اجمال باقی ہے کہ حضور ﷺ اور حضور کے صحابہ کے موافق کون ہے؟

۷۳ فرقوں میں سے ہر فرقہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا عقیدہ اور مذہب حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے موافق ہے اس صورت میں ناجی گروہ کا پتہ نہیں چل سکتا ''**علیکم بالسواد الاعظم**'' والی حدیث نے اس اجمال کو دور کر دیا اور اس امر کو واضح کر دیا کہ جتنے فرقے اس امر کے مدعی ہوں گے کہ ہمارا دین و مذہب حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے موافق ہے وہ سب جھوٹے ہوں گے میرے دین پر جو جماعت صحیح معنی میں قائم رہے گی وہ سواد اعظم ہوگی۔ لہٰذا تم سواد اعظم ہی کو لازم پکڑنا۔

اس مقام پر ایک اعتراض کا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ کہ حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ میری اُمت میں ۷۲ فرقے ناری ہوں گے اور ایک ناجی ہوگا حالانکہ اگر ان فرقوں کو دیکھا جائے جو ہمارے نزدیک ناری ہیں تو ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز کر چکی ہے۔ پھر اہل سنت کا وہ ایک فرقہ ہمارے نزدیک ناجی ہے اس میں بھی متعدد گروہ پائے جاتے ہیں۔ جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، علیٰ ہذا القیاس صوفیاء کرام اور علماء متکلمین وغیرہم میں بہت سے گروہ ہیں۔ حالانکہ ہم ان سب کو ناجی سمجھتے ہیں اس حدیث سے تو یہ ثابت ہے کہ ناجی فرقہ صرف ایک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارک میں ۷۲ ناری فرقوں سے وہ فرقے مراد ہیں جو کفر والحاد اور گمراہی و بے دینی کا سرچشمہ اور جڑ ہیں۔ اسی طرح ایک ناجی گروہ سے نجات پانے والا فرقہ مراد ہے جو اسلام وایمان ہدایت ورحمت کا منبع اور اصل بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک جڑ سے کئی شاخیں نکلتی ہیں مگر ان کی اصل وہی جڑ ہے جس سے وہ نکلتی ہیں۔ شاخوں کی کثرت سے جڑوں کی کثرت لازم نہیں آتی۔ جیسے ایک قبیلے میں کئی خاندان ہوتے ہیں اور ہر خاندان میں کئی گھر اور ہر گھر میں کئی افراد اسی طرح گمراہی کی ۷۲ جڑوں اور ضلالت کے بہتر قبیلوں سے سینکڑوں کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بھی اگر شاخیں اور خاندان دافراد پیدا ہو جائیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی اصل اور قبیلے بھی اتنی ہی تعداد میں ہوں۔ مختصر یہ کہ جس طرح گمراہی کی ۷۲ جڑوں سے سینکڑوں ہزاروں شاخیں پیدا ہو گئیں (جنہیں فرقوں میں شمار کیا گیا) اسی طرح ہدایت کی ایک جڑ سے کئی شاخیں پیدا ہوئیں۔ مگر یاد رکھئے ضلالت کی جڑ کی ہر شاخ ضلالت ہوگی اور ہدایت کی جڑ سے جو شاخیں نمودار ہوں گی وہ سب ہدایت قرار پائیں گے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**۔ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا (اس سے کہ وہ جہاد جانی ہو یا مالی جسمانی ہو یا روحانی ہو جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر ہو) ہم انہیں اپنی راہوں کی طرف رہنمائی فرمائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سبیل کی بجائے سبل فرمایا یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ہم انہیں اپنی راہ کی طرف راہنمائی فرمائیں گے۔ بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اپنی راہوں کی طرف رہنمائی فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ سبیل خداوندی ایک نہیں بلکہ متعدد ہیں اور وہی ہیں جن کا مبداء اور مرکز فرقہ ناجیہ السواد الاعظم اہل سنت و جماعت ہو۔ جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی، ماتریدی، اشعری وغیرہم۔

ثابت ہوا کہ اس اختلاف وافتراق کے دور میں نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ حدیث مبارکہ ''**علیکم بالسواد الاعظم**'' کے مطابق مسلمانوں کے سب سے بڑے گروہ اہل سنت و جماعت کو لازم پکڑ لیا جائے اور اس کے علاوہ دیگر تمام مذاہب باطلہ سے علیحدگی اختیار کی

جائے۔[1] (مقالات کاظمی)

واللّٰہ الموفق للهداية وهو المرسل الى سبيل الرشاد.

اب مرشد کامل مبلغ اسلام پاسبانِ مسلک شیر ربانی فخر اہلسنت جناب الحاج سیّد عظمت علی شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم العالیہ زیب آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کے خصوصی ارشاد سے مذہب حق اہلسنت و جماعت ہی ہے تحریر کیا جاتا ہے۔

مذہب حق اہل سنت و جماعت ہی ہے، کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔

چونکہ اللہ کے انعام یافتہ گروہوں کا ذکر ہماری اس کتاب کا موضوع ہے لہٰذا انبیاء، صدیقین اور شہداء کے بعد ''صالحین'' کا گروہ اب تا قیام قیامت جلوہ گر ہے اور جلوہ گر رہے گا اس پاک گروہ میں شامل جملہ اولیاء کرام، علماء ربانی اور صالحین کے اس مقدس گروہ سے نسبت باطنی رکھنے والے جملہ مسلمانان عالم صرف اور صرف اہل سنت و جماعت ہی ہیں اور آئندہ بھی صرف اور صرف اہل سنت و جماعت ہی ہوں گے۔ اہل سنت ہی اہل حق ہیں۔ اہل سنت ہی اہل نجات ہیں۔ اہل سنت ہی طائفہ منصور ہیں۔ اہل سنت ہی سواد اعظم ہیں اور اہل سنت ہی اولیاء اللہ کی جماعت ہیں۔

مناظر اسلام علامہ سید محمد عرفان شاہ صاحب مشہدی نے اپنی کتاب ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل حق کی نظر میں'' میں ضمناً ص ۸ تا ص ۱۲ اہل سنت و جماعت کی حقانیت پر بڑے مضبوط دلائل دیئے ہیں ملاحظہ ہوں۔

سید الاولین والاخرین جناب حضرت سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

تفرق امتی علی ثلثه و سبعین فرقه کلهم فی النار الا ملتة واحدة فقالوا من هی یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال ما انا علیه واصحابی وفی روایة وهی الجماعته. (ترمذی عن ابی ہریرہ، صحیح المستدرک علی الصحیحین)

ترجمہ: ''میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی وہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے، صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا گروہ ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری سنت اور میرے صحابہ کے طریقے کی پیروی کرنے والا ہوگا۔''

اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت ہوں گے۔ یعنی اس روایت میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اس طرح بتایا گیا ہے۔

اخبر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة الناجیة منها واحدة والباقون هلکی قیل ومن الناجیة قال اهل السنة والجماعة قیل وما السنة والجماعة، قال: ما انا علیه واصحابی.

(الملل والنحل ج ا طبع قاہرہ)

ترجمہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت تہتر فرقو میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک گروہ نجات پانے والا ہوگا اور باقی ہلاک ہو جائیں گے، عرض کیا گیا نجات پانے والا گروہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: اہل سنت و جماعت۔ عرض کیا گیا سنت و جماعت کا کیا مطلب؟ فرمایا: جس پر میں اس وقت ہوں اور میرے صحابہ کی جماعت''۔

ایک اور روایت میں ہے:

(۱) مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کتاب الایمان و کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کے باب سے جو اشعۃ اللمعات اُردو جلد نمبر ا ص ۴۵۷، ۴۵۸ پر درج ہے اس کا اردو ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کیا اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل لرز اٹھے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ وعظ تو ہم سے وداع ہو جانے والے شخص کا وعظ تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کوئی وصیت فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، تعمیل حکم اور فرمانبرداری اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلاف دیکھے گا تو تم میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا اسے مضبوطی سے تھامنا اور پوری قوت کے ساتھ چمٹے رہنا اور دین میں نئے ایجاد کردہ امور سے دور رہنا کہ دین میں ہر نئی پیدا کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

انہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام لما قال الناجی منھا واحدۃ قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھم؟ قال اھل السنۃ والجماعۃ، فقیل ومن اھل السنۃ والجماعۃ؟ قال ما انا علیہ واصحابی. (احیاء العلوم امام غزالی، ج۳ طبع مصر)

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ان تہتر فرقوں میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہوگا تو صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ وہ نجات پانے والا ایک کون ہے؟ فرمایا: اہل سنت و جماعت تو عرض کیا گیا، اہل سنت و جماعت کون ہیں؟ فرمایا: جو طریقہ نبوی ﷺ اور جماعت صحابہ کے پیروکار ہیں''۔

افتراق امت کے متعلق اس حدیث پاک کے تحت محدث کبیر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لاشک ولا ریب انھم ھم اھل السنۃ والجماعۃ وانھم اثنان وسبعون فرقۃ کلھم فی النار والفرقۃ الناجیہ ھم اھل السنۃ. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۸، ص۳۲۸)

ترجمہ: ''اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہے۔ بہتر (۷۲) فرقے سب کے سب دوزخ میں جائیں گے اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہے''۔

غوث الثقلین حضرت امام سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ. (غنیۃ الطالبین ج۸، ص۸۵)

ترجمہ: ''نجات پانے والا فرقہ صرف اہل سنت و جماعت ہی ہے''۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طریق النجاۃ متابعۃ اھل السنۃ والجماعۃ فی الاقوال والافعال وفی الاصول، وفی الفروع فانھم فرقۃ ناجیۃ وما سواھم من الفرق فھم فی معرض الزوال وشرف الھلک علمہ الیوم احد اولم یعلم اما فی العقد فیعلمہ کل احد ولا ینفع. (مکتوبات امام ربانی، ج۱، ص۸۶، مکتوبات ۶۹ طبع لاہور)

ترجمہ: ''اقوال وافعال اور اصول و فروع میں اہل سنت کی پیروی کرنا ہی راہ نجات ہے کیونکہ اہل سنت و جماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے اور ان کے سوا دوسرے فرقے سب زوال پذیر اور ہلاک کے کنارے پر ہیں۔ آج کوئی اس حقیقت کو جانے، یا نہ جانے مگر کل قیامت کے دن ہر ایک اس حقیقت کو جان لے گا لیکن اس وقت جاننا سودمند نہ ہوگا''۔

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفرقۃ ناجیۃ اھل السنۃ والجماعۃ. (شرح مشکوٰۃ: ج۱، ص۸۶)

ترجمہ: ''فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہے''۔

شیعہ فرقہ کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ہے: حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اہل جماعۃ، اہل فرقہ، اہل البدعۃ اور اہل سنت کون لوگ ہیں؟ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

واما اھل السنۃ فالمستمسکون بما سنۃ اللہ و رسولہ وان قلوا واما اھل البدعۃ فامخالفون لامر اللہ ولکتابہ ولرسولہ والعاملون برایھم واھواھم وان کثروا. (احتجاج طبرسی: ۹۲ طبع تہران)

ترجمہ: ''اہل سنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے اور اپنی آراء اور خواہشات کی پیروی کرنے والے ہیں، اگرچہ وہ زیادہ ہوں''۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب جامع الاخبار میں ایک طویل حدیث قدسی مرقوم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اقدس ﷺ کو اہل سنت و جماعت کے لئے یہ خوشخبری سنائی۔

لیس علی من مات علی السنة والجماعة عذاب القبر ولا شدة یوم القیمة یا محمد من احب الجماعة احبه الله والملائکة اجمعون. (جامع الاخبار شیعی: ص ۹۰ فصل سی و ششم)

ترجمہ: "اے محمد ﷺ جو شخص مذہب اہل سنت و جماعت پر مرے گا اسے نہ قبر میں عذاب ہوگا اور نہ اس پر روز قیامت کی سختی ہوگی، جو اس جماعت سے محبت کرے گا، اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتے اس سے محبت کریں گے"۔

احادیث مبارکہ، اکابر اولیاء کرام کے فرامین اور شیعہ غالیہ کی کتابوں کی تصریحات سے روز روشن سے زیادہ واضح ہے کہ اہل سنت و جماعت اہل حق ہیں، اہل نجات ہیں، سواد اعظم ہی، افتراق و انتشار کے اس شور و شر میں صراط مستقیم پر گامزن قافلہ عشق و محبت اور جمہور اہل اسلام اہل سنت و جماعت ہی ہیں۔

مناظر اسلام فرماتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت بھائیوں سے ایک خصوصی التماس ہے کہ شیعہ اور وہابی فرقہ سے ملتے جلتے عقیدے رکھنے والے نام نہاد سنی مولویوں سے قطعی طور پر الگ رہیں اور کلید در جنت مذہب حق اہل سنت و جماعت ہاتھ میں رکھتے ہوئے جہنمیوں کے واویلا کو ہرگز خاطر میں نہ لائیں۔ اہل سنت ہی اہل حق ہیں، اہل سنت ہی اہل نجات ہیں، اہل سنت ہی طائفہ منصورہ ہیں، اہل سنت ہی سواد اعظم ہیں اور اہل سنت ہی اولیاء اللہ کی جماعت ہیں۔

الحمد للہ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ عقائد اہل سنت و جماعت پر کاربند رہنا اور ان کے مطابق اعمال صالحہ بجالانا ہی حق ہے۔ اور یہی مدار نجات ہے۔ دور حاضر میں چونکہ وہابی، دیوبندی اور دیگر کئی ناموں سے خارجیت حسب سابق پھیل رہی ہے اور بھیس بدل بدل کر ظہور پذیر ہوئی ہے جو صراط مستقیم مسلک اہل سنت و جماعت سے عقائد و معمولات سے ہٹ کر ٹھوکر کھانے کا نتیجہ ہے۔ لیکن احقاق حق کے لئے بعض اوقات من جانب اللہ ایسے بدبختوں کے قلم سے بھی اہل سنت کی صداقت آشکار ہوتی ہے جن میں سے چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

کتاب "فضائل درود و سلام" کا بیان

میلاد شریف کا حق ہونا

(۱) امداد المشتاق مصنفہ اشرف علی تھانوی و مولوی مشتاق احمد ص ۵۰ میں مرشد دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ارشاد درج ہے "فرمایا کہ مولود شریف تمام اہل حرمین کرتے ہیں اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہو سکتا ہے۔ البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں، نہ چاہئیں اور قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہتا البتہ مجھ کو قیام میں ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے"۔

(۲) شاہ عبد الرحیم نے بھی مجلس میلاد شریف قائم کی اور قیام کیا"۔ (تذکرۃ الرشید ج اول ص ۳۲)

(۳) مولوی اشرف علی تھانوی بھی محفل میلاد شریف میں قیام کرتے رہے۔ (تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۱۱۶)

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا ثبوت

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہنا صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لئے جائز ہے۔ (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۹۶)

عرس شریف میں شرکت

اشرف التنبیہ ص ۶۷ پر ہے کہ ابتداء میں اکابرین دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی دونوں خود عرس مبارک منعقد کراتے

رہے اور عرس شریف کی محافل میں شامل ہوتے رہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مفہوم

مولوی غلام اللہ خان دیوبندی نے جواہر القرآن ص ۵۴ پر شاہ عبدالقادر کو امام المترجمین تسلیم کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن میں چاروں مقامات پر مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا ترجمہ یہی کیا ہے "اور وہ جانور (حرام ہے) جس پر پکارا جائے غیر اللہ کا نام بوقت ذبح"۔

شاہ ولی اللہ

اپنے ترجمہ قرآن پاک میں فرماتے ہیں "وآنچہ نام غیر خدا بوقت ذبح او یاد کردہ شود"

چونکہ آیت مبارکہ کا ما قبل میتة اور دم اور لحم خنزیر حیوانات سے تعلق رکھتے ہیں اس واسطے ما اهل به لغير الله بھی حیوانات پر ہی منطبق ہوسکتا ہے نہ کہ اولیاء اللہ سے منسوب چیزوں پر جیسے غوث پاک کے نام کا بکرا، گیارہویں شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ۔

ندائے غیب واستمداد پر چھلا جواب دیوبندی حوالہ جات

(۱) قصائد قاسمی صفحہ ۸ پر ہے:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

(۲) قصائد قاسمی ص ۳۶ پر مولوی ضیاء الدین رام پوری حافظ محمد ضامن کو لکھتے ہیں:

تیرا سایہ ہو جس پر اس پہ ہو اللہ کا سایہ خدا راضی ہو تو راضی و شاہا جس مسلماں سے

(۳) تذکرۃ الرشید جلد ا ص ۲۰۶ پر انہی حکیم ضیاء الدین صاحب نے غرقاب ہونے والے جہاز کے لئے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حافظ محمد ضامن صاحب کو دونوں طرف سے جہاز کو کندھا دیتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ جہاز کنارے لگ گیا۔

(۴) تذکرۃ الرشید جلد ا ص ۱۱۴ پر ہے:

ارحم علی ایا غیاث فلیس لی کهفی سوی جلیسکم من زاد
یا سیدی لله شیاء انه انتم لی المجدی والی جاوی

(۵) امداد المشتاق ص ۱۱۶ (مصنفہ اشرف علی تھانوی و مولوی مشتاق احمد) پر حاجی صاحب مہاجر مکی اپنے پیر حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کو عرض کرتے ہیں:

اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا

(۶) نالہ امداد غریب مناجات ص ۸ پر حاجی صاحب مہاجر مکی تحریر کرتے ہیں:

اے رسول کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل اے میرے مشکل کشا فریاد ہے
گردن و پا سے میرے زنجیر و طوق یا نبی کیجئے جدا فریاد ہے
قید غم سے اب چھڑا دیجئے مجھے یا شہہ ہر دو سرا فریاد ہے
یا نبی احمد واپس لو بلا اس لئے صبح و مسافر یاد ہے

آمدم برسر مطلب

چونکہ انعام یافتہ لوگوں میں سے ہر کسی کے نزدیک حضرت مجدد الف ثانی مسلمہ شخصیت ہیں لہٰذا آپ کے حوالہ جات بطور فیصلہ پیش خدمت

ہیں۔

(۱) غوث الخلائق، کشاف الحقائق، امام ربانی قندیل نورانی سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی فاروقی حنفی ماتریدی رضی اللہ عنہ نے اپنے مکاتیب عالیہ میں جگہ جگہ اولاً تصحیح عقائد اور ثانیاً تصحیح اعمال پر زور دیا ہے چنانچہ مکتوب ۲۶۶، دفتر اول حصہ چہارم میں ارشاد فرماتے ہیں۔

''فرض نخستیں بر عقلا تصحیح عقائد است بموجب آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کہ فرقہ ناجیہ اند''۔

ترجمہ: ''عقل مندوں پر سب سے پہلا فرض اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کی حق و صواب پر مبنی آراء کے موافق اپنے عقائد کو درست کرنا ہے کیونکہ یہی گروہ نجات پانے والا ہے''۔

(۲) اسی طرح مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم حصہ ہفتم میں خان جہان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ ''سعادت و نجابت آثارا! آدمی را از تصحیح اعتقاد بموجب آرائے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضی اللہ عنہم کہ سواد اعظم و جم غفیر اند چارہ نبود تا فلاح و نجاح اخروی متصور شود و خبث اعتقاد کہ مخالف معتقدات اہل سنت است سم قاتل است کہ بموت ابدی و عذاب سرمدی بر ساند و مداہنت و مساہلت در عمل امید مغفرت دار د اما مداہنت اعتقادی گنجائش مغفرت ندارد اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ الایۃ نص قاطع است''۔

ترجمہ: اے نجابت اور نیک بختی کی نشانیوں والے! آدمی کے لئے نجات پانے والے گروہ یعنی اہل سنت و جماعت رضی اللہ عنہم جو کہ سب سے بڑی جماعت ہی اور جم غفیر ہیں، کی آراء کے مطابق اپنے اعتقاد کو درست کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے تا کہ اخروی کامیابی اور نجات متصور ہو سکے اور بد اعتقادی جو کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنے کا نام ہے زہر قاتل ہے کہ ابدی موت اور دائمی عذاب تک پہنچا دیتی ہے اگر عمل میں کچھ سستی اور کاہلی واقع ہو جائے تو مغفرت کی امید ہے البتہ اگر عقیدے میں سستی واقع ہوئی تو مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مقدس ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور اس کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ جسے چاہے معاف فرما دے''۔

(۳) سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۷۰ دفتر سوم حصہ ہشتم میں فرمایا۔ ''شریعت دو جزو دارد اعتقادی و عملی، اعتقادی از اصول دین است و عملی از فروع دین، فاقد اعتقاد از اہل نجات نیست و خلاصی از عذاب آخرت در حق او متصور نہ و فاقد عمل احتمال نجات دارد کہ امر او مفوض بہ میت او است سبحانہ و تعالیٰ اگر خواہد عفو فرماید و اگر خواہد بقدر ذنب عذاب کند خلود در نار مخصوص بفاقد اعتقاد اس و مقصور بر منکر ضروریات دین، فاقد عمل اگر چہ معذب شود اما خلود نار در حق او مفقود است''۔

ترجمہ: شریعت مطہرہ کے دو جزو ہیں ایک اعتقادی اور دوسرا عملی، اعتقادی کا تعلق اصول دین سے ہے اور عملی کا تعلق فروع دین سے۔ جس کا اعتقاد درست نہیں وہ اہل نجات سے نہیں ہے اور نہ ہی عذاب آخرت سے چھٹکارا اس کے حق میں متصور ہے اور بد عمل آدمی کی نجات کا احتمال ہے کیونکہ اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے چاہے تو معاف فرمائے اور اگر چاہے تو اس کے گناہوں کے اندازہ کے مطابق اسے عذاب دے آگ میں ہمیشہ رہنا صرف بدعقیدہ کے ساتھ مخصوص ہے اور ضروریات دین کے منکر پر مقصور ہے۔ فاقد عمل اگر چہ سزا پائے گا لیکن آگ میں ہمیشہ رہنا اس کے حق میں نہیں ہے۔

(۴) اسی طرح مکتوب ۱۵۷ حصہ سوم دفتر اول میں حکیم عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''سعادت آثارا آنچہ بر ما و شما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب و سنت علماء حق شکر اللہ سعیہم از کتاب و سنت آن عقائد را فہمیدہ اند و از آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما شما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع و ضال احکام باطلہ خود را از کتاب و سنت می فہمد و از اں جا اخذ می نماید والحال ''انه لا يغني من الحق شيئا''۔

ترجمہ: اے نیک بختی کی نشانیوں والے! جو چیز ہم پر اور آپ پر سب سے پہلے لازم ہے وہ یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کے تقاضے کے مطابق اپنے عقائد درست کریں اور وہ بھی اس طرح کہ جیسے علمائے حق (علمائے اہل سنت و جماعت) شکر اللہ سعیہم نے ان عقائد کو کتاب و سنت سے سمجھا ہے اور انہیں قرآن و سنت سے اخذ کیا ہے کیونکہ جو کچھ ہم نے خود قرآن و سنت سے سمجھا ہے اگر وہ ان بزرگوں (علمائے اہل سنت و جماعت) کے افہام

کے موافق نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے احکام باطلہ کو قرآن وسنت سے ہی سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے زعم میں وہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ حق سے اس کا ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہوتا''۔

قارئین! حضرت مجدد پاک رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کے عقائد کا قرآن وسنت کے مطابق برحق ہونا اور دیگر فرقوں کا ''بزعم خود حق'' ہونا نکھار کر رکھ دیا ہے اور ہر گروہ اپنے اپنے خیال میں خوش ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔(الروم)

مندرجہ ذیل عبارت رسالہ فرقہ ناجیہ تالیف مبلغ اہل سنت و جماعت مولانا محمد ضیاء اللہ صاحب قادری کوٹلوی خطیب جامع مسجد علامہ عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ تحصیل بازار سیالکوٹ سے نقل کی گئی ہے۔

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع حضرت قطب ربانی سید محمد ابوالہدیٰ آفندی صیادی حسنی خالدی رحمۃ اللہ علیہ تہتر (۷۳) فرقوں کی تقسیم اس طرح فرماتے ہیں (ترجمہ عربی عبارت کا) حدیث شریف میں فرقوں کے متعلق جو ذکر ہوا ہے وہ چار گروہوں پر منحصر ہے۔(۱) قدریہ ان کے اٹھارہ فرقے ہیں (۲) معتزلہ کے بھی اٹھارہ فرقے ہوگئے۔(۳) رافضی ان کے بھی شیعہ مذہب میں اٹھارہ فرقے بن گئے۔(۴) خارجی یہ بھی انہیں کی طرح اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہوگئے۔

تہتر واں فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے جو افضل طریقہ پر قائم ہیں اور افراط وتفریط کو چھوڑ کر درمیانہ مرتبہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پس وہ عقلاء، نجباء، اتقیاء اور اصفیاء حضرات ہیں۔ جن کے دم قدم سے کلمہ (دین وملت) کی جمعیت حالات قوم وامت کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے طفیل قوم کا حال امور دین و دنیا کے لحاظ سے درست ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو توفیق دی اور ان کے نقش قدم پر چل پڑا اور ان میں سے ہوگیا۔ بے شک فضل وکرم اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے جس پر چاہتا ہے فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

(الحقیقۃ الباہرۃ فی اسرار الشریعۃ الطاہرۃ ص ۲۷)

(کتاب ''وفضائل درود وسلام'' کا بیان ختم ہوا)

رسالہ ''ناجیہ فرقہ'' کا بیان

ما انا علیہ و اصحابی سے مراد

کون سا فرقہ ہے۔ اس کی وضاحت حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ [1] اس طرح فرماتے ہیں۔ الفرقة الناجية هم الصحابة فانه عليه السلام لما قال الناجي منها واحدة قالوا يا رسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة فقيل وما اهل السنة والجماعة قال ما انا عليه واصحابي۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا فرقہ ناجی ہے۔ اس لئے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کے متعلق ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی کہ وہ کون سا فرقہ ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل سنت و جماعت ہے تو صحابہ کرام کی جماعت نے عرض کیا کہ اہل سنت و جماعت کون ہیں تو ارشاد فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

(احیاء العلوم جلد۳ ص ۱۶۱ مطبوعہ نولکشور، الملل والنحل للشہر ستانی ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ مصر تنبیہ الغافلین للسمر قندی مطبوعہ مصر)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری فرماتے ہیں:

(۱) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ادنیٰ اوصاف میں سے چند ایک ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ تیس برس انہوں نے مغرب کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے اور ساٹھ برس دن کو روزہ رکھا۔ اور رات کو قیام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور تین سو ساٹھ حضرات کامل اکمل صاحب کشف وکرامات آپ کے مرید تھے۔
(انیس الجلیس ص ۱۲۰)

(الناجیة منها) ای من تلك الفرق (واحدة) ایے فرقہ واحدہ کمانی نسخة صحیحة وهم الذی قال فیهم النبی صلی الله علیه وسلم هم الذی علی ما انا علیه و اصحابی وهم اهل السنة والجماعة من الفقهاء کا الائمة الاربعة والمحدثین والمتکلمین من الاشاعره والماء تریدیة لخلو مذاهبهم من البدعة.

ترجمہ: جس پر نبی کریم ﷺ اوران کے صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں وہی صرف ایک فرقہ ناجی ہے اوروہ فرقہ اہل سنت و جماعت ہی ہے اوراس فرقہ میں فقہاء کرام جیسے آئمہ اربعہ (امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل) محدثین کرام اور متکلمین اشاعرہ اورابومنصور ماتریدیہ سے ہیں۔ان کے مذاہب بدعت سے خالی ہیں۔(شرح شفا شریف جلد اول ص ۶۷۹ مطبوعہ مصر)

فلا شك ولا ریب انهم هم اهل السنة والجماعة.

ترجمہ: پس اہل سنت و جماعت کے ناجی فرقہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۴ جلد اول)

اب وہابیوں دیوبندیوں کے امام اور پیشوا ابن تیمیہ کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ (ایک ناجی) فرقہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کون سا فرقہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هم من کان علی مثل ما انا علیه الیوم واصحابی:

یعنی وہ لوگ جس راہ پر ہیں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں۔اسی راہ کو اختیار کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت و جماعت ہی ایسی جماعت ہے جو کہ خالص اسلام پر کاربند ہے جس میں کسی قسم کا غبار اور ملاوٹ نہیں۔انہی لوگوں سے صدیق، شہید اور صالحین ہیں اورانہی میں سے ہدایت کے بڑے بڑے اسلام، روشن ستارے اور بڑے فضائل والے لوگ ہیں۔

انہی میں سے ابدال اور آئمہ دین پیدا ہوئے جنہوں نے لوگوں کو ہدایت دی اور خود بھی وہ حق پر چلتے رہے اور یہی طائفہ منصورہ ہے یعنی جس کی اللہ تعالیٰ ہمیشہ مدد کرے گا جن کے متعلق آنحضور ﷺ نے فرمایا:

لا تزال طائفة من امتی علی الحق منصورة لا یضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتی تقوم الساعة.

یعنی میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر جمی رہے گی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور نہ ہی اسے چھوڑ دینے والا اسے کوئی نقصان پہنچا سکے گا۔قیامت تک وہ اسی حالت پر قائم رہیں گے۔

(العقیدۃ الواسطیہ آخری صفحہ)

رحمت کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان ہے:اتبعوا السواد الاعظم۔ یعنی بڑی جماعت کی تابع داری کرو۔(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:ان امی لن تجتمع علی ضلالة فاذا رایتم الاختلاف فعلیکم بالسواد الاعظم۔بے شک میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر بڑی جماعت کی اتباع لازم ہے۔(کتاب النہایہ لابن کثیر ص ۱۸، مقاصد الحسنہ ص ۴۶۰ مستدرک للحاکم)

سواد اعظم سے مراد

شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سواد اعظم کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”باالجملہ سواد اعظم در دین اسلام مذہب اہل سنت و جماعت است“ یعنی دین اسلام میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے۔(فارسی جلد اول ص ۱۴۱، سطر ۶)

غوث صمدانی سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کان سفیان الثوری یقول المراد باالسواد الاعظم هم من کان اهل السنة والجماعة.

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں۔ (میزان کبریٰ ص ۶۳ جلد اول)

شاہ ولی اللہ دہلوی ایک مذہب کی پابندی کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجا عن السواد الاعظم۔

ترجمہ: سرکار دو عالم نور مجسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی جماعت کی اتباع کرو اور جب سوائے ان چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے سب ختم ہو گئے۔ لہٰذا ان کی اتباع کرنا سواد اعظم کی ہی پیروی کرنا ہے اور ان سے باہر ہونا سواد اعظم سے ہی باہر ہونا ہے۔ (عقید الجید ص ۳۳ سطر ا تا ۴ مطبوعہ دہلی)

قارئین کرام اب دیگر مستند حوالہ جات اہل سنت و جماعت کے برحق اور ناجی مذہب ہونے کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

حقانیت کے دلائل

شیخ المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کی حقانیت کے براہین واضحہ بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

بتواتر اخبار معلوم شدہ و بہ تتبع وتفحص احادیث و آثار متیقن گشتہ کہ سلف صالح از صحابہ و تابعین باحسان و من بعدھم ہمہ بریں اعتقاد و بریں طریقہ (اہل السنۃ والجماعۃ) بودہ اند یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب خبر تواتر احادیث شریفہ کی کتابوں سے سلف صالحین صحابہ کرام، تابعین اور ان کے مابعد والوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جملہ حضرات اہل سنت و جماعت کے عقیدہ اور طریقہ پر تھے۔

(فارسی ص ۱۴۰ جلد اول سطر ۲۱، ۲۲)

مندرجہ بالا عبارت کے ایک سطر بعد ہی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت موجود ہے۔

محدثین اصحاب کتب ستہ وغیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ مبنی و مدار احکام اسلام برآنہا افتادہ و آئمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ وغیرہم از انہا کہ در طبقہ ایشاں بودہ اند ہمہ بریں مذہب بودہ اند۔

یعنی کتب صحاح ستہ والے محدثین (امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ) اور ان کے علاوہ مستند اور مشہور کتابوں سے جن پر اسلام کے احکام کی بنیاد ہے اہل سنت و جماعت کے طریقہ اور مذہب پر ہیں اور مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے امام فقہاء وغیرہم بھی اسی طریقہ اہل سنت و جماعت کے مذہب پر تھے۔ (اشعۃ اللمعات ص ۱۴۰ سطر ۲۴، ۲۵)

مکتوبات شریف میں حضرت مجدد فرماتے ہیں:

بتقہائے آرائے اہل سنت و جماعت کہ فرقہ ناجیہ اند نجات بے اتباع ایں بزرگواراں ممکن نیست و اگر سر مو مخالفت است خطرہ در خطر است ایں سخن بکشف صحیح والہام صریح نیز بہ یقین پیوستہ است احتمال تخلف ندارد۔

ترجمہ: اہل سنت و جماعت کے مطابق اپنے عقائد کو رکھنا ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن اسی فرقہ اور گروہ کو نجات حاصل ہوگی اور ان کے عقائد کی پیروی کئے بغیر نجات بالکل ناممکن ہے اگر ایک بال برابر بھی ان کے عقیدہ کی مخالفت ہوگئی تو پھر خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ حقیقت بالکل صحیح کشف اور صریح الہام سے یقیناً ثابت ہو چکی ہے اور اس میں غلطی شائبہ تک نہیں۔

(مکتوبات شریف فارسی مکتوب نمبر ۵۹ ص ۴۷، ۷۵، جلد اول)

نخستین ضروریات برارباب تکلیف تصحیح عقائد است بروفق آرائے علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ نجات اخروی وابستہ باتباع آراء اب نمائے ایں بزرگواران است و فرقہ ناجیہ ہم ایشاں و اتباع ایشاو ایشانند کہ بر طریق آنسرور و اصحاب آنسرور واند صلوٰۃ

اللہ وتسلیمات علیہ وعلیہم اجمعین واز علومیکہ از کتاب وسنت اخذ کردہ اند وفہمیدہ زیرا کہ ہر مبتدع وضال عقائد فاسدہ نو درا بزعم فاسد خود از کتاب وسنت مفہوم مار ینہا معتبر نباشد۔

ترجمہ: ہر عاقل بالغ پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اہل سنت و جماعت کے علماء (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے) کے بیان فرمائے ہوئے عقائد کے مطابق وموافق اپنے عقیدے رکھے کیونکہ ان بزرگوں کے بیان فرمائے ہوئے عقائد کی اتباع اور پیروی میں ہی نجات اخروی ہے اور انہیں بزرگوں کا ہی فرقہ نجات حاصل کرنے والا ہے اور (اہل سنت و جماعت) انہیں کا فرقہ ہے جو نبی پاک صاحب لولاک محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقہ پر قائم ہے اور صرف انہیں بزرگوں اور علماء کے ہی قرآن پاک اور حدیث شریف سے اخذ کردہ مطالب علوم اور عقائد معتبر ہیں کیوں کہ ہر بدعقیدہ اور گمراہ آدمی قرآن پاک اور حدیث پاک سے ہی اپنے عقائد فاسدہ کا ثبوت پیش کرتا ہے مگر ہر شخص کے بیان کئے ہوئے معنے معتبر نہیں ہو سکتے۔

(مکتوبات شریف جلد اول مکتوب نمبر ۱۹۳، ص ۱۹۲ سطر ۲ تا ۸)

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب رسول
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

فرض نخستین بر عقلا تصحیح عقائد است بموجب آرائے صائبہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کہ از فرقہ ناجیہ اند۔

ترجمہ: ہر عقل مند پر اولین فرض ہے کہ اپنے عقائد کو اہل سنت و جماعت کے علماء کے مطابق رکھے (اللہ کریم ان کی کوششوں کو قبول فرمائے) کیونکہ صرف اور صرف یہی ناجی (جنتی) فرقہ ہے۔ (مکتوبات شریف ص ۲۱۱، ج ۱ مکتوب نمبر ۱۶۶ سطر ۱۰، ۱۱)

امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ(۱)

تحریر فرماتے ہی کہ اسماعیل فقیہہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو احمد حاکم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا ای الفرق اکثر نجاۃ عندکم تمہارے نزدیک کون سا فرقہ نجات پانے والا ہے۔ فقال اھل السنة پس انہوں نے ارشاد فرمایا: اہل سنت۔ (شرح الصدور ص ۱۱۹ سطر ۳۰، ۳۱)

غوث صمدانی حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ(۲)

فرماتے ہیں کہ بے شک تم اس کتاب (میزان کبریٰ) کو نظر انصاف سے دیکھو گے۔ تو اس صحیح عقیدہ کی تحقیق ہو جائے گی۔ ان سائر الائمة الاربعة ومقلدیھم رضی اللہ عنھم اجمعین علی لھدی من ربھم فی ظاھر الامر و باطنه یعنی بے شک چاروں امام اور ان کے مقلدین (حنفی، شافعی، مالک، حنبلی) امر ظاہر اور باطن میں خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ (المیزان الکبریٰ جلد اول ص ۷، سطر ۱۲، ۱۳)

شافعی مالک، احمد امام حنیف چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام

غیر مجتہد کے لئے تقلید ضروری ہے

سیدی شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تقلید کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مجتہد نہیں ہے بیحب علیه ذلك لئلا یضل فی نفسه

(۱) سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور پرنور ﷺ کی حالت بیداری میں بالمشافہ پچھتر (۷۵) مرتبہ زیارت کی ہے۔ (المیزان الکبریٰ ص ۴۴)

(۲) وہابیہ نجدیہ کے مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ مجھ نابکار (ابراہیم میر) کو ان سے کمال حسن عقیدت ہے میں نے ان کی کتب سے سلوک وفروع کے متعلق بہت فیض حاصل کیا میں نے ان کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی اور ان کی مرقد منور کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی (حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۰، ص ۱۱۵) اولیاء کاملین کے علاوہ ایک مشہور انگریز مستشرق نکلسن اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے کہ "ہمارے لئے مفید ہوگا کہ اگر ہم چند لمحات مسلمانوں کے آخری صوفی، عالم شیخ عبدالوہاب شعرانی کے ساتھ گزاریں۔ (تاریخ ادبیات عرب)

ویضل غیرہ اس پر کسی ایک مذہب (۱) معین حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، کا مقلد (۲) ہونا ضروری ہے تاکہ وہ خود بھی گمراہ نہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ نہ کر سکے۔ (میزان الکبریٰ جلد اول ص ۲۲ سطر ۷۷ ۸ مطبوعہ مصر)

حنفی مذہب

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ الباری امام الائمہ کاشف الغمہ امام الہمام سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب حنفی کے متعلق اپنی تحقیق اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ ان اللّٰہ تعالیٰ لما من علی با الاطلاع علی عین الشریعۃ رایت اطول الائمۃ جد ولا الامام ابا حنیفہ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ سے آگاہ فرما کر مجھ پر احسان فرمایا تو میں نے آئمہ اربعہ (علیہم الرحمۃ) سے سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دیکھی۔

کما کان مذہب الامام ابی حنیفۃ اول المذاہب المروتہ تدوینا فکذٰلک یکون اخرھا القراضا۔ یعنی جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے ایسے ہی وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا۔

(المیزان الکبریٰ ص ۲۹ جلد اول)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۳)

حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بدانچہ غذاے جملہ خلق است اشارت کنیم وآں اعتقاد تخم سعادت اوخواہد بود۔

ترجمہ: پس جان لو کہ تمام جہان کی غذا اہل سنت و جماعت کے اعتقاد ہیں۔ انہیں ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ہر کوئی ان اعتقادات کو اپنے دل میں جگہ دے کیونکہ یہ عقائد اس کی سعادت کا بیج ہیں۔ (کیمیائے سعادت فاری ص ۵۸، ۵۹)

خاتمۃ المفسرین علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ (پ۱۴ س نحل) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قصد السبیل ھو دین السلام والسنۃ والجماعۃ۔

ترجمہ: بے شک دین اسلام ہی سیدھا راستہ (طریقہ) ہے اور وہ راستہ (طریقہ) اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۱۳ سطر ۱۴، ۱۵ مطبوعہ مصر)

مفسر قرآن ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ''فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت چار (۴) مذاہب، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی پر جمع ہوا ہے اور جو شخص ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت و نار ہے۔ (تفسیر مظہری بحوالہ حدائق الحنفیہ ص ۱۵، ۱۶)

(۱) حنفی شافعی مالکی اور حنبلی اہل سنت و جماعت ہی کہلاتے ہیں۔ (فقیر قادری غفرلہ)

(۲) تقلید مطلق پر یا نوع شخص پر طعن کرنا جہل و ضلال ہے (سبیل الرشاد ص ۳۹) تقلید کو حرام اور شرک کہنے والا خود مشرک ہے (سبیل الرشاد ص ۲۴)

(۳) عارف شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت عیسیٰ و موسیٰ پر امام غزالی سے فخر فرما رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا تمہاری امت میں کوئی ایسا ہے۔ تو دونوں حضرات علیہم السلام نے عرض کیا نہیں ہے۔ (جمال الاولیاء ص ۹۳ جامع کرامات اولیاء)

(۴) غیر مقلدین وہابیوں کی عظیم المرتبت شخصیت نے گوجرانوالہ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کانفرنس میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو اہل سنت و جماعت تسلیم کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ حاضرین کرام! اہل سنت والجماعت کا ہر فرقہ یعنی حنابلہ، شوافع، مالکی، احناف۔ یہ اور فرقے بلا اختلاف یک زبان اس بات کے قائل ہیں کہ حسب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے زمانہ اور آپ کے زمانے کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ وہ تھا کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس عہد مبارک میں جو عمل ہوا وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے اعلیٰ نمونہ ہے۔ (ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

قال القاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ فی التفسیر المظہری ان اھل السنۃ والجماعۃ افترق بعد القرون الثلثۃ اولاربعۃ علی اربعہ مذاہب ولم یبق فی فروع المسائل سوی ھذہ المذاھب الاربعۃ فقد الحقہ الاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلھم۔ (فتاویٰ سعدیہ ص۲)

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف صدر تب ہی انسان کو نصیب ہوتا ہے جب وہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ پر ہو اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی بھی اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ کا نہیں ہوا۔ (الابریز ج اتنویر القلوب ص ۴۱، ج ا مطبوعہ مصر)

الشیخ العلامہ وہبی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: الفرقۃ الناجیۃ ھم اھل السنۃ۔ یعنی اہل سنت ہی وہ فرقہ ہے جو ناجی ہے۔ (فتوحات وہبیہ شرح اربعین نوویہ ص ۱۷۹)

صاحب تفسیر مواہب الرحمان رحمۃ اللہ علیہ

اہل سنت سچا مذہب ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمان الجزء اتباع ص ۱۶۲، مطبوعہ نولکشور)

حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ

جو کہ بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

لاکن باالتحقیق والصدق فمن کان علی طریق السنۃ والجماعۃ۔

ترجمہ: لیکن تحقیق اور سچائی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل سنت و جماعت کا طریقہ درست ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۲۳۷)

سیدالطائفہ مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ

کا مکتوب مبارک ان کے خلیفہ اعظم خواجہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف مقامات مظہری میں اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے کلمات طیبات میں درج کیا ہے جس میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ''حق بجانب اہل سنت معلوم میشود'' یعنی اہل سنت ہی حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ (کلمات طیبات فارسی ص ۳۲ سطر آخری اور مقامات مظہری مکتوب نوردہم ۱۹)

علامہ شیخ احمد بن محمد مغنسیاوی رحمۃ اللہ علیہ

امام الائمۃ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تصنیف لطیف فقہ اکبر کی شرح میں الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو کہ انہوں نے اپنی کتاب اصول الفف العلم میں تحریر فرمایا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علم توحید اور صفات (۲) علم فقہ شرع اور احکام۔

قسم اول کی بنیاد کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑنا، خواہش پرستوں اور بدعتیوں سے اجتناب کرنا ہے ولزوم طریق اھل السنۃ والجماعۃ اور اہل سنت و جماعت کے طریقہ کو لازم رکھنا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اہل سنت و جماعت فرقہ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

الذی کان علیہ الصحابہ والتابعون ومضی علیہ السلف الصالحون وھو الذی علیہ ادرکنا مشائخنا وکان علی ذالک سلفنا اعنی ابا حنیفۃ وابا یوسف و محمد او عامۃ اصحابھم رحمھم اللہ تعالی۔

ترجمہ: اہل سنت و جماعت وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام تابعین اور سلف صالحین تھے اور ہم نے اپنے مشائخ یعنی ابوحنیفہ،

ابو یوسف، امام محمد اوران کے عام اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کو اسی طریقہ (اہل سنت و جماعت) پر پایا ہے۔
(شرح فقہ اکبر عربی ص ۲ سطر ۷ تا ۱۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

شاہ ولی اللہ (۱) صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ''میں نے غور کیا کہ آنحضرت ﷺ مذاہب فقہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی میں سے کس مذہب کی طرف مائل ہیں تا کہ میں بھی وہی مذہب منتخب کروں تو معلوم ہوا کہ سب مذاہب فقہ آپ کے نزدیک صحیح ہیں''۔ (فیوض الحرمین مشہد وہم)
اسی مشہد میں دوسری جگہ تقلید کی ترغیب اور اس کو ترک کرنے کی ترہیب اس طرح بیان فرماے ہیں کہ ''تقلید کو چھوڑ نا شرع کی پیروی کو چھوڑنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری نہ کرنی ہے اور تقلید کے سوا کوئی طریقہ مضبوط نہیں۔ (فیوض الحرمین مشہور وہم)

کاملان طریقت پہ کامل درود
سائلان شریعت پہ لاکھوں سلام

حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

مفتی محمد قلی شیعہ مذہب کا پیروکار تھا اور مرزا بخش اللہ بیگ اہل سنت جماعت تھے۔ باہم ہمیشہ مذہبی بحث ہوتی تھی۔ مفتی صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ تم اپنے شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھو کہ وہ ایسی ترکیب بتلا دیں کہ خواب میں اصل مذہب کا معلوم ہو جائے تو مرزا صاحب نے عرض حضور میں لکھی تو حضرت (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) نے دو تین آیۃ کلام مجید کی لکھ بھیجیں کہ ان کو پڑھ کررات کو سور ہو چنانچہ ایسا ہی کیا تو خواب میں مرزا بخش اللہ بیگ نے دیکھا کہ میدان ہے اور اس میں بہت لاشیں مقتولین کی پڑی ہیں۔ ایک بزرگ تشریف لائے اور ان کے ساتھ اور بہت آدمی تھے۔ انہوں نے سب لاشوں میں سے ایک لاش نکالی اور نماز جنازہ کی پڑھی اور مرزا صاحب بھی اس نماز میں شامل ہوئے بعد نماز مرزا صاحب نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں'' انہوں نے کہا کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب مرزا صاحب نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور عرض کیا کہ حضرت دین حق کون ہے؟ حضرت نے فرمایا اگر یہ تمہارا دین حق نہ ہوتا تو تم ہم میں شامل نہ ہوتے۔ پھر بیدار ہو گئے۔
(مجموعہ کمالات عزیزی ص ۱۱ سطر ۳ تا ۱۱ مطبوعہ دیو بند)

ناظرین حضرات! مندرجہ بالا واقعہ سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی اہل سنت و جماعت کو سچا مذہب سمجھتے تھے۔ لہٰذا شیعہ حضرات جن کا یہ دعویٰ (۲) ہے کہ ہم ہی آئمہ کرام علیہم الرضوان کے معتقد ہیں۔ ان کو سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہو کر اہل سنت و جماعت کی حقانیت کا قائل ہونا چاہیے شاید کسی کے ذہن میں یہ بات اترے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے لہٰذا شیعہ حضرات کی معتبر اور مستند کتاب احتجاج طبرسی کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے قاسم ولایت سرکار سیدنا مولا علی مشکل کشا، شیر خدا مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم کا فیصلہ جو کہ قبل اس کے تحریر ہو چکا ہے۔

(۱) وہابیوں، دیو بندیوں اور تبلیغی جماعت کے مشہور مولوی محمد زکریا سہارنپوری نے شاہ ولی اللہ کو شیخ المشائخ اور قطب الارشاد وغیرہ لکھا ہے ملاحظہ ہو فضائل درود شریف نمبر ۵۰ اور مولوی اشرف علی تھانوی نے خاتم المحدثین لکھا ہے ملاحظہ ہو القول البدیع ص ۴ اور وہابیوں کے بزرگ اور پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے قطب المحققین فخر العرفاء اعلمہم باللہ الشیخ ولی اللہ القاب صراط مستقیم ص ۴ پر لکھے ہیں۔
(۲) حالانکہ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے۔ آئمہ کرام علیہم الرضوان کے سب سے زیادہ معتقد اور نیاز مند مذہب حق اہل سنت و جماعت کے پیروکار ہیں۔ (فقیر قادری غفرلہ)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولوی رفیع الدین دہلوی کے پوتے مولوی ظہیر الدین نے مجموعہ کمالات عزیزی میں حضرت خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شیعہ سے مکالمہ کا ذکر کیا ہے جس سے مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت کی وجہ سے شیعہ مبلغ کا حضرت کے دلائل سے سکوت کرنے کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شیعوں کا فاضل رندانہ لباس سے دہلی میں آیا۔ شیعوں نے اس کی بہت ہی آؤ بھگت کی اور بیس ہزار کی امداد بھی دی کہ کسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو بند کرو۔ انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر ہمارا ناک میں دم کر دیا ہے۔ اس نے کہا میں بھی اسی ارادہ سے آیا ہوں۔ چنانچہ وہ ایک روز حاضر ہوا حضرت کا آخیر زمانہ تھا۔ عرض کیا میرا کچھ سوال ہے۔ آپ جواب دیجئے۔ فرمایا کہو کیا مطلب ہے۔ اس نے کہا مجھے تردد یہ ہے کہ مذہب شیعوں کا حق ہے یا سنیوں کا جس سے پوچھتا ہوں وہ اپنے ہی دلائل بیان کرتا ہے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ اس طرح سے ارشاد فرمایئے کہ میں سمجھ جاؤں آپ نے فرمایا یہ تو بہت آسان بات ہے۔ میں سمجھا تھا کہ کوئی مشکل بات پوچھتے ہو گے۔ اس نے کہا حضرت یہ بڑی مشکل بات ہے کہ ہر شخص دلائل علمی بیان کرتا ہے اور میں بے علم آدمی سمجھ نہیں سکتا کوئی بات ہو کہ بلاتردد سمجھ میں آئے آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کس قدر استعداد رکھتے ہو عرض کیا جو بات چیت آپ کرتے ہیں میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی بات آپ سے سن کر اس میں علمی ضوابط سے گرفت کروں شاہ صاحب نے کہا تم بڑے شوقین ہو۔ کون سے شہر کے رہنے والے ہو اس نے کسی جگہ کا نام لیا۔ فرمایا یہ کہو جس محلہ میں تم رہتے ہو وہاں کے لوگ تو تمہیں خوب جانتے ہو گے یا دوسرے محلہ کے اس نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ اپنے محلہ کے لوگ دوسرے محلہ والوں کی بہ نسبت زیادہ شناسا ہوتے ہیں اور ہم محلہ ہونے کے بہت سے اسباب ہیں۔ پھر فرمایا اسی بستی والے تمہیں زیادہ جانتے ہیں یا دوسری بستی والے اس نے کہا اپنی ہی بستی والے۔ پھر فرمایا اس ملک والے بہت واقف ہیں یا دوسرے ملک والے اس نے کہا اسی ملک والے بہرحال زیادہ واقف ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو سمجھنا چاہئے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی اور آپ نے وہاں سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی کسی ملک میں سفر کا اتفاق نہ ہوا اب مکہ اور مدینہ میں جا کر دریافت کرو کہ حضرت کا رویہ سنیوں کے مطابق تھا یا شیعوں کے وہ سن کر چپ ہو رہا۔ پھر فرمایا وہ کیا خصوصیت ہے کہ جس سے ان میں اور امتیوں میں فرق ہے۔ عرض کی معجزات تو شاہ صاحب نے کہا جو خرق عادات نبی سے ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں اور اس کے پیرو اور محب صادق سے ہو تو اسے کرامت بولتے ہیں تم تو ملکوں ملکوں پھرتے یہاں تک آئے ہو۔ ظہور کرامت حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور سلطان نظام الدین اولیاء وغیرہ سنیوں سے سنا ہے یا نصیر الدین طوسی اور باقر داماد وغیرہ شیعوں سے یہ بھی سن کر خاموش ہو رہا پھر فرمایا خیر یہ تو کہو تم جو یہاں تک آئے ہو تو اپنے اہل و عیال و اسباب وغیرہ کو کس کے سپرد کر کے آئے ہو کہا میرا چچا بھائی ہے اور قرابت والے بھی ہیں۔ فرمایا انہیں معتبر سمجھا ہے یا خائن کہا اگر خائن جانتا تو سپرد ہی کیوں کرتا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام چیزوں سے قرآن شریف بہت عزیز تھا۔ چنانچہ رحلت کے وقت فرمایا کہ میں تم میں آل اور کلام الٰہی چھوڑتا ہوں۔ اب کہو قرآن شریف سنیوں کے سینے میں ہے یا شیعوں کے۔ یہ بھی سن کر سکوت کیا۔ پھر فرمایا کسی شخص کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ پر کیف اس کی متابعت کرتا ہے خواہ ظاہری امور میں ہو یا باطنی میں اب سچ کہو کہ مجھ فقیر حقیر (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) کی صورت و وضع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روش پر معلوم ہوتی ہے یا تمہاری۔ حاصل کلام حضرت نے ایسے بہت سے نظائر بیان فرمائے کہ اس سے سوائے سکوت کے اور کچھ نہ بن پڑا۔

(مجموعہ کمالات عزیزی ص ۲۱، ۲۲)

شیعہ عالم کا شیعیت سے تائب ہونا

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوسرا واقعہ بھی مجموعہ میں درج ہے کہ "شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ بی بی عائشہ (رضی اللہ عنہا) تو جنتی نہیں (العیاذ باللہ) ان کے جنتی ہونے پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ فرمایا تم نے

مذہب کی فلاں کتاب دیکھی ہے اس نے عرض کیا جی ہاں وہ تو بڑی معتبر کتاب ہے فرمایا اس کتاب میں لکھا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی حیلہ سے حضرت کی مہرت نبوت کا بوسہ لے لیا تھا۔ سو وہ جنتی ہوا۔ اس عالم نے کہا ہاں، اس میں کیا شک ہے۔ تو حضرت نے فرمایا جب یہ بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں رہیں۔ اس عالم نے سنتے ہی اپنے مذہب اور اعتقاد سے توبہ کی اور سنی ہو گیا۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص۲۰ سطر ۱۶ تا ۲۱)

حنفیوں کے لئے مژدہ

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات طیبہ میں پچپن حج کئے اور آخری حج کو کعبہ شریفہ کے خادموں سے ایک رات اندرون کعبہ گزارنے کی اجازت لیکر داخل ہوئے اور بیت اللہ کے دوستونوں کے درمیان داہنے پاؤں کی پشت پر بایاں پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ آدھا قرآن پاک ختم کر کے رکوع و سجود کیا پھر بائیں پاؤں پر داہنا پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ قرآن پاک ختم کیا جب سلام کیا تو خوب روئے اور اپنے رب سے مناجات کی کہ یا الٰہی ما عبدك هذا العبد الغيف حق عبادتك لكن عرفك حق معرفتك یعنی اس ضعیف بندہ نے تیری عبادت جیسی کہ تجھ کو لائق ہے نہیں کی لیکن تجھ کو تیری صفات کبریائی سے جانا ہے جیسا کہ تیرے جاننے کا حق ہے تو اس کی خدمت کے نقصان کو اس کی کمال معرفت کے سبب سے بخش دے یعنی کمال عرفان کو نقصان خدمت کا کفارہ کر اس پر بیت اللہ کے ایک گوشہ سے یہ آواز غیب سے آئی۔ یا ابا حنیفه قدعرفتنا حق المعرفة وقد خدمتنا فاحسنت الخدمة وقد عفرانا لك ولمن اتبعك فمن كان على مذهبك الى يوم القيامة اے ابوحنیفہ[1] تو نے ہم کو جیسے چاہئے تھا ویسے جانا اور جو خدمت تو نے ہماری کی خوب ہی کی ہم نے تجھ کو اور ان لوگوں کو جو تیرے مذہب[2] پر قیامت تک ہوں گے بخشا۔ (درمختار ص۵،۶، الخیرات الحسان ص۸۴، حدائق الحنفیہ ص۴۱،۴۲)

بندۂ پروردگارم امت احمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم
دوست دار چار یارم تابع اولاد علی رضی اللہ عنہ
مذہب حنفیہ دارم ملت حضرت خلیل علیہ السلام
خاک پائے غوث اعظم رضی اللہ عنہ زیر سایہ ہر ولی

اب فرقہ دیوبندی کے پیشوا اور بزرگ مولوی رشید احمد گنگوہی کی مذہب اہل سنت و جماعت کی حقانیت پر عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

جو عامل بحدیث بزعم خود ہو کر مجتہدین راسخین پر سب و شتم کرتے ہیں اور فقہ کے مسائل مستنبطہ عن النصوص کو بنظر حقارت دیکھ کر زشت و زبوں جانتے ہیں وہ لوگ خارج از فرقہ ناجیہ اہل السنۃ اور متبع ہوائے نفسانی اور داخل گروہ اہل ہوا کے ہیں۔ (سبیل الرشاد ص۲۵ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

دوسری جگہ رقمطراز ہیں ''جملہ مجتہدین اور ان کی اتباع اور جملہ محدثین فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعت ہو گئے۔ (سبیل الرشاد ص۲۵)

مولوی داؤد غزنوی وہابی کی گواہی

غیر مقلدین وہابی حضرات کے نہایت ہی مقتدر مولوی داؤد غزنوی صاحب اہل السنۃ والجماعت کی سرخی دے کر لکھتے ہیں کہ ''یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے لئے اسی حدیث میں جس میں آپ نے بہتر فرقوں کا ذکر کیا اور فرمایا سب جہنمی ہیں مگر ایک فرقہ مسند امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں بجائے ما انا علیه واصحابی کے وہی الجماعۃ کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے مراد اصحاب کرام ہی ہیں۔ اسی سے فرقہ حقہ کے لئے اہل السنۃ والجماعۃ کا نام تجویز ہوا اور انہی کے لئے سواد اعظم کا لفظ ایک حدیث میں استعمال کیا گیا۔ (الاعتصام لاہور ص۵ کالم ۲، ۱۸ دسمبر ۱۹۵۹ء)

غیر مقلدین حضرات کے مولوی داؤد غزنوی ہی لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ بالا

(۱) محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ (خیرات الحسان ص۴۶)

(۲) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ان ملکوں تک پہنچا جہاں اس مذہب کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہیں جیسے ہند، سندھ، روم ماوراء النہر (خیرات الحسان ص۶۹)

علیکم لسنتی وسنة الخلفاء الراشدین کی تشریح میں سوال و جواب کی طرز پر فرماتے ہیں کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ فرقہ ناجیہ اہل السنت والجماعت ہے؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ دین اسلام نقل سے ہم تک پہنچا ہے نہ کہ عقل سے اور تواتر سے نیز احادیث و آثار کے تفحص سے یہ بات یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ سلف صالح صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آئمہ دین سب کے سب اسی اعتقاد اور اسی طریقہ پر کاربند تھے جو اہل السنة والجماعة کا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ محدثین اصحاب کتب ستہ وغیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ بناء و مدار احکام اسلام بر آنہا افتادہ آئمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ وغیرہم ازانہا کہ در طبقہ ایشاں بودہ اند ہمہ بری مذہب بودہ اند۔ (ص ۶ طبع ہند)

یعنی محدثین جو صحاح ستہ اور دوسری مشہور اور مستند کتب حدیث کے مصنف ہیں اور جن کی کتابوں پر احکام اسلام کا دار و مدار ہے نیز آئمہ فقہاء مذاہب اربعہ اور ان آئمہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے آئمہ دین جو ان کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں سب کے سب اہل السنّت والجماعت ہیں۔

(الاعتصام لاہور ص ۵، ۱۸ دسمبر ۱۹۵۹ء)

غیر مقلد وہابی حضرات کے مولوی فقیر اللہ صاحب مدراسی لکھتے ہی کہ یاد رکھو جب تک آدمی کل معجزات وسائر دینیات کا مقر و معتقد با اعتقاد اہل سنت نہ ہو تب تک وہ اہل سنت بلکہ اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر السلف ص ۱۷)

قارئین کرام! مندرجہ بالا حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین علیہم الرضوان بزرگان دین سلف صالحین علیہم الرحمۃ اور مخالفین کے نزدیک بھی اہل سنت و جماعت ہی حق مذہب اور فرقہ ناجیہ ہے۔ اس طائفہ منصورہ حقہ اور ناجیہ کے مخالف سب فرقے اور گروہ بدعتی اور جہنمی ہیں۔ موجودہ دور میں کئی حضرات جو کہ خود گمراہ اور بدمذہب ہیں وہ اہل سنت و جماعت کے پیروکار کو بدعتی، بدعتی کے فتویٰ لگا کر عوام کو دھوکا دینے کی کوشش میں شب و روز مصروف ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ حضرات خود بدعتی ہیں جس کی شہادت حضرت علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دیتے ہیں۔

بدعتیوں کی علامت

اهل البدعة كل من قال قولا خالف فيه اعتقاد اهل السنة والجماعة.

یعنی جو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد کے خلاف بات کرے وہ بدعتی ہے۔ (در المختار جلد ۳ ص ۲۵۴)

گھر کی گواہی

اہل سنت و جماعت کے مخالفین طائفہ وہابیہ، دیوبندیہ اور مودودیہ کے مقتدر پیشوا، ابن تیمیہ بھی اس حقیقت کی گواہی ان الفاظ میں دیتے ہیں:

من اهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف فانه مذهب للذين تلتوه عن نبيهم ومن خالف ذالك كان مبتدعا عند اهل السنة والجماعة.

ترجمہ: اہل سنت و جماعت ایک پرانا اور مشہور مذہب ہے۔ یہ صحابہ کرام کا مذہب تھا جو انہوں نے حضور پر نور ﷺ سے سیکھا تھا جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک بدعتی ہے۔ (منہاج السنہ ص ۲۵۶ جلد اول)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قاله بعض المفسدين في قوله تعالى يوم تبض وجوه وجوه اهل السنة وتسود وجوه وجوه اهل البدعة.

یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ آیۃ کریمہ کی تفسیر بعض مفسرین نے یوں کی ہے کہ قیامت کے روز اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید اور نورانی ہوں گے اور بدعتیوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (بدور السافرہ للسیوطی، مرقات شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۴۸، سطر ۳۵، ۳۶، مصری)

طعن ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اصلی اہل و سنت کی علامت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بتائی

آج کل دیوبندی بلکہ غیر مقلد وہابی حضرات بھی اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں شب و روز مصروف

ہیں۔سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کی نشانی جو بتائی ہے اس نشانی کو امت محمدیہ کے عظیم المرتبت آٹھویں صدی کے محدث علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع میں درج فرمایا ہے۔

علامة اهل السنة كثرة الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ اہل سنت کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں۔(القول البدیع ص ۵۲ مطبوعہ مدینۃ المنورہ)

ناظرین حضرات! دیوبندیوں اور وہابیوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہوگا کہ اذان کے بعد نہ درود شریف پڑھنا چاہیے۔ نماز کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیے۔ تقریر کے بعد صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنا چاہیے بلکہ وہ اس پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ ان کے ایسا کرنے اور پابندی لگانے سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں پر فتوے لگاتے ہیں بلکہ درود شریف کو بند کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی مسجدوں میں تنازعہ اور جھگڑا اور اختلاف برپا ہے۔

اس لئے وہ اہل سنت نہیں ہیں۔ بلکہ اصلی اہل سنت وہ ہیں جو کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اہل سنت و جماعت (بریلوی) حضرات ہی ہیں جب جعلی اور نقلی اہل سنت عوام میں رونما ہوئے اور عقائد حقہ کے خلاف سرگرم عمل ہوئے تب سے اصلی اہل سنت و جماعت والوں نے عوام کو ان جعلی اور نقلی لوگوں سے بچانے کے لئے اہل سنت و جماعت کے آگے بریلوی کا لفظ استعمال کرنا پڑا ہے۔

نقلی اہل سنت وہابی، دیوبندی حضرات کے مقتداء کا حیا سوز کارنامہ حرم شریف کے مفتی اور امام علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابو حامد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے مقتداء محمد بن عبدالوہاب نجدی علیہ ما علیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

كان محمد بن عبدالوهاب ينهى الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ديتاذى من سماعها ينهى عن الاتيان بها ليلة الجمعة وعن الجهربها على المنائر ويوذى من يفعل ذالك ويعاقبه اشد العقاب حتى ايه قتل رجلا اعمى كان موذنا صالحا ذا صو حسن ونهاه عن الصلاة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى المنارة بعد الافان فلم ينه. فامر بقتله فقتل ثم قال ان الذبابة فى بيت الخاطئة يعنى الزانية اقل اثما ممن يناوى بالصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فى المنائر واحرق دلائل الخيرات وغيرها من كتب الصلاة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم.

محمد بن عبدالوہاب درود شریف سے منع کرتا تھا اور سننے سے ناراض ہوتا تھا جو ایسے کرتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو کہ صالح اور خوش آواز موذن تھا اس کو بعد اذان مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا موذن نے نہ مانا اور اس نے درود شریف پڑھا تو اس کو قتل کرنے کا حکم دے کر قتل کرا دیا اور کہا زانیہ کے گھر میں رباب و چنگ کا گناہ مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے کم ہے۔ دلائل الخیرات شریف (جو کہ درود شریف کی کتاب ہے) وغیرہ اور درود شریف کی کتب کو جلا دیا۔ (الدار السنیہ ص ۱۵ التوسل بالنبی ص ۲۴۴)

میرے سنی دوستو! ایسے حضرات سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ اللہ کریم نے بدمذہبوں اور گمراہوں کے پاس بیٹھنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ۔ ترجمہ: پس ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ (پ ۵ ع ۱۷)

اَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ یعنی ان سے منہ پھیر لو۔ (پ ۶ ع ۱۰)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قوم وملت کو اس طرح خبردار فرمایا ہے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اللہ کریم بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جملہ گمراہ اور بدعقیدہ حضرات کو مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پیروکار بنائے اور سنیوں کو اسی مذہب حق پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (مولانا ضیاء اللہ قادری صاحب کے رسالہ فرقہ ناجیہ کا بیان ختم ہوا)

باب دوئم

اعمال کی درستگی عقائد کی صحت پر متفرع ہے

جیسا کہ ابتداء میں ایمان کے متعلق بیان ہو چکا ہے اسی طرح ایمان کے لئے صحیح اور پختہ عقیدہ مومن کے لئے اشد ضروری ہے اس کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت و جماعت مولانا شاہ احمد رضا خان تاجدار بریلی شریف رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز شاگرد رشید صدر شریعہ مصنف مشہور ومعروف کتاب بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی رضوی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد جو بہار شریعت مطبوعہ شبیر برادر لاہور کے حصہ اول کے صفحہ ۱۴۱ پر تحریر ہے۔ وہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اعمال کی درستگی عقائد کی صحت پر متفرع ہے اور بہتیرے مسلمان ایسے ہیں کہ اصول مذہب سے آگاہ نہیں۔ ایسوں کے لئے سچے عقائد ضروری کے سرمایہ کی اشد ضرورت ہے خصوصاً اس پرآشوب زمانہ میں گندم نما جوفروش بکثرت ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ بلکہ عالم کہلاتے ہیں۔ حقیقتاً اسلام سے ان کو کچھ علاقہ نہیں۔ عام ناواقف مسلمان ان کے دامِ فریب میں آ کر مذہب اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

برادران اسلام بہار شریعت کتاب کے پہلے حصہ میں اسلامی سچے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ کر کے اپنا ایمان تازہ کریں۔ اہم عقیدوں کی سرخیاں اس طرح ہیں۔ ذات صفات باری تعالیٰ، عقائد، نبوت، ملائکہ وجن، جنت ودوزخ، ایمان وکفر، امامت وولایت، عالم برزخ اور معاد وحشر وغیرہ جن کا اس کتاب کے باب اوّل میں ذکر ہو چکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ

اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے (پ۱۴ سورہ نحل آیت ۹۷) ترجمہ: جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو ہم ضرور اسے اچھی زندگی دیں گے اور ضرور ان کا نیک (اجر) دیں گے جو ان کے سب سے بہتر کام کے لائق ہوگا۔ (کنزالایمان) اور اس سے آگے آیت ۹۹ کا ترجمہ! بے شک اس کا نہیں کوئی قابو ان پر جو ایمان والے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں (کنزالایمان) یعنی شیطان کا قابو ایمان والوں پر نہیں اور عبادت کرنے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ (پ۲۷ سورہ الذاریات) ترجمہ: جن اور آدمی میں نے اس لئے پیدا کئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے طہارت بہت ضروری ہے۔ بلکہ طہارت کے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی لہٰذا طہارت کے مکمل اور مفصل مسائل جاننے کے لئے بہار شریعت کتاب کے حصہ دوئم کا مطالعہ کریں۔

اسلام کے ارکان

صحیح بخاری ومسلم (بحوالہ بہار شریعت حصہ سوئم نماز کے بیان میں) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) کلمہ شریف یعنی اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان شریف کے روزے رکھنا لہٰذا ان کے متعلق مسائل جاننے کے لئے بہار شریعت کتاب کے حصے سوئم تا ششم کا مطالعہ کریں۔

اسلام کا کلمہ شریف کے بعد اہم رکن نماز

اہل سنت و جماعت کے مطابق ایمان اور تصحیح عقائد کے بعد نماز تمام فرائض میں نہایت اعظم و اہم ہے قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ اس کی اہمیت سے مالا مال ہیں۔ جا بجا اس کی تاکید آئی ہے اور اس کے تارکین پر وعید فرمائی ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے ایک دو فرمان باری تعالیٰ اور فرمان نبی کریم ﷺ تحریر کیے جاتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ

سورہ بقرہ آیت نمبر۲ اور ۳ کا ترجمہ: یہ کتاب پرہیز گاروں کو ہدایت دیتی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں (کنز الایمان) اور سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۴۳ کا ترجمہ: اور فرماتا ہے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اور سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۸ کا ترجمہ: تمام نمازوں خصوصاً بیچ والی نماز (عصر) کی محافظت رکھو اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو (کنز الایمان) اور سورہ النساء آیت نمبر ۱۰۳ کا ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے (کنز الایمان)

فرمان رسول ﷺ

صحیح بخاری و مسلم میں (بحوالہ بہار شریعت حصہ سوئم نماز کے بیان میں) کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کیا ہے فرمایا وقت کے اندر نماز میں نے پھر عرض کی پھر کیا، فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے عرض کیا پھر کیا، فرمایا: راہ خدا میں جہاد کرنا۔ دوسری حدیث میں امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ (بحوالہ بہار شریعت حصہ سوئم نماز کے بیان میں) کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ وہ عمل ارشاد ہو جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کر و اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم رکھ اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کا ستون نماز ہے

برادران اسلام! آپ نے دیکھ لیا کہ مسلمان کے لئے نماز پڑھنا بہت ضروری ہے اسی لئے مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اور آپ ﷺ کے ساتھ خلوص دل سے محبت کرتے ہیں نماز بہت ہی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں نماز جان بوجھ کر چھوڑنے والوں کو سخت عذاب ہوگا۔

نماز میں اہم دعا

نماز میں سورۃ فاتحہ شریف پڑھنا منفرد اور امام کے لئے واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔ ہر نمازی اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ شریف پڑھتا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے نماز میں اس کا پڑھنا امام اور منفرد کے لئے تو حقیقتاً اپنی زبان سے اور مقتدی کے لئے بقرأت حکمیہ یعنی امام کی زبان سے صحیح حدیث میں ہے کہ امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔ (بہار شریعت) حضور ﷺ نے فرمایا توریت، انجیل اور زبور میں اس کی مثل سورت نازل نہ ہوئی (ترمذی)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ فرشتہ نے آسمان سے نازل ہو کر حضور ﷺ پر سلام عرض کیا اور دو ایسے نوروں کی بشارت دی جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئے۔ ایک سورہ فاتحہ شریف اور دوسرے سورہ بقرہ کی آخری آیات (مسلم شریف بحوالہ خزائن العرفان) سورہ فاتحہ شریف ہر مرض کے لئے شفا ہے سو مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے (دارمی بحوالہ خزائن العرفان) اس سورۃ میں ایک بہت اہم دعا ہے جو ہر نمازی مانگتا ہے۔ وہ دعا یہ ہے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان (انعام) کیا ہے۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔ (کنز الایمان)

اب ہم نے دیکھنا ہے کہ انعام یافتہ کون ہیں؟ (باب سوم ملاحظہ فرمائیں) خزائن العرفان میں ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا

خلق نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل اور اصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صراط مستقیم سے طریق اہل سنت و جماعت مراد ہے جو اہل بیت و اصحاب اور سنت و قرآن و سواد اعظم کو مانتے ہیں۔ صراط الذین انعمت علیھم جملہ اولیٰ کی تفسیر ہے کہ صراط مستقیم سے طریق مسلمین مراد ہے۔ اس سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں کہ جن امور پر بزرگان دین کا عمل رہا وہ صراط مستقیم میں داخل ہے۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اس میں ہدایت ہے کہ مسئلہ طالب حق کو دشمنان خدا سے اجتناب اور ان کے راہ و رسم و وضع و اطوار سے پرہیز لازم ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ مغضوب علیھم سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ (خزائن العرفان)

اسلام کو نقصان پہنچانے والے راستے

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا اور دیکھا کہ اصولی طور پر پانچ راستے ہیں جن سے مسلمانوں میں گمراہیاں اور تباہیاں پھیل رہی ہیں۔

(۱) ارباب حکومت: یعنی بادشاہ ارکان سلطنت جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے اسلامیات سے بیگانہ اور لامذہبیت سے آشنا بنا دیا۔

(۲) علماء سو: جن کا نقطہ نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، ارباب اقتدار اور امراء وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساری کوشش صرف کرتے رہنا ان کی خاطر ہر منکر کو معروف اور ہر معروف کو منکر بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

(۳) گمراہ اور برخود صوفی: جو شریعت کو ''ظاہر پرستوں'' کا کھلونا سمجھتے ہیں۔ اور ''طریقت و حقیقت'' کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے۔ جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں ''عارف کامل'' بننے کے باوجود ہر قسم کے گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقے کی پوری گنجائش ہے۔

(۴) باریافتگان دربار نبوت و سعادتمندان شرف صحبت رسالت ﷺ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی تحقیر کرنے والا گروہ۔

(۵) آزاد خیال اہل علم و طالبان جنہوں نے علوم عقلیہ دنیویہ مثلاً ادب و انشاء، شعر و شاعری اور فلسفہ و تاریخ وغیرہ کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا ہے اور علوم نقلیہ شرعیہ سے روگردانی کر کے اپنی عقلوں کو معیار شریعت و معیار علوم کون و مکاں ٹھہرایا ہوا ہے۔ یہ ہیں فتنوں کے پانچ چشمے جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال ہے۔

علماء سوء کی اصلاح

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا تباہ کن گروہوں سے بڑی قوت سے جنگ کی۔ آپ کے مکتوبات شریفہ میں ان کے خلاف جس قدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ عقائد اسلام اور اجتہاد و تقلید وغیرہ مسائل کلامیہ کے متعلق ہر سہ دفاتر مکتوبات شریفہ میں مجمل اور مفصل مکتوبات موجود ہیں۔ جن میں ان گمراہ چشموں پر بند لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بڑے اختصار کے ساتھ چندان مکتوبات کے اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین حضرات ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ علماء سو کے متعلق ارشاد:

''اکثر جہلا صوفی نما علمائے سوء کا حکم رکھتے ہیں اور ان کا فساد بھی متعدی ہے''۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۴۷)

ایک مکتوب میں شیخ فرید کو فرماتے ہیں:

''مکلفین بالشرع پر سب سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ علماء اہل سنت و جماعت کو اللہ تعالیٰ سعیہم کی راؤں کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ آخرت کی نجات انہی بزرگواروں کی بے خطا آراء و اقوال کی تابعداری پر موقوف اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے متبعین ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق پر ہیں اور ان علوم میں سے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے اور سمجھے ہیں کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیال فاسد میں کتاب و

سنت ہی سے اخذ کرتا ہے پس ان (کتاب وسنت) کے مفہومہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے"۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۳)

ایک مکتوب میں جو صدر جہاں کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء سوء ہی کی کمبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ اس بارے میں امید ہے کہ پورا پورا تتبع مدنظر رکھ کر علماء دیندار کا انتخاب کر کے پیش دستی کریں گے۔ علماء سوء دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصد ہمہ تن یہ ہے کہ خلق کے نزدیک مرتبہ ورعب داب اور بزرگی حاصل ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے"۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۹۴)

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

"اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث بحر ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے اور سنت کا نور غربت وندرت کے باوجود اس بحر ظلمانی میں کرم ہائے شب افروز یعنی جگنوں کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نورانیت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی شخص بدعتوں کی ظلمات کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور خواہ اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کے گروہ کو بڑھائے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ"۔ (مکتوب نمبر ۲۳ دفتر دوم)

مخدوم زادہ امکنگی یعنی حضرت محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"میرے مخدوم ومکرم! اس طریقہ عالیہ میں ان لوگوں نے یہاں تک احداث وابداع (بدعتوں) کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالفین یہ بات کہیں کہ اس طریقہ میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بھی گنجائش ہے (ان میں سے ایک یہ ہے) کہ نماز تہجد کو پوری جمعیت یعنی جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجدوں میں رواج ورونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ نوافل کا جماعت سے ادا کرنا اشد مکروہ کہا ہے اور بعض فقہاء نے جو تداعی کو جماعت نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انہوں نے بھی نوافل کی جماعت کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے کونے میں ہو اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے اور نیز یہ لوگ نماز تہجد کی تیرہ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ وہ ایک رکعت کا حکم پیدا کر لیں کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے حالانکہ یہ عمل بھی سنت سیدنا علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے۔

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہے ان میں وتر بھی شامل ہیں اور نماز تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا رکعت وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۶۸)

گمراہ اور بے دین صوفیوں کی اصلاح

ایک مکتوب شیخ اکبر وغیرہ کے نام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی اتحاد وحلول کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد وحدۃ الوجود کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابر طریق سے غلبہ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے جن میں وحدت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ پھر حضرات مثلاً شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ وغیرہ نے اس نظریہ کو علمی رنگ میں بھی رنگ دیا اور ہمہ اوست کے عنوان سے تعبیر کیا۔ ان حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصرین کیا سمجھتے بس ہر مدعی نے حلول واتحاد کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ بہت سے مدعیان بے نظر نے کہا عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے۔ زمین بھی خدا ہے، آسمان بھی خدا ہے، شجر وحجر، نباتات وجمادات عناصر بسیطہ اوران کے مرکبات غرض سب خدا ہے (معاذ اللّٰہ و لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ) حلول کے متعلق ہندوؤں کے نظریہ کی تائید میں اس گروہ نے بھی (مغلیہ خاندان کا ایک بادشاہ) اکبر کے سامنے دلائل کا طومار باندھا اور اس

کے ذہن کو پختہ کردیا کہ حلول کا مسئلہ اسلام کے عین مطابق ہے اور بادشاہ خود بھی اس کا مصداق ہے۔ واحسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر! خدا تعالیٰ کے سارے پیغمبر یہی بتاتے آئے ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے وراء الورا ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے لیکن یہ مدعیان غلط کہتے ہیں کہ "عالم میں جو کچھ ہے وہ سب خدا ہی خدا ہے"۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلاخوف لومۃ الائم اس کو الحاد وزندقہ قرار دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال وصفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال وصفات قرار دینا سخت بے ادبی ہے بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء وصفات میں الحاد ہے"۔

اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں۔

"پس حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ (خالق ومخلوق ہونے کے سوا) کسی قسم کی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد وعینیت) اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے۔ حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے"۔

(دفتر دوم مکتوب نمبر ۱)

ایک مکتوب میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور بعض دوسروں سے یہ باتیں محبت کے غلبہ کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوائے محبوب محب کی نظر سے دور ہو جاتا ہے اور اسے محبوب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا نہ یہ کہ فی الواقع محبوب کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہوتا کیونکہ یہ بات حس وعقل اور شرع کے مخالف ہے"۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں "اور اسی قسم سے بعض مشائخ کا وہ کلام ہے جو انہوں نے (حالت) سکر میں کہا ہے کہ جامعیت محمدی ﷺ جامعیت الٰہی سے زیادہ جامع ہے جونکہ یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کو امکان ووجوب کی حقیقت کا جامع مانتے ہیں اس لئے حکم کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی جامعیت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی صورت کو حقیقت تصور کر کے حکم کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ مرتبہ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ حقیقت وجوب کے اور اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے۔ اگر وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ایسا حکم نہ کرتے، اسی قسم کے سکر یہ احکام سے اللہ کی پناہ۔ حضرت محمد ﷺ ایک بندہ ہیں، محدود اور متناہی ہیں اور حق تعالیٰ وتقدس غیر محدود اور نامتناہی ہے۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۹۵)

ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اس وقت تک ضروری ہے جب تک معرفت حاصل نہ ہو۔ حصول معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نہایت غضبناک ہو کر تحریر کرتے ہیں۔

"اور اکثر متصوفہ خام اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ خواص صرف معرفت الٰہی کے مکلف ہیں اور بس اور جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل وانصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں اور شہادت کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (سورہ الحجر آیت نمبر ۹۹) یعنی (اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے) اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں (یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے) جیسا کہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہ کے کیے ہیں اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو

جانے تک ہے نہ کہ نفس عبادت کی انتہاء کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی ہے یعنی عارف اس واسطے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور پیروان کی اقتدا کریں نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق اور مرائی یعنی ریا کار نہ ہو مرید اس سے نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ خذلهم الله سبحانه ما اجهلهم (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں) عارفوں کو عبادت کی جس قدر حاجت ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ان کے عروج عبادت پر ہی وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادت کے ثمرات اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں۔ اس لئے یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہی اور ان کو شریعت کی زیادہ حاجت ہے''۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۲۷۶)

اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف باطن درست ہونا چاہئے۔ اعمال ظاہر یعنی نماز روزہ وغیرہ کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تا کہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ ہو کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء صرف فتویٰ دیتے ہی اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن میں اہتمام کرنا ظاہر کے اہتمام کو لازم کرتا ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے''۔ (دفتر دوئم مکتوب نمبر ۸۷)

اور ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں ''علوم لدنیہ (کشفیہ) کے درست اور صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ صریح علوم شریعہ کے مطابق ہوں۔ اگر اس میں بال برابر بھی تجاوز ہو تو وہ سکر کی وجہ سے ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل سنت و جماعت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے ماسوا زندقہ والحاد ہے یا سکر وقت و غلبہ حال ہے اور یہ تمام مطابقت مقام عبدیت میں میسر ہے۔ اس کے ماسوا اس ایک قسم کا سکر ثابت ہے۔

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی کشفی ہو جائے''۔ یہ نہیں فرمایا کہ معارف شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے اگرچہ راستہ میں علوم شرعیہ پر زائد بعض امور پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر نہایت کار تک پہنچایں تو وہ امور زائدہ پراگندہ ہو کر دور ہو جاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ مفصل طور پر معلوم ہو جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے کشف کے وسیع میدان میں آ جاتے ہیں (دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰)

ایک اور مکتوب کی چند سطریں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:۔

''حضرات ذوالنون، حضرت بسطامی، حضرت جنید اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہم زید و بکر و عمرو خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنوں میں سے ہیں۔ احکام اجتہادیہ میں مجتہدوں کی تقلید کرنے میں مساوی (برابر) ہیں۔ ہاں ان بزرگواروں کی بزرگی اور امور میں ہے۔ کشف و مشاہدات کے صاحب اور تجلیات و ظہورات کے مالک یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے محبوب حقیقی جل شانہ کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوا اللہ سے تعلق توڑ لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں۔ (دفتر دوم مکتوب نمبر ۵۵)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انہوں نے اپنے امراض کا علاج اور امور سے کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور دراز کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا''۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۱)

نیز ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:

''اے فرزند جو بات کل قیامت کے دن کام آئے گی وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت ہے احوال و مواجید اور علوم و معارف اور ارشادات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہتر اور زہے قسمت، ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ سب عبادتیں اڑ گئیں اور سب ارشادات فنا ہو گئے اور دو رکعتوں کے سوا جو ہم رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے کسی چیز نے نفع نہ دیا۔

پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی متابعت پر ثابت قدم رہیں اور قول و فعل میں شریعت کی مخالفت سے بچیں کیونکہ متابعت میں امن و برکت ہے اور مخالفت میں بدبختی اور ہلاکت ہے (دفتر اول ص ۱۸۴)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ سید البشر ﷺ کے طفیل تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور درویشوں کے طعن سے نگاہ رکھے''۔

(دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱۸)

قارئین حضرات تصوف میں باطل متصوفین کے خلاف جہاد اور ان کے نظریات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی اصلاح فرمائی ہے جو سرے سے تصوف کے منکر ہیں اور اصلاح قلب و نفس کے ان طریقوں کو جو مشائخ طریقت میں رائج ہیں اور شرع شریف سے ان کی صحت ثابت ہے اس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں بہت کچھ لکھا ہے وہ سب کچھ یہاں اختصار کی وجہ سے لکھنے سے قاصر ہوں کیونکہ اس کے لئے ایک مکمل کتاب درکار ہے۔ پس اسی پر اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مندرجہ بالا مکتوبات شریفہ پڑھ کر صحیح طور پر سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ہاں آپ کا ایک اور مکتوب میری نظروں سے گزرا ہے جو کہ میرے خیال میں بہت اہم ہے اس کو بھی یہاں تحریر کیا جاتا ہے تاکہ آپ اسے پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بزرگی آنحضرت ﷺ کی سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے اور ہر کمال شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دو پہر کا سونا جو اس اتباع سنت کے طور پر واقع ہو کروڑوں راتوں کی شب بیداریوں سے جو اس تابعداری کے موافق نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے اور ایسے ہی عید الفطر کے دن کا کھانا جس کا شریعت نے حکم کیا ہے۔ خلاف شریعت دائمی روزوں کے رکھنے سے بہتر ہے اور شارع ﷺ کے حکم سے جیتل (ایک دام) کا دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۱۴ کا ایک حصہ)

آزاد خیال اہل علم کی تردید و اصلاح

آزاد خیال اہل علم و طالبان علم جنہوں نے دنیاوی عقلی علوم کو اپنا معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا رکھا تھا اور اپنی عقلوں کو معیار شریعت بلکہ معیار علوم کون و مکان ٹھہرایا ہوا تھا ان کے علم و فضل اور فکر و غور نے ان میں آوارہ دماغی پیدا کر دی تھی۔ جس کو وہ آزاد خیالی سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کی بھی مکتوبات شریف میں نشاندہی کی گئی اور ان کو لصوص دین سے تعبیر کر کے ان کی صحبت سے پرہیز کرنے کو ضروریات دین سے قرار دیا ہے نصوص دین کا لفظ ایک عجیب لفظ ہے گویا دین اور علم دین کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا، دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے۔ ورنہ جو لوگ دین کے دائرہ میں صرف علم کے لئے داخل ہوتے ہیں اور دین حقہ پر اعتراض کرنے کے سوا ان کی اور کوئی غرض نہیں ہوتی یہ لوگ لصوص دین (دین کے چور) ہیں۔ یہ محض اس لئے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ ان سے کوئی دنیاوی نفع اٹھا سکیں یا جن اجزاء سے اپنے وسوسوں کی توثیق کر سکے ہوں۔ انہیں چرالیں حقیقت یہ ہے کہ ان لصوص دین کی ایک خاصی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے۔ اعاذ باللہ من شرورھم۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آزاد خیال لوگوں کی اصلاح کے لئے کئی مکتوب تحریر فرمائے ہیں ان میں سے دو تین کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ قدس سرہ نے تعلیم یافتوں کا نام طالبان بے باک رکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''بیباک (یعنی آزاد خیال) طالب خواہ کسی فرقہ سے ہوں یہ دین کے چور ہیں۔ ان کی صحبت سے بچنا ضروریات دین میں سے ہے۔ یہ

سب فتنہ وفسا جو دین میں پیدا ہوا ہے انہی لوگوں کی کمبختی سے ہے کیونکہ انہوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔(دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۳)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''وہ شخص جو تمام احکام شرعیہ کو اپنی عقل کے مطابق اور عقلی دلائل کے برابر کرنا چاہے وہ شان نبوت کا منکر ہے۔ جس کے ساتھ کلام کرنا بے وقوفی ہے۔(دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۴)

ایک اور مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''اور تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے اور اخبار مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں بیہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں۔ اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں اور دور از معاملہ سمجھے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی بے خبر اور بے وقوف ہیں اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے منتظم و منضبط یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بیہودہ دلائل ہے بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو زاویہ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور ماموئی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے۔

علم طب و نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہیں۔ انہوں نے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ باتوں کو رائج کیا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''المنقذ عن الضلال'' میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

اہل ملت اور انبیاء علیہم السلام کے تبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم السلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف بطور تبرع (زائد طور پر) لاتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے۔ بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑی ہیں۔ ضلوا فاضلوا (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا)

(اسی مکتوب میں تقریباً دس صفحات کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

اہل فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ ان کو ازلی ابدی کہتے ہیں اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین لوگ اپنی بے وقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہل اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں اور بعض اسلامی احکام کے بجا لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور جرات اور دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان جانتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام و کامل جانتے ہیں اور اگر کوئی ان کو طعن و تشنیع کرے تو یہ برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوص قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔(دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶)

طالب علموں یا تعلیم یافتوں کی اسی جماعت کے بعض افراد کا ذکر ایک اور مکتوب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''چند سال ہوئے...... بعض طالب علموں نے طمع کی بدبختی سے جو ان کے خبث باطن سے پیدا ہوئی ہے امراء اور بادشاہوں کا تقرب حاصل کر کے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے اور دین متین میں تشکیکات و اعتراض اور شکوک و شبہات پیدا کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو راستہ سے بھٹکا رہے ہیں۔(دفتر دوئم مکتوب نمبر ۶۷)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں: بعض لوگ جو علوم فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات (ڈھکوسلوں) پر فریفتہ ہیں۔ ان لوگوں کو حکما جان کر انبیاء علیہم السلام کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیہم السلام کی شرائع پر مقدم سمجھنے لگیں۔ اعاذنا اللّٰہ سبحانہ عن الاعتقاد السوء (اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے) ہاں جب ان لوگوں کو حکما جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں تو ناچار اس بلا میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو پس وہ علم جو ان کے مخالف ہوں گے وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب لازمی ہے۔ اب جو چاہے انبیاء علیہم السلام کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زیاں کار اور ناامید بن جائے۔

(دفتر سوم مکتوب نمبر ۲۳)

قارئین حضرات! حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کو نقصان پہنچانے والے جن پانچ راستوں کی نشاندہی کی ہے ان میں تین کے متعلق آپ قدس سرہ کے ہی مکتوبات شریفہ سے کچھ تحریر کیا ہے اور ایک راستہ جو ارباب حکومت کا ہے اس کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بہت کچھ لکھا ہے جن سے اس وقت کے ارباب حکومت کی بہت زیادہ اصلاح ہوئی۔ اب بھی اسی طرح اس دور میں بہت ضرورت ہے لیکن اس کے لئے کسی بڑی ہستی حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز یا مولانا احمد رضا خان بریلوی دین وملت کے مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مانند ضرورت ہے جو ان میں اصلاح فرمادے اس لئے مولف اپنی کم علمی اور ناقص ذہن کی وجہ سے ان کے متعلق یہاں کچھ تحریر کرنے سے قاصر ہے اور صرف دعا ہی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کوئی حضرت مجدد الف ثانی یا مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح صاحب علم اور جرات مند ہستی پیدا فرما کر ارباب حکومت کی اصلاح فرمادے۔ آمین!

قارئین حضرات آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بعد ایک اور گروہ رونما ہوا ہے جس کی نشاندہی مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور اس کی اصلاح کے لئے یا اس سے بچنے کے لئے بہ زیادہ کوشش حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فرمائی لیکن ان کے بعد وہ گروہ باوجود اکابر دین کی مخلصانہ کوششوں کے بڑی ترقی کر رہا ہے اور کافی تعداد میں لوگ خاص کر سادہ لوح ان کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس گروہ کے متعلق کچھ تحریر کیا جائے گا لیکن پہلے اوپر درج شدہ پانچویں گروہ یعنی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیر کرنے والا ہے اس کے متعلق کتاب "حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ" کی اصل تحریر نقل کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے پہلے میں (مولف) یہ بھی واضح کر دوں کہ قارئین حضرات نے اس سے پہلے جو کچھ تحریر ہو چکا ہے پڑھ کر محسوس کیا ہوگا وہ زیادہ تر معتبر اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کی تصنیفات سے اخذ کیا ہے اور اس کے بعد جو کچھ تحریر کیا جائے گا وہ بھی اسی طرح اخذ کیا جائے گا وہ اس لئے کہ مولف نہ تو زیادہ دینی علوم سے بہرہ ور ہے اور نہ ہی دنیاوی علوم کا ماہر ہے اور نہ اس قابل ہے کہ اپنی طرف سے کوئی کتاب لکھ سکے بعض لوگ میری اس بات سے حیران ہوں گے یا مذاق اڑائیں گے کہ کیسا آدمی ہے۔ لیکن حضرات مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میرے ذہن میں ایک شوق پیدا ہوا جو کافی سالوں سے مجبور کر رہا تھا کہ میں کچھ دین الٰہی کی خدمت کروں لیکن مجھے اپنی تعلیمی کمزوری کی وجہ سے ہمت نہ ہوتی بہت عرصہ پہلے کا واقعہ ہے کہ عاصی کو ایک خواب آئی جس کا ذکر اپنے پیرومرشد پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت سید عظمت علی شاہ صاحب المعروف چن جی سرکار دامت البرکاۃ العالیٰ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بیلیا اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ایک کام تمہاری زندگی میں لے گا جس سے عوام کو فائدہ حاصل ہوگا۔ پس اس کتاب کے تحریر کرنے میں یہی وجہ بنی ہے اور اپنے پیرومرشد کے فرمان کے مطابق اور آپ کی نظر کرم کے صدقے سے یہ ہمت کر رہا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پیرومرشد کی نگاہ کرم سے میرے اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور مجھے حق سچ لکھنے کی توفیق فرمائے اور مجھے اور آپ کو پڑھ کر اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اسی وجہ سے معتبر اور مشہور بزرگان دین کی تصنیف شدہ کتابوں کا

سہارا لیا ہے تاکہ صحیح صحیح تحریر لکھی جائے غلطی کا امکان کم ہو اور قارئین حضرات اپنے دلوں میں اسے صحیح جان کر فائدہ اٹھائیں اور میرا خواب سچا ہو جائے اور شوق بھی پورا ہو جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کاوش میں میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہوں یا آپ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اب اصل موضوع تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

دشمنان صحابہ کرام کے خلاف جہاد

اس کے لئے کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ص ۱۴۸ تا ۱۶۰ نقل کیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں ان اسباب کی طرف اشارات گزر چکے ہیں جن کی وجہ سے دور اکبری میں شیعوں کو حکومت کے اندر عمل دخل کا موقع ملا اور عہد جہانگیری میں ملکہ نور جہاں کے طفیل حکومت کی باگ اسی گروہ کے ہاتھوں میں چلی گئی بلکہ جہانگیر کے نام سے ملکہ نور جہاں کا گھرانا ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ خود جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ الناس علی دین ملوکھم کے فطری اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم پھیلنے لگے اور شیعی خیالات عوام سنیوں میں سرایت کرنے لگے چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی اسی لئے کھڑے کئے گئے تھے کہ دین اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے تمام فتنوں اور گمراہیوں کا قلع قمع کر کے دین کو پھر سے تر و تازہ اور ملت کو از سر نو زندہ کریں اس لئے آپ نے اس فتنہ کے استیصال کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں (اوپر درج شدہ بعض مضامین کے ضمن میں بیانات کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' میں مذکور ہیں۔

(۱) شیعی علماء سے آپ نے عام و خاص جلسوں میں بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کئے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے اس اقدام نے اس گمراہ فرقہ کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور آپ کی اسی ایک ضرب نے ان کی کمر توڑ دی۔

(۲) مشہد کے بعض علماء شیعہ نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک نہایت پرفریب اور سراپا تزویر رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں: ''حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذمت و تشنیع تھی'' (العیاذ باللہ) اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا خصوصاً امراؤ حکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد بیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آفرینیوں اور ابلہ فریبیوں کا پردہ خوب اچھی طرح چاک کیا پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا، اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

(۳) حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے بہت سے مکاتیب میں شیعی اصول و خیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہو رہے تھے آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔ آپ کے مکاتیب اگرچہ خاص اشخاص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر ان کی حیثیت نجی خطوط کی ہوتی تھی لیکن ان کی نشر و اشاعت اور نقل در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اس ''غیر اخباری'' زمانے میں آپ کے یہاں سے ''مجدد گزٹ'' نکلتا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، بدخشاں، خراساں، توران، طالقان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے یا یوں کہئے کہ ایک خاص نظام و نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب بھی مختلف ذرائع سے مکتوبات شریفہ کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے اس لئے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ و اشاعت کا ایک نہایت منظم اور موثر سلسلہ تھا، اس ذریعہ سے بھی آپ نے فتنہ رفض کی بڑی حد تک روک تھام کی۔ اس سلسلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے یہاں چند عنوانات کے تحت مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما

شیعیت کا پہلا زینہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا اعتقاد ہے اور چالاک روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ ناانصافی کی یا کم از کم یہ کہ صحیح انتخاب نہیں کیا اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظنی اور بغض و عداوت ہی شیعی مذہب کا سنگ بنیاد ہے بہر حال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدہ تفضیل ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے چند اقتباسات تعلیمات مجددیہ میں مذکور ہیں فلیرا جع الیہا۔

افضلیت شیخین اور حضرات خلفائے اربعہ کے باہمی فرق مراتب کے متعلق آپ نے کہیں کہیں ''رسمی علوم'' اور اصطلاحی دلائل سے گزر کر اسرار و لطائف کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے۔ خواجہ محمد اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب گرامی میں تو اسی رنگ مین اتنا لکھا ہے گویا الہامی معارف کا چشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے، اس کے بعض حصے تو عام فہموں بلکہ متوسطین کی عقلوں سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو متوسط لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں، اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

''حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض عجیب و غریب علوم و اسرار مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ کہ جن میں سے اکثر حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرار (یعنی خلفائے اربعہ) رضی اللہ عنہم کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے مطابق حوالہ قلم کرتا ہوں توجہ سے سنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدی ﷺ کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی ﷺ کے درجوں پر فائز ہونے کے باوجود گزشتہ انبیاء کے درمیان بلحاظ ولایت حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور باعتبار دعوت جو کہ مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ (ولایت و دعوت) دونوں کے لحاظ سے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان دونوں (ولایت و دعوت) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جہت غالب ہے۔

(پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں) اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق نبوت محمدی ﷺ کے بوجھ (بار) کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیر (علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ) حضرت عیسیٰ کے ساتھ مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی ﷺ کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کو برزخیت (درمیانی حیثیت) کے اعتبار سے (نبوت محمدی ﷺ و ولایت محمدی) ہر دو طرف کے بوجھ کو اٹھانے والے فرمایا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اور چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی کے حامل ہیں اس لئے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے انہی سے منتسب ہوئے ہیں اور اکثر اولیائے عزلت (گوشہ نشینوں) پر جو کہ کمالات ولایت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے کمالات حضرات شیخین کے کمالات کی بہ نسبت زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عزلت کا کشف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم رکھتا کیونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات انبیاء علیہم السلام کے کمالات کے مشابہ ہیں اور صاحبان ولایت کی ان کمالات تک دسترس نہیں ہے اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات نبوت کے مقابلے میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالات ولایت کمالات نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لئے زینے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور

ہے۔آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبولیت سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علماء اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں، ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا گیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ اپنے پیغمبر کی متابعت کے باعث مقام نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور ان کمالات سے کامل حصہ نہیں دیا گیا تب تک شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہیں بخشی گئی تھی اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہیں دکھائی گئی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی، اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول پیغام حق کے ساتھ آئے ہیں)

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ راویوں نے لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دونوں بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا، گویا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان علیحدہ شان اور سب سے الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں، اگر فرق ہے تو صرف بلندی اور پستی کا ہے (یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اسی محل کے نیچے کی منزل میں ہیں) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم سرائے یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے امت کی وہاں کیا رسائی ہے۔

ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

یہ لوگ کمالات شیخین رضی اللہ عنہما سے کیا حاصل کریں، یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی و برتری کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی صفات سے متصف اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں) اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما وفات کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی پیغمبر کے دائیں بائیں اکٹھا ہوگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس ان کی افضلیت اقربیت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان حضرات کے کمالات کے متعلق کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے، ذرے کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے، اور قطرے کی کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔

ان اولیاء نے جو دعوت خلق کی طرف لوٹا دیئے گئے ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے کامل حصہ رکھتے ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے علماء مجتہدین نے کشف صحیح کے نور و فراست صادقہ اور متواتر روایات سے حضرات شیخین کے کچھ کمالات کو دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل کا کچھ حصہ پہچان کر ان چاران کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے، اور اس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو، غلطی پر محمول کر کے اس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ صدر اول (عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں) ان کی افضلیت صحیح و مسلم ہو چکی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ"۔ (دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

افضلیت شیخین کے مسئلہ پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے معارف رقام فرمائے ہیں لیکن ہم بقصد اختصار یہاں انہیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس مکتوب کے اقتباسات سے دوسرے نادر فوائد اور عجیب وغریب اسرار ولطائف کے علاوہ ناظرین کرام کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ اکثر سلاسل اولیاء اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟ اور عام ارباب ولایت کو جناب مرتضوی رضی اللہ عنہ ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ بعض ارباب ولایت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی بہ نسبت جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق (جو کہ صرف غور وفکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور کشفی تلقین ہے جس) کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو چونکہ مقام نبوت سے زیادہ قرب ہے اور نسبتاً ان پر کمالات نبوت کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے ان کے کمالات خاصہ تک ان عام ارباب ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی جن کی پرواز صرف مقام ولایت تک ہے اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ میں ولایات کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالات ولایات ہی کا غلبہ ہے اس لئے عام ارباب ولایت ان کے کمالات وفضائل کا ادراک خوب کرسکتے ہیں اسی واسطے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں اور اسی قرب ومناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیاء اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد پاک کو منور فرمائے، اس تحقیق انیق نے کتنی الجھنیں صاف کردیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا...... روح مجدد شاد باد!

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "افضلیت شیخین کا عقیدہ اہل سنت کے "ضروریات" اور اجماعیات میں سے ہے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہل سنت سے خارج ہے" چنانچہ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۲۰۳ میں ارقام فرماتے ہیں: "کسیکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ را افضل از حضرت صدیق رضی اللہ عنہ گوید از جرگہ اہل سنت بر آمد" (یعنی جو کوئی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے وہ اہل سنت سے خارج ہے) (تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۹۱، ۱۹۲)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت جمہور اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرات خلفاء اربعہ کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ترتیب ہے یعنی شیخین کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین خلیفہ برحق ہیں۔ اسی طرح فضیلت کے اعتبار سے بھی شیخین کے بعد آپ کا مرتبہ ہے آپ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق ہیں اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ چوتھے مرتبہ پر ہیں، رضی اللہ عنہم۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس شوریٰ نے کیا تھا اور اس مجلس شوریٰ نے جس میں خود حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے آخر کار انتخابات کے پورے اختیارات حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیدیئے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کی نظر میں جو صاحب الرائے اور قابل مشورہ حضرات تھے انہوں نے خفیہ طور پر ان سے فرداً فرداً رائے حاصل کی۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہوں اس لئے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی منصب خلافت تفویض کردیا پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت و فوقیت بھی جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاطی قرار دینا ہے اور بلاشبہ شیعی خیالات کے دل میں گھسنے کا یہ پہلا چور دروازہ ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا اور صاف ارقام فرمایا کہ:

''اکثر علمائے اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت علی اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے اور بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو توقف نقل کیا ہے اس کے متعلق قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس توقف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی رحمہ اللہ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی صحیح ہے''۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

بایں ہمہ حضرت مجدد قدس سرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس درجہ یقینی و قطعی نہیں کہتے جس درجہ کی حضرات شیخین کی افضلیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:

''الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی یقینی ہے لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں اور اس کو صاحب بدعت و گمراہ جانیں''۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

بعض صلح کل، رواداری اور وسیع الخیالی کا دعویٰ کرنے والے حضرات کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے ہم تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر سمجھتے ہیں آج کل اس قسم کے وسیع خیال لوگوں کی بڑی کثرت ہے، ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

''اور جو شخص سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برابر جانے اور ایک دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ خود احمق و ابوالفضول ہے اور وہ عجیب ابوالفضول ہے جو کہ اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے، شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے''۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

(۳) مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم:

شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان نزاعات و محاربات کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقع ہوئے۔ یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی اختلافات و نزاعات و مشاجرات اور محاربات کو اپنی حاشیہ آرائی سے ناواقف و عوام سنیوں کے سادہ ذہنوں میں اولاً یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں گویا دو پارٹیاں تھیں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پارٹی تھی اور دوسری ان کے مخالفین کی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننا چاہتی تھی۔ ان کے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیلی واقعات اور اصل حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں اور ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرب و قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ذاتی فضائل و کمالات اور اسلامی خدمات کی وجہ سے سچی محبت اور پختہ عقیدت ہوتی ہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرام یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سینکڑوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ بدظنی بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لئے بھی پورا زور قلم صرف کیا ہے اور بلا مبالغہ بیسیوں پچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ایک طویل مکتوب جس میں مسائل شیعہ و شبہات شیعہ پر ہی بحث ہے خواجہ محمد تقی کے نام ہے جو حکومت وقت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے جیسا کہ خود مکتوب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے اس مکتوب میں نزاعات و مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

''اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیہم حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کو نیک وجوں پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے، اور ان کے سینے عداوت و کینے سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ چونکہ ان میں سے ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض امور میں اختلاف آراء کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت ناگزیر ہوگئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے پر عمل کرنا درست ہوا۔ پس ان کی یہ مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفس امارہ کی خواہش کے لئے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے حضرات اہل اسلام کا ایک جم غفیر ہیں جو کہ جلیل القدر اصحاب ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت مل گئی ہے ان کو کافر اور برا کہنا معمولی بات نہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (چھوٹا منہ اور بڑی بات) تقریباً نصف دین اور شریعت کو انہوں نے ہی اس امت تک پہنچایا ہے، اگر ان پر طعن کی جائے گی تو نصف دین سے اعتبار واعتماد دور ہو جائے گا۔

(پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں) جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان سے اختلاف کرنے والے خطا پر۔ اگرچہ محاربہ (ان جنگوں) میں حق بجانب امیر تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوا کہ صدر اول کے اختلافی مسائل میں علماء و تابعین اور آئمہ مجتہدین نے حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کیا ہے اور اس مذہب پر حکم جاری نہیں کیا، اگر حق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب ہی متعین ہوتا تو یہ حضرات اس کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین میں سے ہیں اور صاحب اجتہاد ہوئے ہیں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں جاری کیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کو نسبت فرزندی کی وجہ سے منظور نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت کو جائز نہیں رکھا ہے۔

"اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں اختیار کئے گئے ہیں، جو منصف تلاش کنندہ پر مخفی نہیں ہیں، ان کی تفصیل طویل ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور ان سے اختلاف کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا"۔ (دفتر دوم مکتوب ۳۶)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریفہ میں بکثرت ہیں یہاں بقصد اختصار انہی اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے اس کا کچھ بیان تعلیمات مجدد کے باب میں بھی مذکور ہے۔ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے صرف اس اصولی بحث پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزاعات و محاربات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئے ہیں ان کے فضائل و مناقب بھی آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بڑے اہتمام سے تحریر فرمائے ہیں، جن کے مطالعہ کے بعد کوئی صحیح الایمان مسلمان ان بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان ہو ہی نہیں سکتا، چنانچہ ان میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے محاربین میں سے ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ، ان محاربات ہی پر کلام کرتے ہوئے ایک موقع پر ارقام فرماتے ہیں (اس اقتباس کا کچھ حصہ جس میں فضائل صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکور ہیں تعلیمات مجدد میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے)

"حضرت امیر اگر پیغمبر ﷺ کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔ اس سے چند سال پہلے فقیر کی یہ عادت تھی کہ اگر طعام پکاتا تھا تو اہل عبا (اہل بیت) کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت امامین رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں، فقیر نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا، آپ ﷺ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا، اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں جس کسی کو میرے لئے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواج مطہرات کو کہ وہ سب اہل بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہل بیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا جو حضرت پیغمبر ﷺ کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچی ہے وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سبب سے پہنچی ہے''۔ (دفتر دوم مکتوب ۳۶)

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اسی مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اصحاب کبار اور عشرۂ مبشرہ جنت میں سے ہیں ان پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور ان پر کی ہوئی لعنت و پھٹکار، لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا تو ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو شامل کیا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی دلیل واضح نہ پائی تو طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے اختیار سے خلافت کا حق چھوڑ دیا اور ہر ایک نے و ترکت حظی (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا اور یہ وہی طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت ﷺ کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی، قتل کر کے اس کے سر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے تھے، قرآن مجید میں اس فعل پر ان کی تعریف و ثنا بیان کی گئی ہے اور یہ وہی زبیر ہیں جن کے قاتل کے لئے مخبر صادق ﷺ نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے قاتل زبیر فی النار (زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل دوزخ میں ہے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر لعن و طعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگواران اسلام کی طعن و مذمت سے بہت بہت ڈرنا چاہئے، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کلمہ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سرتوڑ کوششیں کی ہیں۔ رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال و اولاد و ازواج، گھر بار، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت اور کنووں و نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال و اولاد کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے، وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے اور خوارق و معجزات کو دیکھا، حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک یا آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرتا ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (یہ لوگ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے) ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جس کی بیشمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے اور مضبوط ہو جائیں جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ و غضب میں آئیں) (سورہ الفتح آیت ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے پس جس طرح مومن لوگ کفر سے ڈرتے ہیں اسی طرح ان پر غیظ و غضب کرنے سے بھی ڈرنا چاہئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو اور رسول اللہ ﷺ کے منظور اور مقبول ہو گئے ہوں، اگر وہ بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے و اجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں، بلکہ ایسے وقت ان کا آپس میں اختلاف کرنا اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے''۔ (دفتر دوم مکتوب ۳۶)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلافات ہوئے اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی ان میں سے ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

بھی ہیں، چونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ دیر تک رہی اور ان کے خاندان میں خلافت و امارت دیر تک رہی اس لئے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا دوسروں کی نسبت بہت زیادہ کیا گیا۔ اسی کا اثر ہے کہ بہت سے سنی حضرات بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرات کر جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی رفض ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کی خطا کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کرنا اہل سنت کے عقائد میں شمار کرنے کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، چند اقتباسات تعلیمات مجددیہ میں بیان ہوئے ہیں مزید چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

''اور شیخ ابو بکر سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت و جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مع ان تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کون سا گروہ ہے جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں جیسا کہ گزر چکا اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی کے حکم سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ امام غزالی اور قاضی ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والو کے حق میں فسق و ضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، وعثمان رضی اللہ عنہ و عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے وہ واجب القتل ہے۔ یا اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ ہی فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب کی طرف ان کو منسوب کیا ہے یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ جمل کی لڑائی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ شہید اور قتل ہوئے، پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا ہے

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین میں سے ہیں اور اپنے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا اگر وہ گالی کے مستحق ہوتے تو ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو گالی دینا کبیرہ گناہ جان کر ان کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز ان کو گالی دینا ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ پس معاویہ رضی اللہ عنہ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہ رضی اللہ عنہ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہیں، کم و بیش آدھے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرتا۔

اے برادر! اس فتنے کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ جو اول مدینہ سے باہر نکلے تھے تاخیر قصاص کے باعث نکلے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ بھی کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے باعث ہوا ہے، اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کر دی ہے کہ وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لئے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے

ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کو اہل سنت کے معتقدات سے کہا ہے“۔ (دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

شرف صحبت

شیعہ اور اہل سنت کے نقطہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک ”صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ کی کوئی خاص اہمیت نہیں، جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو معاذ اللہ وہ مومن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن چار حضرات یعنی حضرات مقداد، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل اور ان کے ناصر و مددگار تھے۔ بہر حال نفس صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر صحبت رسالت کی حقیقی عظمت کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی افضل و شرف کو وہ سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہو سکتا، اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زور قلم صرف کیا ہے چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ستاروں کی مانند فرمایا بالنجم هم يهتدون اور اہل بیت کو کشتی نوح کی طرح اس میں اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لئے ستاروں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تا کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے اور ستاروں کی رعایت کے بغیر نجات بالکل محال ہے۔ اور اس بات کو اچھی طرح معلوم کریں کہ بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم مشترک ہیں، اور صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ جو تمام تابعین میں سے اچھے ہیں ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی ہوگی کیونکہ ان کا ایمان صحبت اور نزول وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی کو اس درجہ کا ایمان نصیب نہیں ہوا اور اعمال ایمان پر مترتب ہوتے ہیں اور ان کا کمال ایمان کے کمال کے موافق ہوتا ہے اور جو کچھ ان کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی روح سے تھے، اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا کار کے لئے بھی ایک درجہ ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہل سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہی بچاؤ والا اور مضبوط راستہ ہے“۔ (دفتر اول مکتوب ۵۹)

اس مضمون کے کچھ اقتباسات جو دفتر اول مکتوب نمبر ۱۲۰ اور ۲۵۱ سے ماخوذ ہیں تعلیمات مجدد میں مذکور ہیں۔ صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت و اہمیت کے متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین مکتوبات میں بکثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار ان شاء اللہ العزیز کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم بقصد اختصار اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی یہ دعا: اللهم وان لم تخلقنا فی هذه النشاة فی قرن هولاء الا كابر فاجعلنا فی النشاة الاخرة محشورین فی زمرتهم بحرمة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوات والتحیات والتسلیمات۔ پڑھتے اور اس پر آمین کہتے ہیں۔

(۴) سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب

اہل تشیع کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ ”مطاعن“ ہیں، مکالمات و مباحثات میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی بحث میں عاجز آجاتے اور میدان کلام کو اپنے لئے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعن صحابہ پر آجاتے ہیں اور اس مبحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل و اساس ہے اور دوسروں کو بھی اس گمراہی میں شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی مطاعن ہی کی اشاعت ہے اس لئے حضرت مجدد قدس سرہ نے ”مطاعن“ کے جوابات کی طرف بھی خالص توجہ مبذول فرمائی اور شیعوں کے ان مشہور ”مطاعن“ کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت اچھالتے ہیں آپ نے رسالہ ”رد روافض“ کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپرد قلم

فرمائے ہیں۔ان تفصیلی جوابات کے علاوہ ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی ساری بحثیں کافور ہو جاتی ہیں اور یقین واثق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ مصنفین نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر سیاہ کیے ہیں حضرت مجدد قدس سرہ کا یہی ایک اصولی جواب ان سب کو خاکستر کر دینے کے لئے کافی ہے چنانچہ ایک طویل مکتوب میں واقعہ قرطاس پر کلام فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

''خدا آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت دے۔آپ کو واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے اور شبہے جو بعض لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور باقی تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں۔اگر یہ لوگ انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے شرف ورتبہ کو قبول فرمائیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے نفس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہوا وہوس سے پاک وصاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت وکینہ نکل چکا تھا اور ان کو واضح ہو جائے گا کہ یہی وہ اکابر اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں جنہوں نے کلمہ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید امام کی مدد اور دین متین کی تائید کے لئے رات دن اور ظاہر و باطن میں اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ کیا اور اپنے خویش وقبیلہ اور اولاد وازواج اور وطن وگھر بار کھیتی کیاری کنوئیں و باغ وانہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں چھوڑ دیا تھا،اپنے نفسوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو ترجیح دی تھی اور اپنی جان و مال اور اولاد کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اختیار کیا تھا۔ان بزرگواروں نے وحی وفرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات وخوارق کو دیکھا تھا۔یہاں تک کہ ان کا غیب شہاد سے اور ان کا علم عین سے بدل چکا تھا،یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ نیز ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔توریت اور انجیل میں ان کی یہی مثال ہے) جب تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں تو خلفاء راشدین جو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل واعلیٰ ہیں ان کی فضیلت وبزرگی کس قدر ہوگی۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) نظر انصاف کے ساتھ دیکھنے اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کے قبول کرنے اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے درجات کی بلندی اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے اور تشکیکات پیدا کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور ملمع کی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار خیال کریں گے اور اگر وہ ان شبہات میں غلطی کو تجویز نہ کریں گے اور ان کو وہمی اور خیالی باتوں کی طرح نہ سمجھیں گے تو کم از کم اتنا ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات وتشکیکات کا ماحصل ہیچ و پوچ ہے بلکہ اسلامی تصریحات و مرویات کے برخلاف ہے اور کتاب وسنت کے مقابلے میں مردود اور مطرود ہے''۔ (دفتر دوم مکتوب ۹۶)

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے واقعہ قرطاس پر چند مقدمات قائم کر کے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس کے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا جواب دیا ہے گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کر کے انگلی رکھ رکھ کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے۔ان مقدمات کا خلاصہ یہ ہے:

اوّل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال وگفتار وحی کے مطابق نہ تھے ورنہ بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔

دوم:

احکام اجتہادیہ وامور عقلیہ میں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو اور رد وبدل کی گنجائش تھی۔

سوم:

سہو ونسیان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جائز بلکہ واقع ہے اور وحی قطعی کے ساتھ سہو ونسیان پر اطلاع فرما کر صواب کو خطا سے الگ کر دیا جاتا ہے کیونکہ نبی کا خطا پر مقرر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے احکام شرعیہ کا اعتماد رفع ہو جاتا ہے۔پس شدت مرض میں بتقاضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے

قصد و بے اختیار کلام کا صادر ہونا جائز ہے۔

چہارم:

حضرت فاروق وخلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کتاب وسنت میں جنت کی بشارت ہے اور ایسی احادیث تواتر معنی تک پہنچ چکی ہیں جن کا انکار کرنا سراسر جہالت یا بغض وعناد ہے۔

پنجم:

کاغذ لانے میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا توقف رد وانکار کے باعث نہ تھا (نعوذ باللہ) بلکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مطلب استفہام واستفسار تھا جیسا کہ لفظ استفھموہ سے ظاہر ہے کہ اگر آپ اہتمام سے کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے ورنہ ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دی جائے، کیونکہ اگر امر وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو پھر تاکید ومبالغہ سے طلب فرمائیں گے اور اگر امر وحی سے طلب نہیں فرمایا ہے بلکہ آپ محض اپنے خیال وفکر سے کچھ لکھوانا چاہتے ہیں تو اس حالت میں آپ کو تکلیف نہ دی جائے، آپ کے بعد بھی اجتہاد واستنباط باقی رہے گا۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں جدا اہتمام نہ فرمایا بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہیں تھا اور وہ توقف جو محض استفسار کے لئے ہو مذموم نہیں ہے۔

ششم:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہونے کے باعث اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر زمانہ اصحاب کرام کا زمانہ ہے۔ پس اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کاغذ کے لانے سے منع کرنا کفر کے باعث ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنصیص وتصریح نہ کرتے اور مہاجرین وانصار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین نہ بناتے...... جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو بلا تکلف اس شبہ کا اور اس قسم کے دوسرے شبہات کا جواب حاصل ہو گیا بلکہ متعدد اور کئی قسم کے جوابات حاصل ہو گئے کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ متعدد جوابوں میں سے ایک جواب ہے ان تفصیلی مقدمات کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس قسم کی تشکیکات صریحاً جھٹلانے کے قابل ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے باطل کرنے میں لائے گئے ہیں اس ہدایت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔

(پھر چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں) ہائے افسوس! ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ اکابر دین کے لئے گالی نکالیں اور اسلام کے بزرگوں پر طعن لگائیں، حالانکہ فاسقوں اور فاجروں میں سے کسی کے لئے گالی نکالنا اور طعن لگانا یہ درجہ نہیں رکھتا کہ شرع میں عبادت وکرامت و فضیلت ونجات کا وسیلہ سمجھا جائے تو پھر دین کے ہادیوں کو گالی دینا اور اسلام کے حامیوں کو طعن لگانا کس طرح عبادت ہو سکتا ہے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حق تعالیٰ قرآن مجید میں اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں رحماء بینھم فرماتا ہے، پس ان بزرگوں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت وکینہ کا گمان کرنا نص قرآنی کے برخلاف ہے۔ نیز ان بزرگواروں میں عداوت وکینہ کا ثابت کرنا فریقین میں قدح ومذمت پیدا کرتا ہے اور دونوں گروہوں سے امان کو دفع کرتا ہے جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہتر تھے، اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گویا بدترین مردم تھے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ تھا اور اس قرن وزمانہ کے لوگ عداوت وکینہ سے موصوف تھے۔ کوئی مسلمان اس بات پر دلیری نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس امر کو جائز کہہ سکتا ہے، یہ عقیدہ رکھنا کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی ہو اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے

پوشیدہ دشمن رہیں۔اس امر میں فریقین کی مذمت وملامت ہے۔

(پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی لڑنے والے اگر چہ باغی ہیں لیکن وہ سب کے سب صاحب تاویل اور صاحب رائے واجتہاد تھے، اگر چہ وہ اس اجتہاد میں خطا کار بھی ہوں تب بھی طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر سے دور اور پاک ہیں۔حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے حق میں فرماتے ہیں کہ اخوا ننا بغوا علینا لیسوا فسقة ولا کفرة لما لهم من التاویل (ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی وہ نہ فاسق ہیں نہ کافر، کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہئے''۔(دفتر دوم مکتوب ۹۶)

درحقیقت شیعوں کے تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے سمجھ لینے کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تار تار ہو جاتا ہے۔تقیہ وغیرہ دوسرے معتقدات شیعہ پر بھی حضرت مجدد قدس سرہ نے واضح طور پر بحث کر کے ان کا رد کیا ہے۔جو مکتوبات شریفہ ورد روافض میں موجود ہے۔حضرت مجدد قدس سرہ نے فتنہ روافض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ''رد روافض''کے علاوہ مکتوبات شریفہ میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے اگر اس سب کو یکجا جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے،اس مختصر بیان میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں درحقیقت ان کو سمندر سے کوزہ بلکہ قطرہ ہی کی نسبت ہے اس ایرانی فتنہ کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے لسانی جنگ بھی بڑی پامردی سے کی ہے اور اگر چہ یہ فتنہ حکومت وقت کی آغوش میں تربیت پا رہا تھا اور گویا شاہی محل ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا پھر بھی آپ نے بارہا علی رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں کے ذریعہ اس کی تار پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا،چنانچہ''رد روافض''کے دیباچہ میں وجہ تالیف کے تحت خود حضرت مجدد قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں''بعض شیعہ طلبا جوان اطراف میں آمد ورفت رکھتے تھے اپنے دلائل پر بڑا فخر وناز کیا کرتے تھے اور امراء وسلاطین کی مجلسوں میں ان مغالطوں کو پھیلا رہے تھے فقیر اگر چہ ان مجلسوں اور معرکوں میں زبانی طور پر عقلی ونقلی دلائل سے ان کا رد کرتا رہتا تھا اور شیعوں کی صاف وصریح غلطیوں پر امراء وسلاطین کو مطلع کرتا رہتا تھا لیکن بموجب حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہ''جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو برا کہا جانے لگے تو اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر خدا اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل طاعت وصدقہ قبول نہ فرمائے گا۔میری رگ فاروقی حمایت اسلامی میں محض اتنی سی تردید وجواب پر کفایت نہیں کر سکتی تھی اور میرے سینہ بے کینہ کی جلن اس سے ٹھنڈی نہ ہوتی تھی اس لئے خاطر ناقص میں یہ خیال جم گیا کہ شیعوں کی خرابیوں کا اظہار جب تک قید تحریر میں نہ لایا جائے گا اس وقت تک اس کا کامل فائدہ اور عام نفع نہ ہو سکے گا''۔

پس یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی کی ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلاب عظیم میں بہنے سے بچا لیا۔

اللهم نور مرقده و برد مضجعه احشرنا معه بحرمة سی الاوّلین والآخرین صلوٰت الله و سلامه علیه و علی اله واصحابه اهل بیته و ذریاته اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین. (تذکرہ مجدد الف ثانی،ص ۱۸۰ تا ۲۱۶ ملخصاً وزیادۃً)

اس موضوع پر جو تحریر کتاب''حضرت مجدد الف ثانی''اس سے قبل تحریر ہو چکی ہے اس میں آپ دیکھیں گے کہ کس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دشمنان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس طرح دندان شکن جواب دیئے اس کو پڑھ کر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کیا ہے اور ان کی فضیلت ایک دوسرے پر کیا ہے۔خاص کر خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اس میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیل کی ترتیب وہی ہے جو آپ کی خلافت کی ترتیب ہے۔اس کے علاوہ سیدنا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مشہور ومعروف کتاب''کشف المحجوب''میں اور سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب''غنیۃ الطالبین''میں بھی یہی ترتیب

بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ کرام کے جو آپس میں فروعی اختلافات تھے ان کے بارے میں کسی کو کچھ کہنے کی جرات نہیں کرنی چاہئے اور اپنی زبان بند رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں کئی دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں ان سے راضی ہو گیا اور وہ مجھ سے راضی ہیں۔ اس کے متعلق قرآن پاک میں کئی جگہوں پر ارشاد فرمایا گیا اور احادیث کی کتب میں بھی کافی بیان ہو چکا ہے جیسا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمایا ہے جو کہ اس سے قبل تحریر کیے جا چکے ہیں۔

باب سوئم

ارشاد اللہ تعالیٰ: انعام یافتہ لوگوں کے بارے

(پ ۵ سورۃ النساء آیت ۶۹) ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا (انعام کیا) ہے۔ یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی (کنزالایمان) تو اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق انعام یافتہ لوگ چار گروہ ہیں۔ (اور آیت نمبر ۷۰) کا ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

(۱) انبیاء کرام

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے رسول اور نبی اس دنیا پر بھیجے ہیں وہ سب اس انبیاء کرام کے گروہ میں ہیں اور ہم پر لازم ہے کہ ان سب پر ایمان لائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ (پ ۳ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۸۵) ترجمہ: رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسول کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی ہم نے سنا اور مانا تیری معافی ہو اے رب ہمارے تیری طرف پھرنا ہے۔ (کنزالایمان) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ (پ ۳ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۵۳) ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ (کنزالایمان)

سب انبیاء کرام علیہم السلام سے اعلیٰ اور افضل اور بلند درجوں والے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا (پ ۳ سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱) ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ (کنزالایمان)

(۲) صدیقین

انعام یافتہ دوسرا گروہ صدیقین کا ہے۔ صدیقین انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیح متبعین کو کہتے ہیں جو اخلاص کے ساتھ ان کی راہ پر قائم ہیں لیکن یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضل اصحاب مراد ہیں جیسے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (خزائن العرفان) اور یہی صدیقوں کے سردار ہیں۔

(۳) شہید

شہید کی تعریف یہ ہے۔ شہید وہ ہے جو مسلمان ہو، مکلف بالا حکام یعنی بالغ ہو، نیز ہتھیار سے ظلماً مارا گیا ہو یا میدان جنگ میں راہ خدا میں مردہ یا زخمی پایا گیا ہو اور شہادت حق اپنے خون سے پیش کر دی اس پر شرعاً احکام ہیں۔ اس کو غسل نہ دیا جائے، کفن اس کے اپنے کپڑوں میں ہی دیا جائے۔ اسی حال میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اسی حال میں اسے دفن کیا جائے۔ آخرت میں شہید کا بڑا رتبہ ہے۔ اس کے ادنیٰ درجہ کے شہداء وہ ہیں کہ ان پر احکام مذکورہ جاری نہیں ہوتے لیکن آخرت میں ان کے لئے درجہ شہادت ہے جیسے ڈوب کر مرنے والا، یا دیوار کے نیچے دب کر یا طالب علم علم حاصل کرنے کی خاطر میں، سفر حج میں مرنے والا، نفاس میں مرنے والی عورت، پیٹ کے امراض میں طاعون کی مرض میں، ذات الجنب اور سِل

میں اور جمعہ کے روز مرنے والے۔

مخبر صادق، طبیب حاذق سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء جب شہید ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نہایت اعلیٰ جسم عطا فرماتا ہے۔ روح جب اس جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو وہ اپنے پہلے جسم کو دیکھتی ہے بولتی ہے، پھر حوریں آکر اس کو لے جاتی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید یوم النشور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں اور عرش الٰہی کے نیچے قنادیل میں آرام کرتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب حافظ قرآن مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کے گوشت کو نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے کہ اے رب کریم میں اس کے گوشت کو کیونکر کھا سکتی ہوں کہ اس کے سینہ میں تیرا کلام ہے۔

جب حافظ قرآن اور شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء کرام کا مقام تو ان سے بلند و بالا ہے۔ موت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ شہداء کو حیات عطا فرماتا ہے ان کی ارواح پر رزق پیش کئے جاتے ہیں۔ انہیں راحتیں دی جاتی ہیں ان کے عمل جاری رہتے ہیں اجر و ثواب بڑھتا ہے حدیث میں ہے کہ روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں (شہید کی تعریف تفسیر الحسنات جلد اول ص ۲۹۴ سے نقل کی گئی ہے)

ارشادِ ربّ العالمین

(سورہ بقرہ پ ۲ رکوع اور سورہ کی آیت نمبر ۵۳ تا ۵۷) ترجمہ آیت ۵۳: اے ایمان والو نماز اور صبر سے مدد چاہو بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

آیت ۵۴ اور نہ کہو انہیں جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں شعور نہیں۔

آیت ۵۵ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں کے نقصان سے اور کچھ جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور بشارت سنا صبر والوں کو۔

آیت ۵۶ ایسے صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اسی طرف لوٹنا ہے۔

آیت ۵۷ یہ ہیں جن پر اللہ کی درودیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔ (تفسیر الحسنات)

آیت نمبر ۵۴ کا شانِ نزول بحوالہ تفسیر الحسنات پر یہ ہے کہ یہ آیت شہداء بدر کے حق میں نازل ہوئی لوگ شہداء کے حق میں کہتے تھے کہ فلاں کا انتقال ہو گیا اور دنیوی آسائش سے محروم ہو گیا تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ تو بہر حال زندہ ہیں لیکن ان کا زندہ ہونا تمہارے فہم و شعور سے بالاتر ہے ویسے اگر دیکھا جائے تو عالم کی دو قسمیں ہیں ایک عالم کون اور دوسرا عالم امر۔

عالم کون میں اجسام عام اور درخت حجر مدر سب میں ان کا وجود بتدریج ظہور میں آیا اور عالم امر اس میں روح، ملائکہ، حور و غلماں وغیرہ ہیں یہ محض حکم کن سے وجود میں آئے اور نشو و نما تدریجی سے بالا رہ کر علی الفور ظہور ہوا اور ان کا وجود ابدی ہے۔

بنا بریں جب روح جسم انسان سے خارج ہوتی ہے تو جسم پر کیفیات کا اثر ہوتا ہے اور مضمحل بھی ہوتا ہے اس میں تفتع بھی ہوتا ہے اس کے قوام بدن میں تبدل و تغیر بھی ہوتا ہے۔ لیکن روح میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ وہ جسم سے نکلنے کے بعد بھی اپنی کیفیت وجودی سے بدستور مجاز رہتی ہے۔ اگر عذاب میں ہو تو عذاب کی تکالیف محسوس کرتی ہے اور اگر جنت میں ہو تو جنت میں آرام محسوس کرتی ہے۔

صالحین

صالح وہ دیندار جو حق العباد اور حق اللہ دونوں ادا کرے ان کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور ان کے احوال و اعمال اور ظاہر و باطن اچھے اور پاک ہوں۔ پیدائشی نیک ہو۔ (تفسیر الحسنات) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ہی اپنا دوست بناتا ہے جیسا کہ فرمان اللہ تعالیٰ (پ ۴ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۴۶، ۱۴۷ اور ۱۴۸) ترجمہ: اور کتنے انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت اللہ والے تھے تو نہ سست پڑے ان مصیبتوں سے جو انہیں پہنچیں اللہ کی

راہ میں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور اللہ دوست رکھتا ہے صبر والوں کو۔ (آیت نمبر ۱۴۶)

اور کچھ نہ تھا ان کا کہنا سوا اس دعا کے اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور ہماری زیادتیاں جو ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر مدد دے (آیت نمبر ۱۴۷)

تو دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا اور بہتریاں ثواب آخرت کی اور اللہ کو نیکوکار محبوب ہیں (آیت نمبر ۱۴۸)

اس سے آگے پ ۱۱ سورہ یونس آیات نمبر ۶۲ تا ۶۴ میں ترجمہ: خبردار بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ (۶۲) وہ جو ایمان لائے اور ہوئے متقی (۶۳) انہیں بشارتیں ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں نہیں بدل سکتیں اللہ کی باتیں یہ ہے وہ بڑی کامیابی۔ (۶۴) اس سے پہلے سورہ یونس ہی کی آیت نمبر ۹ اور ۱۰ میں اللہ فرماتا ہے: ترجمہ: تحقیق جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہدایت دے گا ان کا رب ایمان کے سبب ان کے نیچے نہریں رواں ہیں نعمت کے باغوں میں۔ (۹) اور ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا بول پہلا سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ حمد اللہ کو ہے جو رب ہے سارے جہان کا (تفسیر الحسنات) اس تفسیر میں ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل خوبصورت شکل میں اس کے سامنے آئے گا یہ شخص کہے گا تو کون ہے وہ کہے گا میں تیرا عمل ہوں اور اس کے لئے نور ہوگا اور جنت تک پہنچائے گا اور کافر کا معاملہ برعکس ہوگا کہ اس کا عمل بری شکل میں نمودار ہو کر اسے جہنم میں پہنچائے گا۔

''ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اے اللہ تجھے پاکی ہے''۔

یعنی جنتیوں کی تسبیح اللہ تعالیٰ کی حمد ہوگی اور یہ ان کے لئے موجب فرحت وسرور ہوگی۔

''اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا کہ تمام حمد اللہ تعالیٰ کے وجہ منیر کو ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا''۔

یعنی ان کے کلام کی ابتداء تعظیم وتنزیہ الٰہی سے ہوگی اور کلام کا اختتام بھی اسی حمد پر ہوگا۔

اب سورہ یونس کی آیت نمبر ۶۲ کی تفسیر جو صاحب تفسیر الحسنات نے کی ہے۔ نقل کی جاتی ہے ''خبردار بے شک اللہ کے ولیوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ کچھ غم'' الا۔ محاورہ عرب میں تہدید وتنبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی قرب اور محب خالص دونوں کے معنی میں مستعمل ہے اور یہاں ولی کو ولی اس لئے کہا گیا ہے کہ اسے اخلاص عبادت سے قرب روحانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ولی محب خالص کو بھی کہتے ہیں اور ولی بمعنی نصیر بھی مستعمل ہے۔

تو انہیں خوف نہیں رہا الحاق مکارہ کا اور مطلوب کے فوت ہونے کا غم بھی نہیں ہوتا اور وہ اس حال میں ہر وقت رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ نہ تو خائف ہوتے ہیں نہ غمگین بلکہ ہمیشہ نشاط وسرور میں رہتے ہیں۔ ان کا دل نور الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہوتا ہے جب دیکھتے ہیں اور جدھر دیکھتے ہیں دلائل قدرت ہی دیکھتے ہیں اور جب سنتے ہیں جدھر سے سنتے ہیں جس وقت سنتے ہیں جس سے سنتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات ہی سنتے ہیں اور جب بولتے ہیں اپنے رب کی ثناء ہی بولتے ہیں۔ جب حرکت کرتے ہیں اطاعت حق میں کرتے ہیں۔ ان کی جدوجہد اسی میں ہوتی ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہو، وہ کبھی ذکر الٰہی سے نہیں تھکتے، ان کی چشم دل سوائے محبوب حقیقی کے غیر کو نہیں دیکھتی۔ جب بندہ اس صفت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کا ولی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ولی وناصر ومعین ومددگار ہوتا ہے۔

متکلمین کا قول ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنا عقیدہ مبنی بردلیل رکھے اور اپنے اعمال شریعت کے مطابق بجالائے۔

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ ولایت قرب الٰہی کو کہتے ہیں اور ولی جب ولی ہو جاتا ہے تو استمرار ہمیشہ وہ اللہ کے ساتھ مشغول مشاہدہ جمال رہتا ہے تو جب بندہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے کسی کا خوف نہیں رہتا اور کسی شے کے فوت ہونے کا غم نہیں ہوتا۔

سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ولی وہ ہے جسے دیکھنے یا جس کی زیارت کرنے سے اللہ یاد آئے علامہ طبری نے بھی اپنی حدیث میں یہی کہا۔

ابن زید کہتے ہیں ولی وہ ہے جس میں وہ صفت ہو جو آیت مذکورہ میں مذکور ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی وہ جو ایمان لائے اور کیفیت تقویٰ اپنے میں پائے وہ ولی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو خالص اللہ کے لئے محبت کرتے اور یہ صفت اکثر احادیث میں بھی وارد ہے۔

بعض اکابر فرماتے ہیں ولی وہ ہے جو طاعت سے قرب الٰہی کا طالب ہو، اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرمائے۔

یا ولی وہ ہے جس کی ہدایت کا برہاں کے ساتھ اللہ ہی کفیل و وکیل ہو اور حق عبادت ادا کرنے اور خلق اللہ پر رحم کرنے کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

مندرجہ بالا معانی باعتبار الفاظ اگرچہ متضادت ہیں مگر مفہوم سب کا متحد ہے اس لے کہ ہر عبارت میں ولی کی ایک صفت ہے اور جسے قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے وہ مذکورہ تمام صفات اپنے میں جمع پاتا ہے جیسے دن کی تعریف ایک شخص کرے کہ اسے کہتے ہیں جس میں سورج ہو۔

ایک کہے دن وہ ہے جس میں بغیر چراغ بتی ضوء شمس ہو ایک کہے دن اسے کہتے ہیں جو اپنی روشنی میں کسی اور روشنی کا محتاج نہ ہو، تو اگرچہ الفاظ میں تفاوت ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہے۔

اس بحث پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں چند حدیثیں نقل کی ہیں وہ بھی بغرض افادہ ہم نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں آیت کریمہ مذکورہ کے بعد یہ آیت ہے "وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری یعنی تقویٰ کرتے ہیں" اس پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ترجمہ عربی عبارت) تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ تقویٰ وہ شرط ولی ہے تو جس میں کامل تقویٰ ہوگا اس پر حب الٰہی مترتب ہوگی اور جب حب الٰہی مترتب ہوگی تو ولی کی تمام تر حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے ولی سے دشمنی یا عداوت کرے تو تحقیق میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جب میری طرف وہ (ولی) تقرب کرتا ہے ان چیزوں سے جو مجھے محبوب ہیں فرائض سے جو میں نے اس پر لازم کئے یا وہ ہمیشہ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے میری طرف نوافل کے ساتھ حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالوں تو جب میں اسے محبوب بنالوں تو ہوتا ہوں میں اس کے کان جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جس سے وہ اٹھاتا یا گرفت کرتا ہے اور اس کے پیر جس سے وہ چلتا ہے۔ (حدیث قدسی)

ایک روایت میں یہ اور زائد ہے:

جب میں اسے محبوب بنالوں تو اس کے حواس کا اور حرکت جوارح کا میں محافظ ہوتا ہوں تو وہ نہیں چلتا اور نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا اور نہیں پکڑتا مگر اس میں جس سے میں راضی ہوں اور جس کو میں پسند کروں اور وہ منقطع ہو جاتا ہے شہوات سے اور طاعات میں مستغرق رہتا ہے۔

ابن مبارک اور ترمذی نوادر الاصول میں راوی ہیں اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (ترجمہ حدیث) یعنی عرض کیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کون ہیں فرمایا وہ جنہیں دیکھو تو اللہ یاد آئے۔

احمد اور ابن حاتم اور بیہقی اور ایک جماعت حضرت ابو مالک اشعری سے راوی ہے (ترجمہ حدیث) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ وہ نبی نہیں ہیں اور نہ شہید انہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء غبطہ کریں گے ان کے مقام پر اور ان کے قرب پر جو ان کو اللہ تعالیٰ سے ہے تو ایک اعرابی نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ان کے اوصاف بتلایئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جو لوگوں کے اندر اور قبائل سے علیحدہ ہیں ان میں رحم کے تعلقات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ملنے جلنے والے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے لئے نوری منبر لگائے گا جس پر وہ بیٹھے ہوں گے لوگ گھبرا رہے ہوں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے وہ اولیاء الٰہی ہیں جنہیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غم۔

آگے فرماتے ہیں یہ دلیل اس قول کی نہیں ہے جو مشہور ہے "ولایت نبوت سے افضل ہے" اس عقیدے والا کافر ہے۔

البتہ اس کی تاویل یوں ہوسکتی ہے کہ ولایت نبی محض نبی سے افضل ہے جیسا کہ عزبن عبدالسلام نے کہا جو روایات صحیحہ کے خلاف ہے کہ نبوت رسالت سے افضل ہے۔ آگے ارشاد ہے ''انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں''۔

اس خوشخبری سے یا تو وہی خوشخبری مراد ہے جو متقی پرہیزگاروں کو ان کے ایمان وعمل صالح کے بدلے متعدد مقام پر قرآن کریم میں دی گئی ہے یا رؤیا صالحہ مراد ہیں جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لئے دوسرے لوگ خواب دیکھتے ہیں جیسا کہ اکثر احادیث میں وارد وصادر ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا دل اور روح دونوں ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں تو خواب میں بھی ذکر ومعرفت الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں آتا اس لئے ولی جب خواب دیکھتا ہے تو اسے اس میں بھی بشارت ہی نصیب ہوتی ہے۔

بعض مفسرین اس بشارت سے دنیا میں نیک نامی بھی مراد لیتے ہیں۔

مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا حضور ﷺ اس کے لئے کیا ارشاد ہے جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں فرمایا یہ مومن کے لئے بشارت عاجلہ ہے۔

اس بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضا الٰہی اور محبت الٰہی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ قلوب مخلوق میں اس کی طرف سے محبت ڈالتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ اس کو زمین میں مقبول کیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد (پ۱۶ سورہ مریم آخری رکوع) ہے۔ ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت بنائے گا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ لھم البشری سے مراد یہ ہے کہ ان کی موت کے وقت ملائکہ انہیں بشارت دیتے ہیں۔

عطا فرماتے ہیں دنیا کی بشارت تو ملائکہ کے ذریعہ وقت موت ہوتی ہے اور آخری بشارت بعد موت جو ملتی ہے وہ یہ کہ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی'' اسے سنایا جاتا ہے (روح المعانی) اس تفسیر کی اصل علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں جو فرماتے ہیں اس کا خلاصہ اور مفہوم اول اردو میں بیان ہو چکا ہے۔

اب ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ کے فرمان بدل نہیں سکتے'' یعنی اس کے وعدے اور بشارتیں خلاف نہیں ہوسکتے جو اس نے اپنی کتاب مقدس میں اور اپنے رسولوں کی زبان سے اپنے اولیاء اور اپنے فرمانبردار بندوں کو دی (روح المعانی)

چنانچہ حکیم ترمذی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روای ہیں۔ فرمایا رویائے صالحہ میں جو کلام اس کے رب کے اپنے بندے سے ہوتے ہیں فرمایا وہ کلمات اللہ ہیں۔

(تفسیر الحسنات کا بیان ختم ہوا)

اب ایک حدیث قدسی جو کہ مناقب اہل بیت مصطفیٰ ﷺ (مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ حضرت کیلیانوالہ شریف) میں بحوالہ بخاری شریف نمبر ۲ ص ۵۹۲ اور ۱۱۱۵ اور ترمذی شریف نمبر ۲ ص ۱۴۵ بیان کی ہے وہ یہاں نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبرئیل امین کو حکم فرماتا ہے اے جبرائیل میں فلاں آدمی سے محبت فرماتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ جبرئیل امین بھی اس آدمی سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت فرماتا ہے لہٰذا تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان میں تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے اس پیارے بندے سے محبت کرنے لگتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پیارے کی محبت دنیا والوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ دنیا والے بھی اس اللہ والے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

(مندرجہ بالا حدیث کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی بحوالہ مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے درج ہے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں)

باب چہارم

حضور ﷺ کی رسالت، آپ ﷺ کی فضیلت، امتِ رسول ﷺ

سید الانبیاء نبی آخریں

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، اللہ کے رسول، تمام رسولوں کے سردار اور آخری نبی تھے، اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں اور تمام جنات کے لئے بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ (ہم نے آپ کو تمام آدمیوں کے لئے بھیجا ہے) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (ہم نے آپ کو جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

حضرت ابن امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام نبیوں پر چار باتوں میں فضیلت دی ہے یہ کہ مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا (آخری حدیث تک) حضور ﷺ کو وہ معجزات دیئے گئے جو آپ کے سوا کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے۔ بعض علماء نے ان معجزات کی تعداد ایک ہزار شمار کی ہے، ان تمام معجزات میں سے ایک معجزہ قرآن حکیم ہے۔ قرآن کریم کی ترتیب ایسے نرالے طریقے سے ہے جو کلام عرب کے تمام اسالیب بیان اور ان کے نظم و ترتیب سے جدا ہے۔ اس کی ترتیب و ترکیب، اس کی فصاحت، بلاغت ہر فصیح و بلیغ کی فصاحت و بلاغت سے بلند تر ہے، اہل عرب اس کی ایک سورۃ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔ (قرآن جیسی دس سورتیں از خود بنا کر لے آؤ اگر لا سکتے ہو) لیکن لوگ نہ لا سکے۔ پھر فرمایا ایک ہی سورۃ بنا لاؤ۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (قرآن کے مانند) ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔

چنانچہ ایک سورۃ بھی لانے میں عاجز رہے (پورا قرآن لانا تو بڑی بات تھی) باوجودیکہ تمام عالم سے ان کی فصاحت و بلاغت بڑھ چڑھ کر تھی فصحائے عرب گنگ ہو گئے (اپنی زبانیں کٹوا بیٹھے) اس سے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئی اور قرآن پاک آپ کا اسی طرح ایک معجزہ قرار پایا جیسے حضرت موسیٰ کا عصاء، حضرت موسیٰ ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے کہ ہر طرف ساحروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، جادوگروں کا طوطی بول رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب ان ساحروں کا مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنے جادو کے کمالات دکھائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اژدہا بن کر ان (رسیوں کے سانپوں) کو نگل لیا، جادوگر مغلوب ہو گئے، وہ ذلیل ہو کر پلٹے اور بے اختیار ہو کر سجدے میں گر پڑے یا جیسے حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیتے اور مادر زاد نابینا اور کوڑھ میں گرفتار لوگوں کو تندرست کر دیتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہی ایسے زمانے میں ہوئی تھی جو بڑے بڑے ماہر فن اطباء کا دور تھا لوگ ان کے سامنے ایسے لاعلاج بیماروں کو پیش کرتے تھے جو حاذق طبیبوں کے علاج سے شفایاب نہیں ہو سکتے تھے (حضرت عیسیٰ کا یہ معجزہ دیکھ کر) آخر کار تمام طبیب ان کے فرمانبردار ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فن طب اور مہارت فن میں ان سب سے آگے بڑھ گئے تھے اور صاحب معجزہ ثابت ہوئے، چنانچہ قرآن پاک کی فصاحت اور اس کا اعجاز رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے بالکل اسی طرح جیسے حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت عیسیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔

حضور ﷺ کے معجزے

حضور کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، تھوڑا کھانا بکثرت لوگوں کے لئے کافی ہو جانا، زہریلی بکری کے اعضاء کا یہ کہنا کہ ہم کو تناول نہ

فرمایئے ہم زہریلے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے معجزے ہیں۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، اونٹ کا کلام کرنا، کھجور کے تنے کا رونا، آپ کی طرف درخت کا آنا بھی آپ کے معجزات ہیں، اسی قبیل کے اور بہت سے معجزے آپ کے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت موسیٰ کے عصا کی مانند یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مریضوں کو اچھا کر دینا، اندھوں کو بینائی واپس کر دینا، کوڑھیوں کو جذام سے صحت یاب کر دینا، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جیسے معجزے آنحضرت ﷺ کو اس لئے عطا نہیں ہوئے تھے کہ حضور ﷺ کی امت ان کی تکذیب کر کے ہلاکت میں نہ پڑے جس طرح پہلی امتیں (تکذیب کر کے) ہلاک ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ۔ ہم کو سابقہ معجزوں کی طرح اپنی نشانیاں بھیجنے سے صرف اس مصلحت نے روکا کہ اگر یہ بھی تکذیب کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اگر سابقہ نبیوں کی طرح اگر آپ بھی ایسے ہی معجزے پیش فرماتے تو لوگ کہتے کہ آپ کوئی نئی بات تو نہیں لائے، آپ نے خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ باتیں فرمائی ہی اس لئے آپ بھی ان کے متبعین میں سے ہیں، جب تک آپ ایسی کوئی چیز نہ لائی جو انبیاء سابقین نہ لائے ہوں اس وقت تک ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو وہ معجزہ عطا نہیں فرمایا جو دوسرے نبی کو عطا فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ ہر نبی کو ایک مخصوص معجزہ عطا کیا گیا۔

اُمتِ محمدیہ کی فضیلت

اہل سنت اس بات کے معتقد ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی امت تمام امتوں سے بہتر ہے اور ان میں اس زمانے کے لوگ تمام لوگوں سے بہتر اور افضل ہیں جنہوں نے حضور کو دیکھا، آپ کی تصدیق کی، آپ کی بیعت کی اور آپ کی پیروی کی، جہاد کیا، اپنا مال اور اپنی جانیں قربان کیں۔ (رضی اللہ عنہم) اور ان لوگوں حدیبیہ والے افضل ہیں جنہوں نے (ایک درخت کے نیچے) آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ اصحاب ایک ہزار چار سو ہیں ان میں افضل اہل بدر ہیں جن کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے جو اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر ہیں اور ان (۳۱۳) میں افضل وہ دار الخیز ان والے اصحاب ہیں جن کی تعداد بشمول حضرت عمر رضی اللہ عنہ چالیس ہو جاتی ہے اور ان چالیس میں افضل وہ دس اصحاب ہی جن کے جنتی ہونے کی آنحضرت ﷺ نے گواہی دی۔ وہ دس اصحاب یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

ان میں پہلے چار حضرات خلفائے راشدین سب سے افضل تھے اور ان چاروں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پھر عمر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے۔ ان چاروں حضرات نے آنحضرت ﷺ کے بعد (بطور مجموعی) تیس سال تک خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو سال سے کچھ اوپر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چھ سال خلیفہ رہے۔ خلفائے راشدین کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نو سال تک خلافت کا والی بنا دیا گیا۔ اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو شام کا امیر بنایا تھا اس عہدہ پر آپ بیس سال تک فائز رہے۔ (غنیۃ الطالبین)

باب پنجم

افضلیت سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

افضلیت حضرت سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے لئے ایک اشتہار جو میرے آقا و مولیٰ پیر سید عظمت علی شاہ صاحب بخاری المعروف چن جی سرکار دامتہم البرکات العالیہ زیب سجادہ نشین حضرت کیلیانوالہ شریف نے تیار فرما کر (شیعہ کتب کے حوالے سے) شائع کرایا ہے وہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ حدیث نمبر ۱: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا میں نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کیا تلواروں کو زیور لگانا جائز ہے؟ امام صاحب نے فرمایا اس میں کوئی مزائقہ نہیں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار پر زیور لگایا ہے۔ میں نے کہا آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں۔ اس پر امام عالی مقام اچھل پڑے اور قبلہ شریف کی طرف رخ انور کر کے فرمایا کہ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو ان کو صدیق نہیں کہتا اللہ اس کے کسی قول کو نہ دنیا میں سچا کرے گا اور نہ آخرت میں۔ (کشف الغمہ ص ۲۲۰)

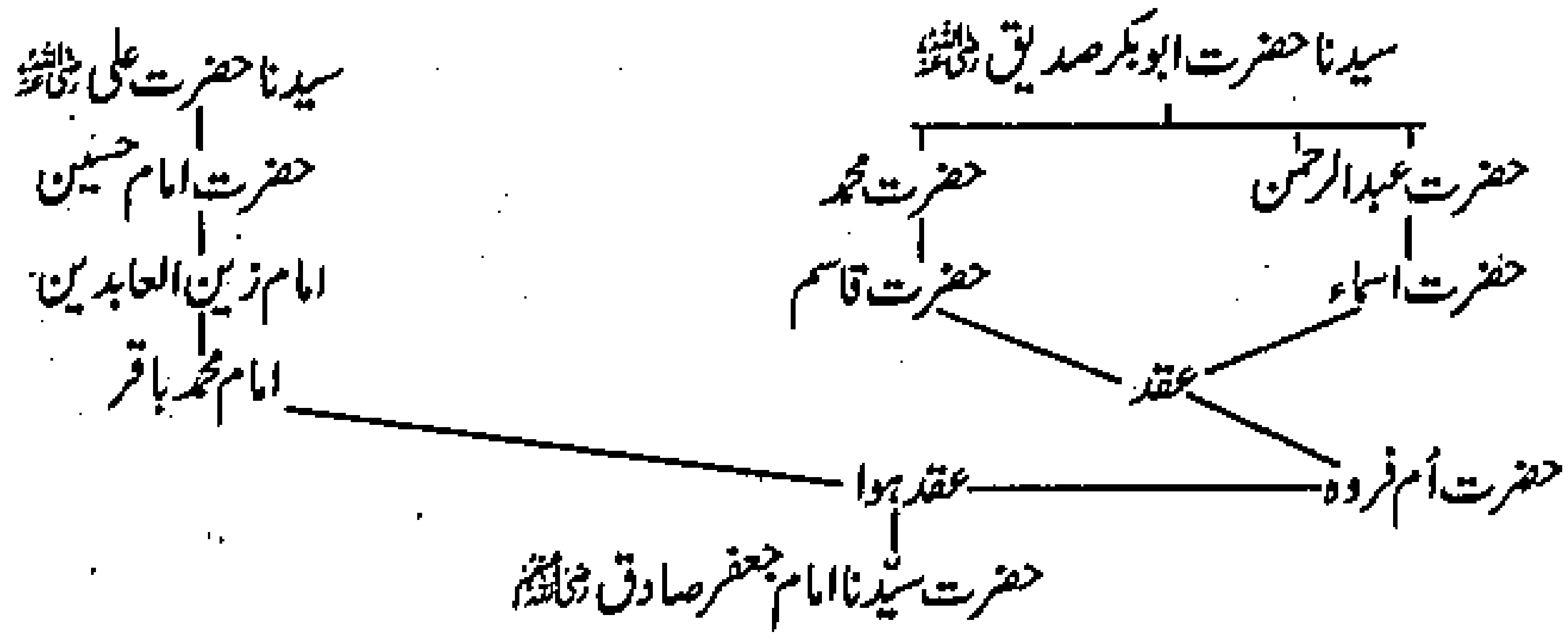
ترجمہ حدیث نمبر ۲: (بطور امام) سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے اور نماز کے لئے تیار ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (تفسیر قمی احتجاج طبرسی صفحہ مراۃ العقول ترجمہ مقبول غزرات حیدری صاحب)

ترجمہ حدیث نمبر ۳: (بطور خلیفہ) پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے؟ آپ نے فرمایا (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہاں میں نے بیعت کر لی ہے۔ (احتجاج طبرسی ص ۵۶) اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دست مبارک پکڑا اور بیعت کر لی۔ (احتجاج طبرسی ص ۵۲، روضہ کافی ص ۱۱۵ اور ۱۳۹)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک

ترجمہ نمبر ۱: میں دو طرح سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شامل ہوں۔ (احقاق الحق اہل شیعہ ص ۷۱)

ترجمہ نمبر ۲: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ام فروہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی (پوتے کی بیٹی) تھیں اور ام فروہ رضی اللہ عنہا کی ماں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی نانی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں جیسا کہ نیچے شجرہ سے ظاہر ہے۔ (مجمع صفحہ کا حوالہ جلاء العیون ص ۲۲۸ کشف الغمہ ص ۲۱۵، احتجاج طبرسی ص ۲۰۵ اور صافی فی شرح اصول کافی ص ۱۴۲/۲)



ارشاد خداوندی کی تفسیر

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ کی تفسیر وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (رسول اللہ ﷺ) اور وَصَدَّقَ بِهٖ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اُولٰٓئِكَ هُمْ

ترجمہ: وہ شخص جو سچ لے کر آیا (یعنی رسول اللہ ﷺ) اور جس نے ان کی تصدیق کی (یعنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) وہ مُتَّقُوْنَ سے ہیں۔

(تفسیر اہل شیعہ مجمع البیان جلد نمبر ۸ ص ۴۹۸)

حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کس نے بنایا (در کتب شیعہ)

ترجمہ نمبر ۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہم نے تیرے باپ کو صدیق بنایا حالانکہ پہلے صرف ابوقحافہ کے بیٹے تھے۔ (رجال کشی ص ۵۷)

ترجمہ نمبر ۲: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

(تفسیر مجمع البیان جلد نمبر ۳ ص ۶۵) (اہل شیعہ)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا خط مبارک

ترجمہ: سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام میں سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اور ان کے بعد خلیفہ سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ میری عمر اس بات کی گواہ ہے کہ وہ دونوں اسلام میں عظیم مقام رکھتے ہیں۔ ان کے وصال سے اسلام کو سخت نقصان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں پر رحمت فرمائے اور انہوں نے جو کام کیا اس کی اچھی جزا دے۔ (ابن ہیثم جز ۳۱ (اہل شیعہ) ص ۴۸۶)

فرمان حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

ترجمہ: وہ دونوں (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) عادل و منصف امام تھے اور وہ ہمیشہ حق پر رہے اور اسی حال پر وصال فرمایا۔ ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت قیامت تک ہو (احقاق الحق (اہل شیعہ) ص ۱۶)

حضور نبی کریم ﷺ کی قریبی رشتہ داریاں خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے ساتھ

اس کے متعلق میرا (یعنی مؤلف) کا پہلے سے ایک شائع شدہ اشتہار نقل کیا جاتا ہے جو کہ کتاب ''تحفہ جعفریہ'' سے اخذ کیا گیا ہے اس کتاب کے مصنف مولانا محمد علی لاہوری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: رشتہ اول

نبی کریم ﷺ کے سسر: نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا اور اس کا حق مہر بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کیا۔ (بحوالہ تاریخ آئمہ کتب خانہ نجف اشرف لاہور ص نمبر ۱۴۷)

رشتہ دوم

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے نانا ہیں کیا کوئی شخص اپنے بڑوں کو گالی دینا پسند کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے کسی قسم کی شان و عزت نہ دے اگر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان و عزت کو نہ مانوں فرمایا میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو طرح سے اولاد ہوں (بحوالہ احقاق الحق ص ۷ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۹۵ اعقب الامام جعفر علیہ السلام مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ۸۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ ہجری

میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع جہاں ان کے باپ دادا اور امام حسن رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں دفن ہوئے ان کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر تھیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیق تھیں۔ (رضی اللہ عنہم) (بحوالہ اصول کافی مترجم جلد اول ص ۵۸۶)

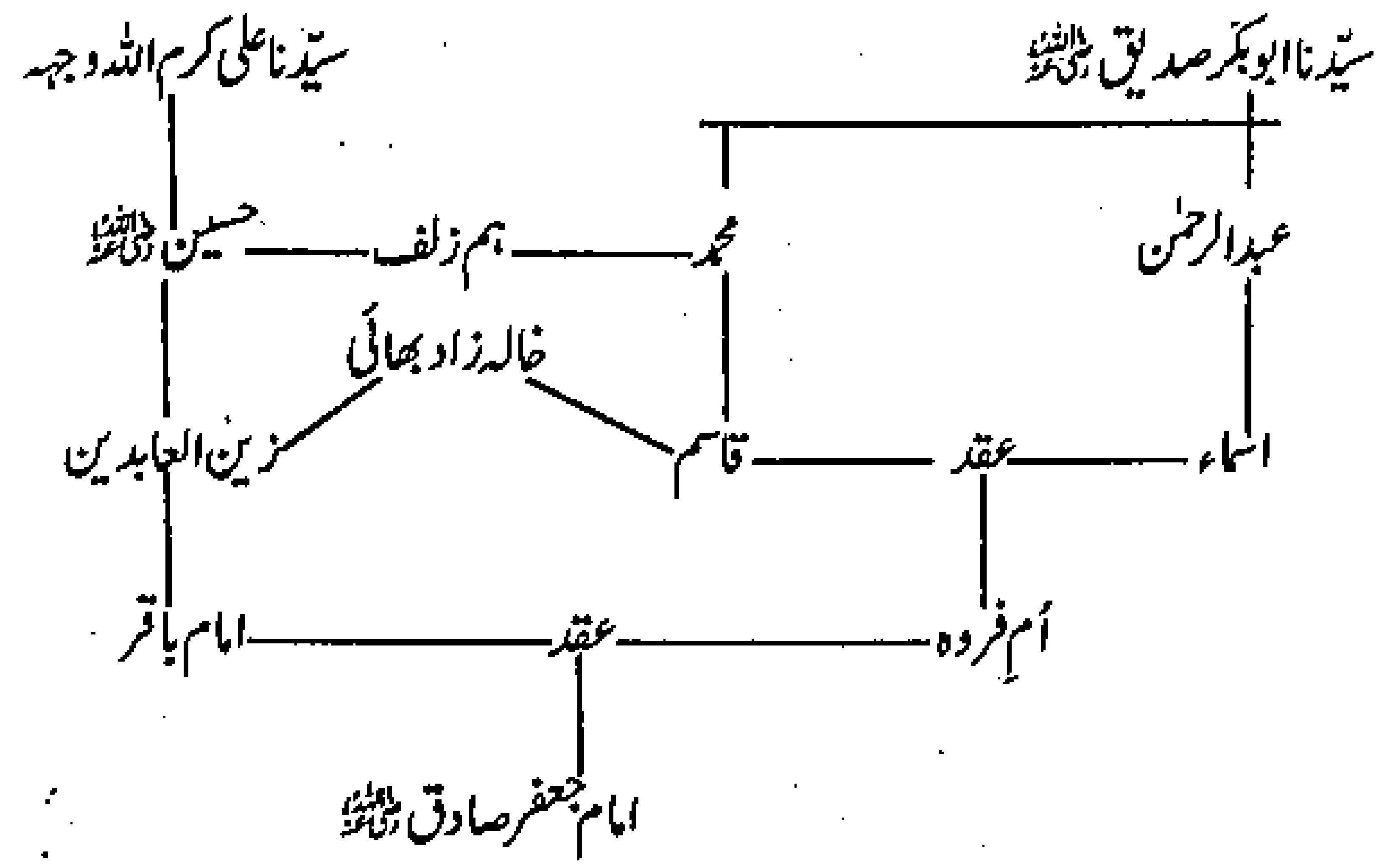
رشتہ سوم

شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حریث بن جابر کو مشرقی بلاد میں سے کسی شہر کا والی مقرر فرمایا اس نے یزدجر کی دو بیٹیوں کو حضرت علی کی خدمت میں بھیجا حضرت علی نے شاہ زناں (شہر بانو) نامی لڑکی کا نکاح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا جس سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور دوسری لڑکی کا نکاح محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کر دیا جس سے امام جعفر کے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے۔ لہٰذا جناب قاسم اور امام زین العابدین خالہ زاد بھائی ہوئے (رضی اللہ عنہم)

(بحوالہ منتہی الآمال جلد دوم ص ۲ مطبوعہ ایران تذکرہ امام زین العابدین، مناقب آلِ ابی طالب (ابن شہر آشوب) ص ۴۹ جلد چہارم، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد دوم ص ۸۲، چہاردہ معصوم جلد اول مصنفہ مقدس اردبیلی)

نوٹ: حریث بن جابر کا بلاد مشرق میں سے کسی شہر کا والی بننا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور نہ ہی یزدجرد کی دو بیٹیوں کا بھیجنا اس کے حوالے سے درست ہے بلکہ صحیح روایت کے اعتبار سے یزدجرد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شکست ہوئی اور اس کی بیٹی شہر بانو گرفتار ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں آپ نے یہ لڑکی امام حسین رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی اس سے معلوم ہوا کہ دوسری بیٹی بھی شہر بانو کے ساتھ ہی آئی تھی اور اس کا نکاح محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا رشتہ سوم کے حوالہ سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا جد (نانا) کہتے تھے فرمایا کہ اپنے نانا کو کوئی برا بھلا نہیں کہہ سکتا۔ امام جعفر صادق نے اپنے لے بددعا کی کہ اگر میں شان و عزت ابوبکر صدیق کو تسلیم نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے شان و عزت سے نہ نوازے اور فرمایا میرا نسبی تعلق دو طرح سے حضرت ابوبکر صدیق سے بنتا ہے (رضی اللہ عنہم) جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نقشہ نمبر ا ملاحظہ فرمائیں



رشتہ چہارم و پنجم

عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے اور امام حسین، عبدالرحمٰن کے داماد تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی زوجہ قریبۃ الصغریٰ ام المومنین حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی ماں جائی بہن تھیں۔ تو اس اعتبار سے ام المومنین ام سلمہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی سالی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر کی زوجہ قریبۃ الصغریٰ سے ایک لڑکی حفصہ بن عبدالرحمٰن پیدا ہوئیں جن کا عقد منذر بن زبیر بن عوام سے ہوا بعد ازاں ان کا عقد حضرت امام حسین بن علی بن ابوطالب سے ہوا۔ (رضی اللہ عنہم)

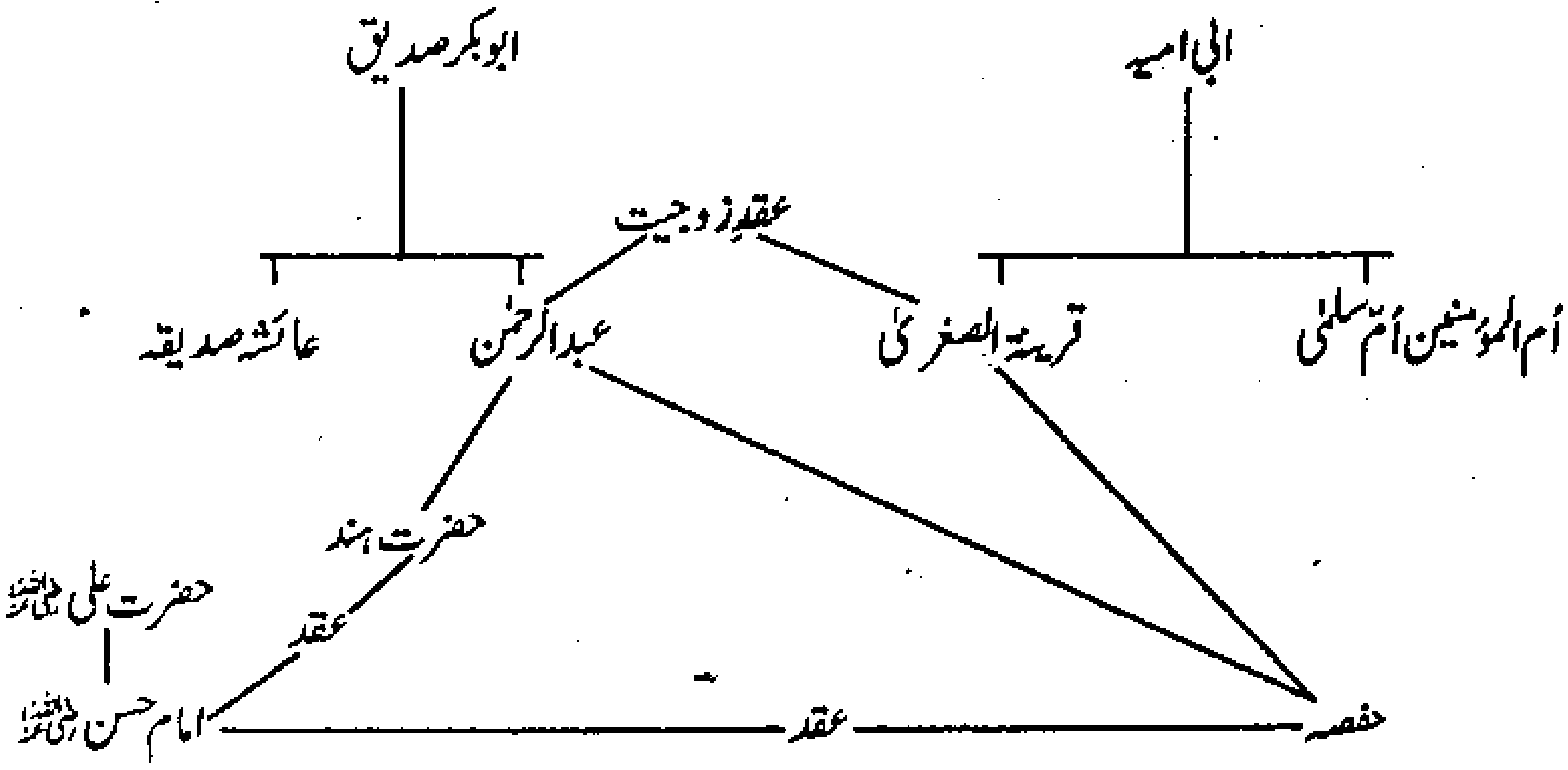
(بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص نمبر ۴۶۹، ۴۶۸ تذکرہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن مطبوعہ بیروت سن طباعت ۱۹۵۸)

رشتہ ششم

حضرت امام حسن کے عقد میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ انہی نے روایت کی کہ امام حسن کا نکاح حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے ہوا (رضی اللہ عنہم) (۱) ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد نمبر ۴ ص نمبر ۵ مطبوعہ بیروت، بحار الانوار جلد نمبر ۴ باذکر اولادہ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید) عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی بیٹی حفصہ اور ہند امام حسن کی زوجیت میں تھیں لہٰذا اس رشتہ داری کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جناب حفصہ کی پھوپھی اور ام سلمٰی ان کی خالہ بنیں۔ اس طرح کی رشتہ داریوں کے ہوتے ہوئے ہر صاحب انصاف اس بات کو تسلیم کرے گا کہ خاندان صدیقی اور خاندان نبوت میں کوئی نا اتفاقی اور عداوت نہ تھی۔ اس سے مزید یہ بات بھی تھی کہ محمد بن ابوبکر امام حسین کے ہم زلف تھے۔ (بحوالہ شرح ابن حدید میں "زوجات امام حسن" کے ضمن میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسن نے ہند بنت حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیق سے بھی عقد زوجیت کیا۔ (شرح ابن حدید جلد ۴ ص ۸ فی ذکر زوجات حسن) (رضی اللہ عنہم)

اس کی تفصیل جاننے کے لیے نقشہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

نقشہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں



رشتہ ہفتم

حضرت امام حسن کی بیٹی سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر کے نواسے کا عقد ہوا۔ حضرت امام حسن کا سب سے پہلا بیٹا زید ہے، جبکہ امام حسین کی شہادت کے بعد عبداللہ بن زبیر خلافت کے دعوے دار ہوئے تو زید بھاگ کر ان کے پاس گئے اور ان کی بیعت کرلی کیونکہ ام الحسن جو ماں کی طرف سے زید کی بہن تھی عبداللہ بن زبیر کی بیوی تھیں جب عبداللہ بن زبیر کو قتل کر دیا گیا تو زید اپنی بہن کو لے کر مکہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ناسخ التواریخ کی مذکورہ عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن کی صلبی بیٹی ام الحسن کا حضرت عبداللہ بن زبیر سے عقد ہوا اور کس کو نہیں معلوم کہ عبداللہ ابن زبیر حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے ہیں اور آج بھی شہر مکہ کے معروف قبرستان میں ماں بیٹا کی قبریں موجود ہیں۔ رضی اللہ عنہم

(ناسخ التواریخ زندگانی حسن مجتبیٰ جلد نمبر دوم صفحہ ۱۲۷ جدید ایران)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رشتہ داریاں، رشتہ اول

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے (تاریخ آئمہ) خلیفہ دوم کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ابتدا میں خنیس کے نکاح میں تھیں۔ ان کے مرنے کے بعد ۳ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ (تاریخ آئمہ ص ۱۲۸ مصنفہ سید علی حیدر نقوی مطبوعہ لاہور تذکرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا)

نکاح ام کلثوم بنت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہا با فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضٰی کا عقد زوجیت سیدنا فاروق اعظم سے ہوا (عمدۃ الطالب ص ۶۳ عقد امیر المومنین مطبوعہ نجف اشرف، بالفاظ مختلفہ ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد ۳ ص ۵۵ طبع جدید تہران) حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کا حضرت عمر فاروق سے عقد ہوا ان سے ایک بیٹا زید اور بروایت ناسخ التواریخ بیٹی رقیہ بھی پیدا ہوئی۔ (بحوالہ عمدۃ الطالب ص ۶۳ عقد امیر المومنین مطبوعہ نجف اشرف بالفاظ مختلفہ ناسخ التواریخ، تاریخ خلفاء جلد نمبر ۳ ص ۵۵ طبع جدید تہران) شیخ مفید کی روایات کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ستائیس افراد پر مشتمل تھی ان میں سے چار یہ تھے۔ امام حسن وحسین زینب کبریٰ جن کا لقب عقیلہ تھا اور زینب صغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں، حضرت زینب کبریٰ اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر کے عقد میں تھیں۔ ان سے محمد، عون کے علاوہ اور بھی اولاد ہوئی۔ یہ دونوں کربلا کے شہداء میں سے ہیں۔ ابوالفرج نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن جعفر جو کہ کربلا میں شہید ہوئے ان کی والدہ کا نام خوصہ بنت حفصہ بن ثقیف ہے۔ عبیداللہ ان کے حقیقی بھائی تھے۔ جو واقعہ طف میں شہید ہوئے تھے۔ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ بہت سی کتابوں میں مذکور ہے ان کے بعد یہ عون بن جعفر اور اس کے بعد محمد بن جعفر کی زوجہ بنیں۔ ابن شہر آشوب نے ابو محمد نوبختی کی کتاب امامت سے روایت کی کہ ام کلثوم کی شادی عمر بن خطاب سے ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہم

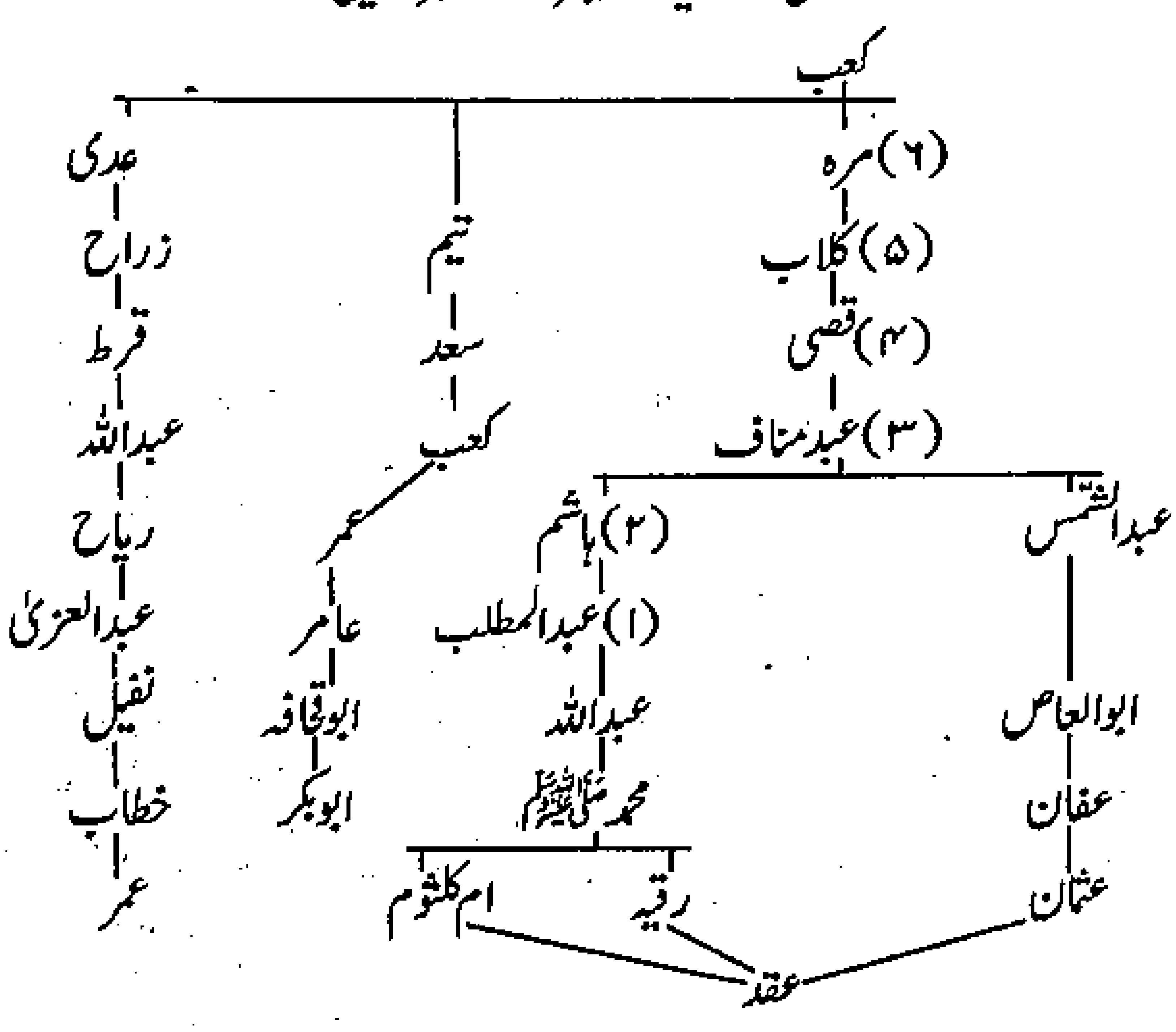
(بحوالہ منتہی الآمال شیخ عباس قمی جلد اول مطبوعہ تہران ص ۲۱۷ باب دوم فصل ششم در ذکر اولاد حضرت امیر المومنین علیہ السلام)

بقول شیعہ محقق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شیخین کی بہ نسبت نسب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں

حضرت عثمان غنی کا نسب یہ ہے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ عبد مناف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب۔ حضرت ابو بکر صدیق کا نسب یہ ہے۔ ابو بکر بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ مرہ نبی علیہ السلام کے چھٹے دادا ہیں۔ اور عمر فاروق کا نسب یہ ہے، عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب اور کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں دادا ہیں۔ یعنی عثمان غنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا پر ابو بکر صدیق چھٹے اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہم) ساتویں دادا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب میں مل جاتے ہیں۔

(فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ ص ۵۲۸)

اس کے لیے نقشہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں



قول نبی کریم ﷺ

اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان کو دے دیتا۔ اسی لئے عثمان غنی کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ ہمارے شیخ ابوعثمان نے کہا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں یکے بعد دیگرے آنے والی دونوں بیویاں فوت ہو گئیں تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا۔ تم عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے کس چیز کا انتظار کرتے ہو۔ کیا کسی بیوہ کے بھائی کا یا باپ کا؟ میں نے اپنی دو بیٹیوں (رقیہ اور ام کلثوم) کا عقد اس سے کیا ہے۔ اگر میرے پاس تیسری بھی ہوتی تو اس کی شادی بھی اس سے کر دیتا۔ راوی کہتے ہیں اسی لئے عثمان کو ذوالنورین یعنی دو نوروں والے کہتے ہیں۔

(بحوالہ نہج البلاغہ ابن ابی حدید جلد نمبر ۳ ص ۴۶۰ بیروت بڑا سائز المفاضلۃ بین نبی عبد شمس و بنی ہاشم)

رشتہ دوم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پوتا امام حسین رضی اللہ عنہ کا داماد تھا۔ بنی ہاشم اور بنی عبد شمس کے درمیان ہونے والی رشتہ داریوں میں سے ایک رشتہ یہ بھی تھا) عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر سیدہ فاطمہ بنت حسین سے شادی کی۔ نوٹ: ابن حدید معتزلی نے اس مقام پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہل بیت کے ساتھ دو رشتہ داریوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) خود داماد رسول (۲) ان کا پوتا داماد حسین۔ رضی اللہ عنہم

(بحوالہ شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۳ ص ۴۵۹ مطبوعہ بیروت بڑا سائز فی شرح کتابہ الی معاویہ و بیان مناکہات بنی ہاشم و بنی عبد شمس)

رشتہ سوم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی کا عقد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے سے ہوا۔ سیدنا حسن بن حسن کی بیٹی ام قاسم، مروان بن ابان بن عثمان غنی (رضی اللہ عنہم) کے نکاح میں تھیں۔ ان کے ہاں اس سے محمد بن مروان پیدا ہوا۔ پھر ان کا نکاح حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سے ہوا۔ وہیں فوت ہو گئیں۔ لیکن ان کے ہاں کوئی بچہ نہ پیدا ہوا۔ (بحوالہ کتاب نسب قریش جلد ثانی ص ۵۳ تذکرہ ام کلثوم)

رشتہ چہارم

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی۔ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے کا عقد ہوا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا جن کی والدہ رباب بنت امری القیس تھیں ان سے مصاحب بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم نے نکاح کیا۔ ان سے ان کے ہاں ایک لڑکی فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں پھر وہ شہید ہو گئے اس کے بعد سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے عقد میں آئیں۔ ان سے یہ اولاد ہوئی۔ عثمان جن کو قرین کہا جاتا تھا۔ حکیم اور ربیعہ اس کے بعد ان کا تیسرا نکاح زید بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ہشتم ص ۴۷۵ تذکرہ سکینہ بنت حسین)

(بعض اہل علم نے کہا ہے کہ زید بن عمرو کے فوت ہو جانے کے بعد اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے سیدہ سکینہ بنت امام حسین رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا) زید بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کے عقد میں بنت امام حسین رضی اللہ عنہ سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ زید کا انتقال ہوا اور وہ ان کی وارث بنیں۔

(بحوالہ کتاب نسب قریش جلد ۴ ص ۱۰۲)

رشتہ پنجم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ابان رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی سے ہوئی۔ حضرت ابان بن عثمان غنی کے نکاح میں حضرت ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم تھیں۔ (بحوالہ المعارف لابن قتیبہ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار المعارف قاہرہ مصر)

رشتہ ششم

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عائشہ بنت عثمان غنی رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کی اور رشتہ

ہو گیا۔ بحوالہ مناقب آل ابی طالب جلد نمبر ۴ ص ۳۹ مطبوعہ خیابان طبع جدید فی لمفردات من مناقبہ علیہ السلام) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ (بحوالہ مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۴۰)

رشتہ ہفتم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ماں باپ دونوں کی طرف سے بالترتیب چھٹی اور پانچویں صلب پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے باپ اور والدہ دونوں کا سلسلہ نسب عبد شمس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے اور عبد شمس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا حضرت ہاشم کے حقیقی بھائی ہیں۔ لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چوتھے درجہ میں نسب کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں۔ بحوالہ مروج الذہب جلد دوم ص نمبر ۳۳۱ مطبوعہ بیروت ذکر خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ با اعتبار قرابت حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہی کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دادا پر جا ملتے ہیں۔

(بحوالہ شرح نہج البلاغہ فارسی فیض الاسلام ص ۵۲۸ خطبہ ۱۴۳ کی شرح مطبوعہ تہران)

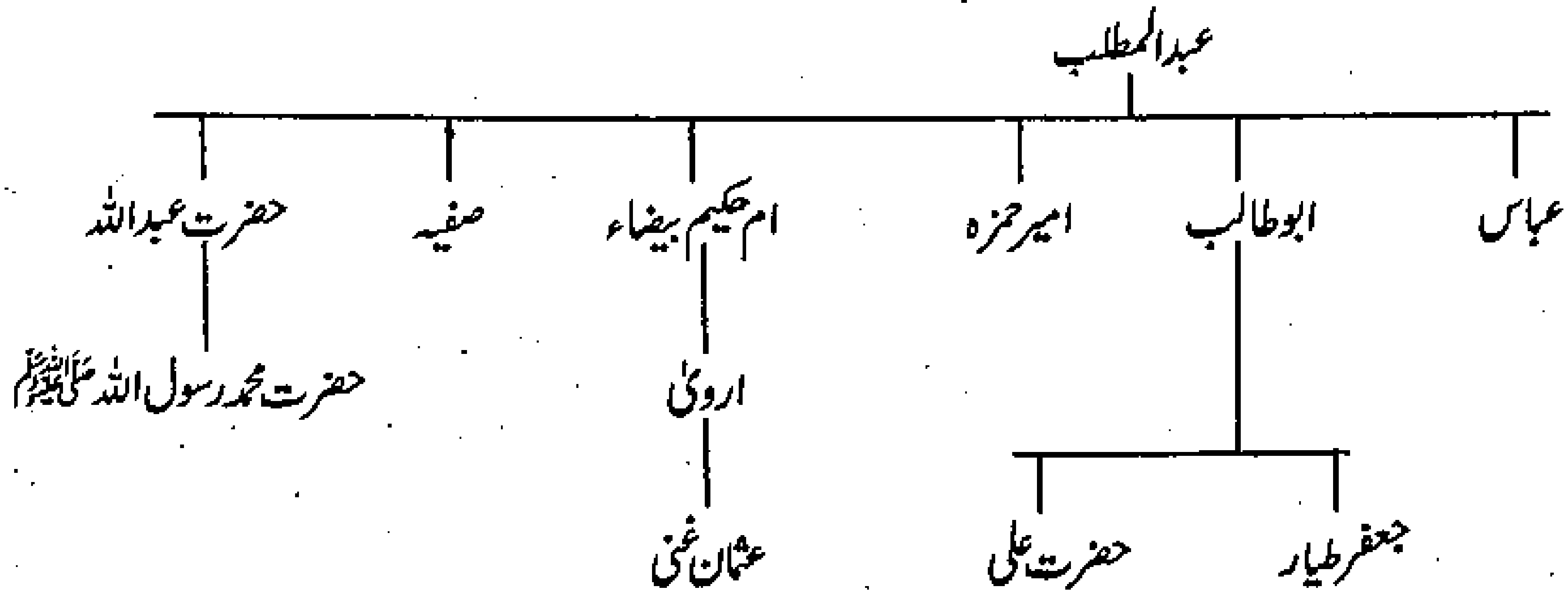
رشتہ ہشتم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن عفان کی والدہ اروی بنت کریز ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نانی ام حکیم جن کو البیضاء بھی کہتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی ہیں۔

(بحوالہ المستدرک جلد سوم ص ۹۶)

نوٹ: ام حکیم البیضاء بن عبدالمطلب اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی بہنیں ہیں۔ لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ اروی کی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حقیقی خالہ ہوئیں اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی سگی بھانجی تھیں۔ والدہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اروی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر طیار اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی پھوپھی زاد بہن ہونے کی بنا پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان کے بھانجے اور یہ حضرات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوئے۔

اس کی تفصیل جاننے کے لیے نقشہ نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیں۔



نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے نسبی تعلقات

رشتہ اوّل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تیسرے دادا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چوتھے دادا عبد مناف ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے دادا ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن امیر معاویہ کی کنیت ہے ان کی والدہ ہند بنت عتبہ تھیں۔ حضرت امیر معاویہ اٹھارہ برس کی عمر میں اسلام لائے اور

خود کہا کرتے تھے میں عمرۃ القضاء کے سال مسلمان ہوا جب اس موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی تو بوقت ملاقات اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ نے مجھے کاتب وحی مقرر فرمایا۔ (بحوالہ تاریخ بغداد و تاریخ یعقوبی)

رشتہ دوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سگے سالے لگتے ہیں حضرت امیر معاویہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے عقد زوجیت میں تھیں جس کی وجہ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہوئیں اور حضرت امیر معاویہ حضور ﷺ کے سالے ہوئے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کی بیٹی عبداللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ ۷ ہجری میں ان کا شوہر فوت ہو گیا اس وقت یہ حبشہ میں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا، ۷ ہجری میں یہ مدینہ آ کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گئیں اور ۴۴ ہجری میں وفات پائی۔

(بحوالہ تاریخ آئمہ ص ۱۵۰ کتب خانہ شاہ نجف لاہور طبع جدید ذکر ام حبیبہ)

رشتہ سوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی کے بیٹے کی بیوی تھیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن حارث بن نوفل جن کی والدہ کا نام ہند بن ابی سفیان تھا کو امیر معاویہ کی طرف بھیجا (بحوالہ ابن ابی حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص ۸ مطبوعہ بیروت بڑا سائز نئی ذکر زوجا حسن) نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن حارث کو امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا معتمد علیہ ہونے کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ شرائط صلح طے کریں۔ ہند بنت ابی سفیان جن کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی عمرو تھا حارث بن نوفل بن حارث یا حرس سے ان کا نکاح ہوا اور ان کے ہاں عباللہ، محمد الاکبر پیدا ہوئے۔ (بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۴۰ بیروت)

رشتہ چہارم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہم زلف تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں قریبہ الصغریٰ تھیں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باپ جائی بہن تھیں ان سے ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (بحوالہ کتاب المحبر ص ۱۰۲ حیدر آباد دکن)

رشتہ پنجم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بھانجی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ لیلیٰ بن مرۃ کی والدہ میمونہ بن ابی سفیان تھیں اور میمونہ مذکورہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں اور علی اکبر بن امام حسین رضی اللہ عنہ کی نانی تھی اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی شہید کربلا شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی ماں ہوئیں۔ علی بن امام حسین رضی اللہ عنہما جو کہ علی اکبر کے نام سے مشہور ہیں ان کی کوئی اولاد نہ تھی ابوالحسن کنیت تھی اور ان کی والدہ لیلیٰ بن مرۃ بن اروی بن مسعود ثقفی تھیں اور لیلیٰ کی والدہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی نانی میمونہ بن ابوسفیان تھی۔ (بحوالہ مقاتل الطالبین ص ۸۰ بیروت تذکرہ امام حسین ذکر علی بن حسین رضی اللہ عنہما)

رشتہ ششم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پوتی سے ہوا۔ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عباس بن علی سے نکاح کیا اس کے بعد دوسرا نکاح لبابہ بنت عبداللہ نے ولید بن عتبہ بنت ابوسفیان سے کیا۔

(بحوالہ کتاب نسب قریش ص ۱۳۳) (حواشی عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۴۳)

غنیۃ الطالبین سے امہات المومنین اور اہل بیت رسول ﷺ اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئمہ کرام اور حاکم کی پیروی کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد بیان کئے جاتے ہیں۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غنیۃ الطالبین کا بیان

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ سب امہات المومنین (مسلمانوں کی مائیں) ہیں۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ (جس کی ہم روزانہ تلاوت کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے) تہمت تراشوں کے قول سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی کا اظہار فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ (اللہ ان سے اور ان کے شوہر اور ان کی اولاد سے راضی ہو) بھی سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ہیں۔جس طرح آپ کے والد ماجد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت واجب ہے اسی طرح آپ سے محبت اور دوستی رکھنا بھی واجب ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس چیز سے اس کو رنج پہنچتا ہے اس سے مجھے بھی رنج پہنچتا ہے۔

عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ قرآن والے ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں فرمایا ہے اور ان کی تعریف کی ہے۔یہی مہاجرین وانصار ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی، ان کے بارے میں حق تعالیٰ فرمایا ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ

''جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے راہ خدا میں مال صرف کیا اور جہاد کیا (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ وہ مرتبے میں ان لوگوں سے بہت بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد راہ خدا میں مال صرف کیا اور جہاد کیا مگر اللہ نے ہر فریق سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔''

ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۠ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ؕ

''تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان سے اللہ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ ان کو زمین پر اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے اس دین کو مضبوط کردے گا جو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور خوف کے بعد بدلے میں ان کو امن عطا کردے گا۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ ۚۛ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ

''رسول اللہ کے اصحاب وہ کافروں پر (دینی امور میں) بہت سخت اور آپس میں نرمی کا سلوک کرنے والے ہیں، تم ان کو رکوع اور سجدے کرنے والے دیکھو گے وہ اس سے اس کے فضل کے (ہر وقت) خواہاں ہیں اور اس کی رضا کے خواستگار ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ یہ ایسے ہیں جن کی صفت تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔''

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنے والد (محمد باقر رضی اللہ عنہ) کا قول نقل کیا ہے کہ الذین معہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جو تنگی اور فراخی میں، غار میں اور (بدر کے دن) جھونپڑی میں رسول اللہ کے ساتھ رہے اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ حضرت عثمان ابن عفان ہیں اور رُکَّعًا سُجَّدًا حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہیں۔ وَیَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا رسول اللہ کے دونوں گھرے دوست حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں اور سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے مراد حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت سعید رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح (رضی اللہ عنہم) یہ دسوں حضرات ایسے ہیں جن کی صفت تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے اَخْرَجَ شَطْاَہٗ میں شَطْاَہٗ (کھیتی کی سب سے پہلی نکلنے والی کونپل یا اکوا) سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فازرہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اللہ نے اپنے رسول کو قوت عطا فرمائی اور فَاسْتَغْلَظَ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اس سوئی یعنی رسول اللہ کی موٹائی (یعنی طاقت) بڑھی فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ وہ کھیتی اپنی ڈنڈی پر کھڑی ہوگئی اور یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یعنی حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وجہ سے وہ اچھی معلوم ہونے لگی اور لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ سے مراد رسول اللہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں (مطلب یہ ہے کہ آیات مذکورہ کے ہر ٹکڑے کا مصداق ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ کوئی ہے جو عشرہ مبشرہ کہے جاتے ہیں)

اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ جن باتوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہے ان سے زبان کو روکا جائے (اس میں بحث و گفتگو نہ کی جائے) صحابہ رضی اللہ عنہم کی بدگوئی سے زبان کو بند رکھا جائے، ان کے فضائل ومحاسن کو بیان کرنا اور ان کے (باہمی اختلافات کے معاملے کو خدا کے سپرد کرنا واجب ہے۔ جس طرح بھی ان کا وقوع ہوا ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے (اس اختلاف پر بحث نہ کرے اور زبان کو بند رکھے) ہر صحابی کی بزرگی اور فضیلت کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ o

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کی بابت ہمارے دلوں میں کوئی برائی پیدا نہ ہو، اے ہمارے رب تو ہی شفقت اور رحم کرنے والا ہے۔''

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o

''یہ امت وہ ہے جو گزر چکی، اس گروہ نے جو کچھ کیا اس کا جواب ان ہی کے ذمے ہے جو کچھ تم کرو گے اس کے تم ذمہ دار ہوئے ان لوگوں کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو تم زبان روکو (یعنی کسی کو برا نہ کہو) حدیث شریف کے دوسرے الفاظ اس طرح ہیں، میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی نزاعات سے اپنے کو بچائے رکھو (کسی کو برا نہ کہو) اگر تم میں سے کوئی شخص بھی احد (پہاڑ) کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کر دے گا جب بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مد بلکہ آدھے مد کا بھی ثواب نہیں ملے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جس نے مجھے دیکھا اور وہ

شخص جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو جوان کو گالی دے گا اس پر خدا کی لعنت۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے میرے صحابہ کو چن لیا، ان کو میرے لئے انصار اور میرا رشتہ دار بنایا، آخر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مرتبے کو گھٹائے گا۔ خبردار تم ان کے ساتھ نہ کھانا، نہ نکاح کا سلسلہ کرنا، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنا۔ ایسے لوگوں پر لعنت کرنا جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا درخت (حدیبیہ) کے نیچے جس نے مجھ سے بیعت کی وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی حالت دیکھ کر ہی فرمایا ہے کہ ''جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کسی کا بھی قول لے لو گے سیدھا راستہ پاؤ گے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا ''جس زمین میں میرا کوئی صحابی فوت ہوگا اس کو اس زمین والوں کے لئے قیامت کے دن شفیع بنایا جائے گا۔ حضرت سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب کے متعلق جو شخص ایک لفظ (بد) بھی کہے گا وہ گمراہ اور بدراہ ہوگا۔

آئمہ کرام اور حاکم کی پیروی

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ مسلمین اور ان کی پیروی کرنے والوں کا حکم سننا اور ماننا واجب ہے اور ہر نیک و بد، عادل وظالم حاکم کی اقتداء اور ان لوگوں کے پیچھے جو ایسے لوگوں کی طرف سے مامور ہوں نماز پڑھنا چاہئے۔ اہل سنت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کے قطعی جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگانا چاہئے خواہ وہ مطیع ہو یا عاصی، نیک راہ ہو یا کج رو یہ حکم نہ لگایا جائے صرف اس صورت میں جب کہ اس کی بدعت و گمراہی سے مطلع ہو جائے (تب یہ حکم لگایا جا سکتا ہے)

اہل سنت کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامتیں برحق ہیں اور ان کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

اشیاء کی گرانی اور ارزانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کسی ستارے کی تاثیر کے سبب ہے اور نہ بادشاہوں یا زمانے کے حاکموں کی (نحوست یا برکت) کی وجہ سے، فرقہ قدریہ اور نجومی تاثیر کواکب کے قائل ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ گرانی اور ارزانی اللہ کے دو لشکر ہیں ایک کا نام طمع (رہبت) اور دوسرے کا نام خوف الٰہی۔

اللہ تعالیٰ کو جب گرانی منظور ہوتی ہے تو وہ تاجروں کے دلوں میں لالچ ڈال دیتا ہے اور وہ اشیاء روک لیتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے کہ ارزانی ہو تو سوداگروں کے دلوں میں خوف الٰہی پیدا کر دیتا ہے اور وہ چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے باہر نکال دیتے ہیں (جمع شدہ) اجناس فروخت کر دیتے ہیں۔

سنت و جماعت کی پیروی

صاحب عقل و بینش مومن کے لئے بہتر ہے کہ وہ سنت و جماعت کی پیروی کرے، بدعت سے اجتناب کرے اور دین میں زیادہ غلو نہ کرے، نہ گہرائی میں جائے نہ تصنع سے کام لے تاکہ گمراہی سے بچے اور اس کے قدم کو لغزش نہ ہو جو ہلاکت کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ''اتباع کرو اور بدعت سے بچو یہ تمہیں کافی ہے''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے فرمایا ''تم پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگانے سے بچو اور یہ بات مت کہو کہ یہ بات کیوں ہے؟ جب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ پہلے ہم بعض چیزوں کے (احکام کے) متعلق کہا کرتے تھے یہ کیا ہے؟ مگر اب ایسا نہیں کہیں گے، لہٰذا ایماندار شخص پر لازم ہے کہ سنت کا اتباع اور جماعت کی پیروی کرے۔ سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمایا اور اس پر گامزن رہے اور جماعت اسے کہتے ہیں جس پر چاروں خلفائے کرام کی

خلافت کے زمانے میں اصحاب رسول ﷺ نے اتفاق کیا۔

اہل بدعت سے اجتناب

دانشمند مومن پر یہ بھی لازم ہے کہ اہل بدعت سے تعلق نہ رکھے اور نہ ان کی محبت وقربت اختیار کرے، نہ ان کو سلام کرے، ہمارے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے کسی اہل بدعت کو سلام کیا وہ گویا اس سے محبت رکھتا ہے (اس لئے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ باہم سلام کی کثرت کرو تا کہ محبت بڑھے) یہ بھی لازم ہے کہ بدعتیوں کا ہم نشین نہ بنے نہ ان کے پاس جائے اور نہ ان کو عیدوں اور خوشی کے مواقع پر مبارک باد دے نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھے۔ جب ان کا ذکر آجائے تو ان کے لئے دعائے رحمت بھی نہ کرے بلکہ ان سے الگ رہے اور محض اللہ کے لئے ان سے عداوت رکھے۔ اہل بدعت کے مذہب کے باطل ہونے کا یقین رکھے اور اس پر عظیم اجر وثواب کا یقین رکھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اہل بدعت کو محض اللہ کے لئے اپنا دشمن جانا اس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو شخص ان کو خدا کا دشمن جان کر ملامت کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو امن وامان سے رکھے گا اور جو شخص ایسے لوگوں کو ذلیل کرے اس کو بہشت میں سو درجے ملیں گے اور جو بدعتی سے کشادہ روی اور خندہ پیشانی سے ملا اس نے اس دین کی توہین کی جو اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

ابو مغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب تک بدعتی بدعت کو ترک نہ کردے اللہ اس کے (نیک) عمل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اہل بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کردیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نور ایمان نکال دیتا ہے اور جو شخص اہل بدعت سے دشمنی رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ جب تم کسی بدعتی کو راستے میں دیکھو تو دوسرا راستہ اختیار کرلو۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض کہتے ہی کہ میں نے خود حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص کسی بدعتی کے جنازے کے ساتھ جاتا ہے تو وہ جب تک واپس نہیں لوٹ آتا اللہ کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بدعتی پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے جس نے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ اس کے صرف یعنی فرض کو قبول فرماتا ہے اور نہ اس کے عدل یعنی نفل کو۔ حضرت ابوایوب بجستانی نے فرمایا کہ اگر تم کسی سے رسول اللہ کی حدیث بیان کرو اور وہ کہے اس کو رہنے دو قرآن میں جو کچھ ہے وہ بیان کرو تو سمجھ لو کہ وہ گمراہ ہے۔

اہل بدعت کی نشانیاں

اہل بدعت کی بکثرت نشانیاں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں، ایک علامت تو یہ ہے کہ وہ محدثین کو برا کہتے ہیں اور ان کو حشویہ جماعت کا نام دیتے ہیں، اہل حدیث کو فرقہ حشویہ قرار دینا زندیق کی علامت ہے۔ اس سے ان کا مقصد ابطال حدیث ہے۔ فرقہ قدریہ کی علامت یہ ہے کہ وہ محدثین (اہل الاثار) کو مجبرہ (جبریہ) کہتے ہیں۔ اہل سنت کو مشتبہہ قرار دینا فرقہ جہمیہ کی علامت ہے، اہل الاثار (اہل حدیث) کو ناصبی کہنا رافضی کی علامت ہے یہ تمام باتیں اہل سنت کے ساتھ ان کے تعصب اور ان کے غیظ وغضب کے باعث ہیں، حالانکہ ان کا تو صرف ایک نام اہل حدیث بدعتی' ان کو جو لقب دیتے ہیں وہ ان کو چپٹ نہیں جاتے جس طرح مکہ کے کافر رسول اللہ ﷺ کو جادوگر، شاعر، مجنون، مفتون اور کاہن کہتے رہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ، انس وجن اور تمام مخلوق کے نزدیک آپ ان تمام عیبوں سے پاک تھے اور کوئی لقب موزوں نہ تھا آپ کا لقب رسول اور نبی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دیکھو انہوں نے تمہارے لئے کیسی مثالیں گڑھ رکھی ہیں پس یہ گمراہ ہیں، راستہ نہیں پاسکتے''۔

اہل سنت وجماعت کے عقیدے اور صانع کی معرفت کے سلسلے میں بقدر طاقت ہم نے اختصار کے ساتھ جو کچھ جمع کردیا ہے یہ ہمارے بیان کا تتمہ تھا۔ (غنیۃ الطالبین)

خلافتِ راشدہ

(غنیۃ الطالبین سے نقل کیا جاتا ہے)

خلفائے راشدین نے خلافت بزور شمشیر یا جبر کے ذریعہ حاصل نہیں کی تھی نہ اپنے فضل سے چھینی تھی بلکہ معاصرین پر ان کو فضیلت حاصل تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق وانتخاب اور رضامندی سے ان کو خلافت ملی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے منصب پر مہاجرین وانصار کے اتفاق آراء سے فائز ہوئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انصار سے چند مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اس کے جواب میں) فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم واقف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کرنے کا حکم دیا تھا؟ انصار نے یک زبان ہو کر کہا ہاں یہ سچ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بتاؤ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر آگے بڑھنے کو کس کا جی چاہتا ہے (کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے؟ انصار نے کہا معاذ اللہ کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں)۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کس کا جی چاہتا ہے کہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس مقام پر رسول اللہ نے کھڑا کیا تھا وہاں سے ان کو ہٹا دے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم یہ نہیں چاہتے، اللہ سے معافی چاہتے ہیں اس کے بعد انصار و مہاجرین متفق ہوگئے اور سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی۔ بیعت کرنے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ بیعت مکمل ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین روز تک لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے رہے۔ لوگو! میں تمہاری بیعت واپس کرتا ہوں کیا تم میں سے کوئی میری بیعت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے آگے کھڑے ہو کر فرماتے تھے۔'' نہ ہم آپ سے بیعت واپس لیتے ہیں نہ کبھی ہم بیعت لینے کی خواہش کریں گے اس لئے کہ آپ کو رسول اللہ نے آگے کیا ہے اب آپ کو پیچھے کر سکتا ہے۔

معتبر اصحاب اور راویوں نے کہا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کے حق میں سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے تھے۔ ایک روایت ہے کہ جنگ جمل کے بعد عبداللہ بن الاکوع نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ سے اس امر کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد کیا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس بارے میں بہت غور وخوض کیا اس نتیجہ پر پہنچا کہ نماز اسلام کا بازو ہے پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اس چیز کو پسند کیا جو رسول اللہ نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمائی تھی اس لئے ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رہبر بنالیا اور یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے دوران اپنی جگہ انہیں امام بنایا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر نماز کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر نماز کی اطلاع کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دیں۔

اپنی حیات (مبارکہ) میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی گفتگو فرمایا کرتے تھے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یوں معلوم ہوتا تھا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ابن بطہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم حضور کے بعد کس کو اپنا خلیفہ بنائیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اگر تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو دار دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا طالب پاؤ گے اور اگر عمر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو طاقتور اور ایسا امانت دار پاؤ

گے اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہیں کرے گا اور اگر تم علی رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو ہدایت یافتہ پاؤ گے۔
چنانچہ انہی ارشادات کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا۔

ہمارے امام حضرت ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک روایت نقل کی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اشارۂ الٰہی سے ثابت ہے اور یہی مذہب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا ہے اس کی بنا وہ روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ ''جب مجھے معراج ہوئی تو میں نے اللہ عزوجل سے عرض کیا کہ میرے بعد علی ابن ابی طالب کو خلیفہ بنا دے اس پر فرشتوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، آپ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا کہ وہ شخص جو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے میرے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہے گا، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے جب تک آپ نے مجھ سے عہد نہیں لے لیا کہ حضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر میں (علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اس بنا پر قائم ہوئی کہ ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مقرر فرمایا اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور امیر المومنین کا خطاب دے دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا ہے حالانکہ آپ ان کی درشت مزاجی سے واقف ہیں کل آپ اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں جواب دوں گا کہ تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر کو میں نے لوگوں کا امیر بنایا تھا''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے خلیفہ مقرر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو خلافت کے استحقاق سے محروم کر کے چھ اصحاب کی ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی تھی کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ وہ اصحاب یہ ہیں۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو خلافت کی امیدواری سے الگ کر لیا صرف چار حضرات باقی رہ گئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں اللہ، اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے لئے تم میں سے کسی ایک کو منتخب کر لوں گا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، علی تم پر اللہ کے عہد میثاق، ذمہ داری اور اللہ کے رسول کی ذمہ کی پاسداری لازم ہے۔ جس وقت میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا اس وقت تم کو اللہ اور اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا ہوگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت پر چلنا پڑے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات میں اس کام کو پورا کرنے کی طاقت نہیں پائی جو مذکورہ اصحاب رضی اللہ عنہم میں تھی اس لئے آپ نے اس (دعوت) کو قبول نہیں فرمایا، آپ کے انکار پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر وہی (شرطیں) دہرائیں (وہی باتیں کہیں جو حضرت علی سے کہی تھیں) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان باتوں کو قبول کر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چھوڑ کر بیعت کر لی اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، پھر دوسرے روز بیعت عام لی گئی۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتفاق آراء سے خلیفہ مقرر ہو گئے اور شہادت کے وقت تک امام برحق رہے۔ کوئی ایسی بات آپ سے سرزد نہیں ہوئی جو طعن کا موجب یا آپ کے فسق کا سبب ہو یا اس سے آپ کے قتل (شہادت) کا جواز پیدا ہو سکے۔ رافضیوں کا قول اس کے خلاف ہے اللہ ان کو ہلاک کر دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی جماعت کے اتفاق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ہوئی۔ ابو عبداللہ بن بطہ نے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی

روایت نقل کی ہے۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جس زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ایک شخص نے آ کر کہا کہ عنقریب امیر المومنین (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً کھڑے ہو گئے، میں نے اس وقت آپ کی حفاظت کی غرض سے آپ کی کمر پکڑ لی، آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے مگر اس وقت تک امیر المومنین شہید ہو چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس آ کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا لوگوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور آپ کے گھر میں داخل ہو کر آپ کو خبر دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور مسلمانوں کو خلیفہ کی ضرورت ہے اور اس وقت آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار ہماری نظر میں کوئی اور نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا مجھے خلیفہ بنانے کا خیال ترک کر دو میں امیر ہونے سے بہتر تمہارے لئے وزیر ہوں۔ لوگوں نے جواب دیا ''خدا کی قسم آپ سے زیادہ حق دار خلافت کا ہم اور کسی کو نہیں جانتے۔ فرمایا اگر تم نہیں مانتے تو میری بیعت پوشیدہ طور پر نہیں ہوگی میں مسجد میں جاتا ہوں جو میری بیعت کرنا چاہے وہاں آ کر میری بیعت کرے۔ یہ فرما کر آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ پس آپ شہادت کے وقت تک امام برحق تھے، خارجیوں کا قول اس کے خلاف ہے، اللہ ان کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی امام برحق نہ تھے۔ اب رہا معاملہ کہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوئی تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں صراحت فرمائی ہے کہ اس معاملہ میں بلکہ ان تمام جھگڑوں، اختلافات اور نزاعات کے بارے میں خاموش رہا جائے تو صحابہ کرام کے درمیان واقع ہوئے کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے باہمی تنازعات کو دور کر دے گا۔ ارشاد ربانی ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۔ ان کے دلوں میں جو باہمی رنجش ہوگی، ہم اس کو دور کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی ہو جائیں گے، وہ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ اہل حل وعقد (مدینہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا اس لئے آپ کو خود اپنی خلافت کے صحیح ہونے کا یقین تھا اور مخالفین سے جنگ کرنے میں وہ حق پر تھے اس لئے کہ جو بھی اطاعت امیر سے باہر ہوا اور لڑائی کا جھنڈا بلند کیا وہ باغی ہو گیا اور باغی سے جنگ کرنا جائز تھا، رہا امیر معاویہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) کا معاملہ تو وہ بھی حق پر تھے اس لئے کہ وہ خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے پس ہر فریق کے پاس جنگ کے جواز کی ایک وجہ موجود تھی۔ لہٰذا ہمارے لئے سکوت اس سلسلہ میں سب سے اچھی بات ہے، ان کے معاملے کو اللہ کی طرف لوٹا دینا چاہئے وہ سب سے بڑا حاکم اور بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب پر نظر ڈالیں اور دلوں کو گناہوں کی چیزوں سے اور اپنی ظاہری حالتوں کو تباہی انگیز کاموں سے پاک اور صاف رکھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دستبردار ہو کر امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپنے کے بعد ثابت و صحیح ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان صحیح ثابت ہو گیا جس میں حضور نے فرمایا تھا کہ ''میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا''۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کرنے سے امیر معاویہ کی خلافت واجب ہو گئی، اس سال کا نام سن جماعت اس لئے رکھا گیا کہ مسلمانوں کا اختلاف ختم ہو گیا اور سب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے رجوع کر لیا اور کوئی تیسرا مدعی خلافت باقی نہیں رہا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ۳۵، ۳۶ یا ۳۷ سال اسلام کی چکی گھومے گی، چکی سے مراد دین کی قوت ہے، تیس سال سے اوپر کی جو پنجسالہ مدت ہے وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں آتی ہے (یہ خلافت ۳ سال چند ماہ باقی رہی) ۳۰ سال تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پورے ہو گئے تھے (خلافت راشدہ کی مدت ۳۰ سال ہے)۔ (غنیۃ الطالبین)

باب ششم

فلسفہ شہادت حسین علیہ السلام

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم: اما بعد

شہادت حسین علیہ السلام تاریخ اسلام کا ایسا زریں و رنگین ورق ہے جس کے جمال رنگین کی چمک دمک دنیائے اسلام کو ہمیشہ روشن اور تابناک رکھے گی۔

اس میں شک نہیں کہ ہر صاحب کمال کی خوبی باعث ایجاد عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے توسل سے معرض وجود میں آئی ہے لیکن اس باب میں شہادت حسین علیہ السلام کو ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔

جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کونین کی سب نعمتوں کو چار نعمتوں میں جمع فرمادیا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اپنے بندوں کو یہ تلقین فرمائی کہ تم مجھ سے یہ دعا کیا کرو۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ.

ترجمہ: یا اللہ تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔ ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے انعام کیے ہوئے بندوں کی تفصیل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ.

ترجمہ: تو انہیں ان کا ساتھ ملے گا جس پر اللہ نے انعام فرمایا (یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کا)

معلوم ہوا کہ نعمت الٰہی نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت سے الگ نہیں اور جو یز ان سے الگ ہو وہ اگر چہ نعمت نظر آئے لیکن درحقیقت نعمت نہیں۔

رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ اسی وقت قرار پاسکتے ہیں کہ جب کہ ہر نعمت حضور ﷺ کے دامن رحمت میں ہو، اگر کوئی نعمت حضور نبی کریم ﷺ کے دامن اقدس میں نہ ہو تو کسی صورت میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی، نبوت، صدیقیت، قطبیت، غوثیت...... تمام انبیاء سابقین اور قیامت تک آنے والے صدیقین، اولیاء کاملین کو اسی لئے حاصل ہوئی کہ یہ سب نعمتیں دامن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی ہیں، لیکن شہادت بظاہر حضور ﷺ کو نہیں ملی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اور آپ کی جان پاک لینے پر کسی کو قدرت نہ ہوگی۔ اب اگر کوئی دشمن کسی طرح حضور ﷺ کو معاذ اللہ شہید کردے تو معاذ اللہ وعدہ الٰہیہ غلط ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہونا محال ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کا شہید ہونا بھی محال ہوگا۔ اس لئے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شہیدوں کو شہادت کیسے ملی؟ اور شہداء اس نعمت سے کس طرح متمتع ہوئے؟

دراصل شہادت حسین علیہ السلام اسی شبہ کا حل اور اسی سوال کا جواب ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ ہر چیز کی ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے اور ایک ظاہری صورت صورت ظاہری باطنہ پر دلیل ہوتی ہے لیکن اس کا ظہور تام کبھی ابتدائے وجود سے موخر اور زمانہ مستقبل میں ہوتا ہے۔ یعنی کمال شہادت کی

حقیقت رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ میں پوشیدہ تھی اوراس کی صورت ظاہری اپنے وقت میں بصورت دلیل معرض وجود میں آئی لیکن اس کا ظہور تام حضرات حسنین علیہما السلام کی ذات قدسیہ میں ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جوہر شہادت حضور سید عالم ﷺ کی ذات اقدس میں اول امر سے موجود تھا اور وہ اس طرح کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لو ددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل.

''میری دلی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔''

نظر بصیرت سے غور کیا جائے تو یہی وصف جمیل روح شہادت اور حقیقت شہادت ہے۔

جس شخص کے دل میں مقتول فی سبیل اللہ ہونے کی خواہش نہیں اگر وہ میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں قتل بھی ہو جائے تو عند اللہ شہید نہیں اور جس کے دل میں کلمۃ اللہ کو بلند کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید اور مقتول ہونے کی محبت اور خواہش ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم ولا اعمالکم ولکن ینر الی قلوبکم ونیاتکم.

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔''

ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ عند اللہ کمال شہادت سے متصف ہیں اور شہادت کی حقیقت باطنیہ ذات اقدس میں موجود ہے۔

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شہادت جہریہ۔ (۲) شہادت سریہ۔

عام طور پر شہادت جہریہ کے چار جزو ہوتے ہیں۔

شہید دشمنان دین کے ہاتھوں آلہ خارجہ سے زخمی ہو یا اس کے جسم کا کوئی عضو الگ ہو جاتا ہے، جسم سے خون بہتا ہے اور وہ راہ خدا میں مقتول ہو کر جاں بحق ہو جاتا ہے۔ اور شہادت سریہ میں دشمن کے ہاتھوں سے زہر دیئے جانے سے یا مثلاً پانی میں ڈوب کر، آگ میں جل کر، عمارت کے نیچے دب کر موت واقع ہوتی ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ ہونے کی محبت وخواہش جہری وسری دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے شہادت کی دونوں قسموں کا وجود حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں ثابت ہے۔

رہی صورت ظاہری جو حقیقت باطنہ کی دلیل ہے وہ بھی حضور سید عالم ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائی گئی۔

شہادت سری کی ظاہری صورت بکری کے اس زہر آلودہ شانہ کا لقمہ تناول فرمانا ہے جو خیبر میں ایک یہودیہ نے حضور ﷺ کو بھیجا تھا۔ حضور ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ تناول فرمایا تو اس شانہ سے آواز آئی کہ حضور! مجھ میں زہر ہے آپ تناول نہ فرمائیں۔ حضور ﷺ نے پھر اس میں سے نہ کھایا، ایک صحابی اس زہر آلودہ شانہ کا لقمہ کھانے کی وجہ سے اسی وقت شہید ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ نے زہر آلود گوشت کا لقمہ کھایا اور اس کا اثر جسم اقدس میں آیا بلکہ اس کا اثر ہمیشہ باقی رہا لیکن اس کے کھانے سے جس طرح وہ صحابی رضی اللہ عنہ اسی وقت جاں بحق ہو گئے اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ واقعہ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ ارادہ الٰہیہ اپنی مراد سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ مشیت ایزدی یہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کی جان پاک کسی دشمن کے ہاتھوں نہ جانے پائے۔ آیت کریمہ **واللّٰہ یعصمك من الناس** اس پر شاہد عادل ہے۔

لہٰذا حضور ﷺ زندہ سلامت رہے، لیکن اس زہر آلودہ لقمہ کے تناول فرمانے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو گئی کہ زہر کا اثر جسم اقدس میں پہنچا اور وفات مقدسہ تک اس کا اثر وجود پاک میں باقی رہا جو شہادت سریہ اور اس کی حقیقت باطنہ کی ظاہری صورت قرار پایا اور اس کے لئے دلیل کی

حیثیت میں ظاہر ہوا۔ اس حکمت کو اللہ تعالیٰ نے پورا کیا حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی تجلیات جلال و جمال کے مشاہدہ میں مستغرق ہو گئے اور بحکم خداوندی اس میں ایسے مشغول ہوئے کہ اسی گوشت میں یہودیہ نے جو زہر ملا دیا تھا اس کی طرف بھی حضور ﷺ کی توجہ نہ رہی اور اس عدم التفات کی حالت میں ایک لقمہ زہر آلود گوشت کا حضور ﷺ نے تناول فرمالیا اور حکمت خداوندی کا مقتضیٰ پورا ہو گیا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک لقمہ کے سوا اب میرے حبیب اس گوشت سے کچھ نہ کھائیں تو حضور ﷺ کے سینہ اقدس میں جو علم رسالت کی تجلیا جلوہ گر تھیں، انہیں اس زہر آلود گوشت میں منعکس فرمایا جو ایک آواز کی شکل میں ظاہر ہوئی جس کے سننے کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو متوجہ فرمایا۔

گوشت سے آواز کا پیدا ہونا گوشت کی صفت نہیں بلکہ حضور نبی کریم ﷺ کے آفتاب علم کی شعاعیں تھیں جو گوشت کے آئینہ میں چمکیں اور حضور ﷺ کی طرف واپس آئیں۔ جیسے زمین پر رکھا ہوا شیشہ جب آفتاب کے مقابل ہو کر چمکنے لگے تو اس سے بلند ہونے والی شعاعیں سورج ہی کی طرف واپس جاتی ہیں اور وجود آفتاب کی دلیل ہوتی ہیں۔ بالکل اسی طرح آفتاب علم مصطفوی ﷺ کی شعاعیں اس گوشت میں چمکیں جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انوار علم نبوی کی شعاعوں کو قبول کرنے کی قابلیت اس گوشت میں اپنی قدرت کاملہ سے اسی طرح پیدا فرمادی تھی جس طرح آئینہ میں انوار آفتاب کو قبول کرنے کی صفت و قابلیت پیدا فرمائی ہے۔ زہر آلود گوشت میں منعکس ہونے والی تجلیاں اہل بصیرت کی نظر میں آفتاب علم محمدی ﷺ کی چمکتی ہوئی دلیل ہے۔

الغرض خیبر میں زہر آلود گوشت کا لقمہ تناول فرمانا اور اس کے اثرات کا ذات پاک مصطفوی ﷺ میں ہونا شہادت سریہ کی حقیقت کی صورت ظاہری اور دلیل قوی ہے۔

اس کے بعد شہادت جہریہ کی طرف آیئے تو اس کی ظاہری صورت بھی حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں ثابت ہے۔

جنگ احد میں حضور ﷺ کا جسم مبارک زخمی ہوا، جسم اقدس سے خون بھی جاری ہوا اور جسم اقدس کا ایک نورانی جزو بھی علیحدہ ہوا۔ لیکن ایسا جزو مبارک جس کے الگ ہونے سے ذات مقدسہ میں کسی قسم کا عیب نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں یا ان کا کچھ حصہ اگر کٹ جائے تو آدمی عیب دار ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ چونکہ محمد ﷺ ہیں، جس کے معنی ہیں بہت تعریف کیا ہوا۔ یعنی بے عیب کیوں کہ عیب کی مذمت کی جاتی ہے جو محمدیت کے خلاف ہے اس لئے مشیت ایزدی کا تقاضا یہ ہوا کہ بدن مبارک کا ایک جزو الگ ہونے سے محبوب ﷺ کی ذات مقدسہ میں کوئی عیب نہ پیدا ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ کے دندان مبارک کا ایک کنارہ جنگ احد میں ایک کافر کے پتھر مارنے سے شکستہ ہوا۔ جس کی وجہ سے دندان مبارک کی شعاعیں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں۔ جیسے سچے موتی کا ایک کنارہ گر جائے تو اس جگہ کی چمک اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آقائے نامدار ﷺ کا دندان مبارک جس کی چمک سے ظلمت شب میں اجالا ہو جاتا تھا ایک کنارہ گر جانے سے بجائے عیب دار ہونے کے اور زیادہ چمک دار ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دندان مبارک جڑ سے اکھڑ گیا تھا۔ یہ غلط ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے کہ صرف کنارا گرا تھا۔ دندان مبارک جڑ سے نہیں ٹوٹا۔ علاوہ ازیں دانت کا جڑ سے الگ ہو جانا حسن و خوبی کے خلاف ہے اس لئے محمدیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ صرف کنارہ گر جائے اور دندان مبارک اپنی جگہ بدستور قائم رہے۔

خلاصۃ المرام یہ کہ شہادت جہیرہ کے اجزائے اربعہ میں سے تین جزو حضور ﷺ کی ذات اقدس میں جنگ احد کے موقع پر پائے گئے۔ جسم اقدس کا زخمی ہونا، جسم اقدس سے خون مبارک کا بہنا، بدن پاک کا ایک جزو لطیف بدن سے جدا ہونا اب اگر چوتھا جزو (حضور ﷺ کا مقتول ہو کر وفات پا جانا بھی) متحقق ہو جاتا تو وعدہ الٰہیہ "واللہ یعصمک من الناس" غلط قرار پاتا اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وعدہ الٰہیہ کا غلط ہونا محال ہے۔ لہٰذا شہادت جہریہ کے چوتھے جزو سے اپنے حبیب ﷺ کی ذات مقدسہ کو بچایا اور چار میں سے تین جزو حضور ﷺ کو عطا فرما دیئے۔ بنابریں اگر یوں کہہ دیا جائے کہ "للاکثر حکم الکل" اکثر اجزاء کے لئے کل اجزاء کا حکم ہے لہٰذا شہادت جہریہ کے تمام اجزاء حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں حکماً پائے گئے تو یہ صحیح ہوگا اور ان اجزا کا پایا جانا شہادت جہریہ کی صورت ظاہری قرار ہوگی اور یہ دلیل ہوگی اس حقیقت شہادت کے وجود

پر جس کو ہم حضور سید عالم ﷺ کے لئے ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شہادت سری اور جہری دونوں کی حقیقت اور ان کی ظاہری صورت نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائی جاتی ہے جس کا انکار کوئی اہل علم منصف مزاج نہیں کر سکتا۔

اس بحث سے فارغ ہو کر ظہور تام کے مسئلہ کو آگے لائیے۔ ادنیٰ تامل کے بعد آپ اس حقیقت کو سمجھ پائیں گے حضور نور مجسم ﷺ کی ذات اقدس میں کمال حادث کا ظہور تام ارادہ الٰہیہ "واللہ یعصمك من الناس" کے خلاف تھا۔ اس لئے اس کو موخر فرمایا گیا اور حسنین علیہما السلام جن کی ذوات قدسیہ میں اولاد رسول ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے بدن مبارک کے اجزائے کریمہ پائے جاتے ہی اور یہ دونوں شہزادے مل کر ایک جسم نبوی کی شبیہ کامل قرار پاتے ہیں۔ اس ظہور تام کا مظہر اتم قرار پائے یعنی امام حسن علیہ السلام زہر سے شہید ہوئے اور امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں دشمنان دین کے ہاتھوں تلوار سے جام شہادت نوش فرمایا اور یہ دونوں شہادتیں اس جوہر شہادت محمدی اور روح شہادت مصطفوی کا ظہور تام قرار پائیں۔

اس پورے بیان کو ایک مثال ہی میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک درخت کی شاخوں میں دو پھل لگے تو ہر عقلمند یہی کہے گا کہ پھل اگر چہ شاخوں کو لگے ہوئے ہیں مگر یہ شاخوں کے نہیں بلکہ درخت کے پھل ہیں۔ بس یوں کہئے کہ شجر محمدی ﷺ کی دو شاخیں ہیں۔

ایک حسین علیہ السلام اور دوسری حسن علیہ السلام، حسن علیہ السلام کی شاخ میں شہادت سری کا پھل لگا اور حسین علیہ السلام کی شاخ میں شہادت جہری کا پھل اگر چہ شاخوں میں لگا ہوا ہے لیکن درحقیقت درخت کا پھل ہے۔ شہادت حسنین علیہما السلام بظاہر حسنین کی ذوات مقدسہ میں پائی جاتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ شہادت محمدی ہے جس کا ظہور تام حسنین علیہما السلام میں ہو رہا ہے۔

چونکہ ظہور شہادت کا تعلق جسمانیت سے ہے اس لئے شہادت محمدی کا ظہور تام مندرجہ ذیل تین اوصاف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(۱) مظہر اتم شہادت محمدی ایسا شخص ہونا چاہئے جو جزئیت اور جسمانیت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کمال قرب کی صفت رکھتا ہو کیوں کہ شہادت کا تعلق جسم و جسمانیت سے ہے۔

(۲) شہادت محمدی کا مظہر امت متصف بالرجولیۃ ہوگا کیوں کہ اس کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ سے مناسبت کاملہ نہیں ہو سکتی۔

(۳) شہادت محمدی کا مظہر اتم دو افراد ہونے چاہئیں جو پہلی دو صفتیں مساوی طور پر اپنے اندر رکھتے ہوں۔

کیوں کہ ایک شہادت جہری ہے دوسری سری۔ ایک شخص ایک ہی شہادت کا مظہر اتم ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دو فرد ہونے ضروری ہیں۔

ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان امور ثلاثہ کا جامع بغیر حضرات حسنین علیہما السلام کے اور کوئی نہیں، لہٰذا ان کی خصوصیت باقی تمام مظاہر کی مدت محمدی کے مقابلہ میں اظہر من الشمس ہے۔ (مقالات کاظمی جلد سوئم)

باب ہفتم (الف)

امامت کا بیان

(بہارِ شریعت سے)

امامت دو قسم ہے صغریٰ۔ کبریٰ۔ امامت صغریٰ امامت نماز ہے اس کا بیان میرے اس موضوع میں نہیں ہے اس لئے یہاں صرف امامت کبریٰ بیان کی جاتی ہے۔ امامت کبریٰ۔ نبی ﷺ کی نیابت مطلقہ کہ حضور ﷺ کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو اس امام کیلئے مسلمان۔ آزاد۔ عاقل۔ بالغ۔ قادر۔ قرشی ہونا شرط ہے۔ ہاشمی۔ علوی معصوم ہونا اس کی شرط نہیں۔ ان کا شرط کرنا روافض کا مذہب ہے۔ جس سے ان کا یہ مقصد ہے کہ برحق امرائے مومنین خلفائے ثلاثہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو خلافت سے جدا کریں۔ حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم و حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کی خلافتیں تسلیم کیں اور علویت کی شرط نے تو مولیٰ علی کو بھی خلیفہ ہونے سے خارج کر دیا۔ مولیٰ علی علوی کیسے ہو سکتے ہیں رہی عصمت یہ انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے۔ جس کو ہم پہلے بیان کر آئے۔ امام کا معصوم ہونا روافض کا مذہب ہے۔

مسئلہ...... محض مستحق امامت ہونا امام ہونے کیلئے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اہل حل وعقد نے اسے امام مقرر کیا ہو یا امام سابق نے۔

مسئلہ...... امام کی اطاعت مطلقاً ہر مسلمان پر فرض ہے جب کہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو خلاف شریعت میں کسی کی اطاعت نہیں۔

مسئلہ...... امام ایسا شخص مقرر کیا جائے جو شجاع اور عالم ہو یا علماء کی مدد سے کام کرے۔

مسئلہ...... عورت اور نابالغ کی امامت جائز نہیں اگر نابالغ کو امام سابق نے امام مقرر کر دیا ہو تو اس کے بلوغ تک کیلئے لوگ ایک والی مقرر کریں کہ وہ احکام جاری کرے اور یہ نابالغ صرف رسمی امام ہوگا اور حقیقۃً اس وقت تک وہ والی امام ہے۔

عقیدہ...... نبی ﷺ کے بعد خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت مولیٰ علی پھر چھ مہینے کیلئے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہم ہوئے۔ ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کی سچی نیابت کا پورا حق ادا فرمایا۔

عقیدہ...... بعد انبیاء و مرسلین علیہم السلام تمام مخلوقاتِ الٰہی انس و جن و ملک سے افضل صدیق اکبر ہیں پھر عمر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولیٰ علی رضی اللہ عنہم جو شخص مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل بتائے گمراہ بد مذہب ہے۔

عقیدہ...... افضل کے یہ معنی ہیں کہ اللہ عزوجل کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہو۔ اسی کو کثرت ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں نہ کثرت اجر کہ بارہا مفضول کیلئے ہوتی ہے۔ حدیث میں ہمراہیان سیدنا امام مہدی کی نسبت آیا کہ ان میں ایک کیلئے پچاس کا اجر ہے۔ صحابہ نے عرض کی ان میں کے پچاس کا یا ہم میں کے فرمایا بلکہ تم میں کے۔ تو اجر ان کا زائد ہوا مگر افضلیت میں وہ صحابہ کے ہمسر بھی نہیں ہو سکتے زیادت درکنار۔ کہاں امام مہدی کی رفاقت اور کہاں حضور سید عالم ﷺ کی صحابیت۔ اس کی نظیر بلا تشبیہ یوں سمجھئے کہ سلطان نے کسی مہم پر وزیر اور بعض دیگر افسروں کو

بھیجا۔ اس کی فتح پر ہر افسر کو لاکھ لاکھ روپے انعام دیئے اور وزیر کو خالی پروانہ خوشنودی مزاج دیا تو انعام انہیں کو زائد ملا مگر کہاں وہ اور کہاں وزیر اعظم کا اعزاز۔

عقیدہ......ان کی خلافت برترتیب فضیلت ہے یعنی جو عنداللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی پہلے خلافت پاتا گیا نہ کہ افضلیت برترتیب خلافت یعنی افضل یہ کہ ملک داری و ملک گیری میں زیادہ سلیقہ جیسا آج کل سنی بننے والے تفضیلئے کہتے ہیں یوں ہوتا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہوتے کہ ان کی خلافت کو فرمایا (لَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا یَّفْرِیْ فَرِیَّهٗ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ) اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو فرمایا (فِیْ نَزْعِهٖ ضُعْفٌ وَّاللّٰهُ یَغْفِرُلَهٗ)

عقیدہ......خلفائے اربعہ راشدین کے بعد بقیہ عشرہ مبشرہ و حضرات حسنین و اصحاب بدر و اصحاب بیعۃ الرضوان کیلئے فضیلت ہے اور یہ سب قطعی جنتی ہیں۔

عقیدہ......تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل خیر و صلاح ہیں اور عادل۔ ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے۔

عقیدہ......کسی صحابی کے ساتھ سوء عقیدت بدمذہبی و گمراہی و استحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن عاص و حضرت مغیرہ بن شعبہ و حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے قبل اسلام حضرت سیدنا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور بعد اسلام اخبث الناس خبیث مسیلمہ کذاب ملعون کو واصل جہنم کیا وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خیر الناس و شر الناس کو قتل کیا ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی اگرچہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی توہین کے مثل نہیں ہو سکتی کہ ان کی توہین بلکہ ان کی خلافت سے انکار ہی فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔

عقیدہ......کوئی ولی کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو کسی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا۔

مسئلہ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم جو واقعات ہوئے ان میں پڑنا حرام حرام سخت حرام ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ سب حضرات آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار اور سچے غلام ہیں۔

عقیدہ......تمام صحابہ کرام اعلیٰ و ادنیٰ (اور ان میں ادنیٰ کوئی نہیں) افضل سب جنتی ہیں، وہ جہنم کی بھنک نہ سنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے۔ محشر کی وہ بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ یہ سب مضمون قرآن عظیم کا ارشاد ہے۔

عقیدہ......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء نہ تھے فرشتہ نہ تھے کہ معصوم ہوں ان میں بعض کیلئے لغزشیں ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل نے سورۃ حدید میں جہاں صحابہ کی دو قسمیں فرمائیں مومنین قبل فتح مکہ اور بعد فتح مکہ اور ان کو ان پر تفضیل دی اور فرما دیا کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (پ ۲۷ الحدید ۱۰) ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔ (کنزالایمان) ساتھ ہی ارشاد فرما دیا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (پ ۲۷ الحدید ۱۰) اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان) جب اس نے ان کے تمام اعمال جان کر حکم فرما دیا کہ ان سب سے ہم جنت بے عذاب و کرامت و ثواب کا وعدہ فرما چکے تو دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے۔ کیا طعن کرنے والا اللہ سے جدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔

عقیدہ......امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے ان کا مجتہد ہونا حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔ مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطاء دو قسم ہے "خطاء عنادی" یہ مجتہد کی شان نہیں اور "خطاء اجتہادی" یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس میں اس پر عنداللہ اصلاً مواخذہ نہیں مگر احکام دنیا میں وہ دو قسم ہے "خطاء مقرر" کہ اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس سے دین

میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ دوسری ''خطاء منکر''۔ یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی خطاء باعث فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے اختلاف اسی قسم کی خطا کا تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی ڈگری اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مغفرت۔

مسئلہ...... یہ جو بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا جائے تو رضی اللہ عنہ نہ کہا جائے محض باطل و بے اصل ہے۔ علمائے کرام نے صحابہ کے اسمائے طیبہ کے ساتھ مطلقاً رضی اللہ عنہ کہنے کا حکم دیا ہے یہ استثنائی شریعت گڑھنا ہے۔

عقیدہ...... منہاج نبوت پر خلافت حقہ راشدہ تیس سال رہی کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی پھر امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ ہوئی اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اول ملوک اسلام ہیں اسی کی طرف تورات مقدس میں اشارہ ہے کہ (مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَ مُهَاجَرُهٗ طَيْبَةُ و مُلْكُهٗ بِالشَّامِ) وہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔ تو امیر معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے مگر کس کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک فوج جرار جان نثار کے ساتھ عین میدان میں بالقصد و بالاختیار ہتھیار رکھ دیئے اور خلافت امیر معاویہ کو سپرد کر دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمالی اور اس صلح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور اس کی بشارت دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا (اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ) میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس کے باعث دو بڑے گروہ اسلام میں صلح کرادے۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر معاذ اللہ فسق وغیرہ کا طعن کرنے والا حقیقۃً حضرت امام حسن مجتبیٰ بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت عزت جل وعلا پر طعن کرتا ہے۔

عقیدہ...... ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا قطعی جنتی اور یقیناً آخرت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ عروس ہیں جو انہیں ایذا دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما تو عشرہ مبشرہ سے ہیں ان صاحبوں سے بھی بمقابلہ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خطاء اجتہادی واقع ہوئی مگر ان سب نے بالآخر رجوع فرمائی۔ عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں عناداً ہو خواہ اجتہاداً۔ ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ گروہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد معاند و سرکش ہو گیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

عقیدہ...... ام المومنین حضرت صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہما محبوبہ محبوب رب العالمین جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم پر معاذ اللہ تہمت ملعونہ افک سے اپنی ناپاک زبان آلودہ کرنے والا قطعاً یقیناً کافر مرتد ہے اور اس کے سوا اور طعن کرنے والا رافضی، تبرائی، بددین، جہنمی۔

عقیدہ...... حضرات حسنین رضی اللہ عنہما یقیناً اعلیٰ درجہ شہدائے کرام سے ہیں ان میں کسی کی شہادت کا منکر گمراہ بددین خاسر ہے۔

عقیدہ...... یزید پلید فاسق فاجر مرتکب کبائر تھا معاذ اللہ اس سے اور ریحانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت آج کل بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملہ میں کیا دخل ہے ہمارے وہ بھی شہزادے وہ بھی شہزادے۔ ایسا بکنے والا مردود، خارجی، ناصبی، مستحق جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہل سنت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک سکوت یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔

عقیدہ...... اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم مقتدایان اہل سنت ہیں جو ان سے محبت نہ رکھے مردود و ملعون خارجی ہے۔

عقیدہ...... ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ و ام المومنین عائشہ صدیقہ و حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن قطعی جنتی ہیں اور انہیں اور بقیہ بنات مکرمات و ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تمام صحابیات پر فضیلت ہے۔

عقیدہ...... ان کی طہارت کی گواہی قرآن عظیم نے دی۔ (بہار شریعت)

ولایت کا بیان

ولایت ایک قرب خاص ہے کہ مولیٰ ل اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ نمبرا......ولایت وہبی شے ہے نہ یہ کہ اعمال شاقہ سے آدمی خود حاصل کر لے البتہ غالباً اعمال حسنہ اس عطیہ الٰہی کیلئے ذریعہ ہوتے ہیں اور بعضوں کو ابتداءً مل جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر۲......ولایت بے علم کو نہیں ملتی خواہ علم بطور ظاہر حاصل کیا ہو یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر اللہ عزوجل نے اس پر علوم منکشف کر دیئے ہوں۔

عقیدہ......تمام اولیائے اوّلین و آخرین سے اولیائے محمدیین یعنی اس امت کے اولیاء افضل ہیں اور تمام اولیاء محمدیین میں سب سے زیادہ معرفت وقرب الٰہی میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ان میں ترتیب وہی ترتیب افضلیت ہے سب سے زیادہ معرفت و قرب صدیق اکبر کو ہے پھر فاروق اعظم پھر ذوالنورین پھر مولیٰ مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) کو۔ ہاں مرتبہ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جانب کمالات نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا اور جانب کمالات ولایت حضرت مولیٰ مشکل کشا کو جملہ اولیاء مابعد نے مولیٰ علی ہی کے گھر سے نعمت پائی اور انہیں کے دست نگر تھے اور ہیں اور رہیں گے۔

عقیدہ......طریقت منافی شریعت نہیں۔ وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے بعض جاہل مُتَصَوِّف جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ طریقت اور ہے شریعت اور محض گمراہی ہے اور اس زعم باطل کے باعث اپنے آپ کو شریعت سے آزاد سمجھنا صریح کفر والحاد۔

مسئلہ۱......احکام شرعیہ کی پابندی سے کوئی ولی کیسا ہی عظیم ہو سبکدوش نہیں ہو سکتا بعض جُہال جو یہ بک دیتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے راستہ کی حاجت ان کو ہے جو مقصود تک نہ پہنچے ہوں ہم تو پہنچ گئے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا (صَدَقُوْا لَقَدْ وَصَلُوْا وَلٰکِنْ اِلٰی اَیْنَ اِلَی النَّارِ) ''وہ سچ کہتے ہیں بیشک پہنچے مگر کہاں۔ جہنم کو''۔ البتہ اگر مجذوبیت سے عقل تکلیفی زائل ہو گئی ہو جیسے غشی والا تو اس سے قلم شریعت اٹھ جائے گا مگر یہ بھی سمجھ لو جو اس قسم کا ہو گا اس کی ایسی باتیں کبھی نہ ہوں گی شریعت کا مقابلہ کبھی نہ کرے گا۔

مسئلہ۲......اولیائے کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہے ان میں جو اصحاب خدمت ہیں ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے سیاہ سفید کے مختار بنا دیئے جاتے ہیں یہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب ہیں ان کو اختیارات وتصرفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ملتے ہیں۔ علوم غیبیہ ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں بہت کو ماکان و ما یکون اور تمام لوح محفوظ پر اطلاع دیتے ہیں مگر یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ وعطاء سے۔ بے وساطت رسول کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ......کرامت اولیاء حق ہے اس کا منکر گمراہ ہے۔

مسئلہ۱......مردہ زندہ کرنا اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا' مشرق سے مغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کر جانا' غرض تمام خوارق عادات اولیاء سے ممکن ہیں سوائے اس معجزہ کے جس کی بابت دوسروں کیلئے ممانعت ثابت ہو چکی ہے۔ جیسے قرآن مجید کے مثل کوئی سورت لے آنا یا دنیا میں بیداری میں اللہ عزوجل کے دیدار یا کلام حقیقی سے مشرف ہونا' اس کا جو اپنے یا کسی ولی کیلئے دعویٰ کرے کافر ہے۔

مسئلہ۲......ان سے اِستمداد و اِستعانت محبوب ہے۔ یہ مدد مانگنے والے کی مدد فرماتے ہیں چاہے وہ کسی جائز لفظ کے ساتھ ہو۔ رہا ان کو فاعل مستقل جاننا یہ وہابیہ کا فریب ہے۔ مسلمان کبھی ایسا خیال نہیں کرتا۔ مسلمان کے فعل کو خواہ مخواہ قبیح صورت پر ڈھالنا

وہابیت کا خاصہ ہے۔

مسئلہ ۳......ان کے مزارات پر حاضری مسلمان کیلئے سعادت و باعث برکت ہے۔

مسئلہ ۴......ان کو دور و نزدیک سے پکارنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

مسئلہ ۵......اولیائے کرام اپنی قبروں میں حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہیں۔ان کے علم و ادراک و سمع و بصر پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی ہیں۔

مسئلہ ۶......انہیں ایصال ثواب نہایت موجب برکات و امر مستحب ہے اسے عرفاً براہ ادب نذر و نیاز کہتے ہیں۔یہ نذر شرعی نہیں جیسے بادشاہ کو نذر دینا۔ان میں خصوصاً گیارھویں شریف کی فاتحہ نہایت عظیم برکت کی چیز ہے۔

مسئلہ ۷......عرس اولیائے کرام یعنی قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و نعت خوانی و وعظ و ایصال ثواب اچھی چیز ہے۔رہے منہیات شرعیہ وہ تو ہر حالت میں مذموم ہیں اور مزارات طیبہ کے پاس اور زیادہ مذموم۔تنبیہ۔چونکہ عموماً مسلمانوں کو بحمدہ تعالیٰ اولیائے کرام سے نیاز مندی اور مشائخ کے ساتھ انہیں ایک خاص عقیدت ہوتی ہے'ان کے سلسلہ میں منسلک ہونے کو اپنے لئے فلاح دارین تصور کرتے ہیں' اس وجہ سے زمانہ حال کے وہابیہ نے لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے یہ جال پھیلا رکھا ہے کہ پیری مریدی بھی شروع کر دی حالانکہ اولیاء کے یہ منکر ہیں لہٰذا جب مرید ہونا ہو تو اچھی طرح تفتیش کر لیں ورنہ اگر بدمذہب ہوا تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

پیری کیلئے چار شرطیں ہیں قبل از بیعت ان کا لحاظ فرض ہے اوّل:سنی صحیح العقیدہ ہو۔دوم:اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔سوم:فاسق معلن نہ ہو۔چہارم:اس کا سلسلہ نبی ﷺ تک متصل ہو۔

نَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْاِسْتِقَامَةَ عَلَى الشَّرِيْعَةِ الطَّاهِرَةِ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَابْنِهٖ وَحِزْبِهٖ اَبَدَ الْاٰبِدِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(بہار شریعت حصہ اوّل)

ولایت یہ ہے کہ اللہ اپنے دوست کو اپنی بات بطور الہام پہنچا دیتا ہے یہ الہام اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے سچی زبان پر جاری ہوتا ہے اس الہام میں ایک ٹھہراؤ اور سکون ہوتا ہے مجذوب کا دل اس کو قبول کر لیتا ہے اور اس سے سکون حاصل کرتا ہے، مختصراً یہ کہ کلام (وحی) خداوندی انبیاء کے لئے مخصوص ہے اور الہام اولیاء اللہ کے لئے ہے اول کا رد کرنے اور نہ ماننے والا کافر ہے اس لئے وہ حقیقت میں کلام الٰہی کو رد کرنے والا ہے اور دوسرے کا منکر کافر نہیں بلکہ نا کام ہے۔اس کا انکار وبال کا باعث بن جاتا ہے۔الہام حقیقت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو مشیت خداوندی علم الٰہی سے کسی کے دل میں ایک راز کی روح پیدا ہو اللہ جس بندہ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت اس چیز کو واقعیت کے ساتھ بندہ کے دل تک پہنچا دیتی ہے اور محب کا دل سکون کے ساتھ اس کو قبول کر لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل حصہ غنیۃ الطالبین سے نقل کیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ اور ابدال

تمام اولیاء اللہ اور ابدال اور صدیقین کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا آیا ہے کوئی استاد ہوا کوئی شاگرد حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے شاگرد عقبہ رحمۃ اللہ علیہ غلام تھے۔حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ان کے بھانجے اور خادم حضرت ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔یہ مشائخ ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور راستہ ہیں، یہی خدا کا راستہ دکھانے والے ہیں اسی دروازے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ ملتا ہے (شاذ اس سے مستثنیٰ ہے) ورنہ ہر مرید کے لئے شیخ کی ضرورت ہے۔یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا خود انتخاب فرمائے اور اس کی تربیت فرمائے اور شیطان و ہوا و ہوس سے خود ہی اس کی حفاظت فرمائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نے کیا ہم اس کے منکر نہیں (لیکن یہ

صورتیں شاذ ہیں) لیکن اکثر اور عام طریقہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا، یہی طریقہ زیادہ سلامتی اور بہتری کا ہے۔

شیخ سے منقطع ہونا

شیخ سے منقطع ہو جانا اس وقت تک کسی مرید کے لئے درست اور جائز نہیں ہے جب تک وہ خدا رسیدہ ہو کر مستغنی نہ ہو جائے اور خدا تک نہ پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ خود اس کی تربیت وتہذیب کا متولی اور ذمہ دار ہو جائے اور ان چیزوں سے مرید کو آگاہ فرما دے جو شیخ کو بھی معلوم نہیں تھیں اور خود اپنی مشیت کے مطابق اس سے عمل کرائے روکے یا حکم دے، تنگی اور فراخی عطا فرمائے، غنی بنائے یا فقیر کر دے اس صورت میں وہ اپنے ربانی تعلق کی وجہ سے اللہ کے سوا باقی دوسروں سے مستغنی ہو جاتا ہے دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کی اس کو فرصت ہی نہیں ملتی، اللہ کی تعظیم وتکریم اور خدمت کی پابندی کے سوا اور کسی بات کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی اس مرتبہ اور حال میں وہ شیخ سے قطعاً منقطع ہو جاتا ہے اس حال میں شیخ اور مرید کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں شیخ مرید کو ایک راستہ پر لے جائے گا اور مرید دوسرے راستہ پر چلے گا اس لئے صحبت واجتماع کا حصول ممکن نہیں رہے گا۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں اس شیخ پر اور اس مرید پر کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو اس حالت استغنا پر پہنچا دے تو وہ اپنے رب کے لئے اپنے شیخ سے بھی مستغنی ہو جائے۔

مزید آداب

مرید کے لئے جو آداب ضروری ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بے ضرورت شیخ کے سامنے بات نہ کرے اور نہ شیخ کے سامنے اپنی کوئی خوبی بیان کرے، نماز کے سوا کسی اور وقت شیخ کے آگے اپنا مصلیٰ نہ بچھائے جب نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنا مصلیٰ لپیٹ دے، اپنے شیخ نیز ان لوگوں کی خدمت کے لئے بھی مستعد رہے جو شیخ کے ساتھ اس کے سجادہ پر متمکن ہیں۔ شیخ کے سجادہ کے برابر اور شیخ کے اصحاب کے سجادہ کے برابر یا اس سے اوپر اپنا سجادہ نہ بچھائے یہ مشائخ کی نظر میں سوئے ادب ہے البتہ شیخ اگر حکم دے تو تعمیل میں ایسا کر سکتا ہے۔

شیخ کے سامنے اگر کوئی مسئلہ آ جائے اور مرید کو اس مسئلہ کا صحیح اور تفصیلی جواب معلوم ہو جب بھی خاموش رہے اور شیخ کی زبان سے اس مسئلہ کا جواب سنے اور اس کو غنیمت سمجھے اس کے فیصلہ کو مان لے اور اس پر عمل کرے اگر شیخ کے آداب میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اس کی علی الاعلان تردید نہ کرے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کو فضل اور علم سے نوازا ہے لیکن ان باتوں کو پوشیدہ رکھے اور شیخ کی غلطی کو ظاہر نہ کرے۔

سماع کے وقت کے آداب

سماع کے وقت شیخ کے سامنے کوئی حرکت نہ کرے، البتہ اگر شیخ کی توجہ اس کی جانب ہو اور اس کی توجہ سے اس میں کوئی کیفیت پیدا ہو تو وجد میں آ سکتا ہے البتہ اس حالت کو اپنی طرف سے پیدا شدہ خیال نہ کرے اگر اس صورت میں مغلوب الحال ہو جائے تو اس مغلوبیت کے بقدر اجازت ہے لیکن وجد کا جوش ختم ہوتے ہیں فوراً سکون، ادب اور سنجیدگی کی طرف واپس آ جائے اور جس راز کا انکشاف اللہ نے اس حال میں اس پر کیا ہے اس کو پوشیدہ رکھے۔

سماع کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر

سماع، قوالی، مزامیر اور رقص کو ہم جائز نہیں سمجھتے اور اس کی کراہت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن ہمارے زمانہ میں لوگ اپنی خانقاہوں اور مجلسوں میں اس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں (ان کی مجلسوں میں قوالی رقص ومزامیر کا سلسلہ جاری ہے) اور ممکن ہے کہ اس راہ پر چلنے والے سچے ہوں اس لئے ان کے مسلک کے مطابق ہم اس موضوع پر قلم اٹھا رہے ہیں ممکن ہے کہ سماع میں کلام کے معنی سامع کے جذبہ محبت وصداقت کی آگ کو بھڑکا دیں اور وہ اس آگ سے بھڑک اٹھے اور خودی اس سے غائب ہو جائے اور اس کے اعضاء میں بیساختہ حرکت پیدا ہو جائے لیکن اس شخص کی حالت کا اس شخص کی حالت سے کوئی تعلق نہیں جن کو سماع سے لطف طبع اور لذت ہوس حاصل ہوتی ہے۔ کسی فوت شدہ محبوب اور بچھڑے ہوئے معشوق کی یاد ان کے دل میں تازہ ہو جاتی ہے اور ظاہری محبت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

چونکہ مرید سے اس کے دل کی آگ تو بجھتی ہی نہیں اس کا شعلہ عشق تو کبھی فرو نہیں ہوتا۔ اس کا محبوب غائب نہیں ہوتا اور نہ اس کا دوست اس کو کسی وقت چھوڑتا ہے بلکہ اس کے لئے محبوب کا قرب لذت و کیفیت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اس کے حال کو محبوب حقیقی (خداوند تعالیٰ) کے کلام اور گفتگو کے سوا نہ کوئی چیز بدل سکتی ہے اور نہ اس کی حالت کو برانگیختہ کر سکتی ہے اس لئے نہ اس کو اشعار سننے کی ضرورت ہوتی ہے نہ گانے کی آواز سے حظ حاصل ہوتا ہے اور نہ چیخنے چلانے والوں کے شور شر سے (جو شیطانوں کے شریک، نفسانی خواہشات پر سوار ہوتے) اسے کچھ لذت حاصل ہوتی ہے۔

سماع میں مرید کے آداب

مرید کو چاہئے کہ سماع کی حالت میں نہ کسی سے مزاحمت کرے اور نہ عرض نہ گانے والوں سے یہ فرمائش کرے کہ ایسے اشعار گاؤ دنیا سے بے تعلقی پیدا کرنے والے، رقت آفریں ہوں نہ یہ فرمائش کرے کہ ایسا کلام پیش کرو جس سے جنت کی، جنت کی حوروں کی اور دیدار الٰہی کی رغبت پیدا ہو۔ دنیا سے بیزاری، دنیا والوں سے گریز کی تعلیم حاصل ہو، دنیا کے دکھ درد اور مصائب کو برداشت کرنے کی جرات پیدا ہو اور آخرت کے طالبوں سے دنیا جو اپنا رخ پھیرتی ہے اس پر صبر حاصل ہو (الغرض کسی مخصوص مضمون کی فرمائش نہ کردے) یہ کام شیخ کا ہے، سب کو اس کے سپرد رہنا چاہئے، شیخ جو محفل میں موجود ہے اس وقت تمام محفل کے لوگوں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے البتہ اگر سامع اہل حال ہے اور آداب ظاہری سے واقف ہے اور تصنع سے عاری ہے تو اللہ خود ایسے ایسے اسباب پیدا کر دے گا کہ قوال خود ایسے اشعار پیش کرے گا جس کا یہ خواستگار ہے یا اگر سامع کسی مصرعہ کی تکرار چاہتا ہے تو گانے والا خود بخود اس کی تکرار کرے گا اور اس طرح اس سچے سامع کی خواہش خود بخود پوری ہو جائے گی۔ سماع کے سلسلہ میں آداب مرید کی بحث کو ختم کرتے ہوئے مرید کے لئے چند آداب ذکر کئے جاتے ہیں۔

شیخ کی اہمیت

مرید اگر شیخ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو شیخ پر یقین راسخ اور پختہ اعتقاد ہو کہ اس ملک میں میرے شیخ سے بزرگ اور کوئی شیخ نہیں اس اعتقاد سے اس کو اپنے اصل مقصد میں فائدہ حاصل ہو گا اللہ کے حضور میں اس کو قبولیت حاصل ہو گی اور جو کچھ وہ پیر کی خدمت انجام دے رہا ہے اس کو آفات سے محفوظ رکھے گا اور جو معاہدہ ارادت ہے اس کو خطرات سے بچائے گا، پیر کی زبان سے بھی وہی بات نکلے گی جو اس کے لئے مناسب ہو گی۔ مرید کو چاہئے کہ شیخ کی مخالفت کسی حال میں نہ کرے، مشائخ کی مخالفت مریدوں کے حق میں زہر قاتل ہے اس لئے نہ صراحتاً مخالفت کرے اور نہ کسی تاویل کے ساتھ، مرید کو لازم ہے کوشش کرے کہ شیخ سے اپنا کوئی راز اور اپنی کوئی حالت پوشیدہ نہ رکھے نہ شیخ کے حکم کی کسی کو اطلاع دے۔

مرید کے لئے کسی حال میں بھی یہ جائز نہیں کہ امر ممنوعہ کی رخصت (اجازت) کا شیخ سے طلبگار ہو اور اللہ کی جس نافرمانی کو ترک کر چکا ہے اس کی طرف دوبارہ واپس آئے یہ کبیرہ گناہ ہے، اہل طریقت کی نظر میں مریدی کی شکست ہے، ارادت شیخ اس ارادہ سے فسخ ہو جاتی ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ "ہبہ کی کوئی چیز کو دوبارہ واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو منہ سے غذا الٹ کر دوبارہ اس کو کھا لے"۔ (غنیۃ الطالبین)

کرامت ولی کے بارے چند بزرگوں کے بیان

انیس الطالبین کے مصنف حضرت صلاح بن مبارک بخاری رحمۃ اللہ علیہ عقائد کے حوالے سے فرماتے ہیں ''ولی کی کرامت اس کے رسول کا معجزہ ہے کہ اس کے ظہور سے اس کا ولی ہونا ثابت ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک ولی نہیں ہوتا جب تک اپنی دیانت میں حق پر نہ ہو یعنی جب تک وہ اپنی سیرت میں شرعی راستے پر گامزن نہ ہو اور ''تعرف فی علم التصوف'' میں لکھا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے فقہا اور اہل معرفت اس پر متفق ہیں کہ اولیاء کرام کی کرامت ثابت ہیں ہر چند وہ معجزات کے باب میں داخل ہوں۔ جیسا کہ پانی پر چلنا، حیوانوں سے باتیں کرنا، زمین کا طے کرنا، اور چیز کو اس کے موقع محل کے علاوہ ظاہر کرنا وغیرہ تمام (امور) کرامات اولیاء میں سے ہیں اور ہر ایک واقعہ کا اخبار و آثار سے برروایت صحیح اخذ ہوتا ہے اور ''زبان تنزیل'' اس پر ناطق ہے اور اس مقام پر مذکور ہے کہ کرامت ولی حضور ﷺ کے عہد ظاہری میں ان کی تصدیق کرتی تھی اور عہد باطنی میں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ لہٰذا جو کرامت اولیاء کا منکر ہے وہ معجزات رسول کا منکر ہے اور اس کے لئے گمراہی کافی ہے۔ منکرین کرامت کے حال پر کوئی تعجب نہیں۔ تعجب تو ان اہل سنت و جماعت پر ہے جو اولیاء کرام کی کرامت کا قطعی دلیلوں، ساطعی حجتوں سے اثبات کرتے ہیں اور ان سے خوارق عادات کو مشاہدہ کرنے کے باوجود ایسی باتیں کرتے ہیں جن میں ان کی توہین پائی جاتی ہے۔ خدا ہمیں اور تمہیں ایسے برے کلمات سے محفوظ رکھے۔ خدا کرے کہ کسی پاک اعتقاد مومن کو اولیاء کرام کے بارے میں سوئے ظن لاحق نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ ترجمہ آیت: یعنی اے ایمان والو ظن سے اکثر بچو بے شک بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ (الحجرات:۱۲)

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ   گرظن نیک داری با اولیاء چہ باشد

اور اگر اس قسم کے الفاظ ان کے حق میں بطریق جزم کہے تو بھی ان کے حال سے مکمل آشنائی سے پہلے نہ کہے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو منع فرمایا: ترجمہ آیت: (اسریٰ ۳۶) یعنی کوئی ایسی بات نہ کہیے جس کا آپ کو علم و یقین نہ ہو (یہ حضور ﷺ کے ذریعہ تعلیم امت ہے) اور علماء کرام کا بھی ارشاد ہے ''جس چیز کے بارے میں یقین نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیے''۔ اس میں ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے بالخصوص کرامت کی نفی میں کچھ کہنا جو حقیقتاً پیغمبری معجزے کی نفی ہے اور پھر ولایت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد (کچھ) کہنا تو طریق حسد اور کتمان حق کو پکڑنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ آیت (سورہ بقرہ آیت ۴۲) اور سچ جھوٹ میں نہ چھپاؤ تم سچ کو چھپاتے ہو اور تم جانتے ہو اور (سورہ بقرہ آیت ۱۰۹) ترجمہ آیت: یہ ان کے نفسوں کی طرف سے حسد ہے جو ان کے لئے حق کے واضح ہونے کے بعد ہے۔ ظاہر اُ دیکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ ولی ماضی و مستقبل کی خبر دیتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ جو اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ ان کی نظر قبول سے مشرف ہوتا ہے۔ اس کی صفات بشری صفات ملکی میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ حکیم ترمذی کی کتاب ''نوادر الاصول'' میں لکھا ہے کہ علمائے باطن ہی حق و باطل میں امتیاز کر سکتے ہیں کہ نور یقین ان کے ہمراہ ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے ان کی عقلوں کو بڑھایا ہوتا ہے کہ جن احوال میں علمائے ظاہر عاجز و متحیر ہوتے ہیں ان پر وہ قادر ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں کہ آدمی کے لئے نماز کے دوران وسوسہ بالکل ختم ہو جاتا ہے یا وہ پانی پر چل سکتا ہے یا زمین طے کر سکتا ہے یا بے وقت و محل اس کو کھانا مل سکتا ہے۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو اہل ظاہر وہی کہتے جو اولیائے امت کے ایک فرد حضرت مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی سے کہا ''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تکذیب کرنے والا ہی اس (کرامت) کی تکذیب کرتا ہے''۔

منکر شوی بہ حالت زندہ دلاں یا ہر چہ ترا نیست کسی را نبود

اہل اللہ پر اعتراض مبارک نہیں جو کچھ بھی ان سے ظاہر ہوتا ہے حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ان کو "قدح وطعن" کا مورد ٹھہرانا نہایت پر خطر ہے۔

ہمارے خواجہ سید حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو بے ادبی اس گرہ کی نسبت ہو جائے اس کی تدبیر ہوسکتی ہے مگر اعتراض کی کوئی تدبیر نہیں کہ وہ عذر کرنا جانتے ہیں۔اگر عذر خواہی ہو تو معاف کر دیتے ہیں لیکن اعتراض کرنے والا ان کی خیر و برکت سے بے بہرہ رہتا ہے"۔اور یہ بھی فرمایا کہ "باتمکین اولیاء کرام کی بارگاہ میں اپنے احوال کی حفاظت بہت ہی مشکل ہے کہ ان کی ولایت کی سلطانی ان کے حال پر غالب ہوتی ہے کوئی بھی ان کی صفت و حال کو نہیں جان سکتا جب تک وہ خود راستہ نہ فراہم کریں۔اگر یہاں ان کی نسبت کسی کے دل یا ظاہر میں کوئی خیال بدگزرے تو "خطر عظیم" ہے۔اس کی مثال خاکستر میں پوشیدہ آگ سے دی جاسکتی ہے۔صلح مکہ کے بارے میں وارد آیت (سورہ فتح آیت ۲۵) ترجمہ آیت: "اگر ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ ہوتا کہ انجانے میں تم ان کو پامال کر دیتے ہو تو اس سے تم پر حرف آتا" اسی طرف اشارہ فرما رہی ہے۔

کتاب "قوت القلوب فی معاملة المحبوب" میں مسطور ہے جو شخص اہل یقین کے مقامات میں سے کسی مقام اور اہل عرفان کے طریق میں سے کسی طریقے کا منکر ہو اس کا بہترین حال، یقین کا ضعف ہے اور بدترین حال صفت ایمان کا کفر ہے اور کمترین سزا وجد سے محرومی اور شہود کی گمشدگی ہے۔

"فاتحة العلوم" میں بعض عارفوں سے منقول ہے کہ ایسے شخص کو صدیقوں اور مقربوں کا علم نہیں مل سکتا اور اس کے حال آخر کی برائی سے میں لرزتا ہوں اور اس علم کے منکر کی ادنیٰ جزا یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی اس علم سے محظوظ نہیں ہوتے اور جس شخص کو اس علم سے تھوڑا سا حصہ نصیب ہو جاتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اسے اس کی تصدیق کامل ہو جاتی ہے۔(انیس الطالبین)

فضائل اولیاء کرام

یہ حقیقت ہے کہ اولیاء کرام کے بہت سے فضائل ہیں۔امت کے صدیقوں کو انبیاء کی خلافت کا مرتبہ حاصل ہے "یدعون ما یدعو الیه النبی" وہ اسی طرف بلاتے ہیں جس طرف نبی بلاتا ہے اور اس پر اہل تصوف کا اجماع ہے کہ اس علم کی بدولت مقام صدیقیت (مقام) نبوت کے نزدیک ترین ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "صدیقوں کی انتہاء نبیوں کے احوال کی ابتداء ہے" اور ان کے کلمات قدسیہ میں یہ بھی ہے کہ عام مومنوں کے مقام کی انتہاء ولیوں کے مقام کی ابتدا اور ولیوں کے مقام کی انتہاء شہیدوں کے مقام کی ابتداء اور شہیدوں کے مقام کی انتہاء صدیقوں کے مقام کی ابتداء اور صدیقوں کے مقام کی انتہاء نبیوں کے مقام کی ابتداء اور نبیوں کے مقام کی انتہاء رسولوں کے مقام کی ابتداء اور رسولوں کے مقام کی انتہاء اولوالعزموں کے مقام کی ابتدا ہے اور اولوالعزموں کے مقام کی انتہاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی ابتداء ہے اور حضور پرنور کے مقام کی کوئی انتہاء نہیں۔حق تعالیٰ کے سوا کوئی ان کے مقام کی نہایت کو نہیں جانتا۔ازل میں بھی ان کی ارواح کے مقام اور بروز میثاق بھی ان کے مراتب اس طرح تھے جیسے بیان کئے گئے ہیں۔نیز قیامت کے دن بھی ایسے ہی ہوں گے اور محبت الٰہی میں بھی ان کے اسرار کے مراتب کا یہی حال ہے۔

کتاب "ختم الولایہ" میں خواجہ محمد علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت: "مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ" (الحج ۵۲) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وَلَا مُحَدَّثٍ بھی پڑھاتے ہیں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بعض اولیاء کرام ایسے بھی ہیں کہ طریق الہام سے ان کے دلوں پر سخن عظیم گزرتے ہیں۔

اور "نوادر الاصول" میں اولیاء کرام کی اس صفت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ترجمہ: یعنی جب اللہ تعالیٰ ان اولیاء کی ارواح پر کسی رات خواب میں یہ سخن گزارتا ہے تو وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے اور جو بیداری کے عالم میں ان کے دلوں پر سخن گزرتے ہیں ان کا حصہ ان مجلسوں

اور خلوتوں میں اپنے رب کے قرب کے مطابق زیادہ ہوتا ہے اس کتاب میں یہ بھی رقم ہے۔ یعنی دین میں میانہ روی اور اچھا راستہ اختیار کرنا اور تقویٰ کا لحاظ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ اولیاء کرام کی محبت کا ثمرہ ''سعادت بے پایاں'' ہے اور ان کی عداوت باعث نقصان ہے۔
(انیس الطالبین)

حضرت خواجہ سید بہاؤ الدین نقشبند اویسی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:
اولیاء اللہ کی صحبت ایک بہت بزرگ نعمت ہے۔ دوسرا فرمان کہ:
شیخ ہی ظاہر و باطن کے حوالے سے تمام مقامات اور منازل میں، مرید کی معراج ہے۔ (انیس الطالبین)
ایک اور فرمان کہ:
ہمارا طریقہ صحبت ہے اور ہو بہو اصحاب کرام کا طریقہ کہ اصحاب عظام خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی طفیل اولیائے امت سے افضل ٹھہرے اور اس مرتبے پر پہنچے کہ کوئی ولی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچتا اگر چہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہی کیوں نہ ہوں۔ (مکتوبات قطب ربانی)
حضرت سیدنا امام علی شاہ صاحب دکان شریفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ:
ادب کے تعلق کو ہاتھ سے نہ جانے دیں جیسا کہ اس طریق کے محققین کا قول ہے ''کہ طریقت کل کا کل ادب ہے''۔ ادب کیا ہے اس کا نہ ہونا دلوں کا حجاب ہے۔ ادب کے محاسن کے بغیر روح کے حسن اور عشق کی خوبیوں کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔
دوسرا فرمان کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھیں اور لحہ بھر کے لئے بھی غفلت نہ کریں اور جو سانس بھی غفلت سے آئے گا تو اس گزرے ہوئے وقت کا ازالہ تمام عمر نہ ہو سکے گا۔
اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حالات میں استقامت کی علامت یہی ہے کہ شریعت پر استقامت اور شیخ جس کی پیروی کی جائے اس کی محبت کی راہ پر ثابت قدمی جس کو ان دوامر میں زیادہ استقامت ہوگی اس کو زیادہ معرفت ہوگی کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے۔ آپ کا ایک اور قول:
تصوف صرف ذہنی اور مطالعاتی چیز نہیں بلکہ قلبی وجدانی اور عملی پروگرام ہے۔ آپ جتنا جتنا اس میں ڈوبتے جائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کے لئے راستوں کی کشائش کرتا چلا جائے گا۔
ایک جگہ اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہو سکے تواضع کریں اور آخرت کے نصیب کو غیب میں چھوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے رحمت کے سیلاب کو تھامے رکھیں اس قدر قلبی ذکر میں ہمیشگی اختیار کریں کہ دل کو مکمل طور پر غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جائے۔
(مکتوبات قطب ربانی)
اور کیا ہی اچھا کہا کسی کہنے والے نے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ شرافت کی بلندیوں تک پہنچ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ سات چیزوں کے مقابلہ میں سات چیزوں کو اختیار کرے۔ فقیر کو غنا پر، بھوک کو سیری پر، پستی کو بلندی پر، تواضع کو کبر پر، حزن کو فرحت پر اور موت کو حیات پر۔
قدوۃ المحققین والمحدثین شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:
آپ نے پہلے پہل قادریہ اور شاذلیہ کے بزرگوں سے فیض حاصل کیا۔ بعد ازاں خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی فیض عطا کرنے والی صحبت میں واپس آکر نقشبندیہ نسبت حاصل کی۔ موصل المرید الی المراد رسالے میں لکھا ہے کہ انصاف کے نزدیک حق سبحانہ تک پہنچانے والا قطعی طور پر بہت آسان اور نہایت مکمل راستہ نقشبندیہ طریقے کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس حد کمال تک نادر طریقہ نقشبندیہ کو ترجیح اور رواج دینے میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے مبالغے سے کام لیا کہ دوسرے طریقے کے پیر حاسد ہوتے ہیں ''کَمَا لَا یَخْفٰی'' (جیسا کہ کسی سے مخفی نہیں) (مکتوب قطب ربانی)
ایک جگہ امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی احمد صاحب قدس سرہ جو کہ پیر طریقت۔ سلطان الطریقت و برہان الحقیقت سیدی حضرت شاہ حسین صاحب روح اللہ روحہ عرف بھوالے والے شاہ صاحب (دم شریف) سندھ کے مرشد ہیں۔

نقشبندیہ طریقے کی وسعت کمال کی وجہ سے دوسرے تمام القاء کو ایک قطرے کے برابر بھی نہ جانتے تھے جو اسے سمندر کی نسبت سے ہے۔ حضرت حاجی احمد صاحب قدس سرہ اس طریقے کے ارشاد میں مجاز ہو چکے تھے کبھی بھی بلند طریقہ قادریہ کو رواج دینے میں زبان نہ کھولتے تھے۔ اور فرماتے ہیں کہ اس لئے زیادہ مناسب یہی ہے کہ بلند طریقہ نقشبندیہ کو رواج دینے میں کوشش کریں۔ (مکتوبات امام ربانی)

ایک مکتوب میں امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز یہ درست ہے کہ درویشوں کی خدمت اس کی معرفت کے محل کا زینہ ہے چنانچہ ارباب حقیقت کے پیشوا محبوب خداوند خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''خدمت تجھے کبریا کی بلندی تک کھینچتی ہے اس محل اور چھت کو اس سے بہتر زینے سے مت تلاش کر''۔ اسی طرح حق کے اظہار کی خاطر احدیت کی بلندی کے شہباز کو ازلی نیک بخت عجز و نیاز مندی پر خدمات کو لازم کر کے شکار کرتے ہیں بَارَكَ اللّٰهُ لَهُمْ ثُمَّ بَارَكَ اللّٰهُ لَهُمْ (اللہ برکت دے پھر کہتا ہوں اللہ برکت دے) ان کی خدمات کے ساتھ پاکیزہ تواضع اور عجز کی شمولیت اسی سبب سے منظور نظر اور سکون آور ہے۔

ایک اور مکتوب میں حضرت امام علی شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ مبداء معار رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ''اہل سنت کا عقیدہ شیخ پر اعتقاد اور محبت کی افراط کے ساتھ اختیاری ضرورت سے ہے اس طرح چاہئے کہ تمام متقدمین اور متاخرین پر اپنے شیخ کو بزرگی دے اور اگر محبت کی زیادتی اپنے شیخ کی بڑائی کو ان بزرگوں پر جن کی بڑائی اجماع کے ساتھ افراد پر ثابت ہو۔ اس کے دل میں جگہ بنالے اور یہ معنی اس کی زبان پر بھی قبولیت حاصل کر لے یعنی قولی طور پر بھی اس کا اقرار کرنا شروع کر دے) اس صورت میں پھر وہ عبادت سے دور ہو جائے گا (یعنی وہ حد اعتدال سے دور چلا جائے گا) اور قطب الطریقین غوث الثقلین حضرت شیخ سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ کی صحبت کے آداب میں غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں (کہ کسی کو بھی اس دیار میں اونچا نہ جانے) اور دیار سے مراد دنیا کا گھر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی)

شاہ نقشبند قدس سرہ کا فرمان عالی شان ہے کہ ''مٹادے اپنی ہستی کو'' یعنی اس راہ میں وجود کی نفی اور نیستی اور خود کو کمتر دیکھنا بڑا کام ہے دولت وصول کا سررشتہ، قبولیت کے ساتھ ہے میں نے اس طریقے میں ہر طبقہ موجودات کی سیر و سلوک کو طے کیا اور اپنے آپ کا ''ذرات موجودہ'' کے ہر ذرے سے موازنہ کیا اور سب کو اپنے آپ سے تحقیقت بہتر دیکھا۔ انتہا یہ کہ میں نے ''طبقہ فضلات'' کی سیر کی میں نے ان میں بھی کوئی منفعت پائی مگر اپنے آپ میں کوئی منفعت نہ پائی۔ ''فضلہ سگ'' کی طرح تصور کیا کہ اس میں تو کوئی منفعت نہ ہوگی ایک مدت میرا یہی خیال رہا بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ اس میں بھی منفعت ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مجھ میں منعفت کی کوئی قسم نہیں ہے۔ (انیس الطالبین)

آپ کا ایک اور فرمان کہ:

شیخ ہی ظاہر و باطن کے حوالے سے تمام مقامات اور منازل میں مرید کی معراج ہے اور حقیقت میں مرید کا ہر حال وصفت میں بلند ہونا شیخ کے ظاہری و باطنی لطف کی مدد کے واسطہ سے ہے۔ اس کی توجہ ایسی ہونی چاہئے کہ مرید براق ہمت پر سوار ہو کر بشریت کی پستی سے ''بقاع ملکیت'' کی سرحد پر جولانی دکھائے۔ حضور پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آنحضور کے شانہ مبارک پر قدم رکھو اور دیوار کعبہ سے بتوں کو ہٹا دے یہ اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

بزرگوں کے اقوال ولی اللہ کے متعلق

مندرجہ ذیل اقوال نمبر ا تا نمبر ۳۰ کشف المحجوب سے اخذ کیے ہیں۔

(۱) حضرت محمد بن فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علوم تین طرح کے ہیں۔

(۱) علم من اللہ (۲) علم مع اللہ (۳) علم باللہ اسی کو علم معرفت کہتے ہیں کیونکہ تمام انبیاء واولیاء نے اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پائی ہے۔ جب تک انہیں اس کی معرفت نہ ہوئی منزل عرفان حاصل نہ ہوئی اس لئے کہ محض کوشش ومحنت کے ذریعہ حصول معرفت، ذات حق کے عرفان کے لئے منقطع ہے کیونکہ بندہ کا علم، معرفت ذات حق کی علت نہیں بن سکتا۔ درحقیقت معرفت الٰہی کی علت اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی عنایت ہے۔

علم من اللہ کا نام علم شریعت ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ہماری طرف احکام نازل فرما کر ان کی ادائیگی ہم پر لازم قرار دی ہے۔

علم مع اللہ کا نام علم مقامات، علم طریق حق اور اولیائے کرام کے درجات کا بیان ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت شریعت کی پیروی کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ اس طرح شریعت کی پیروی اظہار مقامات کے بغیر درست نہیں ہے۔

(۲) حضرت بوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہالت اور تاریکی کے مقابلہ میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے۔

(۳) حضرت ابو وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جس نے صرف علم کلام پر اکتفا کیا اور زہد نہ کیا وہ زندیق ہے اور جس نے علم فقہ پر قناعت کی اور تقویٰ اختیار نہ کیا تو وہ فاسق ہے۔

آپ کا ایک اور قول کہ توحید کا مقام جبر سے پست اور قدر سے اونچا ہے لہٰذا جس نے علم توحید کی درستگی معاملہ کے بغیر محض اس کی عبادتوں کو اختیار کیا اور اس کے ضد و نفی کی طرف متوجہ نہ ہوا زہد کی روش پر چلا وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

(۴) شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ ایک غافل علماء، دوسرے مداہنت کرنے والے فقراء، تیسرے جاہل صوفیاء۔

(۵) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ مشکل کوئی اور چیز نظر نہیں آئی۔

(۶) شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''فقیر وہی ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہو''

(۷) سیّدنا حضرت علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بندگی کی حالت میں یہ درست ہے کہ بقائے صفت بشریت پر غنائے حقیقی کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ بقائے صنعت محل علت اور موجب آفت ہے چونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اپنی صفت کی فنا سے غنا باقی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ جو چیز بذات خود باقی نہ رہے اس کا نام نہیں ہوتا لہٰذا فنائے صفت کا نام غنا رکھنا چاہئے اور جب کہ خود صفت ہی فانی ہے تو اسم ہی مقام نہ رہا۔ ایسے شخص پر نہ اسم فقر بولا جا سکتا ہے اور نہ اسم غنا۔ لہٰذا صفت غنا حضرت حق جل مجدہ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں اور صفت فقر بندے کے ساتھ مخصوص ہے۔

پھر یہ کہ تمام مشائخ طریقت اور اکثر عوام فقر کو غنا سے افضل مانتے ہیں کیونکہ قرآن وسنت اس کی فضیلت پر شاہد و ناطق ہے اور امت مسلمہ کی اکثریت کا اسی پر اجماع ہے۔

(۸) حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اغنیاء افضل ہیں کیونکہ روز قیامت نعمتوں کا حساب ہوگا اور حساب دینے کے لئے بے واسطہ رب

تعالیٰ کے کلام کا سننا ہوگا چونکہ یہ محل عتاب ہے اور عتاب دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۹) سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اغنیاء سے حساب ہوگا تو فقراء اور درویشوں سے عذر خواہی ہوگی اور حساب سے عذر افضل ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اے گروہ فقراء! تم لوگوں میں اللہ والوں کی حیثیت سے جانے جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ہی تمہاری تعظیم کی جاتی ہے جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہو تو اپنا جائزہ لیا کرو کہ فی الواقع تعلق کا کیا حال ہے۔

آپ کا ایک اور قول فرماتے ہیں تصوف ایسی خوبی ہے جس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے۔ کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت یا بندے کی۔ آپ نے فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے۔ (۱) سخاوت (۲) رضا (۳) صبر (۴) اشارہ (۵) غربت (۶) گدڑی (۷) سیاحت (۸) فقر۔

(۱۰) مشائخ متاخرین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں جو ساز و سامان سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کا دل آرزو کی تمنا سے خالی ہو۔

(۱۱) حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقر کی علامت، فقر سے ڈرنا ہے۔

(۱۲) حضرت سائم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے اسرار کی حفاظت کرے اور اپنے نفس کو بچائے اور اس کے فریضہ کو ادا کرے۔

(۱۳) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل مقام یہ ہے کہ فقیر صبر کو مضبوطی سے تھامے، فقر پر صبر و اعتقاد رکھنا بندے کے مقامات میں سب سے افضل ہے۔

(۱۴) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو اللہ کے سوا کسی چیز میں راحت نہ پائے ایک اور جگہ فرماتے ہیں فقر ابتلاء کا سمندر ہے اور اس کی تمام بلائیں عزت ہیں۔

(۱۵) اولیاء کاملین کا نام اور عرفاء محققین کا نام صوفی ہے۔ یہ گروہ باصفا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کی محبت پاک و صاف ہے وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق ہو کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔

(۱۶) حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام انسانی لذات سے ہاتھ کھینچنے کا نام ہے اور فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کا گروہ وہ ہے جن کی زندگیاں کدورت بشری سے آزاد اور آفت نفسانیہ سے پاک و صاف ہو کر آرزو اور تمناؤں سے بے نیاز ہو گئے ہیں یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجے اور صف اول میں آرام گستر ہیں اور ما سوی اللہ کے سب سے قطعاً کنارہ کش ہو چکے ہیں اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور وہ نہ خود کسی کے قبضہ میں ہو۔

(۱۷) حضرت ابوعمرو دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہان کو نقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیر لینے کا نام تصوف ہے۔

(۱۸) حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف میں شرک ہے اس لئے کہ دل کو غیر کی رویت سے بچانا ہے حالانکہ غیر کا وجود ہی نہیں۔

(۱۹) حضرت مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کو مخالفت کی کدورت سے پاک صاف رکھنے کا نام تصوف ہے اور فرماتے ہیں کہ صوفی معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے کی خواہش نہیں کرتا۔

(۲۰) سیدنا حضرت محمد بن علی بن حضرت امام حسین بن سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اتنا ہی زیادہ وہ صوفی ہوگا۔

(۲۱) حضرت ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ اس کا باطن اس کے قدم کے ساتھ برابر ہو مطلب یہ کہ دل مکمل طور پر حاضر رہے۔ آپ کا ایک اور قول کہ نیک خصائل کا نام تصوف ہے۔

(۲۲) حضرت علی بن بندار الصیر فی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ صوفی اپنے ظاہر و باطن میں حق کی خاطر خود کو نہ دیکھے۔

(۲۳) حضرت محمد عمر بن احمد مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ احوال کی استقامت کا نام تصوف ہے۔

(۲۴) حضرت ابو حفص حداد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تصوف سراسر ادب ہے ہر وقت ہر مقام اور ہر حال کے لئے متعین آداب و احکام ہیں۔ جس نے ان آداب کی پابندی کو ان کے اوقات میں لازم رکھا وہ مردان خدا کے درجہ پر فائز ہو گیا اور جس نے ان آداب کی پابندی کو ملحوظ خاطر نہ رکھا اور اسے رائیگاں کر دیا وہ قرب حق کے خیال اور قبول حق کے گمان سے محروم رہ کر مردود بن گیا۔

(۲۵) حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ رسم و علم کا نام تصوف نہیں بلکہ وصف و اخلاق کا نام ہے۔

(۲۶) حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس اور حرص و ہوا کی غلامی سے آزادی پانے باطل کے مقابلہ میں جرات و مردانگی دکھانے، دنیاوی تکلفات کو ترک کر دینے، اپنے مال کو دوسروں پر صرف کر دینے اور دنیا کو دوسروں کے لئے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے۔

(۲۷) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو۔

(۲۸) حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نکھری ہوئی تصوف کی راہ ہے اس میں بالکل آمیزش نہ کرو اور نقلی صوفیوں کے معاملات کو نہ ملاؤ اور رسوم کے پابند لوگوں سے اجتناب کرو۔

(۲۹) حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ اور محمودہ افعال و اخلاق کا نام تصوف ہے یعنی بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے خوش رہے۔

(۳۰) حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج بے حقیقت چیز کا نام تصوف سمجھ لیا گیا ہے ورنہ اس سے قبل بغیر نام کے ایک حقیقت تھی۔

(۳۱) میرے آقا و مولیٰ اعلیٰ حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری شمس العارفین سراج السالکین سرتاج الاولیاء قدس سرہ العزیز خلیفہ مجاز عاشق یزدانی مجدد عصر قطب زماں اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کا ایک فرمان فرماتے ہیں کہ (۱) باوضو رہ (۲) بول تھوڑا (۳) کر ذکر (۴) ربط دل رکھ پیر سے (۵) کھودے خطر (۶) رہ جدا لوگوں سے (۷) تھوڑا کھا طعام (۸) اعتراضی چھوڑ آٹھوں ہیں تمام۔ (انشراح الصدور بتذکرہ النور)

(۳۲) امام العارفین خواجہ محمد علی حکیم ترمذی قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ''ولی وہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے'' کی شرح میں کہ (اپنی کتاب نوادر الصول میں) ''ولی کا دل، جلال الٰہی کے انوار کا خزانہ ہے اور خدا کی ہیبت اس کی قربت ہے۔ ولی کے چہرے کی تازگی اور روشنی اس کے باعث ہے۔ جب بندہ مومن کا دل اس نور کی پاکیزگی سے زندہ ہو جاتا ہے تو اس کا عکس جمیل اس کی پیشانی پر چمکتا ہے اور اس کے چہرے پر دمکتا ہے۔ پھر جو بھی اس کی طرف دیکھتا ہے اسے خدا یاد آ جاتا ہے۔ (انیس الطالبین)

(۳۳) حضرت خواجہ عزیزان رامتنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ولایت کی علامت کے بارے میں اشارہ فرماتے ہیں کہ بندہ حقیقت کی ''مجالست کبریٰ'' کی برکت سے پانی اور مٹی کی زحمت سے نکل کر جان و دل کی صحبت تک رسائی کرتا ہے اور اسے قالب کے تفرقہ سے دل کی جمعیت میسر آتی ہے''۔ (انیس الطالبین)

(۳۴) حضرت خواجہ سید بہاء الدین نقشبند اویسی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:
بندہ حق تعالیٰ ہی سے بولتا، دیکھتا اور سنتا ہے وغیرہ یعنی اس کی تمام حرکات بہت ہی حسین اور مقبول ہوتی ہی اور جو اس کو دیکھتا ہے یا اس کا کلام سنتا ہے وہ اس کے جمال پر شیفتہ اور کمال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے خواجہ قدس سرہ کی طرف دیکھا تو آپ نے فرمایا ہماری طرف نہ دیکھا کرو ورنہ دل دے بیٹھے گا۔

اور فرماتے ہیں کہ حیرت انگیز عادتوں اور کرامتوں پر ہی اعتماد نہیں ہونا چاہئے اصل بات استقامت اور سنت کی متابعت ہے۔

(انیس الطالبین)

(۳۵) محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے دو چیزیں بنیادی اور پسندیدہ نظر آتی ہیں۔ حسن اخلاق اور بھوکوں کو کھانا کھلانا، اگر مجھ کو ساری دنیا کی دولت مل جائے تو میں اسے فاقہ کشوں کو کھانا کھلانے میں صرف کر دوں اور ہر شخص سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتا رہوں۔ (سیرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ)

دوسرا ارشاد: جب بندہ کا دل حقیقت میں مالک بے نیاز سے وابستہ ہو جاتا ہے تو کوئی شے اس سے جدا نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے باہر نکلتی ہے۔

آپ اپنی بے نظیر تصنیف (مخزن تصوف) فتوح الغیب میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''تم فضل ربانی اور نعمت یزدانی سے اس لئے محروم ہو کہ تم اپنے طاقت بازو کا بھروسہ کرتے ہو۔ مخلوق سے امید کی وابستگی تمہیں مسنون اکتساب معاش سے روک دیتی ہے۔ اگر تم نے مخلوق کے دروازوں پر سائل بن کر ہاتھ پسارا تو گویا تم نے خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ شرک کیا اور حلال روزی نہ ہونے کے سبب تم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے اور اگر تم خلق اللہ کی داد و عیش سے بے نیاز ہو کر کسب معاش کرتے ہوئے خالق کائنات کی رزاقیت پر متوکل رہو گے اور اس کو رازق حقیقی جانو گے تو تمہارے اور رب العالمین کے درمیان جو حجاب ہے وہ ہٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ پردہ غیب سے تمہیں رزق عطا فرمائے گا۔ (سیرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ)

مندرجہ بالا اقوال کی شرح کی تفصیل کی یہاں اختصار کی وجہ سے گنجائش نہیں ہے۔

فقر کے آداب

(۱) فقیر کو چاہئے کہ وہ اپنے فقر سے ایسی محبت کرے جیسے دولت مند اپنی دولت سے محبت کرتا ہے۔

(۲) فقر کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ قدر کفایت پر قناعت کرے کسی حال میں بھی قدر کفایت سے تجاوز نہ کرے اور بقدر کفایت مال کا قبول کرنا بھی صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اور قبل نفس سے باز رہے۔

(۳) فقیر کو چاہئے کہ حظ نفس کو ترک کر دے پس کبھی لذت کے حصول کے درپے نہ ہو۔

(۴) فقیر کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جب خالی ہاتھ ہو تو اپنے مال کی صفا سے قوت حاصل کرے۔

(۵) فقیر کے لئے سزاوار ہے کہ اس کی اولاد جس قدر زیادہ ہو اسی قدر رزق کے معاملہ میں اس کا دل پرسکون ہو۔ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد رکھے۔

(۶) فقیر مستقبل کی فکر نہ کرے، حال پر نظر رکھے۔

(۷) فقیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقت موت کا منتظر اور اس کے لئے تیار رہے۔ نازل شدہ مصائب اور حالت فقر پر راضی برضا رہے۔

(۸) فقیر کو چاہئے کہ مخلوق کی یاد دل سے نکال دے اور آداب فقر سے یہ بھی ہے کہ فقیر کو جو کچھ میسر آئے (پھل یا کھانا) اگر کوئی غنی اس کے یہاں آئے تو خوش خلقی سے اس کے سامنے پیش کرے۔ ایثار میں فقیر کو غنی سے زیادہ ہونا چاہئے۔ اگر عسرت کی حالت ہو تب غنی پر خرچ کر کے اپنے عیال کو تنگی میں نہ ڈالے ہاں اگر عیال اس کے ایثار پر راضی اور اس سے خوش ہو تو خرچ کرنے میں مضائقہ نہ کرے۔

(۹) فقیر تنگدستی اور عسرت کی حالت میں اپنے تقویٰ کی احتیاط و نگہداشت رکھے۔ عسرت و ناداری کے باعث خلاف شریعت کام نہ کرے اور عزیمت چھوڑ کر رخصت کی طرف قدم نہ بڑھائے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ تقویٰ پر دین کا مدار ہے اور طمع دین کی بربادی ہے۔ مشتبہ چیزوں کے قبول کرنے میں دین کی خرابی ہے جیسا کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس فقیر کے فقر میں تقویٰ نہیں اس کا کھانا حرام ہے اس لئے ضروری ہے کہ عسرت کی حالت میں دینی تاویلوں کی طرف مائل نہ ہو بلکہ عزیمت کی طرف قدم بڑھائے، عزیمت اگرچہ دشوار ہے مگر احتیاط کی چیز ہے۔

(۱۰) جب تک فقیر کے پاس بقدر کفایت چیز موجود ہو مخلوق سے سوال نہ کرے۔ اگر حاجت اور ضرورت اس کو بہت ہی مجبور کرے تو بقدر

حاجت طلب کرے اس کی حاجت ہی سوال کا کفارہ بن جائے گی۔ فقیر کا سوال کرنا اسی وقت واجب ہے کہ جب وہ ہر طرح سے مجبور ہو جائے اور کسی طرح اس کا بس نہ چلے پھر بھی اپنے نفس کے لئے سوال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ صرف عیال کے لئے طلب کرے۔ اگر فقیر کے پاس ایک دام ہے تو جب تک وہ خرچ نہ ہو جائے سوال نہ کرے کیونکہ جب تک اس کے پاس کچھ مال ہے اس وقت تک غیب سے اس کو کچھ مدد نہیں مل سکتی۔

(۱۱) سوال کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مخلوق پر اس کی نظر نہ ہو بلکہ خدا پر ہو وہی اس کی حاجت پوری کرنے والا ہے اسی سے سوالیہ اشارہ خدا ہی کی طرف ہو مخلوق کو صرف وکیل اور اللہ کا کارندہ سمجھے اور اگر فقیر کو کوئی کچھ دے تو شکر کرے نہ دے تو صبر کرے۔

(۱۲) فقیر کو دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنا چاہئے۔

(۱۳) دوسروں کی چیزیں ان کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کرے جو چیز کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو اس کے استعمال میں شریعت کے احکام تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ پابندیوں کو ملحوظ رکھے۔

(۱۴) اگر کوئی دوست حالت رنج و غم میں بظاہر خوشی اور مسرت کا اظہار کرے تو فقیر کو چاہئے کہ وہ ان کی ظاہری حالت میں شریک ہو۔ رنج و غم کو جان لینے کے باوجود اس کو دل میں پوشیدہ رکھے اور کوئی ایسی بات نہ کہے جو ان کی دل شکستگی کا باعث ہو۔ حسن اخلاق کا تقاضا ہے کہ اگر دوست کی بات سے کبیدہ خاطر ہو تو اس سے اس طرح گفتگو کرے کہ اس کی اداسی دور ہو جائے۔

(۱۵) ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرے۔

(۱۶) فقیر کو حرص اور بے نیازی کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہئے بلکہ کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں رکھنا چاہئے۔

(۱۶) اگر اغنیاء اور متمول حضرات کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہو تو خودداری کے ساتھ کھائے ہاں فقراء اور احباب کے ساتھ ایثار اور بے تکلفی کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۷) فقیر کو چاہئے کہ اپنی کسی چیز کو ساتھیوں سے الگ تھلگ نہ رکھے جیسے کپڑے، مصلیٰ اپنے پیالے وغیرہ۔ اگر کوئی درویش کسی دوسرے درویش کی کوئی چیز جیسے خرقہ، مصلیٰ وغیرہ پسند کی نظر سے دیکھے تو اسی وقت وہ چیز اس کی خدمت میں پیش کر دے اور اپنی ذات پر اس کو ترجیح دے۔

(۱۸) درویش کو لازم ہے کہ بقدر امکان کسی چیز کا ذخیرہ بنا کر نہ رکھے۔ اگر کھانا زیادہ نہیں ہے تو جب تک دوسروں کے صرف سے بچ نہ جائے خود نہ کھائے۔

(۱۹) اگر کسی مہمان خانے میں فرد کش یا مدرسہ میں مقیم ہے تو وہاں کے منتظم کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ اگر افراد جماعت کے ہمراہ ہو تو جس کام میں مشغول ہوں خود بھی اس کام میں لگ جائے۔

(۲۰) جماعت کی ہمراہی میں سرگوشی نہ کرے۔ درویشوں کے ساتھ ہو تو تسبیح اور ذکر بلند آواز سے نہ کرے بلکہ آہستہ کرے بلکہ اس سے بہتر ہے کہ عبادت باطنی یعنی تفکر اور حصول عبرت کی طرف متوجہ ہو جائے ہاں اگر ساتھی خواص میں سے ہے تو پھر مضائقہ نہیں۔ خوش اخلاقی اور دستور کے مطابق حتی الوسع و بقدر امکان اہل و عیال کا نفقہ ادا کرنا ادب درویش ہے۔

(۲۱) اگر مہمان آئیں اور اللہ تعالیٰ فراخ دستی فرمائے تو ان کے لئے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے اور ان کے ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی کھانے میں شریک ہو اور اگر تنگدستی ہو تو پھر مہمانوں سے اگر کوئی بچ جائے تو اہل و عیال کو دے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا۔ مہمان اپنا رزق اپنے ساتھ خود لاتا ہے اور اس کے طفیل میزبان کے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں اسی طرح وارد ہے۔

(۲۲) اگر کہیں سے دعوت ملی ہے اور گھر میں تنگدستی ہے تو بیوی بچوں کو تباہ حال چھوڑ کر خود دعوت میں پہنچ کر خوب کھانا پینا انسانیت کے خلاف ہے۔

(۲۲) فقیر پر لازم ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو علوم ظاہری اور شریعت کی پابندی کی تعلیم دے تاکہ کسی بات میں (خواہ معمولی ہو یا اہم) شریعت کی مخالفت نہ کریں۔ ان کا ہر عمل شریعت کے مطابق ہو۔ اپنی اولاد کو بازاری لوگوں کے سپرد نہ کرے۔

(۲۳) مومن کے سفر کی غرض وغایت یہ ہونا چاہئے کہ وہ برے خصائل کو چھوڑ کر صفات پسندیدہ کے حصول کی جانب مائل ہے۔ اس لئے درویش کو لازم ہے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی صحت کے ساتھ ساتھ رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی نفسانی خواہشات کو ترک کردے۔

(۲۴) درویش کے سفر کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سفر میں اس کو ہر ہر قدم پر حضوری قلب حاصل ہو۔ گزشتہ علائق اور دل بستگیوں کی طرف اس کی توجہ نہ ہو نہ مستقبل کی مستیوں کے خیال میں ہو بلکہ اس کا دل ماضی و مستقبل کے علائق وافکار سے پاک اور بے نیاز ہو۔ ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے ساتھ صدق کا معاملہ رکھتا ہے اس کا حال ایسا ہوتا ہے کہ اس کی ہر ضرورت آپ پوری ہو جاتی ہے۔

(۲۵) درویش حضر کی حالت میں جو اوراد و وظائف پڑھتا تھا۔ سفر کی حالت میں بھی ان کو پڑھے ان میں کمی نہ کرے۔ اس لئے کہ سفر سے حال میں افزودہی ہوتی ہے نہ کہ کمی۔ پس سفر میں اعمال واحوال میں کسی قسم کا اختلال نہ پیدا ہونے دے۔ رخصت کا حکم اور اس کا جواز تو صرف عوام اور کمزور لوگوں کے لئے ہے نہ کہ خواص اور طاقتور لوگوں کے لئے۔ ان کے لئے تو ہمیشہ ہر حال میں عزیمت ضروری اور لازمی ہے۔ توفیق الٰہی ان میں شامل حال ہوتی ہے اور رحمت الٰہی کا ان پر نزول ہوتا ہے۔

(۲۶) فقیر کے لئے مناسب ہے کہ آغاز سفر ہی سے دل کی نگرانی کرے۔ غفلت کی حالت میں سفر کا آغاز نہ کرے۔ سفر کے دوران اگر کسی جگہ پر صفائے قلب اور کمال زندگی میسر آجائے اس جگہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ چھوڑے۔ اگر کسی مقام پر فقیر کو عزت اور قبول عام حاصل ہو جائے تو اس کو اپنے لئے موجب پریشانی سمجھے۔ اس مقام کو فوراً چھوڑ دے۔

(۲۷) سفر میں درویش اپنے ہم سفروں سے خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ضروری ہے کہ خصوصیت کے ساتھ امردوں کے ساتھ سفر نہ کرے۔

(۲۸) درویش کے لئے ضروری ہے کہ سفر میں ہمیشہ پاک رہے۔ اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم کرلے۔ جس طرح حضر میں پاک رہنا مستحب ہے۔ سفر میں بھی مستحب ہے۔ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وضو تمام شیاطین اور موذیوں سے بچنے کے لئے ایک امان ہے۔

(۲۹) اگر رفقائے سفر میں کسی کو کوئی عذر پیش آئے تو اس کو چھوڑ کر نہ چل دے۔ بلکہ خود بھی ٹھہر جائے تاکہ رفیق سفر اس کے ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳۰) اگر کسی شہر میں پہنچنے پر معلوم ہو کہ وہاں کوئی شیخ طریقت موجود ہے تو سب سے پہلے اس کی خدمت میں حاضر ہو اور اس کو سلام کرے۔ اس کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ غرور، تکبر، پندار اور خود پسندی کی نگاہ سے اس کو نہ دیکھے تاکہ اس کی خدمت سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سب نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

فقر کے آداب میں اور بہت کچھ ہے۔ لیکن اختصار کی وجہ سے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب مومنوں کو نیک عمل کی توفیق دے۔

تصوف

اب میں کشف المحجوب سے چند اقتباسات تصوف کے متعلق پیش کر رہا ہوں تا کہ پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور تصوف کا مفہوم سمجھ میں آ جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ آیت: رحمٰن کے وہی بندے ہیں جو زمین پر اخلاق وانکسار سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ انہیں پکارتے ہیں تو وہ سلام کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ حدیث: جو صوفیاء کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔

اہل علم حضرات نے اسم تصوف کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (پشمینہ) کے کپڑے پہنتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اول صف میں ہوتے ہیں اور ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اصحاب صفہ کی نیابت کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ نام صفا سے ماخوذ ہے۔ غرضکہ ہر وجہ تسمیہ میں طریقت کے بکثرت لطائف ہیں۔ لیکن اگر لغوی معنی کا اعتبار کیا جائے تو معنی بعید از مفہوم ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر حالت میں ظاہر باطن کی صفائی محمود و پسندیدہ ہے اور اس کی ضد، کدورت سے اجتناب کرنا مقصود ہے جیسا کہ سید عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ''دنیا کی پاکیزگی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی'' گویا صوفی میں لطیف و پاکیزہ چیزوں کے نام سے اس کی صفائی مراد ہے۔ چونکہ صوفیاء کرام اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب و پاکیزہ بنا کر طبعی آفتوں سے نجات پا کر ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی بناء پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔

صوفیاء کی جماعت کے لئے یہ نام اسماء اعلام یعنی مخصوص و معین ناموں میں سے ہے۔ اس لئے کہ ان کے خطرات ان کے ان معاملات کے مقابلہ میں جسے وہ مخفی رکھتے ہیں بہت بڑے ہیں۔ تا کہ ان کا نام اسی سے ماخوذ سمجھا جائے۔

موجودہ زمانے میں حق تعالیٰ نے تصوف اور صوفیاء کرام کی مقدس ہستیوں کو اکثر پردے میں رکھا ہے اور تصوف کے لطائف کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کیا ہے تا کہ کوئی تو یہ سمجھے کہ یہ لوگ ظاہری اصلاح کے لئے ریاضتیں کرتے ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ سمجھے کہ اصل و حقیقت کے بغیر یہ ایک رسم ہے حتیٰ کہ وہ اس کے انکار پر اتر آتے ہیں چنانچہ مسخرے اور ظاہر میں علماء پر جو کلی طور پر اس کے منکر ہوں۔ تصوف کے حجاب میں خوش رہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہیں اور انہوں نے باطن کی صفائی کی جستجو طلب کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک کو بھلا دیا ہے۔

حق وصداقت کی راہ میں اگر تم صوفی بننا چاہو تو جان لو کہ صوفی ہونا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔

صفائے باطن کے لئے کچھ اصول اور فروع ہیں۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے اور فرع یہ ہے کہ مکر و فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کر دے۔ یہ دونوں صفتیں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہیں۔ اسی لئے آپ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں۔ آپ کا قلب مبارک اغیار سے خالی تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ معلیٰ میں دل شکستہ ہو کر جمع ہوئے تو سیدنا حضرت عمر فاروق

ﷺ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جس نے بھی یہ کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اس وقت سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بلند آواز سے خطبہ دیا کہ:

خبردار! جو حضور ﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور جو حضور ﷺ کے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو آگاہ ہو کہ وہ زندہ ہے جسے موت نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی (ترجمہ آیہ کریمہ)

اور حضور ﷺ تو اللہ کے رسول ہیں بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اب حضور ﷺ انتقال فرما جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟

مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ حضور ﷺ معبود تھے تو جان لے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو چکا ہے اور اگر وہ حضور ﷺ کے رب کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہے۔ ہرگز اس پر موت نہیں آتی ہے۔ یعنی جس کا دل فانی سے پیوستہ ہوتا ہے تو وہ فانی تو فنا ہوتا ہے اس کا رنج باقی رہ جاتا ہے لیکن جس کا دل حضرت حق سبحانہ سے لگا ہوا ہو۔ تو جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو وہ بقائے باقی دل کے ساتھ رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو بشریت کی آنکھ سے دیکھا (اور آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھا) تو جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو آپ کی وہ تعظیم جو اس کے دل میں ہے جاتی رہے گی اور جس نے آپ ﷺ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو اس کے لئے آپ کا تشریف لے جانا موجود رہنا دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے کہ اس نے آپ ﷺ کی موجودگی اور حالت بقا کو حق تعالیٰ کی بقا کے ساتھ آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کو حق تعالیٰ سے واصل و فنا ہونے اور پلٹنے اور فنا ہونے والی چیزوں سے روگرداں ہو کر پلٹانے اور فنا کرنے والی ذات کی طرف متوجہ ہونے کو دیکھا۔ گویا اس نے قیام محول (پلٹنے والے وجود کو) محول (پلٹانے والی ذات) کے ساتھ قائم دیکھا۔ حق تبارک وتعالیٰ کی جس طرح تعظیم وتکریم کی جاتی ہے اسی طرح اس نے وجود واصل کی تعظیم وتوقیر کی۔ لہٰذا دل کی راہیں کسی مخلوق کے لئے نہ کھولے اور اپنی نظریں کسی غیر کی طرف نہ پھیلائے کیونکہ ارشاد ہے:

کہ جس نے مخلوق پر نظر ڈالی، وہ ہلاک ہوا اور جس نے حق کی طرف رجوع کیا وہ مالک ہوا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری شان کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قلب مبارک دنیائے غدار سے خالی تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس جتنا مال و متاع اور غلام و بردے وغیرہ تھے سب راہ خدا میں دے کر ایک کمبل اوڑھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اے صدیق تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ''۔

جب بندہ کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیاوی کدورتوں سے اسے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ یہ تمام صفتیں صوفی صادق کی ہیں۔ ان کا انکار در حقیقت حق کا انکار اور اس سے کھلا مکابرہ و عناد ہے۔

میں (سید داتا گنج بخش) کہتا ہوں کہ صفاء کدورت کی ضد ہے اور کدورت صفات بشری میں سے ہے۔ حقیقۃً صوفی وہ جو بشری کدورتوں سے گزر جائے۔ جیسا کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا جب مشاہدہ کیا اور آپ کے حسن و جمال کے لطائف میں غرق ہوئیں تو ان پر بشریت غالب آگئی۔ پھر جب وہ منعکس ہو کر واپس آئیں اور اس کی انتہا حد کمال تک پہنچی اور اس سے گزر کر بشریت کے فنا پر نظر پڑی تو کہنے لگیں ''ما ھذا بشر'' خدا کی قسم یہ تو بشر ہے نبی نہیں حالانکہ انہوں نے اپنے کلام میں نشانہ بظاہر انہیں بنایا۔ لیکن انہوں نے اس طرح اپنا حال ظاہر کیا تھا اس لئے مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ:

حالت صفاء بشری صفات میں سے نہیں ہے اس لئے کہ بشر تو ایک مٹی کا تودہ ہے اور مٹی کا تودہ ہے کدورت سے خالی نہیں ہوتا۔

لہٰذا بشری حالت میں برقرار رہ کر کدورت سے نجات پانا ممکن نہیں۔ اس لئے صفا کی مثال افعال سے نہ ہو گی اور محض ریاضت و مجاہدہ سے بشریت زائل نہ ہو گی کیونکہ صفت صفا افعال واحوال سے منسوب نہیں ہے اور نہ نام والقاب سے اس کو کوئی علاقہ ہے۔ اس لئے کہ صفا تو مجنونوں کی شان ہے وہ تو آفتاب تاباں ہیں جس پر کوئی ابر نہیں۔

مطلب یہ کہ صفا دوستوں کی صفت ہے یہ دوست وہ ہیں جو اپنی صفت فنا کر کے اپنے دوست حق تعالیٰ کی صفت کے ساتھ باقی ہو گئے ہیں۔ ارباب حال کے نزدیک دوست وہی ہوتا ہے جن کے احوال مثل آفتاب کے ظاہر ہوں۔ چنانچہ حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "وہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے منور فرمایا"۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس کی تاثیر سے تاباں اور نور ربانی سے درخشاں ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا:

جب آفتاب و ماہتاب کے نور باہم مل جاتے ہیں تو اس کی مثال محبت و توحید کی صفائی ہے جب کہ یہ دونوں پیوست ہو جائیں۔

حق تعالیٰ کی توحید و محبت جس جگہ ایسے مقام پر مل جائے کہ ایک کی نسبت دوسرے کی طرف ہونے لگے تو آفتاب و ماہتاب کے نور کی حیثیت وہاں کیا ہے؟ چونکہ دنیا میں ان دونوں کے نور سے زیادہ روشن کوئی شے نہیں جو وصف کمال اور نوری برہان میں اس سے بڑھ کر ہو۔ کیونکہ آفتاب و ماہتاب کے نور کو دیکھنے سے عاجز رہتی ہیں۔ البتہ ان دونوں کے نور کے غلبہ سے آسمان کو دیکھ لیتے ہیں۔ اس طرح قلب مومن و مخلص معرفت و توحید اور محبت کے نور سے عرش الٰہی کو دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں عقبیٰ کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے۔

تمام مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر تغیر و تلون کی حدود سے نکل جاتا ہے تو وہ تمام احوال محمودہ سے متصف ہو جاتا ہے اور وہ تمام بشری صفات کی کدورتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ یعنی بندہ جب دل میں اپنی کسی تعریف و توصیف سے نہ لطف اندوز ہوتا ہے اور نہ اپنے میں کسی صفت کو دیکھ کر متعجب ہوتا ہے ایسے بندوں کے احوال کو عام عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور وہم و گمان کے تصرف سے ان کی زندگی پاک و صاف ہوتی ہے۔ نہ ان کے حضور کو زوال ہے اور نہ ان کے وجود کے لئے اسباب کی حاجت اس لئے کہ صفا کے لئے بلا زوال حضور اور بلا سبب وجود ضروری ہے۔

لیکن اگر غیوبت کا اس پر غلبہ ہو جائے تو حضور نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے وجود کے لئے سبب و علت ہو تو وہ وجدانی ہو جائے گا۔ واجد نہ رہے گا اور اجن احکام ربانی کی حفاظت دشوار ہوتی ہے وہ آسان ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جب بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو ان سے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: "اے حارثہ کس حال میں تم نے صبح کی؟ انہوں نے عرض کیا اللہ کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہوئے رات کٹی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے حارثہ تم غور کرو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت و دلیل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں نے اپنے آپ کو دنیا سے قطع تعلق کر کے اپنے رب کو پہچانا ہے۔ اسکی علامت یہ ہے کہ اب پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میرے نزدیک برابر ہیں۔ کیونکہ دنیا سے بیزار ہو کر عقبیٰ سے لو لگا رکھی ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ رات کو بیدار رہتا ہوں اور دن کو بھوکا پیاسا (یعنی روزے رکھتا ہوں) اب میری کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں (ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل جنت کو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہوئے اور اہل جہنم کو ایک دوسرے سے گریزاں دیکھ رہا ہوں)

اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "فالزم" اے حارثہ تم نے ایمان کی حقیقت پالی اب اس پر قائم رہو۔ آپ نے اسے تین مرتبہ فرمایا:

اولیاء کاملین کے نام

اولیاء کاملین اور عرفاء محققین کا نام صوفی ہے یہ گروہ باصفا اسی نام سے پکارا جاتا ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے: جس کی محبت پاک صاف ہے وہ صافی ہے اور جو دوست میں مستغرق رہ کر اس کے غیر سے بری ہو وہ صوفی ہے۔

لہٰذا باعتبار لغت اس کے معانی مشتقات کسی چیز کے ساتھ صحیح نہیں بنتے کیونکہ اس لفظ کے یہ معنی لغوی تعریف سے بہت بلند و ارفع ہیں اس معنی کی کوئی جنس نہیں ہے جس سے اس کو ماخوذ برقرار دے دیا جائے۔ اس لئے کہ چیز کا کسی چیز سے ماخوذ و مشتق ہونا جنسیت کا متقاضی ہوتا ہے اور جس میں کدورت ہو وہ صاف و شفاف کی ضد ہے اور کسی چیز کو ضد سے مشتق نہیں کرتے۔ لہٰذا عرفاء کے نزدیک یہ معنی اظہر من الشمس ہیں کہ اس کے لئے نہ کسی تعبیر کی ضرورت ہے اور نہ کسی اشارہ کی۔ اس لئے کہ صوفی کے معنی کے لئے عبارت و اشارہ کی ممانعت ہے۔

محققین کے نزدیک جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ صوفی کی تعریف عبارت سے کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شے اس کی تعبیرات ہیں۔ خواہ نہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا حصول معنی کے لئے اس نام کی لفظوں میں تعریف کے مطلق حاجت نہیں ہے (فہم وادراک کے لئے اتنا جان لو کہ) مشائخ طریقت اور عارفان حقیقت کو صوفی کہتے ہیں اور مریدین متعلقین اور سالکین معرفت کو متصوف کہتے ہیں۔

تصوف کی اقسام

تصوف کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کو صوفی اور دوسرے کو متصوف اور تیسرے کو مستصوف کہتے ہیں۔

(۱) صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل جائے اور خواہشات نفسانیہ کو مار کر حقیقت سے پیوستہ ہو جائے۔

(۲) متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ اس مقام کو طلب کرنے اور وہ اس مقام کی طلب وحصول میں صادق و راست باز ہے۔

(۳) مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت اور مال و دولت کی خاطر خود کو ایسا بنانے اور اسے مذکورہ منازل ومقامات کی کچھ خبر نہ ہو ایسے نقلی صوفیوں کے لئے عرفاء کا مقولہ ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک نقلی صوفی مکھی کی مانند ذلیل و خوار ہے وہ جو کرتا ہے نفس کے لئے کرتا ہے اور دوسروں کے نزدیک بھیڑیے کی مانند ہے۔ جس طرح بھیڑیا اپنی تمام قوت وطاقت مردار کے حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے۔ یہی حال اس نقلی صوفی کا ہے گویا صوفی صاحب وصول ہے اور متصوف صاحب اصول اور مستصوف صاحب نقول اور فضول۔ (کشف المحجوب)

تقریباً اسی طرح صوفی اور متصوف کی تعریف غنیۃ الطالبین میں بھی کی گئی ہے۔

مخفی اولیاء اللہ کی تعداد

اولیاء اللہ میں چار ہزار تو وہ ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں وہ نہ تو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور نہ اپنے حال کی خوبی و جمال کو جانتے ہیں۔ ان کی حالت خود اپنے سے اور تمام لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہے اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں اور اولیاء کرام کے اقوال اس پر شاہد و ناطق ہیں۔

مجھ پر خود بحمد للہ اس کے معانی ظاہر ہو چکے ہیں۔ (یعنی سیدنا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) (کشف المحجوب)

اولیاء اللہ کی اقسام

جو اولیاء حق تعالیٰ کی بارگاہ کے لشکری اور مشکلات کو حل کرنے والے اور حل شدہ کو بند کرنے والے ہیں ان کی تعداد تین سو ہے ان کو اخیار کہا جاتا ہے اور چالیس وہ ہیں جن کو ابدال اور سات وہ ہیں جن کو ابرار اور چار وہ ہیں جن کو اوتاد اور تین کو نقباء اور ایک وہ ہے جسے قطب اور غوث کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء وہ ہیں جو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور امور و معاملات میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس پر مروی صحیح حدیثیں ناطق ہیں۔ اہل سنت و جماعت کا ان کی صحت پر اجماع ہے۔ یہاں شرح و بسط کی گنجائش نہیں ہے۔ (کشف المحجوب)

اعتراضات اور ان کے جوابات

حضور سیدنا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ عام لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے جو یہ کہا ہے کہ "یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں تا کہ ہر ایک ان میں سے ولی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اپنی عاقبت سے بے خوف ہوں۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ معرفت الٰہی اور منصب ولایت بے خوفی کا اقتضاء کرے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ جائز ہے کہ مومن اپنے ایمان کا عارف ہوتے ہوئے بے خوف نہیں ہوتا تو یہ بھی جائز ہے کہ ولی اپنی ولایت کا عارف ہوتے ہوئے بے خوف نہ ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ حق تعالیٰ کرامت کے طور پر ولی کو اس کے حال کی صحت اور مخالفت خدا کی حفاظت بتا کر اسے اپنی عاقبت کے محفوظ ہونے پر عارف اور مشرف فرمادے۔

باب ہفتم (ب)

راہ سلوک میں مبتدی کے واجبات

مبتدی کے واجبات

صحیح اعتقاد ہی اس کی بنیاد ہے اور سلف صالحین ﷺ اور قدماء اہل سنت کے عقیدے پر ہونا ضروری ہے۔ انبیاء مرسلین، صحابہ کرام، تابعین ﷺ اور صدیقین ﷫ کے طریقے پر قائم رہنا ضروری ہے (اس کی تفصیل اس کتاب میں پہلے پیش کی جا چکی ہے)

قرآن مجید اور حدیث کی پابندی

اوامر و مناہی، اصول اور فروع دونوں میں قرآن مجید اور حدیث پاک کی پابندی ضروری ہے۔ اللہ تک اڑ کر پہنچنے کے لئے ان ہی کو دو بازو بنا لینا چاہئے اس کے بعد صدق اور سعی کی ضرورت ہے کیونکہ راہ سلوک میں توقف اور کاہلی ہر آدمی کی سرشت میں داخل ہے ہوا و ہوس گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں، نفس بڑا عیبی ہے، لذتیں اور خواہشیں ہر وقت ہیجان میں رہتی ہیں ان سے ظلمت واماندگی اور تکان حاصل ہوتی ہے اگر اس واماندگی اور ظلمت میں مرید سعی و کوشش سے کام لے تو اس کو ہدایت، ارشاد، رہبری کرنے والا، ناموس بنانے والا، مونس اور ایک راحت آفریں راحت نما مل جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم اپنے راستے ان کو خود بتا دیتے ہیں) ایک بزرگ دانشمند کا قول ہے کہ جو شخص طلب اور سعی کرتا ہے وہ اپنے مقصد کو پا لیتا ہے پس اعتقاد (صحیح) کی بدولت علم حقیقت حاصل ہوتا ہے اور سعی و کوشش سے راہ حقیقت کا طے کرنا میسر آتا ہے۔

مرید کو سچے دل سے عہد کرنا چاہئے کہ جب تک بارگاہ خداوندی تک وہ نہیں پہنچ جائے گا، ایک قدم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر نہ اٹھائے گا اور نہ کہیں رکھے گا، دل سلوک میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے اپنے مقصد سے واپس نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ جو اہل صدق ہیں ان کا قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹتا ہے اس کو کرامت کی وجہ سے راستہ میں کہیں توقف نہیں کرنا چاہئے۔ کرامت کو اللہ کے راستے میں اپنے جہاد و سعی کا صلہ نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ کرامت تو اللہ تک رسائی میں خود ایک حجاب ہے جو اس تک پہنچنے سے روکتی ہے البتہ وصول حق کے بعد ضرر نہیں پہنچاتی اس لئے کہ کرامت خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت کا نمونہ اور بارگاہ الٰہی تک رسائی کا ثمرہ ہوتی ہے اس وقت صاحب کرامت اللہ کی زمین پر اللہ کی قدرت اور ایک خرق عادت ہوتا ہے، پہلے وہ نادان تھا، ناواقف تھا، گونگا تھا اب اس کا کلام حکمت کا ملہ بن جاتا ہے اس کے حرکات و سکنات اور زندگی کی رفتار اولوالابصار کے لئے درس عبرت بن جاتی ہے اور اس کے اوپر اور اس کے دل میں ایسے افعال الٰہی کا ظہور ہوتا ہے جو دانش و فہم کو حیرانی میں ڈال دیتے ہیں۔

معجزہ اور کرامت

ولایت کی شرط یہ ہے کہ کرامات کو پوشیدہ رکھے اور نبوت و رسالت میں شرط ہے کہ معجزات کا اظہار کیا جائے تاکہ نبوت اور ولایت کا فرق ظاہر ہو جائے اس لئے مبتدی (مرید) کو لازم ہے کہ اس کی پابندی کرے۔

مرید کا میل ملاپ کن لوگوں سے منع ہے

مرید کے لئے جائز ہے کہ وہ مقامات تقصیر میں نہ گھرے یعنی تقصیر وکوتاہی سے بچے، ان لوگوں کے ساتھ میل ملاپ نہ رکھے جو اسلام وایمان کے تو داعی ہیں لیکن عمل میں کوتاہی کرتے ہیں، ناکارہ ہیں محض باتیں بناتے ہیں اعمال واحکام کے مخالف ہیں ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ.

''اے لوگو اگر تم ایمان والے ہو تو جو بات تم خود نہیں کرتے اس کے لئے دوسروں کو کیوں کہتے ہو کیونکہ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے کہ جو بات تم خود نہ کرو دوسروں کو اس کی دعوت دو۔''

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.

''کیا تم دوسروں کو نیکی کا مشورہ دیتے ہو اور اپنی جانوں کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے (کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور خود نہ کرنا بری بات ہے)۔''

مرید کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جو کچھ میسر آئے راہ خدا میں خرچ کر دے اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے دینے میں اس لئے بخل نہ کرے کہ اگر میں خرچ کروں گا تو افطار وسحر کے وقت کیا کھاؤں گا، اپنے دل میں اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ زمانہ سابق میں کوئی ولی ایسا پیدا نہیں ہوا جو میسر ہونے والی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کرتا ہو۔

عجز وانکسار

مرید کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ عاجزی کو اپنائے رہے، بھوک اور گمنامی کو پسند کرے اور لوگ اگر اس کی مذمت کریں تو اس پر خوش ہو۔ اگر اس کے معاصرین اور ہم سر لوگوں کو عزت بخشش اور مشائخ وعلماء کی مجالس میں قرب کے لحاظ سے اس پر ترجیح دی جائے تو رنج نہ کرے بلکہ اس پر راضی رہے، خود بھوکا رہے اور دوسروں کا پیٹ بھرتا رہے، سب کی عزت ہونے دے اور خود ذلت پر راضی رہے خود بھی سب کی عزت کرے اور اپنے لئے ذلت کو پسند کرے اگر کوئی مرید ان امور پر راضی نہ ہوگا اور اپنے نفس کو ان حالات میں مطمئن نہیں رکھے گا تو اس پر اسرار معرفت کا کھلنا ممکن نہیں ہے اور وہ اس راہ میں کچھ بھی نہیں کر سکے گا اس کی مکمل فلاح اور کامیابی ان میں مضمر ہے، جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

مرید اور رضائے الٰہی

مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے گزشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کرے اور آئندہ گناہوں سے حفاظت الٰہی کا خواستگار ہو، اللہ تعالیٰ کی پسند کے موافق طاعت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والی عبادت کو توفیق کے سوا کسی اور مقصد کے پورا ہونے کا منتظر نہ رہے وہ اپنی تمام حرکات وسکنات میں راضی برضا رہے، مشائخ واولیاء اور ابدال ﷺ کی نظروں میں محبوب ومقبول ہو جانے کو پسند کرے اس لئے کہ ذی عقل وذی فہم دوستوں کے گروہ میں داخل ہونے کا یہی ذریعہ ہے۔ اہل فرد وہی ہیں جو اللہ کی جانب سے فہم رکھتے ہیں۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا سب مرید کے احوال سے متعلق تھا جب تک مرید کا دل تمام خواہشات اور اغراض سے خالی نہیں ہوگا اور صرف مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے علاوہ دوسرے مطالب ومقاصد کے حصول کی آرزو سے پاک وصاف نہیں ہو جائے گا وہ مرید کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

شیخ طریقت کے ساتھ مرید کے آداب

شیخ کی مخالفت نہ کرنا

مرید پر واجب ہے کہ ظاہری عمل میں پیر (شیخ) کی مخالفت نہ کرے اور نہ دل میں اس پر اعتراض کرے، ظاہر میں شیخ کی نافرمانی کرنے والا گستاخ و بے ادب ہے اور باطن میں اس پر معترض ہونے والا خود اپنی تباہی اور ہلاکت کا خواستگار ہے، مرید کو چاہئے کہ شیخ طریقت کی طرفداری میں اپنے نفس کو مصروف رکھے اور ظاہر و باطن میں شیخ کی مخالفت سے اپنے نفس کو باز رکھے اور اس کی اس خواہش پر اس کو ملامت کرے اور اس آیت کی تلاوت کثرت سے کرے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

''اے اللہ ہم کو بخش دے، ہم سے پہلے جو مومن بھائی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو بھی بخش دے ہمارے دلوں کو مومنوں کی طرف سے نہ ہٹا اے پروردگار بیشک تو ہی مہربان اور رحمت کرنے والا ہے۔''

اگر پیر طریقت سے خلاف شرع کوئی عمل سرزد ہو تو اشارہ اور کنایہ میں اس کی وجہ دریافت کرے صراحت کے ساتھ وجہ نہ پوچھے اس صورت میں شیخ کو اپنے مرید سے نفرت ہو جائے گی۔ اگر شیخ میں کوئی عیب نظر آئے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور اس کی کوئی شرعی تاویل نکالے اور اس بارے میں اپنے نفس کو غلط فہم سمجھے یعنی یہ خیال کرے کہ میں نے شیخ کے بارے میں جو کچھ سمجھا غلط سمجھا ہے۔ اگر اس فعل کا کوئی شرعی عذر بن ہی نہ سکتا ہو تو شیخ کے لئے استغفار کرے اور اللہ سے دعا کرے کہ اللہ اس کو توفیق، علم، بیداری اور تقویٰ عطا فرمائے۔ مرید کو چاہئے کہ پیر کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، اس کے عیب کی کسی دوسرے کو خبر نہ کرے، جب مرید دوسری مرتبہ شیخ کی خدمت میں جائے تو یہ خیال لے کر جائے کہ شیخ کا پچھلا عیب زائل ہو چکا ہوگا اور شیخ پچھلے درجہ سے ترقی کر کے دوسرے بلند مرتبہ تک پہنچ چکا ہوگا اور شیخ سے جو گناہ سرزد ہو چکا ہے وہ کسی سہو کی بنا پر سرزد ہوا ہے اور وہ شیخ کے دونوں مرتبوں کے درمیان حد فاصل بن گیا تھا جہاں ایک حالت کی انتہا اور دوسری حالت کی ابتدا ہوتی ہے یعنی ولایت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف انتقال ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ لباس کو اتار کر دوسرا اعلیٰ اور افضل لباس اور خلعت اس کو پہنایا جاتا ہے اس لئے کہ اولیاء اللہ کا قرب روزانہ بڑھتا ہے۔

شیخ طریقت اگر ناراض ہو جائے یا چیں بہ جبیں ہو یا کسی قسم کی بے التفاتی اس سے ظاہر ہو تو مرید اس سے کنارہ کش نہ ہو بلکہ اپنی حالت کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہیں شیخ کے حق میں اس سے کوئی گستاخی اور بے ادبی تو سرزد نہیں ہو گئی ہے یا حق کی ادائیگی میں اس سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہوئی ہے اگر حقوق اللہ میں کچھ قصور ہوا ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے اور دوبارہ اس کا اعادہ نہ کرنے کا عہد کرے پھر اپنے شیخ سے معذرت چاہے اس کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرے اور آئندہ شیخ کے حکم کے خلاف نہ کرنے کا عہد کرے اور شیخ کی نگاہ التفات کے حصول کی کوشش کرے۔ شیخ کے حکم کی ہمیشہ اطاعت کرے اور شیخ کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ راستہ اور سبب سمجھے، اس کو اس مثال سے سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی بادشاہ کے حضور میں پہنچنا چاہے اور بادشاہ اس کو پہچانتا نہ ہو تو لامحالہ اس کو کسی درباری بادشاہی خدمت گار یا بادشاہ کا مقرب کا وسیلہ ڈھونڈنا ہوگا تاکہ شاہی آداب اور حضوری کے طور طریقوں سے واقف ہو جائے، پیشی اور خطاب کے آداب معلوم ہو جائیں اور اس کو آگاہی ہو جائے کہ کون کون سے تحفے اور میوے ایسے ہیں جو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کے لائق ہیں اور وہ کون کون سی چیزیں ہیں جن کی افزائش بادشاہ کو پسند ہے اس لئے

سب سے پہلے اس کو اسی طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس وسیلہ اور آگاہی کے بغیر داخل ہو جائے اور اس کو ذلت وخواری کا منہ دیکھنا پڑے اور بادشاہ سے جو غرض و مطلب وابستہ تھا وہ حاصل نہ ہو سکے۔ ہر نئے داخل ہونے والے پر ایک ہیبت اور دہشت طاری ہوتی ہے اس کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو آداب کی یاد دہانی کراتا رہے اور از راہ مہربانی اس کو اس کے مرتبہ کے لائق جگہ پر کھڑا کر دے یا بٹھا دے یا اشارے سے اس کے مناسب حال مقام کو بتا دے تا کہ وہ بدتہذیبی اور بے وقوفی کا نشانہ نہ بنے۔

حضرت آدم کی تربیت

مرید کو اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اس زمین پر ایک پیر ہو ایک مرید، ایک مقتدر ہو دوسرا مصاحب، ایک پیشوا ہو دوسرا پیرو۔ یہ عادت الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد تمام اسماء اللہ نے ان کو سکھا دیئے اور ان ہی سے کائنات کی ابتدا کی گویا ان کو اس طرح بتا دیا جیسا استاد شاگرد کو بتا دیتا ہے (سکھاتا پڑھاتا ہے) یا پیر مرید کو بتاتا ہے پھر تعلیم وتہذیب سے آراستہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو معلم، استاد اور شیخ حکم بنا دیا طرح طرح کے لباس اور زیور پہنائے، زبان کو قوت گویائی عطا فرمائی جنت کے اندر کرسی نشین بنایا اور ملائکہ کو ان کے گرد اگرد قطار اندر قطار کھڑا کیا اور فرشتوں سے سوال کیا تمام فرشتوں نے لاجواب ہو کر کہا:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ.

''الٰہی! تو پاک ہے، تو نے جو کچھ ہم کو نہیں سکھایا اس کا ہم کو علم نہیں بے شک تو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

تب حضرت آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ آپ ان تمام چیزوں کے نام بتا دیں، حضرت آدم نے تمام اشیاء کے نام بتا دیئے اس سے فرشتوں پر آدم کی فضیلت نمایاں ہوگئی، آدم علیہ السلام سب کے شیخ اور فرشتے ان کے شاگرد ہو گئے۔ اللہ کی نظر میں اور فرشتوں کی نظر میں بھی وہ فرشتوں سے افضل اور اشرف قرار پائے چنانچہ آدم علیہ السلام پیشوا ہوئے اور فرشتے ان کے تابع اور پیرو!!

حضرت آدم کا جنت سے خروج

اس کے بعد حضرت آدم کو شجر ممنوعہ کو کھانے، جنت سے نکلنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کا حادثہ پیش آیا اور آدم علیہ السلام وہاں پہنچے جس کا نہ آپ کو علم تھا نہ آپ وہاں کبھی رہے تھے نہ آپ کے دل میں اس جگہ کا کبھی خیال آیا تھا، جب آپ زمین پر پہنچے اور ادھر ادھر گھومے تو آپ کو سخت اضطراب لاحق ہوا اور وہاں آپ کو ایسی چیزوں سے سابقہ پڑا جن کو اس سے قبل آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا یعنی بھوک، پیاس، باطنی سوزش اور علمی قبض کی کیفیت کہ اس سے پہلے آپ کا ان چیزوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا اس وقت لامحالہ آپ کو کسی معلم، مرشد، استاذ، رہنما اور ادب آموز کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت جبرئیل نے آپ کے پاس آ کر اس وحشت کو دور کیا اور اس منزل اور فرودگاہ کے تمام عقدے آپ پر کھول دیئے اور گیہوں بونے کا حکم دیا۔ آلات فراہم کر دیئے، گیہوں بونا، کھیتی کاٹنا، صاف کرنا اور پیسنا سکھایا، ان تمام امور کی انجام دہی کے بعد روٹی پکانا سکھائی۔ آدم علیہ السلام نے روٹی پکالی پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے روٹی کھانے کا حکم دیا۔ غذا نے ہضم ہو کر باہر نکلنا چاہا، اس کی تعلیم بھی حضرت جبرائیل نے دی اور ان کو استنجا کرنا سکھایا، ان کاموں میں مشغول رہ کر حضرت آدم کے جسم کی چمک دمک اور سفیدی سیاہی سے بدل گئی تھی۔ حضرت جبرئیل نے ان کو ایام بیض کے روزے رکھنے کی تعلیم دی، ان روزوں کے رکھنے سے آپ کے جسم کا گورا پن پھر لوٹ آیا، اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے علوم اور آداب آپ کو سکھائے اس طرح حضرت آدم جبریل کے شاگرد بن گئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے استاد اور شیخ قرار پائے۔

اگرچہ ہبوط سے قبل حضرت آدم علیہ السلام، حضرت جبرئیل اور تمام ملائکہ کے مقتدا اور شیخ تھے اور سب سے زیادہ عالم تھے، اس تبدیلی کا باعث تغیر حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف انتقال تھا۔ اسی طرح حضرت شیث ابن آدم علیہ السلام نے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے آداب زندگی اور تمام

علوم سیکھے اوران سے ان کی اولاد نے اسی طرح حضرت نوح نے جو کچھ باپ سے سیکھا اس کی تعلیم اپنی اولاد کو دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ تعلیم دی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ (یعنی ابراہیم نے اپنی اولاد کو حکم دیا اور تعلیم دی اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد یعنی بنی اسرائیل کو تعلیم دی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اور آخر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دی اور مسواک کرنے کا بھی حکم دیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "مجھے جبرئیل نے مسواک کرنے کی تاکید فرمائی" ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ "جبرئیل علیہ السلام نے مجھے مسواک کرنے کی ایسی سخت نصیحت کی کہ قریب تھا کہ وہ مجھے پرندہ بنا دیں اور انہوں نے مجھے کعبہ کے پاس دو مرتبہ نماز پڑھائی، ظہر کی نماز سورج ڈھلتے پڑھائی تھی، اس حدیث کو اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے تابعین حضرات نے، ان سے تبع تابعین رحمہم اللہ نے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے زمانہ میں تعلیم حاصل کی ہر ایک نبی کا کوئی نہ کوئی صحابی ضرور ایسا ہوا ہے جس نے اس کی رہنمائی (تعلیم) کے مطابق زندگی کا راستہ طے کیا اور وہ پیغمبر کا جانشین اور قائم مقام بنا جیسے حضرت موسیٰ کے جانشین ان کے خادم خاص ان کے بھانجے یوشع بن نون گزرے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری جانشین ہوئے ہیں اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) خلیفہ اور جانشین ہوئے اور انہی کی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام جانشین اور شاگرد ہوئے۔ (غنیۃ الطالبین)

مرید کی تادیب وتربیت کس طرح کی جائے؟

تادیب مرید میں شیخ کا طرز عمل

شیخ طریقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ کے لئے (اپنی کسی غرض کے بغیر) مرید کو قبول کرے، مرید کے ساتھ اٹھے بیٹھے اور محبت کی آنکھ سے اس کو دیکھے، اگر مرید سے ریاضت برداشت نہ ہو تو نرمی کے ساتھ پیش آئے اور اس کی تربیت اس طرح کرے جیسے ماں اپنے بچے کی یا دانشمند باپ اپنے بیٹے یا غلام کی تربیت کرتا ہے، اولاً اس پر آسان گرفت کرے اور نا قابل برداشت بار اس پر نہ ڈالے۔

اولاً اس کو حکم دے کہ دل کی تمام خواہشات کو ترک کردے اور شرع نے جس امور کی اجازت دی ہے ان کو بجالائے تاکہ وہ اپنے نفس اور طبیعت کی قید سے آزاد ہو کر شرع کی قید اور گرفت میں آجائے اس کے بعد اس کو رخصت (شرعیہ) سے عزیمت کی طرف لے جائے۔ اگر ابتدائے کار ہی میں شیخ طریقت کو مرید میں مجاہدہ کا صدق اور عزم کی پختگی نظر آئے اور وہ اپنی خداداد فراست وفہم اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مکاشفہ سے یہ معلوم کرے کہ مرید میں عزیمت موجود ہے تو ایسی حال میں مرید کے لئے درگزر سے کام نہ لے بلکہ ایسی سخت ریاضتوں کے ساتھ اس کو مشغول کرے کہ اس کی قوت ارادی میں قصور پیدا نہ ہونے پائے اس کے لئے آسانی پیدا کرکے اس کے حق میں خیانت نہ کرے، مرید سے فائدہ اٹھانا شیخ کے لئے جائز نہیں ہے نہ مال سے نہ اس کی خدمت سے، اس ادب آموزی اور تربیت کے صلہ کی اللہ تعالیٰ سے بھی تمنا نہ کرے بلکہ اس کو محض حکم خداوندی کی تعمیل اور ایک انعام الٰہی سمجھ کر قبول کرے، اس لئے شیخ کی خدمت میں مریدوں کا حاضر ہونا نہ شیخ کے اختیار میں ہے اور نہ اس میں اس کی کوشش کو کچھ دخل ہے صرف اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور تقدیر الٰہی پر اس کا مدار ہے اللہ ہی نے اس کو بھیجا ہے گویا وہ اللہ کا بھیجا ہوا ایک تحفہ ہے پس اس تحفہ کے حسن قبول کی یہی ایک صورت ہے کہ مرید کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اس کو آداب سکھائے اور اس کی روحانی واخلاقی تربیت کرے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرید کے مال اور خدمت سے غرض نہیں رکھنا چاہئے یہاں صرف ایک صورت میں اس کا جواز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو اس کا حکم دیا ہو اور اس کی مالی پیشکش کو قبول کرنے کی اس کو خبر دے دی ہو اور مرید کی بھلائی اور اس کی نجات اس امر سے وابستہ کردی ہو اس صورت میں اس سے بچنے اور اس کے مال کو واپس لوٹا دینا درست نہیں۔

مرید کس کو بنایا جائے

مرید کے انتخاب کے سلسلہ میں شیخ کو احتیاط رکھنا چاہئے ایسا نہ کرے کہ جو بھی ملے اس کو مرید بنا لے بلکہ اس امر میں اللہ کے حکم اور تقدیر کا منتظر رہے اور اللہ تعالیٰ جس کی رہنمائی فرما کر اس کو شیخ کی خدمت میں بھیجے اور شیخ کے کمالات یا ظاہری حال کو اس میں دخل نہ ہو اس کو مرید بنائے اور اس کی تربیت کرے، اس صورت میں اس کی تربیت اور ادب آموزی کی توفیق اللہ کی طرف سے عطا ہوگی ورنہ نہیں۔

شیخ پر لازم ہے کہ حتی المقدور مرید کی تربیت میں قصور نہ کرے اگر مرید سے اطاعت الٰہی میں سستی یا قصور ہو جائے تو تنہائی کے وقت اس سے توبہ کرائے اور خود بھی اس کے لئے معافی طلب کرے، مریدوں کے راز کی نگہداشت شیخ کے لئے ضروری ہے کہ یہ مرید کی امانت ہے۔

اگر کوئی مرید مکروہات شرعیہ میں سے کسی مکروہ کا مرتکب ہو تو تنہائی میں اس کو نصیحت کرے اور اس کو اس کے اعادہ سے باز رکھے خواہ وہ امر مکروہ جس کا ارتکاب کیا ہے اصولی ہو یا فروعی۔ مرید کو کبھی ایسا دعویٰ نہ کرنے دے جس کا وہ اہل نہیں ہے، مرید کو تاکید کرے کہ وہ اپنے عمل پر غرور و تکبر نہ کرے، خود پسندی سے بچے، شیخ کو چاہئے کہ مرید کے احوال واعمال کو اس کی نظر میں حقیر و بے مایہ دکھائے تاکہ وہ بیچارہ عجب وغرور میں مبتلا

ہو کر تباہ نہ ہو جائے، خود پسندی بندے کو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔

اگر تربیت اجتماعی مقصود ہو انفرادی مطلوب نہ ہو تو سب مریدوں کو جمع کر کے بلاتعین و تخصیص کہے کہ تم میں سے بعض لوگ مدعی ہیں یا یہ بات کہتے ہیں یا ایسا کرتے ہیں غرض اس سلسلے کے تمام مفاسد اور برائیوں کو بیان کر کے ان کو نصیحت کرے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کرے مگر کسی فرد کی تخصیص و تعین نہ کرے اس طرز عمل سے اصلاح بھی ہو جائے گی اور کسی کے دل میں نفرت بھی پیدا نہیں ہو گی، اگر بدخلقی سے کام لے گا، زجر و توبیخ کرے گا یا ان کے اسرار کو فاش کرے گا یا ان پر کھلم کھلا نکتہ چینی کرے گا اور ان کی برائیوں کا تذکرہ دوسروں سے کرے گا تو اس طرز عمل سے شیخ کی محبت سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو گی۔ اہل طریقت کے مسلک میں یہ عمل مریدوں پر تہمت تراشی کہلاتا ہے اور اولیاء اللہ کی محبت کا جو بیج مریدوں کے دل میں بویا جاتا ہے اس عمل سے اس کی نشو و نما نہیں ہوتی لہٰذا پیر طریقت کو اس سلسلہ میں پوری احتیاط رکھنا چاہئے اگر ایسی صورت پیش آئے کہ شیخ مغلوب الحال ہو جائے اور اس کا تدارک اس کے بس کی بات نہ ہو تو پھر شیخ کو مرتبہ ارشاد اور مسند طریقت سے الگ ہو جانا چاہئے اور الگ ہو کر اپنے نفس کو مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول کرے اور خود کسی شیخ کی جستجو کرے تاکہ وہ اس کو مؤدب، مہذب اور صحیح الحال بنا دے ایسے خطرات جب اس کے پاس ہوں تو وہ شیخ بننے کا اہل نہیں ہے اس لئے مریدوں کی راہ میں اس کو رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔ (غنیۃ الطالبین)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی مجددیت

چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز کو الف ثانی کی مجددیت کی خلعت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں سے متاثر ہو کر جمیع امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کے خواص و عوام نے بھی آپ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے نوازا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مجدد کی ضرورت و حیثیت اور شخصیت کے متعلق کچھ اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا جائے۔ اس کے لئے کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی ص ۴۳۹'' سے نقل کر رہا ہوں۔

ضرورت مجدد

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اور ان کو اپنے قرب و رضا اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور دنیا کی ابتدا سے لیکر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطہ زمین میں انسان گمراہی میں مبتلا ہو جائیں اور ان کو آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو رب تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان کی طرف بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی۔ اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اب سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری دنیا انسانی کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں کے حسب حال ہو اور جس میں آئندہ کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو اور ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعہ اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں اور کائنات کی ساری مخلوق کا نبی ہو۔ پھر اس نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔ درحقیقت یہ سارا پروگرام اللہ تعالیٰ نے روز اول سے ہی بنایا ہوا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۸۱)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماتے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔'' (کنزالایمان)

اس فرمان کا ابتدا میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مکمل ہدایت اور کامل دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب قرآن پاک میں ختم نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے کے مطابق دوسرے عام نبیوں علیہم السلام کی طرح خاتم النبیین ﷺ کو بھی عمر طبعی دی۔ چنانچہ بعثت کے تیئس سال بعد تریسٹھ سال کی عمر میں آپ ﷺ اس دار فانی سے پردہ فرما گئے۔ آپ ﷺ کے

بعد اس دین متین کی حفاظت کا ذمہ خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے لے کر اس کا ایک ظاہر انتظام یہ فرمایا کہ اس امت کے علماء کرام کو انبیاء عظام کا تبلیغی مشن سپرد فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ان کو یہ بشارت دی گئی کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے دین کے تعلم وتعلیم اور حفاظت وخدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا۔

لیکن زمانے کے ساتھ قدرتی طور پر یہ بات بھی ناگزیر تھی کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسانی تعلیم وہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد واعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت وتعلیم میں بھی تحریف وتبدیل کی کوششیں ہوں گی اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لئے حقائق دینیہ کی غلط تاویل کریں گے اور سادہ لوح عوام ان کے جال میں پھنس کر عقائد واعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لئے یہ سلسلہ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دین حق کی حفاظت کے لئے ایک خاص انتظام بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ بندگان خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم وبصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت وبدعت کے درمیان امتیاز کرسکیں اور اس کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور راہ میں ان کو ایسی عزیمت بھی عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کا مقابلہ کرسکیں اور دین حق میں الحاد وبدعت کی آمیزش نہ ہونے دیں اس کام میں اپنی پوری قوت کے ساتھ جدوجہد کریں کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کو بھی اپنے ذمے لے لیا اور حکمت الٰہی کے اس فیصلہ کا اعلان خاتم الانبیاء ﷺ نے مختلف موقعوں پر فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل وامین اور محافظ ہوں گے۔ وہ افراط وتفریط کی تحریفات اور اہل زیغ وہویٰ کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصلی شکل میں امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی کریم ﷺ کے ذریعہ آیا تھا اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے''۔ اسی کام کا اصطلاحی عنوان ''تجدید دین'' ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی مجددین ہیں۔

(سیرت وسوانح عمری مجدد الف ثانی)

حدیث تجدید

سرور کائنات ﷺ کا مجددین کی بعثت اور ان کے ظہور کے متعلق ارشاد مبارک ہے: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (اخرجہ ابوداؤد فی باب مایذکر فی قرن المائۃ) ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر مجدد (ایسے بندے) بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید (نیا اور تازہ) کرتے رہیں گے۔

حدیث تجدید کی تخریج

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے (ج ۴ ص ۵۲۲) اور ملا علی قاری ؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے اور سند رجال کے بارے میں لکھا ہے وسندہ صحیح و رجالہ کلھم ثقات و کذا صححہ الحاکم (مرقاۃ ج ۱ ص ۳۰۲) اور کنز العمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والاثار کا بھی حوالہ دیا ہے (کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۸) اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ان کے علاوہ حلیہ ابونعیم اور مسند بزار اور مسند حسن بن سفیان اور کامل ابن عدی کا بھی ذکر کیا ہے (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۱)

علامہ جلال الدین سیوطی ؒ اس حدیث تجدید کے بارے میں مرقاۃ الصعود (مرقات ج ۱ ص ۳۰۲) میں لکھتے ہیں ''اتفق الحافظ علی

تصحیحہ" یعنی حفاظ حدیث اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔

اب یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ تجدید دین سے کیا مراد ہے؟ دوئم یہ کہ مجدد کون ہو سکتا ہے؟ سوئم یہ کہ مجدد شروع صدی ہی میں آنا ضروری ہے یا اوسط اور آخر میں بھی آسکتا ہے؟ چہارم یہ کہ ایک وقت میں ایک ہی مجدد ہو سکتا ہے یا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات کے جواب مختصراً ذیلی عنوانات کے تحت درج کیے جاتے ہیں۔

تجدید دین سے مراد

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "مرقات ج ۱ ص ۳۰۲" میں اس حدیث تجدید کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ: یعنی مجدد کی صفت یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز و نمایاں کر دے گا اور علم کو بکثرت شائع کرے گا اور اہل علم کی عزت کرائے گا اور بدعت کا قلع قمع کرے گا اور اہل بدعت کا زور توڑ دے گا۔

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب لمعات التنقیح عربی ص ۲۹۴ اور اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۱۸۲ میں اس حدیث کی شرح میں مجدد کی صفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ "وہ تجدید و نصرت دین اور ترویج و تقویت سنت اور قلع قمع بدعت اور اس کی تصنیف و نشر علوم اور اعلائے کلمہ اسلام کے ساتھ اپنے اہل زمانہ میں ممتاز ہوگا۔

نیز مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ مجموعۃ الفتاوی ص ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ "مجدد کی علامت و شروط یہ ہیں کہ وہ علوم ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہوگا اور اس کی تدریس و تالیف و تذکیر (وعظ و نصیحت) سے عام نفع پہنچے گا اور وہ سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعتوں کے مٹانے میں سرگرم ہوگا"۔

ان تحریروں اور اس حدیث کے دیگر شارحین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ تجدید دین سے مراد کتاب و سنت کا عمل جو اول زمانہ سے ترک ہو کر مٹ چکا ہوگا اس کو از سر نو زندہ کرنا، لوگوں کے غلو اور افراط و تفریط کو روکنا، جاہل مدعیوں کی تحریفات و تاویلات کی نفی کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو تراشی ہوئی بدعات سے دین کو بچانا حق و باطل میں تمیز کرنا اور دین کو اس کی اصلی شکل میں جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یعنی رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تھا۔ مسلمانوں میں رائج کرنا اور اس کی تبلیغ اور اثرات صحبت سے کثیر التعداد لوگوں کا اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونا۔ پس ایسا شخص مجدد دین کہلاتا ہے اور وہ جو یہ نہ کرے وہ کیسا ہی فاضل، عامل، فقیہ، صاحب دل اور صاحب مکاشفہ ہو، مجدد نہیں ہو سکتا۔ اس کے ہم عصر علماء قرائن اور ظن غالب سے اس کی دینی خدمات اور اس کے علم و فضل کو دیکھ کر اس کے مجدد ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں۔

زمانہ مجدد

حدیث مذکور کے لفظ "علی راس کل مائۃ سنۃ" کی تشریح میں ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یعنی ایک صدی کے آخر یا دوسری صدی کے ابتدا میں جبکہ علم اور سنت کی کمی ہو جائے اور جہل و بدعت کی کثرت ہو جائے ان کا صدی سے مراد ہجری صدی ہے۔ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ اس سے معروف ہجری صدی مراد نہیں اس لئے کہ سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے قائم ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو یہ نظام نہیں تھا۔ اسی لئے اس حدیث کے لفظ مائۃ سنۃ سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مطلب کل قرن ہوگا، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کرتے رہیں گے راس کی قید اتفاقی ہے غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ رہے گی اور ہر صدی کے اوائل اور اوسط اور اواخر میں مجدد دین کا ہونا اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔" واللہ اعلم"۔

تعدد مجدد

بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجددیت کے بارے میں ان کا تصور کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوت سے چھوٹے درجہ کا کوئی خاص

منصب ہے اور ہر صدی میں اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے ہی کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح و سعادت اور دینی و روحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے اس مجدد کو پہچانے اور اس کا اتباع کریں لیکن مجددیت کے اس تصور کی کتاب و سنت میں کوئی اصل بنیاد نہیں مل سکی، مجددیت کے متعلق جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے اس میں جو ''من'' کا لفظ ہے۔ وہ جس طرح واحد اور فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ شارحین حدیث علامہ سیوطی و ملا علی قاری رحمہما اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا یہ قطعی طور پر لازمی نہیں کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہو۔ بلکہ ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ہر صدی میں ایک مجدد کا وجود تو ضروری ہے۔ (تذکرہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھ لیا ہے کہ علماء امت میں ایک شخص ہوگا جو کہ اپنے زمانہ میں دین کی تجدید و نصرت وغیرہ امور میں ممتاز ہوگا۔ حتیٰ کہ انہوں نے متعین کیا ہے کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں صدی کے مجدد ہوئے ہیں لیکن صاحب جامع الاصول وغیرہ نے اس کو عموم پر حمل کیا ہے۔ خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک جماعت کیونکہ لفظ من واحد اور جمع دونوں پر واقع ہوتا ہے اور علماء و فقہاء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ بادشاہوں، حاکموں، قاریوں، محدثین، زاہدین، عابدین، علماء نحو، ارباب سیر و تواریخ، اغنیاء و اسخیا جو کہ اپنے مال و متاع کو علماء و صلحاء و مصارف خیر پر صرف کرتے ہیں اور دین کی ترویج و تقویت کا باعث بنتے ہیں اور تمام وہ گروہ جن کے وجود سے دین میں قوت و کمال و رواج پیدا ہوتا ہے ان سب کو شامل ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۸۲ و لمعات ج ۱ ص ۲۹۳) اور اگر ملکوں اور شہروں کے عموم کا بھی اعتبار کریں اس طرح پر کہ وہاں ایک زمانہ میں ایک شخص یا جماعت اس شان کی ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۷۷ ۱۱ اور مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۳ میں بھی اسی قسم کی عبارت درج ہے۔

ان سب امور کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں پیدا کرتا رہے گا جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصل شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہو سکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہو گئیں۔

قارئین حضرات مجددیت کے موضوع پر بڑی تفصیل کے ساتھ ہر پہلو پر کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اس پر اعتراض کے جوابات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔ مؤلف اختصار کے ساتھ اتنے پر اکتفا کرتا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجددیت کو سمجھنے اور عمل کی توفیق دے۔ آمین!

مجددین کے نام

پہلے ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ مطابق ارشاد باری تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں میں ایک دوسرے پر فضیلت درجوں اور کاموں میں دی گئی ہے بعین ہی اسی طرح مجددین بھی کاموں اور درجوں میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لی ہیں ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا کارنامہ نمایاں ہے اور اسی طرح اس اخیر دور میں جس کا آغاز ہزارہ دوئم (الف ثانی) کے آغاز سے ہوتا ہے۔ امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیائے شریعت کا جو عظیم کام لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

مجمع بحار الانوار جلد نمبر ۱ ص ۷۷ ۱ پر پانچویں صدی کے ختم تک مجددین کے جو نام ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) پہلی صدی کے ختم پر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز الاموی رضی اللہ عنہ (۶۰-۱۰۱ھ) اور فقہاء کرام و محدثین عظام رحمہم اللہ جو بکثرت ہیں۔

(۱) دوسری صدی کے ختم پر خلیفہ مامون الرشید (متوفی ۲۱۸ھ) امام شافعی (متوفی ۲۰۳ھ) و امام حسن بن زیاد (متوفی ۲۰۴ھ) و اشہب مالکی (متوفی ۲۰۴ھ) و علی بن موسیٰ (متوفی ۲۰۳ھ) و یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) و معروف الکرخی (متوفی ۲۰۰ھ) رحمہم اللہ۔

(۳) تیسری صدی کے ختم پر خلیفۃ المقتدر باللہ (متوفی ۳۲۰ھ) و ابو جعفر الطحاوی الحنفی (متوفی ۳۲۱ھ) و ابو جعفر الامام متوفی () و امام ابوالحسن

الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) وامام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) رحمہم اللہ۔

(۴) چوتھی صدی کے ختم پر خلیفہ القادر باللہ (۴۲۲ھ) وابوحامد الاسفرانی (متوفی) وابوبکر محمد الخوارزمی الحنفی (متوفی ۳۸۳ھ) ومرتضٰی اخوالرضاالامامی (متوفی) رحمہم اللہ۔

(۵) پانچویں صدی کے ختم پر خلیفہ المستظہر باللہ متوفی ۵۱۲ھ وامام غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ) وقاضی فخر الدین حنفی (متوفی) رحمہم اللہ۔

ختم چھٹی صدی سے ختم نویں صدی کے مجددین کے نام علامہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ سے جامع المجددین کے حوالے سے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۶) چھٹی صدی کے ختم پر امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ) وامام رافعی (متوفی ۶۲۳ھ) رحمۃ اللہ علیہما۔

(۷) ساتویں صدی کے اختتام پر، ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۰۲ھ)

(۸) آٹھویں صدی کے ختم پر امام بلقینی (متوفی ۸۶۸ھ) اور حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ) رحمۃ اللہ علیہما۔

(۹) نویں صدی کے ختم پر امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) اور امام سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) رحمۃ اللہ علیہما۔

(حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المذہب تھے اس لئے انہوں نے زیادہ تر شافعیوں کے نام لکھے ہیں اور نویں صدی میں انہوں نے اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس منصب کے امیدوار ہیں اس لئے دونوں کے نام لکھ دیئے گئے ہیں)

(۱۰) دسویں صدی کے لئے صاحب خلاصۃ الاثر نے شمس الدین ابن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہل زمانہ مجدد سمجھتے تھے۔ دسویں صدی کے ختم اور گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروی سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں۔ بیرون ہند یعنی حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کے فیض سے علوم حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندوستان اور حجاز یکساں مستفید ہوئے۔

(۱۱) چنانچہ گیارہویں صدی میں ابراہیم بن حسن کردی نزیل (متوفی ۱۱۰۱ھ) قدس سرہ العزیز مدینہ منورہ اور بارہویں صدی میں۔

(۱۲) شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیل قدس سرہ مدینہ کے نام بعض محدثین نے لئے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن حسن کردی کے صاحبزادہ ابوطاہر بن ابراہیم کردی قدس سرہ العزیز ہیں۔ جو حضرت شاہ ولی اللہ کے استاذ ہیں۔

مندرجہ بالا مجددین کے نام کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

اب جو نام مجددین حضرات کے عاشق مصطفٰی امام حضرت محمد احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدائق بخشش میں درج کئے ہیں وہ یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ (۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی (۲) حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۳) حضرت امام احمد بن حنبل بغدادی (۴) حضرت امام حسن بن زیاد حنفی (۵) حضرت امام ابوجعفر احمد طحاوی (۶) حضرت امام ابوجعفر طبری (۷) حضرت امام محمد بن غزالی (۸) حضرت امام فخر الدین رازی (۹) حضرت شیخ عمر شہاب الدین سہروردی (۱۰) حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی۔ (۱۱) حضرت امام جلال الدین سیوطی (۱۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۳) حضرت شیخ عبدالحق دہلوی (۱۴) حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۵) حضرت خواجہ غلام علی نقشبندی (۱۶) حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۷) حضرت امام احمد رضا خاں تاجدار بریلی شریف رحمہم اللہ۔

مجددین کے اوصاف

جس طرح قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بعثت من اللہ کا کلمہ اختیار کیا ہے جس طرح نبی ورسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں کوئی نبی محض اپنے ذاتی کسب وکمالات اور شخصی جدوجہد یا کسی اجتماعی وجماعتی تجویز سے نبوت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مجدد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نبوت ورسالت کے لئے چن لیتا ہے اور خلعت

سے سرفراز فرما کر مبعوث فرماتا ہے اسی طرح مجدد کو بھی اللہ تعالیٰ ہی منتخب فرما کر مبعوث فرماتا ہے لیکن دونوں میں فرق ہے وہ یہ کہ نبوت اصل اور تجدید اس کا ظل ہے۔ نبی کی ذات منصوص من اللہ اور وحی الٰہی کے ذریعہ مشخص ہوتی ہے اور نبی کا الہام و کشف قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔ مجدد کی شخصیت منصوص من اللہ نہیں ہوتی اور اس کا کشف اور الہام ظنی ہوتا ہے۔ نبی کا منکر خارج از اسلام ہے مجدد کا منکر خارج از اصلاح و تقویٰ ہے۔ بہر صورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت روشن اور درخشاں پرتو ہے۔ اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لینے سے اس میں وراثت نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود لازم ہو جاتا ہے اور کسی کو مجدد مان لینے اور کہنے کے بعد کسی منقبت کا درجہ باقی نہیں رہتا کہ جس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصف تجدید کی ایک تفصیل ہوگی جس کا متن لفظ مجدد ہوگا۔

(مستفاد عن علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۰۷ تا ص ۳۰۹ بتصرف وزیادہ)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ منصب تجدید، منصب نبوت کا پورا پورا ظل اور اس کے قد و قامت کا سایہ اصلی ہے۔ اس لئے شئون تجدید بھی شئون نبوت سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جامع کمالات ہونے کے باوجود غالب طور پر وہی کمال لے کر آتے ہیں جس کی اس دور میں ضرورت ہوتی ہے اور اس کے تمام اصلاحی پروگرام میں اسی اصلاحی نقطہ کا زیادہ غلبہ اور زور ہوتا ہے جو اس زمانے کے مخصوص مفاسد کے مٹانے کے لئے موثر ہو مثلاً قوم لوط میں لواطت اور اغلام کے جراثیم پھیلے ہوئے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام نے عام اصلاح کے ساتھ اس مرض کی خصوصی اصلاح فرمائی اور فرمایا (سورہ الشعراء آیات ۱۶۵-۱۶۶) ترجمہ: کہ دنیا جہان والوں میں سے تم یہ حرکت کرتے ہو کہ مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ دراصل تم حد انسانیت سے نکل جانے والی قوم ہو۔

اصحاب الایکہ جن میں ناپ تول کی خیانت کا عام مرض تھا۔ ان کی اصلاح کے لئے اسی کو اپنا غالب پروگرام بنایا وغیرہ غرض کہ نبی وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اس کے امراض باطنی کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے۔ چونکہ مجدد، نبوت کا اصلی ظل ہے اس لئے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجددوں کو بھی وہی شان دی گئی ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام کو عطا ہوئی تھی۔ امت میں صدیوں اور زمانوں کے گزرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور ہوتے رہے اسی قسم کے اصلاحی طریق لیکر مجددین امت بھی مبعوث ہوتے رہے۔ اگر کسی وقت امت میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجدد دیانت آئے جنہوں نے شعائر دیانت برپا کئے اگر کبھی دیانت ہوتے ہوئے نظام ملت زیادہ پراگندہ ہوا تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اپنے حلقہ اثر کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ اگر کبھی امت بے دین ریاضت کشوں کے کشف و خوارق میں پھنس گئی تو ایسے ہی مجدد آئے جنہوں نے اپنے کشف و کرامات اور خوارق سے ہر شعبدہ باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا پھر نفسیاتی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے مجددین وقت کو اسی قسم کے فتنوں کے استیصال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت و استعداد دے کر بھیجا گیا۔ کسی نے عیسائیت کی وسوسہ اندازیوں کو ختم کیا کسی نے فتنہ شیعیت کو ختم کیا کسی نے فتنہ باطنیت کو کسی نے ادعاء نبوت کے فتنوں کا قلع قمع کیا۔ کسی نے شرک کا تانا بانا ادھیڑا۔ کسی نے وثنیت کے ستون گرائے اور کسی نے ثنویت کی بیخ و بن کو اکھاڑ دیا۔ غرض یوں سمجھا جائے کہ انبیائے سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں اتنی اور اسی رنگ میں ولایت کی نسبتیں امت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں تاکہ امت کے ہر طبقہ کی اصلاح اس کے مناسب طریقوں سے ہو۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۳۰۹ تا ۳۱۳ ملخصاً و تصرفاً و زیادہ)

اور جس طرح حضور انور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کا دین خاتم الادیان ہے اسی طرح اس امت میں قیامت سے پہلے خاتم المجددین کا ظہور ہوگا جس کی تجدیدی شان اکمل المجددین کی ہوگی اور اس کے اثرات و فیوضات سے تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آباد ہو جائے گی اور صدر اسلام کی طرح خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہو کر عدل و انصاف اور امن و امان کی حکومت ہوگی وہ خاتم المجددین حضرت امام مہدی موعود اور مہدی آخر الزمان کے لقب سے معروف و مشہور ہے (واللہ اعلم بالصواب)

ایک اور نکتہ کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ مجدد دین کو نیا کر دے گا یعنی رسومات و بدعات وفساد کی کھنگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کرے گا۔ اس لئے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور جان سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم وتلقین اور جدو جہد اور دعوت وتبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مقاصد دور ہو کر اصل دین نمودار ہو جائے جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نگار خانہ کتاب وسنت میں محفوظ ہے۔

چونکہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض مدعیان باطل نے نئے نئے دعوے کئے ہیں۔ یہاں تک کہ نبوت کے حدود حرم تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے اس لئے یہ لغزش گاہ بھی ہے اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت احتیاط کے ساتھ رکھنا چاہئے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ بتا دیا جائے کہ نبی کی ضرورت من جانب اللہ اصل احکام کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ہے یعنی نبی علیہ السلام احکام الٰہی کو بندوں تک پہنچانے کا واسطہ ہے۔ وہ عقل وقیاس اور علم وفہم سے نہیں کہتا بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی من جانب اللہ سے کہتا ہے اور احکام کی تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے۔ اس کی وحی وتعلیم ہر خطا سے پاک اور خود ہر غلطی سے معصوم ہے مگر مجدد کا یہ حال نہیں بلکہ وہ کتاب وسنت اور وحی و رسالت کے احکام و پیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراست ایمانی، صفائی ذہن، عقل مستقیم، قیاس صحیح اور اصابت رائے سے صحیح وغلط میں تمیز کرتا ہے۔ دین کو غیر دین سے ارشادات الٰہی کو ایجادات انسانی سے سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے اور اپنی علمی وعملی زندگی کی طہارت ونزاہت اور ز اثبات و استقامت اور نبی کی اتباع کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت ومقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر انسان اصلی شریعت سے محروم اور کفر سے لپٹا رہتا ہے۔ اس لئے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ بند کر دیا جاتا ہے ہمیشہ کے لئے اور عذاب آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے۔ لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے۔ یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولت ایمان رکھ کر بھی اس کے دینی ودنیوی ثمرات وبرکات سے محروم ہی رہتا ہے اور بدعات، فسادات کی آمیزشوں سے بچنے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نبی اور مجدد میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ نبی کو اپنا نبی ہونا یقینی اور قطعی طور سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم وخبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی وبدیہی معلوم ہوتا ہے جس کے لئے اس کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن وتخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا بلکہ اگلے زمانہ پچھلے مجددین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی (کوشش) سے خواص امت پر ظاہر ہوا۔ اس کے بعد لوگوں نے مان لیا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی صدی کے خاتمہ کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری صدی کے خاتمہ کا مجدد حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۴ھ) کو مانا (مقدمہ جامع المجددین ص ۱۹ تا ۲۱)

اقامت دین، احیائے سنت اور ازالہ بدعت کرنے والے کے لئے علوم شرعیہ میں مہارت تامہ اور اتباع سنت میں کمال کا حصول لازمی ہے اور اس کی پہچان کے لئے یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ خواص واخص الخواص اکابر امت میں اس کی مقبولیت کیسی ہے۔ اس موضوع سے متعلق ایک حدیث ابتداء میں انعام یافتہ لوگوں کے عنوان اور صالحین گروہ کے بیان میں آخر پر درج ہے۔ اختصار سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ تفصیل کے لئے کتاب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کریں۔

حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد الف ثانی کیوں کہا جاتا ہے

اس سے قبل ایک صدی کے مجدد کے متعلق کافی لکھا جا چکا ہے۔ اب مجدد الف ثانی کے متعلق کچھ اقتباسات بھی اس کتاب یعنی کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پیش کرتا ہوں۔ الف کے معنی ہیں ہزار، حضرت شیخ قدس سرہ کو مجدد الف ثانی کہنے کی یہی بڑی وجہ ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ٹھیک ہزار سال کے بعد اس دنیا میں جلوہ فرود ہوئے۔ اب یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ مجدد الف ثانی کے مصداق آپ قدس سرہ کی ہی ہستی ہے۔

آپ قدس سرہ کا ظہور ہندوستان میں ایسے ہی نازک دور میں ہوا جبکہ کفر وشرک، ضلالت وگمراہی، فسق وفجور کا دور دورہ تھا۔ لوگ دین اسلام

سے منحرف ہو رہے تھے۔ آپ قدس سرہ نے آکر توحید کا جھنڈا پھر سے بلند کیا، کفر و بدعت اور فسق و فجور کی ظلمت کو دور کیا جس کا مفصل تذکرہ کتاب مجدد الف ثانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

اب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجددیت کی تائید میں آیات و حدیث اور خود آپ کے اور آپ کے ہمعصر اور بعد کے بزرگوں کے اقوال مختصراً پیش کر رہا ہوں۔

(۱) تفسیر مظہری میں سورہ واقعہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں۔ وقال المجدد اصحابه كلهم كانوا مستغرقين في كمالات النبوة ومن التابعين اكثرهم ومن اتباع التابعين اقلهم ثم الظمس انوار لنبوه و اختفى اثارها و ظهر كمالات الولاية و استعلى انوارها السكرو الشطح و كثرة الخوارق المستعادة من التجليات الصفاتية والظلكية حتى اذا مضى بعد الهجرة الف سنة تدارك رحمة اللّٰه الواسعة افاض كمالات النبوة لمقتضى طينة النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم علي بعض اتباعه حتى اشتبه آخر الامة باولها فقال النبي صلى اللّٰه عليه وآله وسلم مثل امتي كمثل المطر لايدري اوله خير ام اخره (رواہ الترمذی)

عن انس ورزين و زين عن جعفر بن محمد الصادق عن ابيه الباقر عن جده رضي الله تعالى عنهم قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم البشروا البشروا انما مثل امتي مثل الغيث لا يدرى اخره خيرا مرادله او كحديقة اطعم منها فوج عاماثم اطعم منها فوج عامالعل اخرها فوجا ان يكون اعرضها عرضا واعمقها عقما واحسنها، وعن ابى ادردا عن النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم قال خير امتي اولها واخرها وفي وسطها الكرد (رواہ الحکیم ترمذی)

پھر آیہ ثلة من الاولين وقليل من الاخرين کے جز وقليل من الاخرين کی تفسیر میں لکھتے ہیں "وهم ارباب كمال النبوة الذين وجدوا بعد الف سنة كما ذكرنا من قبل" اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں مجدد الف ثانی کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اور حضرت مجدد پاک ارشاد فرماتے ہیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کمالات نبوت میں غوطہ زن ہیں اور تابعین میں سے بھی اکثر ایسے ہی غوطہ زن ہیں۔ لیکن تبع تابعین میں سے بہت تھوڑے ہیں جو اس طرح کمالات نبوت میں غوطہ زن ہوئے۔ پھر انوار نبوت اوجھل ہوتے گئے اور اس کے آثار بھی درجہ اخفا میں (بصورت) کمالات ولایت ظاہر ہو گئے۔ انوار ولایت مختلف درجات ولایت جیسے سکر، شطیحات اور کثرۃ خوارق و کرامات جو کہ تجلیات صفاتیہ اور ظلیہ سے مستعاد ہیں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ یہاں تک کہ ہجرت کے بعد ایک ہزار سال گزر گئے۔ اب اللہ کی رحمت واسعہ کی دستگیری سے وہی کمالات نبوت حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک طینت (جسد انور کے لئے لی گئی مٹی مبارک) کے مقتضی سے آپ کے کچھ اتباع پر (کمال متابعت کی بنا پر) پھر جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ آخر امت اپنے اول سے کمال مشابہ ہو گیا ہے جیسے کہ حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نہیں پتہ چلتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر۔ اسے ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا اور روایت ہے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے ابا جان حضرت امام محمد باقر سے وہ اپنے دادا جان رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دے دو، خوشخبری دے دو بے شک میری امت کی مثال اس موسلا دھار بارش کی سی ہے نہیں محسوس ہوتا کہ بعد میں گرنے والا قطرہ بہتر ہے یا پہلے گرنے والا قطرہ یا اس باغ کی مثل ہے کہ سال بہ سال جس کا پھل اپنی چوڑائی، گہرائی اور خوبی و اچھائی میں اور ذائقے و مٹھاس میں ایک جیسا ہوتا ہے (اوکما قال) اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی پاک رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا میری امت کا پہلا اور آخری حصہ بہتر ہے اور درمیانہ حصہ گیا گزرا ہے اسے حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔

پھر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کے جز وقلیل من الاخرین کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور آخرین میں سے یہ جو تھوڑے ہیں یہ وہ کمالات نبوت کے حامل ہیں جو ایک ہزار سال بعد ہوئے۔ جیسے ہم نے اس سے قبل بیان کیا۔ (ترجمہ علامہ محمد رفیق کیلانی)

سابقین کی نسبت اسی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور (اس نے) الف ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے۔"
(دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۱)

نیز ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا پرتو ڈالا ہے اور تبع تابعین بزرگواروں پر بھی اپنا سایہ ڈالا ہے۔ بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہوگئی حتیٰ کہ آں سرور عالم ﷺ کی بعثت سے الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت بھی وہ دولت تبعیت اور وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی اور آخر کو اول سے مشابہ کر دیا۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۳۰۱)

(۹) پاک و ہند کے علاوہ عرب و عجم میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین علماء و صلحاء بکثرت ہیں جنہوں نے آپ کی عظمت اور آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کی شہادت دی ہے۔ ان میں سے چند کے نام صرف یہاں اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے تحریر کئے جاتے ہیں۔ ان کی تحریریں بہت لمبی لمبی ہیں جو کہ (کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) میں تحریر کی گئی ہیں:

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ فضل اللہ برہانپوری، شیخ حسن غوثی، میر مومن بلخی، مولانا جمال الدین تلوی، مولانا یعقوب چرخی اور جو حضرت مجدد کے شیوخ میں سے ہیں۔ مولانا حسن قبادانی، مولانا میرک شاہ، مولانا جان محمد لاہوری، مولانا عبدالسلام الدیوکی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔ یہ سب اپنے وقت کے فاضل اور کامل حضرات ہیں جنہوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف کی ہے اور ان کے مخالفین کا رد کیا ہے۔ ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی اور نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہم اور آخر میں ترکی کے ایک بزرگ عالم باعمل کی رائے:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات قدسی آیات کے متعلق عالم باعمل ولی کامل جناب عبدالحکیم بن مصطفیٰ الارواسی قدس سرہ العزیز (المتوفی ۱۳۶۳ھ بشہر انقرہ (ترکی) نے اپنی کتاب المسمی "باصحاب الکرام" میں لکھا ہے ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کتب اسلامیہ میں سب سے افضل کتاب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات قدسی آیات ہیں کہ جن کی مثل اطراف عالم میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ (بحوالہ علماء المسلمین)

نوٹ: مجددین کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا وہ کتاب "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ" سے اخذ کر کے بیان کیا گیا ہے۔

باب ہشتم

نقشبندیہ سلسلہ طریقت کیا ہے؟

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (مائدہ رکوع ۶)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''۔

تفسیر روح البیان میں اس آیہ مقدسہ کے تحت فرماتے ہیں ''جان لے کہ اس آیہ مقدسہ میں وسیلہ ڈھونڈنے کے حکم کی صراحت ہے وسیلہ کا ہونا بیشک ضروری ہے کیونکہ وصول الی اللہ وسیلہ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ وسیلہ علمائے حقیقت و مشائخ طریقت ہیں'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ القول والجمیل کے حاشیہ میں اپنے جد امجد کا اس آیہ مقدسہ کے متعلق ارشاد نقل فرماتے ہیں ''کہ یہ ممکن نہیں کہ وسیلہ سے ایمان مراد لیجئے اس واسطے کہ خطاب اہل ایمان سے ہے اور عمل صالح بھی مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ تقویٰ میں داخل ہے اور جہاد بھی مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ بھی تقویٰ میں داخل ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ وسیلہ سے مراد واردات و بیعت مرشد کی ہے پھر اس کے بعد مجاہدہ و ریاضت اور ذکر و فکر ہیں تا کہ فلاح حاصل ہو کہ وصول ذات پاک سے عبارت ہے۔ انتہی ملخصاً۔

رب تعالیٰ نے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو''۔

تفسیر روح البیان میں اس کے تحت فرماتے ہیں ''صادقین وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ کے طریق کے راہنما ہیں جب سالک ان کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے اور ان کے آستانوں کے خادموں میں داخل ہو جاتا ہے تو ان کی محبت، تربیت اور قوت ولایت سے سیر الی اللہ اور ترک ماسوا کے مراتب تک پہنچ جاتا ہے۔

سلوک وطریقت

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے ہیں اور اصطلاح تصوف میں قرب خداوندی کے ذرائع حاصل کرنے اور دار آخرت کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں اور ان ذرائع سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے والے کو سالک کہتے ہیں نیز ظاہر میں اعمال شرعیہ کے التزام کے ساتھ اخلاق باطنی کی اصلاح وتزکیہ کو سلوک کہتے ہیں جس سے نسبت باطنی حاصل ہونے کی استعداد و قابلیت پیدا ہوتی ہے سلوک اختیاری امر ہے جس کا پہلا قدم زہد و تقویٰ ہے۔

مختلف بزرگوں نے اپنے تجربات سے قرب خداوندی و معرفت الٰہی حاصل کرنے کے جو متعدد راستے معین فرمائے ہیں انہیں طریق یا طریقت کہتے ہیں۔ تمام سلاسل طریقت نور علی نور اور موصل الی اللہ ہیں تمام سلسلوں کا ربط سرکار دو عالم ﷺ تک صحیح و ثابت ہے۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی جس طرح کمالات رسالت و نبوت کی حامل تھی اسی طرح کمالات ولایت کی بھی تھی۔ امت مصطفیٰ میں سے سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی صحبت میں آپ کے انوار نبوت و انوار ولایت جذب فرما کر اپنے دلوں کو صیقل کیا تو آپ ﷺ نے انہیں اصحابی کالنجوم

(الحدیث) کا اعزاز عطا فرمایا۔ مگر انوار کے جذب میں جن ہستیوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہوئی وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ظرف ونصیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت سے حصہ وافر ملا اس کی اہم دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس ہے:

ما صب اللّٰہ فی صدری شیاء الا صببتہ فی صدر ابی بکر.

رب تعالیٰ نے جو بھی میرے سینے میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ولایت کا وافر حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ مکتوب نمبر ۱۲۳ دفتر سوئم حصہ نہم میں فرماتے ہیں۔

''وہ راستہ جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے تمام قطب، اوتاد، ابدال، نجباء، عام اولیاء جس راستہ سے واصل باللہ ہوتے ہیں ان سب کے شہسوار اور منبع فیض حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ عظیم الشان منصب آپ سے متعلق ہے''۔

یہ حاصل کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بطریق طبیعت بار نبوت کے حامل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بار ولایت کے اور رب تعالیٰ تک پہنچنے کے یہی دو طریقے ہیں۔ اسی لئے تمام سلاسل کا طریقت کا انتساب ان ہی دو حضرات سے ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت کا حامل سلسلہ نقشبندیہ کہلاتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کے حامل باقی تمام سلاسل طریقت ہیں۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جو کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے مختلف زبانوں میں مختلف نام رہے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک اس سلسلہ عالیہ کا نام صدیقیہ رہا ہے اور حضرت سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خواجہ عبدالخالق اغجدوانی رحمۃ اللہ علیہ تک اس کا نام طیفوریہ رہا ہے۔ حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں اسے سلسلہ طیفوریہ ہی کے نام سے ذکر فرمایا ہے اور حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تک اس کا نام سلسلہ خواجگانیہ رہا اور خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر حضرت مجدد الف ثانی تک اس کا نام سلسلہ نقشبندیہ رہا اور حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے دور اقدس سے لیکر اب تک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے نام سے موسوم ہے۔

(کذا فی انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ و تذکرہ مشائخ نقشبندیہ للتوکلی)

اگرچہ جملہ سلاسل طریقت موصل الی اللہ ہیں اور ان میں بڑے بڑے اکابرین دین گزرے ہیں مگر طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں اکثر ایسے خصائل و کمالات اور فضائل ہیں کہ جن کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے ''تو چیزے دیگری'' نکل جاتا ہے۔ منجملہ ازاں ایک یہ بھی ہے کہ یہ طریقہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے جو افضل البشر بعد از انبیاء علیہم السلام ہیں لہٰذا ان کی نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ و ارفع ہوگی۔ دریں اثناء ایک یہ بھی ہے کہ اس طریقہ میں اتباع سنت و اجتناب بدعت کا نہایت اہتمام و التزام ہے اور ظاہر ہے کہ جس طریقہ میں اتباع سنت و اجتناب بدعت زیادہ ہوگی اسی قدر اس میں انوار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ ہونے کی وجہ سے قوت و رفعت ممتاز ہوگی علاوہ ازیں ایک یہ بھی ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں شرط افادہ و استفادہ صحبت و محبت شیخ قرار پائی ہے یعنی جس کو جس قدر پیر طریقت سے محبت و صحبت زیادہ ہوگی اسی قدر فیوض و برکات پیر زیادہ حاصل ہوں گے اور یہ بعینہٖ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک یہ بھی ہے کہ اس طریقہ مقدسہ میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے اور تقدم جذبہ کا نام ہی محبوبیت ہے اسی لئے شہنشاہ نقشبند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ما فضلیا نیم در طریقہ ما محرومی نیست۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے فضل والے ہیں ہمارے طریقہ میں محرومی نہیں ہے۔ اگرچہ بالخصوص نسبت صدیقہ کا حامل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ہے لیکن تمام سلاسل میں آپ کا فیضان موجود ہے کیونکہ دیگر سلاسل طریقت کا انتساب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے اور حضرات القدس میں کتاب ''ثمرہ و شجرہ'' کے حوالہ سے مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس طرح حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہے اسی طرح تینوں خلفاء سے جو آپ سے پہلے ہیں انتساب ہے جو بالاتفاق اہل تحقیق ثابت ہے اور آپ نے تربیت باطنی تینوں خلفاء سے حاصل کی ہے۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے ظاہراً باطناً فیض یاب ہوئے اس طرح تمام سلسلوں کو درحقیقت آپ سے انتساب ہے۔

(مختصر تعارف سلسلہ نقشبندیہ مطبوعہ دار التبلیغ حضرت کیلیانوالہ شریف)

یہ سلسلہ امام الطریقہ حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبندی بخاری قدس سرہ کے ذریعہ سے جاری ہوا۔ وہ اس طرح کہ آپ کی ولادت باسعادت ''جو کہ ۴ محرم ۷۱۸ھ قصر ہندواں میں ہوئی جو کہ بعد میں قصر عارفاں کے نام سے مشہور ہوا'' کے تین روز بعد حضرت بابا سماسی قدس سرہ نے آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور آپ کی تربیت حضرت امیر کلال قدس سرہ کے حوالے کر دی تھی اس طرح بظاہر حضرت سید امیر کلال قدس سرہ سے فیض یافتہ تھے لیکن بطریق اویسیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ سے مستفیض ہوئے۔ اسی لئے آپ نے اس طریقہ میں دوبارہ ذکر خفی جاری فرمایا۔ اگرچہ بزرگان سلسلہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہ سے حضرت سید امیر کلال قدس سرہ تک ذکر خفی کو ذکر جہری کے ساتھ جمع کرتے رہے۔ آپ سے پہلے بڑی بڑی ریاضتوں پر نسبت کا حصول موقوف تھا۔ لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے نقشبندیہ طریقہ جو بالکل سہل واقرب ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق ہے۔ آپ کے ذریعہ جاری ہوا۔ (سیرت حضرت مجدد الف ثانی)

آپ فرماتے ہیں کہ ولایت بڑی نعمت ہے۔ ولی کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ولی سمجھے تا کہ اس نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ ولی محفوظ ہوتا ہے عنایت الٰہی اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑتی اور بشریت کی آفت سے اس کو محفوظ رکھتی ہے۔ خوارق وکرامات کا طالب ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ توکل کرنے والے کو چاہئے کہ خود کو توکل کرنے والوں میں شمار نہ کرے اور اپنے توکل کو اسباب کے استعمال میں پوشیدہ رکھے۔

نیز فرمایا کہ ہمارا طریقہ سب سے ملے جلے رہنے کا ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے اور خلوت وصحبت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ دل کی نگرانی کا لحاظ ہر حالت میں رکھے، کھانے پینے، کہنے سننے، چلنے پھرنے، خریدنے بیچنے، عبادت کرنے، نماز پڑھنے، قرآن پاک پڑھنے، کتابت کرنے، سبق پڑھنے، وعظ کہنے، غرض کہ پلک مارنے میں بھی خدائے تعالیٰ سے غافل نہ رہے تا کہ مقصود حاصل ہو۔

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشی شاید کہ نگاہ کند آگاہ نباشی

(یعنی ایک پلک مارنے کی مقدار بھی اس دوست سے غافل نہ ہو بنا ارادہ نظر لطف کرے اور تجھ کو خبر نہ ہو)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا کہ ''ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے'' نیز فرمایا کہ ''میں نے حق تعالیٰ سے ایسا طریق مانگا ہے جو بیشک موصل (اللہ تعالیٰ سے ملانے والا) ہے'' اور حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ جو آپ کے پہلے خلیفہ ہیں اس معنی میں ایک بیت فرماتے ہیں:

گر نشکستے دل دربان راز، نقل جہاں را ہمہ بکشا دے

ترجمہ: ''اگر نہ ٹوٹتا دل رازداں کا، جہاں کے قفل میں سب کھول دیتا۔''

رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے منقول ہے'' کہ یہ طریقہ اقرب اور موصول کیوں نہ ہو جبکہ انتہا اس کے ابتدا میں مندرج ہے'' وہ شخص بہت بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہوا اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔

(سیرت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بحوالہ مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ جلد نمبر ۱ مکتوب نمبر ۲۲۱)

شجرۂ سلسلہ طریقت نقشبندیہ

(بحوالہ انیس الطالبین)

حضور سید شیخ بہاؤ الدین المعروف شاہ نقشبند قدس اللہ سرہ کو شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد بابا سماسی قدس اللہ سرہ نے بچپن سے ہی اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ وہ حضرت عزیزان علی رامیتنی قدس اللہ سرہ کے خلفاء میں سے ہیں وہ حضرت خواجہ محمود انجیر غنوی اور وہ حضرت عارف ریوگری اور وہ حضرت خواجہ عبدالحق غجدوانی قدس اللہ اروا حہم کے خلفاء میں شامل ہیں۔ لیکن شاہ نقشبند قدس اللہ سرہ کی نسبت ارادت، صحبت و تعلیم، آداب سلوک اور تلقین ذکر حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے وہ بابا سماسی قدس اللہ سرہ کے خلفاء میں مذکور ہیں لیکن درحقیقت سلوک میں شاہ نقشبند کی نسبت تربیت خواہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ روحہ کی روحانیت سے ہے۔ جیسا کہ مزار مزدافن کے واقعہ میں کچھ بیان ہوا ہے۔ حضرت عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ سرہ، امام ربانی شیخ ابو یعقوب بن ایوب ہمدانی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ ہیں۔ خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کو تصوف میں شیخ طریقت ابوعلی فارمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب ہے۔ وہ خراساں کے مشائخ کبار سے ہیں۔ حجۃ السلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو عالم باطن میں انہی سے تربیت حاصل ہے۔

شیخ ابوعلی فارمدی قدس اللہ کو تصوف میں دو نسبتیں حاصل ہیں اول شیخ بزرگوار ابوالقاسم گرگانی قدس سرہ طوسی کی نسبت جن کا سلسلہ مشائخ تین واسطوں سے سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پیوستہ ہے۔ دوئم شیخ بزرگوار ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت جو مشائخ کے پیشوا اور اپنے زمانے کے قطب ہو چکے ہیں۔ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف میں سلطان العارفین شیخ ابو یزید بسطامی قدس اللہ روحہ سے انتساب ہے اور سلوک میں ان کی تربیت شیخ ابو یزید قدس سرہ کی روحانیت سے ہے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہ العزیز کی ولادت شیخ ابو یزید قدس اللہ سرہ العزیز کے مدت بعد ہوئی اور شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ تصوف میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اور ان کی تربیت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے ہے۔ یہ صحیح روایت ثابت ہو چکی ہے کہ شیخ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ہوئی۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے علم باطن دو طرف انتساب ہے۔ اول اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ان کا اپنے والد گرامی سید حضرت امام زین العابدین علی رضی اللہ عنہ سے ان کا اپنے والد گرامی سید الشہداء حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ان کا اپنے والد ماد امیر المومنین سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور امیر المومنین حضرت سید علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حضرت رسالت ماب سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

دوئم اپنی والدہ کے باپ سیدنا حضرت قاسم بن محمد بن حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں فقہاء سبعہ میں شامل ہیں جو تابعین میں مشہور ہیں۔ اور علم ظاہر و باطن سے آراستہ ہیں۔ اور آپ کا انتساب علم باطن حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن کو حضور جناب خاتم النبیین احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت حاصل تھا۔ حدیث پاک ہے: بسلمان منا اھل البیت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہمارے اہل بیت میں شامل ہے۔ اس کے باوجود ان کو علم باطن جناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتساب حاصل ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

شجرہ نسب شاہ نقشبند

صاحب عمدۃ المقامات نے آپ کا شجرہ نسب اس طرح تحریر کیا ہے۔آپ کا اسم گرامی محمد بن محمد ہ البخاری کنیت بہاؤالدین اور لقب نقشبند (کمخواب بانی کے پیشے کی وجہ سے یا پہلی ہی صحبت میں سالک کے دل سے ماسوئی کا نقش مٹا کر اللہ تعالیٰ کا نقش دل پر جمانے کی وجہ سے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے) ہیں۔سادات عظام میں حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

''محمد بن محمد ہ البخاری بن سید محمد بن سید جلال الدین بن سید برہان الدین خال بن سید زین العابدین بن سید قاسم بن سید سفیان بن سید برہان بن سید قلیچ بن سید محمود بن سید ایلال بن سید نقی بن سید صوفی بن سید محی الدین بن سید علی اکبر بن سید امام حسن عسکری علیہ وعلی آباؤ الکرام والتحیہ والرضوان'' لیکن بعض تذکروں میں آپ کا سید ہونا درج نہیں۔واللہ اعلم (از سیرت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۱۲۲)

شجرہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

(۱) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (۲) سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۴) سیدنا حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ (۵) حضرت امام جعفر صادق (۶) حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ (۷) خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (۸) خواجہ ابوعلی فارمدی قدس سرہ (۹) خواجہ ابویوسف ہمدانی قدس سرہ (۱۰) خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ (۱۱) خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہ (۱۲) خواجہ محمود انجیر فغنوی قدس سرہ (۱۳) عزیزان علی رامیتنی قدس سرہ (۱۴) خواجہ محمد باباسماسی قدس سرہ (۱۵) امیر کلال (۱۶) خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ۔
(کتاب حضرت مجدد الف ثانی)

قادریہ سلسلہ طریقت

اس طریقہ کے بانی محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کے اسم گرامی کی نسبت سے سلسلہ عالیہ قادریہ کا اجراء ہوا۔ آپ نے خرقہ ارادت و جانشینی اپنے پیرومرشد عارف باللہ شیخ ابوسعید مبارک مخزی سے حاصل کیا جو کہ فقہ حنبلی کے ممتاز پیشوا مانے گئے۔ آپ کے دریائے فیض کی روانی سے آسمان کے ستاروں کی طرح ساری دنیا میں پھیل گیا۔ تاجدار ولایت ہونے کے سبب سلسلہ عالیہ قادریہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ دوسرے سلسلوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب وعجم کے تمام ممالک میں اس سلسلہ کے لاتعداد حلقہ بگوش پائے جاتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

''جب بندہ کا دل حقیقت میں مالک بے نیاز سے وابستہ ہو جاتا ہے تو کوئی شے اس سے جدا نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے باہر نکلتی ہے۔''

آپ اپنی بے نظیر تصنیف (مخزن تصوف) فتوح الغیب میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

''تم فضل ربانی اور نعمت یزدانی سے اس لئے محروم ہو کہ تم اپنے طاقت بازو کا بھروسہ کرتے ہو۔ مخلوق سے امید کی وابستگی تمہیں مسنون اکتساب معاش سے روک دیتی ہے۔ اگر تم نے مخلوق کے دروازوں پر سائل بن کر ہاتھ پھیلایا تو گویا تم نے خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ شرک کیا اور حلال روزی نہ ہونے کے سبب تم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے اور اگر تم خلق اللہ کی داد و عیش سے بے نیاز ہو کر کسب معاش کرتے ہوئے خالق کائنات کی رزاقیت پر متوکل ہو گئے اور اس کو رزق حلال جانو گے تو تمہارے اور رب العالمین کے درمیان جو حجاب ہے وہ ہٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ پردہ غیب سے تمہیں رزق عطا فرمائے گا۔

سرکار غوث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''شرک کی دو قسمیں ہیں، ظاہر اور باطن۔ شرک ظاہر تو غیر خدا کی پرستش ہے اور شرک باطن غیر خدا پر بھروسہ ہے''۔

سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ جب ساری منزلیں طے کر لینے کے بعد جب بغداد مقدس میں قیام پذیر ہوئے تو ماحول ناسازگاری فتنہ و فساد کی گرم بازاری سے طبیعت کو تکلیف اتنی ہوئی کہ آپ نے بغداد مقدس سے چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ایک دن گلے میں قرآن پاک حمائل کر کے محلّہ حلب کے دروازے سے نکل پڑے تو صدائے غیبی سے آواز آئی کہ واپس جاؤ۔ تمہاری ذات سے مخلوق کو بغداد میں ہی فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے جواب میں کہا مخلوق کا مجھ پر کیا حق ہے کہ اس کی خاطر میں فتنہ و فساد میں رہوں میں تو یہاں سے جانا چاہتا ہوں کہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت

کرسکوں۔ پھر صدائے غیبی نے پکار کر کہا مخلوق کا تمہارے اوپر بہت بڑا حق ہے۔ اس کو ہدایت دینا تمہاری ذمہ داری ہے تم اس جگہ پر رہو۔ خدائے قادر وتوانا تمہارے دین وایمان کی حفاظت کرے گا۔ تو سرکار جیلانی نے عالم قدس کے فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے مستقل قیام کا عزم فرمالیا با طمینان قلب اس وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ سرکار جیلانی دوپہر کے وقت کھانا کھانے کے بعد مسجد ہی کے ایک کمرہ میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ عالم خواب میں جد امجد سرکار رحمتہ للعالمین ﷺ کی زیارت سے مالا مال ہوئے۔ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا'' شاہزادے عبدالقادر لوگوں کو وعظ ونصیحت کیوں نہیں کرتے۔ بصد ادب واحترام آپ نے عرض کیا کہ میں عجمی ہوں فصحائے عرب کے سامنے کیونکر لب کشائی کروں۔ مدینۃ العلم مختار کل ﷺ نے فرمایا: اچھا ذرا اپنا منہ تو کھولو۔ شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیل نبوی میں اپنا منہ کھول دیا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے سات مرتبہ آپ کے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا اٹھو قوم کو وعظ ونصیحت کرو اور لوگوں کو دین الٰہی کی طرف بلاؤ۔ آپ نے اسی مسجد میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ فراغت نماز کے بعد خود بخود لوگوں کی ایک بڑی جماعت آپ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئی آپ نے بے خوف وخطر مجاہدانہ انداز میں انہیں وعظ ونصیحت فرمائی۔

اسی طرح ایک رات باب العلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی حالت خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی وہی سوال کیا جو حضور ﷺ نے کیا تھا۔ آپ نے پوری کیفیت بیان فرمائی اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی منہ کھلوا کر چھ بار لعاب دہن منہ میں ڈالا۔ آپ نے ادب کے ساتھ فرمایا۔ چھ مرتبہ کس مصلحت سے؟ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا احترام نبوت کے پیش نظر تعداد میں ایک مرتبہ کم۔

یہ واقعہ ۵۲۱ھ کا ہے۔ اس کے بعد تو قلب غوثیت ماب میں وہ انشراح ہوا کہ رشد وہدایت کی تاریخ میں ایک عظیم الشان باب کا اضافہ ہوگیا۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا تبلیغی سلسلہ ۵۲۱ھ سے شروع ہو کر ۵۶۱ھ تک مسلسل جاری رہا اس طرح مکمل چالیس سال تک برابر آپ کی ذات سراپا فیوض برکات سے دنیا کو فائدہ پہنچتا رہا یہاں صرف سلسلہ قادریہ طریقت کا تعارف کرانا مقصود ہے نہ کہ آپ کے مفصل حالات واقعات کو یہاں ان کی گنجائش نہیں اب میں ان کے چند اقوال تحریر کر کے اس موضوع کو سمیٹتا ہوں جو کہ آپ کے فضائل وکمالات کے متعلق ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:

(ا) بے شک میرا ہاتھ میرا پنجہ میرے مرید کے اوپر اس طرح سایہ فگن ہے جیسے آسمان زمین کے اوپر۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اگر میرا مرید طاقتور نہیں تو کوئی بات نہیں میں تو اس کا آقا طاقت والا ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں اگر میرا مرید میرا نام لیوا مشرق میں ہو اور میں مغرب میں ہوں اور اس کا ستر کھل جائے تو اس کی ستر پوشی اپنے مقام سے بیٹھے بیٹھے کردوں گا اور تا قیامت میرے سلسلہ والے اگر ٹھوکر کھا کر گرنے لگیں تو میں انہیں سنبھالتا رہوں گا اور سہارا دیتا رہوں گا۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں اس شخص کا نصیبہ بہت بلند ہے جس نے میری زیارت کی یا میرے دیکھنے والے کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ میرے مرید خوف نہ کر کسی دشمن سے کہ بلاشبہ میں عزم مستحکم والا اور جنگ کے وقت سخت قتال کرنے والا ہوں۔

حضرت سہل بن تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز ظہر کے بعد آپ سرکار نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اس کے محبوب کے واسطہ سے کہ تو میرے مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کی روحوں کو جو میری طرف منسوب ہوں بغیر توبہ کے قبض نہ کرنا۔ آپ کی اسی دعا سے ہم سبھوں نے فرشتوں کی ایک بڑی جماعت کو آمین کہتے ہوئے سنا اور دعا کے بعد ایک ندائے غیبی سنائی دی۔ اے عبدالقادر خوشخبری ہو تمہارے لئے یہ کہ میں نے تمہاری دعا قبول کرلی۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: پرہیز گار غلام میرے لئے اور میں گنہگار غلاموں کے لئے۔

دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا:

تا قیامت جو شخص میرے سلسلے میں داخل ہوگا اور اپنے کو میرا مرید کہے گا بے شک وہ میرا مرید ہے اور میرے مریدوں میں شامل ہوگا۔ ہمیشہ میں اس کی نصرت وحمایت اور دستگیری کرار ہوں گا اور وقت آخر اسے توبہ کی توفیق ہوگی۔ (سیرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

سیدنا حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کا شرف حاصل کیا تو عقیدت کی پوری وابستگی کے ساتھ بارگاہ غوثیت ماب میں یہ شعر پڑھا:

اے دستگیر عالم رستم ناں بگیر　　　رستم چناں بگیر کہ گویند دستگیر

ترجمہ: اے دنیا کے مددگار میری مدد کر اس طرح کیجئے کہ حقیقتاً لوگ آپ کو دستگیر کہیں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اے نقشبند عالم نقش ناں بند　　　نقش چناں بند کہ گویند نقشبند

ترجمہ: اے دنیا کو آراستہ کرنے والے دنیا کو اس طرح آراستہ کر کہ لوگ تم کو حقیقتاً نقشبند کہیں۔ (از سیرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

شجرہ نسب سلسلہ قادریہ

(۱) شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۳) سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (۴) سید السادات حضرت مثنیٰ قدس سرہ (۵) حضرت سید عبداللہ المحض قدس سرہ (۶) حضرت شاہ موسیٰ الجون قدس سرہ (۷) حضرت سید عبداللہ ثانی المورث قدس سرہ (۸) حضرت سید موسیٰ ثانی قدس سرہ (۹) حضرت سید داؤد امیر قدس سرہ (۱۰) حضرت سید محمد روحی قدس سرہ (۱۱) حضرت سید عمر یحییٰ زاہد قدس سرہ (۱۲) حضرت سید عبداللہ جیلی قدس سرہ (۱۳) حضرت سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوہست قدس سرہ (۱۴) غوث الثقلین سیدنا حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ۔ (سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ)

شجرہ سلسلہ طریقت قادریہ

(از غنیۃ الطالبین)

(۱)حضور سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
(۲)حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(۳)امام عالی مقام حسن بصری رضی اللہ عنہ
(۴)حضرت شیخ حبیب عجمی رضی اللہ عنہ
(۵)حضرت شیخ داؤد طائی رضی اللہ عنہ
(۶)حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ
(۷)حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ
(۸)حضرت شیخ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ
(۹)حضرت شیخ ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ
(۱۰)حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
(۱۱)حضرت شیخ ابوالحسن قرشی رضی اللہ عنہ
(۱۲)حضرت شیخ ابوسعید مخزومی رضی اللہ عنہ
(۱۳)حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

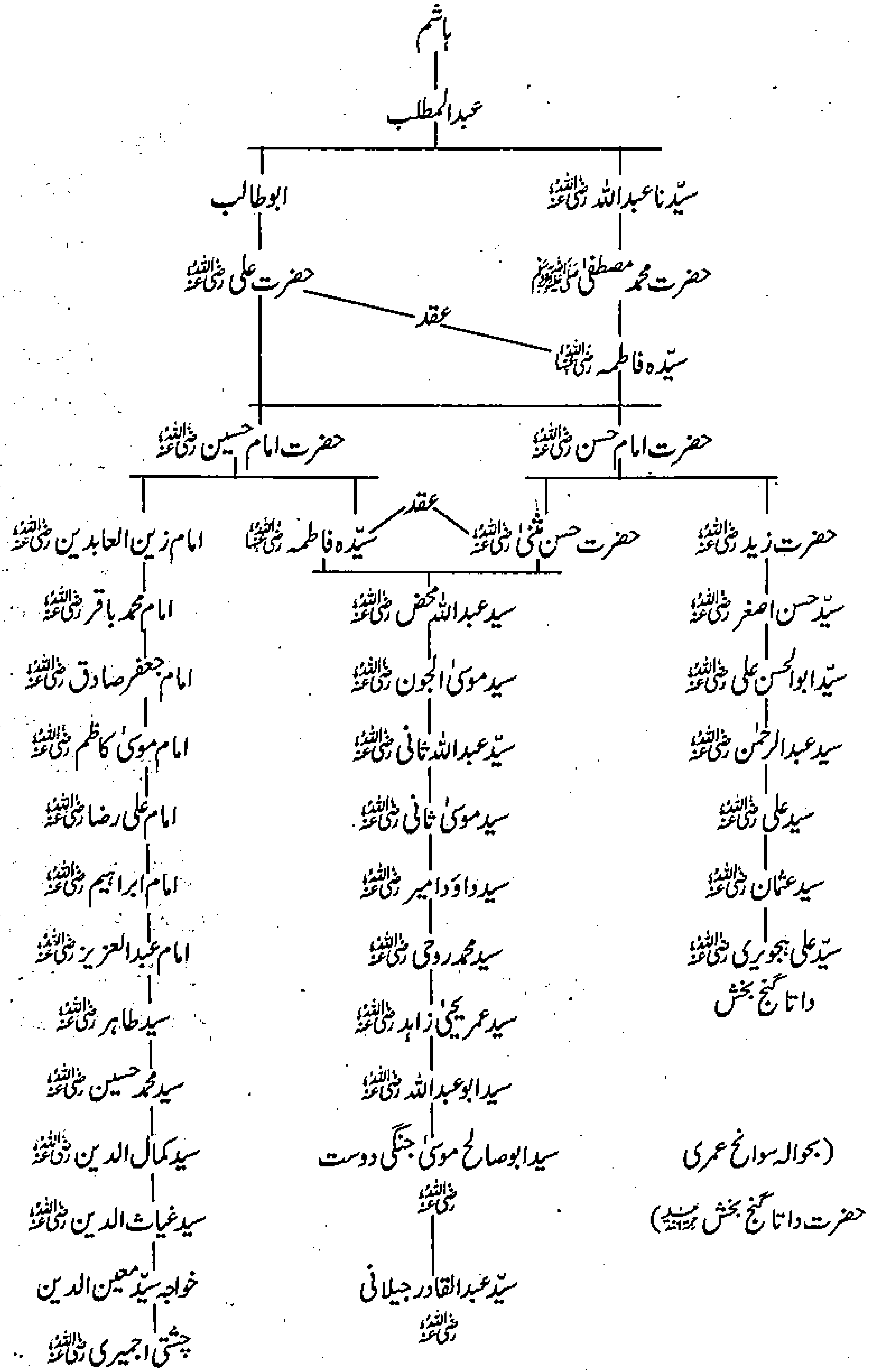
آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اوّل شجرہ پیشوائی میں سرورِدوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ بارہ واسطوں سے اور دوسرے شجرۂ پیشوائی میں سولہ واسطوں تک پہنچتے ہیں۔(واللہ اعلم)

از تذکرہ قادریہ مرتبہ پیر طریقت شیخ طاہر علاؤالدین مدظلہ العالی صاحب عظیم فرزند سلسلہ اور خاندان قادریہ حال مقیم خانقاہ کوئٹہ

(۱)حضور سرورانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
(۲)حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(۳)حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ
(۴)حضرت سیّد زین العابدین رضی اللہ عنہ
(۵)حضرت سیّد محمد باقر رضی اللہ عنہ
(۶)حضرت سیّد جعفر صادق رضی اللہ عنہ
(۷)حضرت سیّد موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ
(۸)حضرت سیّد ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ
(۹)حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ
(۱۰)حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ
(۱۱)حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ
(۱۲)حضرت شیخ ابوبکر علی رضی اللہ عنہ
(۱۳)حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد التمیمی رضی اللہ عنہ
(۱۴)حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی رضی اللہ عنہ
(۱۵)حضرت شیخ ابوالحسن علی بن محمد القرشی الہکاری
(۱۶)حضرت شیخ ابوسعید المبارک المخزومی رضی اللہ عنہ
(۱۷)حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

شجرہ نسب حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ وسیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ



سہروردیہ سلسلہ طریقت

اس سلسلہ کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے دعوت حق کے لئے لوگوں کو فرمایا: اے لوگو! دعوت حق قبول کرو بیشک میں داعی الی اللہ ہوں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے دروازے اور اس کی اطاعت کے لئے بلاتا ہوں اپنے نفس کی طرف نہیں بلاتا کہ منافق ہی اللہ کی طرف مخلوق کو نہیں بلاتا بلکہ اپنے نفس کی طرف بلاتا ہے۔

اس عظیم دعوت کے لئے آپ نے ان چند ہستیوں کو انتخاب فرمایا جن میں یہ جوہر قابل موجود تھا۔ چنانچہ ان میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ صاحب عوارف المعارف ہیں۔ آپ اپنی جوانی میں علوم عقلیہ کے بڑے دلدادہ تھے اور آپ کی طبیعت کا رجحان منقولات کی طرف بہت کم تھا۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے عم نامدار حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن کے ارشادات کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور ایک عظیم بزرگ شمار ہوتے تھے۔ اپنے نوجوان بھتیجے کو حضرت کی خدمت با سعادت میں لے کر حاضر ہوئے اور حضور غوثیت میں عرض کیا کہ میرا یہ بھتیجا ہر وقت معقولات میں مشغول رہتا ہے ہر چند کہ میں روکتا ہوں لیکن میں کامیاب نہیں ہوتا۔ حضور نے شیخ سہروردی سے پوچھا۔ تم نے علم الکلام میں کون سی کتابیں پڑھی ہیں۔ شیخ سہروردی نے کتب آموختہ کی نام بنام نشان دہی کی۔ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کے نام سن کر اپنا دست مبارک سہروردی کے سینہ پر پھیرا ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ سینہ معقولات سے بالکل صاف ہو گیا جو کچھ پڑھا تھا سب کا سب محو ہو گیا اور وہ دل اللہ تعالیٰ نے جس کو نور ہدایت، ایقان اور علم لدنی کی صلاحیت سے نوازا تھا معارف الٰہیہ سے معمور ہو گیا اور قال حال سے بدل گیا۔ دل و دماغ کی دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا اور آپ نے فوراً دامن غوثیت کو تھام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ سہروردی قدس سرہ کے ذریعہ قادریت کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا جس کا ذکر بہت اجمال کے ساتھ یہاں کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ سہروردی قدس سرہ العزیز کا سلسلہ طریقت مشرق سے مغرب تک بہت جلد پھیل گیا۔ شام، مصر، عرب، عجم، ترکستان اور ماوراء النہر تک اور برصغیر پاک و ہند میں سندھ، دلی اور مشرق میں مدنا پور، بنگال اور آسام سب اس سلسلہ کے روشن ستاروں کی تابناکیوں سے جگمگا اٹھے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کے مرید خاص شیخ مصلح الدین المعروف سعدی شیرازی قدس سرہ نے شیراز میں اس سلسلہ کو پھیلایا اور اپنی زندہ جاوید کتب گلستان، و بوستان کے ذریعہ ان تمام ملکوں میں حکمت و معرفت کے چراغ روشن کئے جہاں فارسی زبان پڑھی اور سمجھی جا سکتی تھی۔

جب فتنہ تاتار نے بغداد کو تباہ کرنے کے بعد شام کی طرف اپنا رخ کیا تو سلسلہ قادریہ سہروردیہ کے شیخ اعظم حضرت عزیز الدین بن عبد السلام کی ہدایت پر مجاہد اعظم ترک عظیم رکن الدین سرس قدس سرہ نے اس فتنہ کا مقابلہ ایک آہنی دیوار بن کر کیا اور سیل بلا کر روکا۔ شام و عرب کی سرزمین سے اس کا منہ پھیر دیا۔ اس بطل حریت اور مجاہد اعظم نے شام میں تاتاریوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں مصر میں سلطنت عباسیہ کا قیام انہی کی بدولت ظہور میں آیا۔

سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کے ایک درخشندہ آفتاب حضرت شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی جن کے ذریعہ سندھ و ہند کے ظلمت کدے میں ایمان و عرفان کے روشن ہوئے اور اسلام کی روشنی سے یہ سیاہ خانے جگمگا اٹھے آج بھی اوچ اور ملتان اس آفتاب کی روشنی سے منور ہیں۔

بنگال کی وہ سرزمین جو کفر و شرک سے سیاہ خانہ بنی ہوئی تھی وہاں اسلام کے پہلے مبلغ حضرت شیخ لال الدین تبریزی سہروردی قدس سرہ العزیز

ہیں۔ آپ شیخ الشیوخ حضرت سہروردی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اعظم تھے۔

اوچ میں اسی سلسلہ کا وہ آفتاب روشن ہوا جس کا نام نامی حضرت سید جلال سرخ سہروردی قدس سرہ ہے جن کے صاحبزادے حضرت شیخ سید احمد کبیر بخاری قدس سرہ تھے۔ انہوں نے اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شاہ جلال مجرد قدس سرہ جنہوں نے سلہٹ میں اسلام کی شمع فروزاں کی آپ ہی کے نواسے ہیں۔

حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری بھی اسی خانوادہ سہروردیہ کی ایک شمع فروزاں ہیں جنہوں نے ہند کے مغربی حصہ میں اشاعت اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ الغرض ہندوستان اور دوسرے ممالک میں سہروردیہ سلسلہ کو قبول عام اور عظیم تبلیغی کامیابیاں ہوئیں وہ تمام تر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی دعا کی برکات ہیں۔ اس خاندان میں آپ کے لطف و کرم سے صدہا فقراء کامل اور درویشان مخلص اور مبلغین اسلام پیدا ہوئے کہ آج بھی یہ آفتاب اس برصغیر پاک و ہند میں اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ فروزاں ہے۔

اصل میں سہروردی سلسلہ طریقت، سلسلہ طریقت قادریہ کی شاخ ہے۔ (شجرہ طریقت از سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ)

شجرۂ طریقت سلسلہ سہروردیہ

(۱) شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ (۲) امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۳) حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ

خواجہ حسن بصری

خواجہ حبیب عجمی — حضرت داؤد طائی — حضرت معروف کرخی — حضرت سری سقطی — حضرت جنید بغدادی

خواجہ عبدالواحد — شیخ فضیل بن عیاض — سلطان ابراہیم بن ادہم — شیخ حذیفہ مرعشی — شیخ ابو ہیرہ بصری

آپ کی دو نسبتیں ہیں

شیخ ممشاد علو دینوری

شیخ ابو اسحاق شامی

شیخ ابو احمد دینوری

شیخ ابو محمد بن شیخ عبداللہ معروف بعمویہ

بعض نسخوں میں شیخ ابو محمد بن شیخ عبداللہ کے بعد شیخ وجیہہ الدین

شیخ ابو نجیب ضیاء الدین

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

سلسلہ سہروردیہ

(بحوالہ کتاب مجدد الف ثانی)

چشتیہ سلسلہ طریقت

اس سلسلہ کے بانی خواجہ خواجگان امام الطریقہ حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری سنجری قدس سرہ العزیز ہیں۔ آپ قدس سرہ نے اجمیر شریف (ہندوستان) جاتے ہوئے لاہور میں حضور حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چالیس دن چلہ کشی کی۔ جب ہندوستان روانگی کے لئے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ حضرت کی پائینتی کی طرف کھڑے تھے جہاں آپ کا قیام تھا وہاں ایک حجرہ ہے جو آج بھی موجود ہے۔ آپ کی زبان سے یہ شعر نکلا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اس وقت سے حضرت علی عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ گنج بخش کے لقب سے مشہور ہو گئے ہیں۔

جب خواجہ صاحب قدس سرہ لاہور پہنچے تو اس وقت خاندان غزنوی شہر سے لاہور منتقل ہو چکا تھا اور یہ خاندان زوال پذیر تھا۔ شہاب الدین غوری پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد اجمیر پر قبضے کی کوشش کر چکا تھا۔ اگر چہ اجمیر پر قبضہ کرنے میں وہ بار بار ناکام بھی ہوا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور جب خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ کئی سالوں کی مسافت طے کرنے کے بعد اجمیر پہنچے تو شہاب الدین غوری نے اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ کتابوں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قدس سرہ ایک مدت تک حضور داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار پر معتکف رہے لاہور میں آپ کے قیام کی مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ کئی سالوں تک یہیں قیام پذیر رہے۔ (سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ)

شجرۂ طریقت سلسلہ چشتیہ

(۱) خاتم النبیین رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ (۳) خیر التابعین حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ (۴) حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہ (۵) حضرت شیخ فضیل بن عیاض قدس سرہ (۶) حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم قدس سرہ (۷) حضرت شیخ حذیفہ مرعشی قدس سرہ (۸) حضرت شیخ ابو ہبیرہ بصری قدس سرہ (۹) حضرت شیخ ممشاد علو دینوری قدس سرہ (۱۰) حضرت شیخ ابو اسحاق شامی قدس سرہ (۱۱) حضرت شیخ ابو احمد چشتی قدس سرہ (۱۲) حضرت شیخ ابو محمد چشتی قدس سرہ (۱۳) حضرت شیخ ابو یوسف چشتی قدس سرہ (۱۴) حضرت شیخ مودود چشتی قدس سرہ (۱۵) حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہ (۱۶) حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ (۱۷) خواجہ خواجگان امام الطریقہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری قدس سرہ۔ (بحوالہ کتاب حضرت مجدد الف ثانی)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ طریقت

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ ”میری ارادت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس، قادریہ میں پچیس، چشتیہ میں ستائیس اور سہروردیہ میں چوبیس واسطے درمیان ہیں۔ لہٰذا ذیل میں ان واسطوں کی تفصیل کے لئے شجرے درج کئے جاتے ہیں۔ ان سلسلوں کے بانی حضرات کے شجرہ جات تحریر کئے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف آپ سے لے کر بانی حضرات تک تحریر کرتا ہوں۔ (از سوانح عمری مجدد الف ثانی قدس سرہ)

سلسلہ چشتیہ	سلسلہ قادریہ
1- حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری	غوث الثقلین حضرت سید محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
2- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی	حضرت سید عبد الرزاق
3- حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود اجودھنی گنج شکر	حضرت سید شرف الدین
4- حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر	حضرت سید عبد الوہاب
5- حضرت شمس الدین ترک پانی پتی	حضرت سید بہاؤ الدین
6- حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی	حضرت سید عقیل
7- حضرت شیخ احمد عبد الحق رودولوی	حضرت سید شمس الدین صحرائی
8- حضرت شیخ محمد عارف	حضرت سید گدا رحمٰن
9- حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی	حضرت شاہ فضیل
10- حضرت شیخ رکن الدین	حضرت شاہ کمال کیتھلی
11- حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد	حضرت شاہ سکندر
حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: سلسلہ قادریہ میں بعض نسخوں میں نمبر ۷ کے بعد حضرت شمس الدین عارف اور بعض نسخوں میں نمبر ۹ کے بعد شیخ احمد عارف رحمۃ اللہ علیہ درج ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ	سلسلہ سہروردیہ
1- حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی
2- حضرت مولانا یعقوب چرخی	حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی
3- حضرت خواجہ عبید اللہ احرار	حضرت شیخ صدر الدین
4- حضرت خواجہ محمد زاہد	حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح
5- حضرت خواجہ درویش محمد	حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری
6- حضرت خواجہ محمد امکنگی (خواجہ محمد قاسم) مکتوب بحوالہ نمبر ۱۶۸ دفتر اول	حضرت سید اجمل بہرایچی

7- حضرت خواجہ محمد باقی باللہ
امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
نوٹ: چونکہ حضرت یعقوب چرخی کو خواجہ نقشبند سے براہ راست کے باوجود سلوک کی تکمیل خواجہ علاؤ الدین عطار سے ہوئی ہے اس لئے بعض نسخوں میں ان دونوں حضرات کے درمیان خواہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ کا نام درج ہے۔

حضرت سید بڈھن بہرائچی
حضرت شیخ درویش محمد بن قاسم
حضرت مخدوم عبدالقدوس گنگوہی
حضرت شیخ رکن الدین
حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا آغاز

حضرت مخدوم عبدالاحد قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے بعد چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز سے ملاقات اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں شرف بیعت و خلافت کی سعادت حاصل ہوگئی تھی۔ نیز یہ کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ وقت کے تقاضوں کے عین مطابق احیائے دین، ترویج سنت اور اشاعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پوری طرح گامزن تھا۔ اس لئے آپ پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا قدرتی طور پر غلبہ ہوگیا اور یہی آپ کا پسندیدہ مسلک رہا اس لئے آپ سے فیض پانے والے اور نسبتیں قائم کرنے والے نقشبندی مجددی کہلانے لگے اور اس طرح سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ آپ سے چلا اور آج تک چل رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ آج تک بہت بڑی تعداد میں اس سلسلہ میں مشائخ اور خلفاء ہوئے ہیں اور ان سے نسبت رکھنے والے ہندوستان و پاکستان و دیگر ممالک میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور اس سلسلہ کے مشائخ عظام سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

قارئین حضرات آپ نے اس سے قبل تحریر شدہ بیانات سے محسوس کیا ہوگا اور کچھ اس کے بعد تحریریں جو کہ بزرگان دین نے بیان فرمائی پڑھ کر پختہ یقین ہو جائے گا کہ روز اول سے بنی نوع انسان استاد اور شاگرد کے رشتہ سے منسلک رہا ہے۔ اگر استاد اچھا اور نیک مخلص ہوگا تو اس کا شاگرد بھی ویسا ہی ہوگا بشرطیکہ شاگرد اپنے استاد کا صحیح فرمانبردار ہو۔ اور اگر استاد نالائق اور گمراہ ہوگا تو اس کا شاگرد بھی اپنے استاد کی راہ پر چل کر گمراہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی محترم و معظم حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تک کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول اپنی مخلوق خاص کر بنی نوع انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے ان سب کا استاد خود اللہ تعالیٰ تھا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا تو نبی کریم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال پر فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کا کام میری امت کے علماء کرام سرانجام دیں گے ایک مشہور حدیث ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ جس طرح جنہوں نے اپنے وقت کے نبی اور رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوگئے اور جنت کے حق دار بن گئے جس کا شاہد (گواہ) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی لاریب کتاب قرآن کریم اور فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جنہوں نے شیطان کی راہ اختیار کی وہ دوزخ والے ہوگئے۔ بالکل اسی طرح قیامت تک اولیاء کرام اور علماء کرام کی جس جس نے متابعت کی اور ان کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزاری انشاء اللہ تعالیٰ اس جہان میں بھی اور آخرت میں کامیاب ہوں گے اور جنہوں نے ان کی مخالفت کی اور شیطان کے راستے چلے وہ دونوں جہان میں ناکام ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا پائیں گے۔

(مؤلف)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا سلسلہ نسب

آپ قدس سرہ کا شجرہ نسب کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ'' کے صفحہ نمبر ۲۹ سے نقل کیا جاتا ہے۔

آپ قدس سرہ کی رگوں میں اس مشہور فاتح اعظم کا خون تھا جس نے مختصری فوج اور بے سروسامانی کے باوجود ظالم اور جابر بادشاہوں کو سرنگوں کر دیا تھا اور زور بازو وقوت اور تدبر سے عظیم ترین سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے اور اپنی روحانی قوتوں سے مستحکم تہذیبوں کی بنیاد ہلا دی تھی۔

نسب تحریر کیا ہو اس شہ گردوں مقامی کا　　شرف خورشید پاسکتا نہیں جس کی غلامی کا
شہنشاہوں کے دل ہیبت سے جس کے ہوگئے پانی　　وہی فاروق اعظم نام ہے جد گرامی کا

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ کا نسب مبارک ستائیس واسطوں سے سیدنا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس طرح منسلک ہے۔

(۱) مخدوم شیخ عبدالاحد بن (۲) شیخ زین العابدین بن (۳) شیخ عبدالحی بن (۴) شیخ محمد بن (۵) شیخ حبیب اللہ بن (۶) شیخ امام رفیع الدین بانی قلعہ سرہند شریف بن (۷) شیخ نصیر الدین ثانی بن (۸) شیخ سلیمان بن (۹) شیخ یوسف ثانی بن (۱۰) شیخ اسحاق بن (۱۱) شیخ عبداللہ بن (۱۲) شیخ شعیب بن (۱۳) شیخ احمد بن (۱۴) شیخ یوسف بن (۱۵) شیخ شہاب الدین (المعروف بہ فرخ شاہ کابلی) بن (۱۶) شیخ نصیر الدین بن (۱۷) شیخ محمود بن (۱۸) شیخ سلیمان بن (۱۹) شیخ مسعود بن (۲۰) شیخ عبداللہ واعظ اصغر بن (۲۱) شیخ عبداللہ واعظ اکبر بن (۲۲) شیخ ابوالفتح بن (۲۳) شیخ اسحاق بن (۲۴) شیخ ابراہیم (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) بن (۲۵) حضرت سالم (شیخ ناصر یا شیخ عبداللہ) رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بن (۲۶) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن (۲۷) امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اگر چہ محتاج تعارف نہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ یقیناً باعث برکت وحصول سعادت ہوگا۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو کئی اعتبار سے بڑی فضیلتیں حاصل ہیں۔ مثال کے طور پر آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جس باکمال شخصیت پر ملتا ہے وہ حضرت کعب بن لوی ہیں جو خود ایک بلند مرتبہ شخصیت ہیں حضرت کعب کی یہ عادت تھی کہ اکثر قریش کو جمع کر کے وعظ ونصیحت کیا کرتے اور ان کے اپنے فصیح وبلیغ قصیدوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبریں دیتے اور مشتاق بناتے تھے ان کے قصیدوں کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

علی غفلۃ یاتی النبی محمد　　یخبر اخبارا صدوقا خبیرها

(یعنی تم غفلت نبی میں رہ جاؤ گے اور نبی سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے۔ وہ بہت سی خبریں سنائیں گے اور وہ خبریں دینے والے بہت سچے ہوں گے) (جمع الفوائد وحاشیہ التاج در بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عن ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ)

غرض کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت کعب تک اس طرح ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن (۱) الخطاب بن (۲) نفیل بن (۳) عبدالعزیٰ بن (۴) رباح بن (۵) عبداللہ (۶) قرط بن (۷) زراح بن (۸) عدی بن (۹) کعب اور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ واسطوں سے کعب تک ملتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے نسب نامہ کی تحقیق میں نہایت درجہ سعی وکوشش کی گئی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے کے نام کا اختلاف کسی طرح حل نہ ہوسکا (صاحب کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۳ پر ایک نقشہ درج کیا ہے

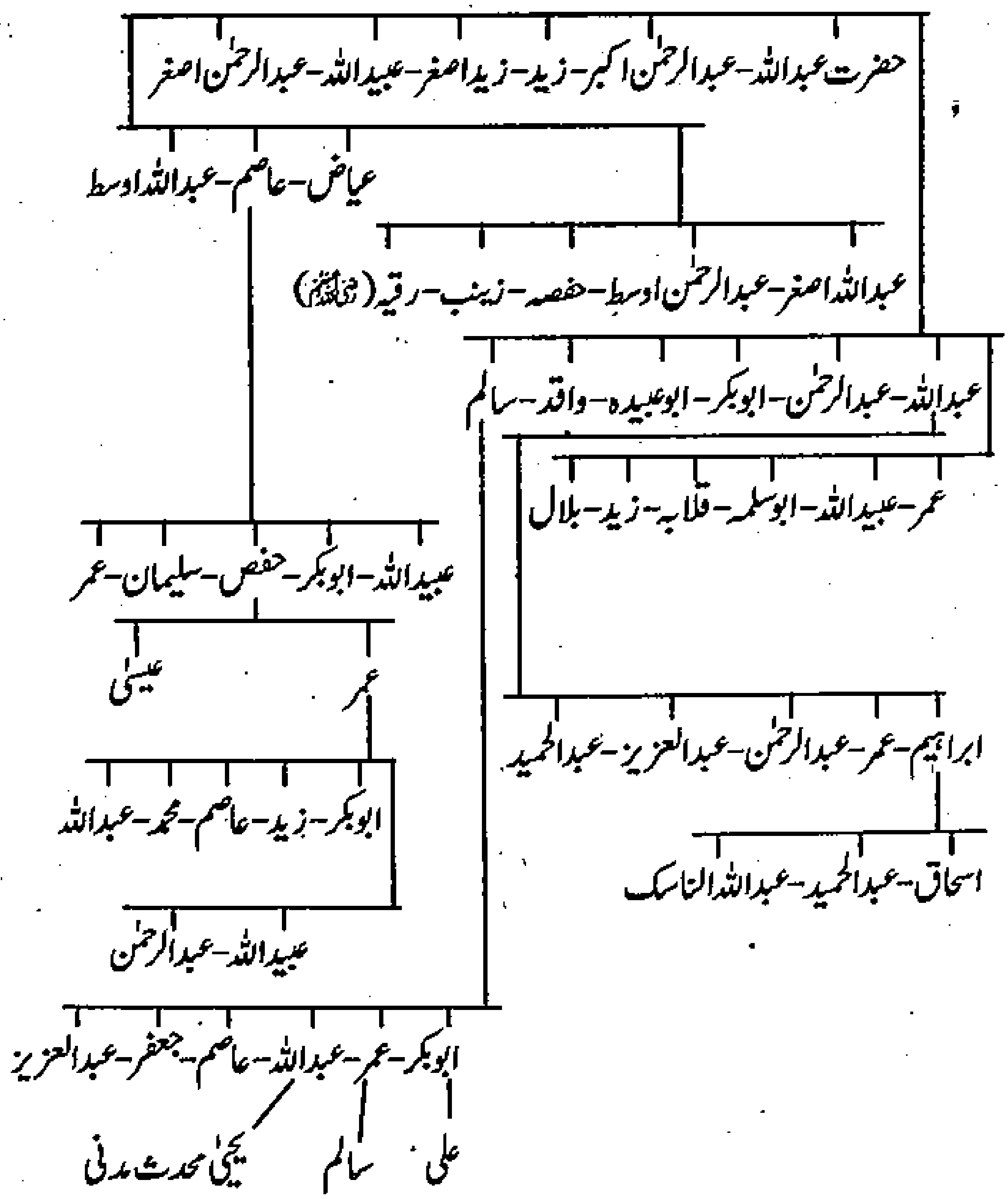
تا کہ قارئین حضرات کو بھی اس کا اندازہ ہو سکے اور محققین حضرات بھی تلاش و جستجو فرما کر اس مسئلہ کو حل فرما سکیں) لیکن مولف اس کو یہاں نہیں درج کرتا۔

کیونکہ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا اس میں ایک مؤرخ نے اپنی کتاب میں عاصم بن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لکھا ہے جس کا نام عباسی گورکھپوری ہے۔ دو کتابوں کے مصنفین نے ناصر الدین بن حضرت عبداللہ لکھا ہے اور چھ کتابوں کے مصنفین نے عاصم اور ناصر الدین کی بجائے ناصر رضی اللہ عنہ لکھا ہے اور عباس گورکھپوری نے ابراہیم کے بعد چار اور ناموں کا اضافہ کیا ہے اور ابراہیم کے نام کے ساتھ بن ادہم تارک السلطنت بھی لکھا ہے جبکہ مولانا اشرف علی تھانوی موائد العوائد میں حضرت ابراہیم کا شجرہ اس طرح نقل کرتے ہیں۔ ابراہیم بن ادہم بن منصور بن مندہ بن یزید بن ابر بن ثعلبہ بن سعد بن خلاج بن غزیہ بن اسامہ بن ربیعہ بن ضبیعہ بن عجل اس طرح ابراہیم بن ادہم عجلی ہیں۔ قریشی یا فاروقی نہیں ہیں (اشرف السوانح ج ۳ ص ۲۳۱) اس طرح یہ مسئلہ حل ہونے کی بجائے اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

لیکن صاحب کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اس کتاب کے صفحہ ۳۴ پر سیدنا حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد کا ایک نقشہ درج کیا ہے وہ مولف بھی یہاں نقل کرتا ہے کیونکہ اس سے امید کی جاتی ہے کہ یہ مسئلہ شاید حل ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیں جمہرۃ الانساب اور طبقات ابن سعد وغیرہ سے مرتب کرکے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ (نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مذکورہ بالا نقشہ سے صاف واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادوں میں عاصم نامی کوئی صاحبزادہ نہیں بلکہ عاصم تو حضرت عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ تحریر میں سہواً کسی اور وجہ سے عبداللہ کی بجائے ناصر لکھا گیا۔ ایک کتاب والے سے غلطی ہوئی لیکن دوسروں نے بھی بغیر تحقیق کے اسی طرح نقل کیا لہٰذا اگر ناصر کی بجائے عبداللہ لکھ دیا جائے تو یہ شجرہ یعنی اسحٰق بن ابراہیم بن عبداللہ بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درست ہوتا ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ چونکہ کسی نے ایسا نہیں لکھا اس لئے ہم نے صاحب عمدۃ المقامات کی نشاندہی پر حضرت سالم کا نام لکھ دیا'' واللہ اعلم'' (کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ص ۳۴)

امیرالمؤمنین سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔



(سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سے اخذ کیا گیا ہے۔)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

اب سیدنا حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک دو بزرگوں کے ارشاد پیش کرتا ہوں تا کہ یہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی شان کتنی بلند ہے۔

(۱) کتاب ''ماہ اجمیر'' کے مصنف ابوالوفا قاری فیض المصطفیٰ عتیقی خطیب جامع مسجد بہار مدینہ بوچھال کلاں چکوال اس کتاب میں ساتواں وعظ نورانی خطبہ مبارک کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور پیران پیر روشن ضمیر سیدنا و مولانا عبدالقادر جیلانی المعروف غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عرصہ پہلے گزر چکے ہیں۔ حضرت سیدی و مولائی سیدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی ہستی ہیں ان کی عظمت ان کی شان ان کا مقام کا اندازہ اس بات سے آپ خود لگالیں کہ ایک دن سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی المعروف حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا گیا تو غوث پاک نے فرمایا کہ او میرے مریدو، اگر داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ میرے زمانے میں ہوتے تو ہم داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو جاتے۔ اللہ وغنی۔

حضرات آپ کو معلوم ہے یہ غوث پاک کون ہیں یہ وہ غوث پاک ہیں جن کا فرمان ہے کہ ''قدمی ھذا علی رقبة کل ولی اللہ'' غوث پاک فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے ولیوں، میرا یہ قدم تمام ولیوں کی گردنوں پر ہے۔ وہ بھی میرے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مرید اور غلام بننا چاہتا ہے۔

قربان جاؤں داتا تیری شان پر۔

(۲) کتاب ''ماہ اجمیر'' ہی میں اس سے آگے لکھتے ہیں کہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جن کو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین الہند اور ولیوں کا سردار فرمایا تھا لیکن آج وہی خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب میرے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں تو پاؤں کی جانب بیٹھ کر چالیس دن تک چلہ کاٹتے ہیں۔ سبحان اللہ، یہ اللہ والے اللہ والوں کے ادب کو جانتے ہیں۔ حضرات محترم جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر روحانیت اور معرفت حاصل کرنے کے لئے اور سند ولایت پانے کے لئے چلہ کشی کر رہے تھے تو آپ ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی ایسی تلاوت فرماتے کہ سننے والے عش عش کر اٹھتے تھے۔ اللہ پاک نے پیاری اور ولایت کی زبان دی تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کی مدت پوری کر لی تو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی کہ یا میرے داتا چلہ پورا ہو گیا ہے۔ حاضری کے دن اختتام تک آن پہنچے ہیں۔ حضرت نظر کرم فرمایئے اور اپنی بارگاہ سے سند ولایت عطا فرمایئے لیکن داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک سے کوئی آواز نہ آئی کوئی جواب نہ ملا۔ میرے خواجہ پیا نے دل میں سوچا کہ شاید داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر میری حاضری قبول نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ جواب نہیں ملا یہ سوچ کر رونے لگے اور گیا کہنے لگے کہ:

ساقی تیرے کرم پر بڑا ناز تھا مجھے ناکام جا رہا ہوں مقدر کی بات ہے

لیکن قارئین حضرات خواجہ پیا کے مقدر میں ناکامی نہیں تھی۔ بلکہ ہندوستان کی ولایت لکھی جا چکی تھی۔ ابھی آپ انہی خیالات میں گم تھے کہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے جواب کیوں نہیں ملا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ پر روحانی کشف کی کیفیت طاری ہو گئی اسی روحانی کیفیت میں داتا پاک کے مزار پرانوار سے آواز آئی کہ معین الدین عرض کی جی حضور فرمایا رو کیوں رہے ہو۔ میاں تمہاری حاضری ہماری بارگاہ میں مقبول ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی یا حضرت میں نے آپ کے دربار کی طرف توجہ کر کے آپ سے سند ولایت مانگی لیکن جواب نہیں ملا تھا۔ اس کی کیا وجہ

ہے۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک سے آواز آئی کہ معین الدین تم کمال خوش الحانی سے تلاوت قرآن پاک کرتے ہو اور ہمیں یہ تمہارا انداز بیان اور اس طرح پیاری آواز سے قرآن پڑھنا بڑا پسند ہے۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ تم اتنی جلدی ہمارے دربار سے چلے جاؤ۔ اے معین الدین اگر جانا ہی چاہتے ہو تو جاؤ ہم تمہیں ہندوالی یعنی ہندوستان کی ولایت کی سند عطا فرماتے ہیں۔ آج سے تم ہندوستان کے ولیوں کے بادشاہ ہو۔ اللہ اللہ۔ جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کرم دیکھا تو روحانی کیفیت سے بیدار ہوئے اور اپنے باطن پر نظر ڈالی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو چکے تھ۔ معرفت اور روحانیت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ اس موقعہ پر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جھوم اٹھے اور جھوم کر فرمایا:

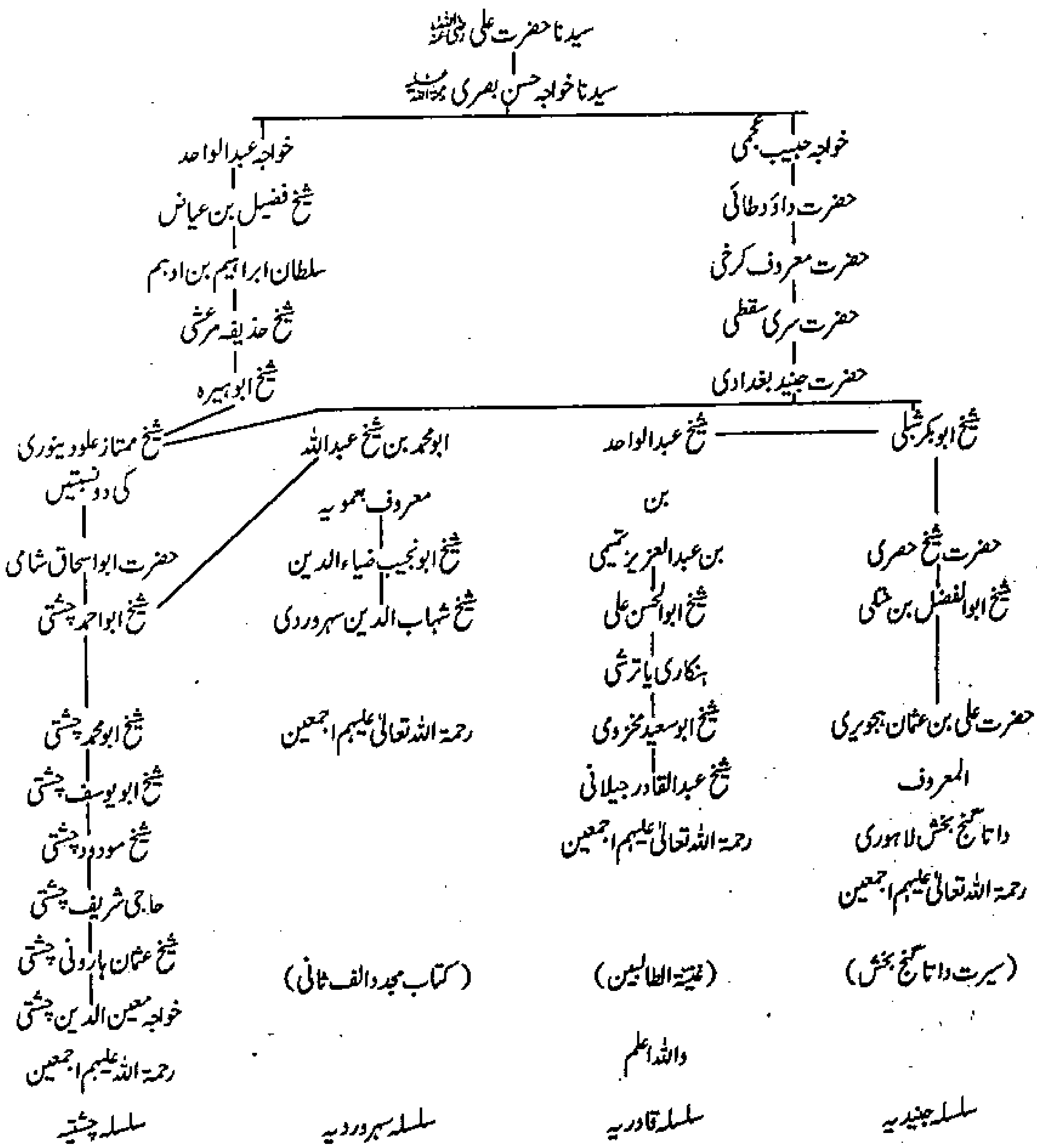
"گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما"

قارئین حضرات اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور داتا گنج بخش ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کتنی بزرگ ہستی ہیں۔

اسی بزرگ ہستی کے بیان کردہ طریقت کے بارہ فرقے اس کتاب کے آئندہ صفحات پر تحریر کیے گئے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب اور شجرہ طریقت بمع سرکار غوث پاک اور خواجہ صاحب ہندوستان کے ولیوں کے سردار رحمۃ اللہ علیہ کے شجرے نسب اور شجرے طریقت تحریر کر چکا ہوں۔ اور انشاء اللہ زندگی نے ساتھ دیا تو اس کتاب کے آخر میں ان بزرگوں کے حالات زندگی کے بارے میں بھی کچھ تحریر کروں گا۔

شجرۂ طریقت حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ سیّد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

(بحوالہ سیرت وسوانح عمری حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور کتاب حضرت مجدد الف ثانی اور غنیۃ الطالبین)



نوٹ: غور سے پڑھیں انشاء اللہ تعالیٰ سلسلوں کی نسبت کی سمجھ آجائے گی اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سلسلہ سہروردیہ میں شیخ ابومحمد بن شیخ عبداللہ کے بعد شیخ وجیہہ الدین قدس سرہ کا نام ہے۔ (کتاب مجدد الف ثانی)

مؤلف کی قارئین سے ایک گزارش

اب ایک گزارش قارئین حضرات سے کرتا ہوں کہ طریقت کے اختلاف کے متعلق کچھ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ صاحب علم تو پہلے ہی جانتے ہیں لیکن جو کم علم والے ہیں اور جو دنیاوی علم کی بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں رکھتے ہیں لیکن دینی تعلیم سے زیادہ آشنا نہیں ہیں۔ ان کو غلط فہمیاں اس کے بارے ہو سکتی ہیں۔ یہ باہمی معاملات، مجاہدوں اور ریاضتوں کے اختلاف جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے رحمت ہیں۔ لیکن یہ مذاہب یا سلاسل ایک ہی گروہ اہل سنت و جماعت سے منسلک ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ نجات پانے والے ہیں۔

وہ حدیث پاک جو بہت مشہور و معروف ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہے باقی ۷۲ جہنمی ہیں۔ اس کا بیان اس سے قبل ہو چکا ہے۔ اب ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کہ ناجی گروہ کون سا ہے اور جہنمی گروہ کون سے ہیں۔

جس طرح حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کسی کی بھی پیروی جس نے کی وہ نجات پا جائے گا''۔

اور دوسرا ارشاد مبارک کہ:

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی مانند ہیں''۔

تو اب میں گزارش کروں گا مندرجہ بالا سلاسل کے بزرگوں میں سے کسی سے بھی نسبت جس کسی نے قائم کر لی انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو جائے گا لیکن اس کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ بزرگ جس سے نسبت قائم کریں وہ ذرا سوچ سمجھ کر نسبت قائم کریں کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے یا نہیں لیکن یہ بھی ذرا مشکل کام ہے کہ آج کے دور میں ولی اللہ کی پہچان بہت مشکل ہے۔ اس کی تفصیل قبل اس کے بیان ہو چکی ہے۔ آپ پر یہاں یہ لازم ہے کہ دیکھیں کہ آیا وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتا ہے اور حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتا ہے یا نہیں اور شریعت کے تمام احکام کی پابندی کرتا ہے یا نہیں اور چہرے پر سنت رسول (یعنی داڑھی) سجائی ہوئی ہے اور پانچ وقت کی نماز کی اور رمضان شریف کے روزوں کا پابند ہے یا نہیں۔ اگر شریعت مطہرہ کا پابند ہے تو اس سے نسبت قائم کر لو اگر اس کا پابند نہیں ہے تو ہر گز اس سے نسبت قائم نہ کرو۔ آج کل جعلی پیروں کا دور دورہ ہے۔ گندم نما جو بہت فروخت ہو رہے ہیں۔ نہ نماز نہ روزہ اور نہ داڑھی چہرے پر ہے کئی بہروپ میں اپنی دکانداریاں چمکا کر لوگوں کو جو سادہ لوح ہیں کی دولت لوٹ رہے ہیں اور اپنا اور ان کا ایمان ضائع کر کے جہنم کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ خبردار! خبردار ایسے شیطانی بہروپیوں سے بچیں ورنہ پچھتاتے رہ جاؤ گے۔

حضرت سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک اہل طریقت کے مذاہب اور ان میں امتیازی فرق

شیخ المشائخ مظہر العلوم الخفی والجلی، مخدوم الاولیاء حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان الہجویری رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل طریقت کے بارہ مذہب ہیں۔ جن میں سے دو مردود اور دس مقبول ہیں۔ ان دسوں کے معاملات اور طریقت کے سلوک درست وعمدہ ہیں۔ مشاہدات میں ان کے آداب لطیف ودقیق ہیں۔ اگر باہم معاملات ومجاہدات اور ان کی ریاضتوں میں اختلاف ہے تاہم توحید اور شریعت کے اصول وفروع میں سب متفق ہیں۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اختلاف العلماء رحمۃ ی تجدید التوحید'' یعنی توحید خالص کے سوا ہر مسئلہ میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ اس قول کے موافق ایک مشہور حدیث بھی ہے۔ اخیار مشائخ کے درمیان تصوف کی حقیقت دو حصوں پر منقسم ہے ایک باعتبار حقیقت دوسرے باعتبار مجاز ورسوم۔

اب یہاں کشف المحجوب سے ان مذاہب کے نام اور مختصر طور پر ان کی تعریف تحریر کرتا ہوں۔

سلسلہ محاسبیہ

سلسلہ محاسبیہ کی نسبت ذوعقیدت حضرت ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ وہ اپنے زمانہ میں مقبول النفس وقاطع النفس تھے۔ آپ کا کلام توحید خالص کے حقائق اور اس کے فروع واصول کے بیان میں ہے۔ آپ کے تمام ظاہری وباطنی معاملات صحیح درست تھے۔ آپ کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضائے الٰہی کو مقامات کے قبیل سے نہیں مانتے تھے۔ بلکہ از قسم احوال طریقت سمجھتے تھے۔ طریقت میں یہ پہلا اختلاف ہے جو ان سے واقع ہوا۔ اس پر علماء خراسان وعراق نے گرفت ومواخذہ کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ رضا طریقت کے ایک مقام کا نام ہے جو توکل کی آخری منزل ہے۔ یہ اختلاف آج تک علماء کے درمیان موجود وبرقرار ہے۔

سلسلہ قصاری

قصاری سلسلہ کے پیشوا حضرت ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ قصار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اکابر علماء اور سادات طریقت میں سے ہیں۔ ان کا مسلک ومشرب، ملامت کی نشر واشاعت ہے۔ فنون معاملات میں ان کا کلام بلند وبالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو جتانے کے مقابلہ میں تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت بہتر سے بہتر ہونا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بہتر ہونا چاہئے جو تم لوگوں کے ساتھ ظاہر میں کرتے ہو۔ اس لئے کہ راہ حق میں سب سے بڑا حجاب یہ ہے کہ تمہارا دل لوگوں کے ساتھ مشغول ہو۔ ملامتی مشرب کے بارے میں کشف المحجوب میں بہت کچھ لکھا ہوا ہے لیکن یہاں اختصار کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

سلسلہ طیفوریہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اکابر اور سادات صوفیہ میں سے ہیں۔ یہ صاحب غلبہ اور صاحب سکر تھے۔ شوق الٰہی کا غلبہ، سکر اور محبت انسان کی محبت کسی جنس سے نہیں ہے بلکہ یہ انسان کے کسب واختیار کے احاطہ سے باہر ہے جو اس کا دعویٰ کرے۔ وہ باطل ہے اور ایسوں کی تقلید محال ہے۔ لہٰذا کسی صحت مند کے لئے سکر یعنی مدہوشی صفت نہیں ہوسکتی۔ لامحالہ آدمی سکر کو اپنی طرف لانے کی قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ خود سکر کے ہاتھوں مغلوب ہوجاتا ہے نہ وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ اس سے تکلف کی کوئی صفت ظاہر ہوتی ہے۔ اس بارے میں مشائخ کا مسلک یہ ہے کہ صاحب استقامت ہی کی پیروی اور تقلید کی جائے۔ گردش احوال کی اقتداء درست نہیں ہوتی اگرچہ مشائخ کی ایک جماعت اسے جائز رکھتی ہے کہ آدمی اپنے اختیار سے غلبہ وسکر کی راہ اختیار کرسکتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ابکوا

خان لم تبکوا فتباکوا" یعنی تضرع وزاری کرو اگر نہ کر سکو تو رونے کی سی صورت بنالو۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ریا کاروں کی مانند خود کو بھی ویسا ہی بنالو۔ یہ شرک صریح ہے۔ دوسری یہ کہ خود کو ویسا بنالو تا کہ حق تعالیٰ اس بناوٹ کو حقیقت کے اس درجہ کے مطابق بنادے جو اہل حقیقت کا ہے۔ تا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے موافق بن جاؤ "من تشبہ بقوم فھو منھم" یعنی جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہے۔ لہٰذا اقسام مجاہدے سے جس قدر ہو سکے اسے تو کرتا رہے اس کے بعد وہ خدا تعالیٰ سے امیدوار رہے کہ اس پر اس کے معنی حقیقت کھول دے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجاہدوں سے مشاہدے حاصل ہوتے ہیں۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہدے ہر لحاظ سے عمدہ اور بہتر ہیں۔ لیکن سکر و غلبہ انسان کے کسب و اختیار میں نہیں ہیں کہ مجاہدوں سے اسے حاصل کر سکے اور حصول سکر کے لئے عین مجاہات بھی علت و سبب نہیں ہیں مجاہدے صحت مندی کی حالت ہی میں ممکن ہیں اور کوئی صحت مند، سکر کی حالت کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ محال عادی ہے۔

سلسلہ جنیدیہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کو اپنے زمانہ میں "طاؤس العلماء" کہا جاتا ہے۔ وہ مشائخ کے سردار اور امام الائمہ تھے۔ ان کا طریقہ طیفوری مذہب کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔ جنیدی مسلک و مشرب تمام مذاہب میں سب سے زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ اکثر و بیشتر مشائخ جنیدی مسلک پر ہوئے ہیں۔ ماسوا اس کے طریقت کے معاملات میں ان کے اختلاف اور بہت سے ہیں لیکن میں نے اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کر کے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

سلسلہ نوریہ

نوری سلسلہ کے پیشوا حضرت ابوالحسن احمد بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو مشائخ میں علماء اعلام گزرے ہیں اور نوری کے لقب سے مشہور ہیں۔ مشائخ میں ان کے اوصاف حمیدہ اور دلائل قویہ معروف ہیں۔ تصوف میں ان کا مذہب مختار ہے۔ ان کے مذہب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فقر پر تصوف کو فضیلت دیتے ہیں اور ان کا معاملہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہے اور اس طریقہ کے نوادرات میں سے یہ ہے کہ صاحب حق صحبت میں اپنے حق کا ایثار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بغیر ایثار کے صحبت حرام جانتے ہیں۔ حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درویشوں کے لئے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ اور یہ کہ ہم نشین کا دوسرے ہم نشین کے لئے ایثار بھی فرض ہے چنانچہ ان کا ارشاد ہے۔ ترجمہ: گوشہ نشینی سے بچو کیونکہ گوشہ نشینی شیطان کی ہم نشینی ہے اور بندگان خدا کی صحبت میں آؤ۔ کیونکہ صحبت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

سلسلہ سہیلیہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ اکابر و برگزیدہ مشائخ میں سے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ کے سلطان وقت اور طریقت میں اہل حل وعقد صاحب رائے تھے۔ ان کے دلائل بہت واضح اور ان کی حکایات فہم عقل سے بہت بلند ہیں۔ ان کے مذہب کی خصوصیت اجتہاد، مجاہدۂ نفس اور ریاضت شاقہ ہے۔ مریدوں کو مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچا دیتے تھے۔

سلسلہ حکمیہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے امام وقت، تمام ظاہری و باطنی علوم کے ماہر، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے مذہب کی خصوصیت اثبات ولایت اور اس کے قواعد و درجات کا بیان ہے۔ آپ حقیقت کے معانی اور اولیاء کے درجات اس ترتیب اور ایسے انداز سے واضح فرماتے تھے گویا وہ ایک بحر بے پایاں تھے جس میں بکثرت عجیب و غریب چیزیں تھیں۔ ان کے مذہب کی ابتدائی وضاحت یہ ہے کہ وہ شخص کو یہ بتانا اور سکھانا چاہتے تھے کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو دنیا میں برگزیدہ کر کے ان کی ہمتوں کو متعلقات سے جدا کر کے اور نفس و ہوا کے ہر داعیہ سے منزہ بنا کر کسی نہ کسی درجہ پر فائز فرماتا ہے اور جو معانی کا دروازہ ان پر کھول دیا گیا ہے۔ اس کا کلام طویل ہے۔ چند اصول و قواعد کے لئے بھی شرح درکار ہے جس کو تفصیل کتاب "کشف المحجوب" میں بیان کی گئی ہے۔

سلسلہ خرازیہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت ابو سعید خرازی ﷫ ہیں۔ طریقت میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں اور تجرید وانقطاع میں ان کا مرتبہ عظیم ہے۔ فنا وبقا کے حال پر سب سے پہلے انہوں نے گفتگو فرمائی اور طریقت کے تمام رموز کو آپ نے ان ہی دو کلموں میں پوشیدہ کر دیا ہے۔

سلسلہ خفیفیہ

اس سلسلہ کے پیشوا حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی ﷫ ہیں جو اکابر سادات مشائخ میں سے مقبول ومحبوب تھے اور اپنے زمانہ میں ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ طریقت کے علوم وفنون میں ان کی تصانیف مشہور ہیں۔ آپ کے فضائل ومناقب بے حد وشمار ہیں۔ آپ مقبول زمانہ عزیز نفس اور پاکیزہ صفات تھے۔ نفسیانی خواہشوں کی پیروی سے کنارہ کش تھے۔ میں (داتا علی ہجویری) نے سنا ہے کہ انہوں نے چار سو نکاح کئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس وقت توبہ کی تو شیراز کے تمام لوگ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ جب آپ کا حال ارفع واعلیٰ ہوا تو شاہی خاندان اور رئیسوں کی لڑکیوں نے حصول برکت کی خاطر آپ سے نکاح کی استدعا کی اور آپ ان سے نکاح کرتے اور دخول سے پہلے، باکرہ حال میں طلاق دے دیا کرتے۔ البتہ چالیس بیویاں ایسی خوش نصیب تھیں جنہوں نے ایک ایک دو دو یا تین تین راتیں گزاری تھیں۔ ان میں صرف ایک بی بی چالیس سال تک ان کی صحبت میں رہی وہ ایک وزیر کی لڑکی تھی۔ تصوف میں ان کے مذہب کی خصوصیت غیبت اور حضور ہے۔ اس کا مفہوم مختصر طور پر یہ ہے کہ حضور سے مراد وہ حضور قلب ہے جو یقینی ولایت کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کے لئے غیبی حکم عینی حکم کی مانند ہو جائے اور غیب سے مراد ماسویٰ اللہ سے دل کا غائب ہونا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو کر اپنی غیبت سے بھی غائب ہو جائے اور اپنی غیبت کو بھی وہ خود نہ دیکھ سکے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ رسمی حکموں سے بھی کنارہ کش ہو جس طرح نبی ارتکاب حرام سے معصوم ہوتا ہے لہٰذا اپنے سے غیبت، حق سے حضور ہے اور حق سے حضوری اپنے سے غیبت ہے چنانچہ جو اپنے سے غائب ہو گیا وہ حق تعالیٰ کے حضور پہنچ گیا اور جو حق تعالیٰ میں حاضر ہو گیا وہ اپنے آپ سے غائب ہو گیا کیونکہ دل کا مالک حق تعالیٰ ہے۔ جب کسی جذبہ حق سے طالب کا دل مغلوب ہو جائے تو اس کے نزدیک دل کی غیبت، حضور کی مثل ہو جاتی ہے اور اس وقت دل سے شرکت و قسمت اٹھ جاتی ہے اور اپنے سے بھی نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔ (کشف المحجوب)

سلسلہ سیاریہ

سیاری سلسلہ کے پیشوا حضرت ابو العباس سیاری ﷫ ہیں جو فرد کے امام، تمام علوم کے عالم اور حضرت ابو بکر واسطی ﷫ کے مصاحب تھے۔ شہر نساء اور مرو میں ان کے مریدین بکثرت ہیں۔ تصوف کا کوئی مذہب اپنے حال پر باقی نہیں ہے لیکن ان کا مسلک اب بھی اپنے حال پر باقی ہے کیونکہ یہ دونوں اس مذہب کے رہنماؤں سے کبھی خالی نہ رہے۔ ان کے مریدین وتلامذہ نے ان کے مذہب کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور انہوں نے ان کے لئے بکثرت رسائل لکھے ہیں۔ میں (داتا علی ہجویری) نے شہر مرو میں ان کے کچھ خطوط ورسائل دیکھے ہیں جو نہایت جامع وعمدہ ہیں۔ سیاری مذہب کی خصوصیت جمع وتفرقہ ہے۔ جو تمام اہل علم کے درمیان مستعمل ہے۔ ہر گروہ نے اپنی مراد اور اپنی عبارتوں کے سمجھانے میں ان دونوں کے کلمات کا استعمال کیا ہے لیکن ہر ایک کی وضاحت ایک دوسرے سے مختلف رہی ہے چنانچہ مذہب محاسبی میں جمع وتفرقہ سے مراد کسی چیز کے شمار میں جمع اور افتراق لیا گیا ہے اور نحوی اور اصحاب لغت ان سے مراد، ناموں کو جمع کرنا اور ان کا فرق لیتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے نص کا جمع کرنا اور ان کی صفات کو جدا کرنا یا نص کا جمع کرنا اور قیاس کو جدا کرنا مراد لیا ہے اور اصول کلام والوں نے صفات ذات کا جمع اور صفات فعل کا تفرقہ مراد لیا ہے۔ لیکن مشائخ طریقت کے نزدیک ان میں سے کوئی مراد نہیں ہے بلکہ ان کی مراد وہ ہے جس کی تفصیل یہاں تحریر کرنے سے اختصار کی وجہ سے قاصر ہوں اس کے لئے کتاب ''کشف المحجوب'' ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر ۱۱-۱۲ ملحدوں کے حلولی فرقے

حلولیوں کے دو مردود گروہ ہیں۔ جو صوفیاء کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنی گمراہی کے اندر ایک دوسرے سے بڑھ کر

ہیں۔اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

ایک مردود گروہ اپنا پیشوا ابو حلمان دمشقی کو بتاتا ہے اور ان کی طرف ایسی روایتیں منسوب کرتا ہے جو ان کے برخلاف ہیں۔جن کو مشائخ اپنی کتابوں میں ان سے منقول لکھ چکے ہیں اور مشائخ ان کو ارباب ولایت میں سے جانتے ہیں لیکن ملحد و بے دین گروہ ان کی طرف حلول وامتزاج اور نسخ ارواح کی باتیں منسوب کرتے ہیں میں (داتا گنج بخش) نے متقدمین کی کتابوں میں ان کے اوپر طعنوں کو پڑھا ہے اور علماء اصول بھی ان کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ہیں۔صحیح حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرا مردود گروہ وہ ہے جو فارس کی طرف نسبت کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ حضرت حسین بن منصور کا مذہب ہے۔حالانکہ ان ملحدوں کے سوا حضرت حسین بن منصور کے اصحاب وتلامذہ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے میں (داتا گنج بخش) نے ابو جعفر صیدلانی کو دیکھا ہے جو چار ہزار لوگوں کے ساتھ عراق میں پھیلا ہوا ہے۔اور اپنے آپ کو خارجی کہلاتا ہے ان کے اقوال کے سبب فارس پر تمام بزرگ لعنت کرتے ہیں حالانکہ حضرت حسین بن منصور کی مصنفات میں بجز تحقیق کے کسی قسم کی لغویت نہیں ہے۔

حضور سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابو حلمان کون ہیں؟ اور ان کے اقوال کیا ہے؟ لیکن جو بھی کوئی ایسی بات کا قائل جو توحید وتحقیق کے خلاف ہو دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ دین میں جو چیز اصل ہے وہ توحید وتحقیق کا استحکام ہے۔جب کہ وہ اس میں ہی مستحکم نہیں تو تصوف جو کہ دین کی فرع اور اس کا نچوڑ ہے بدرجہ اولیٰ خلل پذیر ہوگا۔اس لئے کہ ظہور کرامات کشف اور مشاہدہ آیات الٰہیہ، اہل توحید اور دینداروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ان باطل اقوال کے ماننے والوں کی روح میں تو سراسر غلطیاں ہی غلطیاں ہیں (انہیں دین وولایت سے کیا علاقہ) یہ جاننے کے لئے اس میں کتنے فساد پھیلائے گئے ہیں کتاب ''کشف المحجوب'' ملاحظہ فرمائیں۔جس میں قانون وسنت کے مطابق ان کے احکام اور ملحدوں کے اقوال ومغالطے اور ان کے شبہات کو بیان کیا گیا ہے۔

طریقت کے تمام سلسلے اور مذاہب اعتقاد کے لحاظ سے ایک ہی گروہ ہیں

قارئین حضرات آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو میں نے طریقت کے سلسلے اور طریقت کے مذاہب کے متعلق اس سے قبل بیان کر چکا ہوں وہ سب اہل سنت والجماعت کے ایک ہی گروہ میں شامل ہیں۔ان سب کا عقیدہ ذات باری تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء کرام علیہم السلام، آسمانی کتابوں، عالم برزخ، جنت ودوزخ اور تقدیر، قیامت کے دن، صحابہ کرام، اہل بیت اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے متعلق ایک جیسا ہے۔ان میں صرف باہم معاملات ومجاہدات اور ریاضتوں میں اختلاف ہے۔تاہم توحید اور شریعت کے اصول وفروع میں سب متفق ہیں۔ان سب کے معاملات اور طریقت کے سلوک درست اور عمدہ ہیں۔جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ توحید خالص کے سواہر مسئلہ میں علماء کا اختلاف رحمت ہے۔جیسا کہ اس قول کے موافق ایک حدیث شریف بھی ہے حدیث شریف یہ ہے اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم احباب فلہ اجران واذا حکم فاجتھدد ثم اخطا فلہ اجر (بخاری مسلم ترمذی نمبر اص ۱۵۸، مشکوٰۃ ص ۳۱۶ وغیرہ) یہ حوالہ میں نے مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نوریہ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ) سے اخذ کیا ہے۔

ترجمہ حدیث: مجتہد کو صحیح رائے پر دو گنا ثواب ملتا ہے اور خطا پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔

اب میں ایک تحریر کتاب ''سوانح امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ'' مصنفہ حضرت شاہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (فاضل جامعہ ازہر ص ۳۷۷) سے پیش کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا ہم عاجزوں پر جو حق ہے اس کا اندازہ عوام نہیں کر سکتے۔یہ ایک بات مسلم ہے کہ جو کچھ آئمہ مجتہدین نے کہا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں کہا ہے۔آئمہ اعلام کے اختلاف نے امت مرحومہ کے لئے سہولت کی راہیں مہیا کر دی ہیں۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا ہے: ان اللہ لا یعذب علی قول اختلف فیہ العلماء (پروردگار اس قول پر عمل کرنے والے کو عذاب نہیں دے گا جس میں علمائے راسخین نے اختلاف کیا ہے) کتاب وسنت کے بعد آئمہ مجتہدین کا قول ہمارے لئے حجت ہے۔

حضرت عاصم فرزند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگوں کے مقدمات بہت ہو جاتے تھے۔آپ (امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ) حضرت زید رضی اللہ عنہ کے

پاس مقدمات بھیج دیتے تھے۔ اتفاق سے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ اس سے پوچھا تمہارے مقدمہ کا کیا ہوا۔ اس نے کہا امیر المومنین میرے خلاف فیصلہ ہوا ہے۔ آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اگر میں فیصلہ کرتا تو تمہارے حق میں کرتا۔ اس نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کو کیا بات روکتی ہے کہ فیصلہ کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اس سلسلہ میں میرے پاس کتاب اللہ کی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہوتی تو ان کی طرف رجوع کرتا اب تو میرے پاس میری اپنی رائے ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں اپنی رائے کی وجہ سے قاضی کی رائے کو رد کر دوں رائے تو مشیر ہے۔

سبحان اللہ کیا حق و انصاف کی بات فرمائی وہ افراد جو دو چار کتابیں پڑھ کر حضرات آئمہ مجتہدین پر رد و قدح کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر عمل کریں۔ حضرات آئمہ مجتہدین نے جان سے تن سے مال سے زبان سے دین مبین کی خدمت کی ہے۔ ایک کو شہادت نصیب ہوا اور دو نے سخت تکالیف برداشت کیں۔ لیکن مسلک حق نہیں چھوڑا۔ حضرت امام عادل نے دوسرے کی رائے کا احترام کر کے یہ سبق دیا کہ اصحاب رائے کا استخفاف نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ترجمہ: ''تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر سو تیرا رب بہتر جانتا ہے کون سوجھتا ہے۔

حضرات آئمہ کا اختلاف مکروہات و مستحبات ہی میں دائر نہیں بلکہ حرام و حلال میں بھی ہے اور تیرہ چودہ سو سالوں سے ہر امام کا مقلد اپنے امام کے قول پر عمل کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر ایک صواب پر ہے اور یہ ہے اختلاف امتی رحمۃ کا بیان۔ یہاں کتاب ''سوانح امام اعظم رضی اللہ عنہ'' کا بیان ختم ہوا۔

طریقت کے مذاہب یا سلاسل میں جو اختلاف ہے وہ صرف باہم معاملات، مجاہدوں میں اور ریاضتوں میں اختلاف ہے وہ صرف باہم معاملات، مجاہدوں اور ریاضتوں میں اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف ایک واقعہ کا بیان تحریر کرتا ہوں تا کہ قارئین اس کو پڑھ کر سمجھ سکیں کہ اختلاف کس نوعیت کے ہیں۔ یہ واقعہ سیدنا حضرت داتا گنج بخش ہجویری ولاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں بیان کیا ہے۔ تذکرہ خلفائے راشدین کے عنوان میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے شیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الانام علیہم السلام خلیفہ و امام تارکین دنیا کے سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ، آفات دنیاوی سے پاک وصاف، امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان ابی قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں اور معاملات و حقائق میں آپ کے نشانات و دلائل واضح ہیں۔ تصوف کے سلسلہ میں آپ کے کچھ حالات کتابوں میں مذکور ہیں مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ اور صاحبان علم و عرفان میں آپ کو مقدم رکھا ہے۔ چونکہ آپ کی مرویات بہت کم ہیں اسی طرح حضرت فاروق اعظم سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے کیونکہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت، صحیح روایتوں میں مرقوم اور اہل علم کے درمیان معروف ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راتوں میں تلاوت قرآن کریم نماز میں کرتے تو نرم و آہستہ آواز میں کرتے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو بلند آواز سے تلاوت قرآن کریم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تم کس وجہ سے نرم و آہستہ آواز سے تلاوت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ''اسمع من اناجیه'' جس سے مناجات کرتا ہوں وہ خوب سنتا ہے۔ چونکہ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے دور نہیں ہے اور اس کی سماعت کے لئے نرم یا بلند آواز سے پڑھنا دونوں برابر ہیں اور جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے عرض کیا ''اوقظ الوسنان ای النائم واطرز الشیطان'' یعنی سوتے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ یہ مجاہدے کی علامت ہے اور وہ مشاہدے کا نشان۔ مجاہدے کا مقام، مشاہدے کے پہلو میں ایسا ہے جیسے قطرہ دریا میں یہ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'هل انت الاحسنة من حسنات ابی بکر'' اے عمر! تم ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو۔ جبکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بطل جلیل جن سے اسلام کی عزت و رفعت ملی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں تو غور کرو کہ سارے جہاں کے لوگ کس درجہ میں ہوں گے۔

اب انشاء اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اور اپنے پیر و مرشد کی نگاہ کرم سے اس کتاب کا دوسرا حصہ تحریر کیا جائے گا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، شہداء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور اولیاء کرام رحمہم اللہ میں سے چند کے حالات زندگی مختصراً بیان کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

لیکن اس سے قبل مولف اپنے پیر و مرشد آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کا شجرہ نسب اور شجرہ سلسلہ طریقت تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنی دلی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔

نقشبندیہ، مجددیہ شجرہ سلسلہ طریقت تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

(یعنی سید حضرت نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ طریقت سیدنا حضرت سید شیخ بہاؤالدین المعروف شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تک اس سے قبل صفحات پر تحریر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم اور ان کے بھائی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو فیض ملا ان سے خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید قدس سرہ کو اپنے والد صاحب اور چچا دونوں سے فیض ملا اور ان سے حضرت خواجہ محمد حنیف قدس سرہ کو ان سے حضرت شیخ محمد راز دان قدس سرہ کو ان سے حضرت خواجہ محمد ذکی مظہری قدس سرہ کو ان سے حضرت خواجہ محمد زمان قدس سرہ کو ان سے حضرت حاجی احمد قدس سرہ کو ان سے حاجی شاہ حسین قدس سرہ کو ان سے حضرت سید امام علی شاہ صاحب قدس سرہ مکان شریفی کو ان سے حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ بن حضرت سید امام علی شاہ صاحب قدس سرہ کو ان سے حضرت بابا حضرت امیر الدین قدس سرہ کو آپ کی اول بیعت قیوم العالم حضرت سید امام علی شاہ صاحب قدس سرہ سے ہوئی اور تکمیل کا مرحلہ آپ کے صاحبزادے حضرت سید صادق علی شاہ صاحب قدس سرہ سے ہوا آپ سے خرقہ خلافت اعلیٰ حضرت شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تاجدار آستانہ عالیہ شرق پور شریف کو ملا۔ آپ سے میرے آقا و مولا حضور سیدی حضرت سید نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کو خرقہ خلافت ملا۔ آپ سے آپ کے لخت جگر حضور سیدی و مولائی حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کو خلافت ملی اور آپ نے اپنے لخت جگر حضور سیدی حضرت سید عظمت علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالیٰ المعروف چن جی سرکار کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ میرے آقا و مولا حضرت سید عظمت علی شاہ بخاری مدظلہ العالیٰ کے دو صاحبزادے ہیں۔ سید محمد علی حسنین شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی اور سید سجاد حیدر علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی۔ سید محمد علی حسنین شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کا خلافت کا اعلان بھی آپ کے محترم دادا جان مدظلہ العالی نے فرمادیا ہے۔ اور آپ کے برادر محترم سید سجاد علی حیدر شاہ صاحب کی بیعت آپ کے دادا جان مدظلہ العالی نے شرق پور شریف کے سجادہ نشین سے کرائی ہے۔ خود بھی آپ کو خلافت سے نوازا ہے۔ بحوالہ انشراح الصدور بتذکرہ النور اور مکتوب قطب ربانی سید حضرت امام علی شاہ صاحب قدس سرہ مکان شریف۔

شجرہ نسب تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ) سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ

میرے آقا و مولا رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین نبی کریم حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بیٹی حضرت سیدہ طاہرہ، صائمہ، زاہدہ جنت خاتون فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ آپ کے بیٹے سیدنا حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے سیدنا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے سید امام محمد باقر آپ کے بیٹے سید امام جعفر صادق، آپ کے بیٹے سید امام موسیٰ کاظم، آپ کے بیٹے سید امام علی رضا، آپ کے بیٹے سید امام محمد تقی، آپ کے بیٹے سید امام علی ہادی نقی، آپ کے بیٹے سید شہزادہ محمد ابو جعفر ثانی، آپ کے بیٹے سید طاہر ربانی، آپ کے بیٹے سید محمد، آپ کے بیٹے سید میر حمزہ، آپ کے بیٹے سید حامد، آپ کے بیٹے سید ابوالحسن، آپ کے بیٹے سید عبدالحمید، آپ کے بیٹے سید جمال الدین، آپ کے بیٹے سید ابو طاہر، آپ کے بیٹے سید داؤد کے بیٹے سید عبدالعزیز کے بیٹے سید مودود کے بیٹے سید زین العابدین ثانی کے بیٹے سید عین الملک کے بیٹے سید محمد کے بیٹے سید احمد شیر افگن کے بیٹے سید صلاح الدین سہروردی دہلوی سفید فیل مست کے بیٹے سید صالح الصوت سہروردی سفید فیل مست کے بیٹے سید یونس کے بیٹے سید سلیمان کے بیٹے سید جمال الدین ثانی کے بیٹے سید احمد کے بیٹے سید اللہ داد کے بیٹے سید عبدالوہاب کے بیٹے سید محمد کے بیٹے سید نصر اللہ کے بیٹے سید عبدالرشید کے بیٹے سید محسن کے بیٹے سید محمد کے بیٹے سید جمال کے بیٹے سید جعفر کے بیٹے سید عتیق اللہ شاہ کے بیٹے سید سکندر شاہ کے بیٹے سید عالم شاہ کے بیٹے سید حیات شاہ کے بیٹے سید غلام علی شاہ کے بیٹے سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری (آپ کا خاندان صحیح النسب بخاری ہے) رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سیدی سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری قدس سرہ العزیز کے دو صاحبزادے (۱) حضور سید محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی (۲) حضرت سید محمد جعفر علی شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضور سید محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کے صاحبزادے (۱) حضرت سید عظمت علی شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی (۲) سید عصمت علی شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی (۳) سید فراست علی شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی (۴) سیّد محمد عارف علی بخاری مدظلہ العالی (۵) سیّد محمد آصف علی بخاری مدظلہ العالی (۶) سیّد فیض الحسن بخاری مدظلہ العالی اور حضور سیدی سید عظمت علی شاہ بخاری صاحب المعروف چن جی سرکار مدظلہ العالی کے دو صاحبزادے (۱) سید محمد علی حسنین شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی (۲) سید سجاد علی حیدر شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی۔ (بحوالہ انشراح الصدور بتذکرہ النور)

صحت نسب کی ایک تصدیق

ایک دفعہ حضور تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم ابھی ایام خوردسالی میں تھے، ایک آدمی موضع حضرت کیلیانوالہ شریف میں آیا۔ جس کے پاس خاندان سادات بخاری کا شجرہ نسب تھا اور اپنے کو اوچہ پیر شاہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے ظاہر کرتا تھا، اس نے سادات حضرت کیلیانوالہ کو بہت تنگ کیا کہ تم خالص سید نہیں ہو سادات میں سے معمر اور بزرگ افراد نے اس کو سمجھایا کہ ہمیں تنگ نہ کرو، مگر وہ نہ مانا۔ آخر تنگ آکر سید صاحبان نے فرمایا کہ قصبہ رسول نگر میں بابا گلاب شاہ رحمۃ اللہ علیہ (جو اس زمانہ میں بہت بڑے صاحب کشف مجذوب اہل رموز میں سے تھے) کے پاس چلتے ہیں۔ وہ فیصلہ کریں گے چنانچہ شاہ صاحبان اس آدمی کو ساتھ لے کر رسول نگر پہنچے اور بابا گلاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ جس آدمی کی بات شروع کرنا چاہتے۔ اس کو تمباکو دیتے اگر مختصر بات ہوتی تو تھوڑا اور طویل ہوتی تو زیادہ تمباکو دیتے۔ وہ چلم بھر کر حقہ پر رکھ دیتا۔ بس ادھر آپ نے حقہ پینا شروع کیا ادھر بات شروع ہوگئی۔ سید صاحبان کی بات چونکہ بہت زیادہ لمبی تھی۔

اس لئے بہت زیادہ تمبا کو دیا۔ ادھر حقہ پر ٹوپی رکھی گئی ادھر مدینہ شریف سے لے کر بخارا شریف تک بزرگوں کے تشریف لانے کے حالات شروع کر دیئے، پھر بخارا شریف سے اوچہ پیر شیر شاہ سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک جہاں جہاں تشریف لائے اور سکونت اختیار کی، سبھی حالات بتائے اور اوچہ شریف سے حضرت کیلیانوالہ شریف تک بزرگوں کا تشریف لانا، مفصل طور پر بیان کر کے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اخیر میں فرمایا "یہ بہن چود تو ٹھوکا (ترکھان) ہے، قید میں ہی مرے گا"۔

شاہ صاحبان نے اسی وقت اوچ شریف میں تار دے کر حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین کو بلایا۔ وہ فوراً تشریف لائے اور بتایا کہ یہ آدمی ہمارا نوکر ہے اور ہے بھی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق ترکھان۔ چنانچہ اوچ شریف والوں نے مقدمہ کیا اور وہ آدمی قید ہو کر قید ہی مر گیا۔ (انشراح الصدور بتذکرۃ النور)

حضور نبی کریم روف الرحیم، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کچھ انبیاء کرام علیہم السلام اور چند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کچھ اولیاء کرام رحمہم اللہ کے شجرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں تحریر کئے جائیں گے۔

ختم شریف خواجہ خواجگان نقشبندیہ مجددیہ

یہ ختم شریف اس سلسلے کے بزرگوں کے حکم کے مطابق عرصہ قدیم سے پڑھا جا رہا ہے اس کا ثواب اس سلسلہ کے بزرگوں کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے اور ہمارے پیر و مرشد سرکار کیلانی نے بھی اپنے مریدوں کو اسی ختم شریف کے پڑھنے اور اس کا ایصال ثواب بزرگوں کی بارگاہ عالیہ میں پیش کرنے کی خصوصی ہدایت فرمائی ہے۔ اس لئے حصول برکت کے لئے اور قارئین حضرات خاص کر نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ طریقت کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کی رہنمائی اور سہولت کی خاطر یہاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

ختم شریف یہ ہے:

سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ شریف سات مرتبہ۔

درود شریف خضری سو مرتبہ۔

سورہ الم نشرح بمعہ بسم اللہ شریف اناسی مرتبہ۔

پھر درود شریف خضری سو مرتبہ۔

سورہ اخلاص بمع بسم اللہ شریف ایک ہزار مرتبہ۔

یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ. یَاکَافِیَ الْمُهِمَّاتِ. یَاشَافِیَ الْاَمْرَاضِ. یَادَافِعَ الْبَلِیَّاتِ. یَاحَلَّ الْمُشْکِلَاتِ. یَامُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ. یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ. یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ. یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ. یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ. یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

ہر کلمہ سو سو مرتبہ پڑھا جائے۔

دعا:

اِلٰهِیْ اَنْتَ فِیْ حَالِیْ مُحَوِّلْ
فَبَدِّلْ ذِلَّتِیْ بِالْعِزِّ بَدِّلْ
فَسَهِّلْ یَا اِلٰهِیْ کُلَّ صَعْبِ
بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ سَهِّلْ

شَیْئًا لِلّٰہِ چوں گدائے مستمند

المدد خواہم زشاہِ نقشبند

نوٹ: برائے فتح مقدمہ بعد زوال قبل ظہر پڑھیں، فراخی رزق کے لئے بعد نماز عصر اور دیگر ضروریات کے لئے بعد نماز فجر پڑھیں۔

وہ اسماء گرامی جن کو بالخصوص ایصال ثواب کرنا ہے

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت محمود دریوگری رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ سید بہاؤالدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت خواجہ املنکی رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ۔ (مطبوعہ دارالتبلیغ آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ حضرت کیلیانوالہ شریف، گوجرانوالہ)

خصوصی توجہ فرمائیں

تمام بزرگان دین واہل انعام ہستیوں کا اول وآخر صرف اور صرف اہل سنت و جماعت کے عقائد واعمال صالحہ پر کاربند ہو کر بارگاہ ربوبیت و رسالت میں مقامات قرب حاصل کرنا ہے۔

مآخذ کتب

(۱) قرآن پاک ترجمہ کنزالایمان .... حضرت مولانا امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
(۲) تفسیر الحسنات (تفسیر قرآن) .... علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ
(۳) تفسیر ابن عباس .... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
(۴) تفسیر خزائن العرفان .... مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
(۵) مشکوۃ شریف .... امام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء رحمۃ اللہ علیہ
(۶) کشف المحجوب .... حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
(۷) غنیۃ الطالبین .... حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ
(۸) بہارِ شریعت .... صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ
(۹) اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ .... حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۰) کتاب حضرت مجدد الف ثانی .... حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۱۱) مکتوبات امام ربانی (اردو) .... حضرت مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲) انشراح الصدور بتذکرۃ النور .... حضرت سید منیر حسین شاہ صاحب جوکالوی
(۱۳) سوانح عمری امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ .... حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۴) انیس الطالبین .... حضرت صلاح بن مبارک بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(۱۵) تحفہ جعفریہ .... حضرت مولانا محمد علی صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۶) سیرت سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش .. اکمل اویسی پیرزادہ
(۱۷) سیرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ .... حضرت علامہ عبدالرحیم خان بخاری
(۱۸) سوانح عمری مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ .. مدثر سرور چاند
(۱۹) کتاب ''ماہِ اجمیر'' .... قاری فیض المصطفیٰ عتیقی خطیب چکوال
(۲۰) مقالاتِ کاظمی .... بزم سعید جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان
(۲۱) مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ .... مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف
(۲۲) فضائل درود وسلام .... مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف
(۲۳) مختصر تعارف سلسلہ نقشبندیہ .... مطبوعہ دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف
(۲۴) حضرت امیر معاویہ اہل حق کی نظر میں .... قاری حافظ سید محمد عرفان شاہ مشہدی
(۲۵) نور الہدیٰ .... علامہ محمد رفیق کیلانوی
(۲۶) رسالہ فرقہ ناجیہ .... مولانا ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی

ارشادِ باری تعالیٰ :-

ہم کو سیدھا راستہ چلا ۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا (سورۂ فاتحہ ترجمہ کنز الایمان) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُن کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا، صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے ۔ (پارہ ۵ سورۃ النساء آیت ۶۹، ۷۰، کنز الایمان)

انعام یافتہ حضرات

انبیاء کرام علیہم السلام

حصہ دوم

جلد اول

مؤلف

محمد نذیر نقشبندی مجددی کیلانی

زاویہ پبلشرز

(C-8 محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-37248657

موبائل: 0300-4505466 - 0300-9467047

Email:zaviapublishers@yahoo.com

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو

قطب الاقطاب سرتاج الاولیاء شمس العارفین، سراج السالکین اعلیٰ حضرت

پیر سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

قیوم العصر، فخر الاصفیاء شیخ کامل، مرشد برحق حضور قبلہ عالم

الحاج حضرت پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب بخاری نقشبندی، مجددی دامت برکاتہم العالیہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

فخر السادات، عالمی مبلغ اسلام امین مسلک امامِ ربانی، سیدی وسندی

حضور قبلہ حضرت پیر سید محمد عظمت علی شاہ صاحب بخاری

المعروف چن جی سرکار دامت برکاتہم العالیہ

زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

کے نام کرتا ہوں

احقر

محمد نذیر

اظہار تشکر

سیدی وسندی پیر طریقت حضرت پیر سید محمد عظمت علی شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم العالیہ المعروف چن جی سرکار زیبِ سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کا تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی خصوصی توجہ اور شفقت و دعا کی بدولت اس ناچیز کو اس کتاب کے مرتب کرنے اور اشاعت کی اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے حبیب کبریا ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے توفیق عنایت فرمائی اور صاحبزادگان پیر طریقت حضرت سید محمد علی حسنین شاہ بخاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز (ولی عہد) آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف اور پیر طریقت حضرت سید سجاد علی حیدر شاہ بخاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کا مشکور ہوں جنہوں نے اس فقیر کی اس کام کے لئے حوصلہ افزائی فرمائی اور پیر طریقت جناب حضرت علامہ قاری خالد محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف لختِ جگر بحرالعلوم جناب علامہ استاذ العلماء مفتی محمد نواز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل بریلی شریف سابق اوّل مدرس جامعہ محمدیہ نوریہ بھکھی شریف) مہتمم جامعہ مدینۃ العلم عالم چوک بائی پاس گوجرانوالہ جنہوں نے خصوصی توجہ فرما کر میری رہنمائی فرمائی اور اس فقیر کی اس کتاب کا اکثر جگہوں سے مطالعہ فرمایا اور اپنے جامعہ کے بہترین مدرس جناب مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہ العالی کو اس کتاب کی نظر ثانی کرنے کے لئے فرمایا اور انہوں نے اس کتاب کی نظر ثانی فرمائی۔ جناب حضرت صاحب اور مفتی صاحب کا بہت مشکور ہوں اور جناب علامہ تنویر احمد سیالوی کیرالوی مدظلہ العالی خطیب اعظم گجرات جناب پروفیسر علامہ محمد رفیق صاحب کیلانی ایم اے گولڈ میڈلسٹ مدظلہ العالی ناظم دار التبلیغ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف اور جناب علامہ عالم باعمل صوفی باصفا حضرت میاں غلام حیدر ہاشمی قریشی مدظلہ العالی لاہور جنہوں نے پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی کا اور جس جس نے میرے اس کام میں کسی قسم کی امداد فرمائی سب کا بے حد مشکور ہوں۔

احقر

محمد نذیر

تقریظ

از منظور نظر پیر سیال اور شاگرد رشید فقیہ العصر پیر سید محمد یعقوب شاہ کیراں والا شریف
مناظر اسلام خطیب پاکستان شہسوار خطابت، عالم باعمل علامہ تنویر احمد چشتی سیالوی کیرانوی خطیب اعظم گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ شاہد ہے کہ جن اقوام نے اپنے اسلاف کو فراموش کر دیا ان کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

الحمد للہ! ہم مسلمان ہیں اور اللہ کے پیارے حبیب جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی ہیں۔ دین اسلام نے ہمیں ایک پہچان دی ہے اور ہماری دنیاوی واخروی زندگی میں چراغ روشن کی مانند ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔

صوفی باصفاء وغلام سرکار گیلانی ومجاہد اہل سنت مولانا نذیر احمد صاحب کی کتاب ''انعام یافتہ حضرات'' (جلد دوم) میں حضرت صاحب نے سابقہ انبیاء علیہ السلام اور ان کی اقوام کا احوال جس تفصیل سے پیش کیا ہے اور ان کے حالات وواقعات کو اس قدر مدلل اور سحر انگیز انداز میں دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بلا شک وشبہ انہیں داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

اس کتاب کی طباعت میں مختلف کتب ادیان اور تفاسیر کے حوالے ساتھ بیان کئے گئے ہیں تا کہ کسی قسم کا شک نہ رہے اور اہل فکر تک بہترین انداز میں معلوماتی اور فکر انگیز مواد فراہم کیا ہے۔

میں نے اس کتاب کا تفصیلاً مطالعہ کیا ہے یہ کتاب سابقہ انبیاء کے احوال اور ان کی اقوام کے عروج وزوال کا بڑی تفصیل سے مواد فراہم کرتی ہے اور اہل فکر ونظر کے لئے ایک راہ متعین کرتی ہے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے اور امت رسول ﷺ ہونے پر فخر کریں اور مسلک اہل سنت اور دین کی سر بلندی کے لئے سر توڑ کوشش کریں۔

مولانا نذیر احمد کیلانی صاحب نے اس کتاب کے لئے بہت عمدہ مواد تیار کیا ہے اور ان کی یہ کاوش انشاء اللہ تعالیٰ رب کریم کے ہاں ضرور مقبول ہوگی کیونکہ

حدیث نبوی ہے۔

"ذکر الذکر الانبیاء من العبادت" (ذکر الانبیاء عبادۃ)

''انبیاء کا ذکر کرنا عبادت ہے''

گویا حضرت صاحب کی یہ کاوش مکمل طور پر ایک عبادت ہے اور دعا ہے کہ اللہ کریم انہیں ہمت اور طاقت دے اور دیگر لوگوں کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ وہ بھی اپنے دین کی بہتری اور سر بلندی کے لئے ایسی کوششیں جاری رکھیں۔

اللہ حامی وناصر ہو۔

علامہ تنویر احمد چشتی سیالوی کیرانوی
خطیب اعظم گجرات

اظہار خیال

خلیفہ مجاز آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف جگر گوشہ بحر العلوم مفتی اعظم، استاذ العلماء محمد نواز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی کیلانی
جناب قاری علامہ خالد محمود نقشبندی کیلانی العلماء صاحب دامت برکاتہم العالیہ
ناظم اعلیٰ جامعہ مدینۃ العلم عالم چوک بائی پاس گوجرانوالہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیا و مسلما

اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی ہدایت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ رسول درحقیقت بندے اور اللہ کریم کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔

دوسری امتوں کو ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مگر وہ اسے پورا نہ کر سکیں۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کی خود حفاظت فرمائی اور اس امت مرحومہ کو اس بات کی توفیق دی کہ اس نے قرآن کریم کے بعد احادیث مبارکہ کی حفاظت کا بھی اہتمام کیا۔ انہیں احادیث مبارکہ کے ذخیرے سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔

محدثین کی پیروی میں کچھ علماء نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کے اہم واقعات کو ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا اہتمام کیا جس کو بعد میں سیرت نگاری کے مستقبل فن کا درجہ حاصل ہوا۔ اس میدان میں امت کے مشہور محدثین نے اپنی خدمات پیش کیں جن میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ بطور خاص مشہور ہیں جنہوں نے کتاب ''الشفاء'' تحریر فرمائی۔

اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں سیرت کے عنوان سے کتابیں ملتی ہیں۔

اسی طرح اردو میں بھی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

کتاب ہذا کے مولف محترم محمد نذیر نقشبندی کیلانی صاحب جو کہ ایک کثیر المطالعہ شخصیت ہیں اور آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کے خصوصی خدام میں ان کا شمار ہے۔ باوجود اس کے کہ باقاعدہ کسی مدرسہ یا دارالعلوم سے فارغ نہیں لیکن انہوں نے اپنی محنت اور اپنے شیخ کامل غوث زماں، وارث فیوضات شیر ربانی، جگر گوشہ سرکار کیلانی الحاج پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی کی توجہ مبارک سے ''انعام یافتہ حضرات'' کے عنوان سے سیرت النبی کے موضوع پر بہت خوبصورت کتاب تحریر کی ہے اور دیگر انبیائے کرام کے حالات بھی مختصر طور پر لکھتے ہیں۔ اس کتاب کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھا ہے۔ میرے خیال میں عوام اہل سنت کے لئے سیرت کے موضوع پر یہ کافی معلومات افزا کتاب ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب سے لوگوں کو نفع کثیر عطا فرمائے اور مولف کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

نظر ثانی (اکثر حصہ)	قاری خالد محمود
از طرف محمد عبدالشکور کیلانی	ناظم اعلیٰ جامعہ مدینۃ العلم
مدرس جامعہ مدینۃ العلم	عالم چوک بائی پاس روڈ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

دیباچہ

اس سے قبل فقیر اس کتاب کی جلد اوّل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور نبی کریم رؤف الرحیم، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اور اپنے پیرومرشد پیر طریقت، رہبرِ شریعت، فخر السادات، پاسبان امین مسلک شیر ربانی، عالمی مبلغ اسلام، ولی کامل حضور قبلہ سیّد محمد عظمت علی شاہ بخاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ المعروف چن جی سرکار زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کی نگاہ شفقت ودعا سے شائع کر چکا ہے جو کہ حضور قبلہ عالم نے بہت پسند فرمائی اور ہر خاص وعام نے جس جس نے مذکورہ کتاب کا مطالعہ کیا بہت سراہا ہے اور اب حسب وعدہ اس کتاب کی جلد دوئم جو انعام یافتہ حضرات کے پہلے گروہ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام 'سیّدنا آدم علیہ السلام تا سیّدنا الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تک کے حالات وواقعات اور ان کے شجرۂ نسب' جس میں بیان کئے گئے ہیں پیش خدمت ہے۔ اس جلد کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے حصہ میں سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام تا سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام، سیّدنا حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اور سیّدنا حضرت لقمان حکیم علیہ السلام تک، دوسرے حصہ میں سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے حواریوں تک اور تیسرے حصہ میں حضور نبی کریم سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی اولاد پاک اور قریبی رشتہ داروں کا بیان ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کی جلد نمبر 3 اور جلد نمبر 4 اور جلد نمبر 5 جو کہ صدیقین (دوسرا گروہ) شہداء (تیسرا گروہ)، اور صالحین (چوتھا گروہ) پر مشتمل ہے یکے بعد دیگرے شائع کی جائیں گی۔

فقیر احقر

محمد نذیر نقشبندی مجددی کیلانی

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

صلی اللہ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ 253)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (کنز الایمان)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (سورہ بقرہ آیت نمبر 285)

جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور ایمان والے یقین لے آئے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ (یہ کہتے ہوئے کہ) ہم اس کے کسی رسول (پر ایمان لانے) میں فرق نہیں کرتے (کہ سب کو برحق جانتے ہیں) (کنز الایمان)

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (سورہ آل عمران آیت نمبر 84)

آپ (ﷺ) فرما دیجئے ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور (اس پر) جو ہماری طرف اترا اور جو کچھ (حضرت) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور (ان کی) اولاد پر اترا اور جو کچھ (حضرت) موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے ملا (ہم سب پر ایمان لائے اور) ہم ان میں کسی (پر ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے اور ہم نے اسی (ایک خدا) کے آگے سر جھکا دیا ہے ۝ (کنز الایمان)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ آل عمران آیت نمبر 31)

ترجمہ: (اے محبوب لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران آیت نمبر 32)

کہہ دو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ (تفسیر الحسنات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

تمہید

(ابتداء: ربیع الاوّل شریف، 1430ھ)

''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے انتہا حمد وثناء ہو جس کی بادشاہی پرجلال اور احسان نہایت وسیع ہے۔ اگلوں اور پچھلوں نے جو کچھ اس کی حمد وثناء میں کیا سب اس کی حمد کا آغاز ہے اور آسمان وزمین کے تمام بزرگوں کی تمام تر بزرگیاں اس کی عطا ہے۔ بساط قبول کی دولت اس کی عنایت سے حاصل ہوتی ہے اور عظیم عارفوں کی معرفت بھی اس کے عرفان سے عاجز ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عجز کے علاوہ مخلوق کے لیے اپنی معرفت کا کوئی راستہ نہیں بنایا۔

پاک ہے وہ جس کی کبریائی صفات کے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام کی عقل بھی عاجز ہے۔ اگر تمام کائنات کی مخلوق لاکھ سال بھی اس کی صفت عزت میں غور کرے تو آخر اعتراف کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس کے بارے میں وہ یہی جانتی ہے کہ کچھ نہیں جانتی۔

پاکیزہ درود ہوں حضور نبی کریم رؤف ورحیم، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، سیّدنا ومولانا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تمام کائنات میں بہترین ہیں اور تمام موجودات میں بزرگ وبرتر ہیں۔ جو بزم لولاک کے سردار اور تمام رسل کے سلطان ہیں۔ ہر جزو اور کل کے مقتدا اور رہنما ہیں۔ اور ان کی آل مبارک اور اصحاب عظام پر جو ہدایت کے نجوم اور دشمنوں کے لیے پیکانِ حلقوم ہیں۔ یعنی ان کے آل واصحاب راہ حق کے ستارے ہیں اور صدق وصفا میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ آل واصحاب رضوان اللہ اجمعین کی پیروی کرنے والوں پر اور پھر ان کی پیروی کرنے والوں پر قیامت تک درود ہو۔ ارشاد اللہ تعالیٰ:

اَمَّا بَعۡدُ! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ○ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ○

ترجمہ نمبر ۱: (کنز الایمان) ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔

ترجمہ نمبر ۲: تو ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے۔ (سورۃ فاتحہ) (تفسیر الحسنات)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا○

ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا (حکم مانے) تو اسے ان کا ساتھ ملے گا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا○ (سورۃ النساء، آیت 69-70، ترجمہ کنز الایمان)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا۔

فہرست

مضامین — صفحہ

باب دوئم

باب سوئم

مضامین	صفحہ

باب چہارم

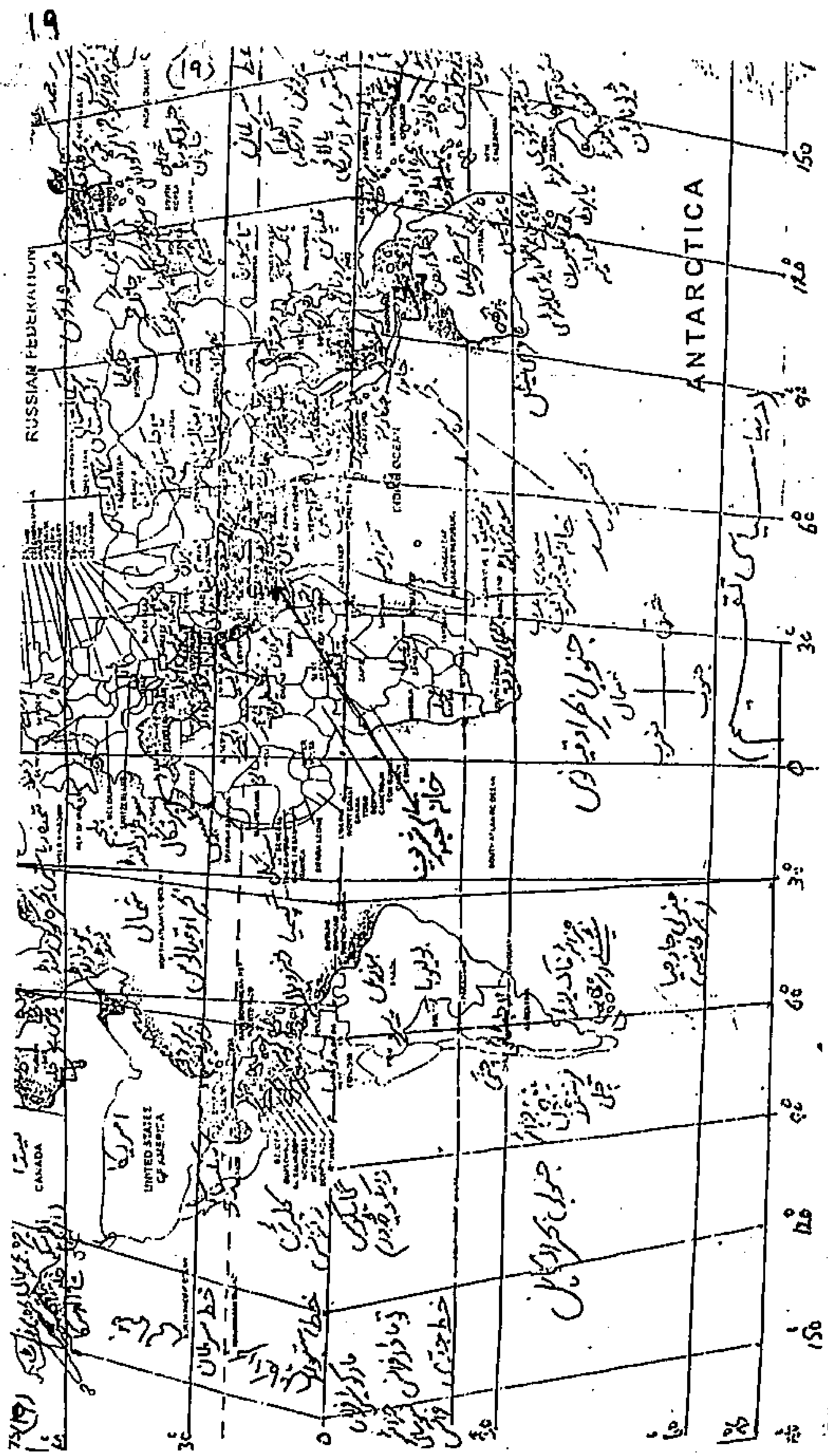
باب پنجم

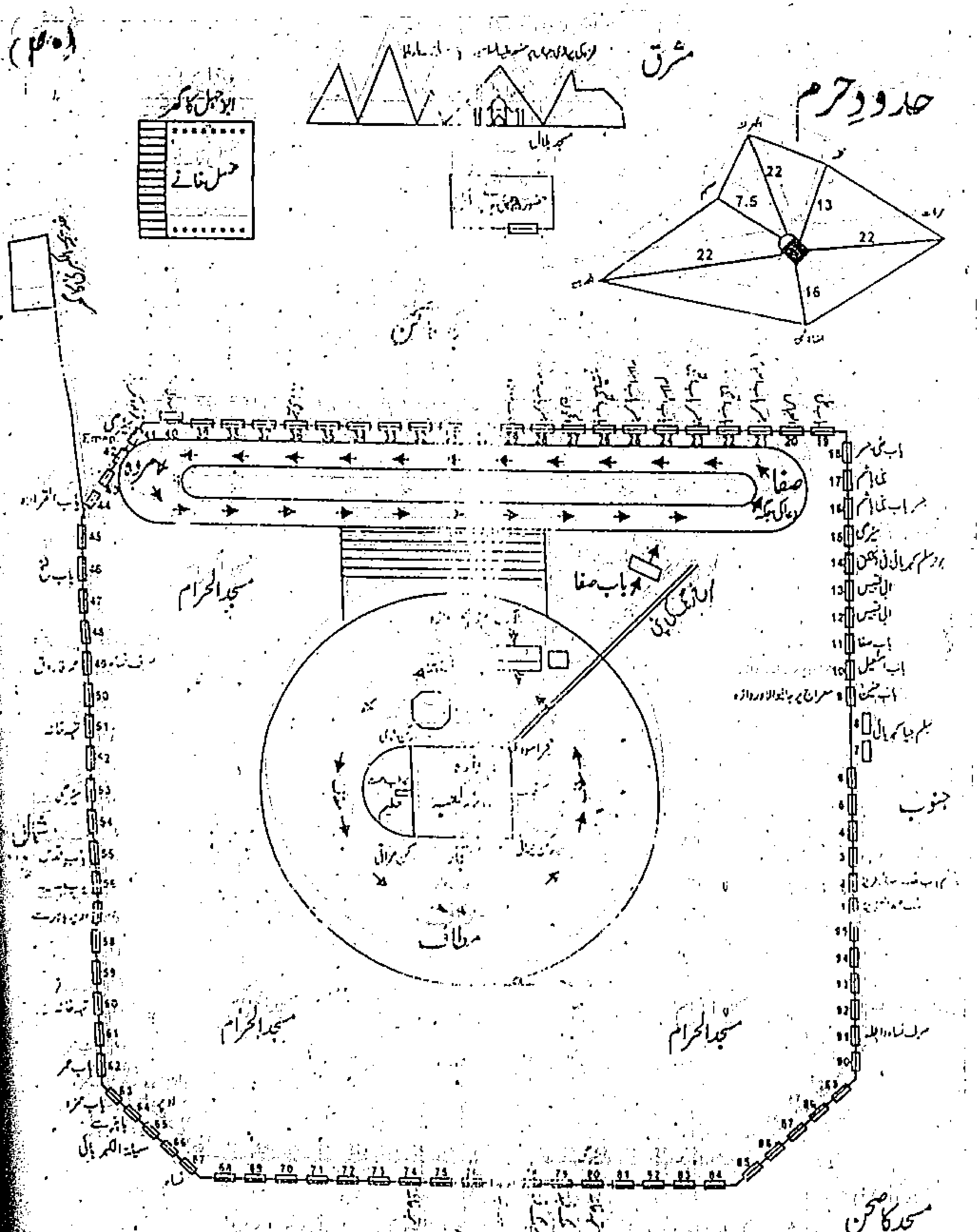
مضامین	صفحہ
نگرانی کے لئے اوران کے رہنے اور کھانے پینے کا کیا انتظام فرمایا؟	۳۳۷
مومن آلِ فرعون کا بیان اور اس کا وعظ	۳۳۸
کیا آج ہے کوئی پاکستان میں جو مومن آلِ فرعون کا کردار ادا کرے	۳۴۱
سامری کون تھا؟	۳۴۵
بنی اسرائیل کی ناشکری	۳۴۵
فرعون کا سمندر میں غرق ہوتے ہوئے ایمان کا اعلان اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے فرعون کے جسم کو بچانے کے اعلان کا بیان	۳۴۶
میدان تیہ سے نجات اور بنی اسرائیل کی سرکشی اور عمالقہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی کا بیان	۳۴۶
بنی اسرائیل نے بے ہاتھ پاؤں ہلائے من وسلویٰ ملنے کی قدر نہ کی اور ترکاریاں، ساگ، ککڑی، لہسن، پیاز اور مسور کی دال جیسی خوراک کا مطالبہ کر دیا	۳۴۷
گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ	۳۴۸
ابن حبان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبوی ﷺ	۳۴۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں قارون کا بیان	۳۴۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعلان بنی اسرائیل اور قارون سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کہا تو انہوں نے کیا کیا	۳۵۲
اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام بنی اسرائیل نے لگائے ان سے آپ علیہ السلام کو بری کر دیا	۳۵۳
حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال	۳۵۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال	۳۵۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العتیق کا ذکر	۳۵۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر وفات	۳۵۶
ذکر بناءِ قبۃ الزمان	۳۵۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ	۳۵۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت وفضائل اور وفات کا ذکر	۳۵۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا کئے گئے	۳۶۰
پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مفید مشورہ ہدایت قرآن پاک پڑھنے کے متعلق	۳۶۰

باب دوئم:

مضامین	صفحہ
سیدنا حضرت الیاس علیہ السلام	۳۶۱
قصہ الیاس علیہ السلام	۳۶۱
یوشع علیہ السلام کی نبوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہما السلام کے بعد عبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر	۳۶۴
سیدنا حضرت یوشع علیہ السلام کے مزید حالات وواقعات اور حضرت کالب علیہ السلام	۳۶۵
حضرت ابراہیم الزرتشت علیہ السلام	۳۶۷
سیدنا حضرت حزقیل علیہ السلام بن یوزی	۳۶۷
سورہ بقرہ کی آیت نمبر کا شان نزول	۳۶۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر	۳۶۸
حضرت حزقیل علیہ السلام کا مزید بیان	۳۶۸
قصہ الیسع علیہ السلام	۳۷۰
حضرت شمویل علیہ السلام	۳۷۲
قصہ شمویل علیہ السلام (اسی قصے سے داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)	۳۷۳
سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام	۳۷۸
آپ علیہ السلام کے حالات وواقعات	۳۷۸
حضرت داؤد علیہ السلام پر لگائے گئے الزام کا رد ضیاء القرآن کے حوالے سے	۳۷۹
اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طالوت کو بادشاہ بنایا طالوت اور کفار کے بادشاہ جالوت کا مقابلہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا اور پھر آپ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے نبوت اور بادشاہت ملنے کا بیان	۳۸۶
حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا کو نرم کیا گیا پہاڑ اور پرندے آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے تھے	۳۸۷
اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل کی	۳۸۸
حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کمانے کے لئے لوہے کو ان کے ہاتھ نرم کر کے زرہ سازی کا فن سکھایا	۳۸۸
حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا بیان	۳۸۹
قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ضمن میں آیت قرآنی (وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ	

تفصیل نقشہ جات

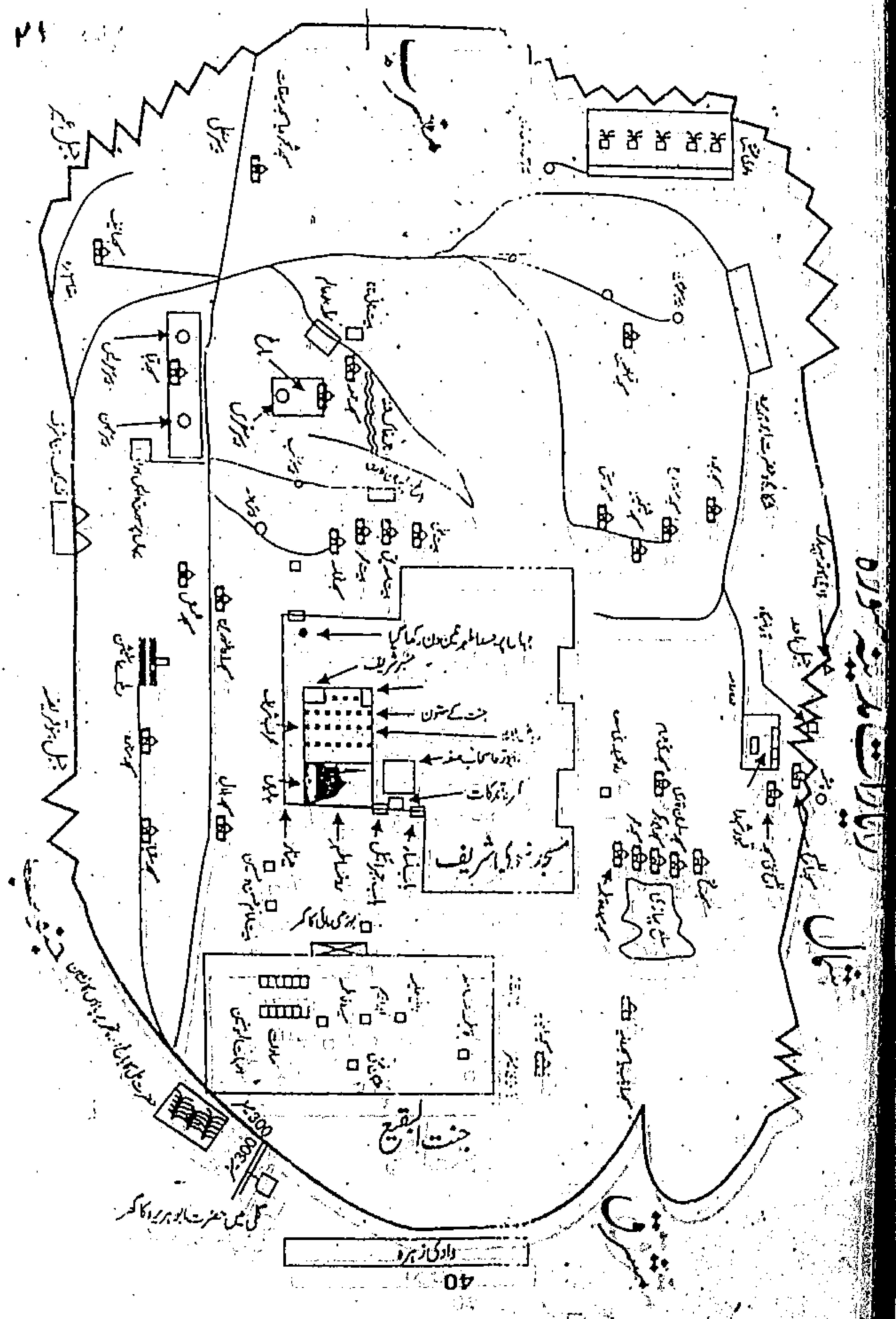

RUSSIAN FEDERATION
CANADA
UNITED STATES OF AMERICA
ANTARCTICA
INDIAN OCEAN
SOUTH ATLANTIC OCEAN
NORTH ATLANTIC OCEAN
شمال
جنوب
مشرق
مغرب

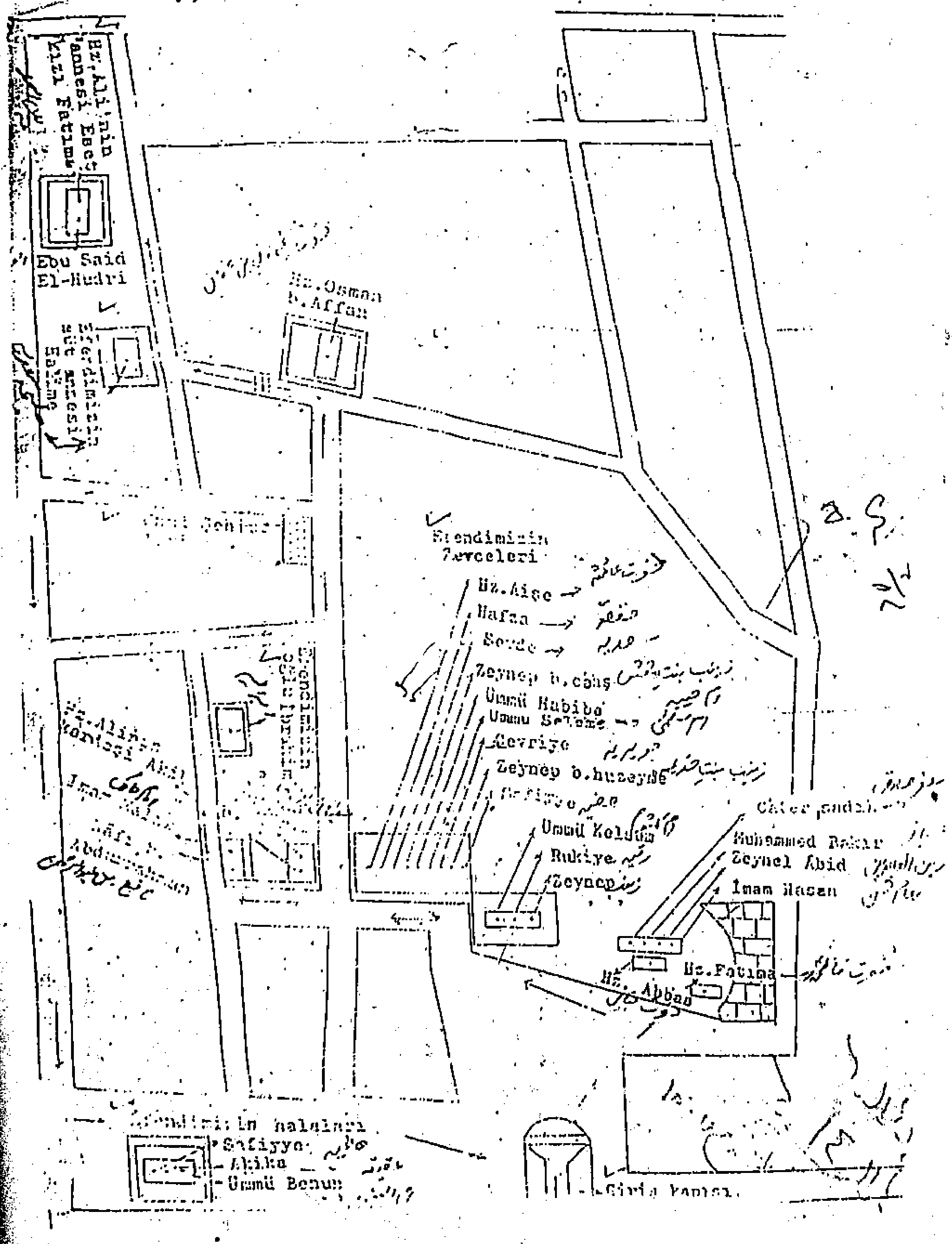


کعبہ شریف کی بلندی 14 میٹر ملتزم کی سمت لمبائی 12.8 میٹر حطیم کی سمت لمبائی 11.28 میٹر

مغرب

رکن یمانی اور حطیم کی سمت لمبائی 12.11 میٹر ... یمانی اور حجر اسود کی سمت لمبائی 11.52 میٹر


زیارات مدینہ منورہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
جبل احد
مسجد نبوی شریف
جنت البقیع
وادی زہرہ
40


Hz.Ali'nin
Annesi Ebet
Kızı Fatıma
Ebu Said
El-Hudri
Hz.Osman
b.Affan
Efendimizin
Zevceleri
Hz.Aişe
Hafsa
Sevde
Zeynep b.cahş
Ümmü Habibe
Ummu Seleme
Cevriye
Zeynep b.huzeyme
Ümmü Kelsüm
Rukiye
Zeynep
Muhammed Bakır
Zeynel Abid
Imam Hasan
Hz.Fatıma
Hz.Abbas
Safiyye
Atike
Ümmü Benun
Giriş Kapısı

باب اول:

سورۂ فاتحہ کی مختصر تشریح اور فضائل

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ سے قرآن پاک کی ابتداء فرمائی۔ یہ قرآن پاک کی پہلی سورۃ ہے۔ اس سورت سے قرآن پاک شروع کیا جاتا ہے۔
حضرت ابی سعد بن معلٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں مسجد سے باہر جانے سے پیشتر قرآن حکیم کی ایک اہم سورۃ بتاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر چلے پھر فرمایا کہ وہ سورت الحمد شریف ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور وہ بڑا ورد ہے جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل امین علیہ السلام حاضر تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے حاضر ہوا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مژدہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے دو نور عطا فرمائے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو نہیں ملے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ۔ (تفسیر الحسنات، جلد 1، ص:79)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ تمام علوم اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے قرآن کریم میں موجود ہیں اور تمام علوم قرآن کی سورۃ فاتحہ میں ہیں اور فاتحہ کے بسم اللہ میں ہیں اور خلاصہ تمام علوم کا ب بسم اللہ میں ہے۔ (تفسیر الحسنات، جلد 1، ص:68)

سورۃ فاتحہ، کھولنے والی، شروع کرنے والی:

فاتحہ کے معنی ابتداء کرنے والی۔ اس سورۃ مبارکہ کا نام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تجویز کیا۔ اس کے اور بھی نام ہیں مثلاً سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ الکنز، سورۃ مناجات، ام الکتاب، ام القرآن، سورۃ الوافیہ، سورۃ الشافیہ الرقیہ، سورۃ الصلوٰۃ وغیرہ لیکن زیادہ مشہور نام سورۃ فاتحہ ہی ہے۔

صاحب تفسیر الحسنات اس سورۃ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔ الف لام عربی زبان میں تمام اور خاص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الف لام استغراقی ہوگا یا عہدی۔ استغراقی کے معنی ہیں کہ ہر حمد ہر زمانے میں ہر حالت میں۔

حمد کا عام ہونا الف لام سے حاصل ہوا۔ حمد کے عام ہونے سے حامد کا عموم حاصل ہوگا۔ حاصل معنی یہ ہوئے کہ کوئی بھی کبھی بھی کسی حالت میں بھی تعریف کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہی تعریف ہوگی کیونکہ مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہے۔ چاند، سورج، آسمان، زمین، گلشن، بہار، نبی علیہ السلام، ولی، غوث، قطب، ابدال رضوان اللہ اجمعین کی تعریف رب تعالیٰ کی ہی تعریف ہے کیونکہ ان سب کا خالق حقیقی وہی ذات ہے۔

دوسرے الف لام عہدی اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ خاص حمد اللہ تعالیٰ کی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر حمد رب تبارک تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں۔ صرف وہ حمد بارگاہ رب العزت میں مقبول ہے جو انبیاء مرسلین علیہم السلام اور بالخصوص احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اسی لیے رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا یعنی بہت حمد فرمانے والے۔

اس سورۃ فاتحہ میں ایک بہت ہی اہم دعا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ یعنی "چلا ہم کو سیدھے راستہ پر"۔
کیونکہ دعا سب کے لیے مانگی گئی ہے۔ اس لیے صراط ہی فرمانا بہتر تھا۔ اس جگہ صراط اس لیے بولا گیا کہ پل صراط یاد آ جائے کہ اے اللہ (عزوجل)! ہمیں اس راستہ پر چلا جس سے پل صراط کو آسانی سے طے کر لیں۔

اَلْمُسْتَقِیْمَ: استقامت سے بنا ہے اس کے معنی ہیں، سیدھا ہونا۔ سیدھا راستہ وہ ہے جو بہت جلد آدمی کو منزل مقصود تک پہنچا تا ہے۔ ٹیڑھا راستہ مسافر کو منزل تک پہنچا ہی نہیں سکتا۔ جو راستہ ذات الٰہی عزوجل تک پہنچا دے وہ صراط مستقیم ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ یعنی ''اے اللہ (عزوجل)! ہم ان کا راستہ مانگتے ہیں جن پر تو نے احسان کیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اختیار کریں۔

اَنْعَمْتَ: انعام سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں نعمت دینا، نعمت لغت میں نرمی کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں سرور و لذت کو کہتے ہیں۔ جس میں راحت حاصل ہو۔ ایک نعمت یہ ہے کہ ایمان اور عمل سے جنت حاصل ہو۔ جیسے مطیع و عابد بندہ کو۔

دوسرے بغیر عمل کے جنت حاصل ہو۔ جیسے مسلمانوں کے نابالغ فوت شدہ بچے۔ حدیث پاک میں آیا کہ وہ ضد کر کے اپنے والدین کو جنت میں لے جائیں گے۔

تیسرے بغیر کسی سبب کے جنت حاصل ہو۔ جیسے حور و غلمان اور وہ مخلوق جو جنت کو پر کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہوا کہ ''اے اللہ (عزوجل)! ہم کو ان لوگوں کے راستہ پر چلا۔ جن کو تو نے دینی نعمتوں سے نوازا اور وہ لوگ وہ ہیں جن کا خود قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے: اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ (پ5، سورۃ النساء)

''وہ چار گروہ ہیں۔ پیغمبر، صدیقین، شہداء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے۔''

پیغمبروں کے سردار سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں اور اسلام صدیقین کے سردار سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نبی علیہ السلام کی نبوت کو تصدیق فرمانے والے ہیں۔ صداقت قول، عمل و ایمان میں کامل موجود تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحابی رضی اللہ عنہ فرمایا ہے۔ اور متقی کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: ''اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' ''جب فرما رہے تھے اپنے صاحب (ساتھی) سے نہ غم کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝ (سورۃ لیل، جلد 8)

''اور بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے۔ اور اپنا مال دیتا ہے تا کہ ستھرا ہو'' (کنز الایمان)

پہلے اللہ تعالیٰ کے انعام کا ذکر تھا۔ اب غضب کا ذکر ہوا۔ جس سے بندہ کو خوف پیدا ہو۔ کیونکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ الایمان بین الخوف والرجاء غیر کے تین معنی ہیں۔ نہ، سوا، مگر

غضب کے لفظی معنی ہیں جوش پڑنا۔

اصطلاح میں غضب اس حالت کا نام ہے جو دل میں بدلہ لینے کے خیال پر جوش پیدا ہوتا ہے۔ جس سے اس کا حال پلٹ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ دل سے اور حالت پلٹنے سے پاک ہے اس لیے یہاں اس کے معنی ارادہ عذاب کے ہوں گے۔

ضال: ضلال سے بنا۔ جس کے معنی ہیں حیرت جو شخص حیران ہوا سے کہتے ہیں ضال۔

عام عرف میں ضال کے معنی گمراہی یعنی بدعقیدہ ہیں نہ قرآن پاک میں جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ضلال فرمایا ہے جیسے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (سورۃ والضحیٰ) ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (کنز الایمان) وہاں لغوی معنی وارفتگی یا حیرت کے ہوں گے۔ جو شخص کسی نبی کو گمراہ تصور بھی کرے وہ خارج از اسلام ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے مراد قوم یہود اور الضآلین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ المغضوب علیھم سے مراد بدعمل، فاسق فاجر بھی ہیں۔ اور الضآلین سے مراد کفار ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کے کئی نام ہیں اور اس کے فضائل بھی بے شمار ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ٥"

"اور بے شک دیں ہم نے آپ کو سات آیتیں جو دہرائی جائیں اور قرآن عظمت والا۔"

یعنی سبع مثانی الحمد شریف کا نام ہے اور یہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور بخاری مسلم میں ہے کہ اس سے مراد الحمد شریف ہی ہے۔ یہ سورت بڑی برکت والی ہے۔ اس کے پڑھنے والا کافی اجر پاتا ہے۔ ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ حمد شکر کا راز ہے۔ بندہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کرتا ہے۔ نماز کی بنیاد اسی سورۃ پر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے۔

جب بندہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے۔ میرے بندے نے مجھے یاد کیا ہے۔

جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ میری خوبیاں بیان کر رہا ہے۔

جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے ارشاد ہوتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی و عظمت بیان کی۔

جب مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: اب یہ میری ملکیت تامہ ظاہر کر رہا ہے۔

جب کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، تو ارشاد ہوتا ہے: یہ قول میرے اور میرے بندے کے مابین مشترک ہے۔ عبادت میرا حق ہے اور استعانت بندہ کا حق ہے۔ اس نے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہہ کر میرا حق ادا کیا اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر اپنا حق مجھ سے طلب کیا۔

جب بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ ...... وَلَا الضَّآلِّیْنَ حضرت جل مجدہٗ فرماتے ہیں یہ مضمون تمام بندے کے حق میں ہے۔ میں اس کا مطالبہ پورا کروں گا۔ سیدھا راستہ پر چلاؤں گا۔ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے بچاؤں گا۔ گمراہی سے اسے محفوظ رکھوں گا۔

فضائل سورۃ فاتحہ شریف

اس سورۃ شریف کے بہت ہی فضائل ہیں جو یہاں اختصار کی وجہ سے نہیں لکھے جاسکتے۔ مختصر طور پر کچھ تحریر کئے جاتے ہیں۔ جو شخص اس سورت کو بخشوع و خضوع تلاوت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ساتوں قسم کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ انسان میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ شیطان ان کی مدد سے انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اوّل: شہوت کہ اس کی وجہ سے ہر ظلم اس کے لیے جرم محسوس نہیں ہوتا۔

دوئم حرص: کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کر گزرتا ہے۔

سوئم غضب: کہ اس کی وجہ سے وہ غیر پر ظلم روا سمجھتا ہے۔

جو شخص اس سورۂ مبارکہ کو بہ نیت دعا پڑھتا ہے وہ ان تینوں بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے سبع مثانی اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کا نماز میں دوبار پڑھنا لازم و واجب ہے۔

اور ایک قول حضرت سیّد المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے اور مجاہد بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مستثنیٰ کر کے اس امت کے لیے محفوظ رکھا۔ تو یہ سورۂ مبارکہ سوائے امت مرحومہ کسی کو نہ عطا ہوئی۔

اور قرآن عظیم جو اس کے بعد فرمایا۔ اس کے متعلق بخاری ابی سعید بن معلّٰی سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للہ وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ جو مجھے دیا گیا ہے۔

یہ سورت مجسمہ رحمت ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کے بے شمار فضائل ہیں جو میرے جیسے کم علم اور ناقص ذہن کے بس کی بات نہیں ہے۔ مندرجہ بالا میں جو تحریر کر چکا ہوں وہ بہت ہی مختصر ہے لیکن اس لیے تحریر کیا تا کہ قارئین حضرات کو سورۃ فاتحہ شریف کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے اور جو اہم دعا اس سورۃ مبارکہ میں ہے اس کا مفہوم سمجھ میں آ جائے۔ اب میں اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

اس دعا میں سیدھے راستے کی طلب ہے۔ کوئی مبتدی ہو یا منتہی یا متوسط مستغنی نہیں۔ لہٰذا بندہ کا فرض ہے کہ بوقت مناجات اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ کہہ کر ہر قسم کے افراط و تفریط سے اجتناب رکھے۔ افراط، تفریط عقائد میں بھی ہو سکتی ہے اور اعمال میں بھی۔

عقائد میں تو یہ رب جل مجدہ و عزاسمہ سے کسی کی تشبیہ جائز رکھے اور اپنے معبود کو مخلوق کے رنگ میں پیش کرے۔ اس کے لیے مکان اور جہت ثابت کرنے لگے اس کی ذات کو محتاج اسباب مانے یہ مذہب اسلام میں بالکل باطل ہے۔

ایسے ہی اعمال کی شکل میں افراط و تفریط کہ نوافل میں اتنی کثرت کرے کہ دوامی اس پر عمل پیرا نہ رہ سکے۔ اسی بناء پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''بہترین عمل وہ ہے جس پر عامل ہمیشگی کرے'' وقس علی ہذا۔

یہی وجہ ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ کے ساتھ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی بھی تصریح فرما دی یعنی صراط مستقیم میرے گمان و خیال والی نہیں بلکہ جس راہ پر چلنے والوں پر تو نے انعام فرمایا۔

اس کی وضاحت قرآن مجید میں (پارہ 5، سورۃ النساء، آیت نمبر 69) دوسری جگہ ہے کہ انعام یافتہ لوگ چار گروہ ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام، صدیق، شہید، صالح رضوان اللہ اجمعین۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ راہ راست ان چار گروہ کی راہ ہے۔

بندہ کو چاہیے کہ دعا و مناجات کے وقت اپنے رب تعالیٰ سے ان چار فرقوں (گروہوں) کی راہ طلب کرے۔

چنانچہ سورۃ النساء میں ان چار کی یوں تصریح فرمائی۔

ترجمہ: ''یعنی جو اطاعت اللہ عزوجل و رسول ﷺ کرے اور ان کے فرمان و احکام پر عمل پیرا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ محشور ہوگا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ نبیوں علیہم السلام، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین رضوان اللہ اجمعین سے۔ اور یہ گروہ اچھا رفیق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا۔''

تو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ میں راہ حق کی جستجو ہے اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں طلب رفیق راہ ہے۔ جیسا کہ مقولہ ہے:

الرفیق ثم الطریق (پہلے رفیق تلاش کرو پھر راستہ پر چل۔)

یہاں یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ

عامۂ مؤمنین کو رفاقت صلحاء لازم ہے۔

اور صالحین کو رفاقت صدیقین لازم ہے۔

اور صدیقین کو رفاقت انبیاء کرام علیہم السلام لازم ہے۔

اگر کسی کو عامہ مؤمنین سے یہ خواہش ہو جائے کہ رفاقت انبیاء کرام علیہم السلام طلب کرے۔ اُسے درجہ بدرجہ ان تین کی رفاقت ناگزیر ہے۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ تک رسائی چاہے تو وزراء حکومت کے بغیر اسے یہ رسائی ناممکن ہے۔

تو اس تقریر سے واضح ولائح ہو گیا کہ ہر درجہ، درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح طریق اہل اللہ عزوجل میں داخلہ بلا توسل اولیاء کرام ممکن نہیں اور یہ اسلام و اہل اسلام میں محمود و پسندیدہ ہے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اصل راہ عالم غیب سے انبیاء کرام علیہم السلام کو تعلیم کی گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام سے صدیقان خاص کو یہ تعلیم کی گئی اور صدیقین

سے شہداء کو اور شہداء سے صالحین رضوان اللہ اجمعین تک پہنچی۔
تو لازم آیا کہ اول معرفت انبیاء علیہم السلام حاصل ہو اس کے بعد ان تین گروہ کی معرفت حاصل کی جائے تا کہ طالب کو ان کی رفاقت حاصل ہو جائے۔

اب یہ سمجھ لیں کہ نبی کی حقیقت کیا ہے۔

نبی، صدیق، شہید اور صالحین علیہم الرضوان کی پہچان:

ارباب کلام بتاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا انسان ہے جو قوت نظری سے اشیاء کو جان لیتا ہے اور قوت عملی کے ذریعہ نیک کردار اس سے صادر ہوں۔ اور یہ ایسا انسان ہے کہ بلا واسطہ تربیت بشری کو کامل کر کے تاثیر نور القدس سے ایسے ظاہر ہو کہ واہمہ غلطی اور شائبہ اشتباہ اس کی معلومات میں قطعاً نہ رہے۔ وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے جس میں شائبہ غفلت اور توسوس ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منزہ ہوتا ہے۔
اس کی قوت عملیہ میں وہ ملکہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اعمال صالحہ کی طرف بکمال رغبت مائل رہتا ہے اور اعمال بد سے اسے کمال تنفر ہوتا ہے بلکہ خود اس سے محفوظ و مسنون ہوتا ہے۔
جب اس کے قوائے بدنی کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور عقل تجربی اس کی منتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اسے تکمیل خلق کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی تصدیق معجزات کرتے ہیں اور یہ معجزہ کبھی از جنس اقوال ہوتا ہے جیسے قرآن کریم، اور کبھی از جنس فعل جیسے انگشتہائے مبارک سے پانی جاری ہونا۔ ڈوبے سورج کو واپس لانا، چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، نکلی ہوئی آنکھ درست کر دینا، ٹوٹی پنڈلی جوڑ دینا وغیرہ وغیرہ۔
پھر ان معجزات کے ساتھ آیات عقلیہ بھی دی جاتی ہیں تا کہ عوام وخاص کے ایمان کا موجب ہو۔
چنانچہ معجزہ محض پریشانی میں ڈالنے والا نہیں بلکہ موجب ایمان عوام بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ آیات عقلیہ چند قسم کی ہوتی ہیں۔
منجملہ ان کے اخلاص کریمہ اور علوم صادقہ، بیان شافی، حجت واضح، انوار صحبت۔
جیسے نچلے درجے والے معجزات سے استدلال کرتے ہیں۔ ارباب کمال کمالات نبوت سے استدلال کرتے ہیں۔ علی الخصوص معالجہ امراض روحانیہ اور تکمیل نفوس ناقصہ اور فیضان اشعہ انوار حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاہدہ کر کے یقین جازم ان کی نبوت کا حاصل کرتے ہیں۔ یہ مختصر تعریف نبی کی ہے۔
ایسے ہی صدیق کی شناخت یہ ہے کہ اس کی قوت نظریہ مثل قوت نظریہ انبیاء کرام علیہم السلام کامل ہوتی ہے۔ اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنا۔ دوغلی باتیں کرنا، اس کی شایان شان نہیں ہوتا اور مقدمات دین میں اس کے اخلاق تام ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ حظ نفس ان میں بھی نہیں ہوتا اور اس کا نفس اصلاح پذیر ہوتا ہے۔
اور صدیق کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ اپنا عزم و ارادہ بلا تردد رکھے۔ اور نماز میں جو بھی حادثہ پیش آئے تو چپ وراست التفات نہ کرے۔ اور خفیہ وعلانیہ یکساں رہے۔ اور کسی پر لعن طعن کرنے سے مجتنب رہے اور علم تعبیر و رؤیا کا خوب عالم ہو۔
اور شہید وہ ہے کہ اس کا قلب مشاہدہ میں محقق ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ اسے پہنچائیں اس کے قبول میں کسی نہج سے انکار نہ کرے حتیٰ کہ جان دینے میں امر دین کے لیے اسے اصلاً عذر نہ ہو۔
اور صالح وہ ہے جس کی قوت نظری و عملی مرتبہ کمال انبیاء کرام علیہم السلام سے پست تر ہو۔ لیکن بسبب کمال متابعت اپنا ظاہر معاصی سے پاک رکھے اور اس کا باطن اعتقادات فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو۔ اور یاد الٰہی عزوجل سے اس کا دل اتنا مملو ہو کہ اس میں کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی نہ رہے۔
اور ولی ہر چند کہ ان تین گروہ میں شامل ہے لیکن ولی صالحین سے زیادہ مرتبے والا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ولی وہ ہے جس میں مذکورہ چاروں

افراد کف صفتیں ہوں۔اور سب سے بڑی علامت اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھے اور اس کی روزی کا کفیل ہو۔اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت عام ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا٥

ترجمہ:''بے شک وہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت رکھ دیں گے۔''(کنزالایمان)سورۃ طٰہٰ،آیت نمبر 96)

مندرجہ بالا چند اقتباسات عنوان کے لحاظ سے تفسیر الحسنات سے اخذ کیے گئے۔

قارئین حضرات! اس سے قبل اس کتاب کے حصہ اوّل میں انعام یافتہ لوگوں کے فضائل اور طریق پر طریقت کے سلاسل اور ان کے عقائد کے متعلق اور اہل سنت و جماعت، ناجیہ، سواد اعظم کے عقائد کے متعلق کافی لکھ چکا ہوں۔اور اس حصہ دوئم میں بھی تمہید کے عنوان کے تحت سورۃ فاتحہ کی مختصر تشریح اور انعام یافتہ لوگوں کی مختصر تعریف لکھی جا چکی ہے۔

اب انشاء اللہ تعالیٰ انعام یافتہ لوگوں کے ہر گروہ کی ممتاز ہستیوں کا ترتیب وار ذکر مختصر طور پر کیا جائے گا۔اس کے لیے چار حصے کیے گئے ہیں۔

نمبر 1 میں انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر

نمبر 2 میں صدیقین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

نمبر 3 میں شہداء کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

نمبر 4 صالحین اور اولیائے کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

لیکن سب سے پہلے ایک نقشہ دنیا کا پیش کیا جاتا ہے جو کہ مصدقہ نقشہ دنیا کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔تا کہ قارئین حضرات کے لیے کچھ آسان ہو جائے اور مختلف ملکوں کے محل وقوع کا پتہ معلوم ہو جائے۔اور دنیا کی عظیم ترین مساجد جن کے ساتھ سب مومنوں کو عقیدت و محبت ہے کا ذکر کروں گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

ارشاد اللہ تعالیٰ:

ترجمہ:''اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ۔(اُمّ القریٰ)سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔''(سورۃ انعام،آیت:92،ترجمہ:کنزالایمان)

نیز اُمّ القریٰ سورۃ شوریٰ آیت:7 میں بھی ہے:

تفسیر خزائن العرفان میں''اُمّ القریٰ''کو مکہ مکرمہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ تمام زمین والوں کا قبلہ ہے۔اس شہر باعظمت کا نام''اُمّ القریٰ'' ہونے کی چار وجوہ علماء نے ذکر کی ہیں:

۱-یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے بقیہ زمین کو پھیلایا گیا ہے جدید و قدیم تحقیقات کی رو سے یہ خشک زمین کے وسط میں واقع ہے اور کعبہ مشرفہ زمین کا مرکز ہے۔

۲-کعبہ شریف یعنی مکہ شریف قدیم ترین شہر ہونے کی وجہ سے اُمّ القریٰ یعنی بستیوں کی ماں کہا گیا ہے۔

۳- چونکہ یہ قبلہ ہے سارے عالم کے انسانوں کا اس لئے سب نمازی اس کی طرف نمازوں میں اپنا رُخ کرتے ہیں''اُمّ''کے معنی قصد کرنے اور رُخ کرنے کے بھی آئے ہیں۔

۴-اس کا مرتبہ و مقام دوسری بستیوں کے مقابل ویسے ہی بلند و بالا ہے جس طرح ماں کا رئیس مقام۔

مندرجہ ذیل تحریر تاریخ ابن خلدون جلد اوّل کے مقدمہ کے عنوان سے نقل کی گئی ہے (باب نمبر 4، فصل چھٹی)

دنیا کے عظیم ترین معابد و مساجد

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حصوں کو شرف خاص سے مختص اور عبادت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ جن میں عبادت کرنے سے دو چند ثواب اور مزید اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ذریعہ سے وہ مقدس مقامات اپنے بندوں کو بتا بھی دیئے تا کہ حصول سعادت میں بندوں کو سہولت و آسانی ہو۔

اگر چہ روئے زمین پر بہت سے معابد و مساجد ہیں لیکن ان سب پر تین مسجدوں کو فضیلت ہے چنانچہ صحیحین سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے اور تینوں مسجدیں مدینہ شریف و مکہ شریف و بیت المقدس شریف کی مسجدیں ہیں۔

مکہ معظمہ کی مسجد بیت الحرام کہلاتی ہے۔ جس کو پہلے پہل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خدائے تعالیٰ اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا۔ اور لوگوں کو حسب ارشاد الٰہی عزوجل حج کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے اور مسجد تیار ہو جانے کے بعد بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام معہ اپنی والدہ ماجدہ حاجرہ سلام اللہ علیہا کے قبیلہ بنو جرہم کے ساتھ وہیں رہے۔ حتیٰ کہ بعد وفات وہیں مدفون ہوئے۔

بیت المقدس شریف کو حضرت داؤد علیہ السلام نے بحکم جناب باری تعالیٰ بنوایا تھا۔ جس کے گرداگرد اولاد حضرت اسحٰق علیہ السلام میں سے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں بھی ہیں۔

مدینہ منورہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مکہ شریف کو چھوڑ کر مدینہ شریف جاؤ اور تبلیغ اسلام کرو تو بعد ہجرت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی مسجد نبوی شریف بنوائی اور بعد وفات اسی خاک پاک میں روضۂ مقدس بنوایا گیا۔ یہ تینوں مسجدیں مسلمانوں کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ جن سے ان کے دین کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ احادیث میں ان کی فضیلت کا مفصل بیان موجود ہے۔ جن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مساجد میں نماز پڑھنا اور ٹھہرنا کئی گنا اجر و ثواب کا باعث ہے۔

اس موقع پر ہم ان تینوں مسجدوں کے متعلق تاریخی حالات لکھنا چاہتے ہیں۔ تا کہ ان کی تدریجی ترقی وغیرہ کا حال معلوم ہو سکے۔

مکہ معظمہ:

منقول ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے آسمانی بیت المعمور کی سیدھ میں یہاں عبادت خانہ بنایا تھا۔ جسے طوفان نوح علیہ السلام نے منہدم اور بے نشان کر دیا مگر اس بارے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال آیہ اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمعیل سے پیدا ہوا ہو اور اس آیت کے معنی یوں کیے گئے ہوں کہ حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام اپنی دیواریں قدیم گھر کی بنیاد پر قائم کریں گے۔ بہر حال کچھ ہی ہو تاریخ اس سے ساکت ہے۔ ہاں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ایک مدت کے بعد حضرت سارہ سلام اللہ علیہا و حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا آپ علیہ السلام کی بیویوں میں نزاع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو کسی میدان میں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور اسماعیل و حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا کو آپ علیہ السلام نے خاص اس جگہ چھوڑا جہاں اب بیت اللہ شریف ہے۔ اور آپ علیہ السلام فوراً واپس چلے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آتشیں ریگستان میں آب زمزم نکال کر حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا

کی تسلی و تشفی کر دی۔ اور قبیلہ جرہم کے دل میں القا کیا کہ اسی جنگل میں جا کر قیام پذیر ہو۔ چنانچہ اس قبیلہ نے آ کر آب زمزم کے گرد اگرد گھر بنا لیے۔ اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ہوش سنبھالنے کے بعد مقام بیت اللہ شریف پر اپنے رہنے کا گھر بنالیا۔ اور کچھ دور تک کچی اینٹوں کا دائرہ یا احاطہ بنا دیا تا کہ اس میں بکریاں رہا کریں۔ اس دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے آتے جاتے رہے۔ آخری مرتبہ آپ کو وہاں مسجد بنانے کا حکم ہوا اور بکریوں کے احاطہ کی زمین آپ نے اس کے لیے پسند کی اور پدر و فرزند دونوں نے مل کر ایک مختصر عمارت بنائی۔ اور لوگوں کو ہدایت کی کہ یہ بیت اللہ شریف ہے۔ اس کا حج کیا کرو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تو واپس تشریف لے گئے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بدستور وہیں رہے۔

بیت اللہ شریف کی تولیت:

جب حضرت حاجرہ سلام اللہ علیہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ تو فرزندانِ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے نانا اور ماموؤں کے ساتھ بیت اللہ شریف کے متولی ہوئے۔ ان کے بعد عمالقہ نے یہ کام سنبھالا اور لوگ جوق در جوق حج کے لیے آتے رہے۔ کہتے ہیں کہ تبابعہ بھی حج اور بیت اللہ شریف کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور تبابعہ میں سے کسی بادشاہ نے اس پر غلاف بھی چڑھوایا اور اس کو پاک و صاف رکھنے اور قربانی کا حکم دیا۔ دروازہ لگا کر مفتاح بھی مقرر کیا۔ یہ بھی سنا گیا کہ اہل فارس بھی حج کرنے یہاں آیا کرتے تھے اور قربانی کیا کرتے اور نذر چڑھاتے تھے۔ چنانچہ عبدالمطلب کو چاہ زمزم صاف کراتے وقت دو سونے کے ہرن ملے۔ جن کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ اہل فارس کے چڑھاوے کے ہیں۔

فرزندانِ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بیت اللہ شریف کے متولی بنو جرہم ہوتے رہے۔ اس لیے کہ وہ ان کے ماموں تھے۔ جرہم کے بعد ایک عرصہ تک خزاعہ تولیت پر قابض ہو گئے۔ مگر جب اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شمار بڑھا اور کئی قبیلے قائم ہو گئے یعنی کنانہ و قریش۔ تو تولیت بنو خزاعہ کے ہاتھ سے نکل گئی اور قریش غالب آ کر بیت اللہ شریف کے متولی ہو گئے۔

خانہ کعبہ شریف کی دوبارہ تعمیر:

یہ زمانہ قصی بن کلاب کا تھا۔ اس نے بیت اللہ شریف کو پھر بنایا اور بڑے بڑے شہتیروں سے اس کی چھت پاٹ دی۔ چنانچہ اعشی کہتا ہے:

حــلــفــت بــثــوبــي راهــب الــدور والــتــي تــنــاهــا قــصــي والــمــضــاض بن الــجــرهــم

اس کے بعد باختلاف روایات سیلاب عمارت کو بہا لے گیا یا آگ لگی اور عمارت جل گئی۔ لوگوں نے چندہ سے روپیہ جمع کیا۔ اتفاقاً انہی دنوں ساحل جدہ پر ایک جہاز ٹوٹ گیا تھا۔ اہل مکہ نے چھت کے لیے اس کی لکڑی خرید لی۔ پہلے عمارت میں دیواریں صرف قد آدم تھیں۔ اب اٹھارہ ہاتھ بلند کی گئیں۔ دروازہ بھی پہلے سطح زمین سے ملا ہوا تھا اب قد آدم کرسی پر لگایا گیا۔ تا کہ سیل کی زد میں نہ آسکے۔ چوں کہ روپیہ ختم ہو گیا تھا۔ اس لیے اہل مکہ شریف نے دیواریں چھوٹی کر دیں۔ یعنی چھ ہاتھ ایک بالشت جگہ چھوڑ دی۔ اور اس زمین کے گرداگرد چھوٹی دیوار بنا دی۔ تا کہ بیت اللہ شریف کی بنیاد قائم رہے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں تعمیر:

بیت اللہ شریف کی عمارت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے دعوائے خلافت تک اسی طرح رہی۔ یزید بن معاویہ کی فوجوں نے بسر کردگی حصین بن نمیر سکونی ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو آ گھیرا۔ اور منجنیق کی سنگ باری نے عمارت بیت اللہ شریف کو نقصان پہنچایا۔ باختلاف روایت نفطہ سی جل گئی۔ تو ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے عمارت از سر نو بنوائی۔ عمارت بنواتے وقت تمام قدیم عمارت کو منہدم کرا دیا۔ اور بنائے ابراہیمی نکال کر صحابہ کرام کو دکھائی۔ ازاں بعد نیو پر نیو اٹھائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو صلاح دی کہ سمت قبلہ کی طرح بنی رہنی چاہیے۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بنیادوں کے گرداگرد لکڑیاں گڑوا کر ان پر کپڑے تنوا دیئے۔ صحابہ کو تجدید عمارت کے بارے میں اختلاف تھا۔ مگر ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو بواسطہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث پہنچ چکی تھی کہ لـولا قـومك حدثوا عهدًا بكفر لردت البيت على قواعد ابراهيم ٥ ولـجعلت له بين شرقياً

وغربیًا o اس لیے آپ نے مخالفت کی کچھ پروانہ کی۔اور دیواریں 27 ہاتھ بلند کرائیں۔اور دروازہ جن کی دہلیز زمین کے برابر تھی۔(جیسا کہ حدیث میں ہے) بنائی گئی۔عمارت میں سرتاسر رخام (سنگ) لگایا گیا۔اور دروازہ کی چوکھٹیں اور کنجیاں سونے کی تیار ہوئیں۔

عبدالملک کے دور میں تعمیر:

یزید کے بعد عبدالملک کی فوج نے مکہ کا محاصرہ کیا۔اور بیت اللہ شریف پر منجنیق سے پتھر برسائے گئے اور دیواریں کچھ کچھ ٹوٹ گئیں۔ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔فتح مکہ مکرمہ کے بعد حجاج نے ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی عمارت کے بارے میں عبدالملک سے رائے لی۔عبدالملک نے حکم دیا کہ موجودہ عمارت گرادی جائے اور جیسی قریش کے عہد میں تھی ویسی بنائی جائے۔چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حجاج نے چھ ہاتھ ایک بالشت جگہ جہاں حجر اسود تھا چھوڑ دی اور دیواریں قریش کی بنیادوں پر بنادیں۔غربی دروازہ کو بھی بند کر کے شرقی دروازہ میں بھی کچھ ردوبدل کر دیا۔باقی عمارت بحال خود رہنے دی۔اس لیے موجودہ عمارت بیت اللہ شریف گویا ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حجاج کی عمارتوں کا مجموعہ ہے۔اور دونوں کی عمارت جدا جدا نظر آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیوار شق ہونے کے بعد پھر ملائی گئی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس بیان پر چند اشکال وارد ہوتے ہیں۔کیونکہ فقہاء طواف کے متعلق کہتے ہیں کہ طواف کرنے والے کو حطیم کی طرف مائل ہونے سے بچنا چاہئے۔ورنہ طواف داخل بیت ہو جائے گا کیونکہ دیوار کے نیچے اصلی بنیاد کا کچھ حصہ رہ گیا ہے اور کچھ آ گیا ہے۔سازرواں اسی جگہ ہے۔اسی طرح فقہاء بوسہ حجر اسود کے متعلق کہتے ہیں کہ طواف کرنے والے کو بوسہ سے فارغ ہو کر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے تا کہ طواف کا کوئی حصہ داخل بیت نہ ہونے پائے۔اس جگہ اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر سب دیواریں ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کردہ ہیں جو بنیاد ابراہیمی پر بنائی گئی تھیں تو پھر فقہاء کی بے جا احتیاط کی ضرورت ہی کیا ہے۔اس کا جواب دو طرح ہو سکتا ہے۔یا تو حجاج نے پہلی تمام عمارت گرا کر از سر نو بنائی ہو گی جیسا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال ہے۔لیکن عمارت کے دیکھنے سے دونوں عمارتوں کا ایک جگہ پر ملنا۔اور ایک دوسرے سے متمیز ہونا اس خیال کی تردید کرتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ شریف کو چاروں طرف سے بنیاد ابراہیمی پر تعمیر نہیں کیا تھا۔اور حجر اسود کو اندر داخل کرنے کے لیے عمارت از سر نو بنائی تھی اس لیے موجودہ عمارت گو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی ہے۔لیکن ابراہیمی بنیادوں پر نہیں ہے۔لیکن یہ بھی بعید از قیاس ہے۔

بیت اللہ شریف کا صحن:

واضح ہو کہ بیت اللہ شریف کا صحن پہلے طواف کرنے والوں کے لیے کھلا ہوا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کے گرد کوئی دیوار نہ تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی تو انہوں نے گردا گرد کی زمین خرید کر صحن میں شامل کر دی۔ اور پھر ایک دیوار کھنچوادی۔پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ،ابن زبیر رضی اللہ عنہما،ولید بن عبدالملک نے بھی ایسا ہی کیا۔بلکہ ولید نے پتھر کے ستونوں پر مسافر خانے بنوادیئے جن کو منصور اور اس کے بیٹے مہدی نے اور ترقی دی۔اس کے بعد پھر کچھ اضافہ ہوا۔اور آج بھی ہم اسی حال میں دیکھ رہے ہیں۔

بیت اللہ شریف کی عظمت:

بیت اللہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے جو عزت وشرافت عنایت فرمائی ہے وہ احاطہ تحریر وبیان سے باہر ہے۔یہ کیا کچھ کم ہے کہ دہاں وحی اور ملائک اتارے۔عبادت خانہ مقرر کیا اور اس کا حج فرض کیا۔اس کے ارد گرد کو حرم ٹھہرایا۔اور وہ حقوق تعظیم اس کے لیے ضروری ٹھہرائے جو دوسرے کسی معبد کو نہیں دیئے۔یعنی مخالف اسلام حرم شریف میں داخل نہیں ہو سکتا۔اور مسلمان بھی داخل ہو۔تو بن سلے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔اور جو دہاں پناہ لے اس کو ستایا نہ جائے۔نہ خائف کو کوئی دھمکائے نہ جانور کا کوئی شکار کرے نہ دہاں کے درختوں کو جلایا جائے۔

میقات کی حدود:

حرم شریف جو حرمت مذکور سے مخصوص ہے وہ راہ مدینہ منورہ سے تین میل تنعیم تک اور عراق کی طرف 7 میل شبینہ تک اور راہ طائف سے 7 میل لطن کمرہ تک اور راہ جدہ سے 7 میل منقطع النشائر تک مقرر ہے۔

مکہ مکرمہ کے مختلف نام:

مکہ شریف کی یہ شان ہے کہ اس کا نام ام القریٰ بھی ہے اور کعبہ بھی۔ کعبہ کعب سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ بوجہ علو مرتبت مکہ کو کعبہ کہتے ہیں۔ مکہ کا نام بکہ بھی ہے۔ اصمعی کہتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں چوں کہ آدمی ایک دوسرے کو کثرت کی وجہ سے دھکیلتے ہیں اور دھکیلنے کو عربی میں بک کہتے ہیں۔ اس لیے اسے بکہ کہنے لگے۔ مجاہد کہتا ہے کہ ب، م کا بدل ہے۔ جیسے لازب ولازم۔ نخعی کا قول ہے کہ بکہ سے بیت اللہ شریف اور مکہ شریف سے شہر مراد ہے۔ اور زہری کی رائے یہ ہے کہ بکہ مسجد کے کل حصہ کو کہتے ہیں۔ اور مکہ شریف سے مراد حرم ہے۔

بیت اللہ شریف کا خزانہ:

واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں مختلف اقوام و ممالک کے لوگ بیت اللہ شریف کی تعظیم کرتے تھے اور نذر چڑھاوے بھی پہنچتے تھے۔ چنانچہ عبدالمطلب کو چاہ زمزم صاف کراتے ہوئے جو تلواریں اور طلائی ہرن ملے، جیسے تھے وہ قصہ عام طور سے مشہور ہے۔ رسول خدا ﷺ نے جب مکہ شریف فتح کیا تو ایک گڑھے میں 70 ہزار اوقیہ سونا جس میں ایک لاکھ دینار تھے، موجود تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول خدا ﷺ سے عرض کی: ضروریات جنگ میں اسے صرف کر دیجئے لیکن جناب ﷺ نے اس میں سے کچھ نہ لیا اور جوں کا توں رکھا رہا۔ عہد صدیقی میں بھی ایک دفعہ یہ خزانہ یاد دلایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے نہ چھیڑا۔ یہ روایت ارزاقی کے موافق ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے ابی وائل کی سند سے روایت کی ہے کہ وہ شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ خزانہ کعبہ شریف میں چاندی سونا کچھ نہ رہنے دوں اور سب نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ اس نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ رسول خدا ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں نے ایسا نہیں کیا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خوب یاد دلایا۔ مجھے بے شک ان کی اطاعت کرنی چاہئے۔ یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ میں نہیں ہے۔ یہ خزانہ فتنہ افطس تک جس سے حسن بن حسین بن علی بن زین العابدین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ یوں ہی رکھا رہا۔ لیکن جب 199ھ میں ان کو مکہ مکرمہ پر تسلط حاصل ہوا تو وہ کعبہ شریف میں آئے اور جو کچھ مال تھا سب نکال لیا اور کہا کہ کعبہ شریف اس مال کو کیا کرے گا۔ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سامان جنگ فراہم کر سکیں۔ غرضیکہ انہوں نے وہ مال خرچ کیا اور کعبہ شریف کا خزانہ خالی ہو گیا۔ اور اب تک خالی ہے۔

بیت المقدس شریف کی تاریخ:

بیت المقدس شریف جسے مسجد اقصیٰ شریف بھی کہتے ہیں۔ صابیوں کے زمانہ میں اس کی جگہ پر ایک پھلواری تھی۔ اور ایک پتھر رکھا ہوا تھا۔ جس پر وہ منتوں کا تیل چڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں ایک ہیکل (مندر) بنوالیا۔ جب بنی اسرائیل کا تسلط ہوا تو انہوں نے اسی مقام اور پتھر کو اپنا قبلہ مقرر کیا۔ جس کی شرح یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے ساتھ لے کر بیت المقدس شریف کی طرف چلے (جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے ان سے اور ان کے دادا اسحٰق علیہ السلام سے اس امر کا وعدہ کیا تھا) اور ارض تیہ میں آ کر ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ سبط کی لکڑی کا خاص صورت پر ایک قبہ تیار کریں اور بذریعہ وحی یہ بھی بتا دیا کہ اس کا طول وعرض کتنا ہو اور کیسی کیسی صورتیں اور شکلیں اس پر بنائی جائیں۔ اور حکم دیا کہ تابوت اور مائدہ معہ صحاف (پیالے) اور منارے معہ قنادیل سب اس میں رکھ کر صابیوں کے پتھر پر رکھ دیا جائے۔ اور ایک مذبح بھی صفات خاص سے متصف قربانی کے لیے بنایا جائے۔ چنانچہ ان تمام باتوں کی تفصیل توراۃ میں موجود ہے۔ غرضیکہ بموجب حکم الٰہی موسیٰ

علیہ السلام نے قُبہ بنایا اوراس میں تابوت رکھ دیا۔اس تابوت میں الواح مصنوعہ (تیار شدہ کشتیاں تختیاں) رکھی گئیں۔کتبہ کے پاس ہی مذبح بھی رکھا گیا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام بحکم خدا عزوجل اس کے متولی مقرر ہوئے۔تابوت سکینہ اس قُبہ کے خیموں کے بیچ میں رکھا ہوا تھا۔اسی کی طرف رخ کر کے بنی اسرائیل نماز پڑھتے۔اوراس کے سامنے قربانی کرتے تھے اوراسی میں وحی نازل ہوتی تھی۔جب یہود بیت المقدس شریف کے مالک بن گئے تو انہوں نے صبائی فرقہ کی پوجا کے پتھر پر اس قُبہ کو رکھ دیا۔اوراسی کی طرف نماز پڑھتے رہتے۔حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس پتھر پر مسجد بنوانے کا ارادہ کیا۔مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ ہمت پر چھوڑ گئے۔چنانچہ انہوں نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں لگاتار چار برس مدد جاری رکھ کر مسجد تیار کرائی۔اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو پانچ سو برس گزر چکے تھے۔اس مسجد سلیمانی کے ستون منبل کے تھے۔اورچھت شیشے کی،درودیوار پر سونا منڈھا ہوا تھا۔ہیکل،مورتیں،ظروف،منارے،زنجیریں،کنجیاں سب سونے کی تھیں۔اوراس میں ایک قبرتابوت رکھنے کے لیے بنوائی۔جس کوصیہون سے ان کے والد بزرگوار حضرت داؤد علیہ السلام لائے تھے۔اورقبہ ذظروف برنج،ہرایک کوقرینہ سے رکھ دیا۔آٹھ سو برس تک یہ تمام چیزیں اسی طرح رکھی رہیں۔یہاں تک کہ بخت نصر نے آ کر سب کو خراب کر دیا۔اورتورات،عصا،ہیکل سب کو جلا دیا اور عمارت کی اینٹ سے اینٹ جدا کر دی اور یہودیوں کو قید کر کے ہمراہ لے گیا۔ایک مدت کے بعد جب شاہان فارس نے بنی اسرائیل کو رہائی دے کر بیت المقدس شریف کی طرف روانہ کیا تو حضرت عزیر علیہ السلام نے بہمن شاہ فارس کی مدد سے پھر عمارت مسجد تیار کی۔حضرت عزیر علیہ السلام نے بیت المقدس شریف کی مسجد کی بنیاد بنائے سلیمانی سے کسی قدر سمیٹ کر ڈالی۔اس کے بعد یونانی،پارسی،رومانوی،باری باری دمشق میں حکمران ہوئے۔ مگرایک زمانہ گزرنے پر پھر بنی اسرائیل نے زور پکڑا اوراپنی حکومت قائم کی۔کچھ عرصہ تک بنی حسنائی کا ہناں بنی اسرائیل کے ہاتھ میں حکومت رہی۔پھران کی قرابت کی وجہ سے ہیروڈوتس کو پہنچی۔اورایک مدت تک اس کی اولاد نے حکمرانی کی۔ہیروڈوتس نے اپنے زمانہ میں ازسرنو مسجد اقصیٰ شریف تیار کرائی اورسلیمانی بنیاد پر نیو رکھی۔چھ برس لگاتار مدد جاری رہنے پر یہ عمارت نہایت ہی عالی شان اورنقش ونگار سے آراستہ ہو کر تیار ہوگئی۔ہیروڈوتس کی اولاد کے بعد پھر طیطش رومہ کا بادشاہ بنی اسرائیل پر غالب آیا۔اوران کی حکومت چھین لی۔اس جابر حکمران نے بیت المقدس شریف اورمسجد کی بنیاد تک اکھڑوا ڈالی۔اورحکم دیا کہ یہاں زراعت کی جائے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ عیسائی مذہب جابجا پھیل چکا تھا۔اوررومانوی بھی مسیح لے چکے تھے۔لیکن شاہان رومہ میں سے کوئی عیسائی اورعیسویت کا حامی ہوتا تھا۔اورکوئی اس مذہب اوراہل مذہب کا سخت دشمن یہاں تک کہ قسطنطین اعظم سریرآرائے سلطنت ہوا۔اوراس کی ماں ہیلانہ نے عیسویت اختیار کی اورجوش مذہب میں بیت المقدس شریف کو روانہ ہوئی۔تا کہ اس لکڑی کو ڈھونڈے جس پر بزعم عیسائیاں حضرت مسیح مصلوب ہوئے تھے۔جب وہاں پہنچی عیسائی درویش نے خبر دی کہ وہ لکڑی کوڑے اور میلے میں دبی پڑی ہے۔یہ ہزار دقت وہ لکڑی کوڑے کی جگہ پر جہاں سے لکڑی برآمد ہوئی تھی۔گرجا بنوایا جو کلیسائے قمامہ کے نام سے مشہور ہوا۔گویا یہ گرجا عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مسیح پر بنا۔بیت المقدس شریف کی عمارت اگرچہ پہلے ہی ملیامیٹ ہوچکی تھی۔جہاں کہیں بھی کوئی ٹوٹی پھوٹی دیوار باقی تھی وہ ہیلانہ نے اکھڑوا پھنکوائی اورحکم دیا کہ پتھر پر میلا اورکوڑا ڈالا جائے۔اس حکم کی تعمیل کی گئی اورچند دن میں پتھر بالکل ڈھک گیا اور پتا تک نہ رہا کہ کہاں تھا۔گویا ہیلانہ نے یہودیوں سے یہ خیال خود انتقام لے لیا کہ اگر تم نے مسیح کی قبر پر کوڑا اورمیلا ڈلوایا تو تمہارے مقدس پتھر کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔اس کے بعد عیسائیوں نے کنیسہ کے مقابل ہی بیت اللحم کی عمارت بنوائی۔یہ وہ مقام تھا کہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

بیت المقدس شریف پر مسلمانوں کا قبضہ:

اس کے بعد زمانہ اسلام تک بیت المقدس شریف کی یہی حالت رہی۔یہاں تک کہ شام فتح ہوا۔اورخلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس شریف کی فتح کے لیے خود تشریف لائے۔آپ رضی اللہ عنہ نے آ کر اس پتھر کا حال دریافت کیا۔لوگوں نے اس کا پتا بتایا۔اس وقت اس پر میلا اور کوڑا چڑھا ہوا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کھدوا کر نکلوایا۔اوربدویانہ وضع کی اس پر مسجد بنوائی۔اورجیسا کہ اس کی تعظیم کا حکم ہے تعظیم کی۔زمانہ ولید تک

یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ اس نے مسجد کی صورت وشکل از سرنو اس زمانہ کی اسلامی مساجد کے موافق بنوائی۔ مسجد بیت الحرام اور مسجد نبوی شریف اور مسجد دمشق کی شان دار عمارتیں بھی قائم کیں۔ عرب اس مسجد کو بلاد ولید (عمارت ولید) کہا کرتے تھے۔ ولید نے جب اس مسجد کی عمارت شروع کی۔ تو شاہ روم کو لکھا کہ اس کی تیاری کے لیے مال اور معمار روانہ کرے جو نقش ونگار سے اس کو اچھی طرح سجا سکیں۔ شاہ روم کو یہ درخواست ماننی پڑی۔ مال کے ساتھ معمار بھیجے۔ جنہوں نے ولید کے حسب منشا مسجد تیار کر دی۔ اس کے بعد 500ھ کے اخیر میں جب خلافت کو ضعف ہوا اور شام قاہرہ کے خلفاء عبیدیہ کے ماتحت تھے۔ ان کی کمزوری کو فرنگیوں نے غنیمت سمجھ کر بیت المقدس شریف پر چڑھائی کر دی اور تمام شام کے مالک بن گئے اور سنگ مقدس پر عالی شان گرجا بنالیا۔ اسی اثناء میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر وشام پر غلبہ پایا اور عبیدیوں کے آثار مٹانے کے بعد بیت المقدس شریف کی طرف بڑھا۔ پے درپے جہاد کے بعد بیت المقدس شریف اور شام کی حدود سے فرنگیوں کو نکال کر اپنا تسلط جمالیا۔ اور سنگ مقدس پر جو گرجا عیسائیوں نے بنالیا تھا، منہدم کر کے سنگ کو باہر نکال کر مسجد بنوائی۔ جو اس وقت موجود ہے۔

ایک حدیث کی وضاحت:

حدیث صحیح ہے کہ لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ دنیا میں پہلے کون سا عبادت خانہ بنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ۔ لوگوں نے کہا پھر۔ فرمایا بیت المقدس۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان کے زمانہ بنا میں کتنا فرق ہوا۔ فرمایا: چالیس برس۔ لیکن بظاہر ایک ہزار سال سے بھی زیادہ کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس شریف کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہزار سال سے زیادہ دیر کے بعد ہوئے۔ دیکھنے میں یہ اشکال بہت ہی مہتم بالشان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ وضع عبادت خانہ سے بنائے عبادت خانہ مراد نہیں۔ بلکہ تعیین عبادت خانہ مراد ہے۔ ممکن ہے کہ بنائے سلیمانی سے بہت پہلے بیت المقدس شریف معبد مقرر ہو چکا ہو۔ اس کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ ستارہ پرست لوگوں نے سنگ مقدس پر زہرہ کا بت بنایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی جائے عبادت تھا۔ زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ بھی تو بتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور جن صابیوں نے زہرہ کا بت بنایا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ پس ممکن ہے کہ کعبہ شریف اور بیت المقدس شریف کی تعیین عبادت میں چار سو برس کا فرق ہو۔ اور عمارت بیت المقدس شریف کی اس وقت نہ ہو۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے پہل اس کی بنیاد ڈالی ہو۔

مدینہ منورہ شریف:

اس کو یثرب بھی کہتے ہیں۔ جو اپنے بانی یعنی یثرب ابن مہلائل عمالقی کے نام سے موسوم ہوا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل اس کے مالک ہوئے۔ جب کہ ان کو حجاز پر تسلط حاصل ہو گیا تھا۔ پھر بنو قیلہ قبیلہ غسان میں سے بنی اسرائیل کے پاس آ کر رہا۔ اور رفتہ رفتہ اس کو مدینہ منورہ اور اس کے تمام قلعوں پر غلبہ ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معہ اپنے اصحاب کے ہجرت کی۔ اور مسجد نبوی شریف اور مکانات ان جگہوں پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں خصوصیت نبوی سے عزت دی تھی، بنوائی۔ اور بنی قیلہ نے آپ کو جگہ دی اور مدد کی۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا لقب انصار ہو گیا۔ اور یہیں سے دین اسلام پھیل کر تمام دینوں اور ملتوں پر غالب آیا۔ اور آنحضرت ﷺ کو مکہ مکرمہ پر کامل فتح ہوئی۔ جب مکہ فتح ہو چکا تو انصار کو خیال ہوا کہ شاید اب آپ ﷺ مکہ کو واپس چلے جائیں۔ اس خیال سے پریشان رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو۔ ہم اب نہ جائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی اور وہیں مزار شریف بنایا گیا۔

فضائل مدینہ منورہ:

اس شہر کے فضائل احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہیں۔ حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکہ مکرمہ پر بھی ترجیح دی ہے۔ اور بسند صحیح رافع ابن

خدیج سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ المدینة خیر من مکة یعنی مدینہ و مکہ شریف سے بہتر ہے۔ اس باب میں اور بہت سی احادیث بھی منقول ہیں۔ جن سے مدینہ منورہ کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ عالم میں دوسری مسجد حرام شریف اور مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کوئی مسجد دنیا میں نہیں جو شرف خاص رکھتی ہو۔ ہاں مسجد حضرت آدم علیہ السلام جزیرہ سراندیپ میں سنی جاتی ہے مگر اس کی بابت کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جائے۔

(ابن خلدون کا بیان ختم ہوا۔) مدینہ منورہ کے فضائل کی مفصل تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

اب تفسیر الحسنات کے حوالے سے مکہ معظّمہ کے متعلق سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۹۶، ۹۷ کی تشریح بیان کی جاتی ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝

(پ 4، رکوع: 10، سورۃ آل عمران، آیت: 96-97، تفسیر الحسنات، جلد 1)

"بے شک پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے لیے وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں داخل ہوا امان میں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو طاقت رکھے اس تک چلنے کی اور جو منکر ہو تو اللہ تعالیٰ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔"

شانِ نزول

یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ کعبہ افضل نہیں بلکہ بیت المقدس شریف جو ہمارا قبلہ ہے وہ افضل ہے اور اس سے پہلا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہجرت ہے اور پرانا قبلہ عبادت ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ افضل ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس میں بتایا کہ سب سے پہلا گھر جس کو اللہ تعالیٰ نے اطاعت و عبادت کے لیے مقرر کیا۔ نماز کا قبلہ حج اور طواف کا موضع بنایا۔ جس میں نیکیوں کے ثواب زیادہ ہوتے ہیں وہ کعبہ معظمہ ہے جو شہر مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ بیت المقدس شریف سے چالیس سال پہلے بنایا گیا۔

پھر اس کی حرمت و فضیلت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ اس میں کتے ہوں یا ہرن یا پرندے وہاں شکار نہیں کرتے۔ عام دلوں کی کشش کعبہ شریف کی طرف ہوتی ہے اس کی طرف دیکھنے سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شب جمعہ یہاں ارواح اولیاء کرام حاضر ہو کر اس کے گرد طواف کرتی ہیں۔ جس نے اس کی بے حرمتی کا قصد کیا وہ مثل ابراہۃ الاثرم تباہ و برباد ہوا۔ انہیں نشانیوں میں مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا بیان فرمایا گیا۔

(مدارک، خازن، تفسیر احمدی)

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ "بے شک پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کے واسطے۔

یعنی گھر جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کا قبلہ مقرر فرمایا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مسجد جو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے اول اول مقرر فرمائی جیسا کہ ارشاد ہے:

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ ۝ یعنی وہ مسجد جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا جائے۔

بیت سے مراد مسجد ہے لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ بے شک وہی بیت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے عرب با کو میم اور میم کو با سے بدل دیتے ہیں جیسے نمیط کا نبیط۔

لازم کالازب۔

بکہ ب سے وہ جگہ ہے جہاں بیت اللہ شریف ہے جوطواف کی جگہ ہے۔مکہ کوبکہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں انسانوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔

بک کے معنی اژدحام کے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہاں بڑے بڑے سرکش متکبروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔جو بری نیت سے آیا اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل وخوار کیا۔حتیٰ کہ نیست ونابود کیا جیسے تبع اول حمیری اور ابرہتہ الاثرم وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ مکہ وبیت اللہ شریف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مجاہد فرماتے ہیں: زمین وآسمان پیدا کرنے سے دوہزار سال پہلے اس بیت کو پیدا کیا یہ پانی چمکتا ہوا جھاگ تھا پھر زمین نیچے بچھادی گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے ایک بیت تھا جس کا نام بیت المعمور تھا فرشتوں کو اس بیت کے طواف کا حکم تھا۔پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسی نقشہ کا اتنا ہی بڑا ایک بیت زمین پر بنائیں فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دوہزار برس قبل بنایا اور فرشتے اس کا حج کرتے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو فرشتوں نے بشارت دی کہ آپ کا حج مبرور ومقبول ہے۔ہم آپ سے دوہزار سال پہلے حج کر چکے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اوّل ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو انبیاء کرام علیہم السلام میں پہلے پہل بنایا۔(تاریخ مکہ شریف)

بعض نے شرافت کے اعتبار سے اوّل ہونا قرار دیا نہ کہ زمانہ کے لحاظ سے۔

بعض کا قول ہے یہی پہلا بیت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا اور طوفان نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اٹھالیا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ بے نشان ہوگیا تھا پھر حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تعمیر کیا پھر قبیلہ جرہم اور عمالقہ نے پھر قریش نے تعمیر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر کا ارادہ کر چکے تو اس کی بنیادوں کا پتہ نہیں چلتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جس کو ریح الجوج کہتے تھے اس کے دوپر تھے ایک سر تھا۔اس ہوا نے چاروں طرف سے بنیادوں کو صاف کردیا اور بنیادیں معلوم ہوگئیں اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر شروع کردی۔

مُبٰرَکًا۔برکت والا۔ثواب کا زیادہ باعث ہے کیونکہ بعض عبادتیں بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہیں جیسے طواف،عمرہ،حج وغیرہ۔

حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ منت مانے کہ دو رکعت مسجد حرام شریف میں ادا کرے گا تو اس کی منت دوسری جگہ پوری نہ ہوگی جب تک کہ وہ مسجد حرام شریف میں ہی ادا نہ کرے۔

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔سیدھا راستہ ہے تمام جہان والوں کے لیے۔

مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ۔ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔اس پتھر میں آپ کے قدم مبارک کے نشان ہیں۔فقیر نے الحمدللہ زیارت کا شرف حاصل کیا۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔جو شخص اس بیت اللہ شریف مبارک میں داخل ہوجائے اس کو امن ملا۔

جو قاتل قتل کرنے کے بعد حرم شریف میں داخل ہوگا اس کو قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو بھی حرم شریف میں پاؤں تو اسے ہاتھ نہ لگاؤں گا یہاں تک کہ وہ باہر آئے۔

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو حرم شریف میں آ گیا وہ امن میں آ گیا اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج میں بیان ہو چکی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بھی عرب ایک دوسرے کو قتل کر کے حرم شریف میں آ جاتے تو اس کو بالکل نہ چھیڑتے اکثر مفسرین نے اس کا ذکر فرمایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں انتقال کیا قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن ابوبکر و عمر کے درمیان اٹھوں گا پھر بقیع غرقد کی طرف جاؤں گا پھر وہاں کے دفن ہونے والے میرے ساتھ ہوں گے پھر مکہ مکرمہ والوں کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ مجھ سے آ ملیں گے۔ سبحان اللہ! اللہ پاک مدینہ منورہ کی موت عطا کرے۔ آمین۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ ''اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر فرض ہے۔ ناس سے مراد: آزاد، عاقل بالغ، دولتمند ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نابالغ نے حج کیا اور حج کے بعد بالغ ہوا تو اس پر دوبارہ حج فرض ہے۔ حِجُّ الْبَيْتِ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ٹھہرنے کا اور کعبۃ اللہ کے طواف کا اس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے۔

حج 9ھ میں فرض ہوا۔ اس کی فرضیت قطعی ہے۔ عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور معبود ہونے پر گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا، نماز کا ادا کرنا، زکوٰۃ کا ادا کرنا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود حج ترک کر دے تو ہم اس سے جہاد کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا۔ لہٰذا حج کرو۔ ایک شخص نے عرض کی کیا ہر سال یارسول اللہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیک وسلم نے سکوت فرمایا۔ انہوں نے تین بار یہ کلمہ دہرایا تو ارشاد فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا فرمایا: جب تک میں کسی بات کو بیان نہ کروں تم مجھ سے سوال نہ کرو اگلی امتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت میں ہلاک ہوئیں لہٰذا جب میں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اسے کرو اور جب میں کسی بات سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلام) نہ کیا اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے کہ اس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج کمزوروں کے لیے جہاد ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم عورتوں پر جہاد ہے؟ فرمایا: ہاں ان کے ذمہ وہ جہاد ہے جس میں لڑنا نہیں حج اور عمرہ فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ ''جو شخص باعتبار راستہ کے اس کی طاقت رکھے۔''

جو شخص بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو کیونکہ مستطیع پر ہی حکم لگایا گیا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج کے واجب ہونے کی شرط یہ بھی

ہے کہ راستہ میں امن ہو۔صحت کا ہونا بھی شرط ہے اگر کوئی شخص ضعیف یا اپاہج ہے تو وہ دوسرے کو اپنی طرف سے حج کے لیے بھیج سکتا ہے۔
علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عرب کی بول چال میں فـلان یستطیع بناداره۔فلاں شخص کو اپنا گھر بنانے کی استطاعت ہے مستعمل ہے اگر چہ وہ خود نہیں بنا سکتا بلکہ مال اور مزدروں سے بنائے گا تو اس دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اپاہج صاحب مال ہے تو اس پر حج واجب ہے دوسرے سے کرالے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ۔''اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔''

وَمَنْ كَفَرَ۔جو منکر ہوا وجوب حج کا۔

حضرت سعید بن منصور نے عکرمہ سے نقل کیا کہ جب یہ آیت وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہم تو مسلمان ہیں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں پر تو حج بیت اللہ شریف فرض ہے تو انہوں نے کہا ہم پر حج فرض نہیں تو یہ حکم ہوا۔
اور سعید بن منصور اور ابن جریر نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مذاہب کو جمع فرما کر خطبہ دیا اور فرمایا تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تمہیں حج کرنا چاہئے تو سوائے مسلمانوں کے مشرکین، یہود، عیسائی، صائبین، مجوس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی محترم تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے حج کرنے سے نہ حاجت ظاہرہ مانع ہوئی نہ بادشاہ ظالم نہ مرض پھر بغیر حج کئے مر گیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔(ترمذی)

فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے جہان سے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﺻﻠﮯ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

''فرما دیجئے اے کتابیو! اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔فرما دیجئے اے اہل کتاب! کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہو اسے جو ایمان لانا چاہتا ہو اسے ٹیڑھا کرنا اور تم اس پر گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوت سے بے خبر نہیں''

بعض آیات لفظ قل سے شروع فرمائی جاتی ہیں تا کہ ان کے مضامین کی اہمیت کا اظہار ہو جائے کہ اے محبوب! یہ بات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمانے کا حق ہے۔
لفظ یا پکارنے اور ندا کے لیے ہے۔پکارنا کبھی اظہار کرم کے لیے ہوتا ہے اور کبھی غافلوں کو بیدار کرنے کے لیے اور کبھی اظہار غضب کے لیے۔
یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی یا ان گروہوں کے سمجھ بوجھ والے ہیں۔(خازن)(تفسیر الحسنات کا بیان ختم ہوا۔)

مندرجہ ذیل تحریر کتاب تاریخ مکہ شریف سے نقل کی جا رہی ہے

''کعبہ شریف کے تعمیر کنندگان''

تجلی حسن نو بنو سے کچھ ایسے مدہوش ہو رہے ہیں
کہ رنگ و بو کے تمام جلوے نظر سے روپوش ہو رہے ہیں

تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں بیت اللہ شریف کی تعمیر بارہ مرتبہ ہوئی، اگرچہ اس سلسلہ کی بعض روایات پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا، تاہم ایسی روایات بھی ہیں جن کے نصوص قطعی ہیں، ذیل میں ہم بیت اللہ شریف کے تعمیر کنندگان کا ذکر کرتے ہیں۔

1 فرشتے
2 حضرت آدم علیہ السلام
3 حضرت شیث علیہ السلام
4 حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام
5 قوم عمالقہ
6 قبیلۂ جرہم
7 قصیٰ بن کلاب
8 قریش مکہ
9 حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما 65ھ
10 حجاج بن یوسف، 74ھ
11 سلطان مراد ترکی، 1040ھ
12 شاہ فہد بن عبدالعزیز، 1417ھ

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

بنی البیت خلق و بیت الالہ — مدی الدھر من سابق یکرم

''مخلوق کی ایک تعداد نے بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا جس کی ہمیشہ سے تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔''

ملائکۃ آدم ولدہ — خلیل عمالقۃ جرھم

''ملائکہ نے، حضرت آدم علیہ السلام نے، اور ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام، نیز خلیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، اور عمالقہ و جراہم نے''

قصی قریش و نجل الزبیر — وحجاج بعدھم یعلم

''قصی و قریش نے بھی اس کو بنایا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان سب کے بعد حجاج کی تعمیر بھی مشہور ہے۔''

وسلطاننا الملک المرتضی — مراد ھو السید المکرم

''نیک بادشاہ سلطان مراد نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا جن کی ذات قابل تعظیم ہے۔''

وفھد بن عبدالعزیز الذی — بہ المسک قدس البناء یختم [1]

''شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کی عظمت کے مطابق تعمیری کام مکمل کرایا۔''

[1] الزہور المقتطفہ ص:41، الارج المکی ص:148، الکعبۃ المعظمۃ ص:89۔

کعبہ! عہد حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک:

خدا کا حریم جلال آرہا ہے
نگاہوں میں نور جمال آرہا ہے
تصدق ہیں جس پر دو عالم کے جلوے
وہی عالم بے مثال آرہا ہے
زباں پر ہے لبیک کا نغمہ جاری
بہت گریۂ انفعال آرہا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا، اس وقت ارشاد فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک گھر بھی اتار رہا ہوں جس کا طواف اس طرح کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کے اردگرد نماز پڑھی جائے گی جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھی جاتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ طوفان حضرت نوح علیہ السلام کے وقت اس کو اٹھالیا گیا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں اس کا حج کرتے رہے، باوجودیکہ وہ اس کی جگہ سے واقف نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس جگہ کی نشاندہی کی تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے اس کی تعمیر کی جن کے نام یہ ہیں: حراء، ثبیر، لبنان، طور[1]، اور جبل الخیر لہٰذا اس گھر سے جتنا ممکن ہو سکے فائدہ اٹھایا کرو۔[2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پانچ پہاڑوں سے کعبہ شریف کی تعمیر کرنا بطور معجزہ ہے۔ لہٰذا بعض مؤرخین کا کہنا کہ یہ ناممکن ہے، اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ نبی کے ہاتھ پر ناممکن اور خلاف عادت چیز کا ہو جانا ہی معجزہ ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے قبل کعبۃ اللہ عزوجل کا وجود تھا یا وہی اس کے بانی اوّل تھے تو اس سلسلہ میں گزر چکا ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی تھی، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل اس کے وجود کا قطعی علم اس روایت سے بھی ہوتا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے ثنیۃ کے مقام پر ایسی جگہ پہنچے جہاں حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو نہ دیکھ سکیں، پھر آپ علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔[3]

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ (ابراہیم:37)

ترجمہ: "اے ہمارے پیارے رب! میں اپنی اولاد میں سے بعض کو ایک بے زراعت میدان میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کر رہا ہوں۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب آپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ چکے تھے۔ اور اس آیت میں لفظ "عند بیتك المحرم" (تیرے محترم گھر کے پاس) سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ بیت اللہ شریف کا وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل تھا، گو کہ عمارت کا ڈھانچہ منہدم ہو گیا تھا، لیکن اس کی بنیادیں باقی تھیں اور اتنی مضبوط تھیں کہ ہزار ہا سال گزر جانے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پر دوبارہ عمارت کھڑی کی۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ ...... (البقرۃ:127)

ترجمہ: "اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کی تعمیرات بھی انہیں بنیادوں پر کی جاتی رہیں جیسا کہ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب

1: ثبیر مکہ شریف۔ سے منیٰ کو جاتے ہوئے جبل حراء کے مقابل ایک پہاڑ ہے جو منیٰ کے آخر تک پھیلا ہوا ہے۔ (التاریخ القویم، 399/2) "لبنان" یہ دو پہاڑ مکہ مکرمہ کے قریب ہی واقع ہیں (معالم مکہ، ص:235)، "طور سیناء" یہ مصر کے مشرقی ریگستان میں ایک پہاڑ ہے۔

2: قال الہیثمی: (رجالہ رجال الصحیح مجمع الزوائد، 288/3)

3: صحیح بخاری، احادیث الانبیاء حدیث نمبر: 3364۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ شریف کی عمارت منہدم کی اور دوبارہ اس کی تعمیر میں حطیم کو بھی شامل کیا، اور میں نے دیکھا کہ وہ بنیادیں ابھری شکل کے پتھر تھے جیسے اونٹ کی کوہان۔1

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خانہ کعبہ شریف کی تعمیر پرانی بنیادوں پر کی اور بنیادوں سے کوئی تعرض نہیں کیا، ان بنیادوں کی مضبوطی کا اندازہ اس تحقیق سے بھی ہوتا ہے جو 1417ھ میں کی گئی جس میں تقریباً 1,40 میٹر گہری کھدائی کی تو دیکھا گیا کہ خانہ کعبہ شریف کی بنیادوں کے پتھر بغیر کسی مسالے اور سیمنٹ کے آپس میں نہایت مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی ظاہری شکل اونٹ کی کوہان کے مانند ہے۔ نیز ان کی ہیئت ترکیبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج بھی ان پر کسی ترمیم کے بغیر عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔2 اندازہ لگائیے اس بنیاد کی پائیداری کا کہ اگر صرف اس مدت کو شمار کریں جو عہد ابراہیمی سے آج تک ہے تو وہ بھی پانچ ہزار سال ہوتے ہیں (جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کی مدت طویل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) اس طویل ترین تاریخی دور میں اس بنیاد نے نہ جانے کتنے طوفانوں اور سیلابوں کا سامنا کیا ہوگا۔ یہ اس دینِ حنیف اور توحید خالص کا زندۂ جاوید معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

نوٹ: واضح رہے کہ قریش کی تعمیر کردہ عمارت سابقہ تعمیرات سے ممتاز تھی اور بعد کی تعمیرات کا مدار اس پر رہا اس لیے تعمیر قریش کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔

اس کے ضمن میں خادم حرمین شریفین شاہ فہد کے عہد کی ترمیم وتجدید کو بھی قارئین کے فائدہ کے لیے ذکر کیا جاتا ہے، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما و حجاج کی تعمیروں کا ذکر حطیم کے ضمن میں آچکا ہے۔

تعمیر قریش:

قریش نے سن ہجری سے 18 سال قبل بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا اور قبیلہ کے لوگوں نے طے کیا کہ اس کی تعمیر میں پاک اور حلال مال ہی استعمال کیا جائے گا۔ کسی عزت فروش، سود، یا ظلم سے حاصل شدہ پیسہ اس میں نہیں لگے گا۔ قریش میں بہت سے اعمال شرکیہ وقبیحہ کے باوجود بیت اللہ شریف کی تعمیر میں ان کا پاکیزہ اور حلال مال لگانا جہاں ان کے فطری ذوق سلیم کے وجود کا پتہ دیتا ہے وہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے پیارے گھر کی تعمیر کو ناجائز مال سے محفوظ رکھنے کا خدائی انتظام بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ چنانچہ اس شرط کی وجہ سے تعمیری بجٹ کم پڑ گیا اور چار وناچار حطیم کی جانب بیت اللہ شریف کے تقریباً تین میٹر حصہ کو تعمیر میں شامل نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی تعمیر میں مزید تبدیلیاں بھی کیں۔ مثلاً:

- ☆ بیت اللہ کے دروازے کو مطاف سے اتنا بلند کردیا کہ ہر شخص خانہ کعبہ شریف میں داخل نہ ہوسکے بلکہ جس کو وہ چاہیں وہی اندر جاسکے۔
- ☆ اس دروازے کے مقابل دیوار میں ایک اور دروازہ تھا جس کو بند کردیا گیا۔
- ☆ اس تعمیر سے پہلے کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی قریش نے چھت کا اضافہ کردیا اس لیے کہ بعض لوگوں نے اس پاکیزہ اور مقدس گھر میں رکھے ہوئے کچھ خزانے چرالیے تھے۔
- ☆ اس چھت میں ایک پرنالہ بھی لگایا گیا جو حطیم کی جانب گرتا ہے اسے عرف عام میں ''میزاب رحمت'' کہتے ہیں۔
- ☆ اس تعمیر میں خانہ کعبہ شریف کی عمارت کی بلندی 8,64 میٹر کردی گئی جبکہ سابقہ بلندی صرف 4,32 میٹر تھی۔ اس تعمیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوئی کہ اس میں شاہ عرب وعجم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ پتھر اٹھا اٹھا کر لائے اور حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔3

1: صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث: 1586

2: ملخصاً دررالجامع الثمین، ص: 78، 82۔

3: صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر 1582، فتح الباری، 441/3، سیرت ابن ہشام، 192/1، اخبار مکہ للفاکہی، 226/5

حجر اسود نصب کرنے کا واقعہ:

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر اس جگہ تک پہنچی جہاں حجر اسود نصب ہونا تھا تو قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔قبیلہ کی ہر شاخ کے لوگ یہ چاہتے کہ حجر اسود نصب کرنے کا شرف ان کا حاصل ہو۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ نوبت قتال کی آ پہنچی ۔تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔اتنے میں ابوامیہ مخزومی جو قریش کے معمر شخص تھے۔اٹھے اور کہنے لگے ہمارے درمیان اس نزاع کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل سب سے پہلے بنو شیبہ [1] دروازہ سے حرم شریف میں داخل ہوگا۔اس بات پر سب متفق ہو گئے۔ادھر فیصلہ خداوندی ہو چکا تھا کہ اس کے ہونے والے نبی کریم ﷺ اس شرف سے بہرور ہوں گے چنانچہ اگلے دن سب سے پہلے داخل ہونے والی ذات عالی سرور دو عالم ﷺ کی تھی۔لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بیک آواز کہا: ''یہ امین ہیں ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔آپ ﷺ کو صورتحال سے باخبر کیا گیا۔آپ ﷺ نے ایک چادر طلب کی اور دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے درمیان میں رکھ کر فرمایا: ''ہر قبیلہ کا سردار چادر کے کونوں کو پکڑ کر اس جگہ لے چلیں جہاں حجر اسود نصب کرنا ہے۔یہ سننا تھا کہ سردارانِ قبائل نے چادر کے کونے پکڑ کر اس کو وہاں تک پہنچادیا،تب آپ ﷺ نے دست مبارک سے اس مبارک پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمادیا۔آپ ﷺ کے اس حکیمانہ فیصلہ پر سب نے رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا۔[2] اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔اس وقت کس کو معلوم تھا کہ آج یہ فیصلہ کنندہ مستقبل کا حاکم عادل اور قائد منصف ہوگا اور یہ واقعہ گویا آپ ﷺ کی قیادت امت کی تمہید تھی۔(**ذلك فضل الله يوتيه من يشآء**)''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔''

سعودی دور حکومت میں کعبہ شریف کی تجدید و ترمیم

سلطان مراد عثمانی ترکی نے خانہ کعبہ شریف کی تعمیر کا جو کام کرایا تھا اس کو 375 سال کی طویل مدت گزر چکی تھی اور اب عمارت کی حالت ایسی تھی کہ اس کی تجدید و ترمیم ضروری تھی۔اس لیے خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ کعبہ معظمہ کی تجدید و ترمیم کی جائے چنانچہ محرم 1417ھ میں یہ کام شروع ہو کر چھ ماہ میں مکمل ہوا۔بنیادوں کو مزید مضبوط کیا گیا۔شاذروان کی مرمت کی گئی۔دیواروں کی بیرونی جانب کو ہموار کیا گیا۔پتھروں کے درمیان سے پرانا مسالہ نکال کر نیا سیمنٹ مسالہ لگایا گیا دونوں چھتوں کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔تینوں ستونوں کو نئی لکڑی سے بنایا گیا۔اس کام کا شرف بن لادن کمپنی کو حاصل ہوا۔[3]

جلالت خانہ کعبہ کی اور یہ نور کا عالم
نگاہیں پڑ رہی ہیں دم بدم ترسیدہ ترسیدہ

درج ذیل نقشے میں کعبہ شریفہ کی بلندی اور چاروں اطراف کی لمبائی ملاحظہ ہو:

کعبہ شریف کی بلندی	ملتزم کی سمت لمبائی	حطیم کی سمت لمبائی	رکن یمانی اور حطیم کی سمیت لمبائی	رکن یمانی اور حجر اسود کی سمت لمبائی
14 میٹر	12,84 میٹر	11,28 میٹر	12,11 میٹر	11,52 میٹر

1: باب بنی شیبہ قریش کے رہائشی علاقہ کی سمت حرم شریف میں داخل ہونے کے لیے ایک راستہ تھا پھر شیبہ بن عثمان مجاور حرم کے گھر کے پاس اس گزرگاہ کو دروازہ بنادیا گیا اور اس کا نام باب بنی شیبہ پڑ گیا۔مہدی کے زمانہ میں جو توسیع ہوئی اس میں یہ دروازہ مطاف میں آ گیا۔جس کے نشان کو باقی رکھا گیا جو مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب ماضی قریب تک موجود تھا۔سعودی دور حکومت میں مطاف کی توسیع کی غرض سے اس کو ختم کر دیا گیا۔اور اس کی یادگار کے طور پر صفا و مروہ کے درمیانی دروازوں میں سے 26 نمبر دروازے کا نام 'باب بنی شیبہ' رکھ دیا گیا۔

2: مجمع الزوائد3،ص:289،291،292،سیرت ابن ہشام 195/1،التاریخ القویم 4/ 389-422۔

3: الکعبۃ المعظمۃ،ص:136،156اور الجامع اللطیف،78-82۔

حجرِ اسود:

یہ پتھر کعبہ شریف کے جنوبی حصہ میں نصب کیا گیا ہے۔ صحن (مطاف) سے اس کی اونچائی 1,10 میٹر ہے، لمبائی 25 سینٹی میٹر اور عرض تقریباً 17 سینٹی میٹر ہے۔ کعبہ شریف کی دیوار میں اس پتھر کے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں شروع میں یہ ایک ہی ٹکڑا تھا مگر قرامطہ [1] اور ان کے بعد کچھ ایسے حادثے پیش آئے کہ اس کا ظاہری حصہ ٹوٹ گیا، اب اس کے چھوٹے چھوٹے آٹھ ٹکڑے ہیں ان کا سائز مختلف ہے۔ بڑا ٹکڑا کھجور کے برابر ہے۔ ان ٹکڑوں کو ایک پتھر کے بڑے ٹکڑے میں جوڑا گیا۔ ہے۔ اور پھر اس پر چاندی کا فریم لگا دیا گیا ہے۔ یہی وہ ٹکڑے ہیں جن کو بوسہ دینا مسنون ہے۔ نہ کہ وہ بڑا پتھر جس میں یہ جڑے گئے ہیں اور نہ چاندی کا وہ خول جو اس بڑے پتھر پر چڑھا ہوا ہے۔ اس بڑے پتھر اور چاندی کے حلقے کی ترمیم و تزئین کا کام ماہ ربیع الاول 1422ھ میں انجام پایا۔

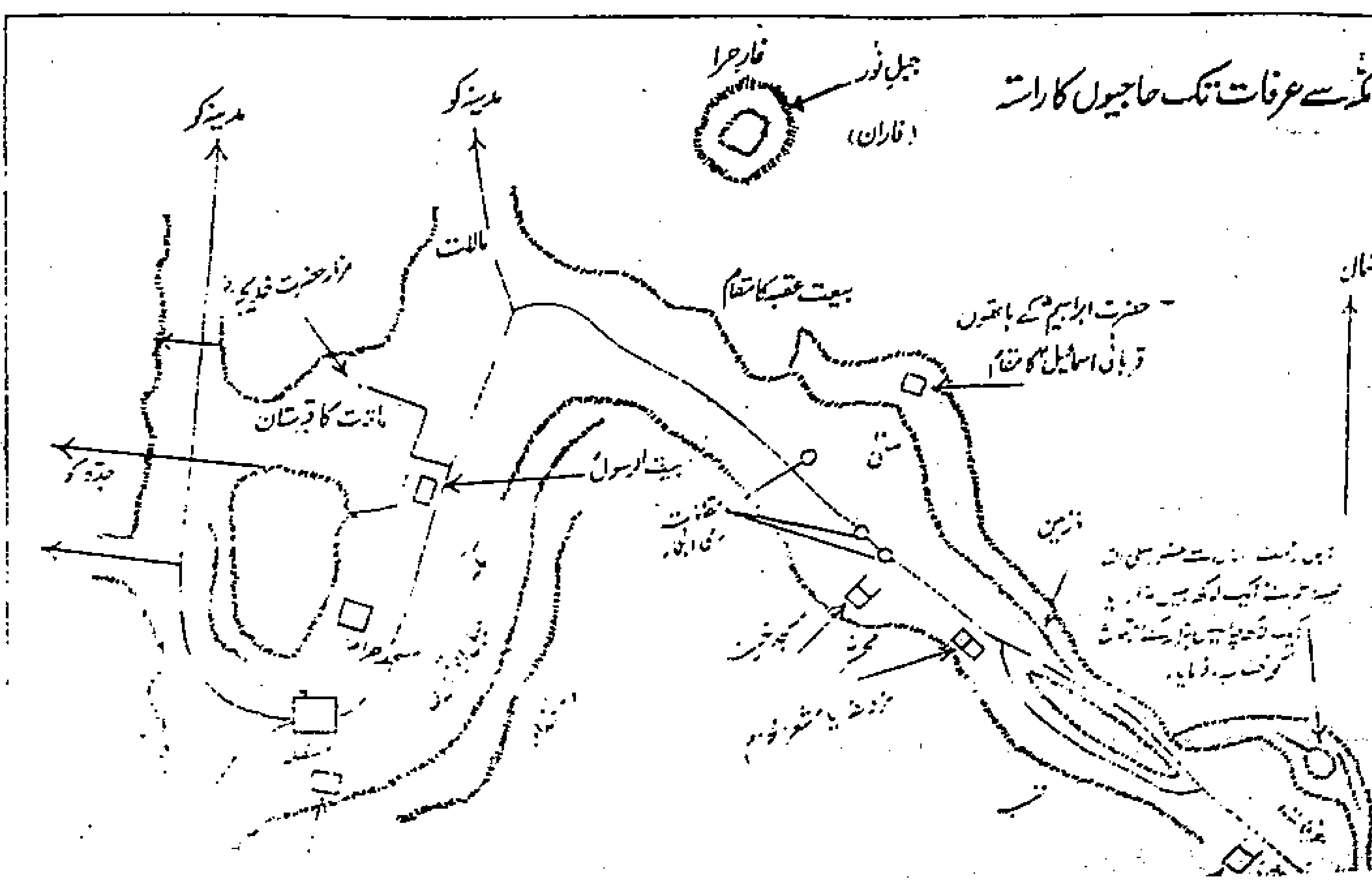
(کتاب ''تاریخ مکہ شریف'' کا بیان ختم ہوا۔)

قارئین حضرات! مکہ معظمہ کی تاریخ کے متعلق مندرجہ ذیل تین کتب سے نقل کر کے یہاں تحریر کیا گیا تا کہ صحیح طور پر سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے:

1- تاریخ ابن خلدون، جلد اوّل

2- تاریخ مکہ

3- تفسیر الحسنات، جلد اوّل



---

1 قرامطہ شیعہ کے اسمٰعیلی باطنی فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ ابوطاہر قرمطی کے متبعین ہیں۔ اس فرقہ کے لوگوں نے حجر اسود کو اکھاڑا اور اس کو احساء لے گئے۔ یہ افسوس ناک واقعہ 319ھ کا ہے پھر 339ھ میں بیس سال بعد یہ پتھر وہاں سے واپس لا کر موجودہ جگہ پر نصب کیا گیا۔ دیکھئے الملل والنحل: 29/2 شفاء الغرام، 193/1۔

مندرجہ ذیل عبارت بہارِ شریعت حصہ ششم سے نقل کی گئی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ہ

حج کا بیان

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ہ (۳:۹۶-۹۷)

بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ مکہ مکرمہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا رہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے''۔ (کنزالایمان)

اور فرماتا ہے: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ؕ (۲:۱۹۶) ''اور حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو''۔ (کنزالایمان)

حدیث 1 ...... صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کرو ایک شخص نے عرض کی کیا ہر سال یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضور نے سکوت فرمایا انہوں نے تین بار یہ کلمہ کہا اور ارشاد فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہوسکتا پھر فرمایا جب میں کسی بات کو بیان نہ کروں تم مجھ سے سوال نہ کرو اگلے لوگ کثرت سوال اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت سے ہلاک ہوئے لہٰذا جب میں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اسے کرو اور جب میں کسی بات سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔

حدیث 2 ...... صحیحین میں انہیں سے مروی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کون سا عمل افضل ہے فرمایا اللہ اور رسول پر ایمان۔ عرض کی گئی پھر کیا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد عرض کی گئی پھر کیا فرمایا حج مبرور۔

حدیث 3 ...... بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ انہیں سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلام) نہ کیا اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حدیث 4 ...... بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ انہیں سے راوی عمرہ سے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو درمیان میں ہوئے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔

حدیث 5 ...... مسلم و ابن خزیمہ وغیرہما عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حج اُن گناہوں کو دفع کر دیتا ہے جو پیشتر ہوئے ہیں۔

حدیث 6 ...... 7 ...... ابن ماجہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج کمزوروں کے لئے جہاد ہے۔ اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ نے روایت کی کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان کے ذمہ وہ جہاد ہے جس میں لڑنا نہیں۔ حج و عمرہ اور صحیحین میں انہیں سے مروی کہ فرمایا تمہارا جہاد حج ہے۔

حدیث 8...... ترمذی و ابن خزیمہ و ابن حبان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں حج و عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔

حدیث 9...... بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہم ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا رمضان میں عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔

حدیث 10...... بزار نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا حاجی اپنے گھر والوں میں سے چار سو کی شفاعت کرے گا اور گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

حدیث 11 ، 12...... بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں نے ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے سنا جو خانہ کعبہ شریف کے قصد سے آیا اور اونٹ پر سوار ہوا تو اونٹ جو قدم اٹھاتا اور رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لئے نیکی لکھتا ہے اور خطا کو مٹاتا ہے اور درجہ بلند فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کعبہ معظمہ کے پاس پہنچا اور طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی پھر سر منڈایا یا بال کتروائے تو گناہوں سے ایسا نکل گیا جیسے اس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اور اسی کے مثل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی

حدیث 13...... ابن خزیمہ و حاکم ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو مکہ شریف سے پیدل حج کو جائے یہاں تک کہ مکہ واپس آئے اس کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکیاں حرم شریف کی نیکیوں کے مثل لکھی جائیں گی۔ کہا گیا حرم کی نیکیوں کی کیا مقدار ہے فرمایا ہر نیکی لاکھ نیکی ہے تو اس حساب سے ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ہوئیں۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ؕ (۱۰۵:۲)

حدیث 14 تا 16...... بزار نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: عمرہ و حج کرنے والے اللہ کے وفد ہیں اللہ نے انہیں بلایا یہ حاضر ہوئے انہوں نے اللہ سے سوال کیا اس نے انہیں دیا اسی کے مثل ابن عمر و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی۔

حدیث 17...... بزار و طبرانی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور نے فرمایا حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حاجی جس کے لئے استغفار کرے اس کے لئے بھی۔

حدیث 18...... اصبہانی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حج فرض جلد ادا کرو کہ کیا معلوم کیا پیش آئے اور ابوداؤد و دارمی کی روایت میں یوں ہے جس کا حج کا ارادہ ہو تو جلدی کرے۔

حدیث 19...... طبرانی اوسط میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! جب تیرے بندے تیرے گھر کی زیارت کو آئیں تو انہیں کیا عطا فرمائے گا۔ فرمایا ہر زائر کا اس پر حق ہے جس کی زیارت کو جائے ان کا مجھ پر یہ حق ہے کہ دنیا میں انہیں عافیت دوں گا اور جب مجھ سے ملیں گے تو ان کی مغفرت فرما دوں گا۔

حدیث 20...... طبرانی کبیر میں اور بزار ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی کہتے ہیں میں مسجد منیٰ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا ایک انصاری اور ایک ثقفی نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر کہا یا رسول اللہ! ہم کچھ پوچھنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو میں بتا دوں کہ کیا پوچھنے حاضر ہوئے ہو اور اگر تم چاہو تو میں کچھ نہ کہوں تمہیں سوال کرو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں بتا دیجئے ارشاد فرمایا تو اس لئے حاضر ہوا ہے کہ گھر سے نکل کر بیت الحرام کے قصد سے جانے کو دریافت کرے اور یہ کہ اس میں تیرے لئے کیا ثواب ہے اور طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کو اور یہ کہ اس میں تیرے لئے کیا ثواب ہے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو اور یہ کہ اس میں تیرے لئے کیا ثواب ہے اور عرفہ کی شام کے وقوف کو اور تیرے لئے اس میں کیا ثواب ہے اور جمار کی رمی کو اور اس میں تیرے لئے کیا ثواب ہے اور قربانی کرنے کو اور اس میں تیرے لئے کیا ثواب ہے اور اس کے ساتھ طواف افاضہ کو۔ اس شخص نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا اسی لئے حاضر ہوا تھا کہ ان باتوں کو حضور سے دریافت کروں ارشاد فرمایا جب تو بیت الحرام کے قصد سے گھر سے نکلے گا

تو اونٹ کے ہر قدم رکھنے اور ہر قدم اٹھانے پر تیرے لئے حسنہ لکھا جائے گا اور تیری خطا مٹادی جائے گی اور طواف کے بعد کی دو رکعتیں ایسی ہیں جیسے اولاد اسماعیل میں کوئی غلام ہو اس کے آزاد کرنے کا ثواب اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ستر غلام آزاد کرنے کی مثل ہے اور عرفہ کے دن وقوف کرنے کا حال یہ ہے کہ اللہ عزوجل آسمان دنیا کی طرف خاص تجلی فرماتا ہے اور تمہارے ساتھ ملائکہ پر مباہات فرماتا ہے ارشاد فرماتا ہے: میرے بندے دور دور سے پراگندہ سر میری رحمت کے امیدوار ہو کر حاضر ہوئے اگر تمہارے گناہ ریت کی گنتی اور بارش کے قطروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں تو میں سب کو بخش دوں گا میرے بندو واپس جاؤ تمہاری مغفرت ہوگئی اور اس کی جس کی تم شفاعت کرو اور جمروں پر رمی کرنے میں ہر کنکری پر ایک ایسا کبیرہ مٹادیا جائے گا جو ہلاک کرنے والا ہے اور قربانی کرنا تیرے رب تعالیٰ کے حضور تیرے لئے ذخیرہ ہے اور سر منڈانے میں ہر بال کے بدلے میں حسنہ لکھا جائے گا اور ایک گناہ مٹایا جائے گا اس کے بعد خانہ کعبہ شریف کے طواف کا یہ حال ہے کہ تو طواف کر رہا ہے اور تیرے لئے کچھ گناہ نہیں ایک فرشتہ آئے گا اور تیرے شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا کہ زمانہ آئندہ میں عمل کر اور زمانہ گذشتہ میں جو کچھ تھا معاف کر دیا گیا۔

حدیث 21......ابویعلیٰ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حج کے لئے نکلا اور مر گیا تو قیامت تک اس کے لئے حج کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لئے نکلا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو جہاد میں گیا اور مر گیا اس کے لئے قیامت تک غازی کا ثواب لکھا جائے گا۔

حدیث 22......طبرانی و ابویعلیٰ و دار قطنی و بیہقی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو اس راہ میں حج یا عمرہ کے لئے نکلا اور مر گیا اس کی پیشی نہیں ہوگی نہ حساب ہوگا اور اس سے کہا جائے گا تو جنت میں داخل ہو جا۔

حدیث 23......طبرانی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی نبی ﷺ نے فرمایا یہ گھر اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے پھر جس نے حج کیا یا عمرہ وہ اللہ کے ضمان میں ہے۔ اگر مر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور گھر کو واپس کر دے تو اجر و غنیمت کے ساتھ واپس کرے گا۔

حدیث 24، 25......دارمی ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے حج کرنے سے نہ حاجت ظاہر مانع ہوئی نہ بادشاہ ظالم نہ کوئی ایسا مرض جو روک دے پھر بغیر حج کے مر گیا تو چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اسی کی مثل ترمذی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حدیث 26......ترمذی و ابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ایک شخص نے عرض کی کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے فرمایا توشہ اور سواری۔

حدیث 27......شرح سنت میں انہیں سے مروی کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حاجی کو کیسا ہونا چاہئے فرمایا پراگندہ سر میلا کچیلا۔ دوسرے نے عرض کیا یا رسول اللہ! حج کو کون سا عمل افضل ہے فرمایا بلند آواز سے لبیک کہنا اور قربانی کرنا۔ کسی اور نے عرض کی سبیل کیا ہے فرمایا توشہ اور سواری۔

حدیث 28......ابوداؤد و ابن ماجہ ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو مسجد اقصیٰ شریف سے مسجد حرام شریف تک حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ سب بخش دیئے جائیں گے یا اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

حج کے مسائل

مسائل فقہیہ

حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظمہ کے طواف کا اور اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے کہ اس میں یہ افعال کئے جائیں تو حج ہے ۹ ہجری میں فرض ہوا اس کی فرضیت قطعی ہے جو اس کی فرضیت کا انکار کرے کافر ہے مگر عمر بھر میں صرف ایک بار فرض ہے۔ (عالمگیری، درمختار، ردالمحتار، بحرالرائق)

مسئلہ 1...... دکھاوے کے لئے حج کرنا اور مال حرام سے حج کو جانا حرام ہے۔ حج کو جانے کے لئے جس سے اجازت لینا واجب ہے بغیر اس کی اجازت کے جانا مکروہ ہے۔ مثلاً ماں باپ اگر اس کی خدمت کے محتاج ہوں اور ماں باپ نہ ہوں تو دادا دادی کا بھی یہی حکم ہے یہ حج فرض کا حکم ہے اور نفل ہو تو مطلقاً والدین کی اطاعت کرے۔ (درّ مختار، ردّ المختار، عالمگیری، بحرالرائق)

مسئلہ 2...... لڑکا خوبصورت امرد ہو تو جب تک داڑھی نہ نکلے باپ اسے جانے سے منع کر سکتا ہے۔ (درّ مختار، عالمگیری، بحر)

مسئلہ 3...... جب حج کے لئے جانے پر قادر ہو حج فوراً فرض ہو گیا یعنی اسی سال میں اور اب تاخیر گناہ ہے اور چند سال تک نہ کیا تو فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود مگر جب کرے گا ادا ہی ہے قضا نہیں۔ (درّ مختار، عالمگیری، بحر)

مسئلہ 4...... مال موجود تھا اور حج نہ کیا پھر وہ مال تلف ہو گیا تو قرض لے کر جائے اگر چہ جانتا ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہو گا مگر نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ طاقت دے گا تو ادا کر دوں گا پھر اگر ادا نہ ہو سکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولا عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔ (درّ مختار، بحر)

مسئلہ 5...... حج کا وقت شوال سے دسویں ذی الحجہ تک ہے کہ اس سے پیشتر حج کے افعال نہیں ہو سکتے سوا احرام کے کہ احرام اس سے پہلے بھی ہو سکتا ہے اگر چہ مکروہ ہے۔ (درّ مختار، ردّ المختار)

داخلی حرم محترم و مکہ مکرمہ و مسجد الحرام

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (۲: ۱۲۶......۱۲۸)

اور عرض کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر اُسے عذابِ دوزخ کی طرف مجبور کروں گا اور وہ بہت بُری جگہ ہے پلٹنے کی اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسماعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا اے رب ہمارے اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت تیری فرمانبردار اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان"۔ (کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (۲۸-۵۸)

"کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی امان والی حرم شریف میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں"۔ (کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ؗ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ (۲۷: ۹۱)

"مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اسے حرمت والا کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ

فرمانبرداروں میں ہوں"۔ (کنزالایمان)

حدیث 1، 2...... صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ مکرمہ کے دن یہ ارشاد فرمایا اس شہر کو اللہ نے حرم (بزرگ) کر دیا ہے جس دن آسمان و زمین کو پیدا کیا تو وہ روز قیامت تک کے لئے اللہ کے کئے سے حرم ہے مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں قتال حلال نہ ہوا اور میرے لئے صرف تھوڑے سے وقت میں حلال ہوا اب پھر وہ قیامت تک کے لئے حرام ہے نہ یہاں کا کانٹے والا درخت کاٹا جائے نہ اس کا شکار بھگایا جائے اور نہ یہاں کا پڑا ہوا مال کوئی اٹھائے مگر جو اعلان کرنا چاہتا ہو اسے اٹھانا جائز ہے اور نہ یہاں کی تر گھاس کاٹی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اِذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) کہ اس کے کاٹنے کی اجازت دیجئے کہ لوہاروں اور گھر کے بنانے میں کام آتی ہے۔ حضور نے اس کی اجازت دے دی اسی کی مثل ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے مروی۔

حدیث 3...... ابن ماجہ عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی جب تک اس حرمت کی پوری تعظیم کرتی رہے گی اور جب لوگ اسے ضائع کر دیں گے ہلاک ہو جائیں گے۔

حدیث 4...... طبرانی اوسط میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ شریف کے لئے زبان اور ہونٹ ہیں اس نے شکایت کی کہ اے ربّ میرے پاس آنے والے اور میری زیارت کرنے والے کم ہیں۔ اللہ عزوجل نے وحی کی کہ میں خشوع کرنے والے سجدہ کرنے والے آدمیوں کو پیدا کروں گا جو تیری طرف ایسے مائل ہوں گے جیسے کبوتری اپنے انڈے کی طرف مائل ہوتی ہے۔

حدیث 5...... صحیح بخاری و مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے تو ذی طویٰ میں رات گزارتے جب صبح ہوتی غسل کرتے اور نماز پڑھتے اور دن میں داخل مکہ ہوتے اور جب مکہ شریف سے تشریف لے جاتے تو صبح تک ذی طویٰ میں قیام فرماتے۔

داخلی حرم کے احکام: (۱) جب حرم مکہ مکرمہ کے متصل پہنچے سر جھکائے، آنکھیں شرم گناہ سے نیچی کئے، خشوع و خضوع سے داخل ہو اور ہو سکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک و دعا کی کثرت رکھے اور بہتر یہ کہ دن میں نہا کر داخل ہو حیض و نفاس والی عورت کو بھی نہانا مستحب ہے۔ (۲) مکہ معظمہ کے گرداگرد کئی کوس تک حرم کا جنگل ہے ہر طرف اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھیڑنا، خودرو پیڑ کاٹنا، وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لئے اسے اٹھائے اور اگر وحشی جانور بیرون حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اُسے لئے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوا اب وہ جانور حرم کا ہو گیا فرض ہے کہ فوراً چھوڑ دے۔ مکہ معظمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ہر مکان میں رہتے ہیں خبردار ہرگز ہرگز نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے بعض ادھر ادھر کے لوگ جو مکہ مکرمہ میں بسنے والے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے ان کی ریس نہ کرے مگر بُرا انہیں بھی نہ کہے کہ جب وہاں کے جانور کا ادب ہے تو مسلمان انسان کا کیا کہنا یہ باتیں جو حرم شریف کے متعلق بیان کی گئیں احرام کے ساتھ خاص نہیں احرام ہو یا نہ ہو بہر حال یہ باتیں حرام ہیں۔ (۳) جب مکہ معظمہ پر نظر پڑے تو ٹھہر کر یہ دعا پڑھے:

(۲۱) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ بِهَا قَرَارًا وَّارْزُقْنِيْ فِيْهَا رِزْقًا حَلَالًا

اور درود شریف کی کثرت کرے اور افضل یہ ہے کہ نہا کر داخل ہو اور مدفون جنۃ المعلّٰی کے لئے فاتحہ پڑھے اور مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

(۲۲) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَالْبَلَدُ بَلَدُكَ جِئْتُكَ هَارِبًا مِّنْكَ اِلَيْكَ لِاُؤَدِّيَ فَرَائِضَكَ وَاَطْلُبَ رَحْمَتَكَ وَاَلْتَمِسَ رِضْوَانَكَ اَسْاَلُكَ مَسْاَلَةَ الْمُضْطَرِّيْنَ اِلَيْكَ وَالْخَائِفِيْنَ عُقُوْبَتَكَ اَسْاَلُكَ اَنْ تَقْبَلَنِيَ الْيَوْمَ بِعَفْوِكَ وَتُدْخِلَنِيْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَ تَتَجَاوَزَعَنِّيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى اَدَآءِ فَرَائِضِكَ اَللّٰهُمَّ نَجِّنِيْ مِنْ عَذَابِكَ وَافْتَحْ

لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِیْ فِیْهَا وَاَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

(۴) جب مدعٰی میں پہنچے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے کعبہ معظمہ نظر آتا تھا جبکہ درمیان میں عمارتیں حائل نہ تھیں ۔ یہ عظیم اجابت وقبول کا وقت ہے یہاں ٹھہرے اور صدق دل سے اپنے اور تمام عزیزوں' دوستوں' مسلمانوں کے لئے مغفرت وعافیت مانگے اور جنت بلا حساب کی دعا کرے اور درود شریف کی کثرت اس موقع پر نہایت اہم ہے۔ اس مقام پر تین بار ''اللہ اکبر'' اور تین مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہے اور یہ پڑھے:

(۲۳) رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ط

اور یہ دعا پڑھے:

(۲۴) اَللّٰهُمَّ اِیْمَانًا ۢبِكَ وَتَصْدِیْقًا ۢبِكِتَابِكَ وَوَفَآءً ۢبِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ط اَللّٰهُمَّ زِدْ بَیْتَكَ هٰذَا تَعْظِیْمًا وَّ تَشْرِیْفًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مِنْ تَعْظِیْمِهٖ وَتَشْرِیْفِهٖ مَنْ حَجَّهٗ وَّاعْتَمَرَ تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّمَهَابَةً

اور یہ دعائے جامع کم از کم تین بار اس جگہ پڑھیں:

(۲۵) اَللّٰهُمَّ هٰذَا بَیْتُكَ وَاَنَا عَبْدُكَ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ لِعُبَیْدِكَ اَمْجَدَ عَلِیٍّ اَللّٰهُمَّ انْصُرْهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۔ اٰمِیْنَ۔

نوٹ: اگر مندرجہ بالا دعائیں نہ یاد ہوں تو جو دعا اچھی یاد ہو وہ پڑھے اور درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھے۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ 1 ...... جب مکہ معظمہ میں پہنچ جائے تو سب سے پہلے مسجد الحرام شریف میں جائے کھانے' پینے' کپڑے بدلنے' مکان کرایہ پر لینے وغیرہ دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہوں ہاں اگر عذر ہو مثلاً سامان کو چھوڑتا ہے تو ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو محفوظ جگہ رکھوانے یا کسی اور ضروری کام میں مشغول ہوا تو حرج نہیں اور اگر چہ چند شخص ہوں تو بعض اسباب اتروانے میں مشغول ہوں اور بعض مسجد الحرام شریف کو چلے جائیں۔ (منسک عالمگیری) (۵) ذکر خدا عزوجل اور رسول ﷺ اور اپنے تمام مسلمانوں کے لئے دعائے فلاح دارین کرتا ہوا اور لبیک کہتا ہوا باب السلام تک پہنچے اور اس آستانہ کو بوسہ دے کر پہلے دہنا پاؤں رکھ کر داخل ہو۔

یہاں بہار شریعت کا بیان ختم ہوا۔

مندرجہ ذیل تحریر ماہنامہ ''النجم'' منڈی بہاؤالدین ذی قعد 1422ھ سے صفحہ 6 تا 19 نقل کی جاتی ہے:

حمد باری تعالیٰ

(از حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ)

الٰہی تو ہے وحدہ لا شریک — بنایا ہے تو نے ہر اک شے کو ٹھیک
عدم سے تو ہستی میں لایا ہمیں — یہاں آب و گل میں پھنسایا ہمیں
ضعیفی سے ہم کو توانا کیا — تھے نادان ہم تو نے دانا کیا
کری ہم پہ نازل یہ روشن کتاب — کیا اس میں امر و نہی کا خطاب
نہ کی نیک اور بد میں ہم نے تمیز — رہے اپنی غفلت سے ہم بے تمیز
رہی وہ ہی ہم پر کرم کی نظر — وہ نور ہدایت رہا جلوہ گر
ہے روشن اگرچہ ہدایت کا نور — ولے کیا ہو حاصل کہ ہیں ہم تو کور

ساقی رحمت ﷺ

(از عزیز حاصل پوری ملتان)

شان ہو کس سے بیاں اللہ پاک کے پیغام کی — آیت آیت ہے زباں پیغمبر اسلام کی
ساقی رحمت ادھر بھی کوئی گردش جام کی — سوئے فیضان نظر ہے آنکھ تشنہ کام کی
آپ نے جو درد کی دولت مجھے انعام کی — زندگی صدقے ہے اس پر راحت و آرام کی
مصطفےٰ ﷺ کا نام نامی ہے محمد ﷺ اس لیے — عظمتیں ظاہر ہوئیں اس سے خدا کے نام کی
آمنہ رضی اللہ عنہا کا چاند جب زلفیں بکھیرنے آ گیا — جگمگا اٹھی وہیں تقدیر صبح و شام کی
ذکر سبحان الذی اسریٰ شب اسریٰ سے ہے — چل رہے عرش پر تسبیح ان کے نام کی
پھر عطا ہوں دھر کو ایمان کی تابانیاں — پھیلتی جاتی ہیں پھر تاریکیاں اوہام کی
کانپ کانپ اٹھتا ہوں اپنا روز نامہ دیکھ کر — لاج تیرے ہاتھ ہے آقا! میرے انجام کی
نعت گوئی کیوں نہ ہو تیرے لیے آساں عزیز — تجھ کو بخشی ہے خدا پاک نے روشنی الہام کی

حج کے افعال ومناسک کی ادائیگی کا طریقہ

(از علامہ خالد محمود حیدر رضوی صاحب (کلاھر شریف)

حج ہجرت کے نویں سال فرض ہوا تھا اسی سال حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ پھر جب سورۃ برات کی چالیس آیات نازل ہوئیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ آیات دے کر مکہ معظمہ روانہ فرمایا تا کہ حج کے موقع پر یہ آیات سب کو سنا دی جائیں۔

☆ اگر آپ کا سفر بحری جہاز سے ہو تو میقات پر اور اگر ہوائی جہاز سے ہو تو کراچی میں اپنی جائے قیام سے ایئر پورٹ سے احرام باندھ لیجئے، احرام باندھنے سے پہلے طے کر لیجئے کہ حج کی تینوں قسموں میں سے آپ کون سا حج کرنا چاہتے ہیں۔

☆ حج قران اور حج افراد کا احرام حج پورا کرنے تک بندھا رہے گا، اگر مکہ معظمہ میں حج سے پہلے آپ کا قیام طویل ہو تو بہتر ہے آپ حج تمتع کا احرام باندھیں۔ کیونکہ لمبے احرام میں احرام کی پابندیوں کا پورا کرنا عام لوگوں کے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور اگر پہلے براہ راست مدینہ منورہ جانے کا پروگرام ہو تو پھر روانگی کے وقت کوئی احرام نہ باندھیں جب مدینہ منورہ سے واپسی ہو اور دن کم رہ گئے ہوں تو قرآن کا احرام باندھ لیں کیونکہ احناف کے نزدیک تینوں قسموں میں حج قران افضل ہے۔

☆ احکام حج چونکہ تینوں حج کے اکثر مشترک ہیں، ہم یہاں صرف حج افراد کا طریقہ بیان کرتے ہیں، قران یا تمتع کرنے والے ان کے مخصوص احکام حج کے مسائل کی مفصل کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں یا علماء سے دریافت کریں۔

☆ احرام باندھنے سے پہلے حجامت بنوائیں، بدن کے غیر ضروری بال صاف کریں، پھر احرام کی نیت سے غسل کریں، غسل کا موقعہ نہ ہو تو وضو کر لیں، یہ غسل چونکہ صرف ظاہری بدن کی صفائی کے لیے ہے اس لیے حیض ونفاس والی عورتوں اور بچوں کے لیے بھی مسنون ہے۔

☆ غسل کے بعد سلے ہوئے کپڑے اتار کر ایک چادر تہبند کی طرح باندھ لیں اور دوسری اوڑھ لیں، عورتیں سلے ہوئے کپڑے ہی پہنے رہیں، پھر بدن اور کپڑوں پر خوشبو ملیں، اور سر ڈھانپ کر دو رکعت نفل پڑھیں، پہلی رکعت میں قل یایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھیں، سلام پھیر کر سر کھول دیں، اور احرام کی نیت یوں کریں: اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وَ تقبلہ منی ۞ ''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں آپ اسے میرے لیے آسان کر دیجئے اور اسے میری طرف سے قبول فرمالیجئے۔''

☆ نیت کر کے تین مرتبہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں عورتیں آہستہ پڑھیں:

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک و الملک لا شریک لک ۞

تلبیہ عربی میں ہی پڑھنا چاہئے احرام سے پہلے اس کو اچھی طرح یاد کر لیں اسی لیے ترجمہ نہیں دیا گیا۔ تلبیہ کے بعد تین دفعہ آہستہ درود شریف پڑھے اور پھر دعا کرے۔ بس احرام بندھ گیا۔ اب کثرت سے تلبیہ پڑھتا رہے اس دوران سب سے زیادہ مقبول وظیفہ تلبیہ ہی ہے سوار ہوتے وقت، اترتے وقت، چڑھائی پر چڑھتے وقت، صبح وشام رات کو سونے جاتے وقت کسی سے ملاقات کے وقت اور ہر نماز کے بعد تلبیہ کا ورد رکھے، احرام کے بعد حرم شریف میں داخل ہونے تک کوئی خاص فعل نہیں کرنا ہے۔

☆ جدہ سے روانگی کے بعد جب حرم شریف کی حد شروع ہو جائے جس کے نشان بنے ہوئے ہیں وہاں ممکن ہو تو سواری سے اتر کر پیدل چلے،

زیادہ ممکن نہ ہوتو چند قدم ہی چل لے، نہایت خشوع وخضوع کی حالت طاری کر کے تکبیر وتہلیل پڑھتا ہوا حدودِ حرم شریف میں داخل ہو۔

☆ اور جب حدودِ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتو یہ دعا پڑھے:

اللھم اجعل لی بھا قرار اورزقنی بھا حلالاo

''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مکہ مکرمہ کو میرے لیے وجہ سکون وقرار بنا اور یہاں مجھے رزق حلال نصیب فرما۔''

جب خانہ کعبہ پر نظر پڑے تو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے اور دعا مانگے اس وقت یہ دعا مسنون ہے:

اللھم زدبیتك ھذا تشریفاً و تکریماً و تعظیماً و براًo

''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! اپنے اس مقدس گھر کے شرف، کرامت اور عظمت وبھلائی میں اور زیادتی فرما۔''

☆ علماء نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔

☆ مسجد میں داخل ہو کر سیدھا حجر اسود کی طرف آئے، اگر کوئی فرض وواجب نماز رہ گئی ہوتو پہلے ادا کرے۔ پھر حجر اسود کی طرف آئے، مسجد حرام شریف میں داخلہ کے بعد تحیۃ المسجد نہ پڑھے، مسجد حرام شریف کا تحیہ طواف ہے، واجب وسنت طواف اگر نہ کرنا ہوتو مسجد میں داخلہ کے بعد نفل طواف کرے یہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہے۔

مسلمانوں کا سرکاری جشن

(حج) کے مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لیے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں۔ جس کو دیکھنے کے لیے قریب ودور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں۔ اس کے مقدس مقامات کی تعظیم کرتے بجالاتے ہیں۔ اسی لیے حج مسلمانوں کا سرکاری جشن ہے۔ جس میں ان کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی)

☆ جب حجر اسود کے سامنے آ جائے تو اس کی طرف رخ کر کے اس طرح کھڑا ہو کہ حجر اسود کا بایاں کنارہ دائیں مونڈھے کی سیدھ میں ہو اور سارا حجر اسود دائیں طرف ہو۔

☆ یہاں کھڑا ہو کر طواف وقدوم کی نیت کرے، یہ نیت کسی بھی زبان میں کی جاسکتی ہے اردو میں یوں ہے:

''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! تیرے اس مقدس ومبارک گھر کے طواف کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے میرے لیے آسان فرما اور میری جانب سے اسے قبول فرما۔''

پھر دائیں طرف اتنا سرکر کہ حجرہ اسود سامنے ہو جائے پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کے کہے:

''اللھم ایماناً بك و وفاء بعھدك واتباعاً لسنة نبیك محمد ﷺo

''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! میں تجھ پر اپنا ایمان رکھتا ہوں تیرے عہد کو پورا کرتا ہوں اور تیرے محبوب ﷺ کی سنت کی پیروی کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے اور حجرہ اسود کو بوسہ دے اور سر رکھ کر سجدہ کرے۔

☆ اگر ہجوم کی وجہ سے حجرہ اسود تک رسائی نہ ہوتو دور ہی کھڑے کھڑے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں حجرہ اسود کی جانب ہوں اور یہ تصور کرے کہ یہ ہاتھ حجرہ اسود پر رکھے ہوئے ہیں ان کو چوم لے اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ وہی برکت حاصل ہوگی جو بوسہ کا مقصد ہے۔

اور بسم اللہ اللہ اکبر و للہ الحمد پڑھ کر دائیں طرف سے طواف شروع کردے۔

☆ طواف کی کوئی خاص دعا تو مقرر و منقول نہیں ہے جو دعائیں یاد ہو وہی پڑھتا رہے یا دل میں جو تمنائیں ہوں اپنی زبان میں وہ مانگتا رہے اور خاموش رہے تو بھی جائز ہے۔ البتہ بعض اہل دل بزرگوں اور عالموں نے ہر چکر کی دعائیں علیحدہ علیحدہ لکھی ہیں۔ دعا کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دراصل اپنے معبود و مالک حقیقی سے ایک طرح کا راز و نیاز ہے ضابطہ کی خانہ پری نہیں ہے اس لیے دل جس دعا میں لگے جس سے سوز گداز پیدا ہو اور جس دعا سے وارفتگی اور والہانہ پن کی کیفیت پیدا ہو اسی کو اختیار کرے، محض زبان سے الفاظ ادا کرنا بھی بیکار اور برکت سے خالی نہیں لیکن کوشش اسی کی ہو کہ دل بھی زبان کا ساتھ دے۔

☆ رکن ایمانی پر پہنچے تو اس پر دونوں ہاتھ یا دایاں ہاتھ پھیرے، ہجوم ہو تو ویسے ہی گزر جائے، ہاتھوں سے اشارہ نہ کرے۔

☆ طواف کے وقت خانہ کعبہ شریف کی طرف نگاہ نہ اٹھائے اس کی ممانعت ہے۔

☆ ہر چکر پر ممکن ہو تو حجرہ اسود پر بوسہ دے، دھکم دھکا ہرگز نہ ہو ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

☆ عورتوں کو مردوں کے اندر نہیں گھسنا چاہئے ان کے لیے بہتر ہے کہ کنارے کنارے طواف کریں، یا جب بھیڑ نہ ہو اس وقت طواف کریں۔

☆ اس طواف کو شروع کرتے وقت چادر کے ایک پلو کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیں اور دایاں بازو ننگا کرلیں اسے اضطباع کہتے ہیں۔ یہ صرف طواف میں ہوتا ہے نماز اس حالت میں نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ نماز میں کندھا ڈھک لیں۔

☆ اس طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی کرنا چاہئے۔ رمل کا مطلب پہلوانوں کی طرح اکڑ کر مونڈھے ہلاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنا ہے۔ بعض لوگ دوڑتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔

☆ جب ساتواں چکر پورا ہو جائے تو حجرہ اسود کو بوسہ دے اور وہاں سے ہٹ کر مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آ جائے اس کے پیچھے دو رکعت واجب الطواف کی نیت پڑھے۔ پہلی رکعت میں قل یایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھے۔ اس کے پیچھے بالکل جگہ نہ ملے تو اس کے آس پاس پڑھ لے۔ یا مطاف و مسجد حرام شریف میں کسی جگہ پڑھ لے۔ سلام پھیر کر یہاں بھی دعا مانگے یہ بھی مقام قبولیت ہے۔ دعا سے فارغ ہو کر ملتزم شریف پر آئے دیوار کا جو حصہ ہے وہ ملتزم (چمٹنے کی جگہ) کہلاتا ہے یہاں یہ سمجھ لے کہ بس اللہ کے دامن سے چمٹ گیا ہوں کبھی اس پر دایاں رخسار ملے کبھی دائیں اور جو دل چاہے مانگے اپنے گناہوں کی گریہ وزاری کیجئے۔ خطاؤں کی معافی چاہئے اور اپنے لیے اور سب کے لیے خوب جی بھر کے مانگئے جو مانگنا ہو یہاں مانگی ہوئی دعا رد نہیں بلکہ قبول ہی ہوتی ہے۔ یہاں بھی ہجوم کی وجہ سے چمٹنے کا موقع نہ ملے تو اس کے سامنے کھڑا ہو کر دعا کرے اس سے فارغ ہو کر زمزم شریف پر آ جائے۔ خوب پیٹ بھر کر پانی پیئے۔ سر آنکھوں پر ملے بدن اور چادر تر کرے اور جو دعا چاہے مانگے یہ بھی مقام مقبولیت ہے۔

☆ ہر جگہ ہر مقام پر اس کا خاص طور پر اہتمام کرے کہ اپنی طرف سے کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، اس مبارک سفر کے افعال و مناسک اتنے سخت اور مشکل نہیں جتنا کہ ضبط نفس ہے۔ قدم قدم پر آدمی کو غصہ دلانے کے موقع پیدا ہوتے ہیں۔ بس حج کی روح ہی ضبط نفس ہے۔ آدمی تصور نہیں کرسکتا کہ جس کی طرف کسی کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں ہوتی وہ جب لوگوں کے دھکے کھاتا ہے یا کہنیوں کی مار سہتا ہے تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ ایسے وقت اس کا ضبط نفس ہی اسے کندن بناتا ہے اس لیے دھکے مکے کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہونا چاہئے۔

☆ زمزم سے فارغ ہو کر پھر حجرہ اسود پر آئے اور اس کو بوسہ دے کر باب صفاء سے نکل کر مسعی (سعی کرنے کی جگہ) میں آ جائے۔ صفاء پر چڑھئے وہاں قبلہ رو ہو کر خوب دیر تک دعا مانگئے کیونکہ یہاں بھی قبولیت کی بشارت ہے۔ تکبیر و تہلیل اور حمد و ثناء کا ورد کرتے ہوئے سعی شروع کر دیجئے۔ صفاء سے مروہ تک ایک چکر ہوگا۔ راستہ میں جب پہلا سبز ستون آئے تو وہاں سے ذرا جھپٹ کر جو عام چال اور دوڑ کے بین بین ہو چلئے باقی راستہ عام رفتار سے طے کیجئے۔ سعی کے دوران بھی کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے جو دعا یاد ہو پڑھئے یا اپنی زبان میں مانگئے یا یہ دعا پڑھتے رہیے:

رب اغفر وارحم انت الاعز الاکرام○

''اے میرے رب (عزوجل)! معاف فرما اور رحم فرما، تو ہی سب سے زیادہ غالب اور کریم ہے۔''

☆ مروہ پر پہنچ کر تھوڑا اوپر چڑھے وہاں بھی روبہ قبلہ ہو کر یہ دعا کرے۔ یہ ایک چکر ہوا اسی طرح سات چکر کرے۔ سعی پوری کر کے مطاف میں آ کر دو رکعت پڑھنا مستحب ہے۔

☆ یہ طواف صرف عمرہ کا یا حج تمتع کے عمرہ کا ہوا تو اس سے فارغ ہو کر سر منڈایا جاتا ہے اور احرام ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن کرنے والے قارن کو افراد کرنے والے مفرد کو سعی کے بعد سر نہیں منڈانا چاہئے۔ اس کا احرام حج کے ختم تک باقی رہے گا۔ اس لیے اسے کوئی ایسا کام یا حرکت نہیں کرنی چاہئے جو احرام کے خلاف ہو۔

☆ مفرد کے لیے اب ایام حج شروع ہونے تک کوئی کام نہیں۔ اب وہ نفلی طواف چاہے جتنے کرے۔ مگر عمرہ نہیں کرسکتا۔

☆ 9 ذوالحجہ کو امام خطبہ دے گا اسے سننا چاہئے چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

عمرہ

عمرہ حج اصغر ہے اور احناف کے نزدیک ساری عمر میں ایک بار واجب ہے۔ البتہ شروع کرنے سے پہلے کا پورا کرنا واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے اور ایک بار سے زیادہ سب کے نزدیک مستحب ہے۔ رمضان کا عمرہ اور دنوں سے افضل ہے اور حج کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ نویں سے تیرھویں ذوالحج تک عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، مکہ مکرمہ میں رہ کر جو عمرہ کرنا چاہئے تو احرام حرم کی حدود سے باہر جا کر باندھے۔ مقام تنعیم سے باندھنا زیادہ افضل ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے تین میل دور ہے اور مقام جعفرانہ سے احرام باندھنا بھی افضل ہے۔ کیونکہ یہاں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔ عمرہ کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر تلبیہ کہے اور رمل اور اضطباع کے ساتھ طواف کرے اور اوّل استلام کے ساتھ تلبیہ بند کرے اور دوگانہ طواف ادا کرے پھر استلام حجرہ اسود شریف کا کرے۔ اس کے بعد سعی صفاء و مروہ کرے اور سر منڈانے یا قصر کرنے کے بعد احرام کھولے۔

حج کے پانچ دن

لمحہ بہ لمحہ لحظہ بہ لحظہ اور قدم قدم کی داستان

(ازقلم صاحبزادہ پیر محمد عبدالجلیل علی احمد رضا سلیمانی رضوی مانگٹ شریف)

حجاج کرام کے لیے ایک راہنما تحریر

حج کی فرضیت کی شرائط:

1- دین اسلام پر قائم ہو۔
2- بالغ مرد یا عورت ہو۔
3- مجنون یا دیوانہ نہ ہو۔
4- آزاد ہو، اور صحت مند ہو۔
5- مالدار ہو، اور صحت مند ہو۔
6- ایام حج میں حج کرے۔

حج کی اقسام:

حج تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک فقط حج، اس کو افراد کہتے ہیں۔ دوسرا۔ قرآن، اس میں حج اور عمرہ دونوں ایک احرام میں کئے جاتے ہیں۔ تیسرا تمتع، پہلے حج کے مہینوں کے (یکم شوال سے 10 ذی الحجہ تک) اندر عمرہ ادا کرے پھر احرام کھولے اور اسی سفر میں اسی سال حج کرے ان دونوں کے لیے الگ الگ احرام باندھے۔

مکروہات احرام:

بدن سے میل دور کرنا، داڑھی، سر یا بدن کو صابن سے دھونا، کنگھی کرنا، بال کھجانا، خلال کرنا، چادر میں گرہ دے کر گردن میں باندھنا، چادر یا تہبند میں گرہ لگانا یا پن لگانا، خوشبو کا سونگنا، بدن پر پٹی باندھنا، تکیہ پر منہ کے بل لیٹنا، بدن پر گھی یا چربی یا روغن لگانا۔

ممنوعاتِ احرام:

☆ کسی گناہ کا ارتکاب۔
☆ لڑائی جھگڑا، فحش کلامی، خشکی کے جانوروں کا شکار یا اس میں مدد دینا، شکار پکانا یا کھانا، شکار یا اس کے انڈے بچے خریدنا یا بیچنا۔
☆ اپنے بدن سے جوئیں مارنا یا پکڑنا، یا کسی کو مارنے کے لیے کہنا۔
☆ خضاب یا مہندی لگانا۔
☆ خوشبو لگانا، ناخن یا بال کٹوانا، سر اور چہرہ ڈھانپنا، ایسا جوتا پہننا جس سے قدم کی ابھرہوئی ہڈی چھپ جائے۔

پہلا دن یوم الترویہ 8 ذی الحجہ:

متمتع اور اہل مکہ وحل والے آج حج کا احرام باندھیں اور سارے حاجی طلوع شمس کے بعد منیٰ پہنچ جائیں۔ آج کا کام صرف یہ ہے کہ منیٰ میں قیام رہے گا اور پانچوں نمازیں ظہر سے فجر تک منیٰ میں پڑھی جائیں گی۔

منیٰ میں فرصت کا وقت گھومنے پھرنے، ملنے جلنے کے بجائے، تسبیح وتہلیل اور اوراد و وظائف، تلبیہ و درود اور تلاوت میں بسر کرنا چاہئے۔ 8 کو اگر جمعہ ہے اور مکہ شریف سے زوال سے پہلے چلا گیا تو ٹھیک ورنہ پھر مکہ مکرمہ میں جمعہ پڑھ کر جائے۔

دوسرا دن یوم العرفہ 9 ذی الحجہ:

9 ذی الحجہ کو خوب دھوپ پھیل جائے تو منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو جانا چاہئے عرفات پہنچ کر کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال سے پہلے غسل

کر کے مسجد نمرہ میں آ جائے یہاں امام کا خطبہ سنے اور ظہر و عصر کی نماز ملا کر امام کے ساتھ ادا کرے پھر فوراً اپنے جائے قیام پر آ جائے۔

جو لوگ مسجد نمرہ میں امام کے ساتھ نماز نہ پڑھیں ان کو ظہر و عصر اکٹھی پڑھنے کی اجازت نہیں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کریں۔

اب میدان عرفات میں وقوف کرنا۔ وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا۔ عرفات میں جبل رحمت کے قریب یا جائے میدان عرفات میں کہیں بھی امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد کھڑے ہو کر غروب آفتاب تک دعا و استغفار و تہلیل، تضرع و زاری کرنا مسنون ہے۔ پورے وقت کھڑا نہ رہ سکے تو بیچ میں بیٹھ جائے، لیٹ جائے، آرام کرے، تھوڑی دیر کھڑا ہو لے یا اپنے خیموں میں وقوف کرے مطلب یہ ہے کہ یہ قیمتی وقت غفلت میں ضائع نہ کرے اور جو رحمت طوفانی بارش سے بھی زیادہ تیز آج کے دن یہاں برستی ہے لہو و لہب کے سبب اس سے محروم نہ رہ جائے ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایسا خوش بخت ہوگا کہ جسے آ کر حاضری کی دولت نصیب ہو اس لیے وقت و موقعہ کو بہت سمجھے اور تمام وقت دعائیں مانگتے اور تلبیہ و درود و تسبیح تقدس میں بسر کرے اور رحمت پروردگار عزوجل سے جتنا زیادہ من بھر سکتا ہو بھر لے۔

عورتیں بچے ضعیف مرد اور جسے راستہ بھول جانے کا اندیشہ ہو انہیں اپنی جائے قیام پر ہی وقوف کرنا چاہیے۔

جب آفتاب غروب ہو جائے تو لبیک کہتا ہوا اور دعائیں مانگتا ہوا عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ میں آئے جو لوگ حدود عرفات سے غروب سے پہلے نکل جاتے ہیں انہیں دم دینا پڑے گا ہاں غروب سے پہلے لوٹ آئے تو دم معاف ہو جائے گا۔

مغرب کی نماز عرفات میں یا راستہ میں پڑھنا منع ہے کوئی پڑھ لے تو لوٹانا واجب ہے۔ مزدلفہ جب بھی پہنچے پہلے مغرب و عشاء کی نماز اکٹھی (عشاء کے وقت میں) پڑھے، با جماعت پڑھے یا تنہا، اگر مزدلفہ پہنچنے کے بعد بھی عشاء کا وقت نہ شروع ہوا ہو تو ابھی کوئی نماز نہ پڑھے، عشاء کا وقت شروع ہونے کے بعد پڑھے۔

نماز سے فارغ ہو کر شب بسری کا انتظام کرے، اللہ تعالیٰ جسے ہمت اور توفیق دے اسے یہ رات جاگ کر عبادات وغیرہ میں مشغول رہ کر گزارنی چاہیے۔ اس لیے کہ علماء نے اس شب کو شب قدر سے بھی افضل بتایا ہے۔

لیکن سو جانے کی بھی ممانعت نہیں ہے، ہمت، ذوق و شوق اور ولولہ کی بات ہے، مزدلفہ میں بھی صبح صادق کے بعد وقوف کیا جاتا ہے چاہے وہ تھوڑی دیر ہو، مسجد مشعر الحرام کے نزدیک بہتر ہے موقعہ نہ ہو تو اپنی اپنی جگہ وقوف کر لیں مزدلفہ کی رات کو فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھنی چاہیے، احناف نے بھی اس کی اجازت دی ہے، نماز پڑھ کر وقوف کرے اور مزدلفہ سے ایسے وقت روانہ ہو کہ سورج نکلنے میں بقدر دو رکعت پڑھنے جتنا وقت رہے، کل اور باقی دنوں میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے کنکر بھی مزدلفہ سے لینے چاہیں۔ مزدلفہ سے ملی ہوئی وادی محسر ہے، یہ لعنتی وادی ہے، رات کو وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اس کا حکم تو یہ ہے کہ وہاں سے گزرو تو بھاگ کر گزرو۔

صبح صادق سے پہلے اگر کوئی مزدلفہ سے چلا جائے تو اسے بھی دم دینا چاہیے۔

تیسرا دن یوم النحر - 10 ذی الحجہ:

10 ذی الحجہ کا سورج نکلنے سے پندرہ منٹ پہلے مزدلفہ سے روانہ ہونا چاہیے، عورتیں یا زیادہ سامان ساتھ نہ ہو۔ یا عورت ہمت والی ہو اور ماشا کا انتظام ہو جائے تو مزدلفہ سے پیدل آنے میں بڑی راحت ہوتی ہے، آج سب سے پہلے کام جو واجب اور ضروری بھی ہے بڑے شیطان کو جسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں سات کنکریاں مارنا ہے۔ یہ رمی عورت، مرد دونوں پر واجب ہے دونوں کو خود ہی اپنے ہاتھ سے مارنا ہے۔ اس میں نیابت جائز نہیں صرف اسی شخص کی طرف سے کوئی دوسرا مار سکتا ہے جو اتنا بیمار، ضعیف، ناتواں ہو کہ سوار ہو کر بھی جانا جس کے لیے سخت تکلیف کا موجب ہو، بھیڑ کا ڈر ہو تو عورت رات کو رمی کرے ویسے اس رمی کا وقت زوال تک ہے۔ غروب آفتاب تک بھی اجازت ہے، غروب کے بعد وقت مکروہ ہو جاتا ہے لیکن بھیڑ کی وجہ سے یہ وقت بھی مکروہ نہیں۔ بعض علماء رات کو رمی بلا کراہت جائز کہتے ہیں۔

اگر جمرہ کے قریب پہنچ سکے تو قریب جا کر رمی کرے ورنہ اتنی دور کرے جہاں سے اس کی کنکری جمرہ کے ستون تک پہنچ [illegible] ستون کے اوپر یا

اس کی جڑ میں گرے۔ اگر جمرہ کے ستون سے فاصلہ پر کنکری گرے گی تو رمی صحیح نہ ہوگی۔

جمرہ میں پہلی کنکری پھینکتے وقت حاجی کا تلبیہ موقوف ہو جاتا ہے۔ اب تلبیہ نہ پڑھے۔ جمرہ کے آس پاس سے کنکری نہ اٹھائے۔

کنکری بڑے چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو، پتھر، جوتے، لکڑی وغیرہ سے مارنا نری جہالت ہے۔ اس سے رمی نہیں ہوتی، زمین کی جنس سے جو چیز ہو اس سے جائز ہے خاک کی ایک مٹھی ایک کنکر کے برابر شمار ہوگی، گیرو، مٹی کی گولیوں اور ٹکڑوں سے بھی رمی جائز ہے۔

کنکر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے پھینکیے اور پھینکتے وقت پڑھے:

بسم اللہ اللہ اکبر رغما لشیطان و رضی الرحمانo

''شیطان کو ذلیل کرنے اور رحمٰن کو راضی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے (رمی) شروع کرتا ہوں۔''

رمی کر کے جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے۔ اپنی جائے قیام پر آ جائے، یا وہیں سے قربانی کے لیے چلا جائے لیکن آج قربانی قارن اور متمتع پر واجب ہے مفرد پر واجب نہیں اس کا جی چاہے کرے یا نہ کرے۔

تلبیہ:

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمۃ لک الملک لا شریک لکo

جس حاجی پر اپنے وطن میں قربانی واجب تھی یہاں بھی اس کو قربانی کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ 8 ذی الحجہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے اس کو پندرہ دن گزر چکے ہوں کیونکہ اس وقت وہ مقیم شمار ہوگا۔ اس لیے مسافر پر قربانی واجب نہیں لیکن اگر وہ قربانی کر دے گا تو ادا ہو جائے گی۔

قربانی کر کے سر منڈا دے، اب اس کا احرام ختم ہو گیا اب حج کا ایک رکن طواف زیارت باقی رہ گیا۔ یہ طواف 10 ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔

پہلے رمی، اس کے بعد قربانی پھر سر منڈانا تینوں مناسک ہیں یہ ترتیب بھی واجب ہے۔ ان کاموں کو اس ترتیب سے پہلے پیچھے کرنے پر دم واجب ہوگا۔

اگر کوئی عذر نہ ہو تو بہتر و افضل یہی ہے کہ طواف زیارت بھی آج ہی کر لے، اگر طواف قدوم میں رمل، اضطباع اور اس کے بعد سعی کر لی ہے، یا متمتع نے (جو طواف قدوم نہیں کرتا حج کا احرام باندھ کر نفلی طواف کر کے رمل و سعی کرے، اور اگر پہلے رمل و سعی نہیں کی تو طواف زیارت میں ضرور کرے، رمل تو سنت ہے مگر سعی واجب ہے اگر وہ چھوٹ گئی تو دم دینا ہوگا۔

10 ذی الحجہ کے واجبات ختم ہو گئے۔ طواف کر کے منیٰ واپس آ جائے، کیونکہ 12 ذی الحجہ تک رات کو منیٰ سے باہر رہنا مکروہ ہے دن میں کسی وجہ سے چلا بھی جائے تو رات کو ضرور لوٹ آئے۔

عورت کے لیے سر منڈانا یا مردوں کی طرح قینچی و مشین سے کٹوانا حرام ہے، وہ اپنی چوٹی کے آخری سرے سے ایک انگلی کے پورے کے برابر بال خود کاٹ لے یا اپنے محرم سے کٹوا لے، اجنبی مرد سے کٹوانا بھی حرام ہے۔

احرام کی حالت میں احرام سے نکلنے کے لیے آدمی اپنے بال بھی کاٹ سکتا ہے اور دوسرے کے بھی۔

چوتھا دن- 11 ذی الحجہ:

آج تینوں شیطانوں کو سات سات کنکریاں مارنا ہے۔ آج رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، لوگ صبح ہی سے رمی میں لگے رہتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی نہ کرنا چاہیے ہر کام اس کے وقت میں کرنا ہی تعمیل حکم اور پابندی شرع کہلائے گا۔

آج رمی اس ترتیب سے ہوگی کہ سب سے پہلے چھوٹے شیطان پر جسے جمرۃ الاولی کہتے ہیں اور جو مسجد خیف کے قریب پہلے پڑتا ہے رمی کی جائے، جب سات کنکر مار چکے تو اس سے ذراہٹ کر قبلہ رو کھڑا ہو جائے اور خوب دل لگا کر دعا کرے، یہ مقام بھی قبولیت دعا کا ہے وہاں سے پھر دوسرے شیطان کے پاس آئے جسے جمرۃ الوسطیٰ کہتے ہیں اور جو بڑے اور چھوٹے شیطانوں کے درمیان ہے اور یہاں بھی سات کنکر مارے اور پھر اس سے ذراہٹ کر کھڑا ہو اور دعا کرے، اگر ممکن ہو تو دونوں جگہ پانچ پانچ منٹ کھڑا رہ کر دعا کرے، یہاں سے فارغ ہو کر بڑے شیطان (جس کو جمرۃ الاخری یعنی آخری جمرہ بھی کہتے ہیں) اور جس کی رمی 10 ذی الحجہ کو کر چکے ہیں کے پاس آکر سات کنکریاں مارے یہاں کنکریاں مارنے کے بعد ٹھہرنے اور دعا کرنے کا حکم نہیں ہے۔

بس آج کا واجب کام یہی تھا، اب باقی وقت دعا و استغفار اور اوراد و وظائف درود، تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن مجید میں گزارے۔

پانچواں دن 12 ذی الحجہ:

آج بھی 11 ذی الحجہ کی طرح تینوں جمرات کو رمی کرنا ہے آج بھی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، آج کی رمی کے بعد اجازت ہے حاجی منیٰ سے جانا چاہے تو چلا جائے، مگر غروب آفتاب سے پہلے پہلے چلا جائے، اگر جانے کی نیت سے گاڑی میں بیٹھ گیا مگر اژدھام کے سبب راستہ رک گیا اور بعد غروب حدود منیٰ سے نکلنا ہوا تو یہ روانگی مکروہ نہیں کہلائے گی لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ 13 کو بھی رمی کر کے جائے، 12 کو غروب آفتاب کے بعد آنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر 13 کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو اب 13 کی رمی بھی واجب ہوگئی، البتہ 13 ذی الحجہ کی رمی میں احناف نے بھی اجازت دی ہے کہ زوال سے پہلے کر سکتا ہے، 13 کی رمی واجب ہونے کے بعد اگر کسی نے رمی نہیں کی ویسے ہی چلا آیا تو دم واجب ہوگا۔

12 کو آئے یا 13 کو مسنون ہے کہ واپسی میں وادی محصب میں ٹھہرے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز وہاں پڑھ کر مکہ معظمہ میں داخل ہو، اگر اتنا وقت نہ ٹھہرے تو جتنی دیر ٹھہر سکتا ہو ٹھہرے۔

بس اب مناسک حج میں طواف وداع رہ گیا، یہ بھی واجب ہے وطن روانہ ہونے سے پہلے یہ طواف کرے، اگر کوئی یہ طواف نہ کرے اور میقات سے باہر آجائے تو وہ ایک دم دے دے یا عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ کر کے آئے، تو یہ طواف ادا ہو جائے گا، ہاں روانگی سے پہلے کوئی نفل طواف کر لیا تو وہ طواف وداع کے قائم مقام ہو جائے گا چاہے طواف نفل میں طواف وداع کی نیت نہ کی ہو۔

دم کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دم کا ذبح حرم شریف میں ضروری ہے اگر حرم کے باہر کہیں ذبح کر لیا تو دم ادا نہ ہوگا۔

اب اگر حج سے پہلے مدینہ منورہ حاضری ہوگئی ہے تو وطن روانگی کی تیاری کرے ورنہ مدینہ منورہ حاضر ہو اور وقت میں جتنی گنجائش ہو وہاں قیام کرے حج کے لیے جائے اور مدینہ منورہ حاضر نہ ہو تو یہ بڑی بدقسمتی ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو حج کے لیے آئے اور میری زیارت کو نہ آئے اس نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا۔

اور پھر جب حضور آقائے کائنات ﷺ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر پر حاضری دی اس نے گویا میری زیارت کی تو کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا جو بغیر حاضری لوٹ آئے۔

طواف کی اقسام:

1- طواف قدوم: مکہ مکرمہ میں آنے کے وقت کا طواف، یہ اہل مکہ مکرمہ کے لیے یا تمتع کرنے والے کے لیے سنت نہیں۔

2- طواف زیارت: طواف رکن یا طواف حج بھی کہتے ہیں اس کا وقت 10 ذی الحج کی صبح صادق سے ایام نحر یعنی 12 ذی الحجہ تک ہے، اس کے بعد سعی بھی کی جاتی ہے۔

3- طواف وداع: یہ حج کا آخری واجب ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔

4- طواف عمرہ: یہ عمرہ میں رکن اور فرض ہے اور طواف زیارت کی مانند ہے۔
5- طواف نذر: یہ منت اور نذر ماننے والے پر واجب ہے۔
6- طواف تحیۃ المسجد: یہ طواف مسجد حرام شریف میں داخل ہونے والے کے لیے مستحب ہے۔
7- طواف نفل: یہ جس وقت چاہے ادا کرے۔

طواف کے واجبات

......ارکان......

1- طواف کے اکثر چکر پورے کرنا۔
2- بیت اللہ شریف کے باہر مسجد کے اندر طواف کرنا۔
3- خود طواف کرنا خواہ سواری پر کرے، البتہ بے ہوش کی جگہ دوسرا شخص طواف کرسکتا ہے۔

......شرائط......

1- خاص وقت میں طواف کرے۔
2- احرام کے ساتھ طواف کرے۔
3- وقوف کے ساتھ طواف کرے۔ (بغیر نیت کے کوئی طواف نہ کرے البتہ طواف کی قسم کا تعین کرنا شرط نہیں۔)

......واجبات......

1- بے وضو اور غسل کی حاجت کے ساتھ نہ ہو۔
2- عورت ستر کے ساتھ ہو۔
3- پاپیادہ طواف کرے معذور البتہ مستثنیٰ ہے۔
4- داہنی طرف سے طواف کرے۔
5- حطیم کو شامل کرے۔
6- حجر اسود سے شروع کرے۔
7- پورا طواف کرے۔
8- طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے۔

سراغ زندگی

علامہ محمد شفیق الرحمٰن سیالوی کے قلم سے ایک خوبصورت تحریر

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

قارئین کرام! آج کل کا دور اگر چہ بہت ترقی کا دور ہے، سائنس کا دور ہے، ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ خداداد صلاحیتوں کے ساتھ انسان بہت ترقی کر رہا ہے۔ ہر آئے دن ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ لوگ چاند پر پہنچ گئے ہیں کوئی زمین پر تحقیق کر کے ماہرین ارضیات میں ید طولیٰ حاصل کر چکے ہیں کوئی آسمان پہ تحقیق کر کے ماہرین فلکیات کہلا رہے ہیں۔ غرضیکہ کوئی ستارے پہ ریسرچ کر رہا ہے، کوئی سورج کی روشنی پر محو تحقیق ہے۔ کوئی ہزاروں سال پرانے مجسمے نکال کر آج سے ہزار سال قبل انسان کی تہذیب پہ غور کرنے میں مصروف ہے۔ ہزاروں ٹن لوہے کو انسان نے ہوا میں پرواز کرا دی ہے۔ ہزاروں ٹن لوہے کو انسان نے پانی پر ترا دیا ہے۔ انسان نے اپنی موت کا سامان اپنے ہاتھوں سے تیار کر لیا ہے۔ کوئی پوری دنیا کو تین منٹ میں تباہ کرنے کے بلند بانگ دعویٰ کر رہا ہے۔ کوئی ایٹم بم کا راگ الاپ رہا ہے، ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ریڈیو، فیکس، ڈش انٹرنیٹ، جیسی ایجادات نے عام آدمی کا دماغ چکرا کے رکھ دیا ہے۔ دیگر مصنوعات کو دیکھو تو بازاروں میں ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ درست ہے مگر افسوس صد افسوس کہ انسان نے کبھی اپنے آپ پر اپنی زندگی پر کبھی غور نہیں کیا کہ آخر اس بزم ہستی کے سجانے موت و حیات کے پیدا کرنے کا مقصد اعلیٰ کیا ہے۔ کیا کبھی انسان نے اس بات پہ غور کیا ہے کہ خداوند قدوس نے حضرت انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ اس زمین میں حضرت انسان کی تمام ضروریات پیدا فرمائیں، زمین کا فرش بچھایا، آسمان کا سائے بان تنا پھر آسمان سے پانی اتارا اور اس کی وساطت سے حضرت انسان کے لیے انواع و اقسام کے پھل پیدا کیے۔ پھر آسمان کو ستاروں اور چاند سے مزین فرمایا تا کہ رات کا منظر ہولناک اور ڈراؤنا نہ رہے۔ انسان رستوں کا تعین کر سکے اور ماہ و سال کا حساب لگا سکے۔ غرضیکہ میرے ربّ عزوجل نے طرح طرح کی نعمتیں حضرت انسان کے لیے پیدا فرمائیں تمام ضروریات زندگی مہیا فرمائیں۔ پھر اس کی ہدایت کا مکمل سامان پیدا فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے چار آسمانی کتابیں اور متعدد صحائف نازل فرمائے تا کہ انسان جہالت کی دلدل میں ہی نہ بھٹکتا پھرے۔ پھر اس مشت خاک کو عقل کا نور عطا فرمایا۔ عشق کی نار عطا فرمائی۔ اور ایمان کی سرمدی دولت سے نوازا، آخر یہ کرم بالائے کرم حضرت انسان پہ کیوں فرمایا۔ آئیے یہ ہی سوال ربّ تعالیٰ کی مقدس کتاب سے کرتے ہیں کیونکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے آغاز میں ربّ قدیر عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا کہ یہ دین اسلام کا ایک ایسا روشن مینار ہے کہ اس پر شکوک و شبہات کا گرد و غبار بھی نہیں پڑ سکتا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں ہر خشک اور تر چیز کو بیان کر دیا گیا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں چھوٹی اور بڑی چیز کو بیان کیا گیا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ اے ربّ قدیر عزوجل کی مقدس کتاب ہمیں بتا کہ ربّ عزوجل نے حضرت انسان کو کیوں پیدا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ"o

ترجمہ: "ہم نے جن اورانسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔" (القرآن)

علماء تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ لیعبدون بمعنی لیعرفون ہے یعنی ہم نے جن اور انسان کو اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اپنی پہچان کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جس طرح اس کی تمام مخلوقات سے حضرت انسان ایک اعلیٰ ارفع مخلوق ہے اس کا مقصد پیدائش مقصد زیست بھی بہت اعلیٰ اورارفع ہے۔ [باقی صفحہ 473]

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان عالیشان مکہ معظّمہ کی حرمت کے بارے

وعن عیاش بن ابی ربیعة المخزومی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزال هذه الامة بخیر ما عظموا هذه الحرمة حق تعظیمها فاذا ضیعوا ذلك هلکوا o (رواه ابن ماجة)

حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی روایت فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ امت ہمیشہ خیر پر قائم رہے گی۔ جب تک کہ وہ اس حرمت کی تعظیم کرتی رہے گی۔ جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے جب وہ اس تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

عین کی زبر اور یا کی شد بعد میں شین۔ ربیعہ را کی زبر اور با کی زیر سے۔ مخزومی خا اور زا کے ساتھ آپ صحابی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے لیے قنوت میں دعا فرمائی تھی اور فرمایا تھا: اے اللہ (عزوجل)! عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو نجات دے۔

یعنی مکہ مکرمہ اور حرم کی حرمت بجالاتے رہیں گے اس میں ہر ممنوع فعل کے ارتکاب سے اجتناب کریں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے یعنی حرم کعبہ شریف کی احتیاط کرنے میں پوری توجہ دیں گے۔

حرم المدینة حرسها اللہ تعالیٰ

حرم مدینہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے

اب حرم مدینہ شریف کا بیان مع مشکوٰۃ "اشعۃ اللمعات اردو جلد نمبر 3 کا صفحہ 818 تا 822 نقل کیا جاتا ہے:

مدینہ مطہرہ کی عزت وحرمت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ علماء نے اس کی چیزوں پر حرمت کا حکم مرتب ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ یہاں حرمت کا معنی صرف تعظیم وتکریم ہے۔ دوسرے احکام کے ثبوت کے بغیر جیسے شکار کی حرمت، درخت کاٹنے کی حرمت اور اس پر سزا کا حکم مرتب ہونا اور جو کوئی ان کاموں میں سے کوئی کام کرے تو گناہ گار نہ ہوگا اور اس پر کوئی سزا بھی نہیں عائد ہوگی۔ یہی امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ امام نووی نے کہا کہ امام مالک، امام شافعی (رضوان اللہ اجمعین) اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مدینہ پاک کے شکار اور اس کے درخت کاٹنے میں کوئی تاوان لازم نہیں ہاں البتہ شکار کرنا اور درخت کاٹنا بغیر تاوان کے بھی حرام ہے۔ تورپشتی نے کہا کہ مدینہ منورہ کے شکار کو حرام قرار دینے کے قائل نہیں ہوئے مگر گنتی کے چند صحابہ، صحابہ کی اکثریت مدینہ منورہ کے پرندوں کے شکار کے جواز کی منکر نہیں ہے اور ہم تک کسی بھی معتمد طریقے سے اس کے بارے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں بھی جزا اور بدلہ لازم ہے جیسا کہ حرم مکہ مکرمہ میں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ حرم مدینہ منورہ کی خلاف ورزی کرنے کی جزا یہ ہے کہ اس شخص کا سامان چھین لیا جائے کیونکہ اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف

کی ایک حدیث آ رہی ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کے قائل نہیں ہیں مگر امام شافعی وہ بھی اپنے قول قدیم میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں لکھا مگر قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ 1 میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ حرمت والا ہے۔ عیر 2 سے لے کر ثور کے درمیان زمین کے ٹکڑے تک تو جو شخص اس میں ایسی چیز ظاہر کرے گا جو ممنوع ہے یا کسی بے دین کو پناہ دے 3 گا تو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور نہیں قبول کیا جائے گا اس کا فرض، 4 نہ نفل سب مسلمانوں کا عہد ایک ہے۔ کم اور ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی اس کے پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ عہد شکنی 5 کرے گا تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ نہیں قبول ہوگا اس کی طرف سے فرض نہ نفل اور جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا بغیر اس کے دوستوں کی اجازت 6 کے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت اور نہ قبول ہوگا اس کا فرض نہ نفل۔ (بخاری مترجم، جلد اول، حدیث: 1745، ؤ مسلم)

بخاری ؤ مسلم کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے یا اپنے غیر مولاؤں سے ولا کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت 7 ہے۔ نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل۔

اشعۃ للمعات

1 جب کہ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کے علاوہ ایک اور صحیفے سے بھی مخصوص کیا ہے یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کے سوا اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے اس کے سوا حضور علیہ السلام سے کچھ لکھ کر نہیں رکھا وہ صحیفہ ایک ورق تھا جس میں دو دیعتوں کے احکام اور بعض دوسرے احکام تھے یہ صحیفہ اس وقت تلوار کے اس میان میں موجود ہے اور حرم مدینہ منورہ کا یہ حکم بھی اس میں ہے جو اگلے لفظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔

2 یعنی حرم مدینہ شریف کی حد عیر (عین کی زبر یا ساکن) اور ثور (ثا کی زبر و ساکن) یہ مدینہ منورہ کے دو پہاڑوں کا نام ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی حدود حرم مدینہ کہلاتا ہے۔

3 اور اعانت کرے گا۔ یہاں حدیث میں لفظ محدث یعنی بے دین آدمی کے خلاف سنت نکالی ہوئی چیز یہاں پناہ کے لیے لفظ آدی آیا ہے یعنی جو شخص خود بدعت کا مرتکب ہوگا یا دوسرے کی بدعت سے راضی ہوگا تو اس پر لعنت۔

4 یہاں حدیث میں فرض کے لیے لفظ صرف آیا ہے۔ بعض نے صرف کی تفسیر شفاعت سے کی ہے کیونکہ شفاعت مستحق عذاب سے عذاب کو پھیر دیتی ہے۔ صرف کی تفسیر توبہ سے بھی کی ہے کیونکہ توبہ بندے کو گناہ سے روک لیتی ہے۔ عدل کی تفسیر فدیے سے بھی کی ہے کیونکہ فدیہ اس چیز کے مساوی اور برابر ہوتا ہے جس کے بدلے دیا جاتا ہے پھر صحیفے میں جو احکام درج تھے ان میں سے ایک حکم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا عہد ایک ہے یعنی جو شخص مسلمانوں میں سے اگر چہ حقیر درجے کا ہی ہو جیسے غلام اور عورت کسی کافر کو امن دے دے یا اس سے معاہدہ کرے اور اپنی پناہ میں لے آئے تو سب پر اس معاہدے کی رعایت وحفاظت لازم ہے کسی کے لیے بھی اس عہد کا توڑنا جائز نہیں۔ اور عہد کو عربی میں ذمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا توڑنا موجب مذمت ہے۔

5 یعنی عہد اور وثیقہ جو مسلمان کے ساتھ کیا ہو جو اسے توڑے اور عذر کرے یا مسلمان کے اس عہد کو توڑے جو ذمی کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ کلام کا انداز اس معنیٰ کو ظاہر کرتا ہے۔

6 واضح ہو کہ ولا دو قسم ہے ایک کو ولائے موالاۃ کہتے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور پیوستگی کرتے اور عہد باندھتے تھے۔ اور اس بات کی قسم اٹھاتے تھے کہ نیکی بدی میں ایک دوسرے کے شریک مدد و معاون ہوں گے اور دوست آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ اور دشمنوں کے دشمن۔ دور جاہلیت میں باطل و ناحق کے اندر بھی ایک دوسرے کی امداد و معاونت کرتے تھے اور اسلام میں حق

کے اندر معاونت کرتے تھے۔ اکثر عجمی لوگ جو تابعین اور تبع تابعین میں سے تھے عربستان میں آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے ساتھ عقد دوستی قائم کیا۔ دوسری ولا دلائے عتاقہ ہے کہ جو کوئی غلام کو آزاد کرے گا تو آزاد کرنے والے کے لیے اس کا حق ولایت ثابت ہوگا اور قریبی وارثوں کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا وارث وہ بنے گا۔ یہاں حدیث میں احتمال ہے کہ موالی سے ولا سے موالات والے مراد ہوں اور معنی یہ ہوگا کہ اس کے لیے موالی ہوں تو نہیں چاہئے کہ وہ اپنے موالی کی اجازت کے بغیر دوسروں کو موالی بنالے۔ اور ان کے مشورے کے بغیر ایسا کرے کہ اس میں ایک قسم کی بدعہدی پائی جاتی ہے اور اس سے ایذا بھی پہنچتی ہے جس کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔ بعض کہتے ہیں مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لیے کافروں سے موالات کرنا مراد ہے جو کہ سخت ممنوع ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ولا سے ولائے عتاقہ مراد ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جو شخص اپنی نسبت اپنے آزاد کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کی طرف کرے گا وہ مستحق لعنت ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے تو لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

7 یہ روایت تائید کرتی ہے کہ ولایت عتاقہ مراد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آزادی، نسب کے رابطے کی طرح ایک رابطہ ہے۔

تنبیہ:

اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ عیر تو مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے مگر جبل ثور تو مکہ مکرمہ میں ہے نہ کہ مدینہ منورہ میں اور یہ وہ پہاڑ ہے جس کی غار میں ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام چھپے تھے۔ مدینہ منورہ میں کوئی مشہور پہاڑ نہیں جسے ثور کہتے ہوں اسی بناء پر بخاری شریف کے اکثر راوی اس کو مبہم چھوڑ گئے۔ بعض نے علامت کذا لکھ دی۔ بعض نے ثور کی جگہ سفید چھوڑ دی۔ فتح الباری میں کہا ظاہر یہ ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ عیر اور اُحد کے درمیان۔ امام احمد اور طبرانی کے نزدیک ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ عیر مکہ مکرمہ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ حرم مدینہ منورہ کی مقدار مسافت اتنی ہے جتنا کہ مکہ مکرمہ میں عیر و ثور کے درمیان فاصلہ ہے۔

شیخ مجد الدین نے قاموس میں کہا ثور مدینہ میں احد پہاڑ کے سامنے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ لہٰذا ثور کا ذکر صحیح ہے وہم نہیں ہے جیسا کہ آئمہ کو گمان ہوا ہے۔ شیخ موصوف نے اس کے ثابت کرنے میں انتہائی تحقیق سے کام لیا ہے میں نے شرح عربی میں اسے نقل کیا ہے:

حدیث کا پہلا حصہ بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1742

> حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں حرام قرار دیتا ہوں مدینہ منورہ کے ذولابہ 1 کے درمیانی حصہ کو کہ اس کے درخت کاٹے جائیں یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ مدینہ شریف ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جان 2 لیتے نہیں چھوڑے گا اسے کوئی بھی۔ اس سے اعراض کرتے ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدل کرلے آئے گا اس میں اس کو جو اس سے بہتر ہوگا اور نہیں ثابت قدم رہے گا کوئی بھی اس کی بھوک اور سختی پر اور اس کی مشقت محنت پر مگر میں اس کے لیے قیامت کے دن اس کی شفاعت 3 کرنے والا اور اس کا گواہ بنوں گا۔ (مسلم شریف)

(اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ، جلد 3، ص: 822، حرم مدینہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے، فصل اوّل)

(اشعۃ اللمعات):

1 با مخفف سے وہ پتھریلی زمین جو مدینہ منورہ کے دونوں طرف واقع ہے۔ لفظ عضاہ عین کی زیر اس کے بعد ض آخر میں ہا جمع عضہ بمعنی بڑے بڑے کانٹے دار درخت۔

2 دوسری حدیث میں آیا ہے کہ علاقے اور شہر فتح ہوں گے اور لوگ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر ادھر جانا چاہیں گے۔ حالانکہ مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ اسے جان لیں۔

3 یعنی اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا قیامت کے روز اس کی نیکیوں پر اس کا گواہ بننے والا ہوں گا۔

حضرت عامر بن سعد (سعد ابن ابی وقاص) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: بے شک حضرت سعد رضی اللہ عنہ سوار ہو کر وادی عقیق میں واقع اپنے محل کی طرف جارہے تھے تو آپ نے ایک غلام کو پایا جو درخت کاٹ رہا تھا اور پتے جھاڑ رہا ہے تو آپ نے اس کے کپڑے اور ہتھیار چھین لیے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو اس غلام کے مالک آئے اور ان سے اس بارے گفتگو کی کہ ہمارے غلام کو واپس کر دیں یا ان پر واپس کر دیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے اور آپ نے انکار کر دیا کہ اس کے مالکوں کو اس کا سامان واپس کریں۔ (مسلم شریف)

(بحوالہ اشعۃ اللمعات بمع شرح مشکوٰۃ شریف، اردو ترجمہ، جلد 3 ص: 524)

فضائل مدینہ شریف

تاریخ ابن خلدون کے مقدمہ میں عنوان فضائل مدینہ منورہ کے علاوہ مزید چند احادیث تحریر کی جاتی ہیں تاکہ مدینہ شریف کی عظمت کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکے۔

1 ام المؤمنین سیّدہ، طاہرہ، صائمہ، زاہدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو یہاں بہت وبائیں پھیلی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! ہمارے لیے مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے زیادہ محبوب بنا دے اور اس کو ہر لحاظ سے صحیح کر دے۔ اس کے صاع و مد (پیمانوں) میں برکت ڈال دے اور اس کی بیماری کو جحفہ میں منتقل کر دے۔

(صحیح بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1764 اور صحیح مسلم جلد 2، ص: 1216، کتاب الحج بحوالہ اردو ترجمہ مواہب اللدنیہ، جلد اوّل، ص: 204)

2 خلیفہ دوئم امیر المؤمنین سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں مہنگائی ہوگئی اور لوگ مشقت میں پڑ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر و تحمل سے کام لو۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ میں نے تمہارے صاع و مد (پیمانوں) میں برکت کی دعا مانگی ہے۔ تم مل جل کر کھانا کھایا کرو۔ ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کر جائے گا اور دو کا چار کو اور چار کا کھانا پانچ چھ آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ اکٹھے رہنے میں برکت ہے۔ جو مدینہ منورہ کی مشکل اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔ اور جو اس سے اعراض کر کے چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص اس میں بھیج دے گا۔ اور جو کوئی مدینہ منورہ کے ساتھ سازش کرنا چاہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو پانی میں نمک کی طرح پگھلا دے گا۔ (مجمع الزوائد، جلد 3، ص: 304)

حدیث کا آخری حصہ بخاری مترجم جلد اوّل، حدیث: 1752۔

3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس شخص کو مدینہ منورہ میں موت آ سکتی ہو۔ اسے چاہئے کہ یہ سعادت حاصل کرے۔ چونکہ میں یہاں مرنے والوں کی گواہی دوں گا۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3112)

4 امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مجھے اپنے رستہ میں شہادت عطا کر اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت عطا کر۔ (صحیح بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1765)

5 مدینہ منورہ کا قبرستان ہے جس میں دس ہزار کے قریب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دفن ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں (ام المؤمنین) اور بیٹیاں بھی ہیں۔ دیگر بہت سے تابعین و صالحین بھی یہاں دفن ہیں۔ نبی رحمت نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع والوں کے لیے دعا مغفرت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ بھی دعا ہے: اے مومن قوم تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے پاس وہ چیز آ گئی ہے جس کا وعدہ تھا۔ کل تم اٹھائے جاؤ گے اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آ ملیں گے۔ اے اللہ! بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرما۔ (صحیح مسلم، حدیث: 974:11)

لہٰذا ان کی زیارت کرنا اور ان کے حق دعا کرنا سنت ہے۔ (مدینہ منورہ کے قبرستان کو جنت بقیع کہا جاتا ہے۔) اس کا ایک نقشہ بھی یہاں پیش کیا جاتا ہے جو کوئی صاحب ترکی سے لائے اور اس کی ایک فوٹو سٹیٹ کاپی مجھ تک پہنچی (واللہ اعلم)

6 مدینہ منورہ کے مختلف نام ہیں ان میں سے طیبہ اور طابہ بھی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک یہ طیبہ ہے۔ یہ گندگی کو نکال پھینکتا ہے جیسے آگ چاندی کی میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1384، صحیح بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1746)

نیز ارشاد ہے جو مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔ یہ طابہ ہے۔ یہ طابہ ہے۔
(مجمع الزوائد،300/3، بخاری مترجم،جلد اوّل،حدیث:1747)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یثرب کے لفظ میں ملامت اور فساد کا معنی موجود ہے اور آقائے مدنی ﷺ اچھے نام کو پسند کرتے اور بُرے نام کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور طیبہ اور طابہ کے الفاظ میں پاکیزگی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہ مدینہ منورہ کا نام ہے چونکہ یہ شہر اپنے باسیوں کے لیے پاکیزہ ہے اور اس کی مٹی اور ہوا میں اس کا واضح اثر محسوس ہوتا ہے۔ یہاں رہنے والے اس کے درودیوار میں ایک پاکیزہ خوشبو محسوس کرتے ہیں جو کہیں اور نہیں ہوتی۔ (تاریخ مدینہ منورہ)

7. نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: جس نے مدینہ منورہ کی سات کھجوریں نہار منہ کھائیں اسے شام تک کوئی زہر نقصان نہیں دے گا۔ (صحیح مسلم حدیث:2047) اس حدیث میں کسی خاص قسم کا تعین نہیں البتہ بعض احادیث میں عجوہ کا تعین کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ جس نے صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھائیں اسے اس روز کوئی زہر یا جادو نقصان نہیں دے گا۔ (صحیح بخاری،حدیث:5749)

نیز ارشاد فرمایا: عوالی (مدینہ منورہ کا جنوبی محلّہ) کی عجوہ کھجور میں شفا ہے۔ اسے صبح سویرے کھانا تریاق ہے۔ (صحیح مسلم،حدیث:2048) صبح سویرے کھانے سے مراد نہار منہ کھانا ہے۔

8. (خاکِ شفا) اگر کسی شخص کو کوئی تکلیف ہوتی یا اسے پھوڑا پھنسی یا زخم ہوتا تو رسول کریم ﷺ اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر لگا کر اٹھاتے اور پڑھتے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی ہمارے لعاب دہن کے ساتھ بیماری سے شفا کا سبب ہے۔ ہمارے رب تعالیٰ کے حکم سے۔ (صحیح مسلم حدیث:2194) واضح رہے کہ اس حدیث میں مدینہ منورہ کی کسی خاص جگہ کا تعین نہیں اور بطحان کی مٹی کے تعین والی روایت ضعیف ہے۔ نیز مدنی مٹی کو جلد پر لگانا ثابت ہے۔ اس کو کھانا جائز نہیں۔

9. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ جو مدینہ میں رہنے والوں پر ظلم کرے اور انہیں ڈرائے دھمکائے تو اسے ڈرا دھمکا اور اس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔ (مجمع الزوائد،304/3) (نیز بخاری ومسلم مترجم،جلد اوّل،حدیث:1745)

10. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اہل مدینہ منورہ کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا تو اس نے میرے دل کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا۔ (مجمع الزوائد،304/3)

11. نبی خاتم ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے قریب) ایمان سمٹ کر مدینہ منورہ کی طرف آ جائے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف سمٹ کر پناہ لیتا ہے۔ (صحیح بخاری مترجم،جلد اوّل،ص:1751)

12. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر شہر میں دجال آئے گا سوائے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے کہ اس کے درّے پر فرشتے صف باندھے ہوئے حفاظت کر رہے ہوں گے۔ پھر مدینہ میں زلزلہ کے تین جھٹکے محسوس ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہر کافر و منافق کو مدینہ منورہ سے نکال دے گا۔ (صحیح بخاری مترجم،جلد اوّل،حدیث:1756-1754)

13. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال مشرق کی طرف سے آئے گا، وہ مدینہ پر قبضہ کرنا چاہے گا۔ اور جبل احد کے عقب میں پڑاؤ ڈالے گا اور ایک روایت میں ہے کہ جرف میں آ کر ٹھہرے گا تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے۔ اور وہیں ہلاک ہوگا۔ (صحیح بخاری مترجم جلد اوّل،حدیث:1755، صحیح مسلم 1379، 2943) اور مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ دجال اس شور زمین میں وادی قناۃ کی گذرگاہ تک آئے گا۔ (مسند احمد حدیث:5353)

(مندرجہ بالا احادیث کے حوالہ جات ”تاریخ مدینہ منورہ“ سے اخذ کیے گئے ہیں۔

جب مدینہ شریف کا نام آتا ہے تو دل کہتا ہے اس کی عظمت کے بارے جو کچھ ملتا ہے تحریر کیا جائے۔ تو لیجئے جس حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

کے مکان کے سامنے رسول کریم ﷺ کی اونٹنی ہجرت مکہ شریف سے مدینہ شریف کے وقت بیٹھی اور آپ ﷺ اس مکان میں رہائش پذیر ہوئے اس مکان کے متعلق کتاب مواہب اللدنیہ اردو ترجمہ، جلد اوّل، ص: 201 کے حوالے سے تحریر کیا جاتا ہے۔

اسے تبع اوّل (تبع حمیری) نے اسوقت بنایا۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے گزرا اور اس میں چار سو علماء کو چھوڑا اور ایک خط نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لکھا۔ جو ان میں سے سب سے بڑے عالم کو دیا اور اس سے کہا کہ یہ خط نبی پاک ﷺ کو دے دیں۔ یہ مکان مختلف مالکوں کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملا اور آپ رضی اللہ عنہ اس عالم کی اولاد میں سے تھے اور اہلِ مدینہ منورہ جنہوں نے آپ ﷺ کی مدد کی ان علماء کی اولاد سے تھے۔ اس بنیاد پر آپ ﷺ اپنے ہی مکان میں اترے۔ کسی دوسرے مکان میں نہیں۔ (تحقیق النصرہ فی تاریخ ذارا لہجرۃ تصنیف شیخ زین الدین بن حسین مراغی) میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

مواہب اللدنیہ کے حاشیہ ص: 201 پر تبع حمیری کے متعلق یہ تحریر ہے کہ تبع حمیری ایک بادشاہ تھا۔ وہ مکہ مکرمہ گیا۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور واپسی پر مدینہ طیبہ آیا۔ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اس نے چار سو علماء اور حکماء کو جمع کر کے بیعت لی کہ یہاں سے نہ جائیں اور ان کو بتایا کہ بیت اللہ شریف اور اس شہر کا شرف ایک ایسے شخص کی وجہ سے ہے جو تشریف لائیں گے اور ان کا اسم گرامی محمد ﷺ ہوگا۔ اس نے چار سو مکانات بنائے اور ان علماء اور حکماء کو وہاں ٹھہرایا۔ (شرح زرقانی، جلد اوّل، ص: 415)

مسجد نبوی شریف کی تعمیر

ہجرت مدینہ منورہ کے وقت تین دن قُباء کے مقام پر ٹھہرنے کے بعد جمعۃ المبارک 12 ربیع الاوّل کو حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے جہاں جہاں سے آپ ﷺ کی سواری گزرتی لوگ اپنے ہاں ٹھہرانے کے لیے اور میزبانی کا شرف حاصل کرنے کی درخواست کرتے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ آخر کار اونٹنی مالک ابن نجار کے مکان کے پاس آئی تو مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ وہ جگہ ان دنوں رافع بن عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل کے اونٹوں کو بٹھانے کی جگہ دی تھی اور یہ دونوں معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھے۔ اور یتیم تھے اور کہا جاتا ہے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھے۔ پھر اونٹنی وہاں سے اٹھی اور نبی کریم ﷺ اس پر سوار تھے حتیٰ کہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی پھر وہاں سے اٹھ کر پہلی جگہ جا بیٹھی اور گردن کا نچلا حصہ زمین پر ڈال دیا۔ یا ذبح والی جگہ زمین پر ڈالی۔ اور منہ کھولے بغیر آواز نکالی۔ نبی اکرم ﷺ اس سے اترے اور فرمایا۔ انشاء اللہ یہی منزل ہے۔ (مواہب اللدنیہ)

جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ نماز ادا فرماتے اور جب آپ ﷺ نے مسجد شریف بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنونجار سے دس دینار کے عوض بنونجار کے باغ والی جگہ خرید لی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے قیمت ادا کی گئی حالانکہ بنونجار نے بغیر قیمت دینے کے لیے عرض کی لیکن یہ بات منظور نہ کی۔ (مواہب اللدنیہ) لیکن بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1743 میں ہے کہ بنونجار کے جو شخص اس جگہ کے مالک تھے انہوں نے بغیر قیمت جگہ دی اور انہوں نے عرض کیا کہ اس کا اجر ہم اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسجد کی جگہ پر کھجور کے درخت بنجر زمین اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ آپ ﷺ کے حکم سے قبروں کو اکھاڑ گیا ویران جگہ کو برابر کیا گیا اور درخت کاٹ دیئے گئے۔ پھر اینٹیں بنا کر مسجد تعمیر کر کے کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی جبکہ ستون کھجور کی لکڑی سے بنائے گئے۔ (صحیح بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1747)

اس مسجد میں مسلمانوں نے کام کیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ ایک اپنی طرف سے اور دوسری حضور ﷺ کی طرف سے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لیے ایک اجر، تمہارے لیے دو اجر ہیں۔ (صحیح مسلم، جلد اوّل، ص: 200، کتاب المساجد، صحیح بخاری، جلد اوّل،

ص:540، کتاب مناقب الانصار) یہ حوالہ کتاب مواہب اللدنیہ، جلد اوّل، اردو ترجمہ، ص:204 سے اخذ کیا گیا۔ مسجد نبوی شریف کا قبلہ (خانہ کعبہ شریف کی طرف قبلہ مطابق سورہ بقرہ آیت:144 اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اور لیکن بعد میں نبی کریم ﷺ کی خواہش پر بنایا گیا۔ بیت المقدس شریف کی طرف رکھا گیا اور اس کے تین دروازے بنائے گئے ایک دروازہ مسجد کے آخر میں بنایا گیا۔ ایک دروازے کو باب رحمت کہا گیا اور ایک دروازہ جس سے داخل ہوتے تھے۔ مسجد کی لمبائی قبلہ سے آخر تک ایک سو ہاتھ اور دونوں طرف اس کی مثل یا اس سے کم اور مسجد کی بنیاد تین تین ہاتھ رکھی گئی اور اس کے پہلو میں اینٹوں سے دو مکان بنائے گئے اور ان کی چھت کھجور کی شاخوں اور تنے سے بنائی گئی۔

(مواہب اللدنیہ، جلد اوّل، اردو ترجمہ ص206)

اس کے بعد مختلف وقتوں میں اس کی توسیع ہوتی رہی۔ پہلی توسیع 7ھ دوسری عہد فاروقی میں 17ھ، تیسری عہد عثمانی میں 29ھ، چوتھی عہد اموی میں 91ھ، پانچویں عہد عباسی میں 165ھ، چھٹی قایتبائی کی 588ھ، ساتویں عہد ترکی میں 1277ھ آٹھویں ملک عبدالعزیز کے عہد میں 1372ھ اور نویں آخری توسیع شاہ فہد کے عہد حکومت میں 1414ھ دوسری سعودی توسیع کی چھت کا رقبہ 67,000 مربع میٹر اور 90,000 نمازیوں کی گنجائش نمازیوں کے لیے تیار شدہ، صحن کا رقبہ □1,35,000 مربع میٹر اور 90,000 نمازیوں کی گنجائش، پہلی سعودی توسیع گراؤنڈ فلور کا رقبہ 82,000 مربع میٹر اور نمازیوں کی گنجائش 1,67,000 اور پہلی توسیع مع ترکی عمارت کا رقبہ 16,326 مربع میٹر اور نمازیوں کی گنجائش 28,000 کل نمازیوں کی گنجائش 5,35,000 (تاریخ مدینہ منورہ)

مسجد نبوی شریف میں نماز ادا کرنے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد (مسجد نبوی شریف) میں نماز ادا کرنا ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام شریف کے۔'' (مسلم، بخاری، مشکوۃ باب المساجد)

اس حدیث پاک میں ذکر ہے کہ مسجد نبوی شریف میں نماز ادا کرنا بہ نسبت دوسری مساجد کے ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام شریف کے لیکن ایک ہزار سے بہتر کہاں تک ہے۔ وہ حد ذکر نہیں دوسری روایت میں اس حد کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی انسان اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ایک نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور جو شخص قبیلہ کی مسجد میں نماز ادا کرے اسے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص جامع مسجد میں نماز ادا کرے اسے پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص مسجد اقصیٰ شریف میں نماز ادا کرے اسے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص میری مسجد (مسجد نبوی شریف) میں نماز ادا کرتا ہے اسے بھی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص مسجد حرام شریف میں نماز ادا کرے۔ اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(ابن ماجہ، مشکوۃ باب المساجد)

فائدہ:

تعداد کے لحاظ پر مسجد حرام شریف میں نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے اور مسجد نبوی شریف میں پچاس ہزار کا۔ لیکن درجہ کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کے قرب کی وجہ سے پچاس ہزار کو ایک لاکھ پر فضیلت حاصل ہے۔

جیسا کہ جواہر البحار ج، جلد 4، ص: 90 پر تحریر ہے کہ (ترجمہ اردو) تعداد کی زیادتی میں فضیلت کے اسباب منحصر نہیں۔ عرفات میں جانے کے لیے منیٰ میں پانچ نمازیں ادا کرنا افضل ہے۔ بہ نسبت مسجد حرام شریف میں ادا کرنے کے حالانکہ ان میں تعداد پر وہ فضیلت نہیں یعنی منیٰ میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک کا ثواب ملتا ہے اور وہی نماز مسجد حرام شریف میں ادا کرنے سے ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن ایک کا ثواب ایک لاکھ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کیونکہ اصل میں نبی کریم ﷺ کی اتباع میں فضیلت ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام شریف میں نماز ادا کرنے سے زیادہ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن مدینہ طیبہ میں نماز ادا کرنے سے ثواب میں افضیلت حاصل ہوتی ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء)

مدینہ شریف کے فضائل میں مزید احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہیں صبر کرے گا مدینہ منورہ کی محنت و شدت پر میرے امتیوں میں سے میرا کوئی امتی مگر یہ کہ میں اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے والا ہوں گا۔''
(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ بمع شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، فضائل مدینہ شریف، جلد 3، فصل اوّل، ص:822)

1- انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میوے کو پکڑتے تو یوں دعا کرتے: ''اے اللہ (عزوجل)! برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے پھل میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے شہر میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے صاع میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے مد (پیمانہ) میں۔ اے اللہ (عزوجل)! بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تیرا بندہ ہے۔ تیرا دوست ہے اور تیرا پیغمبر ہے اور بے شک میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ اور بے شک ابراہیم (علیہ السلام) نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی اور میں تجھ سے مدینہ منورہ کے لیے اتنی مثل کی دعا کرتا ہوں جتنی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے اور اس جتنی اس کے ساتھ اور بھی دعا کرتا ہوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت میں سے کسی چھوٹے بچے کو وہ پھل دے دیتے۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ بمع شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم فضائل مدینہ شریف، جلد 3، فصل اوّل، ص:823)

2- حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنا کر مکۃ الحرام بنایا اور بے شک میں نے مدینہ منورہ کو حرام قرار دے کر مدینۃ الحرام بنایا ہے یعنی اس حصے کو جو اس کی دو طرفوں کے درمیان ہے کہ نہ بہایا جائے اس میں خون اور نہ اٹھایا جائے اس میں ہتھیار لڑائی کے لیے اور نہ جھاڑا جائے اس میں کوئی درخت مگر چارے کے لیے۔'' (مسلم شریف بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات شریف مترجم، باب فضائل مدینہ منورہ، فصل اوّل، ص:824)

3- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ایک بستی میں جانے کا حکم دیا گیا جو کہ تمام بستیوں کو کھا جائے گی۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ منورہ ہے۔ مدینہ منورہ لوگوں کو اپنے اندر سے میل اس طرح دور کرے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کرتی ہے۔'' (بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث:1746، اور مسلم بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات بمع مشکوٰۃ مترجم، جلد3، ص:828) یہاں لوگوں سے مراد کفر و شرک میں جو مدینہ منورہ سے اسلام کے قوی ہونے کی بنا پر وہاں سے نکال دیئے گئے اور اس مبارک جگہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔ (اشعۃ اللمعات)

4- حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل مدینہ منورہ کو ایذا نہ پہنچائے گا مگر وہ پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔'' (بخاری و مسلم بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، جلد3، ص:832)

5- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد پہاڑ نمودار ہوا تو فرمایا: یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ (عزوجل)! بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکے کو حرم بنایا اور بے شک میں دو پتھریلی زمینوں کے درمیان مدینہ منورہ کی وادی کو حرم بناتا ہوں۔ (بخاری و مسلم بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، جلد3، ص:833)

6- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔ یا اللہ! مدینہ منورہ میں مکہ معظمہ سے

دوگنی برکت رکھ دے۔ (بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث:1760 اور مسلم بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، جلد 3، ص:838)

7- آلِ خطاب میں سے ایک مرد سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جو شخص مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرے گا اور اس کی تکلیفوں پر صبر کرے گا میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ اور سفارشی بنوں گا۔ اور جو شخص دو حرموں میں سے ایک حرم شریف میں وفات پائے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھائے گا۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، جلد 3، ص:838)

انہیں کی روایت میں مشکوٰۃ، جلد 3، ص:839 پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے۔ جس نے حج کیا پھر میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنے کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو آپ ﷺ کی معنوی صحبت اور اس کے آثار و لوازمات میں سے حصہ ملتا ہے۔ یہ بات اس پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر انور میں حیات حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ ہیں۔ بخلاف شہداء کے کہ وہ حیات معنوی کے ساتھ مشرف ہیں میں نے اس مسئلے کو مکمل تر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ اردو ترجمہ بمع اشعۃ اللمعات، جلد 3، ص:839)

اوپر درج شدہ حدیث نمبر 1 حضور ﷺ کی یہ دعا کہ مکہ شریف کی مثل ایک گنا اور برکت رکھ اور حدیث نمبر 6 میں دوگنی برکت رکھ یہ دونوں حدیثیں اور اس قسم کی دوسری احادیث پر دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ پر افضلیت حاصل ہے۔ یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ شیخ حضرت عبدالحق دہلوی محدث رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات بمع مشکوٰۃ اردو ترجمہ جلد نمبر 3 ص:838 پر فرماتے ہیں کہ جانبین کے دلائل کو میں نے اپنی کتاب جذب القلوب میں ذکر کر دیا ہے وہاں سے دیکھ لیا جائے۔

8- حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قبر مدینہ شریف میں کھودی جا رہی تھی۔ ایک شخص نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور کہا کہ مومن کے سونے کی جگہ بری ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے بُرا حرف زبان سے ادا کیا ہے۔ اس آدمی نے کہا میں نے یہ ارادہ نہیں کیا سوائے اس کے نہیں میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ فی سبیل اللہ قتل ہونا بہت بہتر ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہ خدا میں قتل ہو جانا بھی مدینہ منورہ میں مرنے سے افضل نہیں ہے۔ زمین پر کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جو مجھے زیادہ پیارا ہو کہ میری اس میں قبر بنے۔ مدینہ منورہ کے سوا آپ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی اسے مالک نے مرسلاً روایت کیا۔ (بحوالہ شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات مترجم، جلد 3، ص:840)

اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ بمع مشکوٰۃ جلد 3، ص:840 پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تقریر علامہ طیبی نے اس طرح کی ہے کہ یہاں سے لازم آتا ہے کہ مدینہ پاک میں مرنا اور اس میں دفن ہونا شہادت اور دوسری جگہ دفن ہونے سے افضل ہے۔ یہ حدیث مدینہ منورہ کی فضیلت کے بیان کرنے میں اور اس میں دفن ہونے میں بہت واضح اور نمایاں ہے لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا کہ راہ خدا میں قتل ہونا مدینہ منورہ میں موت سے بہتر نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ اس کا احتمال بھی رکھتے ہیں کہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہو کہ ہاں مدینہ منورہ میں موت بھی راہ خدا میں شہید ہونے سے افضل نہیں ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ سب سے افضل و اعظم ہے۔ اور اگر یہ چیز نصیب نہ ہو تو پھر مدینہ منورہ میں موت اور اس میں قبر باقی تمام شہروں اور وہاں کی قبروں سے افضل ہے۔ اس تقریر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں موت دوسری جگہوں میں مرنے سے افضل ہے لیکن راہ خدا میں شہید و قتل ہونے کی افضلیت اپنی جگہ باقی ہے۔ (واللہ اعلم بالمراد)

اس موضوع پر بے شمار احادیث ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے اتنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی قبر انور کا مقام عرش اعلیٰ سے بلند

صاحب تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مکہ معظمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اکثر اہلِ مدینہ منورہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے مقام کی افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل علم سے یہ منقول ہے۔ (ترجمہ اردو) کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس سے نبی کریم ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے۔ وہ کعبہ مکرمہ سے افضل ہے اختلاف اس مقام کے غیر میں ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ۔ فاکھانی رحمۃ اللہ علیہ سے تصریح فرمائی ہے کہ اس مقام کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ ظاہر بات یہ ہے کہ تمام زمین کو تمام آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ زمین میں تشریف فرما ہیں۔ اکثر علماء نے تو زمین کی افضلیت پر یہی دلیل قائم کی ہے۔ کچھ اور حضرات نے یہ کہا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام زمین سے پیدا ہوئے اور زمین میں مدفون ہیں۔ اس لحاظ پر بھی زمین کو آسمانوں پر افضلیت حاصل ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمہور علماء کرام اس طرف ہیں کہ آسمانوں کو زمین پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے اس مقام کے جس سے حضور ﷺ کے اعضاء شریفہ کا تعلق ہے۔ اس طرح محل خلاف کعبہ مکرمہ کے ماسوا میں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی قبر انور کے بغیر باقی مدینہ طیبہ پر کعبہ شریف کو فضیلت حاصل ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص: 858 بحوالہ از مرقاۃ، جلد 2، ص: 198)

''ذکر الحسین''، صفحہ 103 میں مندرجہ ذیل تین 3 حدیثیں تحریر کی گئی ہیں وہاں سے نقل کی جارہی ہیں کیونکہ وہ بھی اس موضوع کے مطابق ہی معلوم ہوتی ہیں۔

1- حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت میں خانہ کعبہ شریف کے پاس تھی۔ میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے معمور ہو گیا اور ستارے زمین سے اس قدر قریب ہو گئے کہ مجھ کو گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ (زرقانی علی المواہب، ص: 116 بیہقی، طبرانی، ابونعیم، ابن عساکر، خصائص، ص: 45/1)

2- حضرت مطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شب ولادت میں کعبہ شریف میں تھا۔ قریب وقت سحری میں نے دیکھا کہ کعبہ شریف نے مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سجدہ کیا اور تکبیر کہی (یعنی سجدۂ شکر ادا کیا کہ مجھ کو بتوں اور مشرکوں سے پاک کرنے والا آ گیا ہے) اور تمام بت جو کہ کعبہ شریف اور اس کے اردگرد نصب کئے ہوئے تھے۔ اوندھے گر گئے جب سب سے بڑا بت جس کا نام ہبل تھا منہ کے بل گرا تو اس کے اندر سے آواز آئی آگاہ ہو جاؤ۔ پیغمبر آخر الزمان پیدا ہو گئے ہیں اور ان کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گیا۔ (شواہد النبوۃ، ص: 25، معارج النبوۃ، ص: 55)

3- ایوان کسریٰ (جو دنیا کی مضبوط ترین عمارتوں میں سے تھا) اس میں دراڑیں پڑ گئیں اور اس کے چودہ مینارے زمین پر گر گئے۔ بحیرۂ ساوہ (جو ساوہ بلاد فارس میں ہمدان درے کے عین وسط میں ایک شہر تھا۔ وہاں ایک قطعہ آب تھا جو بحیرہ ساوہ کہلاتا ہے پینسٹھ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا) دفعتہً خشک ہو گیا۔ فارس کا آتش کدہ جو متواتر ایک ہزار سال سے روشن تھا۔ ایک دم بجھ گیا۔ شیاطین کا آسمانوں پر آنا جانا بند ہو گیا۔ (ابن عساکر، زرقانی علی المواہب، ص: 121، خصائص کبریٰ، ص: 51/1)

المواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ) کے مصنف نے ایک حدیث حضرت عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جلد 1 ص:44 پر نقل کی ہے کہ وہ اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جابر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر قدرت (خداوندی) سے وہ نور چکر کاٹنے لگا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت و دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور انسان کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے جز سے قلم کو دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ پہلے حصے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتے، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصے سے آسمانوں کو دوسرے سے زمینوں کو اور تیسرے سے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا اور چوتھے حصے کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ پہلے حصے سے مومنوں کی آنکھوں کا نور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور تیسرے سے ان کے مانوس ہونے کا نور پیدا فرمایا اور وہ توحید ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (مصنف عبدالرزاق، بحوالہ الدر المنظیم فی بیان حکم مولد النبی الکریم، ص:18)

اسی مواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ، جلد 1، ص:450) پر یہ حدیث بھی ہے "احکام ابن قطان" میں ابن مرزوق کی روایت سے ہے۔ وہ حضرت علی بن حسین (حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) سے وہ اپنے والد حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعة عشر الف عام

"میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں نور کی حالت میں تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو یہ نور آپ کی پشت میں رکھ دیا۔ وہ آپ علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ چنانچہ وہ تمام انوار پر غالب آ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے تخت مملکت پر بلندی عطا فرمائی اور فرشتوں کو حکم فرمایا کہ وہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر تمام آسمانوں میں پھرائیں تاکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عظیم بادشاہی کے عجائب دیکھیں۔ (مواہب اللدنیہ، جلد 1، ص:46)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: روح حضرت آدم علیہ السلام کے سر انور میں (دنیوی سالوں کے حساب سے) ایک سو سال رہی۔ آپ کے سینے میں ایک سو سال اور پنڈلیوں اور پاؤں میں ایک سو سال رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے اور اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کریں۔ پس انہوں نے سجدہ کیا۔ لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ذلیل و رسوا کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرایا گیا تھا یہ عبادت کا سجدہ نہ تھا۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو تعظیمی سجدہ کیا تھا۔

پس حقیقت میں مسجود اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات تھی اور حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے۔ (مواہب اللدنیہ، اردو ترجمہ، جلد 1 ص:46)

ہماری شریعت (شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں مخلوق کے لیے کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ کسی کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک ہے اور اس کی تعظیم کے لیے سجدہ کرنا گمراہی ہے، 12 ہزاروی۔

کئی بزرگان دین علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم اس لیے فرمایا کہ آپ کی پشت میں نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا جو آپ علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (تفسیر کبیر، جلد 2، ص:455، روح المعانی، جلد 1، ص:218 اور ملخص تفسیر ثعالبی از خلاصۃ التفاسیر، جلد 1، ص:25، بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:53) اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

مندرجہ بالا احادیث میں حضور نبی کریم رؤوف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان بلند و بالا واضح طور پر دکھائی جا رہی ہے۔ خاص کر خانہ کعبہ

شریف کا آپ ﷺ کے گھر کی طرف آپ ﷺ کی پیدائش مبارک کے وقت جھکنا، بتوں کا اوندھے گر جانا، کسریٰ کے شاہی محل کے منارے گر جانا، بحیرہ سادہ کا اچانک خشک ہو جانا، فارس کا آتش کدہ اچانک بجھ جانا، تاروں کا آپ ﷺ کے گھر کی چھت کے نزدیک ہونا اور آپ ﷺ کے نور سے مشرق و مغرب کا روشن ہو جانا اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا وغیرہ صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی شان اور عظمت اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق سے اعلیٰ اور بالا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے حبیب ﷺ کو بخشی ہے۔

صفاء اور مروہ دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں وہ ایک اللہ تعالیٰ کی ولیہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کا ان پر دوڑنا اور آپ کے پاؤں ان پر لگنے سے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بن گئی خانہ کعبہ شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک جہاں لگے وہ جگہ جائے مصلیٰ بن گئی۔ اور جہاں اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں سب سے عظیم تر ہستی (یعنی حضور نبی کریم ﷺ) اپنی قبر انور میں آرام فرما رہی ہو۔ وہ جگہ کیوں نہ سب سے افضل ہو گئی اور حضور ﷺ کا ارشاد مبارک کہ "میرے گھر اور مسجد نبوی شریف کے منبر پاک کے درمیان والی جگہ ریاض الجنہ ہے یعنی جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔ مؤلف کی رائے یہ ہے کہ مدینہ پاک سارے کا سارا جس کو حضور ﷺ نے حرم قرار دیا سارے جہان سے افضل ہے سوائے خانہ کعبہ شریف لیکن روضۂ اقدس تو بلاشبہ سارے جہاں سے بلکہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ (واللہ اعلم بالمراد)

تاجدار بریلی شریف اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ 1296ھ کو حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مکہ شریف سے سفر اطہر مدینہ منورہ کا جب ارادہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غزل بیان فرمائی جس کے چند شعر قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

رکن شامی سے مٹی وحشت بشام غربت
اب مدینہ کو چلو صبح دلآرا دیکھو

آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود و شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو

دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بیتابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

مثل پروانہ پھرا کرتے تھے جس شمع کے گرد
اپنی اس شمع کو پروانہ یہاں کا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

اولیں خانہ حق کی تو ضیائیں دیکھیں
آخریں بیت نبی کا بھی تجلیٰ دیکھو

زینت کعبہ شریف میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو

دھو چکا ظلمت دل بوسہ سنگ اسود
خاک بوسی مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو

کر چکی رفعت کعبہ پہ نظر پروازیں
ٹوپی اب تھام کے خاک در والا دیکھو

جمعۂ مکہ تھا عید اہل عبادت کے لیے
مجرمو آؤ یہاں عید دوشنبہ دیکھو

ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں
ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو

خوب مسعیٰ میں بامید صفا دوڑ لیے
رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو

رقص بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دل خونناب فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

(حدائق بخشش)

حاضری سرکارِاعظم مدینہ طیبہ حضور حبیبِ اکرم ﷺ

ارشادباری تعالیٰ (ترجمہ اردو):

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں۔تو اے محبوب (ﷺ)! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔''

(سورہ النساء، پ5، آیت:64، کنزالایمان)

فرمان حضور نبی کریم ﷺ:

حدیث نمبر1: طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میری زیارت کو آئے سوا میری زیارت کے اور کسی حاجت کے لیے نہ آیا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔

حدیث نمبر2: دارقطنی و بیہقی وغیرہما میں انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میری قبر کی زیارت کرے۔اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔

حدیث نمبر3: دارقطنی و طبرانی میں انہیں سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہے جیسے میری حیات میں زیارت سے مشرف ہوا۔

حدیث نمبر4: بیہقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو شخص میری زیارت کرے گا۔قیامت کے دن اس کا شفیع یا شہید ہوں گا اور جو حرمین میں مرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن والوں میں اٹھائے گا۔اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو حرمین میں مرے گا۔قیامت کے دن امن والوں میں اٹھے گا۔

حدیث نمبر5: ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کامل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے جفا کی۔

(مندرجہ بالا احادیث بہار شریعت حصہ ششم سے اخذ کی گئی ہیں)۔

مصنف بہار شریعت صدرالشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی، رضوی، سنی، حنفی، قادری، برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جلد نمبر 1 حصہ ششم، ص: 524 پر تحریر فرماتے ہیں:

1- زیارت اقدس قریب الواجب ہے۔ بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں۔ راہ میں خطرہ ہے۔ وہاں بیماری ہے۔ یہ ہے وہ ہے۔ خبردار! کسی کی نہ سنو اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو جان ایک دن جانی ہے اس سے کیا بہتر کہ ان کی راہ میں جائے اور تجربہ ہے کہ جو ان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں۔ کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا۔ والحمدللہ۔
ہم کو تو اپنے سایہ میں آرام ہی سے لائے۔ جیلے بہانے والوں کو یہ راہ خطرے یا ڈر کی ہے

2- حاضری میں خالص زیارت اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس بار مسجد شریف کی نیت بھی شریک نہ کرے۔

3- حج اگر فرض ہے تو حج کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو۔ ہاں اگر مدینہ طیبہ راستہ میں ہو تو بغیر زیارت حج کو جانا سخت محرومی وقساوت قلبی ہے اور اس حاضری کو قبول حج و سعادت دینی و دنیوی کے لیے ذریعہ وسیلہ قرار دے اور حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ پہلے حج سے پاک صاف ہو کر محبوب ﷺ کے دربار میں حاضر ہو یا سرکار میں پہلے حاضری دے کر حج کی مقبولیت و نورانیت کے لیے وسیلہ کرے غرض پہلے جو اختیار کرے اسے اختیار ہے مگر نیت خیر درکار ہے۔ حدیث پاک میں ہے اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔

4- راستے بھر درود شریف و ذکر میں ڈوب جاؤ اور جس قدر مدینہ طیبہ قریب آتا جائے۔ شوق و ذوق زیادہ ہوتا جائے۔

5- جب حرم مدینہ آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ ہو، روتے سر جھکائے آنکھیں نیچے کیے درود شریف کی اور کثرت کرو اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو۔

جائے سرست اینکہ تو پامی نہی ۔۔۔ پائے نہ بینی آنکہ کجامی نہی

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ۔۔۔ ارے سر کا موقع ہے او جانیوالے

جب قبہ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

6- جب شہر اقدس تک پہنچو۔ جلال و جمال محبوب ﷺ کے تصور میں غرق ہو جاؤ اور دروازہ شہر میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا قدم رکھو اور دعا پڑھو یا درود شریف اور تیسرا چوتھا کلمہ شریف پڑھو۔ (جو دعائیں بہار شریعت میں مذکور ہیں وہ کافی لمبی ہیں سادہ عام مسلمانوں کو وہ یاد کرنی بہت مشکل ہیں اس لیے درود شریف۔ اور کلمہ شریف پڑھیں اور اپنی زبان میں جو دعا چاہیں مانگیں۔ (جن حضرات کو دعائیں یاد کرنے کا شوق ہو وہ بہار شریعت کے ششم حصہ سے پڑھ کر یاد کر سکتے ہیں۔)

7- حاضری مسجد سے پہلے تمام ضروریات سے جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو۔ نہایت جلد فارغ ہو۔ ان کے سوا کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہو۔ وضو و مسواک کرو اور غسل بہتر سفید پاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر، سرمہ اور خوشبو لگاؤ اور مشک افضل۔

8- اب فوراً آستانہ اقدس کی طرف نہایت خشوع و خضوع سے متوجہ ہو۔ رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ اور دل کو بزور رونے پر لاؤ۔ اور اپنی سنگ دلی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف التجا کرو۔

9- جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرو اور تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار ﷺ سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو۔ بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کر ہمہ تن باادب ہو کر داخل ہو۔

10- اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے۔ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیال غیر سے پاک کرو۔ مسجد کے نقش و نگار نہ دیکھو۔

11- اگر کوئی ایسا سامنے آئے۔ جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک ہو سکے کترا جاؤ ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو۔ پھر بھی دل سرکار ﷺ کی طرف ہو۔

12- ہرگز ہرگز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ نکلے۔

13- یقین جانو حضور اقدس ﷺ سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں۔ جیسے وفات سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی موت صرف وعدہ خدا کو ایک آن کے لیے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔ امام محمد ابن حاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں آئمہ دین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں: (ترجمہ اردو)

''حضور ﷺ کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔''

امام رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ امام محقق ابن الہمام منسک متوسط اور ملا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں: (ترجمہ)

"بے شک رسول اللہ ﷺ تیری حاضری، اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔

14- اب اگر جماعت قائم ہو تو شریک جماعت ہو جاؤ کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی۔ ورنہ اگر غلبہ شوق مہلت دے اور وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانہ حاضری دربار اقدس صرف قل یا اور قل ھو اللہ سے، بہت ہلکی مگر رعایت سنت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط میں مسجد کریم میں محراب بنی ہوئی ہے اور وہاں جگہ نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو۔ پھر سجدہ شکر میں دعا کرو کہ یا الٰہی اپنے حبیب ﷺ کا ادب اور ان کا اور اپنا قبول کرنا نصیب فرما۔ آمین

15- اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے لرزتے کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پرنور ﷺ کے عفو وکرم کی امید رکھتے حضور والا شان کی بائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کر حضور اقدس ﷺ مزار انور میں روقبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو گے تو حضور ﷺ کی نگاہ بے کس پناہ تمہاری طرف ہوگی۔ اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے۔ والحمد للہ۔

16- اب کمال ادب وہیبت وخوف وامید کے ساتھ زیر قندیل اس چاندی کے کیل کے سامنے جو حجرہ مطہرہ کی جنوبی دیوار میں چہرہ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے قبلہ کو پیٹھ اور مزار انور کی طرف منہ کر کے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو۔ لباب وشرح لباب و اختیار شرح مختار و فتاویٰ عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس ادب کی تصریح فرمائی ترجمہ: کہ "حضور ﷺ کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔" یہ عبارت عالمگیری واختیار کی ہے اور لباب میں فرمایا ترجمہ: "دست بستہ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ کر کھڑا ہو۔"

17- خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینا یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے۔ بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ ہو۔ یہ آپ ﷺ کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا ہے اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی۔ آپ ﷺ کی نگاہ کرم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ و اللہ الحمد

18- الحمد للہ اب دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاکجالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان ﷺ کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب واحترام ووقار کے ساتھ بآواز حزیں وصورت درد آگیں ودل شرم ناک وجگر چاک معتدل آواز سے نہ بلند ہو نہ سخت کہ آپ ﷺ کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں۔ نہ نہایت نرم وپست کہ سنت کے خلاف ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ تمہارے دلوں کے خطروں تک آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات ائمہ سے گزرا۔ مجرا وتسلیم بجالاؤ اور عرض کرو: السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ o السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ o السلام علیک یا شفیع المذنبین ط السلام علیک و علیٰ الک و اصحابک اجمعین ط

19- جہاں تک ممکن ہو اور زبان ساتھ دے اور ملال وکسل نہ ہو، صلوٰۃ والسلام کی کثرت کرو۔ حضور ﷺ سے اپنے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو۔ بار بار عرض کرو اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔

20- پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی بجالاؤ۔ شرعاً اس کا حکم ہے اور یہ فقیر ذلیل (یعنی صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضوی، قادری، اعظمی رحمۃ اللہ علیہ) جو کوئی اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انہیں حاضری بارگاہ مقدس نصیب ہو فقیر (یہ لفظ آپ نے خود اپنی انکساری کی وجہ سے کہا لیکن آپ کی ہستی بہت بلند مقام رکھتی ہے) کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضروری یہ الفاظ عرض کر کے اس نالائق ننگ خلائق (یہ الفاظ بھی آپ ہی کی زبانی لکھے جارہے ہیں تاکہ جو لوگ تھوڑا سا علم حاصل کر کے اپنے آپ کو متکبرانا انداز میں اپنے

القاب لکھتے ہیں ان کو نصیحت پانی چاہئے کہ اتنے بڑے جید عالم بزرگ عاشق رسول اللہ ﷺ عابد پرہیز گار اپنے لیے کتنے گھٹیا القاب پسند کر رہے ہیں ہم کس باغ کی مولی ہیں) ہر احسان فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہان میں جزائے خیر بخشے آمین۔ یہاں مؤلف آپ ہی کی تحریر نقل کر رہا ہے اس لیے آپ کی امانت کے طور پر میں نے بھی امانت کا حق ادا کرتے ہوئے یہاں تحریر کر دیا۔ اسی طرح اس گھٹیا قسم کے ذلیل وخوار گناہ سے بھرپور عاجز کا بھی سلام عرض کر کے مجھ پر احسان کریں آپ کا بہت مشکور رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہان میں جزائے خیر بخشے۔ آمین۔ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت کے یہ الفاظ ہیں:

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله و علىٰ الك و ذويك في كل آن ولحظة عدد كل ذرة ذرة الف الف مرة من عبيدك امجد علي يسئالك الشفاعة فاشفع له وللمسلمين۔

ترجمہ: ''یا رسول اللہ (ﷺ) حضور اور حضور کی آل اور سب علاقہ والوں پر ہر آن اور ہر لحمہ میں ہر ہر ذرہ کی گنتی پر دس دس لاکھ درود و سلام حضور (ﷺ) کے حقیر غلام امجد علی کی طرف سے وہ حضور (ﷺ) سے شفاعت مانگتا ہے۔ حضور (ﷺ) اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں۔''

اگر عربی عبادت یاد نہ ہو تو اردو یا پنجابی یا اپنی زبان میں مندرجہ بالا الفاظ کہیں اور جب اس مسکین عاجز کے لیے وہ الفاظ کہیں تو امجد علی کی جگہ محمد نذیر کہیں یا ایک ہی جگہ دونوں نام کہہ لیں۔

21- پھر اپنے داہنے ہاتھ مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چہرہ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو:

السلام عليك يا خليفة رسول الله ط

السلام عليك يا وزير رسول الله ط

صلى الله عليك وسلم

السلام عليك يا صاحب رسول الله في الغار رحمة الله و بركاته

22- پھر اتنا ہی ہٹ کر سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے روبرو کھڑے ہو کر عرض کرو: السلام عليك يا امير المؤمنين o السلام عليك يا متمم الاربعين السلام عليك يا عز الاسلام والمسلمين ورحمة الله و بركاتهo

23- پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور سیّدنا حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو: السلام عليكما يا ضجيعي رسول الله ورحمة الله و بركاته ط اسئالكما الشفاعة عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و عليكما و بارك وسلم۔

24- یہ سب حاضریاں محل اجابت ہیں دعا میں کوشش کرو دعائے جامع کرو اور درود پر قناعت بہتر اگر چاہو تو بہار شریعت حصہ ششم، ص: 527 پر مذکورہ دعا یاد کر کے پڑھو یا اپنی سادہ زبان جو چاہو دعا مانگو۔

25- پھر منبر اطہر کے قریب دعا مانگو۔

26- پھر جنت کی کیاری میں (یعنی جو جگہ منبر و حجرہ منورہ کے درمیان ہے اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا) آ کر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دعا مانگو۔ (بخاری مترجم، جلد اوّل، حدیث: 1763)

27- یو ہیں مسجد شریف کے ہر ستون (یعنی ابتدائی مسجد کے ستون) کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو کہ محل برکات ہیں۔ خصوصاً بعض میں خاص خصوصیت۔

28- جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو۔ ایک سانس بیکار نہ جانے دو۔ ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر رہو۔ نماز و تلاوت و درود شریف پڑھ کر وقت گزار دو۔ دنیا کی باتیں کسی مسجد میں نہ چاہیں نہ کہ یہاں۔

29- ہمیشہ ہر مسجد میں جاتے وقت اعتکاف کی نیت کرلو۔ یہاں تمہاری یاددہانی ہی کو دروازہ سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا: "نـویـت سـنـت الاعتکاف"۔

30- مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصاً گرمی میں تو کیا کہنا اس پر وعدہ شفاعت ہے۔

31- یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے (جیسا کہ قبل اس کے فضائل مدینہ منورہ میں بیان ہو چکا ہے کہ بعض علماء دین کے نزدیک ایک کی بجائے دولاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا ایک لاکھ سے افضل ہے) کیونکہ حضور ﷺ نے کئی بار یہ دعا مانگی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! میرے اس شہر کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے شہر سے دوگنی برکت فرما (اس طرح چند احادیث اس سے قبل بیان ہو چکیں ہیں۔)"واللہ اعلم"

لہٰذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو۔ کھانے پینے کی کمی ضرور کرو اور جہاں تک ہو سکے تصدق کرو۔ خصوصاً یہاں والوں پر خصوصاً اس زمانہ میں کہ اکثر ضرورت مند ہیں۔

32- قرآن مجید کا کم از کم ایک ختم یہاں اور حطیم مکہ معظمہ میں کرلو۔

33- روضہ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ شریف یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ کثرت سے کرو اور درود وسلام کی کثرت کرو۔

34- پنج گانہ یا کم از کم صبح وشام مواجہہ شریف میں عرض سلام کے لیے حاضر ہو۔

35- شہر میں خواہ شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک نظر پڑے فوراً دست بستہ ادھر منہ کر کے صلوٰۃ وسلام عرض کرو۔ اس کے بغیر ہرگز نہ گذرو کہ خلاف ادب ہے۔

36- ترک جماعت بلاعذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام وگناہ کبیرہ اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس کی میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق سے آزادیاں لکھی جائیں۔

37- حتی الوسع کوشش کرو کہ مسجد اول یعنی حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں جتنی تھی اس میں نماز پڑھو اور اس کی مقدار سو ہاتھ طول اور سو ہاتھ عرض ہے۔ اگرچہ بعد میں بہت اضافہ ہوا ہے اس میں نماز پڑھنا بھی مسجد نبوی شریف ہی میں پڑھنا ہے۔

38- قبر کریم کو ہرگز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان نماز میں بھی ایسی جگہ نہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی پڑے۔

39- روضہ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم آپ ﷺ کی اطاعت میں ہے۔

اہل بقیع کی زیارت:

بقیع شریف کی زیارت سنت ہے۔ روضہ اقدس کی زیارت کر کے وہاں جاؤ خصوصاً جمعہ کے دن۔ اس قبرستان میں قریب دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مدفن ہیں اور تابعین وتبع تابعین وعلماء وصلحاء وغیرہم کی گنتی نہیں۔ یہاں جب حاضر ہو پہلے تمام مدفون مسلمین کی زیارت کا قصد کرے اور یہ دعا پڑھے: السلام علیک دار قوم مؤفتین انتم لنا سلف و انا ان شآء اللہ تعالٰی بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل البقیع بقیع الغرقد اللھم اغفر لنا ولھم اور درود شریف وسورۃ فاتحہ وآیۃ الکرسی وقل ھو اللہ یا جتنا قرآن میسر آئے پڑھ کر ثواب اس کا نذر کرے۔ اس کے بعد بقیع شریف میں جو مزارات معروف ومشہور ہیں ان کی زیارت کرے تمام اہل بقیع میں افضل سیدنا امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ان کے مزار پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے۔

السلام علیک یا امیر المؤمنین ○ السلام علیک یا ثالث الخلفآء الراشدین و رضی اللہ عنک وعن الصحابۃ اجمعین ط

قُبہ سیّدنا حضرت ابراہیم ابن سردار دو عالم رسول اللہ ﷺ اور اسی قُبہ میں حضرت رقیہ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب (یہ تینوں حضور ﷺ کی بیٹیاں ہیں) حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت خنیس بن حذافہ سہمی، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مزارات ہیں۔ ان کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ قُبہ سیّدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسی قُبہ میں حضرت سیّدنا امام حسن اور سر مبارک سیّدنا امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم اجمعین کے مزارات طیبہ ہیں۔ ان پر سلام کرو قُبہ ازواج مطہرات حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مزار مکہ معظمہ جنت معلیٰ میں اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا سرف میں مزار پاک ہے۔ بقیہ تمام ازواج مطہرات کے مزار اسی قُبہ میں ہیں۔ قُبہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس میں حضرت سفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے مزار پاک ہیں اور اس کے قریب ایک قُبہ ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کی تین اولادیں ہیں۔ قُبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (پھوپھی رسول اللہ ﷺ)۔ قُبہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ قُبہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان حضرات کی زیارت سے فارغ ہو کر حضرت مالک بن سنان، حضرت ابو سعید خدری و حضرت اسماعیل بن جعفر صادق و حضرت محمد بن عبداللہ بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کرو اور سلام عرض کرو۔

قُباء شریف کی زیارت:

قُباء شریف کی زیارت کرو اور مسجد قُباء شریف میں دو رکعت نماز نفل پڑھو۔ ترمذی شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد قُباء میں نماز عمرہ کی مانند ہے اور احادیث صحیحہ میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتہ کو قُباء شریف تشریف لے جاتے کبھی سوار ہو کر کبھی پیدل اس مقام کی بزرگی میں اور بھی احادیث ہیں۔ سب سے پہلے جس مسجد میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو کھلم کھلا نماز پڑھائی وہ مسجد قبا ہی ہے اور جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۴۸ اور ابن ماجہ ص ۱۰۳ اباب ماجاء فی الصلوۃ فی مسجد قبا بحوالہ مواہب اللدنیہ جلد اوّل ص ۱۹۹

اُحد اور شہداء احد کی زیارت:

شہداء احد کی زیارت کرو۔ حضور اقدس ﷺ ہر سال کے شروع میں قبور شہداء احد پر تشریف لاتے اور یہ فرماتے: **السلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار۔**

اور احد پہاڑ کی بھی زیارت کرو۔ حدیث صحیح میں فرمایا: کوہ احد ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم یہاں حاضر ہو تو اس کے درخت سے کچھ کھاؤ اگر چہ ببول ہو۔ بہتر ہے کہ پنج شنبہ کے دن صبح کے وقت جاؤ سب سے پہلے حضرت سیّد الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہو کر سلام عرض کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش و حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے مزار بھی وہاں ہیں۔ ان کو سلام عرض کرو۔

اور مدینہ منورہ کے کنویں جو حضور ﷺ سے منسوب ہیں اگر کوئی بتانے والا مل جائے تو ان کی زیارت کرو ان کے پانی سے وضو کرو اور ان کا پانی پیئو۔ اگر چاہو تو مسجد نبوی شریف میں حاضر رہو۔ سیدی ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ جب حاضر حضور ﷺ میں حاضر ہوئے تو آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ تعالیٰ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لیے کھلا ہے۔ اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں۔

بوقت رخصت مواجہہ اقدس میں حاضر ہو اور حضور ﷺ سے بار بار اس نعمت کی عطا کا سوال کرو۔ اور تمام آداب کہ مکہ معظمہ سے رخصت میں گزرے۔ ملحوظ رکھو اور سچے دل سے دعا کرو۔ یا الٰہی ایمان و سنت پر مدینہ طیبہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب فرما۔

نوٹ:

بقیع کے قُبوں کا جو قبل لکھا گیا ہے وہ قُبے اب سب سعودی حکومت نے مسمار کر دیئے ہیں۔ اس لیے صحیح نشاندہی اب مشکل ہے۔ کوئی ضعیف

العمر بزرگ جو پہلی عمر میں زیارت کر چکا ہو۔ وہ شاید کچھ بتا سکے۔ عاجز کو ایک بقیع کا نقشہ جو تر کی حکومت سے کسی کے ذریعے حاصل ہوا ہے وہ اس سے قبل فضائل مدینہ میں تحریر کر دیا ہے۔

وادی عقیق کی زیارت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے۔ آج رات میرے رب عزوجل کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھ سے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو اور کہہ کہ عمرہ حج میں ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یوں کہہ عمرہ اور حج۔

(بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف اردو ترجمہ مع اشعۃ اللمعات، جلد 3، باب حرم مدینہ منورہ کے فضائل فصل ثالث، ص: 841)

اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وادی عقیق مدینہ منورہ کی وادیوں سے ایک وادی کا نام ہے۔ اس وادی کا ذکر اشعار و احادیث میں کثرت سے آیا ہے۔ حضور علیہ السلام اس وادی میں جاکر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ''آنے والے سے مراد ایک فرشتہ ہے۔ اور ''عمرہ حج میں'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کا حساب اس طرح کر کہ اسے عمرے کے برابر سمجھ جو حج میں ہوتا ہے۔ لفظ قول فعل کے معنی میں بھی آتا ہے اور ''عمرہ اور حج'' سے مقصود اس بقعہ شریفہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہاں نماز ادا کرنا گویا حج اور عمرے کے برابر ہے۔

مدینہ منورہ کی دیگر تاریخی مساجد

1- مسجد قباء، 2- مسجد دار سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ، 3- مسجد جمعہ، 4- مسجد عتبان، 5- مسجد بنی انیف، 6- مسجد سقیا، 7- عید گاہ کا میدان۔ پہلے اس میں عید کی نماز ادا کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ نماز استسقاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ادا فرمائی اور دعا فرمائی۔ نیز نجاشی حبشہ کے بادشاہ کی نماز جنازہ بھی اس میدان میں پڑھائی۔ اس میدان کو مسلمانوں کا بازار قرار دیا۔ (تاریخ مدینہ منورہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد گورنر مدینہ منورہ میں یہاں مسجدیں بنوائیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- مسجد غمامہ، 2- مسجد ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، 3- مسجد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، 4- مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ان کے علاوہ مسجدیں: 1- مسجد قبلتین، 2- مسجد ابی ذر رضی اللہ عنہ، 3- مسجد بنی دینار، 4- مسجد اجابہ، 5- مسجد بنی ظفر، 6- مسجد فضیخ (مسجد بنی نضیر)، 6- مسجد سبق، 7- مسجد شیخین، 8- مسجد مستراح۔ اگر وقت اجازت دے تو ان مساجد کی زیارت کرو اور ہر ایک میں دو رکعت نماز نفل تحیۃ المسجد ادا کرو۔ ان تمام مسجدوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کم از کم ایک دفعہ نماز ادا فرمائی یا کسی خاص وجہ سے مشہور ہیں۔ مسجد حضرت عثمان غنی اور مسجد حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی تعمیر ابتدائی پندرھویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی۔ (تاریخ مدینہ منورہ)

بابِ دوئم

تذکرۃ الانبیاء

ارشاد اللہ تعالیٰ جل جلالہ:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

(پ3، سورہ آل عمران، آیت: 81 تا 84)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا (یعنی عالم ارواح میں) جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا سب ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ کے ساتھ گواہوں میں ہوں تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں۔ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف پھریں گے یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب سے ہم ان میں سے کسی پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے حضور گردن جھکاتے ہیں۔'' (کنزالایمان)

رب العالمین سبحانہٗ وتعالیٰ سے مؤلف کی التجا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ط
وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ط

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ، کے لیے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور ان کا پالنے والا اور جو ہر چیز کا مالک اور تمام علوم کو جاننے والا۔ ہر کام میں خود مختار ہے اور واحد ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اس کی ذات لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ اس کی ہر ہر صفت بلند و بالا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے جس کو جب چاہے پیدا کرے اور جب چاہے فنا کر دے۔ اس کی قدرت ہر چیز پر محیط کُن فیکون کا مالک ہے۔ اس ربّ ذوالجلال والاکرام سے عاصی محمد نذیر خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف نہایت ہی مؤدبانہ عرض کرتا ہے کہ اس نیک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اور اس کتاب میں حق سچ تحریر کرنے، مجھے اور قارئین کرام کو اس کو پڑھ کر سمجھنے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق حضور نبی کریم رؤف و رحیم شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین اوّلین و آخرین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اور میرے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت تاجدار حضرت کیلیانوالہ شریف شمس العارفین، سراج السالکین سرتاج الاولیاء کرام سیّد سیدی نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان کرم سے اور آپ کے لخت جگر سیدی و مرشدی حضرت سیّد الحاج محمد باقر علی شاہ بخاری شیخ طریقت فخر المشائخ عالم باعمل ولی کامل دامت برکاتہم عالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ کے فیضان نظر اور آپ کے لخت جگر پیر طریقت، رہبر شریعت، فخر السادات امین نسبت شیر ربانی عالمی مبلغ اسلام حضرت سیّد الحاج عظمت علی شاہ بخاری المعروف چن جی سرکار زیب سجادہ دامت برکاتہم عالیہ کی نگاہ کرم سے عطا فرمائیں۔ آمین

خلیفہ اللہ عزوجل ابوالبشر

حضرت سیّدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ
نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ
اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ○ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ص وَقُلْنَا
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ○ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ
عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(پارہ 1، سورہ بقرہ، رکوع 4، آیات: 30 تا 39)

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب تمہارے ربّ عزوجل نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ 1 بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا۔ 2 اور ہم تجھے سراہتے ہوئے، تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔ فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ 3 اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ 4 پھر سب (اشیاء) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا، سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ 5 بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ 6 فرمایا اے آدم بتا دے انہیں سب (اشیاء) کے نام جب اس نے (یعنی آدم علیہ السلام نے) انہیں سب کے نام بتا دیئے۔ 7 فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ 8 اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ منکر ہوا اور غرور کیا۔ اور کافر ہو گیا۔ 9 اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے۔ مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا 10 کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے 11 تو شیطان نے اس سے (یعنی جنت سے) انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔ 12 اور ہم نے فرمایا نیچے اترو۔ 13 آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ 14 پھر سیکھ لیے آدم علیہ السلام نے اپنے ربّ سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ نے اس

کی توبہ قبول کی۔ 15 بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے۔تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا۔اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم 16 اور وہ جو کفر کریں گے اور میری آیتیں جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا۔(کنزالایمان)

اب انشاءاللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کے رکوع نمبر ۴ کی تفسیر ''خزائن العرفان'' سے پیش کی جاتی ہے۔

1- خلیفہ کی تعریف اور اس کے متعلق فرشتوں سے مشورہ کرنے کی حکمت:

خلیفہ احکام واوامر کے اجراء ودیگر تصرفات میں اصل کا نائب ہوتا۔یہاں خلیفہ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔اگرچہ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا: يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ۔ فرشتوں کو خلافت آدم علیہ السلام کی خبر اس لیے دی گئی کہ وہ ان کے خلیفہ بنائے جانے کی حکمت دریافت کر کے معلوم کرلیں اور ان پر خلیفہ کی عظمت وشان ظاہر ہو کہ ان کی پیدائش سے قبل ہی خلیفہ کا لقب عطا ہوا اور آسمان والوں کو ان کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔

مسئلہ:

اس میں بندوں کو تعلیم ہے کہ وہ کام کرنے سے پہلے مشورہ کیا کریں اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کو مشورہ کی حاجت ہو۔

2- ملائکہ کا مقصد خلیفہ کے بارے کیا تھا:

ملائکہ کا مقصد اعتراض یا حضرت آدم علیہ السلام پر طعن نہیں بلکہ حکمت خلافت دریافت کرنا ہے اور انسان کی طرف فساد انگیزی کی نسبت کرنا اس کا علم یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دیا گیا یا لوح محفوظ سے حاصل ہوا ہو یا خود انہوں نے جنات پر قیاس کیا ہو۔

3- اللہ تعالیٰ کی حکمت:

یعنی میری (اللہ تعالیٰ کی) حکمتیں تم پر ظاہر نہیں۔بات یہ ہے کہ انسانوں میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہوں گے۔اولیاء عظام بھی اور علماء کرام بھی اور وہ علمی وعملی دونوں فضیلتوں کے جامع ہوں گے۔

4- حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام بتادیئے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء وجملہ مسمیات پیش فرما کر آپ کو ان کے اسماء وصفات وافعال وخواص واصول علوم وصناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا۔

5- حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ اگر تم اس خیال سے سچے ہو کہ میں کوئی مخلوق تم سے زیادہ عالم پیدا نہ کروں گا اور خلافت کے تم ہی حقدار ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ کیونکہ خلیفہ کا کام تصرف وتدبیر اور عدل وانصاف ہے اور یہ بغیر ان کے ممکن نہیں کہ خلیفہ کو ان تمام چیزوں کا علم ہو جن پر اس کو متصرف فرمایا گیا اور جن کا اس کو فیصلہ کرنا ہے۔

مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر افضل ہونے کا سبب علم ظاہر فرمایا۔اس سے ثابت ہوا کہ علم اسماء خلوتوں اور تنہائیوں کی عبادت سے افضل ہے۔اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

6- ملائکہ کا اپنے عجز وقصور کا اعتراف:

اس میں ملائکہ کی طرف سے اپنے عجز وقصور کا اعتراف اس امر کا اظہار ہے کہ ان کو سوال استفسار اً تھا نہ کہ اعتراضاً اب انہیں انسان کی

فضیلت اوراس کی پیدائش کی حکمت معلوم ہوگئی۔جس کو وہ پہلے نہ جانتے تھے۔

7-

یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے ہر چیز کا نام اوراس کی پیدائش کی حکمت بتادی۔نمبر 4 کے مطابق جو پہلے تحریر ہو چکا ہے۔

8-اللہ تعالیٰ ہر چھپی اور ظاہر بات جانتا ہے:

ملائکہ نے جو بات ظاہر کی تھی وہ یہ تھی کہ انسان فساد خون ریزی کرے گا۔اور جو بات چھپائی تھی وہ یہ تھی کہ مستحق خلافت وہ خود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے افضل واعلیٰ کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائے گا۔

مسئلہ:

اس آیت سے انسان کی شرافت اور علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تعلیم کی نسبت کرنا صحیح ہے اگر چہ اس کو معلم نہ کہا جائے گا کیونکہ معلم پیشہ ور تعلیم دینے والے کو کہتے ہیں اوراس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جملہ لغات اور کل زبانیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔اور ملائکہ کے علوم وکمالات میں زیادتی ہوتی ہے۔

9-سب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے انکار کردیا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات کا نمونہ اور عالم روحانی وجسمانی کا مجموعہ بنایا اور ملائکہ کے لیے حصول کمالات کا وسیلہ کیا تو انہیں حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں کیونکہ اس میں شکر گزاری اور حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کے اعتراف اور اپنے مقولہ کی معذرت کی شان پائی جاتی ہے۔بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے ہی ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا تھا۔ان کی سند یہ آیت ہے: فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (پ14،سورۃ الحجر،رکوع2)(بیضاوی) سجدہ کا حکم تمام ملائکہ کو دیا گیا تھا یہی اصح ہے۔(خازن)

مسئلہ:

سجدہ دوطرح کا ہوتا ہے ایک سجدہ عبادت جو بقصد عبادت کیا جاتا ہے دوسرا سجدہ تحیت جس سے مسجود کی تعظیم مقصود ہوتی ہے نہ کہ عبادت۔سجدہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتا اور نہ کسی شریعت میں بھی کبھی جائز ہوا۔یہاں جو مفسرین سجدہ عبادت مراد لیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سجدہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور حضرت آدم علیہ السلام قبلہ بنائے گئے تھے تو وہ مسجود الیہ تھے نہ کہ مسجود لہ۔مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سجدہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا فضل وشرف ظاہر فرمانا مقصود تھا اور مسجود الیہ کا ساجد سے افضل ہونا کچھ ضروری نہیں۔جیسا کہ کعبہ معظمہ حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ ومسجود الیہ ہے باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے افضل ہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں سجدہ عبادت نہ تھا سجدہ تحیت تھا اور خاص حضرت آدم علیہ السلام کے لیے تھا۔زمین پر پیشانی رکھ کر تھا نہ کہ صرف جھکنا۔یہی قول صحیح ہے اور اسی پر جمہور ہیں۔(مدارک)

مسئلہ:

سجدہ تحیت پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ہماری شریعت میں منسوخ کردیا گیا۔اب کسی کے لیے جائز نہیں کیونکہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق کو نہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔(مدارک) ملائکہ میں سب سے پہلے سجدہ کرنے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر عزرائیل پھر اور ملائکہ مقربین علیہم السلام۔یہ سجدہ جمعہ کے روز وقت زوال سے عصر تک کیا گیا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ملائکہ مقربین سو برس اور ایک قول میں پانچ سو برس سجدہ میں رہے۔

شیطان نے سجدہ نہ کیا۔اور براہ تکبر یہ اعتقاد کرتا رہا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے۔اس کے لیے سجدہ کا حکم معاذ اللہ تعالیٰ خلاف

حکمت ہے۔ اس اعتقاد باطل سے کافر ہو گیا۔ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں کہ ان سے انہیں سجدہ کرایا گیا۔

مسئلہ:

تکبر نہایت قبیح ہے۔ اس سے کبھی متکبر کی نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ (بیضاوی و جمل)

10- پیڑ کس قسم کا تھا جس سے منع کیا گیا:

ایک روایت جو عام مشہور ہے کہ وہ پیڑ گندم کا تھا لیکن دوسری روایت میں گندم یا انگور مراد ہے۔ (جلالین) بعض نے انجیر کہا اور بعض نے کھجور۔ واللہ اعلم۔

11- انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں:

ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو بے محل وضع کرنا یہ ممنوع ہے اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ یہاں ظلم خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے۔

مسئلہ:

انبیاء علیہم السلام کو ظالم کہنا اہانت و کفر ہے۔ جو کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے۔ جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کلمہ زبان پر لائے اور خطاب حضرت حق کو اپنی جرأت کے لیے سند بنائے ہمیں تعظیم و توقیر اور ادب و طاعت کا حکم فرمایا ہم پر یہی لازم ہے۔

12- خطا اجتہاد میں ہوئی خطائے اجتہادی معیت نہیں ہوتی:

شیطان نے کسی طرح حضرت آدم و حوا (علیہما السلام) کے پاس پہنچ کر کہا کہ میں تمہیں شجر خلد بتا دوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار فرمایا تو اس نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ انہیں خیال ہوا کہ اللہ پاک کی جھوٹی قسم کون کھا سکتا ہے۔ بایں خیال حضرت حوا سلام اللہ علیہا نے اس میں سے کچھ کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بھی تناول فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ لاتقربا کی نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں کیونکہ وہ اگر تحریمی سمجھتے۔ تو ہرگز ایسا نہ کرتے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں غلطی ہوئی۔ اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی۔

13- حضرت آدم و حوا (علیہما السلام) اور ان کی ذریت کو جو ان کے صلب میں تھی جنت سے زمین پر جانے کا حکم:

جب آپ کو زمین پر جانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام زمین ہند میں سراندیپ کے پہاڑوں پر اور حضرت حوا سلام اللہ علیہا (مکہ معظمہ کے نزدیک) میں اتارے گئے۔ (خازن) حضرت آدم علیہ السلام کی برکت سے زمین کے اشجار میں پاکیزہ خوشبو پیدا ہوئی۔ (روح البیان)

14- حضرت آدم علیہ السلام اپنی موت کے وقت تک زمین پر رہیں گے:

اس سے اختتام عمر یعنی موت کا وقت مراد ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بشارت ہے کہ وہ دنیا میں صرف اتنی مدت کے لیے ہیں اس کے بعد پھر انہیں جنت کی طرف رجوع فرمانا ہے اور آپ کی اولاد کے لیے معاد پر دلالت ہے کہ دنیا کی زندگی معین مدت (وقت) تک ہے عمر تمام ہونے کے بعد انہیں آخرت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

15- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کس طرح قبول ہوئی:

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک حیا سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کثیر البکاء (زیادہ

رونے والے) تھے۔ آپ علیہ السلام کے آنسو تمام زمین پر رونے والوں سے زیادہ ہیں۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ آپ علیہ السلام کے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام اور اہل زمین کے آنسو کے مجموعہ سے بڑھ گئے۔ (خازن) طبرانی وحاکم وابونعیم وبیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے ضیاء القرآن، جلد 1، ص:50 پر تفسیر فتح العزیز کی عبارت جو نقل کی گئی ہے اس میں اس حدیث کے راوی حضرت عمر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہیں اور اس میں یہ مزید عبارت ہے کہ توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے جانا۔ آپ نے سارا ماجرا سنادیا حکم پہنچا کہ اے آدم علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے اور اولاد تیری میں سے اور اگر وہ نہ ہوتا تجھ کو نہ پیدا کرتا۔ (ص116، جلد 1 تفسیر عزیزی اردو ترجمہ مطبوعہ علیمی پریس دہلی 1932) کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب ہوتو آپ علیہ السلام فکر توبہ میں حیران تھے۔ اس پریشانی میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھایا اور دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے: لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تو میں سمجھا کہ بارگاہ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام مقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے دعا میں ربنا ظلمنا الآیہ کے ساتھ یہ عرض کیا: اسئلك بحق محمد ان تغفرلی ۔ ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں: اللھم انی اسئلك بجاہ محمد عبدك و کرامته علیك ان تغفرلی خطیئتی یعنی یارب میں تجھ سے تیرے بندہ خاص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبت کے طفیل میں اور اس کی کرامت کے صدقہ میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے۔ مغفرت چاہتا ہوں۔ یہ دعا کرنی تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی۔

مسئلہ:

اس روایت سے ثابت ہے کہ مقبولان بارگاہ کے وسیلہ سے دعا بحق فلاں اور بجاہ فلاں کہہ کر مانگنا جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر حق واجب نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے مقبولان کو اپنے فضل وکرم سے حق دیتا ہے۔ اسی تفصیلی حق کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح حدیث یہ حق ثابت ہے جیسے وارد ہوا: من امن باللہ و رسوله و اقام الصلوٰۃ وصام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخل الجنة ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول دسویں محرم کو ہوئی۔ جنت سے اخراج کے وقت اور نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی آپ سے سلب کرلی گئی تھی۔ بجائے اس کے زبان مبارک پر سریانی جاری کردی گئی تھی۔ قبول توبہ کے بعد پھر زبان عربی عطا ہوئی۔ (فتح العزیز)

مسئلہ:

توبہ کی اصل رجوع الی اللہ ہے اس کے تین رکن ہیں۔ ایک اعتراف جرم دوسرے ندامت، تیسرے عزم ترک گناہ۔ اگر گناہ قابل تلافی ہو تو اس کی تلافی بھی لازم ہے۔ مثلاً تارک صلوٰۃ کی توبہ کے لیے پچھلی نمازوں کی قضاء پڑھنی بھی ضروری ہے۔ توبہ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کے تمام جانوروں میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان کیا اور سب پر ان کی فرماں برداری لازم ہونے کا حکم سنایا۔ سب نے قبول اطاعت کا اظہار کیا۔ (فتح العزیز)

16- مؤمنین صالحین کیلئے بشارت:

یہ مؤمنین صالحین کے لیے بشارت ہے کہ نہ انہیں فزع اکبر کے وقت خوف ہو اور نہ آخرت میں غم وہ بے خوف جنت میں داخل ہوں گے۔

(یہاں خزائن العرفان کا بیان ختم ہوا)

تفسیر الحسنات میں بھی تقریباً اسی طرح مندرجہ بالا آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے اس میں ایک حدیث کا بیان اضافی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ابن آدم سجدہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک گوشہ میں جاکر روتا ہے اور کہتا ہے افسوس افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کرکے جنت حاصل کرلی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی اور جہنم لے لی۔ اسی میں مفسرین کا ایک قول بھی تحریر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تنہا تھے۔ ان کی طبیعت گھبرائی تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا اور حکم دیا

کہ دونوں جنت میں جہاں چاہو پھرو چلو جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا پھل نہ کھائیں۔(تفسیر الحسنات، جلد 1 ص:172 اور 174)

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ کرنے کی حکمت پر مزید بحث:

اس سے قبل مندرجہ بالا نمبر(1) میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ کتاب "تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام" سے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

حدیث مرفوع:

ترجمہ:"بے شک میرے رب عزوجل نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا"(مسند احمد، جلد 5)

یہ مشورہ طلب کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کی عزت افزائی ہو۔اللہ تعالیٰ نے اپنی لاعلمی یا احتیاجی کے طور پر معاذ اللہ نبی کریم ﷺ سے مشورہ نہیں کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا:"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" ترجمہ:"آپ ان سے امور میں مشورہ کریں۔"(سورہ آل عمران، آیت:159)

یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مشورہ کرنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورہ کے محتاج تھے۔ بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی عزت افزائی کے لیے مشورہ کا حکم دیا گیا۔اور اسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا اور نبی کریم ﷺ کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے معلاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کرلیا کریں۔(صاحب تفسیر خزائن العرفان نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اجتہاد کرنے کا جواز ہے۔)

اعتراض:

خلیفہ کا مطلب ہے پیچھے آنے والا اور نائب خلیفہ کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اصل خود اپنے کام کرنے سے عاجز ہو۔اصل کا عاجز ہونا یا اس کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس کے غیب ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا مرض وتھکان وغیرہ کی وجہ سے۔ان تمام معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بنانا درست نہیں۔وہ حی لا یموت ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔اس پر موت کے وقوع کا تصور بھی محال ہے۔وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔وہ کہیں دور چلا جائے، غیب ہو جائے یہ ہونا بھی ناممکن ہے کہ وہ مریض ہو جائے، تھک جائے، عاجز ہو جائے، یہ بھی ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا کیا مطلب؟

جواب:

یہاں خلیفہ کا معنی پیچھے آنا والا نہیں بلکہ نائب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا نائب ہو کر زمین وآسمان کی اشیاء میں تصرف کرنے والا ہو۔نائب بنانے کی ضرورت بھی اللہ تعالیٰ کی نہیں تھی۔وہ محتاج نہیں بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانا تھا انہیں محتاجی تھی۔اس لیے کہ انسان بہت زیادہ کدورتی اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت متقدس ہے۔فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے۔جب مخلوق میں اور اللہ تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں، مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو واسطہ بنایا۔جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچائیں۔

جس طرح انسانوں اور حیوانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے ہڈیاں سخت ہیں۔گوشت نرم ہے۔ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کرسکتی تھی۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے۔ پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرکے اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔(بیضاوی وشیخ زادہ)

نکتہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا جو مشورہ فرشتوں سے کیا۔اس سے مراد صرف آدم علیہ السلام نہیں اور آپ کی تمام اولاد بھی مراد

نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بعض حضرات جو اس خلافت کے منصب کے اہل ہوں گے یہ سب مراد ہیں اور وہ افراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پیدا ہونے والے تمام انبیاء ورسل کرام علیہم السلام ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام تمام کے تمام فرداً فرداً معصوم ہیں لیکن صدیقین، اولیاء، صالحین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ البتہ اجتماعی طور پر معصوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اجتماعی فیصلہ کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

جب ثابت ہوا کہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس میں یہ استعداد پائی جائے تو خود واضح ہوا کہ عورت کی فطرت سلیمہ اور طبیعت مستقیمہ اس قابل نہیں کہ جمعہ یا باقی نمازوں کی امامت یا خلافت یعنی حاکمیت اس کے سپرد کی جائے۔ "عورت" اپنی فطرت اور طبعی کمزوری کی وجہ سے یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی۔

خلیفہ بنانے کا مقصد:

خلیفہ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے احکام مخلوق تک پہنچائے اور ربّ تعالیٰ جل شانہ، کے اوامر ونواہی کا نظام جاری کرے۔ مسلمانوں کی اکثریت جب اس نظام کو چاہنے والی ہو تو امت مسلمہ کو کفار پر غلبہ رہتا ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنے ایمان اور اعمال میں کامل ہوں۔ کامل ایمان کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت کی تمنا کامل اور غالب ہو۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ:

خلافت راشدہ عادلہ کے بعد مسلمانوں پر دنیا کی محبت غالب آ گئی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں سے نکل گئی۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے موت سے ان کے دلوں میں کراہت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا جذبہ کامل نہ رہا۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ بدحالی کا شکار ہو گئی۔ غیروں پر اس کو غالب رہنے کی نعمت سے محروم کر دیا گیا۔

سنن ابی داؤد اور بیہقی کی حدیث میں امت مسلمہ کی اس بدحالی کا ذکر نہایت ہی المناک صورت میں وارد ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے مسلمانو! قریب ہے کہ کافروں کی جماعتیں تم پر حملہ آور ہونے کے لیے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کسی پیالہ میں کھانا رکھا ہو اور اسے کھانے کے لیے ہر طرف سے لوگوں کو بلایا جائے۔" صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس وقت ہم قلیل ہوں گے؟ فرمایا: نہیں، تم اس وقت بہت کثیر تعداد میں ہو گے۔ لیکن تم اس وقت سیلاب کے جھاگ اور اس کے خس وخاشاک کی طرح ہو گے (یعنی ایمانی قوت، شجاعت تم میں باقی نہ رہے گی) اللہ تعالیٰ جل شانہ، تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب دشمن کے دل سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں بزدلی اور کمزوری پیدا کر دے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بزدلی اور کمزوری کا سبب کیا ہو گا؟ فرمایا:

"حب الدنیا و کراھۃ الموت" دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔

ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت کرے گا۔ موت اسے ناپسند ہو گی۔ عرصہ دراز سے مسلمان اسی بدحالی کا شکار ہیں اور موجودہ دور میں یہ بدحالی ایسی خوفناک صورت اختیار کر گئی ہے کہ اس کے نتائج کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے۔

خیال رہے کہ ہر دور میں نیک لوگ، اصحاب علم وتقویٰ رہے ہیں۔ انہی کے دم قدم سے نظام دنیا چل رہا ہے اور دنیا کی بقا ہے۔ لیکن اکثریت جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو کم تعداد میں نیک لوگ بھی ہلاکت کی راہ میں آ جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہلاکت ان کے لیے عذاب نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے:

"یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو نیک وبد سبھی اس میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اٹھائیں جائیں گے تو ہر

ایک کا اٹھایا جانا اس کے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق ہوگا۔" (بخاری، جلد 2، ص: 1053)

مسلمان اگر اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی تمنا یہ ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ جائیں تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ تمام مسلمان مجموعی طور پر کامل ایمان رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیں۔ اسی محبت اور کامل ایمان کی وجہ سے جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اپنی اس عظمت دور رفتہ کو حاصل نہ کر لیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے دور میں کفار پر مسلمانوں کو حاصل تھی کہ مسلمانوں کی ہیبت سے کفار کے اعضاء پر کپکپی طاری ہوتی۔ (از تبیان)

حضرت آدم علیہ السلام کے علوم:

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔" (البقرہ: 31)

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، مجاہد اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا یہاں تک کہ چھوٹے اور بڑے پیالے کے نام بھی بتائے۔"

بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف قول منسوب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے "ماکان ومایکون" (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونا ہے) کا علم عطا فرمایا۔

پہلے معنی اور اس معنی کے لحاظ سے مقصد ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں اور ان کے ناموں کا علم عطا کر دیا۔ خواہ وہ پہلے پائی جا چکی ہیں یا بعد میں پایا جانا ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ کو تمام چیزوں کی صفات اور نعتیں اور خواص تک کا علم عطا فرما دیا گیا تھا۔

(روح المعانی، جلد 1، ص: 224)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے احوال اور ان سے دینی یا دنیوی منافع، جو متعلق ہیں ان کا علم عطا فرما دیا تھا۔

ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھا دی گئیں۔ ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ملائکہ کے ناموں سے آگاہ کر دیا گیا۔ اور ایک قول کے مطابق آپ کو تمام ستاروں کے ناموں پر مطلع فرما دیا گیا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی کا قول نقل کیا:

............"اسمائه تعالیٰ" کی اس آیت کریمہ میں اسماء سے مراد اسماء الٰہیہ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا میرے نزدیک حق یہ ہے اور تمام اللہ والے بھی اسے ہی حق مانتے ہیں اور منصب خلافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا کیا گیا ہے۔

وہ اشیاء خواہ علوی ہوں یا سفلی جوہری ہوں یا عرضی ان تمام کے اسماء کو اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے تمام اشیاء سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ان میں مقید نہیں ہوتا۔

(روح المعانی، جلد 1، ص: 224)

حضرت آدم علیہ السلام کو نام سکھائے، فرشتوں کو نہیں کیا وجہ؟

الفاظ کے ذریعے معانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس کے پڑھانے والے کو معلم کہتے ہیں اور پڑھنے والے کو متعلم۔ صرف معلم کے پڑھانے سے متعلم کو علم حاصل ہونا ضروری نہیں بلکہ متعلم میں استعداد کا پایا جانا ضروری ہے۔ یعنی متعلم میں سمجھنے کی صلاحیت ہو تو معلم کی تعلیم کا اس پر اثر ہوگا۔ ہر روز مرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک ہی جماعت کے لڑکوں کو استاد پڑھاتا رہے سب کو یکساں پڑھا رہا ہوتا ہے لیکن پھر کوئی لائق ہوتا ہے اور کوئی نالائق۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جب حضرت آدم علیہ السلام کو منصب خلافت عطا کرنا تھا تو آپ کو پہلے تمام اشیاء کی کیفیات اور ان کے ناموں کو سمجھنے کی استعداد بھی عطا فرمائی۔ لیکن فرشتوں کو ہر ہر چیز کے حالات کی تفاصیل کو سمجھنے کی استعداد عطا نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کو منصب خلافت پر فائز

کرنا مقصود نہیں تھا۔ (تفسیر ابی السعود، جلد 2، ص:84)

حضرت آدم علیہ السلام کو علم کیسے عطا کیا گیا تھا؟

آپ کو تمام چیزوں کا علم دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے ایک ایک جنس آپ کو دکھادی اور ان کا نام بتادیا مثلاً گھوڑا دکھا کر بتایا گیا کہ اسے گھوڑا کہتے ہیں اور اونٹ دکھا کر بتایا گیا کہ اسے اونٹ کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک چیز دکھا کر اس کے نام بتادیے گئے۔ (تفسیر مدارک التنزیل، ص:25)

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کو تمام چیزوں کے نام ہر زبان میں بتادیے گئے تھے اور وہی زبانیں آپ کی اولاد میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں یعنی ایک چیز کا نام آپ نے ہر ہر زباں میں بتایا جو زبانیں بھی ایجاد ہوئی تھیں آپ کو ان کا علم پہلے ہی عطا کردیا گیا تھا۔ (صاوی حاشیہ جلالین، ص:8)

فائدہ:

جب آدم علیہ السلام کو ''ماکان و مایکون'' کا علم دیا گیا۔ ہر چیز کے نام ہر ہر زبان میں سکھائے گئے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا مقام کیا ہوگا؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ....(اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ) کا ترجمہ ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

''رحمٰن (عزوجل) نے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کیا 'مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ'' کا بیان انہیں سکھایا۔'' (کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی جان کہا۔ حضرت علامہ آلوسی نے ....(وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ) کی تفسیر میں تحریر فرمایا: ''تمام جہان ایک جسم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روح ہیں جسم کا قیام بغیر روح کے ممکن نہیں۔'' اس سے پتہ چلا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی جان ہیں اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے یہ واضح ہوا کہ 'عَلَّمَهُ الْبَیَانَ'' کا مطلب یہ ہے کہ حبیب پاک علیہ التحیۃ والا کو ''مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ'' کا علم عطا کیا گیا۔ اس پر علامہ قرطبی کی الجامع الاحکام البیان کی تفسیر ملاحظہ ہو: (عربی عبارت کا اردو ترجمہ بیان کیا جاتا ہے)

ترجمہ: ''عَلَّمَهُ الْبَیَانَ میں ضمیر منصوب کا مرجع الانسان ہے اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

اور عَلَّمَهُ الْبَیَانَ میں بیان سے مراد یا تو حلال و حرام کا علم اور گمراہی سے ہدایت دینا اور یا جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بیان سے مراد مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولین و آخرین اور قیامت کا ذکر فرمادیا ہے۔ یعنی جب آپ کو جمیع گزرے ہوئے اور آنے والے اور واقعات قیامت سے مطلع فرمادیا تو آپ کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم حاصل ہے۔

علم کے فضائل عقلیہ و نقلیہ:

تفسیر کبیر اور عزیزی کے حوالے سے علم کے فضائل پر مختصر بحث پیش خدمت ہے۔ فقیہ ابولیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں خواہ اس سے علم حاصل کرے نہ یا کرے۔''

1- وہ شخص طالب علموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا ثواب پاتا ہے۔
2- جب تک اس مجلس میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا۔
3- جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے ہر قدم پر نیکی پاتا ہے۔

4- علم کے حلقے میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے جس میں یہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔
5- علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔
6- وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک مفکسر القلوب (دل ٹوٹا ہوا جو رحمت کا مستحق ہوتا ہے) میں شمار ہوتا ہے۔
7- اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہوتا ہے:

1- ''علم'' پیغمبروں کی میراث اور ''مال'' فرعون، ھامان، شداد اور نمرود کی میراث ہے۔
2- مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے مگر علم بڑھتا ہے۔
3- مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے لیکن علم خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔
4- مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم دین قبر میں ساتھ جاتا ہے۔
5- مال مؤمن اور کافر سب کو مل جاتا ہے لیکن دین کا نفع (یعنی قبر و حشر میں کامیابی) صرف ایماندار کو حاصل ہوتی ہے۔
6- کوئی شخص بھی عالم سے بے پرواہ نہیں لیکن بہت سے لوگوں کو مالداروں کی ضرورت نہیں۔
7- علم سے پل صراط پر گزرنے کی قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں سے قائم ہے:

1- عالم باعمل سے۔ یعنی علم دین حاصل کرنے کے بعد اس کے اعمال بھی احکام دینیہ کے مطابق ہوں۔
2- ایسے جاہل لوگوں سے جو علماء سے محبت رکھتے ہوں یقیناً علماء کی صحبت کی وجہ سے انہیں نیکی کے کاموں کی رغبت حاصل ہوگی اور علوم دینیہ کے مسائل سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوں گے۔
3- سخاوت کرنے والے مالداروں سے یعنی مالدار جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے وہ بھی بلند مرتبہ رکھتا ہے جو نظام دنیا کے قائم رہنے کا سبب ہے۔
4- غریب لوگ جن کے پاس مال تو نہیں لیکن وہ تھوڑے مال اور محنت و مشقت پر صبر کرنے والے ہیں یعنی صابر فقیر کے دم سے بھی دنیا قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا) (سورہ فاطر:28)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علماء کرام ہی ہیں۔

اس آیت میں جب لفظ اللہ عزوجل پر پیش ہو اور لفظ علماء پر زبر ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے علماء کو عزت و وقار عطا فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب علم دین پڑھانے والا شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر فضا سے پرندے زمین کے جانور، دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں روتی ہیں۔

حضرت عامر جہنی رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ ''قیامت کے دن علم دین پڑھنے والے طالب علم کی سیاہی اور شہید کے خون کو لایا جائے گا کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔''

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا: ''اے بیٹے! علم حاصل کرو اگر تمہارے پاس مال بھی ہوا تو علم تمہارا جمال ہوگا اور اگر

تمہارے پاس کوئی مال نہ ہوا تو علم ہی تمہارا مال ہوگا۔'' (تفسیر کبیر میں علم کی فضیلت پر بہت طویل بحث ہے لیکن یہاں مختصر طور پر کچھ لکھا ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش، کیسی مٹی لی گئی؟

قرآن مجید میں مٹی کی کئی قسموں کا بیان آیا ہے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔(پ 17، جلالین، جلد 8) بشر کیچڑ سے بنانے والا ہوں۔(سورہ ص، جلالین) انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔(سورہ صافات: 11) انسانوں سے اصل آدم علیہ السلام بھی مراد ہیں۔(جلالین) بے شک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک مٹی متغیر کیچڑ سے پیدا کیا۔(پ 14، جلد 4، جلالین) انسان یعنی آدم کو خشک بجنے والی ٹھیکری کی طرح کے کیچڑ سے پیدا کیا۔(پ 28، سورہ رحمٰن)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے آؤ اس مٹی میں ہر قسم کے ذرات شامل کئے گئے، سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور ان کے درمیان رنگ والی مٹی لی گئی۔ اس طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے۔ ایسے ہی طیب وخبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی۔ آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے۔ بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔(حاشیہ جلالین: 8 اور تفسیر صاوی علی الجلالین)

زمین میں چشمے کیوں جاری ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا کہ میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں۔ جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا۔ یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔(صاوی علی الجلالین، ص: 8)

انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا و مروہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو۔ یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا۔ اس لیے انسان کو غم زیادہ اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھنکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔(از تفسیر عزیزی)

آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے:

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے اردگرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی۔ ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا تم اسی پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے۔ جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے۔ اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر کہنے لگا ہاں اس کے سینے کے بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے۔ یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہو۔(تفسیر نعیمی، جلد 1، ص: 250)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ حقیقی کا مظہر بنایا گیا:

اگرچہ ظاہر طور پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت سب سے پہلے خلیفہ ہمارے نبی مکرم سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ

ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے کہ ''میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے''۔ (ابونعیم، طبقات ابن سعد، طبرانی، جامع صغیر، جلد 2، ص:96)

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی جگہ سے مٹی لے گئے۔ آبِ تسنیم سے اسے گوندھا گیا۔ جنت کی نہروں میں سے غوطے دیئے گئے۔ زمینوں و آسمانوں میں پھرایا گیا اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی فرشتوں نے نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ پھر اس مٹی کو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے ملا دیا گیا اور نورِ محمدی ﷺ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چمکا دیا۔

(ملخص تفسیر ثعالبی از خلاصۃ التفاسیر، جلد 1، ص:25)

وہی نورِ محمدی ﷺ دراصل فرشتوں سے سجدہ کرانے کا سبب بنا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

''بے شک فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ آپ علیہ السلام کی پیشانی میں محمد ﷺ کا نور رکھا گیا۔

(تفسیر کبیر، جلد 2، ص:455)

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یعنی درحقیقت حضور نبی کریم ﷺ ہی اللہ عزوجل کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں و آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ﷺ ہی ہیں۔

(تفسیر عزیزی ترجمہ اور مطبوعہ علیمی پریس دہلی 1932ء، ص:116، جلد 1، بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 1، ص.50 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اگر حضور نبی کریم ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ السلام پیدا ہوتے نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔ (روح المعانی، جلد 1، ص 218)

حضرت علامہ رازی اور حضرت علامہ آلوسی رحمہما اللہ کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ خلیفہ اعظم حضور نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت آپ ﷺ کی خلافت کا ظہور ہے۔ (تبیان القرآن، ص:130، 131)

اس کی تائید میں اس سے قبل حضور نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے مقام۔ کے موضوع میں احادیث کا بیان ہو چکا ہے۔

ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں ہوا؟

ابلیس کا مردود ہونے سے پہلے سریانی زبان میں عزازیل اور عربی زبان میں حارث تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تو ''ابلیس'' نام ہوا۔ جس کا معنی ہے ''خیر سے دور ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہونا'' اسے شیطان بھی کہا گیا ہے۔ اگر اس کا مادہ شطن ہو تو معنی ہوگا حق سے دور ہونے والا اور اگر وہ شیطہ سے ماخوذ ہے تو معنی ہوگا ''ہلاک ہونے والا اور جل جانے والا'' (روح المعانی، جلد 1، ص:228. تبیان، جلد 1، ص:125)

فرشتوں کو جن بھی کہا گیا ہے۔ فرشتوں کی تعداد اللہ عزوجل اور اس کے نبی محترم و معظم ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابلیس کی اصل کیا ہے۔ ابلیس کو بھی جن کہا گیا اور جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور کچھ علماءِ دین اس کو جنات میں شامل کرتے ہیں اور کچھ فرشتوں میں اس کو شمار کرتے ہیں۔ شیطان کو زندہ قیامت تک رہنے کا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اور اس کو اختیار دیا گیا جو شکل چاہے وہ بدل سکتا ہے۔ اس طرح اس نے کہا کہ اے اللہ عزوجل مجھے تو نے مردود کیا ہے۔ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اس نے خود بھی یہ تسلیم کیا مندرجہ بالا موضوع پر کتاب ''تذکرۃ الانبیاء'' میں مفصل بیان ہے جو یہاں اختصار کی وجہ سے تحریر نہیں کر سکتا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

فائدہ:

نبی ﷺ کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر کی زندگی میں سب سے پہلے مردہ کہنے والا شیطان لعین ہے اور نبی کو سب سے پہلے

تمہارے پاس کوئی مال نہ ہوا تو علم ہی تمہارا مال ہوگا۔" (تفسیر کبیر میں علم کی فضیلت پر بہت طویل بحث ہے لیکن یہاں مختصر طور پر کچھ لکھا ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش، کیسی مٹی لی گئی؟

قرآن مجید میں مٹی کی کئی قسموں کا بیان آیا ہے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (پ 17، جلالین، جلد 8) بشر کیچڑ سے بنانے والا ہوں۔ (سورہ ص، جلالین) انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ (سورہ صافات: 11) انسانوں سے اصل آدم علیہ السلام بھی مراد ہیں۔ (جلالین) بے شک ہم نے انسان یعنی آدم کو سیاہ خشک مٹی متغیر کیچڑ سے پیدا کیا۔ (پ 14، جلد 4، جلالین) انسان یعنی آدم کو خشک بجنے والی ٹھیکری کی طرح کے کیچڑ سے پیدا کیا۔ (پ 28، سورہ رحمٰن)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لے آؤ اس مٹی میں ہر قسم کے ذرات شامل کئے گئے، سرخ رنگ، سفید رنگ، سیاہ رنگ اور ان کے درمیان رنگ والی مٹی لی گئی۔ اس طرح کچھ مٹی نرم زمین سے لی گئی اور کچھ سخت سے۔ ایسے ہی طیب وخبیث مٹی کو شامل کیا گیا۔ جتنے قسم کے رنگوں والی مٹی آپ کے جسم میں لگائی گئی۔ آپ کی اولاد میں اتنے ہی رنگ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کوئی نرم دل اور کوئی سخت دل کوئی نیک اور کوئی برے۔ بعض حضرات نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی میں ساٹھ رنگ شامل تھے وہ تمام آپ کی اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ (حاشیہ جلالین: 8 اور تفسیر صاوی علی الجلالین)

زمین میں چشمے کیوں جاری ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو زمین کو بتایا کہ میں تجھ سے اپنی ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں۔ جو میرے مطیع ہوں گے ان کو میں جنت میں داخل کروں گا اور جو میرے نافرمان ہوں گے ان کو میں جہنم کی آگ میں ڈال دوں گا۔ یہ سن کر زمین نے پھر پوچھا اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مجھ سے پیدا ہونے والی مخلوق جہنم کی آگ میں جائے گی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا: ہاں تو زمین اتنا روئی کہ اس کے رونے سے چشمے جاری ہو گئے جو قیامت تک جاری رہیں گے۔ (صاوی علی الجلالین، ص: 8)

انسان کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں؟

حضرت عزرائیل علیہ السلام جب مٹی کو لائے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے صفا ومروہ پہاڑیوں کے پاس رکھ دو۔ یعنی وہاں رکھ دو جہاں آج کل کعبہ شریف ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے مختلف پانیوں سے گارا بنائیں پھر اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم ورنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا۔ اس لیے انسان کو غم زیادہ اور خوشی کم۔ پھر اسے مختلف ہواؤں سے خشک کر کے کھنکنے والی مٹی بنا کر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے قالب کو تیار کیا۔ (از تفسیر عزیزی)

آدم علیہ السلام کی صورت دیکھ کر فرشتے حیران ہو گئے:

فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں دیکھی تھی وہ حیران ہو کر اس کے ارد گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے تھے۔ ابلیس کو بھی اس کی خبر ہو چکی تھی۔ ابھی تک وہ مردود نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا تم اسی پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے۔ جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل نہ سکے۔ اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر کہنے لگا ہاں اس کے سینے کے بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے۔ یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے؟ شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہو۔ (تفسیر نعیمی، جلد 1، ص: 250)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ حقیقی کا مظہر بنایا گیا:

اگرچہ ظاہر طور پر سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن درحقیقت سب سے پہلے خلیفہ ہمارے نبی مکرم سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفےٰ

ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا اپنا ارشادگرامی ہے کہ ''میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے''۔ (ابونعیم، طبقات ابن سعد، طبرانی، جامع صغیر، جلد 2، ص:96)

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی کریم ﷺ کی قبرانور کی جگہ سے مٹی لے گئے۔ آب تسنیم سے اسے گوندھا گیا۔ جنت کی نہروں میں سے غوطے دیئے گئے۔ زمینوں و آسمانوں میں پھرایا گیا اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی فرشتوں نے نبی کریم ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ پھر اس مٹی کو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے ملا دیا گیا اور نورِ محمدی ﷺ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چمکا دیا۔

(ملخص تفسیر ثعالبی از خلاصۃ التفاسیر، جلد 1، ص:25)

وہی نور محمدی ﷺ دراصل فرشتوں سے سجدہ کرانے کا سبب بنا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا:

''بے شک فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ آپ علیہ السلام کی پیشانی میں محمد ﷺ کا نور رکھا گیا۔

(تفسیر کبیر، جلد 2، ص:455)

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یعنی درحقیقت حضور نبی کریم ﷺ ہی اللہ عزوجل کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں و آسمانوں میں سب سے مقدم امام حضور ﷺ ہی ہیں۔

(تفسیر عزیزی ترجمہ اور مطبوعہ علیمی پریس دہلی 1932ء، ص:116، جلد 1، بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 1، ص:50 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اگر حضور نبی کریم ﷺ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ السلام پیدا ہوتے نہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔ (روح المعانی، جلد 1، ص:218)

حضرت علامہ رازی اور حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہما کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ خلیفہ اعظم حضور نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت آپ ﷺ کی خلافت کا ظہور ہے۔ (تبیان القرآن، ص:130، 131)

اس کی تائید میں اس سے قبل حضور نبی کریم ﷺ کی قبرانور کے مقام۔ کے موضوع میں احادیث کا بیان ہو چکا ہے۔

ابلیس کا نام ابلیس یا شیطان کیوں ہوا؟

ابلیس کا مردود ہونے سے پہلے سریانی زبان میں عزازیل اور عربی زبان میں حارث تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تو ''ابلیس'' نام ہوا۔ جس کا معنی ہے ''خیر سے دور ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا'' اسے شیطان بھی کہا گیا ہے۔ اگر اس کا مادہ شطن ہو تو معنی ہوگا حق سے دور ہونے والا اور اگر وہ شیطہ سے ماخوذ ہے تو معنی ہوگا ''ہلاک ہونے والا اور جل جانے والا'' (روح المعانی، جلد 1، ص:228، تبیان، جلد 1، ص:125)

فرشتوں کو جن بھی کہا گیا ہے۔ فرشتوں کی تعداد اللہ عزوجل اور اس کے نبی محترم و معظم ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ابلیس کی اصل کیا ہے۔ ابلیس کو بھی جن کہا گیا اور جن کا معنی ہے چھپی ہوئی چیز اور کچھ علماء دین اس کو جنات میں شامل کرتے ہیں اور کچھ فرشتوں میں اس کو شمار کرتے ہیں۔ شیطان کو زندہ قیامت تک رہنے کا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اور اس کو اختیار دیا گیا جو شکل چاہے وہ بدل سکتا ہے۔ اس طرح اس نے کہا کہ اے اللہ عزوجل مجھے تو نے مردود کیا ہے۔ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اس نے خود بھی یہ تسلیم کیا مندرجہ بالا موضوع پر کتاب ''تذکرۃ الانبیاء'' میں مفصل بیان ہے جو یہاں اختصار کی وجہ سے تحریر نہیں کر سکتا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

فائدہ:

نبی ﷺ کو اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد قبر کی زندگی میں سب سے پہلے مردہ کہنے والا شیطان لعین ہے اور نبی کو سب سے پہلے

دنیاوی زندگی میں بشر کہنے والا بھی یہی لعین ہے۔ اب بھی اس کے چیلے چپٹے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی دنیاوی زندگی میں بشر اور قبر کی زندگی میں مردہ کہنے والے بہت ہیں کیونکہ جو کام باپ کرے اس کی اولاد بھی وہی کام کرے تو خاص تعجب کی بات نہیں۔ خواہ حقیقی اولاد ہو یا معنوی اولاد ہو۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص:60)

حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی پیدائش:

جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس انکار و تکبر کی وجہ سے مردود ہو گیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام جو خاک سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام کا جنت میں کوئی ہم جنس نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے آپ علیہ السلام پر نیند کو مسلط کر دیا پھر آپ علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو پیدا فرمایا اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا گیا۔ جب آپ علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے سر کے پاس حضرت حوا کو بیٹھے ہوئے پایا اس سے پوچھا کون ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں عورت ہوں۔ پھر ان سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا تا کہ آپ علیہ السلام مجھ سے سکون حاصل کریں۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا امتحان لینے کے لیے پوچھا یہ کون ہے۔ جواب دیا یہ عورت ہے پھر انہوں نے پوچھا اسے امرأۃ (عورت) کیوں کہا گیا ہے؟ جواب دیا کیونکہ یہ مرأ (مرد) سے بنی ہے پھر سوال ہوا اس کا نام کیا ہے؟ جواب دیا: ''حوا'' پھر سوال ہوا اس کا حوا نام کیوں رکھا گیا؟ جواب دیا کہ زندہ چیز کو حی کہا جاتا ہے یہ بھی زندہ سے پیدا ہوئی اس لیے اس کا نام حوا ہے۔

(بحوالہ روح المعانی، جلد 1، ص:223، 224)

ایک روایت کے مطابق حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی پیدائش فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد جنت میں ہوئی اور دوسری روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین میں تیار کیا گیا اور اس میں روح کو داخل بھی زمین ہی میں کیا گیا اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا کی پیدائش بھی زمین پر ہوئی پھر دونوں کو جنت میں لے جایا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قالب میں روح کا دخول:

اللہ تعالیٰ نے روح کو حکم دیا کہ اس قالب میں داخل ہو جا اور تمام حصوں میں پھیل جا۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو اس نے اس کو تنگ و تاریک پایا۔ اندر جانے سے رک گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ تب نور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا۔ یعنی وہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ قالب میں داخل ہونے لگی۔ ابھی سر میں تھی کہ آپ علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان میں پہنچی تو آپ علیہ السلام نے الحمدللہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یرحمك اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابو محمد (یہ اور ابوالبشر آپ علیہ السلام کی کنیت ہے) میں نے تمہیں اپنی حمد کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے اٹھنا چاہا لیکن گر پڑے کیونکہ روح ابھی نیچے والے حصے میں نہیں پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انسان جلد باز پیدا کیا گیا۔'' (سورہ الانبیاء:37)

پھر روح تمام جسم میں پھیل گئی تو آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو سلام کرو! آپ علیہ السلام نے فرمایا: السلام علیکم فرشتوں نے جواب دیا وعلیکم السلام، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہی آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے سلام کا طریقہ ہو گا۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا۔ میری اولاد کون سی ہو گی؟ تو آپ علیہ السلام کی تمام اولاد کو آپ علیہ السلام کے سامنے کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا اور آپ علیہ السلام کی اولاد کو نکال ظاہر کیا۔ پھر فرمایا: میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اور یہ جنت والوں کا عمل کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ علیہ السلام کی پیٹھ پر پھیرا اور آپ علیہ السلام کی باقی اولاد کو نکال ظاہر کر دیا اور فرمایا ان کو میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ جہنمیوں والے عمل کریں

گئے۔'' (خازن، جلد 1 ص:46، نعیمی، جلد 1 ص:250، ترمذی ابوداؤد، مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر، 21)

فائدہ:

سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت الشیخ نے فتوحات کے متعدد مقامات میں اشعار تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک کھجور کو مخاطب کر کے تحریر فرماتے ہیں، مصرعہ یہ ہے:

"یا اخت عمتی المعقولة"

اس مصرعہ کا لفظی معنی یہ ہے "اے میری بہن بلکہ میری پھوپھی کہ تو معقولہ ہے۔"

یہ اشارہ ہے اس حدیث شریف کی طرف جس میں ہے کہ

"حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے کچھ مٹی باقی رہ گئی۔ جس سے کھجور کا درخت بنایا گیا۔ لہٰذا کھجور کا درخت حضرت آدم علیہ السلام کی بہن اور ہماری پھوپھی ٹھہری۔ جب اس کی خلقت کے بعد کچھ مٹی بمقدار ایک دانہ تل باقی بچی تو اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک زمین نہایت وسیع پیدا فرمائی کہ ساتوں آسمان و زمینیں اس کے مقابلے میں ایسے ہیں۔ جیسے صحرا میں ایک حلقہ اس کو ارض حقیقی بولتے ہیں۔ ایں جہاں را آں جہانے دیگر است۔ اس جہان کے مقابلے میں وہ جہان ہی اور ہے۔ اس میں صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام ہی داخل ہوتے ہیں اور اس کا علم بھی ان کو ہی حاصل ہے۔" (از ملفوظات مہریہ، ص:17)

حضرت آدم علیہ السلام کی شادی اور مہر:

جب حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف میلان کرنا چاہا اور ارادہ فرمایا کہ دست محبت فرمائیں۔ تو فرشتوں نے کہا اے آدم علیہ السلام ٹھہر جاؤ۔ پہلے مہر ادا کر دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "وہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا مہر یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔"

ایک روایت میں تین دفعہ اور ایک میں سترہ دفعہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ یعنی اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مہر یہی تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھیں۔ آپ علیہ السلام نے درود پاک پڑھا اور فرشتوں کی گواہی سے نکاح ہو گیا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موجود چیز کے لیے وسیلہ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ (حاشیہ جلالین)

دوسری روایت کے مطابق آپ اور حضرت حوا علیہا السلام کو شادی کے بعد فرشتے سونے کے تخت پر بیٹھا کر اس طرح جنت میں لے گئے جس طرح بادشاہوں کو عزت کی خاطر اٹھا کر لے جاتے ہیں گویا کہ بارات کی واپسی پر فرشتے سنہری ڈولی میں دونوں میاں بیوی کو اٹھا کر لا رہے ہیں۔

(روح المعانی، جلد 1، ص:234)

اب "تذکرۃ الانبیاء کتاب" کا صفحہ 62 تا 97 نقل کیا جاتا ہے پھر انشاء اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں سکونت کے متعلق میں اپنے مرشد پاک سیدی و مولائی عظیم البرکت حضور سر تاج الاولیاء، شمس العارفین، سراج السالکین، "امین نسبت شیر ربانی، عالم باعمل، ولی کامل، قطب الاقطاب حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاجدار آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف کے ارشادات سے مزین کتاب الانسان فی القرآن کا صفحہ نمبر 93 تا 109 نقل کیا جائے گا تا کہ اس موضوع کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے۔

قانونِ قدرت اور قانونِ عادت میں فرق:

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ عام طور پر کاموں کے اسباب بنا دیئے ہیں اسی طرح انسانوں کی پیدائش میں بھی قانونِ عادت اسباب کے ماتحت کر دیا گیا کہ ماں اور باپ سے اولاد کی پیدائش ہوتی ہے لیکن یہ قانونِ قدرت نہیں۔

"قانونِ قدرت" کی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ میں اس طرح بھی کر سکتا ہوں اسباب کی مجھے کوئی محتاجی نہیں مرد اور عورت

کے بغیر اپنے دست قُدرت سے مٹی کا قالب بنا کر اس میں روح پھونک کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور عورت کے بغیر مرد کی پسلی چاک کر کے عام عادت کے خلاف حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرما کر یہ واضح کر دیا کہ میں بغیر عورتوں کے مردوں سے اولاد پیدا کرنے پر بھی قادر ہوں اور عورت سے بغیر اس کے خاوند کے بیٹا پیدا کر کے بھی واضح کر دیا کہ میری قدرت سے یہ بھی کوئی بعید بات نہیں، یعنی حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تو ایک عام طریقہ کے مطابق ہی ہوئی لیکن اس میں مرد کا کوئی واسطہ نہیں، صرف جبریل امین کی پھونک کا اثر ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں۔

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت سے منع کرنے میں حکمت:

اگر حضرت آدم علیہ السلام جنت میں نہ ہوتے بلکہ پہلے ہی زمین پر ہوتے تو............

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۝

''اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔''

کہنے کی نہ ضرورت درپیش آتی اور نہ ہی آپ سے نسیان واقع ہوتی۔ لیکن آپ تو جنت میں تھے اور آپ کا زمین میں رہنا اور زمین میں ہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننا خود ربّ تعالیٰ کی مراد تھی آپ کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۝

''بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنے محبوب اور محبوب کی مراد کو نہیں بھولے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مراد جو تھی کہ آپ زمین میں میرے خلیفہ ہوں گے اس سے حضرت آدم علیہ السلام سے بھول نہیں واقع ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام ہوا، البتہ بھول ان کے ماسوا چیز میں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ایک درخت کے قریب جانے سے روکا اس میں بھول واقع ہوئی جو زمین میں آنے کا سبب بنی۔

اس مقام پر یہ شبہ صحیح نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نسیان کے بغیر زمین پر لانے پر قادر تھا بے شک اس کی قدرت حق ہے لیکن اس نے اظہار قدرت کو خود ہی حکیمانہ اسباب کے ساتھ مربوط فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کا نسیان انہی اسباب میں شامل ہے، اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا حکیم ہونا بھی برحق ہے اور حکیم کی شان نہیں کہ حکمت کے خلاف کوئی کام کرے، حکمت کی رعایت سے قدرتِ کی نفی نہیں ہوتی۔ آدم علیہ السلام کی اس ظاہری لغزش کو حقیقتاً معصیت نہ سمجھا جائے اور اس بات پر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا کر ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع فرما دیا اور شیطان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس ممانعت کی خلاف ورزی میں آدم علیہ السلام کی لغزش کا سبب بن جائے اور لغزش کے صادر ہونے کے بعد آدم علیہ السلام کا زمین میں خلیفۃ اللہ ہونا جو منشاء ایزدی تھا حکیمانہ طور پر پورا ہو جائے ادنیٰ تامل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء اور مراد کو متحقق فرمانے کے لیے یہ سب حکیمانہ اسباب پیدا فرمائے۔ (از تبیان، ص:106، 107)

حضرت آدم علیہ السلام سے نسیان ہوئی:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝ (البقرۃ، آیت:35)

''اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں اس درخت کے قریب گئے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے باوجود انہوں نے اسے کھالیا ایسی صورت میں آیت کریمہ کا بظاہر مفاد یہی ہوگا کہ آدم و حوا علیہما السلام (معاذ اللہ) دونوں ظالم ہو گئے، مگر یاد رہے کہ آدم علیہ السلام اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے پہلے خلیفہ اور اس کے نبی ہوئے، اللہ تعالیٰ کا نبی اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی بندہ حضرت آدم علیہ السلام کو ظالم کہے گا تو وہ خود ظالم و کافر قرار پائے گا۔

ظلم کے معنی:

وضع الشئی فی غیر موضعہ٥

''یعنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔'' (تفسیر قرطبی، جلد 1، ص:309)

قرآن کریم میں شرک کے لیے بھی لفظ ظلم وارد ہے حق تلفی اور حاکم کے فرمان حق کی نافرمانی کو بھی ظلم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بندے کو جس کام کا حکم دے اس کی خلاف ورزی یقیناً گناہ ہے لیکن اس کا قانون یہ ہے کہ وہ بندے کو اسی کام کا حکم دیتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو، دیکھیے قرآن کریم نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرۃ:286)

''یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت واختیار سے باہر اسے کوئی حکم نہیں دیتا۔''

ظاہر ہے کہ بھول کر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں، ایسی صورت میں ''وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ '' کی نہی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ تم بھول کر بھی اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اب اس بات کا فیصلہ کہ حضرت آدم علیہ السلام قصداً اس درخت کے قریب گئے یا بھول کر بلا قصد؟ خود قرآن مجید سے ہی سن لیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا٥ (طٰہٰ، آیت:115)

''اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے درخت کے قریب نہ جانے کا عہد لیا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی قصد نہ پایا۔''

ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے کسی قسم کا کوئی ظلم سرزد نہیں ہوا نہ انہوں نے کوئی شرک کیا، نہ ان سے کوئی حق تلفی ہوئی، نہ ان سے کسی معصیت اور گناہ کا صدور ہوا۔ جیسے روزے دار کا روزے کی حالت میں بھول کر کھانا پینا گناہ نہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کا اس درخت سے بھول کر کھالینا بھی گناہ نہیں۔ یقیناً وہ گناہوں سے پاک اور نبی ہونے کی وجہ سے معصوم ہیں۔ شیطان ان سے جس ظاہری لغزش کے صادر ہونے کا سبب بنا وہ حقیقتاً معصیت نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں متعلق ہیں، اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا .... الآیۃ............ کہنا بھی ان کے ظالم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے کمال عبدیت اور رب کریم عزوجل کی بارگاہ میں انتہائی تواضع اور انکساری پر مبنی ہے۔

(تبیان، ص:137)

شیطان کے پھسلانے کا کیا مطلب:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص (البقرۃ:36)

''تو شیطان نے انہیں اس درخت کے ذریعے پھسلایا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔''

آدم وحوا علیہما السلام کے لیے فرمان تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا، شیطان نے ان سے اس فرمان الٰہی کی نافرمانی کرانا چاہی، اس لیے وسوسے کی زبان میں دونوں سے کہا کہ میں تمہیں ایسا درخت نہ دکھاؤں جس کے کھانے سے تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسی بادشاہی نصیب ہو جائے جس میں کبھی کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہو۔ شیطان نے ان کے دلوں میں بار بار وسوسہ پیدا کیا اور وسوسہ کی زبان میں قسم کھا کر ان کو کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس درخت کے کھانے سے تمہارے رب عزوجل نے صرف اس لیے تمہیں روکا ہے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ تمہیں جنت میں رہنا نصیب نہ ہو جائے۔ بالآخر دھوکہ سے انہیں اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر لیا اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے درخت سے کھالیا اور کھاتے ہی ان کا جنتی لباس ان سے اتر گیا اور جنتی درختوں کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپا اور وہ جنت سے زمین کی طرف اتار دیئے گئے یہاں تک تو

شیطان کی خواہش پوری ہوگئی۔
لیکن اصل مقصد میں وہ کامیاب نہ ہوا اس کی اصل خواہش یہ تھی کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نہی کو یاد رکھتے ہوئے قصداً اس درخت سے کھائیں اور اس طرح عاصی اور نافرمان ہو کر جنت سے نکالے جائیں، اس لیے اس نے وسوسہ کی زبان میں "مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کی نہی بھی انہیں یاد دلا دی، لیکن عصمت الٰہیہ نے انہیں معصیت سے بچا لیا اور اس درخت کے کھانے سے پہلے نہی الٰہی کا انہیں نسیان ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ "آدم بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔"

اور آدم علیہ السلام قصداً فرمان الٰہی کی خلاف ورزی سے بچ گئے اور شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "ازل" کے بجائے "اضل" نہیں فرمایا۔ یعنی یہ فرمایا کہ شیطان نے ان کو پھسلا دیا یہ نہیں فرمایا کہ انہیں گمراہ کر دیا۔ (تبیان، ج1 ص:142)

شیطان نے وسوسہ کیوں ڈالا؟

آدم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے سجدہ کر لیا تو آپ کو اور آپ کی زوجہ کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا اور ارشاد ہوا کہ آپ یہاں جو چاہیں بافراغت کھائیں لیکن اس درخت کے قریب نہ جائیں تو اس منع کئے ہوئے درخت کی وجہ سے شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اور انہیں خوشحالی، بے فکری اور عیش وعشرت کے ماحول یعنی جنت سے دور کر دیا، وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے شیطان نے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (الحجر، آیت:34) "تو مردود ہے یہاں سے نکل جا۔"

تو شیطان کے دل میں بغض وحسد کی آگ بھڑکنے لگی اور کہنے لگا کہ جس طرح میں ذلیل وخوار کر کے نکالا گیا ہوں حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کو اسی طرح جنت سے نکالوں گا اور انہیں اسی طرح گمراہ کروں گا جس طرح مجھے گمراہ کیا گیا یعنی میں ان سے اپنا پورا بدلہ لوں گا۔

شیطان پھسلانے پر کیسے قادر ہوا؟

شیطان نے جب سجدہ سے انکار کیا اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا اسی وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت لے لی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ تیرا داؤ میرے مخلص بندوں پر نہیں چلے گا۔ اس لیے شیطان آپ سے قصداً گناہ نہ کرا سکا بلکہ صرف اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر آپ کو بھلا دیا۔

شیطان انسانوں کو کیسے وسوسے ڈالتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۝ (الاعراف:27)

"بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔"

یعنی شیطان اور اس کے زیر اثر دوسرے چھوٹے چھوٹے شیطان جہاں کہیں بھی ہوں انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور انہیں وسوسہ میں ڈال سکتے ہیں، حالانکہ انسان انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔

ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم ۝ (بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد)

"بے شک شیطان انسان کے اندر اپنے اثرات اس طرح جاری وساری کر سکتا ہے جیسے آدمی کو رگوں میں خون جاری ہوتا ہے۔"

(از تبیان، ص:141)

شیطان نے کہاں سے وسوسہ والی گفتگو کی؟

شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام سے جو گفتگو کی وہ قوی وسوسوں کے ذریعے کی۔

وقیل خاطبه من الارض ولم یصعد الی السماء بعد الطرد واللعن وکان خطابه وسوسةo (تفسیر بحر محیط، جلد ۱، ص:16)

اس نے زمین سے ہی وسوسے کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہتا تھا جب سے اسے جنت سے نکال دیا گیا یا پھر اسے آسمانوں پر چڑھنے کی نہ اجازت تھی اور نہ ہی وہ چڑھ سکا۔ قرآن مجید یا کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں ہوا کہ شیطان آدم وحوا علیہما السلام کے پاس جنت میں پہنچا ہو قرآن پاک میں تو صرف یہی الفاظ وارد ہیں:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ o ''ان دونوں کو شیطان نے وسوسے میں ڈال دیا۔''

اور سورہ طٰہٰ آیت 120 میں ہے: (فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ) شیطان نے ان (دونوں) کو وسوسے میں ڈال دیا، شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے لیے جسمانی طور پر کسی کے پاس جانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ وہ جسے وسوسے میں ڈالے وہ اسے دیکھے بھی۔ (از تبیان، ص:141)

تنبیہ:

جن اقوال میں شیطان کا سانپ کے ذریعے یا مور کے ذریعے جنت میں جانا ثابت ہے یا شیطان کا جنت کے دروازے پر بیٹھ کر وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے من گھڑت اقوال ہیں۔

ابن کثیر نے کہا:

قد ذکر المفسرون ههنا اخبارا اسرائیلیةo (ابن کثیر، جلد ۱، ص:80)

''یہاں مفسرین نے کئی اسرائیلی خبریں نقل کر دی ہیں'' اور امام رازی فرماتے ہیں:

''اعلم ان هذا وامثاله مما یجب ان لا یلتفت الیه'' (کبیر، جلد ۱ ص:466)

ضروری ہے کہ ایسی روایات کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے۔

فائدہ:

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے تصرفات کی طاقت دے دی کہ وہ کہیں بھی ہو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال لیتا ہے اور حضرت عزرائیل ملک الموت فرشتے کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ وہ ایک لمحے میں تمام روئے زمین کے کونے کونے میں روح قبض کر سکتا ہے، اور سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ تصرفات کی طاقت دی ہے تو اس میں دوسرے کسی کا کیا نقصان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتی کی حالت زار کو دیکھیں اس کی حاجت کو پورا کریں وہ کہیں بھی ہو؟ اس میں نہ تو کوئی شرک ہے اور نہ ہی عقلاً محال ہے۔

اعتراض:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى) یہاں پر کئی مترجمین نے عصٰی کا معنی ''حکم ٹالا، نافرمانی کی، آپ سے قصور ہوا'' کیا ہے اور غوٰی کا معنی ''راہ سے بہکا، گمراہ ہوئے، غلطی میں پڑ گئے، راہ راست سے بھٹک گیا'' کیا ہے۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے صرف بھول واقع ہوئی آپ نے کوئی جرم اور گناہ نہیں کیا؟

جواب:

عام مترجمین نے یہاں ترجمہ صحیح نہیں کیا دیکھئے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

''آدم علیہ السلام سے اپنے رب تعالیٰ کے حکم میں لغزش واقع ہوئی جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔''

اس ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ لغزش بھول کر تھی اس میں کوئی گناہ یا بھٹکنے والی بات نہیں تھی۔ اس مقام پر علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا:

ان ظاهر القران وان دل على ان آدم عصى وغوى لكن ليس لا حد ان يقول ان آدم كان عاصيا غاويا ہ

یعنی بے شک ظاہر قرآن پاک اگرچہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عصیان وغوایت واقع ہوئے لیکن کسی کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کہ وہ کہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم ٹالا وہ گمراہ ہوئے بھٹک گئے یعنی مقصد یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے، اس کو حق پہنچتا ہے وہ اپنے بندے کے حق میں جو الفاظ چاہے استعمال کرے لیکن وہی حقیقتاً ان کے معانی سے بھی آگاہ ہے۔

اس مقام پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

''وقد صرح القاضي ابوبكر بن العربي بعدم جواز نسبة العصيان للآباء الادنين الينا المماثلين لنا فكيف يجوز نسبة للانبياء الاقدام والنبي المقدم المكرم و وارتضى ذالك القرطبي''

قاضی ابوبکر بن عربی نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ عصیان یعنی نافرمانی بھٹک جانا بہک جانا، گمراہ ہو جانا، اس قسم کے الفاظ کی نسبت جب ہم اپنے والدین، آباء واجداد کی طرف نہیں کر سکتے جو انسانیت میں ہمارے مماثل ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام سے گھٹیا ہیں تو ایسے الفاظ کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیسے ہو سکتی ہے؟ جو برگزیدہ مکرم اور ہر طرح تعظیم وتکریم کے لحاظ سے مقدم ہیں۔

معالم التنزیل میں ہے:

''واعلم انه لا يجوز اطلاق العاصي وغيره على آدم علیہ السلام''

یہ یقینی بات ہے کہ آدم علیہ السلام پر عاصی وغیرہ (نافرمان ہوا، بہک گیا، گمراہ ہوا) کے الفاظ کا اطلاق جائز نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوں یہ ہو نہیں سکتا۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کئی دلیلیں قائم کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

(1) اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوں تو ان کا مرتبہ اپنی امتوں کے نافرمان، گناہگار لوگوں سے بھی کم ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مراتب بہت بلند ہوتے ہیں انہیں اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور شرافت حاصل ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں ان سے گناہ سرزد ہوں تو وہ بہت زیادہ برے سمجھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط) (الاحزاب)

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیبیو! جو تم میں صریح حیاء کے خلاف کوئی جرات کرے اس پر اوروں سے دو گنا عذاب ہوگا۔''

اس سے مراد شوہر کی اطاعت میں کوتاہی کرنا اور اس کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا ہے کیونکہ بدکاری سے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواجِ پاک رضوان اللہ اجمعین کو پاک رکھتا ہے۔ بہر حال جس شخص کی خصوصیت اور فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس سے اگر قصور واقع ہو تو وہ قصور بھی دوسروں کے قصور سے زیادہ سخت قرار دیا جاتا ہے۔ (خزائن العرفان)

اسی طرح محصن سے بدکاری سرزد ہونے میں رجم کیا جاتا ہے اور غیر محصن کو ایک سو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ کیونکہ محصن کی شان غیر محصن سے اس لیے زائد ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اس سے بدکاری سرزد ہونا عظیم جرم سمجھا جائے گا۔ جب اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام امت

کے کسی فرد سے بھی کم نہیں ہو سکتا تو گناہ گاروں سے کم درجہ کیسے ہو سکتا ہے۔

(2) گناہگار فاسق ہوتا ہے اور اگر نبی ﷺ سے گناہ سرزد ہوں تو وہ معاذ اللہ فاسق ہوں گے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا) (الحجرات:6) ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو۔''

اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ اپنی امت کے عادل لوگوں سے کم ہو جائے گا حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی شہادت دیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور خصوصاً ہمارے نبی کریم ﷺ قیامت کو شاہد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط) (البقرہ:143) ''اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ ہوں گے۔''

(3) انبیاء کرام علیہم السلام سے اگر گناہ کبیرہ سرزد ہونا جائز ہو سکے تو ان کو زجر کرنا اور سختی سے روکنا ضروری ہو جائے گا اس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام نہیں ہوگا، حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) (الاحزاب:57)

''بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ (عزوجل) اور اس کے رسول (ﷺ) کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔

(4) ہر نبی کی امت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کی تابعداری کریں جیسے ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

''فَاتَّبِعُوْنِيْ'' اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی زبان مبارک سے کہلایا ''میری تابعداری کرو'' اگر معاذ اللہ آپ سے گناہ سرزد ہونے جائز ہو سکیں تو آپ کی امت کو آپ کے گناہوں کی تابعداری کرنا واجب ہوگا اس طرح گناہ کرنے حرام بھی ہوں اور گناہوں میں نبی کی تابعداری واجب بھی ہو، ایک ہی وقت میں ایک کام حرام بھی ہو اور واجب بھی ہو، یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(5) ہماری عقل واضح طور پر یہ کام کرتی ہے کہ نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کی وحی کا امین ہوتا ہے اور نبی اللہ کے بندوں اور اس کی زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سنتے ہوئے کہ ''یہ کام نہ کرو'' پھر وہ اپنی لذات کو ترجیح دے کر وہ کام کرے؟ اللہ تعالیٰ کے روکنے اور اس کے عذاب کے خوف کے طرف توجہ نہ دے۔ یہ بہت برا اور ناممکن ہے۔

(6) جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا) (سورہ جن)

''اور جو اللہ (عزوجل) اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کریں تو بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی طرح گناہوں کے مرتکب لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ٥) (سورۂ ھود:18) ''خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''

اگر انبیاء کرام علیہم السلام گناہ کریں تو وہ گرفت کے مستحق ہوں گے حالانکہ اجماع امت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گرفت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

(7) انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اگر خود اس پر عمل نہ کریں تو ان پر صادق آئے گا۔

(اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥) (البقرہ:44)

''لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں؟''

جب ایک عام نصیحت کرنے والے کی اس سے مذمت کی جا سکتی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام جو عظیم مراتب کے مالک ہوتے ہیں ان سے یہ کیسے

ممکن ہے کہ وہ اور لوگوں کو نصیحت کریں اور خود عمل نہ کریں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا:

(وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ) (سورہ ھود:88)

''اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں، میں تو جہاں تک ہو سکے سنوارنا ہی چاہتا ہوں۔''

(8) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:

(اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ) (الانبیاء:90) ''بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔''

خیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھا کام کرنا اور ہر بُرے کام سے بچنا، اس سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کرتے ہی اچھے کام ہیں اور برے کاموں سے بچتے ہیں لہٰذا ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔

(9) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ذکر فرمایا:

(وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ؕ) (ص:47)

''بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔''

جب اس کو مطلق ذکر کیا ان کی کسی خصلت اور عدت کو علیحدہ نہیں کیا تو پتہ چلا کہ ان کے تمام کام ہی اچھے ہیں کوئی بُرا کام نہیں اگر کسی شخص میں کوئی بُرا کام پایا جائے تو اس طرح کہا جاتا ہے:

(فلان من المصطفين الاخيار الافی الفعلة الفلانية)

''فلاں شخص ہے تو برگزیدہ اور چنے ہوئے لوگوں میں سے لیکن البتہ سوائے فلاں کام کے کہ وہ اس کام میں اچھا نہیں۔''

جب انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق ایسا کوئی جملہ ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے سب کام اچھے ہی اچھے ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور بھی کئی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

(10) اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ؕ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ؕ) (سورہ ص: 82-83)

''تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں۔''

شیطان نے اپنی عاجزی کا ذکر کر دیا کہ اے اللہ تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اپنے مخلص بندے کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَی الدَّارِ ؕ) (ص:46)

''بے شک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا اس گھر کی یاد ہے یعنی ہم نے انہیں اپنا مخلص بنایا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

(اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ؕ)

''بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں۔''

جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا مخلص ہونا واضح ہو گیا اور شیطان کے اپنے قول کے مطابق وہ مخلص بندوں کو گمراہ کرنے سے عاجز ہے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام معاذ اللہ گناہگار ہیں اور بعض نہیں۔

(11) (وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ0)(پ22،ع8)

''اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہوئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا۔''

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ایمان والے لوگوں کے ایک گروہ نے شیطان کی تابعداری نہیں کی جنہوں نے شیطان کی تابعداری نہیں کی وہ گناہگار بھی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے یا دوسرے لوگ ہیں؟ اگر انبیاء کرام علیہم السلام ہیں تو یقیناً تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا حکم ایک ہی ہے اور اگر یہ لوگ انبیاء نہیں تو پھر بھی واضح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہگار نہیں ہو سکتے! کیونکہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام گناہگار ہوں اور دوسرے لوگ گناہگار نہ ہوں تو جو نبی نہیں وہ نبی سے شان کے لحاظ سے بڑھ جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ نبی کے درجے کو کوئی دوسرا نہیں پا سکتا۔

(12) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک کے متعلق فرمایا:

(اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ0) (سورۃ مجادلہ)

''وہ شیطان کے گروہ ہیں خبر دار بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارے میں ہے۔''

دوسری قسم کے متعلق فرمایا:

(اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ0) (سورۃ مجادلہ)

''وہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے خبر دار بے شک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔''

اس میں تو کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ شیطانی گروہ تو وہی ہوگا جو ایسے عمل کرے گا جن کو شیطان پسند کرتا ہوگا، اور شیطان کے پسندیدہ عمل ''گناہ'' ہیں ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا، گناہگار ہوگا وہی شیطان گروہ میں ہوگا۔ اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی گناہ سرزد ہوں تو وہ شیطانی گروہ میں داخل ہوں گے اور خسارے میں ہوں گے۔

کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ امت کے نیک و پرہیزگار لوگ تو اللہ تعالیٰ کا گروہ ہوں اور کامیاب ہونے والے ہوں اور انبیاء کرام علیہم السلام شیطانی گروہ میں داخل ہو کر خسارے میں ہوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کسی مسلمان کا ایسا سوچنا بھی اپنے دنیا اور دین کو برباد کرنا ہے۔

(13) انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو سکے کیونکہ فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ) ''بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔''

اسی طرح فرشتوں کے متعلق اور یہ فرمایا:

(لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) ''اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔''

جب فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو ان سے افضل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل نہ کریں؟ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کریں؟ گناہگار تو نیکوں کے برابر بھی نہیں ہو سکتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ0)

''کیا ہم انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان جیسا کر دیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو شریر بے حکموں کے برابر ٹھہرا دیں۔''

15۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے اونٹنی خریدی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قیمت ادا کر دی۔ اس نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیمت کا مطالبہ کیا

آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیمت تو میں نے ادا کردی اس نے آپ ﷺ سے گواہ طلب کیا آپ نے خیال کیا میری گواہی کون دے گا اس وقت تو کوئی موجود ہی نہیں تھا۔ حضرت خزیمہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے اعرابی کو اونٹنی کی قیمت ادا کردی ہے۔ آپ ﷺ نے جب ان سے پوچھا تم نے کیسے گواہی دے دی تھی حالانکہ تم تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ہمیں آسمانوں کی خبریں بتاتے ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں، تو کیا اس اونٹنی کی قیمت ادا کرنے پر آپ ﷺ کی تصدیق نہ کریں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آئندہ خزیمہ جہاں اکیلے ہی گواہی دیں گے ان کی گواہی دو شخصوں کے برابر سمجھی جائے گی۔ (نورالانوار، ص:229)

اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ ہونے ممکن ہوتے تو حضرت خزیمہ کبھی گواہی نہ دیتے بلکہ یہ خیال کرتے کہ نبی کریم ﷺ بھی (معاذ اللہ) ہماری طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ (خیال رہے کہ بعض روایات میں گھوڑا خریدنے کا ذکر ہے۔)

16- (اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا)

''بے شک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔''

یہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا، امام وہ ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور تابعداری کریں اگر نبی سے گناہ واقع ہوں تو ان گناہوں کی اقتداء اور تابعداری بھی لازم ہوگی یہ ممکن نہیں کہ نبی گناہوں سے منع بھی کریں اور گناہ کر کے لوگوں کو اپنے گناہوں کی اقتداء کا بھی حکم دیں۔

(17) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ)

''وہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔''

یعنی نبوت اور امامت کا وعدہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے مستحق لوگوں کے لیے ہے۔ ظالموں کے لیے نہیں گناہگار کبھی نبی نہیں بن سکیں گے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ نہیں کرتے کیونکہ گناہ گاروں کو منصب نبوت ملتا ہی نہیں۔ (کبیر، ج3، ص:8 تا 11)

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا زمین پر تشریف لانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیۡهِ ص) (البقرۃ:36) ''اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔''

یعنی جنت میں حضرت آدم وحوا دونوں کو رہنے کی اجازت دی گئی اور ہر قسم کے جنت کے پھل اور نعمتیں کھانے کی اجازت دی گئی البتہ ایک درخت سے منع کیا گیا جب شیطان خیرخواہ بن کر قسمیں اٹھا کر نصیحت دینے والے کی شکل میں آپ کو وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تو آپ کو جنت اور جنت کی نعمتوں سے الگ ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا:

(وَقُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ج) (البقرۃ:36) ''اور ہم نے کہا تم تمام اتر جاؤ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں''

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

(وَقَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِیۡعًا) (طٰہٰ:123) ''اور رب نے فرمایا: تم دونوں مل کر جنت سے اترو۔''

دونوں آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم وحوا کو مع ان کی اولاد کے جو تا قیامت معرض وجود میں آئی تھی زمین پر اترنے کا حکم دیا اور فرمایا تمہاری اولاد بعض دوسرے بعض کی دشمن ہوگی۔

خیال رہے کہ شیطان کو ان دونوں کے اتارنے سے پہلے ہی مردود کر کے روئے زمین پر بھیج دیا گیا تھا یہاں اس کے اترنے کا ذکر نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ''سراندیپ'' میں اتارے گئے اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو ''جدہ'' میں اور شیطان کو پہلے ہی ''ایلہ'' میں اتار دیا گیا تھا۔ (روح المعانی، جلد1، ص:236)

حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کا جنتی لباس اتار لیا گیا تھا اور جنت کے درختوں کے پتے لپیٹے جسم پر ڈھانپ کر تشریف لائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین اس لیے عمدہ اور ہری بھری ہے اور عود قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لیے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب اس زمین پر آئے تو ان کے جسم پر جنتی درخت کے پتے تھے وہ پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لیے خوشبودار ہو گیا۔ (نعیمی، جلد 1، ص:284)

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیا لائے:

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود (سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ شریف میں لگا ہوا ہے) اور وہ عصا جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی۔ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ سونا، چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔

حضرت آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان تخموں سے بے خبر ہو گئے۔ شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس تخم پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا۔

سیّدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔ ایک وہ جو پورے کھا لیے جاتے ہیں، دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھا لیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے کھجور، آم وغیرہ، تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھا لیا جاتا ہے۔

صحیح روایت ہے کہ ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے ایک ''سنڈاسی'' جس سے لوہا پکڑتے، دوسرا ہتھوڑا۔ تیسرا ''اہرن'' نیز حجر اسود۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اسی حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔

یہ تمام واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ جن کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر جمع فرمایا ہے۔ (نعیمی، جلد 1، ص:284)

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش:

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ سب سے اوّل کپڑا بننے کا کام آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں آپ کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔ نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا کام تھا، ادریس علیہ السلام درزی گری، حضرت ہود اور صالح علیہما السلام تجارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں، حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر بھی درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا دیا ہے وہ شام کا کھانا بھی دے گا۔

فائدہ:

تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر ہے: حضرت آدم علیہ السلام نے کنوئیں کا پانی کبھی نہیں پیا بلکہ آپ ہمیشہ بارش کا پانی پیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے چاندی سے روپے اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ:

(فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ٥)(البقرة: 37)

''پھر سیکھ لیے آدم علیہ السلام نے اپنے ربّ سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر رجوع برحمت ہوا بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔''

''تلقی'' کا معنی ہے آگے بڑھ کر ملاقات کرنا یعنی استقبال کرنا اب معنی یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام نے آنے والے باوقار مہمانوں اور معظم احباب کی طرح محبت واکرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات کا استقبال کیا۔ وہ کلمات کیا تھے علامہ ابوحیان نے فرمایا:

(ولم یخبرنا اللہ بھا اللہ مبھمة)

یعنی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر وہ کلمات نہیں بتائے بلکہ فتلقی آدم من ربه کلمات فرما کر ہمیں صرف کلمات مبہمہ کی خبر دی۔ اس لیے ان کی تعیین میں اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں:

(1) ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر علماء نے کہا کہ وہ کلمات یہ ہیں:

(رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ٥)

(2) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں:

(سبحانك اللھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰی جدك ولا الٰہ غیرك)

(3) وہب اور محمد بن کعب سے منقول ہے وہ یہ کلمات ہیں:

(سبحانك اللھم وبحمدك عملت سوء وظلمت نفسی فاغفرلی انك خیر الغافرین)

یہ قول عبداللہ بن عباس کی طرف بھی منسوب ہے۔

(4) ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسی اسم مبارک کو اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا۔ یہ آخری قول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت طبرانی، بیہقی، حاکم، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تفسیر عزیزی میں نقل کیا۔

یہاں تفسیر عزیزی میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

(اسئلك بحق محمد ﷺ)

''اے اللہ میں تجھے حضرت محمد (ﷺ) کا واسطہ دے کر معافی چاہتا ہوں۔''

اسی تفسیر عزیزی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی بروایت ابن المنذر منقول ہے:

''اللھم اسئلك بجاہ محمد عبدك و کرامته علیك ان تغفرلی خطیئتی''

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی بغدادی نے فرمایا:

''وقیل رأی مکتوبا علی ساق العرش (محمد رسول اللہ) فتشفع به و اذا اطلقت الکلمة علی عیسی علیہ السلام فلتطلق الکلمات علی الروح الاعظم والحبیب الاکرم ﷺ فما عیسٰی بل وما موسٰی بل وما من شیء الابعض مِن ظھور انوارہ و زھرة من ریاض انوارہ ﷺ''

یعنی ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا دیکھا تو حضور کو انہوں نے اپنی شفاعت کا ذریعہ بنایا یعنی وہ کلمات ''محمد رسول اللہ'' ہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے جب قرآن مجید میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو روحِ اعظم حبیبِ اکرم ﷺ پر ''کلمات

اللہ'' کا بولا جانا تو ضروری ثابت ہو جائے گا، نہ عیسیٰ ہیں نہ موسیٰ، بلکہ عالم امکان میں کوئی نہیں اور واقعی کوئی نہیں لیکن سب حضور ﷺ کے ظہور انوار کے جلوے اور آپ ﷺ ہی کے گلزار حسن کے مہکتے ہوئے پھول ہیں:

اگر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر حضرت آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی کو بطور وسیلہ نہ پیش کرتے اور اسی طرح نوح علیہ السلام آپ کے اسم گرامی کا وسیلہ نہ لیتے تو نہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کب قبول ہوئی:

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کلمات کے ذریعے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کی طرف رحمت کی توجہ کرتے ہوئے توبہ کو قبول فرمالیا۔

بعض علماء کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلمات لینا اور ان کے ذریعے توبہ کرنا اور ان کا قبول ہونا جنت سے اترنے کے بعد ہوا اور توبہ بھی کئی سو سال بعد قبول ہوئی۔ دو سو بلکہ تین سو سال آہ و بکا گریہ زاری اور ندامت کے حال میں ان پر گزرے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی، جلد 1، ص: 184 میں یہی فرمایا ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ جنت سے باہر آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات عطا فرما دیئے تھے اور اسی وقت انہوں نے توبہ کی جو قبول ہوگئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کی خطا معاف فرما دی البتہ یہ ممکن ہے کہ معافی کے باوجود آدم علیہ السلام اپنی لغزش کو یاد کر کے ندامت کے طور پر سالہا سال تک گریہ وزاری میں مشغول رہے ہوں جو خوف و خشیت الٰہیہ کا تقاضا اور کمال عبدیت کی دلیل ہے۔ (از تبیان، جلد 1، ص: 147 تا 149)

فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے فَتَابَ عَلَيْهِمَا نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ کو قبول کر لیا اس لیے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ مرد کے ذکر سے عورت کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی، جلد 1، ص: 239)

تنبیہ:

علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے روح البیان کے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں زمین پر آنے سے پہلے آپ کی توبہ قبول ہو چکی تھی۔ زمین پر رونا عاجزی کے لیے تھا تاہم مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر نعیمی، ص: 289 پر بیان کیا'' یہ قول ضعیف ہے جب توبہ قبول ہو چکنے کے بعد زمین پر تشریف لائے تو پھر بیوی سے علیحدگی کیسی؟ اور پریشانیاں کہاں؟ یعنی رب تعالیٰ کسی کو معافی دے کر بلا وجہ پریشانی میں نہیں ڈالتا۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کس دن قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کو قبول ہوئی۔ آپ کی پیدائش اور جنت سے باہر تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہی تھا اور وہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

خیال رہے کہ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ، نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، ایوب علیہ السلام کی شفاء، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا، یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے ملنا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں شہید ہونا، سب دسویں محرم کو واقع ہوئے۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری۔

اہل سنت گیارہویں رات کو حضرت غوث پاک کے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں وہ درحقیقت ان تمام بزرگوں کو حاصل ہونے والے انعامات پر اظہار خوشی بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر نعیمی، جلد 1، ص: 290)

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی ملاقات:

جب زمین پر تشریف لائے تو حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان کے علاقہ سراندیپ کے پہاڑ پر اترے اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا جدہ میں توبہ قبول ہونے کے بعد دونوں کی ملاقات عرفات کے مقام پر ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اسی لیے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں یعنی پہچاننے کی جگہ۔

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی لے لی گئی تھی یعنی بھلا دی گئی تھی۔ اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانورو حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو دریائی جانوروں نے سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جس پر اُن کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی بن گئے جیسے گھوڑا، اونٹ، بکری، کتا، بلی وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا جیسے ہرن وغیرہ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی حق میں دعا:

اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا مولا عزوجل میری اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت اگر تو ان کی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیسے بچ سکیں گے حکم الٰہی عزوجل ہوا: اے آدم! تمہارے اور احکام تھے آپ کی اولاد کے لیے اور احکام ہوں گے ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔ (از عزیزی نعیمی، جلد ۱، ص: 291)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد:

حضرت حوا رضی اللہ عنہا بیس یا چالیس مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ہر حمل میں دو دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک مذکر اور ایک مؤنث ایک حمل کے بچوں کا دوسرے حمل کے بچوں کا ایسا حکم تھا جیسا کہ مختلف ماں باپ کے بچوں کا ہوتا ہے یعنی پہلے حمل کے بچے کا دوسرے حمل کی بچی سے نکاح ہوتا اسی طرح دوسرے حمل کے لڑکے کا پہلے حمل کی لڑکی سے نکاح ہوتا۔ (صاوی زیر آیت وبث منھما رجالا کثیرا ونساء، پ4، ع12)

تنبیہ:

حضرت آدم علیہ السلام کے دو دو بچے ہر حمل سے ہوئے سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے

"وضعت شیثا وحدہ کرامۃ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فان نورہ انتقل من آدم الی شیث علیہ السلام" (مواہب اللدنیہ، انوار محمدیہ، ص: 15)

"حضرت حوا رضی اللہ عنہا نے حضرت شیث علیہ السلام کو صرف اکیلا ہی جنا ہے ان کے ساتھ جڑواں کوئی بچی نہیں تھی یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم کے لیے مالک الملک نے ایک بچے سے ہی حاملہ کیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر حضرت شیث علیہ السلام کے پاس آ گیا۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں وصیت کی کہ یہ نور مبارک، پاک عورت کی طرف منتقل کرنا ہے۔ پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی وصیت کی یہ سلسلہ حضرت عبد المطلب تک چلتا رہا کہ ہر شخص نے اپنے بیٹے کو اس نور کے پاک بطن کی طرف منتقل کرنے کی وصیت کی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ چالیس ہزار سے زائد ہو گئی تھی۔ تفسیر صاوی اور جمل وغیرہ میں ایک لاکھ تک پہنچ جانے کا ذکر ملتا ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا جھگڑا:

حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد سے قابیل اور ہابیل تھے۔ قابیل بڑا تھا، ہابیل چھوٹا تھا۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل بکریاں چراتا تھا۔ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نام "اقلیما" تھا جو بہت زیادہ حسین و جمیل تھی اور ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی "لیوذا" خوبصورتی میں کچھ کم تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے قانون کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے اور ہابیل کے ساتھ پیدا

ہونے والی لڑکی کا نکاح قابیل سے ہونا تھا، لیکن قابیل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہی میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو نیاز کا مشورہ:

جب قابیل نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کر دی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی نہ کوئی چیز پیش کرو، جو سچا ہوگا اس کی نیاز وصدقہ قبول ہو جائے گا اور جو جھوٹا ہوگا اس کی طرف سے پیش کیا گیا صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ اس وقت قبولیت کی یہ علامت تھی کہ جس کا صدقہ قبول ہو جاتا اسے قدرتی طور پر آنے والی آگ کھا جاتی اور جو قبول نہیں ہوتا تھا اسے آگ نہیں کھاتی تھی۔

قابیل نے ایک انبار گندم اور ہابیل نے ایک بکری یا ایک دنبہ رب تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا دونوں نے یہ کہہ کر نیاز پیش کی کہ

''اے اللہ تعالیٰ جو اقلیما کا زیادہ حق دار ہے اس کی قربانی قبول فرما۔''

آسمانی آگ نے ہابیل کے صدقہ کو کھا کر قبولیت بخش دی اور قابیل کے صدقہ کو آگ نے نہ کھا کر رد کر دیا۔ قابیل کے دل میں حسد بغض و عناد بھڑک اٹھا اس نے ہابیل کو قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر فرمایا:

(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○)

''اور انہیں پڑھ کر سناؤ! آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی، بولا قسم ہے، میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے کہا: اللہ تعالیٰ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں، میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سارے جہان کا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑیں تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کا یہ مطلب تھا کہ حسد کی برائی معلوم ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنے والوں کو سبق حاصل ہو اور قیامت تک لوگ حسد کو برا سمجھیں۔

ہابیل حق پر تھے ان کے تقویٰ کے پیش نظر ان کا صدقہ قبول ہو گیا۔ انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں میرا اور تمہارا گناہ تمہارے ہی پلہ پڑے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نے اپنے باپ کی نافرمانی کی وہ گناہ بھی تمہارے ذمہ ہے اور اگر مجھے قتل کرنا چاہو تو کر لو، میرے قتل کا گناہ بھی تمہارے ذمہ ہی ہوگا۔ (روح المعانی وخزائن العرفان)

آخر کار قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا:

(فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○) (المائدۃ:30)

''تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔''

حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے اس نے ان کے پیچھے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا۔ اس لیے قابیل جانتا نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو کیسے قتل کرے تو شیطان لعین نے اس کے سامنے ایک پرندے کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے پھوڑ دیا۔ قابیل کو پتہ چل گیا کہ اس طرح قتل کرنا ہے۔ ہابیل چونکہ بکریاں چراتے تھے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ان کے سر پر پتھر مار کر انہیں قتل کر دیا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔ (روح المعانی، جلد 4، ص:114)

قتل کے بعد قابیل کی دنیا میں ذلت:

عبدالرحمٰن بن فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی عقل زائل ہوگئی۔ دل میں سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی۔ اسی طرح پاگل ہی رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ قتل کرنے سے پہلے رنگ اس کا سفید تھا اور قتل کے بعد اس کا تمام جسم کالا ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کی سرزمین سے واپس ہونے پر قابیل سے پوچھا تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا میں کوئی اُس کا ذمہ دار تو نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: تو نے اسے قتل کر دیا ہے اسی لیے تیرا جسم سیاہ ہو چکا ہے۔

قابیل کا اخروی عذاب:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا اس کے قتل کا عذاب حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے ''قاتل بیٹے'' پر بھی ہوگا کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل کی ابتداء کی۔ یعنی جس طرح قتل کرنے والے کو قتل کا عذاب ہوگا اسی طرح قتل کی ابتداء کرنے والے کو بھی عذاب ہوتا رہے گا۔ (روح المعانی، جلد 4، ص:115، کبیر، جلد 11، ص:208)

بیٹے کے قتل پر حضرت حضرت آدم علیہ السلام کا غم:

حضرت آدم علیہ السلام بیٹے کے قتل پر اتنے زیادہ غمزدہ ہوئے کہ ایک سو سال تک آپ مسکرائے نہیں ایک سو سال کے بعد آپ کو ایک اور بیٹے کی بشارت دی گئی یعنی آپ کو کہا گیا:

''اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک اور بیٹا عطا فرمانے والا ہے تو آپ مسکرائے۔''

البتہ حضرت علامہ محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہابیل کے قتل ہونے کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام عطا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے ولی عہد بنے۔

خیال رہے تفسیر کشاف میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے قتل ہونے کے بعد بطور مرثیہ اشعار کہے لیکن تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا کہ یہ غلط اور جھوٹ ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اشعار نہیں کہے۔

(روح المعانی، جلد 4، ص:115، کبیر جلد 11، ص:208)

قتل کے بعد قابیل کی پریشانی:

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کر دیا تو اب یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی طرح چھوڑ دینے پر اسے یہ خطرہ تھا کہ درندے کھا جائیں گے تو وہ اپنے بھائی کی لاش کو بوری میں ڈال کر پھرتا رہا یہاں تک کہ لاش بدبودار ہوگئی۔ اسے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ بہت ہی پریشان تھا۔ خیال رہے قرآن پاک میں اس مقام پر لاش کے لیے لفظ ''سوأۃ'' استعمال ہوا جس کا اصلی معنیٰ تنکیر ہے یعنی جسم کا وہ حصہ جو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ وہ بھی قتل کے بعد لاش چھپائے پھرتا تھا اس لیے اسے ''سوأۃ'' کہا گیا ہے۔

لاش چھپانے میں کوے کی معاونت:

ارشاد خداوندی ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ۝ (المائدہ:31)

''تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدنے لگا کہ اسے دکھائے کیونکر اپنے بھائی کی لاش چھپائے بولا: ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا، تو پچھتاتا رہ گیا۔''

سبحان اللہ !اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ قابیل مجرم ہونے کے باوجود جب اس پریشانی میں پھنسا ہوا تھا کہ اپنے بھائی کی لاش سے کیا کرے؟ دنیا میں پہلی موت تھی،قبر کھودنے دفن کرنے سے وہ بے خبر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل حل کرنے کے لیے اس کا معاون کوے کو بنا کر بھیجا۔

کوے نے کیسے معاونت کی:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین وجہ بیان کی ہیں اگر چہ مشہور پہلی بات ہی ہے۔

(1) اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے وہ دونوں لڑے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کریدا اور مردہ کوے کی لاش کو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دی۔اس سے قابیل کو بھی پتہ چل گیا کہ میں نے بھی ایسا ہی کرنا ہے اور بہت پشیمان ہوا کہ میں اس کوے سے بھی زیادہ عاجز ہو گیا اتنا کام بھی نہ کر سکا۔

(2) قابیل نے تنگ آ کر ہابیل کی لاش کو اسی طرح پھینک دیا۔اللہ تعالیٰ نے کوے بھیجے جنہوں نے مٹی کھود کھود کر اس لاش پر ڈالی اور اسے چھپا دیا یہ دیکھ کر قابیل کو بہت افسوس ہوا کہ ہابیل کو اللہ تعالیٰ نے کتنی عزت بخشی ہے اور میں کتنا ذلیل ہو گیا۔

(3) کوے کی عام عادت یہ ہے کہ کوئی کھانے کی چیز اس کے پاس ہو تو وہ اسے دوسرے وقت کے لیے زمین میں دبا دیتا ہے۔اس نے جب کسی چیز کو زمین میں چھپایا تو قابیل کو پتہ چل گیا کہ میں نے اپنے بھائی کی لاش کو ایسے چھپانا ہے اور ساتھ ساتھ کوے سے کم علم رکھنے کی وجہ سے بہت پشیمان بھی ہوا کہ مجھ سے تو کوا ہی اچھا ہے جسے چیزوں کو چھپانا آتا ہے۔

تنبیہ:

قابیل کو ندامت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی اور نہ ہی وہ تائب ہو رہا تھا بلکہ اسے ندامت اس پر ہوئی کہ وہ بھائی کی لاش کو اٹھائے پھرتا رہا اور کوے سے بھی کم عقل رہا کہ اسے دفن نہ کر سکا اور اس وجہ سے نادم ہو رہا تھا کہ وہ بھائی کو قتل کرنے کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ اس سے ماں باپ،بہن بھائی سب ناراض ہو گئے تھے۔

اور وجہ یہ بھی تھی کہ جب اس نے دیکھا کہ ایک کوے نے بڑی مہربانی سے دوسرے کی لاش کو دفن کیا تو یہ اس پر نادم ہوا تھا کہ مجھے تو اپنے بھائی پر اتنا رحم بھی نہیں آ سکا جتنا کوے کو ہے۔واضح ہوا کہ اس نے کوئی توبہ نہیں کی اور ندامت اسے صرف اپنی حماقت پر تھی۔

(از کبیر،جلد 11،ص:209-210)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات:

جب حضرت آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی۔اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند یہ حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے ملے جن سے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ذکر کیا،فرشتوں نے کہا ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔

چنانچہ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے،حضرت حوا رضی اللہ عنہا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔انہوں نے فرمایا کہ حوا اب تم مجھ سے الگ رہو۔میرے اور رب عزوجل کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ ہو،اس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین فرشتوں نے کی:

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جس طرح ہم تمہارے باپ کا کفن و دفن کریں گے اسی طرح تم فوت ہونے والے لوگوں کا کفن و دفن کرنا۔

جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی جوڑے کا کفن اور جنتی بیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا جسم مبارک کعبہ شریف میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی، اس نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں۔ پھر مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی۔ وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھود کر ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کے کوہان کی ڈھلوان بنایا۔

حضرت حوا سلام اللہ علیہا کی قبر ''جدہ'' میں ہے، بعض روایات کے مطابق دونوں کی قبریں حرم شریف میں طواف کی جگہ میں ہیں۔ (از تفسیر عزیزی، تفسیر نعیمی، جلد اوّل) (کتاب تذکرۃ الانبیاء کا بیان ختم ہوا)

(وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں سکونت

(مندرجہ ذیل بیان کتاب ''الانسان فی القرآن'' کے صفحہ نمبر ۹۳ تا ۱۰۹ سے نقل کیا گیا)

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ ۔ (پارہ ۱، رکوع4)

اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری زوجہ دونوں جنت میں رہو اور اس میں سے بافراغت جہاں سے چاہو کھاؤ۔ لیکن اس درخت کے نزدیک مت جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان کو اس سے پھسلا دیا اور جس مقام میں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔ ہم نے کہا اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ہر ایک نے اپنی معلومات اور استعداد کے مطابق ارشادات فرمائے ہیں جو تحقیق کے میدان میں کسی حد تک صحیح ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ جنت اپنے اصلی مقام یعنی ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا داخل کئے گئے اور ابلیس لعین کے دھوکا دینے اور شجر ممنوعہ سے کھا لینے کی وجہ سے جنت سے اتارے گئے اور سراندیپ وغیرہ میں آ گئے اور نادم ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے گروہ کے نزدیک یہ عقل کے برعکس اور قرآن شریف کے خلاف ہے اور وہ اس دلیل پر ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے ارشاد باری تعالیٰ بالکل عیاں ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی میں ''زمین'' میں اپنا ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔ جس کا ظہور اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (میں ''مٹی'' سے ایک ڈھانچہ بنانے والا ہوں) کے موافق میدان دنیا ہی میں ثابت ہو رہا ہے۔ رہا جنت، سو وہ ایک خوشگوار مقام (عدن) میں ایک باغ ہے اور ''جنت'' عربی زبان میں باغ کو کہا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں وارد ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ۔ (پ15، رکوع:17)

اور بیان کر ان کے لیے مثال دو مردوں کی کہ کئے ہم نے واسطے ایک کے ان میں سے دو باغ۔

اور اھبطوا سے مراد ''باغ سے نکال دینا ہے''۔ نہ یہ کہ جنت آسمانوں پر تھا، اور نہ ہی قبل از موت حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کرنے کے لیے آسمانوں پر اٹھا لے گئے۔

یہ سب کم فہمیدگی کی وجہ سے تاویلات ہیں جو قرین قیاس نہیں ہیں۔ کیونکہ جنت اور اس میں داخلہ آسمانوں پر مان لیا جائے تو اس میں کئی اشکال پیدا ہوتے ہیں جن کا حل ناممکن ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا فائدہ نہیں رہتا۔

کہا جا سکتا ہے کہ ''یہ مشیت اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام عزوجل کے اسرار میں سے ہے، جو عام فہم نہیں ہے۔ جنت میں داخل کرنے اور بوجہ لغزش زمین پر اتار دینے میں حکمت کاملہ ہے۔'' اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی دعائے مغفرت (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (الآیۃ)) لایعنی ثابت ہوتی ہے اور سراسر الزام باری تعالیٰ پر عائد ہوتا ہے، جو قطعاً حرام ہے اور اس کا امکان محال۔ اس لیے ماننا ہی پڑے گا کہ یہ جنت نہایت آرام کی جگہ اور تمام نعمتوں کا سرمایہ دنیا میں کا ایک باغ تھا جس میں بلا طلب و محنت داخل کئے گئے اور لغزش کی وجہ سے نکال دیئے گئے۔

اصول کے رو سے مفسرین میں اس قدر ہی اختلاف ہے۔ فروعی صورت میں کئی ایک وجوہات پر جو اختلافات ہیں ان کا یہاں درج کرنا

لاحاصل ہے۔ اب ماتوفیقی الا باللہ۔ صحت حال کی رو سے حسب استعداد کچھ تحریر کیا جاتا ہے جو ماشاءاللہ تحقیق کے میدان میں غور وفکر کے اوزان سے موازنہ کرنے سے بعید از تصدیق نہ ہوگا پہلے گروہ کی تحقیق معانی کی بساط پر کسی حد تک بجا و درست ہے اور سراسر حقیقت کے میدان کا شجر کہا جاسکتا ہے مگر عام فہم نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ لقمہ عوام کے معدہ کے لائق نہیں ہے۔ ہر چند عالم موجودات میں یہ مشکل واقع ہوتی ہے۔ لیکن اس سے گزر کر عالم محسوسات، معلومات اور معروفات میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ دوسرا گروہ جو سراسر خطا پر ہے اس کی غلطی کا سبب بھی یہی ہے۔ عالم شہود یعنی موجودات ہی کے بساط پر رہ جانے کی وجہ سے ایسا تحریر کیا ہے، جو اصل معانی کے خلاف واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اگر جنت کو ایک باغ دنیا ہی تصور کیا جائے تو پھر مطابق ارشاد مولیٰ کریم عزوجل:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ (پ8، رکوع:9)

پھر جب ان دونوں نے اس درخت سے چکھ لیا تو اس کے بعد ستر اُن پر ظاہر ہو گئے اور دونوں نے جنت کے پتوں سے ان کا ڈھانکنا شروع کر دیا۔

کپڑوں کا اترنا اور بہشت کے پتوں سے ستر کا ڈھانکنا کس وجہ پر درست ہوسکتا ہے؟ اور معاً یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ اگر جنت دنیا ہی کا باغ تھا، تو آج کافروں اور مشرکوں، دہریوں اور نافرمانوں کے نہایت عمدہ اور خوشگوار باغات موجود ہیں، تو پھر نعمت عظمٰی اور باغ دنیا میں فرق ہی کیا رہ جائے گا؟ تو کہنا ہی پڑے گا کہ یہ سراسر نادانی اور ایسی تاویل ہے جس کے سوا کچھ چارہ نہ ہوسکا۔ ورنہ اس تفسیر کی معنوی بساط پر کچھ وقعت نہی ہے۔

عزیز! جان کہ یہ برزخ انسانیہ ہے، جس کے بغیر کوئی حقیقت وانکشاف درست نہیں ہوسکتا، اور اس کی حد وحصر کا اندازہ بے انتہا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ ایک دفعہ اپنے لخت جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں لیے بہت پیار کر رہے تھے اور جذبات پدری از حد موجزن تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابا جان! آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے''؟ فرمایا: ''ہاں''۔ فرمایا: ''تو بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے''؟ ارشاد ہوا ''ان سے بھی''۔ فرمایا: ''اور تو میری والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا سے''؟ ارشاد ہوا: ''ان سے بھی''۔ پھر فرمایا کہ ''ابا جان سے''؟ فرمایا: ''ان سے بھی''۔ پھر سوال کیا: ''ابا جان! اللہ تعالیٰ سے''؟ ارشاد ہوا: ''سب سے بڑھ کر''۔ بولے کہ ''ابا جان! آپ کا دل ہے یا سرائے''؟ سبحانَ اللہ! بچپن میں یہ سمجھ۔ قصہ مختصر حضرت علی المرتضٰی شاہ ولایت رضی اللہ عنہ کو جوش محبت الٰہی اس قدر غالب ہوا کہ فرزندار جمند کو صدر مبارک سے لگا لیا اور نسبت حق سے برزخ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو سیراب کر دیا۔ اور فرمایا:

یا ولدی فکرک فیك یکفیك داء ك و دواء ك فیك لیس شئی خارجا منك انت ام الکتب یا ولدی انت جسم صغیر و فیك عالم کبیر۔

اے میرے بیٹے! اپنی جان میں تیرا غور وفکر تجھے کفایت کرے گا۔ تیری بیماری اور تیری دوا تیرے اپنے ہی وجود میں ہے، تجھ سے باہر نہیں ہے، تو اصل کتاب ہے۔ اے میرے بیٹے! تو ایک چھوٹا سا جسم ہے مگر تیرے اندر بہت بڑا جہان ہے۔

تو اپنے جسم کو چھوٹا سا خیال نہ کر۔ دونوں جہان تیرے ضمیر کی وسعت میں ایسے ہیں جیسے طشت میں دانہ۔

یہ ہے حقیقت انسان جس کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہوا۔ لیکن عوام کے معدے اس لقمے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کے سمجھانے کے لیے، اس مشکل کو حل کرنے اور اس حقیقت کے انکشاف کے لیے اس علیم وحکیم نے انسان کے برزخ کی روایت کا انحصار خواب پر رکھا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (پ24، رکوع:2)

اللہ تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کو نیند میں۔ پھر جن کی موت مقرر ہو چکی ہے ان کو روک لیتا ہے اور اوروں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اس میں تفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

معلوم کیا چاہئے کہ برزخ دو وجہ پر ہے۔ ایک قبل از پیدائش اور دوسرا بعد از انتقال اور یہ سب کے لیے یکساں ہے خواہ انسان کس درجہ میں ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ عوام الناس کو اس کا علم سوائے خبر کے نہیں۔ لیکن انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لیے یہ برزخ ہماری مانند نہیں ہے۔ یا دوسرے معنوں میں ان کے لیے ہر دو برزخ ہوتے ہی نہیں۔ بمصداق فرمان محققین کہ ''عام مومن جو کچھ دیکھتا ہے خواب میں دیکھتا ہے، اور ولی نوم یعنی اونگھ میں دیکھتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے اولیاء اللہ بالکل خفیف نوم میں جو قریب بہ بیداری ہوا کرتی ہے۔ لیکن پیغمبر اور مرسل کے لیے یہ نوم نہیں ہوا کرتی بلکہ بالکل بظاہر ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ علیہ السلام نے عصاء اور ید بیضا ظاہر میں پایا اور عوام کے روبرو پیش کر دیا۔

مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ ہر کیفیت برزخ مملکت انسانیہ کا آئینہ ہے خواہ محجوب ہو یا مکشوف۔ فرق صرف یہ ہے کہ مومن اس وجود عنصری سے جو سبب حجابات کا آلہ ہے نیند میں خلاصی پانے والا ہوتا ہے اور ولی تھوڑی ہی نوم میں اس بلا سے نجات حاصل کرنے والا، اور مرسل اس بلا سے بحکم خدا منزہ ہوا کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کافر حیٰوۃ الدنیا من معیشۃ ضنکا 1 کے مطابق نحشرہ یوم القیمۃ اعمی 2 کا مرتکب ہو جاتا ہے اور مومن یشرح صدرہ 3 کے مطابق حیات ابدی اور طاقت و تصرف کا مختار کر دیا جاتا ہے:

1 دنیا میں روزی تنگ۔

2 اٹھائیں گے ہم اس کو، دن قیامت کے، اندھا۔

3 کھول دے، سینہ اس کا۔

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (پ8، رکوع:2)

بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کو نور دیا کہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کے برابر ہے جو اندھیروں میں پڑا ہے اور وہاں سے نکل نہیں سکتا؟ اسی طرح بھلا، دکھایا ہے کافروں کو جو وہ کر رہے ہیں۔

اور مرسلین کا حال جس سے کما حقہ واقف ہونا ہمارے حصہ میں نہیں ہے، عجیب و غریب ہوا کرتا ہے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ولی بھید میں رویت کو پاتا ہے، جیسے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عروج ہوا ہے فقیر کو بحکم خدا رویت نصیب ہوئی ہے۔ مدینۃ الاولیاء کا نشان اپنے حال سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے بھی دیا ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بظاہر نماز خسوف میں کھڑے محراب کی طرف ہاتھ مبارک کو بڑھایا مگر مصلحت اور سر کو مستور رکھنے کی بناء پر ہٹا لیا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے استفسار پر فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے انگور کا ایک خوشہ توڑنا چاہا۔ اور اگر میں توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس میں سے کھاتے رہتے۔''

یہ ایک لمبی حدیث شریف بخاری و مسلم شریف دونوں میں مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اسے صلوٰۃ الخسوف کے باب میں نقل فرمایا ہے۔ مفصل وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ اس حصہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

قالوا یا رسول اللہ رایناك تناولت شیئا فی مقامك ھذا ثم رایناك تکعکعت فقال انی رایت الجنۃ فتناولت منھا عنقودا و لو اخذتہ لا کلتم منہ مابقیت الدنیا......

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کھڑے کوئی چیز لینے کا قصد فرما رہے تھے۔ پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے ایک خوشہ انگور کا لینا چاہا اور اگر

میں لے لیتا تو تم دنیا کے باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔
تو اب کہنا ہی پڑے گا کہ یہ جنت میدان دنیا ہی میں حضور ﷺ کے لیے عیاں تھی۔ جس کو برزخ سے تعبیر کرنا ہمارے حال کے موافق بجا اور درست ہوگا۔ ورنہ او پر گزر چکا ہے کہ مرسلین علیہم السلام کے لیے برزخ مطلق روا نہیں ہے، یا ان کا برزخ اور ہے اور ہمارا اور۔ ان پاک ہستیوں کا برزخ اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کے علم سے ہم کو حصہ نہیں ہے اور مطابق فرمان الٰہی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً 1 یہ بھی ماننا ہی پڑے گا کہ یہ جنت حیات دنیا ہی میں میدان دنیا سے بالاتر اور مملکت انسانیہ کی بساط پر موافق ارشاد لم یزل ملک کبیرا 2 ہے جو بلا محنت و مشقت بلکہ بلا طلب حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت فرمایا گیا۔ قال اللہ تعالیٰ عزوجل:

1 میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

2 بہت بڑا ملک۔

وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ﴿ (پ29، رکوع:19)

اور جب دیکھے گا تو اس جگہ دیکھے گا تو بہت نعمت اور مملکت بہت بڑی۔

لیکن ساتھ ہی آزمائش کا شجر کھڑا کر دیا اور فرمایا:

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿ (پ ا، رکوع:4)

اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

آخر کار ابلیس لعین نے سمجھا کہ آدمی اور نبی حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ نعمت عظمیٰ ودیعت فرمائی گئی ہے۔ ہر چند کوشش کی اور اپنے قاعدے کے مطابق جس چیز کا طمع حضرت آدم علیہ السلام کے ضمیر میں پایا رغبت دلائی اور جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دیا۔ لغزش کھانے کی وجہ سے جنت سے اتار دیئے گئے، کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل:

وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ﴿ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿ (پ8، رکوع:9)

اور شیطان نے کہا تمہارے ربّ عزوجل نے تمہیں اس درخت سے اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا یہاں پر ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ اور ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

اب غور و فکر سے معلوم کرنا چاہیئے کہ پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے اور لباس کے اتارے جانے کا قصہ تنبیہاً ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی آدم دیکھنا کہیں تم کو اسی طرح جس طرح تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دھوکا دے کر جنت سے نکلوا دیا تھا، تم کو بھی دھوکہ نہ دے۔ فرمایا ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿ (پ8، رکوع:10)

اے آدم علیہ السلام کے بیٹو! نہ بہکائے تمہیں شیطان جیسے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو جنت سے، اتار لیا تھا ان سے لباس ان کا تو کہ دکھلائے ان کو شرمگاہیں ان کی۔ بے شک وہ دیکھتا ہے تم کو، وہ اور اس کا کنبہ اس طرح سے کہ نہیں دیکھتے تم ان کو، تحقیق کیا ہم نے، شیطان کو دوست، واسطے ان لوگوں کے کہ نہیں ایمان لائے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ بنی آدم کون سی جنت میں داخل ہیں جس سے نکلنے کا احتمال اور شیطان رجیم کے فریب دینے کا خطرہ ہو، جس کے لیے ...بیہ خاص من اللہ عزوجل نازل ہوئی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ تنبیہ کسی اور نعمت کے لیے ہو جس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی جنت یعنی نعمت عظمیٰ سے ...ائی ہو۔ لیکن اس سے پہلی آیت:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ (پ8، رکوع:10)

اے آدم علیہ السلام کے بیٹو! بے شک اتارا ہے ہم نے تمہارے لیے لباس کہ ڈھانکتا ہے شرمگاہیں تمہاری اور باعث زینت ہے۔ اور ایک لباس التقویٰ ہے، یہ بہتر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی آیات (نشانات) میں سے ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

میں دونوں لباس کی تصریح ہے اور اس میں تمام بنی آدم شامل ہیں۔ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ تو سب پر روشن ہے، مگر لِبَاسُ التَّقْوٰی عالم ...ال کا شجر ہے جس کا علم خواص کے سوا عوام الناس کو نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برزخ فی الوجود یعنی خواب میں کبھی اپنے آپ کو برہنہ اور کبھی ...س سے مزین دیکھتا ہے۔ علم اور جہل کو نظر انداز کرتے ہوئے صحت حال کے رو سے حضرت آدم اور بنی حضرت آدم علیہ السلام ہر دو لباس (ظاہری اور ...نی) کے حصول میں یکساں ہیں اور یہ مسلم امر ہے کہ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ جنتی لباس ہے جو جنت سے خارج ہونے کی صورت میں اتر ...لیا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لباس جنت کے سوا نہیں ہے اور جنت اس لباس کے سوا نہیں ہے، ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ یہ لباس (رِیْشًا) کسی ...رش یا گناہ سے اترنے والا نہیں۔ تو جب حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم اس لباس میں مشترک ہیں اور کسی گناہ عظیم سے بھی یہ لباس نہیں اترتا، اور ...باسُ التَّقْوٰی سے ایک چیتھڑا بھی باقی نہیں رہتا، تو نور ایمانی کے ترازو میں غور و فکر سے موازنہ کرنے سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہ لباس عوام کے ...یے مخفی ہے اسی طرح جنت بھی پوشیدہ ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ جنت یا دوزخ موت کے بعد ہی ظاہر ہوگی۔ جنت، ایمان اور اعمال صالحہ کا اور دوزخ، کفر اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہوگا۔ ...ن یاد رہے کہ یہ میدان دنیا کا ایک شجر ہے جس کی جگہ انسانی ضمیر کے سوا نہیں ہے۔ اصل اور فرع کا سا حال ہے۔ نور ایمانی کے تحت میں اعمال ...ل کی مانند ہیں، اور فرع ان کی تفصیل اور نمود فی الاخرۃ ہے،

کما قال اللہ: مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ○ (پ15، رکوع:8)

جو کوئی یہاں (اس دنیا میں) اندھا ہے، وہی آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا ہے۔

اور اس کی تفسیر یوں ارشاد فرمائی ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰـکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○ (پ17، رکوع:13)

اور وہ (اندھاپن) یہ آنکھیں اندھی نہیں ہیں، بلکہ دل اندھے ہیں جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

دوسری جگہ سورہ یٰسین میں فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ○ (پ22، رکوع:18)

اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار کردی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار کردی اور (اوپر سے) ان کو (اس طریقہ سے) ڈھانک دیا کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

اور تیسری جگہ مومن اور کافر کے ضمیر اور وسعت کے مطابق فرمایا:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (پ8، رکوع:2)

کیا جو شخص کہ مردہ تھا پس ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسے نور عنایت کیا کہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو ایسے اندھیروں میں ہے جن سے وہ نکل نہیں سکتا؟ اسی طرح سے زینت دیا گیا ہے واسطے کافروں کے جو وہ کرتے تھے۔

انسان کی یہ دونوں حالتیں فی الدنیا و فی الاخرۃ اظہر من الشمس ہیں جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ خداوند کریم والا کرام نے انسان کو عین دین پر پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان مولیٰ کریم ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ21، رکوع:7)

فطرت خدا کی کہ بنایا اوپر اس کے آدمیوں کو، نہیں بدلنا واسطے پیدائش خدا کی کے۔ یہ ہے دین درست اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

محض حجاب جو دوزخ کا اصل اور موجب عذاب ہے، انسان کی ضلالت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ دِیْنُ الْقَیِّمُ جو خلقت انسانیہ سے وابستہ ہے سب نعمات اس کے غلام ہیں۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اس امر پر شاہد ہے کہ کوئی عارف ہو یا محجوب، مقبول ہو یا مردود، اس کی فطرت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ محض بعد و قرب، اعمیٰ و بصیر سے عبارت ہے۔ مطابق:

وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ۝ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ۝ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ۝ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ (پ22، رکوع:15)

اور نہیں ہے برابر اندھا اور دیکھنے والا۔ اور نہ ہی اندھیرا اور روشنی، اور نہ ہی سایہ اور دھوپ، اور نہ ہی زندہ اور مردہ برابر ہو سکتے ہیں۔

اور یہ سب ہمارے ہی عارضہ کی وجہ سے ہے جو حال کے مترادف ہے، ورنہ اُس رحیم الودود کی طرف سے وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (پ2، رکوع:2) [1] اس امر پر دال ہے کہ مولیٰ کریم ذوالجلال والا کرام نے ہم پر تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں اور یہ تمام نعمتیں مطابق لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [2] اصل کے موافق ہیں اور فرع ہمارے کسب کے لحاظ سے ہے لیکن اصل میں تغیر روا نہیں ہے۔ محض میدان آزمائش میں آ کر ہوا اور ہوس کا شکار ہو گئے۔ صرف اس سے زکی حاصل کرنا ہی اتم کامیابی ہے، اور اس میں رہ جانا خاک میں ذلیل و خوار یعنی اسفل سافلین کا مقیم ہونا ہے، جو تمام مصیبتوں کا گھر اور نامرادی کی جڑ ہے،

کما قال اللہ تعالیٰ:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (پ30، رکوع:16)

بے شک مراد کو پہنچا جس نے پاک کیا اس کو، اور یقیناً نامراد ہوا جس نے گاڑ دیا اس کو۔

اب نور ایمانی سے معلوم کرنا چاہئے کہ مطابق ارشاد ذوالجلال والا کرام زکی حاصل کرنا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا کے مترادف ہے، اور یہی مقصود اور حصول ہے۔ اور خاک میں ملنا یعنی اس مقام سے ملبوس ہونا سراسر محرومی اور نامرادی ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ''فطرت اللہ'' میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مالک حقیقی نے اس کے تغیر و تبدل کو روا نہیں رکھا ہے۔ یہ اس سے مبرا و منزہ ہے۔ بلکہ منازل و مدارج، عروج و نزول، بعد و قرب کفر و اسلام، شرک و ایمان، سب اس کے نشیب و فراز کا نتیجہ ہے۔ انسان کے لیے یہی صراط مستقیم ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ [3] اسی کی آمد و رفت سے عبارت ہے۔ فطرت کی رو سے انسان احسن تقویم اور آخری منازل یعنی عالم شہود مطابق مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ [4] کی وجہ سے اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ، ہوائے نفس کا گرفتار۔ ہاں جس نے فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ [5] میں سعی کی اور توفیق الٰہی عزوجل اس کے شامل حال ہوئی، اس مقام سے

1 اور تاکہ تم پر میں اپنی نعمت کو پورا کر دوں، اور تاکہ تم راہ پاؤ۔

2 پس بے شک مراد کو پہنچا بہت بڑی مراد کو۔

بفضلہ تعالیٰ خلاصی پانے والا ہوا۔ زکی کے معنوں کو پائے ہوئے، طلب غیر کو دل سے ہٹائے ہوئے، قلب سلیم کو پہلو میں سجائے ہوئے لقاو مشاہدہ الٰہی عزوجل لامتناہی کی رویت سے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لیے جنت راستہ کا ایک مقام ہوتا ہے۔ مومن اپنے ضمیر میں مطابق عَرَّفَهَا لَهُمْ 6 اس کے عرف سے عارف ہو جاتا ہے۔ لیکن مرسلین کو بالکل بظاہر رویت حاصل ہوتی ہے، عوام کی دانش اس سے عاجز ہے۔ ولی کو سر یعنی بھید میں یہ معنی حاصل ہوتے ہیں، لیکن پیغمبران عوارضات سے مبرا و منزہ ہوتا ہے۔

3 ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

4 ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک کے لیے پونجی ہے۔

5 پس ڈرو اللہ کی طرف۔

6 انہیں اس کی پہچان کرادی ہے۔

مدعا اس عبارت سے یہ ہے کہ برزخ کسی آڑ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی ان مقامات یا حالات کو جو پوشیدہ ہیں، عالم موجودات، محسوسات، معلومات اور معروفات۔ عالم موجودات کی رویت تو بالکل چاند کی طرح روشن ہے۔ عالم محسوسات ہر قسم کے احساس کم وبیش سے متاثر ہوتا ہے، اور احساس کی راہ سے ظاہری و باطنی علم کا حصول عالم معلومات سے ہے۔ لیکن عالم معروفات سوائے رویت کے درست نہیں ہوسکتا۔ اُس عزیز الحکیم نے یہ سب انسان کے ضمیر میں ودیعت فرمائے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ان کا حامل بنایا ہے۔ سرشتی توفیق سے اس کی خلقت کو مکمل بنا کر اپنی فطرت پر آفرینش کیا ہے۔ جو میدان آزمائش میں کسی قدر اختیار دے کر اس طرح ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (پ24، رکوع:19)

بے شک جو لوگ کہ کج راہی کرتے ہیں ہماری نشانیوں میں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا پس جو کوئی کہ آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ کہ قیامت کے دن امن سے آئے؟ پس تم جو چاہو کرلو، یقیناً وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

عمل کے میدان میں انسان چار حالت سے خالی نہیں ہے: کافر، فاسق، مومن اور ولی۔ کافر اپنی فطرت کو محجوب کرنے والا، فاسق باوجود یقین رکھنے کے عمل میں قاصر ہونے کی وجہ سے محروم، مومن خدا کے فضل سے امیدوار اور کوشاں، اور ولی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے پاکیزگی حاصل کرنے اور اپنی فطرت تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ فطرت کی کسی حالت میں نفی نہیں ہے، جس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ مراد صرف یہ ہے کہ فطرت اور مملکت انسانیہ دو چیزیں نہیں۔ یہ وسعت فطرت انسانیہ کی ہے۔ جب اسفل سے نجات حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے عوالم بالاتر سے معا رویت ہو جاتی ہے۔ اس جگہ الگ مثال کی ضرورت نہیں۔ صرف حالات حضرت آدم علیہ السلام کافی ہیں کہ لغزش کی وجہ سے ان مدارج عروج سے ہبوط ہوا تو فوراً لباس بھی اترا اور حال کے رو سے گر گئے، تمام کیفیات اور اپنے مقام اور اس کی رویت سے برطرف ہو گئے۔ چونکہ اس معاملہ میں آدم اور بنی حضرت آدم علیہ السلام یکساں ہیں، لہٰذا آج بھی حجاب کے دور ہوتے ہی ان مدارج پر عروج ہونا سنت اللہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ میدان دنیا یا انسانی ضمیر میں یہ دارج و معارج مثل اصل کے ہیں، جو تحت ایمان ہے اور عمل کے میدان میں مانند فرع، اور کما حقہ نمود بعد از انتقال فی الآخرۃ ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس عزیز الحکیم عزوجل نے فطرت انسان کو اپنی فطرت پر اور عین حکمت پر مبنی رکھا ہے جس کے منازل و مدارج میں عجیب کیفیات کی وسعت ہے۔ یعنی عالم موجودات میں اسباب ظاہری خورش و پوشش اور مکان وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقام میں جسے ذات پاک نے اسفل سافلین فرمایا ہے، گویا احسن تقویم بنا کر اس مقام کا مطابق مستقر ومتاع الی حین 1 مقیم بنایا ہے، یہ عاجز انسان محل و مقام کے رو سے

1 ٹھہرنے کی جگہ اور ایک وقت تک کے لیے پونجی ہے۔

اسی کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اس میدان میں اس کو آزمائش اور علم و دانش کے حصول اور ظہور تام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لیکن یہ قید انسان عین حجاب اور سراسر غفلت اور گمراہی کا سرمایہ ہے، سرتاپا اس بلا میں مبتلا، اپنی کشتی کا ناخدا اور اپنی خواہشات کا شیدا ہوتا ہے۔ تاہم فطرت انسانیہ اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ اپنے اصلی مقام پر پہنچے۔ خواہ اثرات اجسادی جو عوارضات ارضیہ کے مترادف ہیں، مانع بھی ہوں اور ہمیشہ کے لیے محجوب، موجب عذاب اور جہنم کا ایندھن ہی کیوں نہ ہوں، مولیٰ کریم کی رضا کے خلاف ہے۔ اور وہ اس لیے کہ مشیت اللہ تعالیٰ اس کے برعکس ہے اور فطرت انسانیہ کا ارادہ ازلی کے خلاف ہونا محال ہے۔ محض سرشتی توفیق کے اختیارات جو سراسر آزمائش کے میدان کا شجر ہے، یہ اس کا ثمر ہے۔ جو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی 1 کی زبردست سنت کا نتیجہ ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ج فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ 9، رکوع: 12)

اور پڑھ اوپر ان کے، قصہ، اس شخص کا کہ دیں ہم نے اس کو نشانیاں اپنی پس نکل گیا ان میں سے پس پیچھے لگایا اس کو شیطان نے پس ہو گیا گمراہوں سے اور اگر چاہتے ہم البتہ بلند کرتے ہم اس کو ساتھ ان کے یعنی نشانیوں کے لیکن وہ لگ گیا طرف زمین کی اور پیروی کی خواہش اپنی کی پس مثال اس کی مانند مثال کتے کی ہے اگر بوجھ رکھے، تو اوپر اس کے، زبان لٹکائے۔ یہ ہے مثال اس قوم کی کہ جھٹلایا نشانیوں ہماری کو، پس بیان کر قصے تو، کہ وہ فکر کریں۔

مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ وہ اخلد الی الارض کا مرتکب ہوا یعنی مقامات اسفل پر ہمیشگی چاہی اور اسی کو پسند کیا، اس لیے اس حجاب میں قَوْمًا عَمِيْنَ 2 کی طرح غوین 3 میں سے ہو گیا۔ اپنی اصلی فطرت کو ہمیشہ کے لیے دوزخ کا مقیم بنا دیا، يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ 4 کے ابدی حجاب میں گرفتار ہو گیا، کل نعمات سے محروم ہو گیا۔ گو فطرت میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا لیکن حجاب در حجاب میں ابدی محجوب ہو گیا۔ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ 5 کے مطابق مُلْكًا كَبِيْرًا 6 سے بے نصیب ہو گیا۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ 7 کے رو سے کتوں کی زنجیر میں جکڑا گیا۔ یہ ہے مقامات انسانیہ کا آخری مقام یعنی اسفل سافلین کی حقیقت اور حصول۔

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انسان کا پہلا مقام سری ہے یعنی:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ (الدھر: 1)

انسان پر زمانے میں سے ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ یہ کوئی ذکر کی گئی چیز نہ تھا۔

جس کا ذکر کرنا منع اور مخفی ہے۔ دوسرا مقام عالم ارواح جس کا ذکر عوام اور خواص کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ تیسرا مقام عالم شہود یعنی میدان دنیا جو جسدی وجود کے موافق اور مترادف ہے، ذکر ہو چکا ہے۔ اب دوسرے مقام کی نسبت بیان کرنا لازمی ہے جو عالم معروفات سے ہے۔ عالم ارواح سے عالم اجساد یعنی موجودات تک نزول انسان ہے۔ لیکن واپسی پر مطابق کلام الٰہی عزوجل ایک اور معیار بھی منفرد ہو چکی ہے جس کو عالم برزخ سے تعبیر کرنا درست ہے،

کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ط وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ (پ 7، رکوع: 7)

1 پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔ 2 قوم اندھی۔ 3 گمراہ۔ 4 اس دن حجاب میں ہوں گے۔ 5 ہلاک ہو گئی مجھ سے دلیل میری یا بادشاہی میری۔ 6 بہت بڑا ملک۔ 7 اور پیروی کی اپنی خواہش کی۔

وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر مقرر کی اجل اور ایک اور اجل مقرر کی ہوئی ہے نزدیک اس کے، پھر تم شک کرتے ہو؟

اس کا زیادہ تر تعلق عالم دنیا سے ہوا کرتا ہے، گویا یہ بھی میدان دنیا ہی سے ہے۔ ہاں حدیث شریف سے ثابت ہے کہ قبر میں یا تو ایک کھڑکی جنت سے یا دوزخ کی طرف سے کھل جاتی ہے۔ یا تو باغ رضوان ہو جاتی ہے یا دوزخ یعنی نار کا حفرہ:

انما القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من النار ٥ (ترمذی)

سوائے اس کے نہیں کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا۔

ہر ایک انسان کے لیے اس کا حال منکشف ہو جاتا ہے۔ عالم دنیا جس سے مراد ضمیر فی الوجود ہے، اصل میں ویسا ہی تھا جیسا انکشاف ہوا۔ نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ جو دنیا میں مردہ ہے آخرت میں بھی مردہ ہے، جو دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا، اور یہ اندھا پن اور مردہ ہونا فی الضمیر ہے نہ کہ بظاہر۔ یعنی اس کا مردہ ہونا اور اندھا رہنا روحانیت کی بساط سے ہے نہ کہ بظاہر بشریت سے، بلکہ جامہ بشریت میں پوشیدہ ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کافر نافرمان کے لیے فطرت موجب عذاب اور مومن کے لیے راحت اور تمام نعمتوں کی حامل اور صراط المستقیم ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہر مقام و محل کے رو سے اسباب بھی اسی کے موافق ہوا کرتے ہیں۔ بشری یا جسدی وجود کے لیے دنیا و مافیھا کے اسباب خورش و پوشش اور مکان وغیرہ۔ اور عالم روحانیت میں یہ سب کچھ اسی کے مطابق نوری وجود سے جس کو جنت کہنا روا ہے۔ اسی لیے کافر کو سوائے حجاب کے برزخ یا فی الاخرۃ میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن مومن کے لیے وجود یا وجود کے موافق روحانی باغ اور مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ 1 کے مطابق ہر قسم کی نعمت جس کو جنت کہنا روا ہے، حاصل ہوگی۔ دنیا میں مومن خاص یعنی ولی اللہ عزوجل کو یہ حجاب نہیں رہتا تو وہ سر میں جنت کو پالیتا ہے، اور گاہے اس میں مقیم بھی ہوتا رہتا ہے۔ جس کا مدینۃ الاولیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لیے من اللہ عزوجل یہ حجاب نہیں ہوتا، اس لیے وہ بالکل بظاہر جنت کو پاتے ہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے داخل ہونے اور نکلنے کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، سر سے کوئی نشان نہیں ہے۔ بالکل ظاہر پر آیات مبارکہ ہیں جو حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ کافرین حجاب ابدی میں گرفتار ہیں۔ باوجود مملکت رکھنے کے ظلمات کے گڑھے میں مقید، خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ۔ اور مومن اپنی مملکت پر حاوی، اپنی سلطنت کا شہنشاہ، جنت و مافیھا کو آغوش میں لیے ہوئے، اس کی نعمات کو عمل کے نور سے سجائے ہوئے، گاہے عالم خواب میں اپنے مقام کو دیکھتا ہے۔ اور ولی سِنَة 2 میں ان سب کیفیات سے عارف ہوتا ہے۔ لیکن پیغمبر علیہ السلام کے لیے بالکل عیاں صورت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس جسدی بلا سے ازلی خلاصی پائے ہوئے ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی فطرت یعنی سرشت پر مکمل بنا کر بلا طلب جنت میں داخل کر دیا اور شجرۃ النفس سے جس کو مادہ ارضیت یا بشریت کہنا روا ہے، منع فرما دیا۔ ہر چند لغزش کی وجہ سے اهبطوا 3 کے مرتکب ہوئے لیکن سوائے حجاب کے فطرت اللہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، توبہ کے بعد پھر جگہ ملی۔

آج بنی آدم علیہ السلام کے لیے بھی فطرت انسانیہ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ لا تبديل لخلق الله 4 کے مطابق کبھی تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اسی سنت کے موافق بنی آدم علیہ السلام کے لیے اس اپنے مقام پر پہنچنے کی علت اس جمع بشریت سے خلاصی پانے اور حجاب من اللہ دور ہونے کے سوا اپنی مملکت یعنی جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ امر مسلم اور متفق علیہ ہے کہ مرنے سے پہلے جنت میں داخل ہونا روا نہیں لیکن قرآن حکیم سے ثابت ہو چکا ہے کہ جنتی اور دوزخی اسی عالم شہود ہی میں بن کر جائے گا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(کتاب الانسان فی القرآن کا بیان ختم ہوا)

---

1 جس چیز کی نفس خواہش کریں گے۔ 2 اونگھ 3 اتر جاؤ۔

4 نہیں تبدیل ہونا واسطے پیدائش خدا عزوجل کے

حضرت شیث علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو پیدا فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان سے سکون حاصل کریں جب آپ علیہ السلام ان سے یکجا ہوئے تو ان کی برکات حضرت حوا سلام اللہ علیہا کو حاصل ہوگئیں تو ان بہترین سالوں میں (جو تقریباً نو سو یا آٹھ سو اسی سال تھے.....زرقانی) حضرت حوا سلام اللہ علیہا کے ہاں بیس مرتبہ کے حمل سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ اکیسویں حمل سے حضرت شیث علیہ السلام تنہا پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام اس ذات کی وجہ سے عطا فرمایا۔ جن کے سعد کو نبوت کی اطلاع دی گئی اور وہ سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تا کہ نور نبوی مشترک نہ ہو جائے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت شیث علیہ السلام کو اپنی اولاد پر وصی فرمایا اور وصیت فرمائی کہ اس نور کو سوائے پاکیزہ عورتوں کے کسی میں منتقل نہ کرے۔ حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے (انوش) کو وہی نصیحت کی جو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمائی تھی اور یہ وصیت مسلسل جاری رہی۔ ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی رہی حتی کہ اللہ تعالیٰ یہ نور حضرت مطلب رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے اس نسب کو جاہلیت کی خرابیوں (زنا کاریوں) سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ صحیح اور حسن روایات سے ثابت ہے۔ انشاء اللہ ان کا مفصل بیان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔ (مدارج النبوت اردو ترجمہ ناشر مکتبہ اسلامیہ لاہور، جلد 2، ص:5) (مواہب اللدنیہ اردو ترجمہ ناشر فرید بک سٹال لاہور، جلد 4، ص:54، 2004ء)

ہابیل اور قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کی بیوی لبودا کا نکاح حضرت شیث علیہ السلام سے کر دیا اور حضرت شیث علیہ السلام کو اپنا خلیفہ و نائب مقرر کر دیا۔ آپ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام پر نازل شدہ صحائف کے مطابق اپنی اولاد میں تبلیغ کرتے رہے اور نیکی کی تلقین کرتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایک ہزار سال عمر پا کر انتقال فرمایا اور باختلاف روایات منیٰ میں مسجد خیف کے مقام پر دفن ہوئے۔ ایک سال بعد حضرت حوا سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا اور بحیرہ قلزم کے کنارے جدہ میں دفن ہوئیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام جدہ ہوا۔ (واللہ اعلم) حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ شریف کی تعمیر کی۔

حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سب سے چھوٹے لڑکے کا نام انوش ہے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہی منتقل ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام کا وصال نو سو بارہ سال کی عمر میں ہوا اور باختلاف روایات عراق کے شہر موصل میں دفن ہوئے۔

حضرت انوش اپنے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکے تھے جس وقت آپ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کی عمر ایک سو ساٹھ برس اور آپ کے دادا حضرت آدم علیہ السلام کی عمر چار سو اسی (480) برس کی تھی۔ آپ ہی اپنے والد کے جانشین اور خلیفہ مقرر ہوئے اور اپنے باپ دادا کے طریق پر قائم رہے اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کرتے رہے۔

جب آپ کی عمر ایک سو نوے (190) سال ہوئی تو آپ کے ایک لڑکا (قینان) پیدا ہوا اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ حضرت انوش نے نو سو باسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت قینان بھی حضرت آدم علیہ السلام کی موجودگی میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ بھی طریقہ حق پر قائم رہے تو ان کی ایک سو ساٹھ سال کی عمر میں ایک صاحبزادے حضرت مہلائیل پیدا ہوئے۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ مہلائیل کی ولادت کے دن حضرت آدم علیہ السلام نے بہت سی قربانیاں اللہ تعالیٰ کے نام پر کیں۔ حضرت قینان نے سات سو بیس 720 برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت مہلائیل اپنے باپ کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ حق پر قائم رہے۔ جب آپ کی عمر ایک سو پینتیس 135 برس ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت الیارد (یرد) لڑکے پیدا ہوئے اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ اور آپ ہی اپنے والد کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت مہلائیل نے نو سو پینسٹھ 965 سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور آپ کی ایک سو باسٹھ 162 سال کی عمر میں حضرت اخنوخ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں منتقل ہوا۔ (بحوالہ الذکر الحسین نے سیرۃ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول تالیف مولانا محمد شفیع اوکاڑی رحمۃ اللہ علیہ ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم-اے-جناح کراچی، ص:38-39)

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ ہے اور بوجہ کثرت درس صحف آسمانی آپ علیہ السلام کا لقب ادریس ہے۔ آپ علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔ قرآن کریم میں آپ علیہ السلام کو صدیق نبی فرمایا گیا ہے۔ (الذکر الحسین، جلد 1 ص:39)

ایجادات:

آپ علیہ السلام بڑے برگزیدہ اور رفعت شان والے تھے۔ علماء دین فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ستاروں میں نظر کرنا اور حساب کرنا آپ علیہ السلام سے ہی ثابت ہے لیکن یہ خیال ہے کہ آپ علیہ السلام کا ستاروں میں نظر کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تھا۔ آپ کے حساب میں تخمینے کی کوئی بات نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کے دل میں جو القا فرماتا آپ علیہ السلام وہی بیان فرماتے یعنی ستاروں کا حساب آپ علیہ السلام کو بطور معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ آج کے دور میں ستاروں کا حساب اور آنے والے واقعات کی خبر دینا حرام ہے۔ ان پر یقینی اعتبار کرنا کفر ہے۔

قلم کے ذریعے لکھنے کو سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے رواج دیا۔ سب نے پہلے کپڑے آپ علیہ السلام نے ہی پہنے جو سلائی کے ذریعے تیار ہوتے تھے اور کپڑوں کے وزن کرنے کے لیے ترازو کا استعمال آپ علیہ السلام نے ہی کیا۔ سب سے پہلے اسلحہ کی ایجاد آپ علیہ السلام نے ہی کی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول آپ علیہ السلام ہیں۔

(روح المعانی، جلد 9، ص:105 تفسیر کبیر، جلد 21، ص:233، مدارک، ص:420، بحوالہ کتاب تذکرۃ الانبیاء، ص:92 اور الذکر الحسین، جلد 1 ص:39) اور خزائن العرفان

حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○

ترجمہ: ''اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مقام کی طرف اٹھایا۔''

(کنز الایمان) (پ8، سورہ مریم، آیت:56-57)

اس آیت کریمہ میں بلند مقام کی طرف اٹھانے کا مطلب یہ ہے:

''هو شرف النبوه و الزلفي عند الله تعالى'' آپ کو نبوت کے منصب سے مشرف فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص قرب عطا کر آپ کو رفعت و بلندی عطا فرمائی۔ (روح المعانی، جلد 9، ص:105)

دوسرا معنیٰ ''ان المراد به الرفعة في المكان الى موضع عال وهذا اولى لان الرفعة المقرونة بالمكان تكون رفعة في المكان لا في الدرجة'' ترجمہ: یعنی دوسرا معنی بلندی کا یہ ہے کہ آپ کو بلند مکان کی طرف اٹھایا گیا یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ذکر فرمایا۔ جہاں مکان کا ذکر ہو اس سے مراد مکان کی بلندی ہی ہوتی ہے۔ درجات کی بلندی مراد نہیں ہوتی۔

(تفسیر کبیر، جلد 21، ص:233)

بلندی مکان کی تفصیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور یہی صحیح تر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان چہارم پر دیکھا۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص:93)

آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیل:

حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیل تفسیر خزائن العرفان سے سورہ مریم کی آیت نمبر 56-57 کی تفسیر کے تحت نقل کی جاتی ہے۔

حضرت کعب احبار وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہوں۔ کیسا ہوتا ہے؟ تم میری روح قبض کر کے دکھاؤ۔ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی روح قبض کر کے پھر اسی وقت لوٹا دی آپ علیہ السلام زندہ ہو گئے۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اب مجھے جہنم دکھا دو تا کہ خوف الٰہی زیادہ ہو۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کو جہنم کے دروازے پر لے جایا گیا۔ آپ نے مالک نامی فرشتہ جو جہنم کا داروغہ ہے سے فرمایا کہ دروازہ کھولو میں اس سے گزرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ اس پر سے گزرے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا مجھے جنت دکھاؤ وہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کو جنت کے پاس لے گئے۔ آپ نے جنت کے دروازے کھولنے کا ارشاد فرمایا تو آپ کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ آپ علیہ السلام جنت میں تشریف لے گئے۔

ملک الموت نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ چلیں زمین میں اپنے مقام پر تشریف لے چلیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔'' میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی یہ شرط لگائی ہے ''وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا'' کہ ہر شخص کو جہنم پر گزرنا ہے میں جہنم سے بھی گزر کر آ چکا ہوں۔ اب میں جنت میں داخل ہو چکا ہوں۔ جو لوگ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ انہیں وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی ہے:

''وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ'' جنت والوں کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے ارشاد کے مطابق میں نے یہیں رہنا ہے۔ یہاں سے مجھے نہیں نکالا جا سکتا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے اس کلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو فرمایا: اے عزرائیل میرے بندے ادریس نے سب کام میری مرضی سے کیے۔ انہیں یہاں ہی رہنے دو! آپ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں میں زندہ ہیں۔ (خزائن العرفان)

تنبیہ:

حضرت ادریس علیہ السلام کے دلائل میں قرآن پاک کے الفاظ مبارک ذکر ہیں جو اس وقت نازل اگرچہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔ لوح محفوظ پر اس وقت بھی تحریر تھا۔ نبی چونکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے رکھتے ہیں۔ اس لیے حضرت ادریس علیہ السلام کی نظر لوح محفوظ پر تھی لہٰذا قرآن پاک کا استدلال درست ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص:94)

آسمان پر کب حضرت ادریس علیہ السلام کو اٹھایا گیا:

جب آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو پینسٹھ (165) برس کی تھی کہ آپ علیہ السلام کے ہاں ایک لڑکا متوشلخ پیدا ہوئے۔ نور محمدی ﷺ ان کو تفویض ہوا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو تین سو پینسٹھ 365 برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا۔ آپ علیہ السلام کی جگہ حضرت متوشلخ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ اپنے والد گرامی پر نازل شدہ صحائف کے مطابق تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ کے ہاں ایک صاحبزادے لامک پیدا ہوئے۔ نور محمدی ﷺ ان کو تفویض ہوا جب لامک کی عمر ایک سو اسی (180) برس ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور نور محمدی ﷺ آپ میں منتقل ہوا۔ (الذکر الحسین، حصہ اوّل، ص:39-40)

باب سوئم

حضرت نوح علیہ السلام

شجرہ نسب:

حضرت نوح علیہ السلام بن لامک یالمک بن متوشالخ یابن متوشلخ بن اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام) بن یارد یابن الیارذ یا یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن حضرت شیث بن حضرت آدم علیہم السلام نبینا۔

(الذکر الحسین، جلد 1 ص:39-40) علامہ قرطبی بحوالہ ضیاء القرآن جلد 5، ص:373، قال وھب کلھم مومنون۔

آپ علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت کے اعلان کا حکم فرمایا گیا اور ساڑھے نو سو سال (950) سال آپ اپنی قوم میں ٹھہرے اور اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ترجمہ اردو: ''اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ہزار برس رہا۔ تو انہیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے۔'' (پ20، سورہ العنکبوت، آیت:14) (ترجمہ کنزالایمان)

''طوفان کے بعد ایک قول میں ساٹھ (60) سال اور ایک قول میں 250 سال زندہ رہے۔''

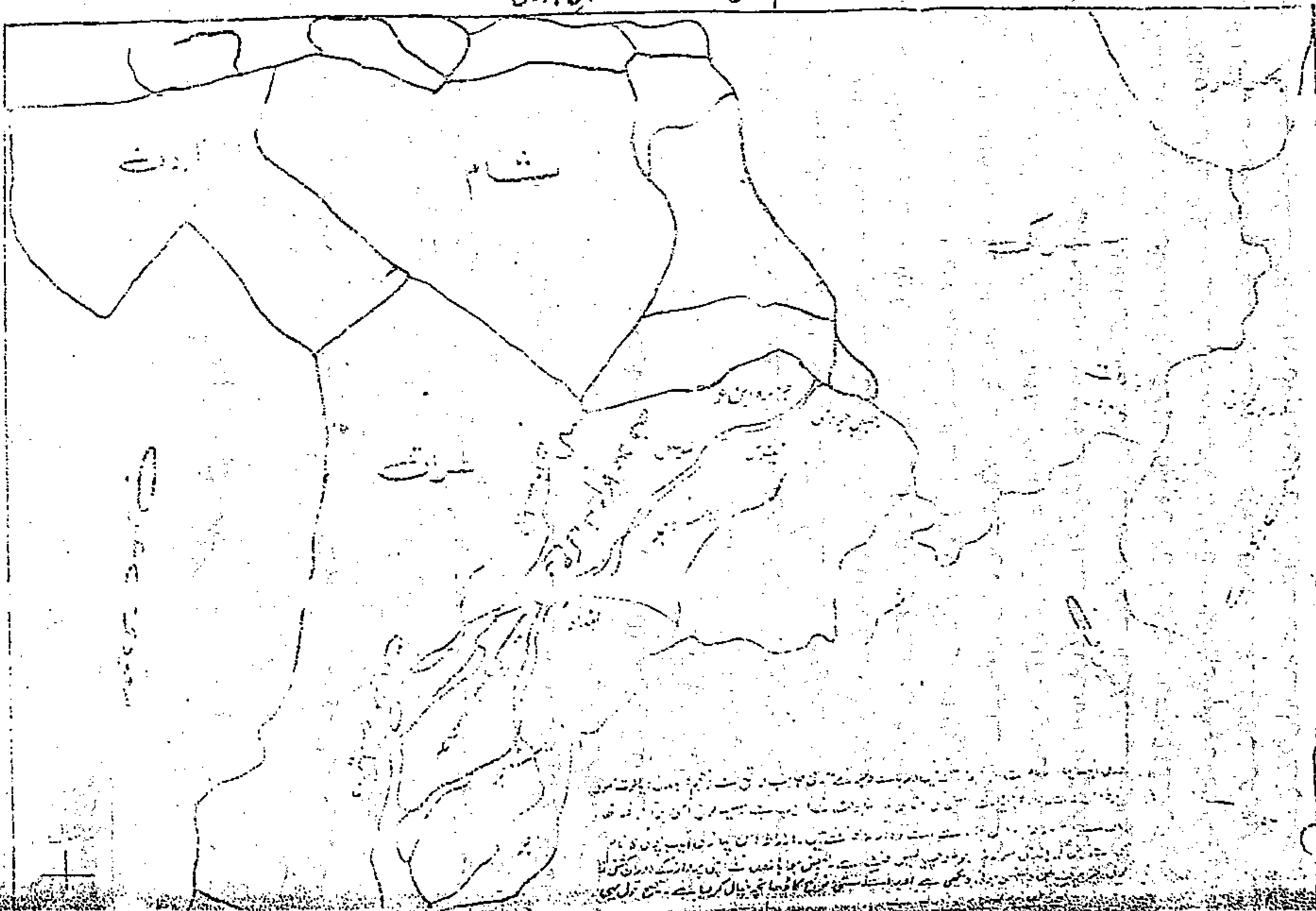
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کیا تبلیغ کی؟

ارشاد باری تعالیٰ: (پ29، سورہ نوح، ترجمہ اردو کنزالایمان)

''بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا 1 اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے 2 اس (یعنی حضرت نوح علیہ السلام) نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو 3 اور اس سے ڈرو 4 اور میرا حکم مانو۔ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے 5 گا اور ایک مقررہ میعاد تک 6 تمہیں مہلت دے گا۔ 7 بے شک اللہ عزوجل کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا کسی طرح تم جانتے 8 عرض کی 9 اے میرے رب عزوجل میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا 10 تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی بڑا 11 اور میں نے جتنی بار بلایا 12 تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی پڑا۔ اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو انہیں بخشے۔ انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں 13 اور اپنے کپڑے اوڑھ 14 لیے اور ہٹ کی 15 اور بڑا غرور کیا۔ 16 پھر میں نے انہیں علانیہ بلایا۔ 17 پھر میں نے ان سے باعلان بھی کہا 18 اور آہستہ خفیہ بھی کہا۔ 19 تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو 20 وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ 21 تم پر شرآٹے کا (موسلا دھار) مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا 22 اور تمہارے لیے باغ بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں 23 بنائے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے 24 حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کا بنایا 25 کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا 26 اور سورج کو چراغ کیا 27۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا 28؟ پھر تمہیں اسی میں لے 29 جائے گا۔ اور دوبارہ نکالے گا 30۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا کہ اس کے وسیع راستوں پر چلو۔ نوح نے عرض کی اے میرے رب عزوجل انہوں نے میری نافرمانی کی 31 اور 32 ایسے کے پیچھے ہو لیے جسے اس کے مال

(27 الف)

قوم نوح کا علاقہ اور جبل جودی



اور اولاد نے نقصان میں بڑھایا 33 اور 34 بہت بڑا داؤ کھیلے 35 اور بولے 36 ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں 37 کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ودّ اور سواع کو اور یغوث اور یعوق اور نسر کو 38 اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا 39 اور تو ظالموں کو 40 زیادہ نہ کرنا مگر گمراہی 41۔ اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے 42۔ پھر آگ میں داخل 43 کیے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ 44 پایا۔ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب عزوجل زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے 45 گا۔ تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی مگر بدکار بڑی ناشکر۔ 46 اے میرے رب عزوجل مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ 47 کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی 48۔ (کنزالایمان)

اب صاحب خزائن العرفان نے مندرجہ بالا ترجمہ کے اہم نکات کی تشریح کی وہ پیش کی جاتی ہے:

1- سورہ نوح مکیہ ہے اس میں دو رکوع اٹھائیس آیتیں دو سو چوبیس کلمے نو سو ننانوے حرف ہیں۔

2- دنیا و آخرت کا۔ 3- اور اس کو کسی کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ 4- نافرمانیوں سے بچ تاکہ وہ غضب نہ فرمائے۔ 5- جو تم سے وقت ایمان تک صادر ہوئے ہوں گے یا جو بندوں کے حقوق سے متعلق نہ ہوں گے۔ 6- یعنی وقت موت تک۔ 7- کہ اس دوران میں تم پر عذاب نہ فرمائے گا۔ 8- اس کو اور ایمان لے آتے۔ 9- حضرت نوح علیہ السلام نے۔ 10- ایمان و اطاعت کی طرف 11- اور جتنی انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی گئی اتنی ہی ان کی سرکشی بڑھتی گئی۔ 12- تجھ پر ایمان لانے کی طرف 13- تاکہ میری دعوت کو نہ سنیں 14- اور منہ چھپا لیے تاکہ مجھے نہ دیکھیں کیونکہ انہیں دین الٰہی کی نصیحت کرنے والے کو دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ 15- اپنے کفر پر 16- اور میری دعوت کو قبول کرنا اپنی شان کے خلاف جانا۔ 17- بآواز بلند محفلوں میں 18- اور دعوت بالاعلان کی تکرار بھی کی 19- ایک ایک سے اور کوئی دقیقہ دعوت کا اٹھا نہ رکھا۔ قوم زمانہ دور دراز تک حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی کرتی رہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک دی۔ اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا چالیس سال تک ان کے مال ہلاک ہو گئے۔ جانور مر گئے جب یہ حال ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں استغفار کا حکم دیا۔ 20- کفر و شرک سے اور ایمان لا کر مغفرت طلب کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھولے کیونکہ طاعات میں مشغول ہونا خیر و برکت اور وسعت رزق کا سبب ہوتا ہے 21- توبہ کرنے والوں کو اگر تم ایمان لائے اور تم نے توبہ کی تو وہ 22- مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

اولاد بکثرت عطا فرمائے گا 23- حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے قلت بارش کی شکایت کی آپ نے استغفار کا حکم فرمایا۔ دوسرا آیا تنگ دستی کی شکایت کی اسے بھی یہی حکم فرمایا۔ پھر تیسرا آیا اس نے قلت نسل کی شکایت کی۔ اس سے بھی یہی فرمایا۔ چوتھا آیا اس نے اپنی زمین کی قلت پیداوار کی شکایت کی اسے بھی یہی حکم فرمایا ربیع بن صبیح جو حاضر تھے انہوں نے عرض کیا چند لوگ آئے قسم قسم کی حاجتیں انہوں نے پیش کیں۔ آپ نے سب کو ایک ہی جواب فرمایا کہ استغفار کرو۔ تو آپ نے یہ آیت پڑھی (ان حوائج کے لیے یہ قرآنی عمل ہے) یعنی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ 24- اس طرح کہ اس پر ایمان لاؤ۔ 25- کبھی نطفہ، کبھی علقہ، کبھی مضغہ یہاں تک کہ تمہاری خلقت کامل کی اس کی آفرینش میں نظر کرنا اس کی خالقیت و قدرت اور اس وحدانیت پر ایمان لانے کو واجب کرتا ہے۔ 26- حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آفتاب و مہتاب کے چہرے تو آسمانوں کی طرف ہیں اور ایک کی پشت زمین کی طرف تو آسمانوں کی لطافت کے باعث ان کی روشنی تمام آسمانوں پر پہنچتی ہے اگر چاند آسمان دنیا میں ہے 27- کہ دنیا کو روشن کرتا ہے اور اس کی روشنی چاند کے نور سے قوی تر ہے اور آفتاب چوتھے آسمان میں ہے۔ 28- تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے پیدا کر کے 29- موت کے بعد 30- اس سے روز قیامت 31- اور میں نے جو ایمان و استغفار کا حکم دیا تھا اس کو انہوں نے نہ مانا 32- ان کے عوام غرباء اور چھوٹے لوگ سرکش رؤسا اور اصحاب اموال و اولاد کے تابع ہوئے 33- اور وہ غرور مال میں مست ہو کر کفر و طغیان میں بڑھتا رہا 34- وہ رؤسا 35 کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام

علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہیں اوران کے متبعین کو ایذائیں پہنچائیں 36- روٴسا کفار اپنے عوام سے 37- یعنی ان کی عبادت ترک نہ کرنا 38- یہ ان کے بتوں کے نام ہیں جنہیں وہ پوجتے تھے بت تو ان کے بہت تھے۔ مگر یہ پانچ ان کے نزدیک بڑی عظمت والے تھے۔ ''ود'' تو مرد کی صورت پر تھا۔ اور ''سواع'' عورت کی صورت پر اور ''یغوث'' شیر کی شکل اور یعوق'' گھوڑے کی اور ''نسر'' کرگس کی شکل کا تھا۔ یہ بت قوم نوح سے منتقل ہو کر عرب میں پہنچے اور مشرکین کے قبائل نے ایک ایک کو اپنے لیے مخصوص کرایا۔ 39- یعنی یہ بت بہت سے لوگوں کے لیے گمراہی کا سبب بنے یا یہ معنی ہیں کہ روٴسا قوم نے بتوں کی عبادت کا حکم دے کر بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ 40- جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ 41- یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے جب انہیں وحی سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور لوگ ایمان لانے والے نہیں تب آپ نے یہ دعا کی۔ 42- طوفان میں 43- بعد غرق ہونے کے 44- جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکتا ہے۔ 45- اور ہلاک نہ فرمائے گا۔ 46- یہ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی سے معلوم ہو چکا تھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے اور اپنے والدین اور موٴمنین و موٴمنات کے لیے دعا فرمائی۔ 47- کہ وہ دونوں موٴمن تھے۔ 48- اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی قوم کے تمام کفار کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔

مندرجہ بالا اہم نکات کے نمبر 23 میں راوی کا نام حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن ضیاء القرآن، جلد 5، ص: 376 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ربیع الثانی، 1400ھ پر یہ تحریر ہے کہ ابن سبیح کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مختلف لوگ آئے اور مختلف شکایتیں کی تو آپ نے استغفار کی تلقین فرمائی۔ ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''

بت پرستی کی بنیاد

اسی ضیاء القرآن، جلد 5، ص: 379 پر بتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ موٴلف نے بھی قارئین کی دلچسپی کے لیے وہ تحریر یہاں تحریر کرنا چاہی ہے۔ وہ تحریر یہ ہے ''کتب تفسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود سواع وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار تھے جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پر ان کی جدائی بڑی شاق گزری۔ انہیں ان کی موت کا بے حد صدمہ ہوا کیونکہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نیکی کی دعوت دیتے تھے۔ خود بھی سراپا نیکی و طہارت تھے۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انہیں خدا کی یاد آتی تھی چنانچہ کسی کے مشورے سے (بعض نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا) ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کی شبیہوں کو دیکھ کر لوگوں کو سکون ملے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے۔ کئی نسلیں تو اس حالت پر گزریں لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصلی مقصد بھلا دیا اور شیاطین جن وانس کے اغوا کرنے پر اپنا معبود سمجھ لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے اور طوفان میں غرق ہو گئے۔ اس طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو آپ کے سفینہ میں سوار تھے اور جو توحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ جب کافی عرصہ گزر گیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں۔ حتیٰ کہ بت پرستی کی رسم بد بھی شروع ہو گئی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ تو سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بڑے دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جذبہ مذاہب پرستی کی تسکین کے لیے نئے بت تراشے اور انہیں ان پہلے دیوتاؤں کے نام سے موسوم کر دیا۔

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا اس نے تین صد چالیس (340) سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ شریف کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کی اولاد کے پاس رہی اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ وحدہ لا شریك کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ اسی بدبخت کے زمانہ میں بت خانہ بنا۔ عرب کے مختلف قبائل کے ہاں جو بت تھے ان میں بھی جن بتوں کی بڑی شہرت اور ناموری حاصل تھی۔ وہ پانچ بت بھی تھے۔ جن کے نام، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ عرب کے مختلف قبائل نے اپنے لیے ان میں ایک کو اپنا معبود بنایا۔ پھر پیر محمد کرم شاہ، ایم۔ اے الازہری رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو حد نگاہ کشادہ کرے اور آپ کے درجات درجوں بلند فرمائے اور اپنے مقربوں میں شامل فرمائے) فرماتے ہیں:

علم الاصنام۔اصنام ہی کی طرح، خرفات کا پلندہ ہے۔توہمات وتخیلات کا مجموعہ، جتنا اس کو سمجھنے کی کوشش کرو اتنا ہی یہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ قارئین کے ذوق تجسس کا پاس نہ ہوتا تو شاید یہ چند سطور بھی نہ لکھتا۔

پھر آگے فَاُدْخِلُوْا نَارًا (سورہ نوح، آیت:25) کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں۔(ص380، جلد5) ادخلوا پر فا عاطفہ ہے۔جہاں ترتیب اور تعقیب بتانا مقصود ہو یعنی یہ کام پہلے کام کے بعد ہوا۔اور اس کے بعد فوراً ہوا۔تو یہ فا استعمال ہوتی ہے۔یعنی ان کے غرق ہونے کے بعد فَاُدْخِلُوْا نَارًا کہ انہیں معاً آگ میں ڈال دیا گیا۔اسی سے اہل سنت و جماعت عذاب قبر پر استدلال کرتی ہے۔کیونکہ اگر یہ بتانا مقصود ہوتا کہ قیامت کے روز ان کو داصل جہنم کیا جائے گا تو فَاُدْخِلُوْا نہ کہا جاتا بلکہ ثُمَّ اُدْخِلُوْا ہوتا۔علامہ آلوسی لکھتے ہیں (اردو ترجمہ) یعنی اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے۔مقصد عذاب قبر ہے جو شخص پانی میں ڈوب جائے۔آگ میں جل جائے یا اسے درندے یا پرندے نوچ کھائیں تو اس کو بھی یہی عذاب ہوتا ہے جو اس ظاہری قبر میں مدفون کو ہوتا ہے۔معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔وہ برزخ کی زندگی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔انہوں نے اس آیت کی تاویلیں کی ہیں۔علامہ پانی پتی نے اس مقام پر ان کا رد کیا ہے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے متعدد احادیث نقل کیں ہیں۔ان میں سے صرف ایک پیش خدمت ہے:

حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (اردو ترجمہ)

میں نے جب بھی حضور نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا۔نماز کے بعد عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے۔(متفق علیہ)

حاشیہ: جس طرح بیان ہو چکا ہے کہ بتوں کا رواج کس طرح پڑا یعنی شیطان کے مشورہ سے عقیدت کے لیے اور یادگار بنا کر دل کو سکون پہنچانے کا ذریعہ سمجھ کر بتوں کو بنایا گیا۔بالکل اسی طرح آج کے دور میں بھی عقیدت مندوں نے اپنے اپنے مشائخ حضرات اور پیشواؤں کی تصویریں مختلف سائز کی بنا کر اپنے گھروں میں سجا رکھیں ہیں۔بازاروں میں بڑی بڑی تصویروں کی خرید وفروخت سر عام ہو رہی ہے۔بلکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ مشائخ حضرات کے آستانوں پر عرس کے موقع پر ان کی تصویریں سر عام فروخت ہو رہی ہیں اور مریدین خرید رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ برکت کے لیے گھر میں رکھیں گے۔کوئی ان کو نہیں روکتا کیا اس آستانے کے سجادہ نشینوں کو اس کا علم نہیں۔ضرور علم ہے لیکن وہ بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ان کی شان اور عزت میں اضافہ ہو رہا ہے۔یہ تو دین کے رہنماؤں کا حال ہے۔باقی آزاد خیال اور دنیا دار لوگوں نے اپنے ڈرائنگ روم اور شوکیس جانوروں، درندوں، پرندوں اور اپنے آباؤ اجداد اور اولاد کی تصویروں سے سجائے ہوئے ہیں۔بازاروں میں بڑی بڑی دوکانیں جانوروں حتیٰ کہ انسانوں کے مجسموں سے بھری پڑیں ہیں۔ان کا کوئی نہ کوئی جواز بنایا ہوا ہے۔میں دینی رہنماؤں اور ادب کے رہنماؤں سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سب کچھ اسی طرح بتوں کو پرستش نہیں تو اور کیا ہے؟ (مؤلف)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا:

(پ19، سورہ الشعراء، رکوع10، آیت:104-122) اردو ترجمہ:

"اور بے شک تمہارا رب وہی عزت والا مہربان ہے۔نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا1۔جب کہ ان میں سے ان کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں2۔بے شک میں تمہارے لیے اللہ عزوجل کا بھیجا ہوا امین ہوں3۔تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو|4 اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں5۔فرمایا مجھے کیا خبر ان کے کیا کام ہیں۔6 ان کا حساب تو میرے رب عزوجل ہی پر7 ہے اگر تمہیں حس8 ہو اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں9 میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے 10 والا۔بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے 11 تو ضرور سنگسار کیے جاؤ گے 12 عرض کی اے میرے رب عزوجل میری قوم نے مجھے جھٹلایا13 تو مجھ میں اور ان میں پورا فیصلہ کر دے۔اور مجھے اور میرے ساتھ والوں مسلمانوں کو نجات دے 14۔تو ہم نے بچا لیا اسے اور اس کے ساتھ

والوں کو بھری ہوئی کشتی میں 15۔ پھر اس کے بعد 16 باقیوں کو ڈبو دیا۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں اکثر مسلمان نہ تھے۔ اور بے شک تمہارا رب ہی عزت والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

اب اس کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کی جاتی ہے:

1- یعنی نوح علیہ السلام کی تکذیب تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ دین تمام رسولوں کا ایک ہے اور ہر ایک نبی لوگوں کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ 2- اللہ تعالیٰ سے کفر و معاصی ترک کرو۔ 3- اس کی وحی و رسالت کی تبلیغ پر اور آپ کی امانت آپ کی قوم کو مسلم تھی (یعنی قوم حضرت نوح علیہ السلام کو امین تسلیم کرتی تھی) جسے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت پر عرب کو اتفاق تھا۔ 4- جو میں توحید و ایمان و طاعت الٰہی کے متعلق بتاتا ہوں 5- یہ بات انہوں نے غرور سے کہی کہ غرباء کے پاس بیٹھنا انہیں گوارا نہ تھا۔ اس میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ اس لیے ایمان جیسی نعمت سے محروم رہے۔ کمینے سے مراد ان کی غرباء اور پیشہ ور لوگ (یعنی آج کل کی لوگوں کی طرح) تھے۔ اور ان کو رذیل اور کمینا کہنا یہ کفار کا متکبرانہ فعل تھا۔ ورنہ درحقیقت صفت اور پیشہ حیثیت دین سے آدمی کو ذلیل نہیں کرتا۔

غنا اصل میں دینی غنا ہے اور نسب تقویٰ کا نسب۔

مسئلہ:

مومنین کو رذیل (کمینہ) کہنا جائز نہیں خواہ وہ کتنا ہی محتاج و نادار ہو یا وہ کسی نسب کا ہو (مدارک) 6- وہ کیا پیشے کرتے ہیں مجھے اس سے کیا مطلب ہے میں انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ 7- وہی انہیں جزا دے گا۔ 8- تو نہ تم انہیں عیب لگاؤ نہ پیشوں کے باعث ان سے عار کرو۔ پھر قوم نے کہا آپ کمینوں کو اپنی مجلس سے نکال دو تا کہ ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ کی بات مانیں۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ 9- یہ میری شان نہیں کہ میں تمہاری ایسی خواہشوں کو پورا کروں اور تمہارے ایمان کے لالچ میں مسلمانوں کو اپنے پاس سے نکال دوں۔ 10- برہان صحیح کے ساتھ جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو جائے تو جو ایمان لائے وہی میرا مقرب ہے اور جو ایمان نہ لائے وہی دور۔ 11- دعوت و انداز سے 12- حضرت نوح علیہ السلام نے دربار الٰہی میں 13 تیری وحی و رسالت میں مراد آپ کی یہ تھی کہ میں جو ان کے حق میں بددعا کرتا ہوں اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے مجھے سنگسار کی دھمکی دی نہ یہ کہ انہوں نے میرے متبعین کو رذیل (کمینہ) کہا۔ بلکہ میری دعا کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے تیرے کلام کو جھٹلایا اور تیری رسالت کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ 14- ان لوگوں کی شامت احوال سے 15- جو آدمیوں پرندوں اور حیوانوں سے بھری ہوئی تھی۔ 16- یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دینے کے بعد۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کتنے لوگ ایمان لائے:

ساڑھے نوسو (950) سال تک آپ علیہ السلام نے ہر طرح تبلیغ کی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا لیکن چند آدمی ایمان لائے جن کی یہ تفصیل ہے: تین آپ علیہ السلام کے بیٹے سام، حام، یافث اور تین ان کی بیویاں اور ایک آپ علیہ السلام کی زوجہ اور ستر مرد و عورتیں بھی ایماندار کشتی پر بھی سوار تھے۔ یعنی مع حضرت نوح علیہ السلام کے کل اٹھہتر (78) آدمی کشتی پر سوار تھے۔ جن میں مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں تھے۔ (پ 18، سورہ مومنون، آیت: 27، کی تفسیر کے تحت خزائن العرفان کا بیان، تذکرۃ الانبیاء، ص: 98)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ:

1- آپ علیہ السلام کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے۔ بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

(12، سورہ ھود، آیت: 27، ترجمہ اردو کنزالایمان)

2-تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ ہم نے تو یہ اگلے باپ دادوں میں نہ سنا۔ (پ 18، سورہ مومنون، آیت: 24، کنز الایمان) اور وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانہ تک اس کا انتظار کئے رہو۔ (سورہ مومنون آیت: 25)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی عرض (مدد کرنے کیلئے) کرنے کے بعد فرمایا: اے نوح کشتی میرے حکم کے مطابق تیار کرو:

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب (عزوجل)! میری مدد فرما۔ اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا تو ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ہماری نگاہ کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا۔ پھر جب حکم آئے اور تنور ابلے تو اس میں بٹھا لے ہر جوڑے میں سے دو اور اپنے گھر والے۔ مگر ان میں سے وہ جن پر بات پہلے پڑ چکی اور ان ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا۔ یہ ضرور ڈبوئے جائیں گے۔ پھر جب ٹھیک بیٹھ لے کشتی پر تو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی اور عرض کر کہ اے میرے رب (عزوجل)! مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور بے شک ضرور ہم جانچنے والے تھے۔ (پ ۱۸ ارکوع ۲ سورۂ مومنون آیات ۲۶ تا ۳۰ ترجمہ کنز الایمان)

"اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے۔ مگر جتنے ایمان لاچکے۔ تو تم غم نہ کھا اس پر جو وہ کرتے ہیں 1 اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے 2- اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے مجھ سے بات 3 نہ کرنا۔ وہ ضرور ڈوبائے 4 جائیں گے۔ اور نوح کشتی بناتا ہے اور جب اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے ہیں اور اس پر ہنستے 5۔ بولا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں 6 گے۔ جیسا تم ہنستے ہو 7۔ تو اب جان جاؤ گے کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے 8 اور اترتا ہے وہ عذاب جو ہمیشہ رہے 9 یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا 10 اور تنور ابلا 11۔ ہم نے فرمایا کشتی میں سوار کرلے ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن پر بات پڑ چکی ہے۔ ان کے سوا اپنے گھر والے اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے 13۔ اور بولا اس میں سوار 14 ہو اللہ تعالیٰ کے نام پر اس کا چلنا اور 15 ٹھہرنا بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے اور وہی انہیں لے جا رہا ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ 16 اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے 17 تھا۔ اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ 198 نہ ہو۔ بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ کہا آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانا والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور ان کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبتوں میں 19 رہ گیا۔ اور حکم فرمایا گیا زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا۔ اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری 21 اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب (عزوجل)! میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے 22 اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حکم والا 23۔ فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں 24 بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں 25 میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی اے میرے رب عزوجل میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔ فرمایا گیا اے نوح کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے 26 ساتھ جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کے کچھ گروہوں 27 پر اور کچھ گروہ ہیں جنہیں ہم دنیا برتنے دیں گے 28 پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب 29 پہنچے گا۔ یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی 30 کرتے ہیں۔ انہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم 31 اس سے پہلے۔ تو صبر کرو۔ بے شک بھلا انجام پرہیزگاروں کا۔

(پ 12 رکوع 4 سورہ ہود آیات نمبر 36 تا 49 ترجمہ کنز الایمان)۔

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القرآن، جلد سوئم، ص: 253 پ 18، رکوع: 2، سورہ مومنون کی آیات نمبر 26 تا 30 کی تفسیر یوں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی دلآزاریوں سے تنگ آ کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کی تو آپ علیہ السلام کو حکم ملا کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی بناؤ۔ اور جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ عذاب الٰہی آن پہنچا ہے۔ اس وقت خود بھی اس میں سوار ہو جانا اور گھر والوں کو بھی سوار کر لینا اور ہر جانور کا جوڑا جوڑا بھی اس کشتی میں داخل کر لینا۔ لیکن خاندان کے ان لوگوں کے متعلق میری جناب میں عرض نہ کرنا۔ جن کے متعلق قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا جب تم اور تمہارے ساتھی آرام سے کشتی میں بیٹھ جاؤ اور طوفان کا پانی ہر طرف پھیلنے لگے اور اس کی سطح ہر لحظہ بلند ہوتی جائے جس میں ان کی آبادی ڈوبنے لگے تو اس وقت تم اپنے رب کریم کی حمد و ثناء شروع کر دینا جس نے اس ظالم قوم سے تمہیں نجات بخشی جو صبح و شام تمہیں اذیتیں پہنچاتی اور مذاق کیا کرتی تھی۔ اب دعا کرو کہ اے میرے رب عزوجل اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ آیت: 28 میں الحمد ...... الظلمین تک دعا کشتی میں بیٹھنے کے وقت پڑھنے کا حکم ہوا اور آیت: 29 وقل ربّ انزلنی منزلا مبٰرکا وانت خیر المنزلین ٥ تک کشتی کے اترنے کی دعا کا حکم فرمایا گیا۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور ہر نئی جگہ اترتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے اور فرماتے ہیں حضرت سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

صاحب خزائن العرفان بیان فرماتے ہیں: اس کشتی میں کل اٹھتر آدمی سوار تھے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام اور ایک آپ کی زوجہ تین آپ کے بیٹے حام، سام، یافث اور تین ان بیٹوں کی بیویاں اور ستر دوسرے مومن مرد اور عورتیں برابر برابر تعداد میں۔ اور آپ کے خاندان میں سے جن کے متعلق عذاب و ہلاک ہونا معین ہو چکا تھا اس میں ایک آپ کا بیٹا کنعان اور ایک آپ کی زوجہ یہ دونوں کافر تھے لیکن دوسری جگہ پارہ 12 سورہ ھود کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مقاتل کی روایت میں دوسرے کشتی میں سوار مومنوں کی تعداد 72 تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ صحیح تعداد کے بارے میں کوئی صحیح سند سے روایت نہیں ملی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

صاحب خزائن العرفان، پارہ 12 رکوع: 4، سورہ ھود، آیت: 36 تا 49 تک کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں:

نوٹ: قارئین حضرات قرآنی آیات کے ترجمے اور ان کی تفسیر کو باہم ملا کر پڑھیں تو مطلب سمجھ میں آ جائے گا۔

1- یعنی کفر اور آپ کی تکذیب اور آپ کی ایذا کیونکہ اب آپ کا ان سے انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔

2- ہماری حفاظت میں ہماری تعلیم سے۔

3- یعنی ان کی شفاعت اور دفع عذاب کی دعا نہ کرنا کیونکہ ان کا غرق ہونا مقدر ہو چکا ہے۔

4- حدیث شریف میں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بحکم الٰہی سال کے درخت بوئے بیس سال میں یہ درخت تیار ہوئے اس عرصہ میں مطلقاً کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ اس سے پہلے جو بچے پیدا ہو چکے تھے۔ وہ بالغ ہو گئے اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے میں مصروف ہو گئے۔

5- اور وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کو کہتے کہ کیا کرتے ہو آپ علیہ السلام فرماتے ایسا مکان بناتا ہوں جو پانی پر چلے یہ سن کر ہنستے کیونکہ آپ علیہ السلام کشتی جنگل میں بناتے تھے جہاں دور دور تک پانی نہ تھا۔ اور وہ لوگ تمسخر سے یہ بھی کہتے تھے کہ پہلے تو آپ علیہ السلام نبی تھے اب بڑھئی ہو گئے۔

6- تمہیں ہلاک ہوتا دیکھ کر ہم ہنسیں گے تم پر۔

7- کشتی دیکھ کر مروی ہے کہ یہ کشتی دو سال میں تیار ہوئی اس کی لمبائی تین سو گز چوڑائی پچاس گز اونچائی تیس گز تھی۔ اس میں اور بھی اقوال ہیں کہ اس کشتی میں تین درجے بنائے گئے تھے زیریں درجہ میں وحوش اور درندے اور ہوام اور درمیانے درجہ میں چوپائے وغیرہ اور طبقہ اعلیٰ میں خود حضرت نوح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے مومن ساتھی اور حضرت آدم علیہ السلام کا جسد مبارک جو عورتوں اور مردوں کے درمیان حائل تھا اور کھانے وغیرہ کا سامان تھا اور پرندے بھی اوپر ہی کے طبقہ میں تھے۔ (خازن ومدارک وغیرہ)

8- دنیا میں اور وہ عذاب غرق۔
9- یعنی عذاب آخرت۔
10- عذاب وہلاک کا۔
11- اور پانی نے تنور سے جوش مارا تنور سے مراد یا روئے زمین یا یہی تنور جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔ اس میں چند قول ہیں ایک میں وہ تنور حضرت حوا علیہا السلام کا پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جو شام میں تھا یا ہند میں اور تنور کا جوش مارنا عذاب آنے کی نشانی تھی۔
12- یعنی ان کا ہلاک ہونا معین ہو چکا تھا اور ان سے مراد آپ علیہ السلام کی بیوی واعلہ جو ایمان نہ لائی تھی اور آپ کا بیٹا کنعان ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سب کو سوار کیا۔ جانور آپ کے پاس آتے تھے اور آپ علیہ السلام کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں مادہ پر پڑتا تھا اور آپ سوار کرتے جاتے تھے۔
13- مقاتل کہتے ہیں کل مرد وعورت بہتر تھے اس میں اور بھی اقوال ہیں صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ان کی تعداد کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوئی۔
14- یہ کہتے ہوئے۔ اس میں تعلیم ہے کہ بندے کو چاہیے جب کوئی کام کرنا چاہے تو اس کو بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے تاکہ اس کام میں برکت ہو اور سبب فلاح ہو۔ ضحاک نے کہا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام چاہتے تھے کہ کشتی چلے تو بسم اللہ فرماتے تھے۔ کشتی چلنے لگ جاتی تھی اور جب چاہتے کہ ٹھہر جائے تو بسم اللہ فرماتے تھے۔ ٹھہر جاتی۔
15- چالیس شب وروز آسمان سے مینہ برستا رہا اور زمین سے پانی ابلتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام پہاڑ غرق ہو گئے۔
16- یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے جدا تھا آپ کے ساتھ سوار نہ ہوا تھا۔
17- کہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہ لڑکا منافق تھا اپنے والد پر اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور باطن میں کافروں کے ساتھ متفق تھا۔ (حسینی)
18- جب طوفان اپنی نہایت پر پہنچا اور کفار غرق ہو چکے تو حکم الٰہی عزوجل آیا۔
19- چھ مہینے تمام زمین کا طواف کر کے۔
20- جو موصل یا شام کی حدود میں واقع ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں دسویں رجب شریف کو بیٹھے اور دسویں محرم کو کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تو آپ علیہ السلام نے اس کے شکر کا روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بھی روزے کا حکم فرمایا۔
21- اور تو نے مجھ سے میرے اور میرے گھر والوں کی نجات کا وعدہ فرمایا۔
22- تو اس میں کیا حکمت ہے شیخ حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا منافق تھا اور آپ کے سامنے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا تھا۔ اگر وہ اپنا کفر ظاہر کر دیتا تو آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اس کی نجات کی دعا نہ کرتے۔ (مدارک التنزیل، ص: 254 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص: 113)
23- اس سے ثابت ہوا کہ نسبی قرابت سے دینی قرابت زیادہ قوی ہے۔
24- کہ وہ مانگنے کے قابل ہے یا نہیں۔
25- ان برکتوں سے مراد آپ کی ذریت اور آپ کے متبعین کی کثرت ہے کہ بکثرت انبیاء کرام علیہم السلام اور آئمہ دین آپ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا کہ یہ برکات۔
26- محمد ابن کعب خزاعی نے کہا کہ ان گروہوں میں قیامت تک ہونے والا ہر مومن داخل ہے۔
27- اس سے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد پیدا ہونے والے کافر گروہ مراد ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ان کی میعادوں تک فراخی عیش اور وسعت رزق عطا

فرمائے گا۔

28- آخرت میں۔

29- یہ خطاب سیّد عالم ﷺ کو فرمایا۔

30- خبر دینے۔

31- اپنی قوم کی ایذاؤں پر جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا۔

یہود اور اسرائیل نے کیسے غلط الزام اللہ تعالیٰ پر لگائے، صاحب تفسیر ضیاء القرآن کی تحقیق:

کئی کتب تفاسیر اور تاریخی کتب میں عجیب عجیب قصے کہانیاں من گھڑت انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر اعتراض کرنے اور اس کی طرف غلط احکام منسوب کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور انہوں نے یہود کی طرف سے شائع شدہ کتابوں کا سہارا لیا اور ان سے ایسے غلط واقعات کو اپنی کتب میں نقل کیا کہ عوام الناس جو کہ دینی علم کے لحاظ سے جاہل ہیں چاہے دنیاوی تعلیم کی بی-اے یا ایم-اے کی ڈگریاں لیے پھر رہے ہوں ان کو گمراہ کرنے کے لیے کیونکہ اس میں ایسے بیہودہ قسم کے دلچسپ واقعات تحریر کیے گئے ہیں جن کو وہ پڑھ کر اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔

ان کی نشاندہی بھی ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کے درجے بہت بلند فرمائے) نے فرمائی ہے جو یہود نے توریت کی آیتوں کو بدل کر اپنی خواہش کے مطابق آیات تحریر کر دیں۔ ان میں بہت سی ایسی ہیں جو کہ لکھنے یا زبان پر لانے کو دل نہیں تسلیم کرتا۔ ایسے ایسے بیہودہ الزام بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام پر لگائے ہیں جو کہ بیان نہیں کیے جا سکتے۔

ان میں ایک الزام جو ذات باری پر لگایا ہے وہ سنیئے۔ پیر صاحب مرحوم ضیاء القرآن جلد نمبر 2، ص:358، پ12، رکوع:4، سورہ ھود کی آیت:36 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلشرز لاہور 1402ھ کی تفسیر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ''جب ان کو درس توحید دیتے دیتے مدتیں گزر گئیں اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی مخالفت اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا گیا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یقیناً روحانی کوفت ہوتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اطمینان کے لیے ان کی طرف وحی فرمائی کہ جن کی قسمت میں دولت ایمان رقم تھی وہ ایمان لا چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہ لائے گا۔ اس لیے آپ ان کے لیے غم زدہ نہ ہوں۔ اب مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور ان کی تباہی کا وقت قریب آ پہنچا ہے توریت میں اس چیز کا جس طرح اور جن الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھئے۔ آپ کو خود بخود قرآن اور موجودہ توریت کا فرق سمجھ میں آ جائے گا۔''

''کتاب پیدائش'' کی آیات ملاحظہ ہوں:

''اور خدا نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں o تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا o اور خداوند نے کہا میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین سے مٹا دوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں o''

(باب 6 آیات:5-6 اور 7)

گویا پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال کا علم نہ تھا اس لیے اس کو پیدا کیا۔ اب جب اس کے کرتوتوں سے دنیا بھر گئی تو پتہ چلا کہ یہ کتنی خطرناک مخلوق تھی۔ اسے تو پیدا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب کف افسوس ملنے لگا۔

خود سوچئے کیا یہ اسلوب بیان شان الٰہی کے شایاں ہے۔ آگے اسی سورہ ھود کی آیت 38 کی تفسیر کرتے ہوئے ضیاء القرآن، جلد 2، ص:359 پر کشتی بنانے کی کچھ تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے یہ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کر دی۔ لیکن اس کا طول و عرض کیا تھا؟ اس کی بلندی کتنی تھی؟ اس میں دروازے اور کھڑکیاں کتنی تھیں؟ یہ ایک منزلہ تھی یا سہ منزلہ؟

حاشیہ: لیکن اس کے باوجود ضیاء القرآن، جلد 2 ص:45 کے حوالہ سے توریت کی کتاب پیدائش، باب 6، آیت:15 سے کشتی کے بارے جو تحریر ہے پیش خدمت ہے۔ طوفان نوح کا تخمینی سال 3200 ق م فی الفلک کے لفظ سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققین اثریات کا خیال ہے کہ خاصا بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا اور اس کی پیائش تورات میں یہ ہے لمبائی 300 ہاتھ، چوڑائی 50 ہاتھ، اونچائی 30 ہاتھ (پیدائش 15:6) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً (Linner) چلتے ہیں حسب توریت یہ جہاز 150 دن پانچ ماہ چلتا رہا۔ (ماخوذ از تفسیر ماجدی) واللہ اعلم۔

یہ کس لکڑی سے بنائی گئی تھی؟ ان تمام تفصیلات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ ان امور کا عبرت پذیری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بعض علماء تفسیر نے اسرائیلی روایات اور مصادر کی روشنی میں ان امور کی تفصیل بیان کی ہے۔ لیکن امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ناپسندگی کا اظہار فرمایا ہے اور فرماتے ہیں (ترجمہ اردو)

''یعنی مجھے اس قسم کی مباحث بالکل پسند نہیں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ وہ اتنی وسیع تھی کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام، آپ کا کنبہ اور آپ کے پیروکار اور جانوروں کا جوڑا جوڑا سما سکتا تھا۔'' (تفسیر کبیر)

تنبیہ:

حضرت محمد بن علی باقر اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کنعان نوح کی زوجہ کا بیٹا کسی اور خاوند سے تھا۔ آپ کا اپنا بیٹا نہ تھا۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ پڑھتے تھے (ونادی نوح ابنها) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی زوجہ کے بیٹے کو آواز دی کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔

حضرت قتادہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی وہ آپ کا بیٹا نہ تھا۔

تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے کلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا (ان ابنی من اهلی) بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ تو میرے قول کی تائید ہے کہ نوح علیہ السلام نے کہا میرا بیٹا میری اھل سے ہے۔ آپ نے یہ تو نہیں کہا (ان ابنی منی) یعنی میرا بیٹا جو میرا ہی ہے۔ (بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:113 تفسیر کبیر، ج:7 ص:231 زیر آیت وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ)

تنبیہ:

حضرت نوح علیہ السلام کی ایک زوجہ جس کا نام ''والهة'' تھا۔ یہ کافرہ تھی اور لوگوں کو بھی کہا کرتی تھی (معاذ الله) نوح مجنون (دیوانہ) ہے اس کی بات نہ مانا کرو۔ وہ بھی غرق ہوگئی۔

تفسیر جلالین میں (اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ) کے قول کے ماتحت آپ کے بیٹے کنعان اور آپ کی بیوی دونوں کا ذکر ہے یعنی یہ دونوں کافر تھے اور غرق ہوگئے۔ (روح المعانی، جلد 14، ص:192، بحوالہ ''تذکرۃ الانبیاء، ص:114)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی حضرات نے روایت بیان کی ''مازنت امراة نبی قط'' کسی نبی کی کوئی عورت کبھی زانیہ نہیں تھی۔

اکثر نے اس حدیث کی سند کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور مرفوع قرار دیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عورتیں زانیہ تو نہیں تھی۔ البتہ کسی سے کفر سرزد ہونے میں کوئی جرح نہیں کیونکہ بدکاری کو ہر زمانے میں برا سمجھا جاتا رہا۔ اور لوگوں کی طبائع اس سے متنفر رہیں۔ اس لیے نبی کی بیوی میں ایسا فعل پایا جائے تو نبی میں نقص اور عیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو عیوب اور نقائص سے پاک پیدا فرمایا ہے لیکن کفر کو کافر لوگ اپنا حق مذہب سمجھتے تھے۔ اس لیے کفران کے نزدیک عیب کی بجائے کمال سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا کفر انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویوں میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ (روح المعانی، جلد 14، ص:192، بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:114)

فائدہ:

طوفان سے وہی لوگ یا جانور بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ باقی تمام انسان چوپائے، پرندے اور دوسرے وحشی جانور وغیرہ طوفان میں غرق ہو گئے۔ اور غرق ہونا عاقل بالغ کافروں کے لیے تو عذاب تھا ان کے علاوہ دوسرے غرق ہونے والوں کے لیے عذاب نہیں تھا۔

(صادی حاشیہ جلالین، ص:183 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:115)

حدیث شریف میں آیا ہے۔ ترجمہ اردو: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو سب اچھے اور برے اس عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر جب اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔'' (بخاری، جلد 2، ص:1052 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:115)

یعنی نیک لوگوں کو دنیا میں عذاب ذلت کے لیے نہیں ہوگا۔ اس لیے وہ اپنے اچھے اعمال کے مطابق ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

کشتی جودی پہاڑ پر کیوں رکی؟

تمام پہاڑ اپنی اپنی بلندی پر تکبر کر رہے تھے اور اترا رہے تھے لیکن جودی پہاڑ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی عاجزی ہی کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ تکریم عطا فرمائی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر آ کر ٹھہری (من تواضع اللہ سبحانہ رفعہ)

ترجمہ: ''جس نے عاجزی کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت عطا کی۔''

(روح المعانی، جلد 7، ص:62 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:115)

خیال رہے جودی پہاڑ موصل یا شام کے علاقہ میں ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ پانی حرم شریف میں داخل نہیں ہوا۔

(تذکرۃ الانبیاء، ص:115)

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مختلف قول بعض واقعات یا نسب یا مدت عمر وغیرہ

نمبر 1: نسب:

پہلا قول: نوح بن لامک بن متوالح بن ادریس وھو اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن حضرت آدم علیہ السلام واللہ اعلم

(عبدالوہاب نجار قصص الانبیاء، بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 3، ص:523 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، محرم الحرام 1399ھ)

دوسرا قول: حضرت نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام) بن الیارذ بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن حضرت آدم علیہ السلام (الذکر الحسین، ص:39-40) اور تفسیر الحسنات، جلد 3، ص:157)

تیسرا قول: حضرت نوح علیہ السلام بن لامک (لمک) بن متوشلخ بن خنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام، (یا اخنوخ یا اشخ یا اخ) بن یرد (یا بیرد) بن مہلائیل بن قائن یا قینن بن انوش بن شیث بن حضرت آدم علیہ السلام (تاریخ ابن خلدون، ج:2، ص:53)

نمبر 2: حضرت نوح علیہ السلام کی عمر:

پہلا قول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور نو سو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی جیسا کہ قرآن پاک سورہ العنکبوت آیت نمبر 14 میں ہے۔ اور پھر طوفان کے بعد ساٹھ (60) سال دنیا میں زندہ رہے اس حساب سے آپ کی مجموعی عمر ایک ہزار پچاس سال (بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد 3، ص:157) اس تفسیر میں اسی صفحہ پر مقاتل کہتے ہیں کہ آپ سو سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔

ایک قول میں آپ کی بعثت پچاس سال کی عمر میں ہوئی۔

ایک قول کہ آپ دو سو پچاس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے۔ پھر طوفان کے بعد دو سو پچاس سال زندہ

رہے اس طرح آپ کی مجموعی عمر ایک ہزار ساڑھے چار سو سال تھی۔
(مندرجہ بالا قول تفسیر الحسنات، جلد 3، ص: 157 کے حوالہ سے ہیں۔)

دوسرا قول: آپ علیہ السلام کو چالیس (40) سال کے بعد اعلان نبوت دیا گیا۔ ساڑھے نوسو (950) سال قوم میں ٹھہرے۔ پھر طوفان کے بعد دو سو پچاس (250) سال زندہ رہے۔ آپ کی کل عمر ایک ہزار دو سو چالیس (1240) سال ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص: 96)

اس میں اور قول بھی ہیں لیکن زیادہ اسی قول کو مانا گیا ہے۔ (صاوی، پ 8، زیر آیت ولقد ارسلنا نوحا حاشیہ جلالین ص: 34 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص: 95)

ضیاء القرآن جلد 2، ص: 42 سورہ الاعراف کی آیت نمبر 59 کی تفسیر کے تحت یہ عبارت تحریر ہے۔ توریت کے چھٹے باب میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مرقوم ہے ''نوح فرد راست باز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا (پیدائش 9:6) لیکن اس راست باز اور بے عیب ہستی کے متعلق تورات کی یہ آیتیں جب نظر سے گزرتی ہیں تو انسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ طوفان سے بخیر و عافیت بچ نکلنے کے بعد ''نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے (شراب) پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ پر برہنہ ہو گیا۔ (پیدائش 20:9) کیا لوگوں کو پاکبازی اور تقویٰ کی راہ دکھانے والا، کیا نبوت کے شرف سے مشرف ہو کر آنے والا ایسی مذموم حرکت کر سکتا ہے۔ کیا اخلاقی لحاظ سے وہ اتنا پست ہو سکتا ہے کہ وہ شراب سے بدست ہو کر ڈیرہ پر برہنہ ہو گیا۔ جہاں اس کی بہو بیٹیاں موجود ہوں گی۔ معاذ اللہ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اس الزام کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تصریح کی ہے کہ حیاسوز مے خواری کی یہ حکایت اس مقدس رہنما کی پاکیزہ سیرت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ جلد 16، ص: 476

"NOR DOES THE HAMELESS DUE NKENNESS OF NOAH ACCORD WELL WITH THE CHARACTER OF THE PIDUS HERO OF THE FLOOD STORY" VOLUME 16:476

آپ علیہ السلام کی سب سے نمایاں صفت

ضیاء القرآن، جلد سوئم، ص: 522 مطبوعہ محرم الحرام پر بیان کیا گیا ہے کہ کہتے ہیں آپ علیہ السلام نے اپنی رہائش کے لیے سرکنڈوں کا مکان بنایا ہوا تھا۔ کسی نے عرض کی حضرت! کوئی پختہ اور عمدہ مکان بنائیے۔ فرمایا ھذا کثیر لمن یموت جس نے موت کا پیالہ پینا ہے اسے اتنا ہی کافی ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام ہی پہلے نبی مبعوث ہوئے اور آپ علیہ السلام نے ہی حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کو منسوخ کیا اور آپ علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے خداوند کریم کے حکم سے نماز کے اوقات مقرر فرمائے۔ (تاریخ ابن خلدون، ص: 57)

حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال کے وقت سے طوفان تک دو ہزار دو سو بیالیس برس ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد: 2، ص: 57 اور ص: 58 پر یہ بھی تحریر ہے کہ طوفان کے بعد آپ علیہ السلام تین سو پچاس سال دنیا میں زندہ رہے۔ واللہ اعلم۔

اب انشاء اللہ قارئین کرام کی دلچسپی اور مفید معلومات کے لیے تاریخ ابن خلدون، جلد 2 کا صفحہ 53 تا 66 نقل کیا جاتا ہے۔

عالم کے انساب اور دیگر واقعات

علمائے نسب نے اتفاق کے ساتھ یہ بات قبول کی ہے کہ ابوالبشر (آدمیوں کے باپ) حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور پھر ان کی اولاد کی نسل سے نوح علیہ السلام تک تعمیر عالم اور زمین آباد ہوتی رہی۔ اور ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام اور ملوک ہوتے رہے لیکن جب ان لوگوں میں بت پرستی، شرک اور الحاد حد سے زیادہ بڑھ گیا تو نوح علیہ السلام کی دعا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (سورۂ نوح:26) (ترجمہ: "اے پروردگار زمین پر کسی کافر کے گھر کو نہ چھوڑ) سے بہت عظیم طوفان آیا اور سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفس اس جانکاہ عذاب سے جان بر نہیں ہوا۔ کشتی والوں نے چونکہ نہ تو اپنے بعد کوئی اولاد چھوڑی نہ ان کے توالد و تناسل کا سلسلہ چلا لہٰذا تمام اہل عالم نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آپ علیہ السلام ہی تمام عالم کے ابوالبشر ثانی ہیں۔ ان کا نسب توریت اور ماہرین انساب کے اتفاق سے یہ ہے:

نوح ابن لامک (یالمک) ابن متوشلخ ابن خنوخ (یا اخنوخ یا اشنخ یا ارخ) ابن یرد (یا بیرد) ابن مہلائیل (یا ماہلائیل) ابن قائن (یا قینن) ابن انوش ابن شیث ابن آدم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام۔ شیث کے معنی ہیں عطیۃ اللہ۔ ابن اسحاق لکھتا ہے کہ ادریس نبی کا نام خنوخ تھا لیکن دیگر اہل انساب اس بات کے مخالف ہیں۔ ابن اسحاق یہ بھی لکھتا ہے کہ ادریس نبی وہی ہیں جو فن حکمت میں ہرمس حکیم کے نام سے مشہور ہیں، واللہ اعلم عزوجل۔ ان اسماء میں اختلاف اس وجہ سے ہے کہ اہل عرب نے درجہ بالا اسماء کو اہل توریت سے لیا ہے اور یہ امر واضح ہے کہ اہل توریت کے مخارج حروف اور اہل عرب کے مخارج حروف میں بہت بڑا فرق ہے۔

نوح علیہ السلام کا طوفان:

زند خوانان فارس اور بیدانان ہند طوفان نوح کے واقعے سے انکار کرتے ہیں۔ فارس کے چند علماء یہ کہتے ہیں کہ طوفان صرف بابل کی سرزمین میں آیا تھا حالانکہ آسمانی کتب اس طوفان عالمگیر کی پورے طور سے شہادت دیتی ہیں۔ نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں یعنی سام، حام، یافث سے دنیا کی تمام قومیں پیدا ہوئیں۔ یافث بڑے، حام چھوٹے، سام منجھلے تھے۔

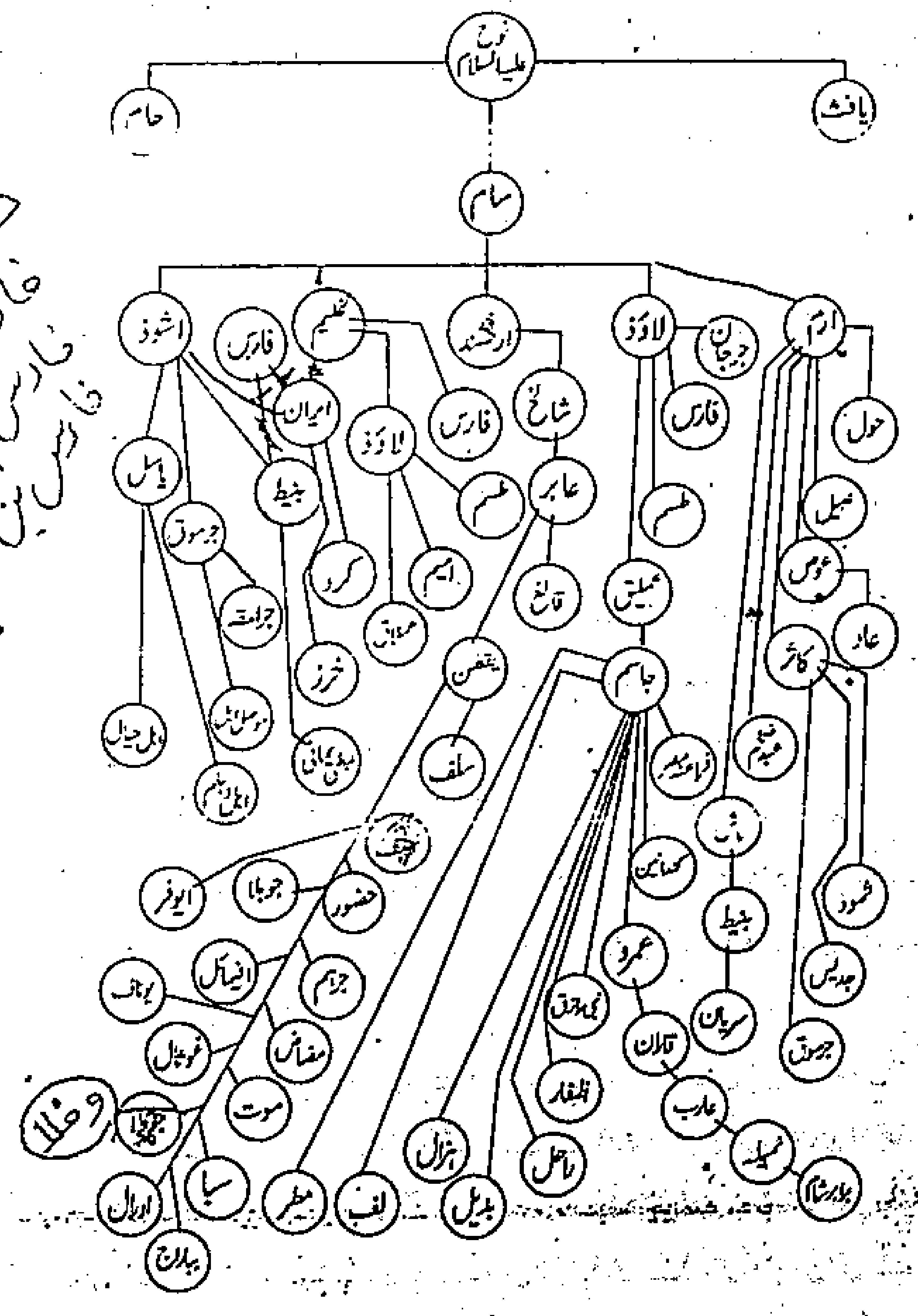
طبری نے باب احادیث مرفوعہ میں ایسے ہی نقل کیا اور بیان کیا ہے: سام ابوالعرب (پدر عرب) اور یافث ابوالروم (پدر روم) اور حام ابوالحبش والزنج (پدر حبش و زنگ) ہے۔ بعض کتب میں یوں مذکور ہے کہ سام ابوالعرب والفارس والروم (پدر عرب و فارس و روم) اور یافث ابوالترک والصقالبہ و یاجوج و ماجوج (پدر ترک و صقالبہ و یاجوج ماجوج) اور حام ابوالقبط والسودان والبربر (پدر قبط و سوڈان و بربر) ہے۔ ابن مسیّب اور وہب ابن منبہ سے بھی یوں ہی روایت کی جاتی ہے۔ بہر حال اگر یہ احادیث درست مان لی جائیں تو یہ اجمالی انساب ہیں، محققین انساب نے انساب کی جو شاخیں بیان کی ہیں ان کے لیے کوئی صحیح نقل ہونی چاہئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کا ایک لڑکا کنعان جسے عرب یام کہتے ہیں، طوفان میں ہلاک ہوا تھا (کنعان کا ذکر توراۃ میں انہی لفظوں میں مذکور ہے۔ قرآن میں نام کی تصریح نہیں لیکن دیگر واقعات موجود ہیں۔ جو اس امر پر شاہد ہیں کہ یہ وہی کنعان ہے کیونکہ ان کے سوا نوح علیہ السلام کا کوئی اور لڑکا غرقاب نہیں ہوا) جبکہ دوسرا لڑکا عابر نامی قبل طوفان انتقال کر چکا تھا۔ ہشام نے لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک لڑکا اور تھا جس کا نام بوناطر رتھا۔ واللہ اعلم عزوجل۔ تاہم جس بات پر تمام علماء تاریخ نے اتفاق کیا ہے وہ یہ ہے کہ سلسلہ توالد و تناسل انہی تین لڑکوں حام، سام، یافث سے چلا اور یہ ہی ابوالبشر ثانی نوح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام عالم کے مورث ہیں۔

سام بن نوح علیہ السلام کا بیان:

سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے عرب، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے لڑکے ہیں۔ ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ ان کے پانچ لڑکے تھے یعنی ارفخشد، لاوذ، ارم، اشوذ اور غنیم۔ علاوہ ازیں اولاد لاوذ ابن سام کا توریت میں کچھ ذکر نہیں۔ لیکن ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ لاوذ سے طسم عملیق، جرجان،

ولادت نے جگہ ۔ ب ی ترقیاں کیں، اس ن نسل سے مشرق میں اہل چین اور مغرب میں المان (جرمن) والے ہیں۔ بعض لوگوں نے افریقہ میں
نیسیوں کو بھی قسطوبال ہی کی نسل ۔ ے شہ کیا ہے لیکن ن کا خیال ہے کہ اہل اندلس بھی اسی کی نسل سے ہیں اور ان سے زیادہ قدیم ہیں۔
ن یافث کی طرف اہل خراسان منسو ۔ ۔ ب ہیں جبکہ ماذائے ابن یافث سے صرف ایک لڑکا دیلم جسے زبان عبرانی میں ماہان
پیدا ہوا۔ طیراش ابن یافث سے ایک لڑکا فا ۔ را ہوا۔ اسرائیلی علماء کے مطابق طیراش کی اولاد خراسان میں دولت وحکومت کی مالک
بیان کے قبضہ اقتدار سے زمام حکومت ۔

بنی سام کا شجرہ نسب



فارس چار لڑکے پیدا ہوئے۔ عملیق سے جاسم کا گروہ ہے جن میں سے فراعنہ مصر، کنعانیین، برابرہ شام بنی لف، بنی ہزال، بنی مطر، بنی ارزق، بدیل، راحل، ظفار ہیں۔ ارم ابن سام کے چھ لڑکے ہوئے یعنی عبیل عبد ضخم، عوض، کاثر، ماش، (یا مشیخ) حول، عاد بن عوض زمین احقاف میں حضر موت کے اردگرد میں رہتا تھا جبکہ اولاد کاثر سے ثمود، جدیس، جرموق ہیں۔ ثمود کا مسکن شام اور حجاز کے درمیان مقام حجر میں تھا۔ طبری روایت کرتا ہے کہ عاد، ثمود، عبیل، طم جدیس، امیم، عملیق کو اللہ تعالیٰ نے زبان عربی سکھائی تھی اور یہی لوگ عرب عاربہ کہلاتے ہیں۔ کبھی یقطن کو بھی عرب عاربہ شمار کیا جاتا ہے۔ اور عرب عاربہ کو عرب بادیہ بھی کہتے ہیں لیکن ان کا وجود اب کہیں نہیں پایا جاتا کیونکہ سب ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہشام ابن محمد کا یہ خیال ہے کہ نبطی اولاد نبط بن ماش بن ارم سے اور سریان بنی سریان بن نبط سے ہیں۔ اس کے علاوہ اشوذ بن سام کے چار لڑکے ایران، نبط، جرموق، باسل ہیں۔ ایران سے فارس و کرد اور خرز، نبط سے نبط اور سریان، جرموق سے جرامقہ اور اہل موصل، باسل سے اہل دیلم اور اہل جبان ہیں (بکذا رواہ ابن سعید) غنیم ابن سام کے لڑکے فارس اور لاوذ ہیں اور لاوذ کے تین لڑکے طسم، امیم، عملاق مشہور ہیں۔ یاد رہے کہ ارفخشد ابن سام وہی بزرگ ہے جسے عالم میں یہ شرف عظیم حاصل ہوا کہ اس کی نسل سے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام پیدا ہوئے۔ اس کے خاندان میں جس طرح نبوت کا سلسلہ نسل بعد نسل چلتا نظر آتا ہے اسی طرح حکومت بھی اسی خاندان میں رہی۔ اس کی پشت سے شالخ اور شالخ کی پشت سے عابر پیدا ہوا، جس کے دو لڑکے تھے۔ ایک فالغ اور دوسرا یقطن۔ محققین انساب کے نزدیک اسی کو قحطان کہتے ہیں کیونکہ عرب نے یقطن کو معرب کر کے قحطان بنالیا ہے۔ فالغ سے ابراہیم اور ان کی نسلیں ہیں جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔ یقطن سے بہت سی شاخیں نکلی ہیں، توریت میں ان سے صرف تین یعنی مرواد، معربہ، مضاض، کا ذکر ہے حالانکہ جرہم حضور، سالف، سبا، حضر موت، بارازح، اوزال، وفلا، عوثال، افیما تیل، ابوفیر، جوبلا، یوفاف اسی یقطن ابن سام کی نسل سے ہیں۔ حضور اور اہل سالف کے مورث اعلیٰ ہیں اور سبا یمن وحمیرو تبابعہ کے جبکہ ابوفیر ہندو سندھ کا جد اعلیٰ ہے۔ (شجرہ نسب بنی سام)۔

یافث کا خاندان:

یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے اہل انساب کے نزدیک اہالیان ترک، چین، صقالیہ، ترک، یاجوج وماجوج ہیں۔ ان کے دو پچھلوں یعنی (یاجوج وماجوج) میں کچھ اختلاف ہے جیسا کہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔ یافث کے سات لڑکے کومر، یاوان، ماغوغ، قطویال، ماشخ، ماذا تے طرائیش تھے جیسا کہ توریت میں ہے، ابن اسحاق نے بھی انہی کا ذکر کیا ہے۔ اسرائیلی انساب کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ توغزما ابن ترک ابن کومر سے اہل خزر، اشبان ابن ترک سے صقالیہ اور ریفات ابن ترک سے فرانسیسی ہیں۔ ترک کی تمام شاخیں کومر کی اولاد سے ہیں۔ علامہ ابن سعید ترک کو عامور ابن سویل ابن یافث کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ عامور اور کومر دو شخص نہیں، کومر کو عامور بھی کہا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ہمارے خیال میں ان دونوں روایتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ علامہ ابن سعید کی تحریر واضح شہادت دے رہی ہے کہ عامور یافث کا پوتا ہے اور توریت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کومر یافث کا لڑکا ہے۔ واللہ اعلم عزوجل۔

بہرحال کومر ابن یافث سے ترک پیدا ہوا اور ترک کے اجناس سے غور، خرز، قفچاق، (یا خفشاخ) یمک، علان (جس کو آز بھی کہتے ہیں) شرکس (یا چرکس) ازکش، طغرغر (جس کو تتر بھی کہتے ہیں اور یہ ارض طمغاج میں رہتے تھے) خطا، الغز، توغرما، اشبان، ربغاث، صیاطلہ ہیں۔ انساب کے نزدیک طغرغر تاتاریوں کا، الغز سلجوقیوں کا، ہیاطلہ خلجیوں کا اور ریفات فرانسیسیوں اور خرز ترکمان کا مورث اعلیٰ ہے لیکن بعض علمائے نسب کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترکمان اولاد توغرما سے ہیں۔ یاوان ابن یافث کے (جس کو یونان بھی کہتے ہیں) چار لڑکے داؤد بن ایشا، کیتم، ترشیش پیدا ہوئے جبکہ انساب کے علماء ابوالروم، (پدر روم) اور ترشیش کو اہل طرسوس کا مورث اعلیٰ بتلاتے ہیں۔ ماغوغ ابن یافث کی نسبت یہ مشہور ہے کہ یاجوج اسی کی اولاد سے ہیں۔ روم کے مؤرخ اہر دشیوش نے قوط اور لطین کو بھی ماغوغ کی اولاد سے شمار کیا ہے۔ قطوبال ابن یافث کی اولاد نے بھی خوب نسلی ترقیاں کیں، اس کی نسل سے مشرق میں اہل چین اور مغرب میں المان (جرمن) والے ہیں۔ بعض لوگوں نے

افریقہ میں بربریوں اور فرانسیسیوں کو بھی قطوبال ہی کی نسل سے شمار کیا ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ اہل اندلس بھی اسی کی نسل سے اور ان سے زیادہ قدیم ہیں۔

ماشخ ابن یافث کی طرف اہل خراسان منسوب کئے جاتے ہیں جبکہ ماذائے ابن یافث سے صرف ایک لڑکا دیلم جسے زبان عبرانی میں ماہاں کہتے ہیں، پیدا ہوا۔ اسرائیلی علماء کے مطابق طبراش کی اولاد خراسان میں دولت وحکومت کی مالک تھی لیکن اب ان کے قبضہ اقتدار سے زمام حکومت جاتی رہی۔

حام کی اولاد کا بیان:

حام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے سوڈان، ہند، سندھ، قبط، کنعان ہیں۔ لیکن پچھلے دو میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ توریت میں ہے کہ ان کے چار لڑکے مصر (یا مصرائم)، کنعان، کوش، قوط تھے۔

مصر ابن حام کے سات لڑکوں میں سے لہابیم، یقتوجیم، لودیم کے حال تاریخی کتب سے معلوم نہیں ہوئے اور نہ ان کا کچھ ذکر توریت میں ہے۔ باقی رہے کسلوجیم، فتردیم، کفتورع، عفامیم، یہ سب اسکندریہ اور اطراف اسکندریہ میں آباد اور مقیم ہوئے۔ کنعان ابن حام کے بارہ لڑکے مشہور ہیں اور ان کے نام کتب میں ملتے ہیں: (1) صیدون۔ اطراف صیدا میں اس کی نسل پھیلی۔ (2) ایموری۔ (3) کرشان (ان دونوں کی اولادیں شام میں رہتی تھیں لیکن یوشیع کے غلبے کے بعد افریقہ چلی گئیں) (4) بوسا۔ یہ بیت المقدس شریف میں رہا اور اس کی یہیں نسل پھیلی، داؤد کے غلبے کے بعد اس کی اولاد افریقہ اور مغرب کی طرف بھاگ گئی۔ قیاس ظاہراً یہ شہادت دیتا ہے کہ بربران ہی مفرورین کی اولاد سے ہیں، گو محققین علمائے نسب نے انہیں مازیغ ابن کنعان کی اولاد سے بتلایا ہے۔ ممکن ہے کہ مازیغ ان ہی لوگوں میں سے ہو۔ (5) مازیغ۔ (6) حیث۔ اعوج بن عناق یا عنق اس کی نسل کا معروف بادشاہ ہے۔ (7) عرفان۔ (8) اروادی۔ (9) خوئی، ان لوگوں نے اپنی قیام گاہ نابلس کو بنایا۔ (10) سبا (یہ طرابلس میں رہا) (11) ضمارائے (اس نے حمص کو جائے سکونت ٹھہرایا) (12) حماد (یہ انطاکیہ میں مقیم ہوا۔) کوش بن حام کے پانچ لڑکوں سفنا، سبا، جوبلا (یہی اہل برقہ کا مورث اعلیٰ ہے) رعماء، سفخا، کا ذکر توریت میں بھی ہے لیکن ہشام ابن محمد کی روایت یہ شہادت دیتی ہے کہ ثمود کوش ابن حام کا چھٹا لڑکا ہے۔

قوط ابن حام سے ایک لڑکا قبط پیدا ہوا، اکثر بعض علماء نسب قبطیوں کے خیال میں یہ ہی قبطیوں کا جد اعلیٰ ہے۔ سوڈانیوں اور حبشیوں کی نسبت طبری کی روایت واضح طور پر یہ شہادت دے رہی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جنس اور ایک ہی نخل کی شاخ یعنی حام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ہشام ابن محمد تحریر کرتا ہے کہ کنعان ابن حام کا ایک لڑکا ان بارہ لڑکوں کے علاوہ کوش نامی تھا جس کی اولاد سے نمرود پیدا ہوا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی روداد:

مؤرخ علامہ ابن خلدون نے کسی وجہ سے نوح علیہ السلام کے حالات تحریر نہیں کئے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کے شائقین ان سے واقف ہوں۔

سب سے پہلے نوح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ادریس علیہ السلام کے بعد نبوت سے سرفراز کئے گئے۔ آپ پہلے نبی ہیں جن کی شریعت نے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کو منسوخ کیا۔ آپ کی دعا سے کفار وملحدین عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور سب سے پہلے آپ ہی نے نماز کے اوقات حکم خداوندی کے مطابق مقرر فرمائے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا چہرہ نرم، سر بڑا اور طول کی جانب مائل تھا۔ آنکھیں بڑی اور بازوؤں پر گوشت تھا۔ پنڈلیاں پتلی اور رانیں موٹی تھیں۔ آپ کی جیسی داڑھی بڑی تھی ویسا ہی قد وقامت بھی موزوں تھا۔ مزاج میں غصہ تھا۔ پچاس برس کی عمر میں نبی ہوئے اور نو سو پچاس برس تک وعظ و پند کرتے رہے لیکن بدنصیب قوم نے گمراہی کفر والحاد کو پھر بھی نہیں چھوڑا۔

جس وقت آپ کی عمر چھ سو برس سے متجاوز ہوگئی تو آپ کی بددعا سے ایک عالم گیر طوفان آیا۔ جس سے کئی کفار ہلاک ہوئے اور مومنین نے

نجات پائی۔طوفان کے واقعات ہم شہرت کے باعث نہیں لکھ رہے۔البتہ یہ لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ پانی کا یہ طوفان ایک سو پچاس دن تک رہا۔دسویں رجب کو کشتی جس پر جناب نوح علیہ السلام اپنے خاندان اور چالیس آدمیوں کے ساتھ سوار تھے،جبل جودی پر رکی جو کہ سرزمین جزیرہ میں ہے۔دسویں محرم کو کشتی سے اتر کر آپ قریہ قردوی میں فروکش ہوئے اور اس کا نام سوق ثمانین رکھا کیونکہ اس وقت وہ قریہ انہی اسّی گھروں سے آباد کیا گیا تھا۔اس وقت تک وہ اسی نام سے موسوم ہے۔(کشتی میں سوار افراد کی تعداد بحوالہ خزائن العرفان 78 تھی جس کی تفصیل اس سے قبل صفحہ پر بیان ہو چکی ہے اور مقاتل کا بیان 133 پر ہے کہ دوسرے سوار مومنوں کی تعداد 72 تھی۔لیکن ساتھ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ صحیح تعداد کے بارے میں کوئی صحیح سند نہیں ہے روایت نہیں ملی۔(اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہیں)''واللہ اعلم''

کشتی سے اترنے کے بعد آپ نے اہل کشتی کے ہمراہ حکم خداوندی کے مطابق قربانی کی۔جب رمضان کا مہینہ آیا،تو آپ نے روزے رکھے۔آپ طوفان کے بعد تین سو پچاس برس زندہ رہے،اس حساب سے آپ کی عمر پورے ایک ہزار سال کی ہوئی جیسا کہ کلام مجید،فرقانِ حمید کی اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے:فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما۔(العنکبوت:14)(اپنی قوم میں نوح علیہ السلام ایک ہزار سال رہے باستثناء پچاس برس)یعنی نو سو پچاس برس یعنی نبوت کے بعد اور پچاس برس نبوت سے قبل۔آدم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے وقت سے زمین کے غرق ہونے (یعنی طوفان) تک دو ہزار دو سو بیالیس برس ہوتے ہیں۔واللہ اعلم عزوجل۔

سرزمین عرب کا بیان

عرب کا حدود اربعہ (یعنی چاروں حدیں) جہاں کہ بنی سام، بنی حام سے لڑ بھڑ کر بابل سے آنے والے ہیں یوں بتائی جاتی ہیں کہ اس جزیرہ نما کو مغرب طرف سے آبنائے باب المندب و بحر احمر (جس کی دوسری جانب افریقہ ہے)، مشرق سے خلیج فارس، شمال سے فلسطین اور شام اور جنوب سے بحر عرب گھیرے ہوئے ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عرب کو چار طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے گروہ کو عرب عاربہ کہتے ہیں بمعنی ساختہ فی عروبیۃ کما یقال لیل الیل صوم صائم اور بمعنی الفاعلۃ للعروبیۃ والمبندعنہ لھا (یعنی اس جماعت کو عرب عاربہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسے عربیت میں بہت دخل تھا، جیسا کہ عرب تمثیلاً کہتا ہے لیل الیل صوم صائم یا اس وجہ سے اس پر عرب عاربہ کا اطلاق ہوا کہ یہی گروہ عربیت کا موجد ہے) کبھی کبھی اس گروہ کو عرب بادیہ (بمعنی ہالکہ) سے بھی موسوم کرتے ہیں، کیونکہ دنیا میں کوئی شخص اب ان کی نسل سے باقی نہیں رہا۔

عرب کا نام:

عرب کو عرب کیوں کہتے ہیں، اسے عرب کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے، اس کی وجہ علامہ خلدون اور مؤرخین نے یہ ظاہر کی ہے کہ عرب اپنے معاصرین میں بیان، فصاحت و بلاغت، کلام اور عمدہ گفتگو میں مشہور عالم تھے۔ ظاہراً قیاس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اگر چہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نکتہ اس وجہ کے ظاہر ہونے کے بعد پیدا ہوا۔

عاربہ عرب:

اس کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں معروف عبیل، جدیس، عبد ضخم، حضور، عاد اولیٰ، ثمود، عمالقہ، طسم، امیم، جرہم، حضرموت ہیں۔ یہ اور عرب عاربہ سے جو بھی لوگ منسوب ہوتے ہیں وہ سب کے سب لاوذ ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اس گروہ نے نہ تو اپنے رہنے کے لیے کوئی گھر بنایا تھا اور نہ بارہ مہینے کسی ایک مقام پر کبھی قیام کیا تھا یعنی اگر مصلحت وقت کے تقاضے سے کسی صاف میدان میں آج ان کا قیام ہے تو کل بکریوں، اونٹوں کے خیال سے ہرے بھرے میدانوں میں ہوگا۔ وہ کھانے پینے کے بھی زیادہ محتاج نہیں تھے کہ خواہ مخواہ رزق کی جستجو میں سرگرداں پھرتے، وہ ہمیشہ اونٹوں، بکریوں کے دودھ اور گوشت سے اپنا پیٹ بھرتے تھے تاہم کبھی کبھی جنگلی میووں اور صحرائی پھلوں سے بھی اپنا وسیع دسترخوان سجا لیتے تھے۔ بہر حال مصلحت وقت اور ان کی اپنی ضرورتوں نے انہیں اقلیم ثالث میں بحر محیط کے درمیان مغرب سے اقصائے یمن تک اور مشرق میں ہند کی حدود تک رکھا۔ اس گروہ میں بھی ضرورت کے تحت اور مشیت ایزدی سے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے۔ جسے ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

مستعربہ عرب:

یہ گروہ جس کا عرب عاربہ سے نسب قریب ہے۔ ویسے ہی زمانہ بھی اسے قرب حاصل ہے۔ اس گروہ نے بھی خوب ترقی کی۔ دولت، حکومت اور عزت نے مدتوں اس گروہ کا ساتھ دیا۔ حمیر اور کہلان اسی گروہ کے نامی خاندانوں میں سے ہیں اور یہی وہ گروہ ہے جس نے عرب کے پہلے طبقے (یعنی عرب عاربہ) پر غالب آکر ان کی حکومت عالم ہستی کے صفحے سے ایسی مٹائی کہ ان کے نام کے سوا ان کا نشان حشر تک کہیں

ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے گا۔

قبیلہ جرہم اسی دوسرے طبقے میں شمار کیا جاتا ہے (یادر ہے کہ جو جرہم عرب عاربہ کی نسل سے تھا وہ زمانہ، عاد اولیٰ میں تھا جبکہ یہ جرہم قحطان بن عابر کا لڑکا ہے) جس میں کہ آنے والے ثالث طبقے کے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پرورش پائیں گے، وہ انہی سے عربی زبان سیکھیں گے۔ اور انہی حجازیوں کی طرف مبعوث بھی ہوں گے، جرہم کا مسکن و ماوا سرزمین یمن تھا۔ یمن حدود جزیرہ نما عرب سے باہر نہیں ہے بلکہ اسی جزیرہ نما کا یہ بھی ایک ٹکڑا اور حجاز کے جانب جنوب میں ہے۔ یہ لوگ اپنے ہر بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔ کلام پاک ربانی میں بھی اس قوم کا ذکر آیا ہے۔ (سورۂ ق: 12 تا 16) قحطان اور وہ سب لوگ جو عرب تابعہ سے ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں، سب کے سب عابر ابن شالخ ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح علی وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے شمار کئے جاتے ہیں۔

تابعہ عرب:

اس کے مورث حضرت اسماعیل علیہ السلام نہ تو جزیرہ نما عرب کے رہنے والے تھے اور نہ ان کی زبان عربی تھی، انہیں ان کی والدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام حکم ربانی اور سارہ سلام اللہ علیہا کی خواہش سے مکہ مکرمہ کے مقام حجر میں چھوڑ آئے۔ آپ نے پھر بنی جرہم میں جس کا ذکر عرب مستعربہ میں ہو چکا ہے، پرورش پائی۔ آپ نے انہی سے عربی زبان سیکھی۔ اسی خاندان میں آپ کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اسی سرزمین میں آپ کی آئندہ نسلوں نے نمایاں ترقی کی۔ تیسرے طبقے کا نسبا فالغ ابن عامر ابن شالخ ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام سے تعلق ہے کیونکہ طبقہ ثانیہ والے (عرب مستعربہ) سے زماناً اور نسباً بہت ہی قریب ہے طبقہ ثانیہ والے عابر ابن شالخ کی اولاد سے ہیں جبکہ طبقہ ثالثہ والے فالغ ابن عابر ابن شالخ کی نسل سے ہیں۔

عرب مستعجمہ:

یہ دراصل طبقہ ثالثہ کی اولاد واجفاد سے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسلام کی عالمگیر روشنی کے ذریعہ عرب میں شرک اور الحاد کی تاریکی سے نکل کر ایک نئے طرز کی دولت وحکومت کی بنا پڑی تو اس طبقہ رابعہ کی ترقی کرنے والی نسلوں نے مشرق سے مغرب تک پھیل کر اپنی کامیابی کے پھریرے بڑے شاندار ممالک کے بلند میناروں پر اڑائے۔ بعدازاں عجمیوں کی مخالطت اور میل جول نے ان کی اس زبان میں جو اصلی مادری زبان کی قائم مقام تھی۔ ایسا تغیر وتبدل کر دیا کہ بظاہر بالکل مخالف ہوگئی۔ اس کے بعد اس چوتھے طبقے کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو عرب مستعجمہ سے تعبیر کیا گیا۔ ایک بات یہ یادر کھنے کے قابل ہے کہ عربی لوگ عموماً اب تک ہر اس شخص کو جو کہ جزیرۃ العرب کا رہنے والا نہ ہو، عجمی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخی حالات کے اعتبار سے عرب چار طبقوں پر تقسیم ہے، ورنہ زبان کے لحاظ سے عرب کے دو ہی طبقے مشہور ہیں، ایک عرب عاربہ دوسرا عرب مستعربہ۔

عاربہ عرب کا بیان:

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عرب کا یہ گروہ سب سے زیادہ قوی، عظیم الشان اور مقدم سمجھا جاتا ہے لیکن ان کا زمانہ اتنا قدیم گزرا ہے کہ ان کے حالات اور اخبار سے پورے طور پر اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اگر چہ طبری کی کتاب یا تو تیہ اور کسائی کی کتاب البدر نے عرب عاربہ کے حالات کافی حد تک معلوم ہوسکتے ہیں لیکن ان دونوں بزرگوں نے حالات تاریخ کے پیرائے میں نہیں لکھے اور صحت کا کوئی خاص التزام نہیں کیا۔ اگر ہم ان سے بھی قطع نظر کرلیں تو صرف توریت باقی رہتی ہے، اس میں اگر چہ عرب کے اس گروہ کا تذکرہ نہیں ہے لیکن چونکہ بنی اسرائیل کا زمانہ عرب عاربہ کے زمانے سے قریب تھا اسی وجہ سے بنی اسرائیل اور علمائے توریت کی روایتوں کو قابل اطمینان سمجھ کر ہم اس گروہ کی کیفیات معاشرت، حکومت اور اختلافات کے حالات ان لوگوں سے نقل کرنا چاہتے ہیں جو اپنا قدیمی مذہب چھوڑ کر اسلام میں آگئے۔

عرب عاربہ جزیرہ نما عرب کے رہنے والے نہیں تھے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کا یہ مسکن تھا، یہ لوگ سرزمین بابل کے باشندے تھے لیکن معلوم نہیں کہ کب اور کیوں بنی سام اور بنی حام سے کسی قدر رنا چاقی ہوئی اور تھوڑی بہت چل بھی گئی لہٰذا بنی سام بابل سے جزیرۃ العرب چلے آئے اور ان لوگوں نے یہیں بود و باش اختیار کی۔ اس گروہ میں ہر قبیلے اور فرقے کے الگ الگ بادشاہ یا امیر ہوتے تھے، یہاں تک کہ ان پر بنی یعرب بن قحطان متغلب ہوئے۔ جس طرح انتظام دنیا کے لیے ان میں حکمران یا بادشاہ یکے بعد دیگرے ہوتے رہے، اسی طرح دین اور آخرت کی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوتے تھے۔

عاد کا بیان:

عرب کا جو سب سے پہلا بادشاہ ہوا وہ عاد ابن عوض ابن ارم ابن سام تھا جس کی قوم ارض احقاف میں یمن، عمان اور حضر موت کے درمیان رہتی تھی۔ اس کی ایک ہزار بیویاں تھیں اور چار ہزار لڑکے تھے۔ اس نے بارہ سو برس کی عمر پائی تاہم بیہقی روایت کرتا ہے کہ اس کی عمر صرف تین سو برس کی ہوئی۔ عاد ابن عوض کے بعد اس کے تین لڑکے شداد، شدید، ارم یکے بعد دیگرے سلطنت و حکومت کرتے رہے۔ مسعودی کا بھی یہی خیال ہے کہ عاد کے بعد شداد بادشاہ ہوا اور ممالک شام و ہند و عراق کو اسی نے فتح کیا۔

ارم کا باغ:

علامہ زمخشری شداد ابن عاد کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس نے صحرائے عدن میں مدینہ ارم بنوایا تھا جس میں سونے چاندی کی اینٹیں اور یاقوت اور زبرجد کے دروازے تھے۔ اس نے قصہ یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز شداد بن عاد سے اس کے زمانے کے نبی علیہ السلام نے جنت کی تعریف کر کے کہا کہ اگر تو بت پرستی چھوڑ کر حق پرستی کرے گا تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تجھے جنت دے گا۔ شداد نے کہا: ”میں خود جنت بنا سکتا ہوں، مجھے تیرے اللہ کی جنت کی ضرورت نہیں ہے۔“ شداد نے پھر صحرائے عدن میں ارم بنوایا۔ علامہ ابن سعید بیہقی سے روایت کرتا ہے کہ باغ ارم کا بانی ارم بن شداد ابن عاد اکبر ہے لیکن درست بات یہ ہے کہ صحرائے عدن میں نہ تو کوئی مدینہ منورہ ہے اور نہ ارم نام کا کوئی باغ ہے۔ یہ سب بے اصل و خرافات قصے ضعیف مفسرین کی من مانی اور دل بہلاؤ باتیں ہیں۔ ارم جو کہ قول باری تعالیٰ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (فجر) میں مذکور ہے اس سے قبیلہ مراد ہے نہ کہ شہر اور باغ۔

مسعودی نے لکھا ہے کہ عوض کی حکومت تین سو برس تک رہی جس کے بعد عاد ابن عوض حکمران ہوا۔ جیرون ابن سعد ابن عاد بھی ان ہی کا ایک بادشاہ تھا جس نے شہر دمشق کو تاخت و تاراج کیا۔ اس نے سنگ مرمر اور قیمتی پتھروں سے ایک مکان بنوایا تھا جس کا نام ارم رکھا تھا۔ دمشق کے دروازوں پر اس کا اب تک وجود پایا جاتا ہے اور اسے باب جیرون کہتے ہیں۔ کتاب الاغانی کے صورت اول کے کسی بیت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق میں جیرون کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جیرون کا ایک بھائی یزید تھا جس کے نام سے شہر یزید مشہور ہے۔ یزید اور جیرون دونوں دراصل سعد بن لقمان ابن عاد کے بیٹے ہیں اور انہی کے نام پر باب جیرون اور نہر یزید مشہور ہوئی ہے تاہم صحیح یہ ہے کہ باب جیرون حضرت سلیمان علیہ السلام کے غلاموں میں سے ایک کے نام پر معروف ہے۔ زمانہ بنی اسرائیل میں موسوم ہوا ہے اور وہ ان کے زمانہ حکومت میں کارپرداز تھا۔

شداد کا ذکر:

علامہ ابن سعید نے قبطیوں کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ شداد بن بداد بن ہداد بن شداد بن عاد نے قبطیوں سے کئی لڑائیاں کیں اور ان کے مقبوضات میں سے مصر، اسکندریہ وغیرہ لے لیا اور وہیں ایک شہر عدن نامی آباد کیا جس کا بیان توریت میں بھی آیا ہے۔ جب وہ انہی لڑائیوں میں ہلاک ہو گیا تو قبطیوں نے اپنے بھائی بربریوں اور سوڈانیوں کو اکٹھا کر کے عرب کو مصر سے نکال دیا اور مصر کو بدستور اپنے مقبوضات میں داخل رکھا۔

ہود علیہ السلام:

کچھ عرصے بعد شامت اعمال سے جب اس گروہ کے اقبال نے ان سے منہ پھیر لیا تو ان میں بت پرستی پھیلنے لگی، رفتہ رفتہ ان میں شرک اتنا عام ہوا کہ ہر کوئی لکڑی اور پتھروں کے بتوں کی پرستش کرنے لگا اور معبود حقیقی عزوجل کو بالکل بھلا دیا۔ وہ پھر اپنی قوت اور توانائی پر ایسے نازاں ہوئے کہ سمجھانے سے بھی ان سے سمجھنے کی امید کم کی جاتی تھی۔ آخر اللہ جل شانہ، نے انہی میں سے ہود ابن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد (شجرہ نسب قوم عاد و حضرت ہود علیہ السلام ابن خلدون جلد اوّل صفحہ 63) کو نبوت عطا فرمائی۔ بعض نسابین نے ہود کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ عابر کے بیٹے تھے جبکہ عابر شالخ کے اور شالخ ارفشند بن سام کے فرزند تھے۔

ہود پر جو گروہ ایمان لایا تھا، وہ ان میں پچاس برس تک اور رہے، ان کے بعد صالح علیہ السلام کے زمانہ تک کوئی نبی نہیں ہوا۔ طبری کی بعض روایتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے ڈیڑھ سو برس کی عمر پائی، اس طرح کہ پچاس برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی، پچاس برس تک وعظ و پند کرتے رہے اور اس کے بعد پچاس برس اور زندہ رہے۔

عاد کے اس گروہ نافرجام کے بعد دولت اور حکومت بنی لقمان میں رہی اور ہزار برس یا اس سے زیادہ لقمان کی آئندہ نسلوں نے حکومت کی۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ غصب و ظلم سے کشتیوں کو لینے والا ہدد بن بدد بن خلجان بن عاد بن رقیم بن عابر بن عاد اکبر تھا۔

یعرب کا بیان

ایک مدت تک یہی قوم بلاشرکت غیرے تخت نشین حکومت و سلطنت رہی۔ اس کے بعد ان پر یعرب بن قحطان غالب آیا تو پھر یہ قوم حضر موت کے پہاڑوں میں چلی گئی اور ان کا زمانہ ختم ہو گیا۔ صاحب زجار نے لکھا ہے کہ ان کا بادشاہ عاد بن وقیم بن عاد اکبر وہی ہے۔ جو یعرب بن قحطان سے لڑا تھا۔ وہ بت پرست تھا اور مہتاب پرستی کرتا تھا۔ اس کا زمانہ نوح علیہ السلام میں تھا۔ لیکن یہ روایت دور از قیاس ہے کیونکہ ہود علیہ السلام قوم عاد کے آخری زمانے یا ابتداء عہد حکومت میں مبعوث ہوئے تھے اور یعرب قوم عاد کی حکومت ختم ہونے کے وقت متغلب ہوا تھا۔ عبدالعزیز جرجانی نے لکھا ہے کہ قوم عاد سے یعمر بن شداد و عبدا بھر بن معد یکرب بن شمد بن شداد ابن عاد و حناد بن میاد بن شمد بن شداد اور ان کے علاوہ اور بھی کئی حکمران تھے جو فنا ہو گئے۔

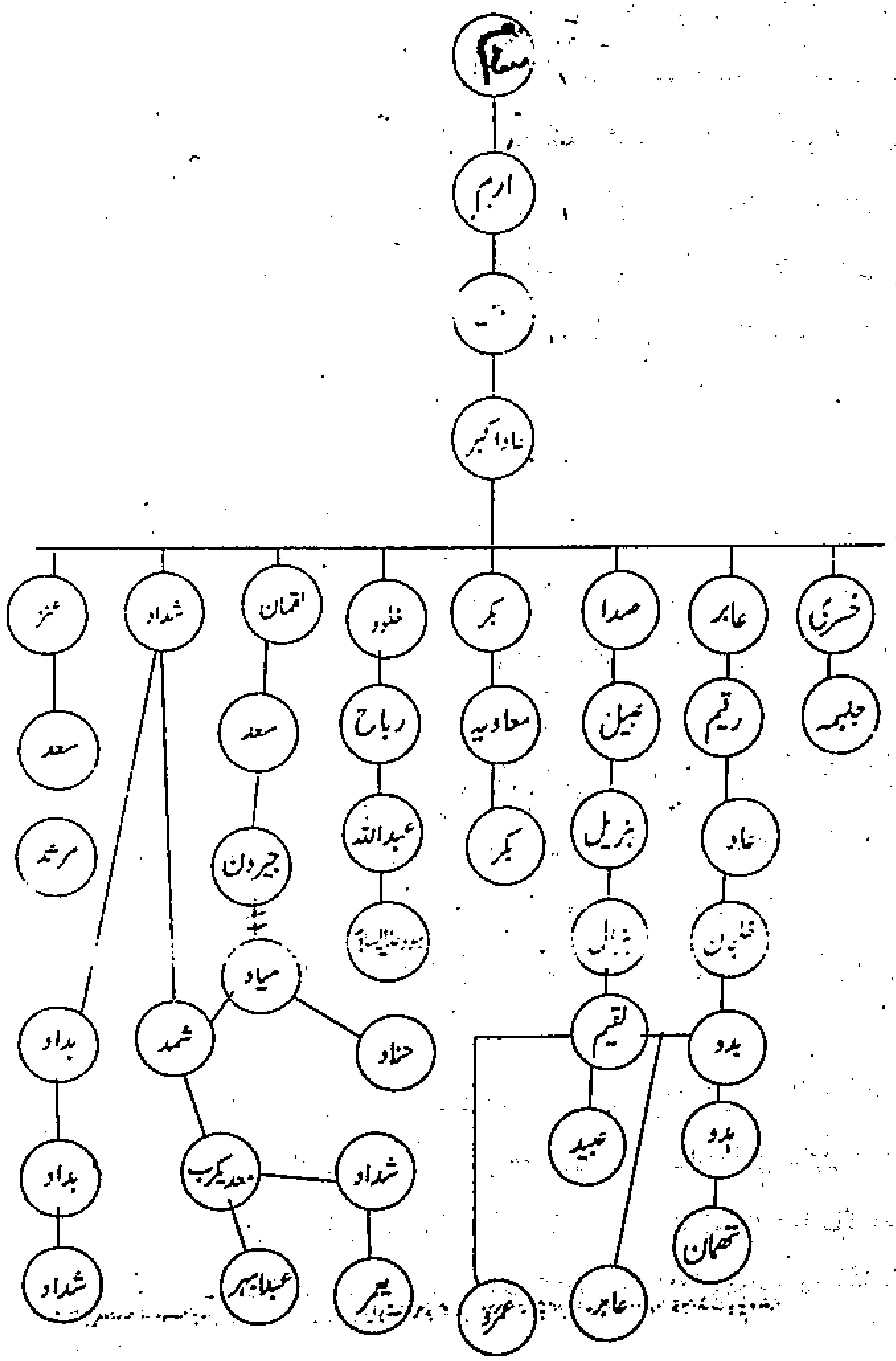
یثرب کا بیان:

عبیل، عاد بن عوص بن ارم بن سام کا جیسا کہ کلبی نے لکھا ہے اور عوص بن ارم کا بھائی تھا جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔ وہ مقام جحفہ میں یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان میں جو کہ آج کل میقات احرام ہے، رہتا تھا، اس کا بڑا خاندان تھا اور اس کے بیٹے اسی کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یہ عرب عاربہ کے ایک قبیلے کا مورث اعلیٰ تھا، اسے بھی سیل نے تباہ اور نیست و نابود کیا ہے۔ جس نے یثرب کو آباد کیا تھا وہ انہی میں سے تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ وہ یثرب بن بائلہ بن مہاہل بن عبیل عوص تھا لیکن سہیلی کہتا ہے کہ یثرب کا آباد کرنے والا عمالیق سے تھا اور اس کا نام یثرب ابن مہلائل بن عوص بن عملیق تھا۔

بنو عبد ضخم:

یہ ارض طائف میں رہتے تھے اور ان ہی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوئے جو کفر والحاد میں ڈوبے ہوئے تھے (کیونکہ یہ بھی بت پرستی کی لعنت میں گردن تک دھنسے ہوئے تھے) ان لوگوں کی عمر بہت ہوتی تھی اور وہ قوت اور جسامت میں بے مثل تھے سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ یہ ہی عبد ضخم ابن ارم ابن سام تھا۔

قوم عاد اور حضرت ہودؑ کا شجرہ نسب



قوم ثمود کے حالات اور واقعات

حضرت صالح علیہ السلام:

ثمود ابن کاثر (یا جاثر) ابن ارم مقام حجر اور وادی القریٰ میں حجاز اور شام کے مابین رہتا تھا، یہ بھی عاربہ عربوں کے ایک بہت بڑے قبیلے کا مورث اعلیٰ ہے جس کا قبیلہ اسی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی گروہ کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بھی اپنے معاصرین کی طرح بلند قامت اور زیادہ عمر تھے اور پہاڑوں میں بڑے بڑے عالیشان مکان بنا کر رہتے تھے۔ اٹھارہ میل مربع میں یہ خاندان آباد تھا۔ ان کے پاس دولت، ثروت، قوت، حکمت سب کچھ تھی لیکن پانی کی ایسی کمی تھی کہ وادی القریٰ میں سوائے ایک چشمہ کے اور دوسرا کوئی چشمہ نہ تھا۔ اس قوم میں سب سے پہلے جس نے اپنے کو بادشاہ کے لقب سے مشہور کیا وہ عابر ابن ارم ابن ثمود تھا۔ اس نے اپنی قوم میں دوسو برسوں تک برابر حکومت کی، اس کے بعد جندع ابن عمرو ابن دبیل ابن ارم بن ثمود بادشاہ ہوا جو تین سو برس تک سلطنت کرتا رہا۔ اسی کے عہد حکومت میں حضرت صالح علیہ السلام ابن عبیل ابن اسف ابن شالخ ابن عبیل ابن کاثر ابن ثمود مبعوث ہوئے تھے۔

ثمود کے بادشاہ:

ثمود کے نامی بادشاہوں میں دوبان بن یمنع معروف تھا جس نے اپنی حکومت کو اسکندریہ تک بڑھا لیا تھا بلکہ یہ کہنا شاید درست ہوگا کہ دوبان نے اسکندریہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اس کے علاوہ موہب بن مرہ بن حبیب اور اس کے بھائی ہوبیل بن مرہ کو بھی ثمودیوں کے اولوالعزم بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے، بعض مؤرخین کا یہ خیال کہ اصحاب الرس جن کے نبی حنظلہ بن صفوان تھے، اسی قوم سے ہیں بالکل غلط اور ناقابل الاعتبار ہے۔ بہر حال بعض علمائے نسب نے ثقیف کو اسی بقیہ ثمود کی نسلوں سے شمار کیا ہے لیکن یہ قول محض بے اصل ہے۔ جب حجاج بن یوسف کے روبرو اس کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ اس کی تکذیب کرتا تھا اور اکثر اوقات عز من قال و ثمود فما ابقٰی (النجم:51) (بڑا ہی محترم ہے وہ جس نے کہا ہے کہ ثمود باقی نہیں رہے یعنی ہلاک کر دیئے گئے۔) کہہ اٹھتا تھا۔ اہل توریت عاد، ثمود، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور کسی اور عرب عاربہ کے حالات سے واقف نہیں ہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ توریت میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے جو کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نسب میں پیدا ہوئے ہیں اور ان میں سے کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے نسب میں نہیں واقع ہوا۔

بنو جدلیس کی روداد:

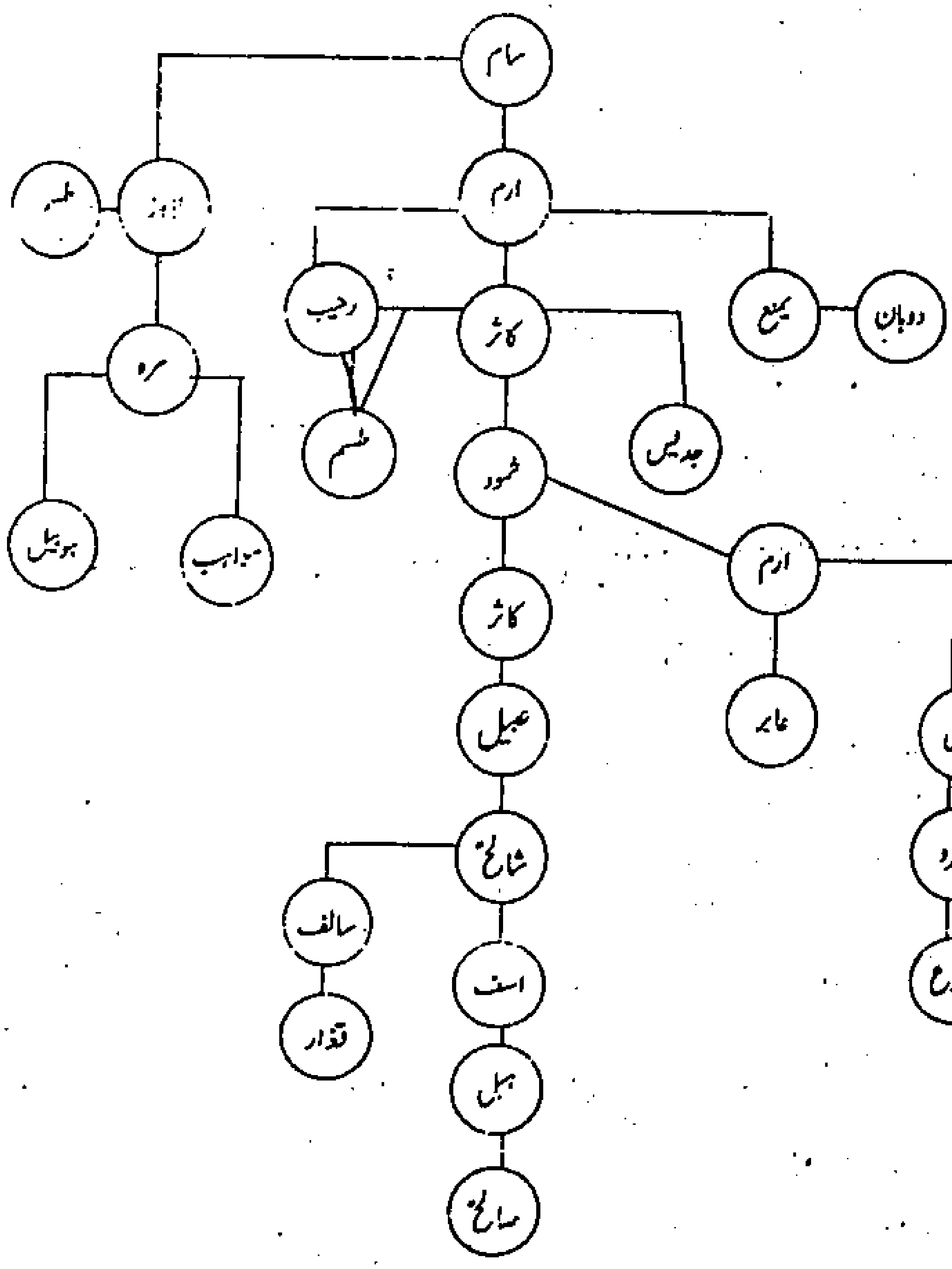
جدلیس کی نسبت یہ ہے جس طرح ابن کلبی کی روایت اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ یہ ارم ابن سام کا لڑکا تھا اور یمامہ میں رہتا تھا۔ یہ ثمود ابن کاثر کے بھائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح طسم کے بارے میں اس کا ذکر بتاتا ہے کہ یہ لاوذ ابن سام کی اولاد سے تھا اور بحرین میں مقیم تھا لیکن طبری کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں (جدلیس اور طسم) لاوذ ابن سام کی نسل سے تھے۔ اور دونوں یمامہ میں رہتے تھے۔ طبری بروایت ہشام بن محمد کلبی بسند صحیح ابن اسحاق اور نیز علمائے عرب سے بیان کرتا ہے کہ طسم اور جدلیس دونوں یمامہ میں رہتے تھے۔ یاد رہے کہ یمامہ کو بہت سرسبز شاداب شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

طسم کا قتل:

بنی طسم میں عشو نامی ایک بادشاہ تھا جسے عملوق بھی کہتے تھے، یاد رہے کہ وہ بنی جدلیس کو بہت ذلیل وخوار سمجھتا تھا، اور چھوٹی آنکھوں بھی عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ اس کے ظلم اور تشدد کی کچھ انتہا نہیں تھی اس نے انہیں اس قدر ذلیل وخوار کر رکھا تھا کہ بنی جدلیس کی کوئی باکرہ عورت اپنے

١٤٧ (الف)

قوم ثمود اور حضرت صالحؑ کا شجرہ



شوہر کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتی تھی جب تک عملوق اس سے خلوت نہ کر لیتا تھا۔ ایک زمانے تک یہی دستور جاری رہا۔ جب عفیرہ بنت غفار بن جدیس کی شادی ہوئی تو عملوق نے حسب دستور سابق عمل درآمد کیا۔ اس کا بھائی اسود بن غفار اس بات سے بہت جھلایا اور جدیس کے امراء کو ایک خاص جلسے میں اکٹھا کر کے کہنے لگا کہ تم لوگوں کو کچھ شرم نہیں آتی ہے، اس قدر ذلت اور رسوائی کتے بھی پسند نہیں کرتے، تم میرا کہنا مانو، آؤ میں تمہیں اس ذلت سے نکال کر عزت کے خوش نما باغ کی سیر کراؤں۔ حاضرین نے کہا کہ اس کی کیا صورت ہوگی؟ اسود نے کہا کہ عملوق اور اس کی قوم کے ساتھ دعوت کرو، جب وہ کھانے میں مصروف ہوں تو ہم انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ سب نے اس امر پر اتفاق کر لیا۔ جب عملوق اپنی قوم کے ساتھ کھانے میں مصروف ہوا تو اسود نے حملہ کر کے عملوق کو قتل کر ڈالا پھر باقی سب کو جدیس کے امراء نے نیست و نابود کر دیا۔

جدیس پر رباح کی چڑھائی:

ان میں سے صرف رباح بن مرہ بن طسم کسی طرح اس واقعے سے بچ کر حسان بن تبع کے پاس چلا گیا جس نے بڑی خوشی کے ساتھ استقبال کیا اور اس کی مدد کی۔ وہ پھر لڑائی کی غرض سے بنی حمیر کو لے کر یمامہ کی طرف روانہ ہوا۔ راہ میں رباح بن مرہ نے کہا کہ میری ایک بہن یمامہ نامی بنو جدیس میں بیاہی ہے، وہ بہت دور تک دیکھ سکتی ہے وہ تین مرحلے سے سوار کو دیکھتی ہے۔ مجھے اس امر کا اندیشہ ہے کہ وہ ہماری فوج کو دیکھ لے گی۔ لہٰذا مناسب ہے کہ ہر شخص ایک درخت کاٹ کر اپنے اپنے ہاتھوں میں لے کر یمامہ کی طرف چلے۔ لیکن ایسا کرنے کے باوجود یمامہ نے انہیں دیکھ لیا اور وہ بنی جدیس سے کہنے لگی کہ دیکھو تمہاری طرف حمیری آ رہے ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ بہت سے آدمی اپنے اپنے ہاتھوں میں درخت لیے ہوئے اس کے پیچھے آ رہے ہیں۔

جدیس کی بربادی:

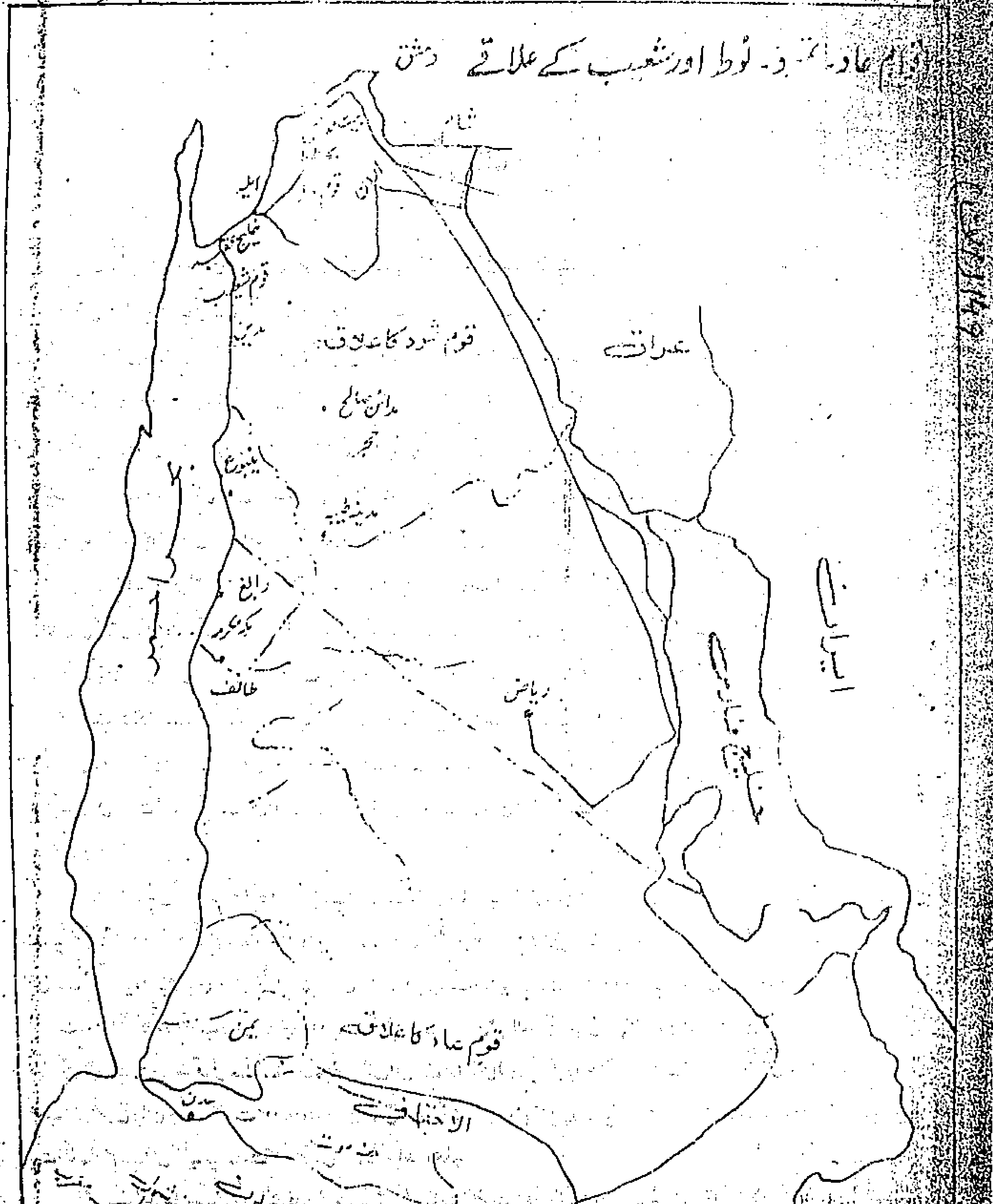
لیکن جدیس نے اس امر کو خلاف عقل سمجھ کر اپنی حفاظت کا کچھ انتظام نہیں کیا اور نہ مقابلے کی تیاری کی۔ اس کے دوسرے روز صبح سویرے حسان ابن تبع اپنے لشکر کے ساتھ بنی جدیس کے سر پر پہنچ گیا اور بہت خونریزی کے ساتھ انہیں نیست و نابود کر دیا۔ اس نے پھر ان کے قلعوں اور مکانات کو بھی ویران کر دیا۔ بنی جدیس سے صرف اسود بن غفار طے کے پہاڑوں کی طرف بھاگ کر چلا گیا۔ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تبع نے یمامہ کو بلوا کر اس کی آنکھیں نکلوا لیں۔ بعد ازاں اس شہر کا نام پہلے ''جو'' تھا۔ اس واقعے کے بعد یمامہ کے نام سے مشہور ہوا۔ طبری نے اور مؤرخین سے روایت کیا ہے کہ جس تبع نے بنو جدیس سے مقابلہ کیا تھا وہ حسان کا باپ یعنی تبان اسعد ابو کرب بن ملکی کرب تھا۔ بعضوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت حسان بن تبع بنی حمیر کے ساتھ یمامہ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے مقدمۃ الجیش میں عبد کلال بن منوب بن حجر بن ذی رعین کو مقرر کیا تھا۔ رباح ابن مرہ نے اپنی بہن کا قصہ اسی عبد کلال سے بیان کیا تھا، اس کی بہن کا اصلی نام زرقاء تھا اور اسی کو غزہ اور یمامہ بھی کہا کرتے تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام

اس سے قبل ابن خلدون کی تاریخ جلد نمبر 2 سے چند صفحات نقل کئے جا چکے ہیں تا کہ قارئین حضرات قوم عاد و ثمود کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکیں اور امید کی جاتی ہے کہ آپ کو قوم عاد و ثمود کے آباؤ اجداد کے انساب اور ان کی رہائش کہاں تھی یہ معلوم ہو چکا ہوگا اور عرب کے بڑے گروہ کون سے ہیں اور ان کی شاخیں کہاں تک پھیلی ہوئی تھی اور کچھ اور مفید معلومات کا علم ہو چکا ہوگا۔ جیسا کہ ان صفحات میں حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق مختصر حالات کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: (ترجمہ اردو) ''اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا۔ کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں۔ اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔ بے شک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں۔ کہا اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے ربّ تعالیٰ کی رسالتیں پہنچاتا ہوں۔ اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے ربّ تعالیٰ کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو۔ جب اس نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو۔ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ انہیں چھوڑ دیں۔ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو تو لاؤ۔ کہا ضرور تم پر تمہارے ربّ کا عذاب اور غضب پڑ گیا کیا مجھ سے خالی ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔ تو راستہ دیکھو۔ میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں۔ (کنزالایمان، پ8، رکوع16، سورہ الاعراف، آیت: 65 تا 71) اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے۔ (سورہ اعراف، آیت: 72، ترجمہ کنزالایمان)

آیت 65 میں جس عاد قوم کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق صاحب خزائن العرفان ''جمل'' کے حوالے سے فرماتے ہیں۔ یہاں عاد اولیٰ مراد ہے یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور عاد ثانیہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے (جیسا کہ قوم عاد اور قوم ثمود کے انساب کے شجروں سے واضح ہے جو کہ اس سے قبل تحریر ہو چکے ہیں) اس کو ثمود کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ تاریخ ابن خلدون کے حوالہ سے اس سے قبل جو حضرت ہود علیہ السلام کا شجرہ نسب بیان کیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد اکبر بن عوص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام ہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عاد قوم میں ان کے برادری (بھائی) ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو بعض ماہر انساب نے آپ علیہ السلام کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا کہ حضرت ہود بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام لیکن چونکہ یہ حضرت سام کے بعد الگ شاخ ہو جاتی ہے۔ اور یہ قوم عاد سے الگ قوم ہے اس لیے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔'' واللہ اعلم ''

اس کے بعد صاحب خزائن العرفان فرماتے ہیں کہ کفار کا حضرت ہود علیہ السلام کی جناب میں یہ گستاخانہ کلام کہ تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں اور جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ انتہا درجہ کی بے ادبی اور کمینگی تھی اور مستحق اس بات کے تھے کہ انہیں سخت ترین جواب دیا جاتا۔ مگر آپ علیہ السلام نے اپنے اخلاق و ادب اور شان حلم سے جو جواب دیا اس میں شان مقابلہ ہی نہ پیدا ہونے دی اور ان کی جہالت سے چشم پوشی فرمائی اس سے دنیا کو سبق ملتا ہے کہ سفہاء اور بد خصال لوگوں سے اس طرح مخاطبہ کرنا چاہئے لہٰذا آپ علیہ السلام نے اپنی رسالت اور خیر خواہی و امانت کا ذکر فرمایا۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ



اقوام عاد، ثمود، لوط اور شعیب کے علاقے
دمشق
شام
ایلہ
قوم شعیب
قوم ثمود کا علاقہ
مدائن صالح
حجر
ینبوع
رابغ
مکہ مکرمہ
طائف
ریاض
عراق
یمن
قوم عاد کا علاقہ
الاحقاف
حضرموت

اہل علم وکمال کوضرورت کے موقع پراپنے منصب وکمال کا اظہار جائز ہے۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر کے تحت صاحب خزائن العرفان حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا مختصر واقعہ بیان کرتے ہیں کہ قوم عاد احقاف میں رہتی تھی جو عمان وحضرموت کے درمیان علاقہ یمن میں ایک ریگستان ہے۔انہوں نے زمین کو فسق سے بھر دیا تھا اور دنیا کی قوموں کو اپنی جفا کاریوں سے اپنے زور قوت کے زعم میں پامال کرڈالا تھا۔یہ لوگ بت پرست تھے ان کے ایک بت کا نام صداء اور ایک کا صمود ایک کا ہباء تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔آپ علیہ السلام نے انہیں توحید کا حکم دیا۔شرک وبت پرستی اور ظلم وجفا کاری کی ممانعت کی۔اس پر وہ لوگ منکر ہوئے۔آپ علیہ السلام کی تکذیب کرنے لگے اور کہنے لگے ہم سے زیادہ زورآور کون ہے۔چندآدمی ان میں سے حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے۔وہ تھوڑے تھے اور اپنا ایمان چھپائے رہتے تھے۔ان مومنین میں سے ایک کا نام مرثد ابن اسعد ابن عفیر تھا۔وہ اپنا ایمان مخفی رکھتے۔جب قوم نے سرکشی کی اور اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کی اور زمین میں فساد کیا اور ستم کاریوں میں زیادتی کی اور بڑی مضبوط عمارتیں بنائیں۔معلوم ہوتا تھا کہ انہیں گمان ہے کہ دنیا میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔جب ان کی نوبت یہاں تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے بارش روک دی۔تین سال بارش نہ ہوئی۔اب وہ بہت مصیبت میں مبتلا ہوئے اور اس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ جب کوئی بلا یا مصیبت نازل ہوتی تھی تو لوگ بیت الحرام میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دفع کی دعا کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے ایک وفد بیت اللہ شریف کو روانہ کیا۔اس وفد میں قیل بن عنز اور نعیم بن ہزال اور مرثد بن اسعد تھے۔یہ وہی صاحب ہیں جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے۔اس زمانہ میں مکہ مکرمہ میں عمالیق کی سکونت تھی اور ان لوگوں کا سردار معاویہ بن بکر تھا۔اس شخص کا ننہال قوم عاد میں تھا۔اس علاقہ سے یہ وفد معاویہ بن بکر کے یہاں مکہ مکرمہ کے حوالی میں مقیم ہوا۔اس نے ان لوگوں کا بہت اکرام کیا۔نہایت خاطر ومدارت کی۔یہ لوگ وہاں شراب پیتے اور باندیوں کا ناچ دیکھتے تھے۔اس طرح انہوں نے عیش ونشاط میں ایک مہینہ گزار دیا۔معاویہ کو خیال آیا یہ لوگ تو راحت میں پڑ گئے اور قوم کی مصیبت کو بھول گئے جو وہاں گرفتار بلا ہے۔مگر معاویہ بن بکر کو یہ خیال بھی تھا کہ اگر وہ ان لوگوں سے کچھ کہے تو شاید وہ یہ خیال کریں گے اب اس کو میزبانی گراں گزرنے لگی۔اس لیے اس نے گانے والی باندی کو ایسے اشعار دیئے جن میں قوم عاد کی حاجت کا تذکرہ تھا۔جب باندی نے وہ اشعار گائے تو ان لوگوں کو یاد آیا کہ ہم اس قوم کی مصیبت کی فریاد کرنے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجے گئے ہیں۔اب انہیں خیال ہوا کہ حرم شریف میں داخل ہو کر قوم کے لیے پانی برسنے کی دعا کریں۔اس وقت مرثد بن سعد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تمہاری دعا سے پانی نہ برسے گا۔لیکن اگر تم اپنے نبی کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو تو بارش ہوگی۔اس وقت مرثد نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ان لوگوں نے مرثد کو چھوڑ دیا اور خود مکہ مکرمہ جا کر دعا کی۔اللہ تعالیٰ نے تین ابر بھیجے،ایک سفید،ایک سرخ اور ایک سیاہ اور آسمان سے ندا ہوئی کہ اے قیل اپنے اور اپنی قوم کے لیے ان میں سے ایک ابر اختیار کر۔اس نے ابر سیاہ کو اختیار کیا۔بایں خیال کہ اس سے پانی برسے گا۔چنانچہ وہ ابر قوم عاد کی طرف بڑھا اور وہ لوگ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔مگر اس میں سے ایک ہوا چلی وہ اس شدت کی تھی کہ اونٹوں اور آدمیوں کو اڑا کر کہیں سے کہیں لے جاتی تھی۔یہ دیکھ کر لوگ گھروں میں داخل ہوئے اور اپنے دروازے بند کر لیے مگر ہوا کی تیزی سے بچ نہ سکے۔اس نے دروازے بھی اکھیڑ دیئے اور ان لوگوں کو ہلاک بھی کر دیا اور قدرت الٰہی سے سیاہ پرندے نمودار ہوئے جنہوں نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔حضرت ہود علیہ السلام مومنین کو لے کر قوم سے جدا ہو گئے تھے۔اس لیے وہ سلامت رہے قوم کے ہلاک ہونے کے بعد ایمانداروں کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور آخر عمر شریف تک وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا ذکر پارہ 12،سورۂ ھود،آیت نمبر 50 تا 60،پارہ 19،سورۂ الشعراء،آیت نمبر 123 تا 139،پارہ 24،سورۂ حٰم السجدہ،آیت نمبر 15،16،پارہ 26،س الاحقاف،آیت نمبر 21 تا 26،پارہ 27،سورۂ الذاریات،آیت نمبر 41،42،پارہ 27،سورۂ القمر،آیت نمبر 18 تا 20،پارہ 29،سورۂ الحآقۃ،آیت نمبر 6،7 اور پارہ 30،سورۂ الفجر،آیت نمبر 6 تا 8 فرمایا ہے۔لیکن تقریباً سب آیات کا مطلب وہی ہے جو مندرجہ بالا میں بیان ہو چکا ہے۔بہت معمولی الفاظ اور عبارت میں فرق ہے۔اللہ تعالیٰ کا

ایک واقعہ کو بار بار قرآن پاک میں بیان فرمانے کا مطلب یہ ہے تا کہ عوام کو معلوم ہو سکے کہ یہ کتنا اہم واقعہ ہے۔ تمام جگہوں پر تقریباً حضرت ہود علیہ السلام کی توحید کے متعلق تبلیغ کرنے کا بیان اور کفار کا تکبر کی وجہ سے اس کا انکار کرنے اور اپنی زور قوت پر اللہ تعالیٰ کے نبی کی تکذیب۔ بے ادبی اور مذاق کرنے پر قوم عاد پر سخت عذاب بھیجنے کا بیان اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کی اطاعت کی اور ان پر ایمان لے آئے ان کو عذاب سے بچا کر احسان فرمانے کا مقصد صرف یہی تھا کہ گمراہ کافر لوگ اس کو بار بار پڑھ کر یا سن کر عبرت پکڑیں اور اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے پر چلیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیں لیکن جو اس کے باوجود بھی گمراہ ہی رہے اس کو تو پھر سخت عذاب پہنچنا ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا۔ انہوں نے کس طرح محنت، مشکل اور تکلیفیں جو کفار انہیں پہنچاتے برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کی تبلیغ کرنے کی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن کفار تقریباً اس ہٹ دھرمی پر قائم رہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کے کہنے پر اپنے باپ دادوں کے طریقوں کو کیوں کر چھوڑیں اور یہ گمان کرتے کہ انہوں نے مرنا ہی نہیں اور اگر مر بھی گئے دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور ان پر نہ قیامت واقع ہوگی اور نہ عذاب انہیں ملے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ پہلی سب قوموں پر سخت سے سخت عذاب آیا۔ لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد پھر بھول جاتے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رزق وافر مقدار میں ملتا اور رہنے سہنے کے لیے بہتر سے بہتر وسائل حاصل ہو جاتے تو وہ پچھلے واقعات یکسر بھول جاتے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قوم عاد کو جب بہت مشکل پیش آئی یعنی تین سال سے بارش نہ ہوئی اور قحط پڑ ھ گیا، بیماریاں عام ہوگئیں، اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی بے ادبی کرنے اور تکذیب اور تمسخر اڑانے اور آپ علیہ السلام کی دعوت توحید کو ٹھکرانے کی وجہ سے تو انہوں نے اپنی قوم کے تین آدمیوں کو اس وقت کے رواج کے مطابق مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف جا کر دعا کرنے کے لیے بھیجا تو وہ اپنے میزبان کی مہمان نوازی کی وجہ سے دعا مانگنی بھول گئے اور شراب پینے اور باندیوں کے ناچ گانے سننے میں مصروف ہو گئے اور عیش و عشرت میں پڑ ھ گئے پھر میزبان کے یاد کرانے پر دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ابر اور سخت آندھی سے ان پر عذاب بھیجا۔ اور حضرت ہود علیہ السلام اور آپ پر جو چند آدمی ایمان لائے ان کو عذاب سے بچالیا۔

بالکل اسی طرح آج کے دور میں بھی لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام کو بھول چکی ہے اور عیش و عشرت میں پڑ گئی ہے۔ کافروں اور مشرکوں کا کیا حال جبکہ آپ دیکھ رہے ہیں مسلم ممالک میں اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ اور پھر پاکستان میں کیا کیا نہیں ہو رہا۔ مسجدیں عالیشان بڑی بڑی بن رہی ہیں لیکن نمازی برائے نام ہیں۔ فحاشی کا دور دورہ ہے۔ ایمانی غیرت ختم ہو چکی، عورتوں کی بے پردی اور بے حیائی عروج پر زنا کاری عام ہو رہی ہے، بڑے مالدار لوگ غریبوں کا مذاق بنا رہے ہیں، ٹی وی، ڈش انٹینا، نیٹ ورک اور موبائل کی دنیا میں من مانی بے حیائی ہو رہی ہے، حکومت ان کو قانونی تحفظ دے رہی ہے۔ عورتوں کو آزادی دینے کے لیے نسواں ایکٹ کا اجرا ہوا ہے۔ ان کو اپنی مرضی کی شادی کرنے کا قانون پاس ہو چکا ہے۔ ان کے نتائج کا کس کو معلوم نہیں کیا کیا یہ قانون رنگ لا رہے ہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

میرے عزیز دوستوں، بھائیوں اور بہنوں اور بزرگوں! آپ سب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتا ہوں کہ ابھی وقت ہے کہ اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے اپنے آپ کو آخرت کی ذلت اور عذاب سے بچالیں ورنہ پہلی قوموں کی طرح پچھتاتے رہ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، قیامت ایک دن ضرور بضرور آنی ہے، اچھے برے کی جانچ بھی ضرور ہونی ہے اور جنت و دوزخ میں ضرور جانا ہے خدا کے لیے دوزخ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے ڈرو اور جلد ہی گناہوں سے توبہ کر کے سیدھی پر راہ چلو۔ موت کا کوئی پتہ نہیں آج ہی آجاتی ہے بالکل آنی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ سوچتے رہ جائیں اور موت کا وقت آپہنچے پھر کبھی توبہ کا موقع نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب کبریا علیہ السلام کے صدقے آپ سب کو اپنے گناہوں سے توبہ کی توفیق عطا فرما کر سیدھے راستہ پر چلنے کی طاقت بخشے۔ آمین! (مؤلف)

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام کو حضرت ہود علیہ السلام کے تقریباً ایک سو سال کے (بحوالہ خزائن العرفان (جمل) کے حوالے سے سورۂ اعراف کی آیت نمبر 65 کی تفسیر کے تحت) بعد اپنی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔(ترجمہ اردو کنزالایمان)

''اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا (1) کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (2) بے شک تمہارے پاس تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے روشن دلیل (3) آئی یہ اللہ عزوجل کا ناقہ ہے۔تمہارے لیے نشانی۔تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین سے کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا اور یاد کرو۔ جب تم کو عاد کا جانشین کیا (4) اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو۔تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کرو۔اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔اس کی قوم کے تکبر والے کمزور مسلمانوں سے بولے (5) کیا تم جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب عزوجل کے رسول ہیں۔بولے وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہمیں اس سے انکار ہے۔پس ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں (6) اور اپنے ربّ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی اور بولے۔اے صالح ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے رہو اگر تم رسول ہو۔تو انہیں (7) زلزلہ نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم (8) بے شک میں نے تمہیں اپنے ربّ تعالیٰ کی رسالت پہنچا دی اور تمہارا بھلا چاہا۔مگر تم خیر خواہوں کے غرضی (پسند کرنے والے) ہی نہیں۔(پ8،رکوع17،سورۂ اعراف،آیات:73تا79)

مندرجہ بالا آیات کی تشریح ضیاء القرآن،جلد دوئم،ص:48 سے پیش کی جاتی ہے:

1- حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوموں کے عبرتناک تذکرہ کے بعد اب حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر ہو رہا۔اس قوم کا مسکن جزیرہ عرب کے شمال مغربی جانب شام وحجاز کے درمیانی علاقہ میں تھا۔جس کی حدود وادی القریٰ تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ان کے پایہ تخت کا نام الحجر تھا۔اس قبیلہ کا نام ان کے ایک دادے کی وجہ سے ثمود پڑا۔جس کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہم السلام۔لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ قرطبی کی روایت سے ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام لکھا ہے (لیکن تاریخ ابن خلدون،جلد2،ص:66 پر قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کے شجرہ جو اس سے قبل حضرت ہود علیہ السلام کے حالات وواقعات سے بھی قبل تحریر ہو چکا ہے۔اس میں ثمود بن کاثر بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام لکھا گیا ہے۔واللہ اعلم) یہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو وہاں سے ترک وطن کر کے یہاں آ کر سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ان کا علاقہ بڑا ذرخیز تھا۔سرسبز کھیت،شاداب باغ اپنی بہار دکھایا کرتے تھے۔ان کی آبپاشی کے لیے نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔لیکن دولت کی فروانی نے ان کے اخلاق کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔اخلاقی بے راہ روی سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔یہاں تک وہ بھی شرک کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ان کے قومی اور ہم وطنی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو اپنی خاندانی برتری اور شخصی کردار کے باعث بڑے محترم اور معزز تھے۔آپ علیہ السلام کا شجرۂ نسب علماء تاریخ نے یہ تحریر کیا ہے۔حضرت صالح علیہ السلام بن عبید بن اسف بن ماشخ بن عبید بن حاذر بن ثمود (لیکن تاریخ ابن خلدون جلد2،ص:66 جو اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔اس میں شجرہ آپ علیہ السلام کا اس طرح ہے حضرت صالح علیہ السلام بن ہبل بن اسف بن شالخ بن عبیل بن کاثر بن ثمود

بن کاثر بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام۔ واللہ اعلم) آپ علیہ السلام کے زمانہ بعثت کا یقینی تعین تو بہت مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا اور بعثتِ موسوی سے بہت پہلے آپ علیہ السلام کی قوم برباد ہو چکی تھی (لیکن اس سے قبل خزائن العرفان کے حوالے سے عاد اور ثمود میں ایک سو سال برس کا فاصلہ ہے تحریر ہو چکا چونکہ اگر دونوں قوموں اور ان قوموں کی طرف مبعوث کئے گئے انبیاء کرام علیہم السلام کے شجروں سے جو پہلے تحریر ہو چکیں ہیں کو دیکھیں ان دونوں قوموں کا فاصلہ زیادہ لمبا نہیں مگر ایک سو سال کے لگ بھگ ہی ہے۔ واللہ اعلم) (مؤلف)

2- وہی دعوت توحید جو ہر نبی کی تشریف آوری کی غایت اسمی ہوا کرتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اسی پیغمبرانہ اخلاص و شفقت کے ساتھ پیش کی۔

3- معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلایا گیا ہوگا اور آپ علیہ السلام کی صداقت کے لیے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا ہوگا چنانچہ یہ اونٹنی آپ کی صداقت کے لیے ظاہر کی گئی۔ اس اونٹنی کا ذکر قرآن پاک میں کئی بار آیا ہے اس میں وجہ اعجاز کیا تھی؟ مفسرین کے اس بارے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کیونکہ اس کی تخلیق ظاہری اسباب کے بغیر ایک چٹان سے ہوئی تھی۔ اس لیے یہ معجزہ تھی۔ بعض نے یہ کہا ہے کیونکہ جو دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا۔ اس دن اور کوئی جانور اس کنویں کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ ان کے علاوہ اور کئی وجوہ اعجاز بیان کی گئی ہیں لیکن اس بارے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نہایت پسندیدہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ اس اونٹنی میں کوئی ایسی خارق عادت خصوصیت تھی اس کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ واعلم ان القرآن قددل علی ان فیھا آیۃ فاما ذکر انھا کانت آیۃ من ای الوجوہ فھو غیر مذکور واعلمہ حاصل بانھا کانت معجزۃ من وجہ مالا محالۃ واللہ اعلم (کبیر) اس لیے اس بحث میں الجھنا بے سود ہے البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس میں بجز اس کے کوئی وجہ اعجاز نہ تھی کہ قوم ثمود کو بتایا گیا تھا کہ جس روز تم نے اسے گزند پہنچائی تمہیں برباد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی دلیل کا کیا فائدہ جس کی صداقت کا ظہور اس وقت ہو۔ جب کہ اس سے راہ ہدایت پانے والے ہلاک و برباد ہو چکے ہوں۔

4- حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کو فراموش نہ کرو۔ جن سے اس نے تم کو نوازا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد غلبہ اقتدار تمہیں بخشا گیا تم کو فن تعمیر میں وہ مہارت عنایت کی کہ میدانی علاقوں میں تم شاندار محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑی علاقے میں سنگین چٹانوں کو چیر پھاڑ کر مکان بناتے ہو۔ ان کیے عمارات کے آثار آج بھی موجود ہیں جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو فن تعمیر ان کی مہارت کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی علوم میں مہارت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جب کوئی قوم راہ راست پر بھٹک جاتی ہے تو کوئی علمی ترقی اسے اس کے دردناک انجام سے نہیں بچا سکتی۔

5- رؤساء قبیلہ کی شدید مخالفت کے باوجود چند خوش نصیب ایسے بھی تھے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ ان کی مالی حالت کمزور تھی اور معاشرہ میں بھی انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے بڑوں نے ازراہ تعجب پوچھا کہ تم سچ مچ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہو۔ جب انہوں نے اعتراف کیا تو متکبر رئیس بولے ہم تو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

6- عقر کا لغوی معنی اونٹ کے پاؤں کی کونچیں کاٹ دینا ہے لیکن ذبح کے معنی میں بھی عام استعمال ہوتا ہے۔ قال الازھری العقر ھو قطع عرقوب البعیر ثم جعل النحر عقرا (تفسیر مظہری) قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ اور نصیحت کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ اور آپ کے خلاف عداوت کا جذبہ بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ساری قوم کے مشورہ اور رضامندی سے ایک بدبخت جس کا نام قدار بن سالف تھا (قرطبی) اس نے اکیلے یا اپنے چند ساتھیوں کی امداد سے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی سازش کرنے لگے اور ان کی بے

باکی کی یہ حالت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو چیلنج دے دیا کہ اب وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہر وقت ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم رؤف والرحیم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو فرمایا کہ پہلے زمانہ کا بدبخت ترین آدمی وہ تھا۔ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارڈالا اور آئندہ زمانے کا بدبخت ترین آپ کا قاتل ہوگا۔ قال رسول اللہ ﷺ تعلی اشقی الاولین عاقر ناقہ صالح و اشقی الآخرین قاتلك۔ (مظہری)

7- اگرچہ اونٹنی کو ہلاک کرنے والا ایک شخص تھا لیکن اس کو تائید ساری قوم کی حاصل تھی۔ اور وہ اس کی حرکت پر رضامند تھے اس لیے اس کی سزا بھی صرف ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری قوم کو دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کسی سرکش اور نافرمان کو قوم کی تائید وحمایت حاصل ہو تو ساری قوم مجرم قرار دی جاتی ہے اور سبھی کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

8- قوم کی بربادی کے بعد حضرت صالح علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے۔ بعض کے نزدیک شام کا قصد کیا اور بعض کا خیال ہے کہ آپ مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے آئے اور وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس شفیق مہربان نبی علیہ السلام اپنے دلی قلق وحسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان مرے ہوئے ثمودیوں کو یہ خطاب فرمایا یہ بعینہ ایسا ہے جیسا جنگ بدر کے بعد حضور نبی کریم ﷺ اس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ مکرمہ کے لاشے پڑے تھے۔ وہاں جا کر فرمایا: اے ابوجہل، اے امیہ، اے عتبہ، اے شیبہ، میرے رب عزوجل نے فتح ونصرت کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ تو اس نے پورا کردیا تم کو تمہارے ساتھ جو ذلت وعذاب کا وعدہ تھا وہ بھی پورا ہوگیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ تین دن کے مردوں کو خطاب فرمارہے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری گفتگو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی قبر میں سنتا ہے۔'' (بخاری ومسلم) جب ایسا ہے تو مومن کیوں نہیں سنتا؟

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم عاد کی طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم ثمود کے حالات وواقعات کا قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا بلکہ جہاں قوم عاد کا ذکر فرمایا ہے وہاں ہی قوم ثمود کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ سوائے دو تین جگہوں کے جہاں صرف قوم ثمود کا ذکر فرمایا گیا مثلاً سورۃ النمل، آیت: 45 تا 53 اور سورۃ الشمس، آیت: 11 تا 15 تک۔

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر کرنے کا مقصد بھی وہی ہے جو پیچھے حضرت ہود علیہ السلام کے حالات وواقعات میں بیان ہو چکا ہے۔

اہم مسائل جو سابقہ بیان شدہ عبارت سے اخذ کیے گئے

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت صالح علیہ السلام تک جو کچھ تحریر ہو چکا ہے اس کے بغور مطالعہ سے چند اہم نتائج اور مسائل کے حل جو اخذ ہوتے ہیں وہ اپنی بساط اور اپنے علم کے مطابق ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

1- ہر کام کرنے سے پہلے اپنے بزرگوں، اپنے بھائیوں، دوستوں اور اپنے ماتحت کام کرنے والے چاہے اولاد یا ملازم سے مشورہ کرنا بہت اچھا عمل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس کام میں اللہ تعالیٰ کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

2- دین اسلام کا علم سیکھنا، سکھانا بہت اہم فریضہ ہے۔ علم دین کے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے حالات کے تحت تحریر ہو چکے ہیں۔

3- اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع میں ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ (عزوجل) اور علماء دین اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ہی کامیابی ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے اولیاء اور علماء اور بزرگ ہوں۔ دو نمبر یعنی بے عمل پیروں

ولیوں اور عالموں کی طرح نہ ہوں اور کھوٹے کھرے کی پہنچان بھی ضروری ہے۔

4- اپنے مومن والدین کی فرمانبرداری بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے جس کسی پر اس کے مومن والدین راضی نہ ہوں اس پر اللہ تعالیٰ بھی راضی نہیں ہوتا۔

5- اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اچھا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی پرہیز گار ہو اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل بھی اسی پر ہے جو کوئی بہت امیر اور دنیا میں بڑے عہدے پر فائز ہو لیکن متقی نہ ہو بلکہ فاسق فاجر وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہیں ہوتا۔

6- غریبوں، مسکینوں کو اچھا نہ سمجھنے والے ہی اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں۔

7- انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کو دے کر مانگنا جائز ہے بلکہ بہت احسن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقربوں کا وسیلہ دینے والوں کی دعا جلدی قبول فرماتا ہے۔

8- قبروں میں مسلمان اور کافر زندہ ہیں۔ ان کی سماعت دنیا والوں کی نسبت بہت تیز ہے۔ صرف جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر ان کو قبروں میں زندہ تسلیم نہ کیا جائے تو قبر کے عذاب کا مفہوم ختم ہو جائے گا۔

9- ناحق کسی ایک کو قتل کرنا ساری نوع انسانی کا قتل ہے۔

10- انبیاء کرام علیہم السلام ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ ان پر گناہ کرنے کا شک بھی نہ کیا جائے ورنہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا خطرہ ہے۔

11- انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے رضا کے بغیر کوئی حکم صادر نہیں کرتے۔ ان کے ارشادات کو من وعن تسلیم کرنا چاہیے۔

12- انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور بے ادبی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

13- درود شریف کی بہت ہی فضیلت جتنا زیادہ پڑھو گے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور اتنا ہی قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نصیب ہوگا۔

14- قوم عاد اور ثمود سے زیادہ طاقت ور اور کوئی قوم نہیں وہ اپنے برے اعمال کی وجہ صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ ذرا سوچ تو کس باغ کی مولی ہے۔

15- سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو ابلیس نے ہی بشر کہا اس کے بعد اس کے پیروکاروں کفار اور مشرکوں کے سرداروں نے کہا کہ وہ تو صرف ہم سے بشر ہی ہیں۔

16- استغفار ہر مشکل اور ہر بیماری کا علاج ہے۔ جیسا کہ سورۂ نوح کی آیت: 10 تا 12 کی تشریح میں خزائن العرفان میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث شریف میں جو اس سے قبل حضرت نوح علیہ السلام کے حالات میں شروع میں بیان ہو چکی ہے بیان کیا جا چکا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں ضیاء القرآن جلد 5، ص: 376 پر بھی یہ حدیث تحریر کی گئی ہے۔

باب چہارم

سیّدنا حضرت ابراہیم واسماعیل، اسحاق علیہم السلام

حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام ''نون'' رضی اللہ عنہا ہے۔بعض علماء نے ان کا نام ''لیوتی'' لکھا ہے۔(الروض الأنف جلد اوّل اردو ترجمہ 440) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا نام حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت سیّدہ سارہ سلام اللہ علیہا ہے۔

شجرۂ نسب:

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا شجرۂ نسب یہ ہے بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن قانخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن حضرت سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام۔طبری کے مطابق ارفخشند اور شالخ کے درمیان ''قینن'' کا نام ہے اور ابن حزم کے مطابق شالخ اور عابر کے درمیان ایک نام ''ملکصیدق'' ہے۔(بحوالہ تاریخ ابن خلدون، جلد 2، اردو ترجمہ، ص:85 اور بحوالہ کتاب ''تذکرۃ الانبیاء، ص:116، بحوالہ تفسیر حقانی یہ ہے سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ابن تارخ بن ناخور بن ساروع بن رعو بن تاتع بن عابر بن ارفخشند بن سام بن سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام (و اللہ اعلم) یہاں یہ بھی تحریر کرتا جاؤں کہ شجروں کے انساب میں ناموں میں مختلف اختلاف اس وجہ سے ہے جو تاریخ ابن خلدون، جلد 2 باب 1، ص:53 سے نقل کر کے صفحہ 164 پر حضرت ہود علیہ السلام کے حالات وواقعات سے قبل عالمِ انساب اور دیگر واقعات کے عنوان میں تحریر ہو چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

تفسیر عزیزی کے مطابق آپ علیہ السلام کی پیدائش حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد سترہ سونو (1709) سال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو (2300) سال پہلے شہر بابل کے قریب قصبہ ''کوثی'' میں ہوئی اور تفسیر خزائن العرفان کے مطابق اہواز کے علاقے ''سوس'' میں پیدا ہوئے۔(تذکرۃ الانبیاء، ص:116)

تنبیہ:

''آذر'' سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔آپ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام تارخ ہے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ترجمہ اردو ''اہل سنت کے کثیر اہل علم کا اسی پر اعتماد ہے کہ بے شک آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔اہل سنت وجماعت کے جم غفیر کی دلیل یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی کافر نہیں تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔(روح المعانی بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:116) مندرجہ بالا تحقیق لاتعداد کتب میں تحریر کی جا چکی ہے۔سب کی تحریر یہاں اختصار کے لحاظ سے تحریر کرنے سے قاصر ہوں چند کتب جو میری نظر سے گزری ہیں۔ان کے صرف نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔تفسیر خزائن العرفان، تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر حسنات، سیرۃ الذکر الحسین، سیرت مواہب اللدنیہ وغیرہ جہاں مفصل بیان موجود ہیں۔

انشاءاللہ تعالیٰ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب شریف میں ''سیرۃ الذکر الحسین'' سے مولانا مفتی حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی

رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما کر درجے بلند فرمائے آمین) کا محققانہ بیان نقل کیا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر کے چچا ہونے کی ایک قوی دلیل:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ

(پ11، ر3، سورۂ توبہ، آیت:114)

ترجمہ: اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ (چچا آذر) کی بخشش چاہنا تو نہ تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکا تھا پھر جب ابراہیم پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے تعلق توڑ دیا۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ســاستغفرلك ربی میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کر رہا ہے۔ جبکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے کہا تو مشرکوں کے لیے مغفرت کیوں کرتا ہے تو اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کے لیے دعا نہ کی تھی۔ وہ بھی مشرک تھا یہ واقعہ میں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار کرنا اس کے اسلام لانے کی امید میں تھا جس کا آذر نے آپ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا اور آپ علیہ السلام نے آذر سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب وہ امید ختم ہوگئی تو آپ علیہ السلام نے اس سے تعلق توڑ لیا اور اس کے بعد دعائے مغفرت کرنا بھی چھوڑ دی۔

''آذر'' آگ کے چنگارے سے مر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے بعد اس کے لیے کوئی دعا نہ کی۔ آگ کے واقعہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی۔ پھر مصر میں داخل ہوئے اور ایک جابر بادشاہ کا واقعہ پیش آیا۔ اور حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا آپ علیہ السلام کو ملیں۔ پھر آپ علیہ السلام کو حکم ملا کہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور اس کے لڑکے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کعبہ شریف کے پاس چھوڑ دو۔ آپ علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے اور زوجہ کو وہاں چھوڑا جہاں آج مکہ مکرمہ آباد ہے تو وہاں آپ علیہ السلام نے کچھ دعائیں فرمائیں۔ جن میں سے ایک دعا میں یہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں۔ ''ربنا اغفرلی ولوالدی'' اے ہمارے رب! میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔

اب اس سے بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے جس دشمن کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ آپ علیہ السلام کا چچا آذر ہے جسے باپ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس دعا کے چھوڑنے کے بعد کتنا عرصہ بعد بھی آپ علیہ السلام اپنے ماں اور باپ کے لیے مغفرت کی دعا کر رہے ہیں وہ آپ علیہ السلام کا حقیقی باپ (تارخ) ہے۔ اگر آذر جو کافر اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے وہی آپ کا حقیقی باپ ہے تو ان سے بیزاری کے بعد پھر اس کے لیے دعا کرنے کا کیا مطلب ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص:120)

صاحب خزائن العرفان سورۃ الانعام، آیت:74، پارہ 7، رکوع 15 کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں قاموس میں ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے۔ حضرت امام علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے بالخصوص عرب میں۔ قرآن کریم میں ہے نَعْبُدُ اِلٰـهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا۔ اس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے۔ باوجود کہ آپ علیہ السلام عم (چچا) ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ''اب'' فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کیا ''ردوا علی ابی'' یہاں ابی سے مراد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

(مفردات راغب و کبیرہ وغیرہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی زندگی کے حالات وواقعات

تمام باطل معبودوں کو ردّ کیا

پارہ 7، رکوع 15، سورۃ انعام، آیت: 74 تا 81 کا اردو ترجمہ:

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر کو کہا تم بتوں کو خدا بناتے ہو۔ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں (۱) اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین (۲) اور اس لیے کہ عین الیقین والوں میں ہو جائے (۳) پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا (۴) بولے اسے میرا ربّ ٹھہراتے ہو۔ پھر جب وہ ڈوب گیا۔ بولے مجھے خوش نہیں آتے، ڈوبنے والے۔ پھر چاند چمکتا ہوا دیکھا۔ بولے اسے میرا ربّ بتاتے ہو۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا فرمایا اگر مجھے میرا ربّ ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گروہ میں ہوتا (۵) پھر جب سورج جگمگاتا ہوا دیکھا بولے اسے میرا ربّ کہتے ہو (۶) تو یہ ان سب پر بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو (۷) میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا (۸) ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو تو وہ مجھے راہ بتا چکا ہے (۹) اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بناتے ہو (۱۰) ہاں جو میرا ہی ربّ کوئی بات چاہے (۱۱) میرے ربّ عزوجل کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں (۱۲) اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار ہے۔ (۱۳) اگر تم جانتے ہو۔ (کنزالایمان)

اب خزائن العرفان سے ان آیات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے:

1- آیت نمبر 74 مشرکین عرب پر حجت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معظم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے۔ انہیں دکھایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی کو کتنا بڑا عیب اور گمراہی بتاتے ہیں اگر تم انہیں مانتے ہو تو بت پرستی تم بھی چھوڑ دو۔

2- یعنی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بینائی عطا فرمائی ایسے ہی انہیں آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں۔ (دراصل یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جو اپنی قوم جو بت پرست تھی کو فرمارہے ہیں یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی کو بہت برا جانتے تھے اور اپنی قوم کو اسے چھوڑنے کی تبلیغ فرماتے تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے آسمانوں اور زمین کی خلق مراد ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ نشانیاں سموات والارض مراد ہیں یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ (پتھر) پر کھڑا کیا گیا اور آپ علیہ السلام کے لیے سماوات منکشف کیے گئے۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے عرش وکرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب اور جنت میں اپنے مقام کو معائنہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے لیے زمین تابع فرمادی گئی۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے سب سے نیچے کی زمین تک نظر کی اور زمینوں کے تمام عجائب دیکھے۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ رویت بچشم باطن یا بچشم سر۔ (درمنثور وخازن وغیرہ)

3- کیونکہ ہر ظاہر ومخفی چیز ان کے سامنے کردی گئی اور خلق کے اعمال سے کچھ بھی اُن سے چھپا نہ رہا (سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم یہ ہے تو جان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا حال ہوگا۔)

4- علماءِ تفسیر اور اصحاب اخبار و سیر کا بیان ہے کہ نمرود ابن کنعان بڑا جابر بادشاہ تھا۔ سب سے پہلے اسی نے تاج سر پر رکھا۔ یہ بادشاہ لوگوں سے اپنی پرستش کراتا تھا۔ کاہن اور منجم کثرت سے اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ طلوع ہوا ہے اس کی روشنی کے سامنے آفتاب، ماہتاب بالکل بے نور ہو گئے۔ اس سے وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ کاہنوں سے تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے کہا اس سال تیری قلمرو میں ایک فرزند پیدا ہوگا۔ جو تیرے زوال کا باعث ہوگا۔ اور تیرے دین والے اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوں گے۔ یہ خبر سن کر وہ پریشان ہوا اور اس نے حکم دیا کہ جو بچہ پیدا ہو قتل کر ڈالا جائے اور مرد عورتوں سے علیحدہ رہیں۔ اور اس کی نگہبانی کے لیے ایک محکمہ قائم کر دیا گیا۔ تقدیرات الٰہیہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حاملہ ہو گئیں اور کاہنوں نے نمرود کو اس کی بھی خبر دی کہ وہ بچہ حمل میں آ گیا ہے لیکن چونکہ حضرت کی والدہ صاحبہ کی عمر کم تھی ان کا حمل کسی طرح پہچانا ہی نہ گیا۔ جب زمانہ ولادت قریب ہوا تو آپ علیہ السلام کی والدہ تہہ خانہ میں چلی گئی جو آپ علیہ السلام کے والد نے شہر سے دور کھود کر تیار کیا تھا۔ وہاں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں آپ رہے۔ پتھروں سے اس تہہ خانہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ روزانہ والدہ صاحبہ دودھ پلانے آتی تھیں اور جب وہاں پہنچتی تھیں تو دیکھتی تھیں کہ آپ علیہ السلام اپنی اُنگلی چوس رہے ہیں اور اس سے دودھ برآمد ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام بہت جلد بڑھتے ایک مہینہ میں اتنا جتنے دوسرے بچے ایک سال میں اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام تہہ خانہ میں کتنے سال رہے۔ بعض کہتے ہیں سات برس، بعض تیرہ برس اور بعض سترہ برس۔ یہ مسئلہ یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر حال میں معصوم ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی ابتداء ہستی سے تمام اوقات وجود میں عارف ہوتے ہیں۔ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ سے دریافت فرمایا۔ میرا ربّ (پالنے والا) کون ہے۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا ربّ۔ تمہارے والد' فرمایا اُن کا ربّ کون ہے؟ اس پر والدہ نے کہا خاموش رہو۔ اور اپنے شوہر سے جا کر کہا کہ جس لڑکے کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ زمین والوں کا دین بدل دے گا۔ وہ تمہارا فرزند ہی تو ہے اور یہ گفتگو بیان فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتداء ہی سے توحید کی حمایت اور عقائد کفریہ کا رد کرنا شروع فرما دیا اور جب ایک سوراخ سے شب کے وقت آپ علیہ السلام نے زہرہ یا مشتری ستارہ کو دیکھا تو اقامت حجت شروع کر دی کیونکہ اس زمانہ کے لوگ بت اور کواکب کی پرستش کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے ایک نہایت نفیس اور دل نشین پیرایہ میں انہیں نظر و استدلال کی طرف رہنمائی کی۔ جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عالم بتمامہ حادث ہے الٰہ (معبود) نہیں ہو سکتا وہ خود موجد و مدبر کا محتاج ہے جس کی قدرت و اختیار سے اس میں تغیر ہوتے رہتے ہیں۔

5- اس میں قوم کو تنبیہ ہے کہ جو قمر کو الٰہ ٹھہرائے وہ گمراہ ہے۔ کیونکہ اس کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا دلیل حدوث و امکان ہے۔

6- شمس مؤنث غیر حقیقی ہے۔ اس کے لیے مذکر و مونث کے دونوں صیغے استعمال ہو سکتے ہیں یہاں ہٰذا مذکر لایا گیا ہے۔ اس میں تعلیم ادب ہے کہ لفظ ''رب'' کی رعایت کے لیے لفظ تانیث نہ لایا گیا ہے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت میں علام آتا ہے نہ کہ علامہ۔

7- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ ستاروں میں چھوٹے سے بڑے تک کوئی بھی ربّ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان کا الٰہ ہونا باطل ہے اور قوم جس شرک میں مبتلا ہے آپ علیہ السلام نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا اور اس کے بعد دین وحق کا بیان فرمایا۔

8- یعنی اسلام کے سوا باقی تمام ادیان سے جدا رہ کر مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ دین حق کا قیام واستحکام جب ہی سکتا ہے جبکہ تمام ادیان باطلہ سے بیزاری ہو۔

9- اپنی توحید و معرفت۔

10- کیونکہ وہ بے جان بت ہیں نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ ان سے کیا ڈرنا یہ آپ علیہ السلام نے مشرکین سے جواب میں فرمایا تھا جنہوں نے آپ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اُن سے ڈرو اُن کو بُرا کہنے سے کہیں آپ علیہ السلام کو کچھ نقصان نہ پہنچ جائے۔

11- وہ ہوگی کیونکہ میرا ربّ عزوجل قادر مطلق ہے۔

12- جو بے جان، جماد اور عاجز محض ہیں۔

13- موحد یا مشرک

اب پارہ نمبر 13، رکوع 18، سورۂ ابراہیم کی آیت: 37 تا 42 کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد 2، ص: 520 تا 522 سے اور ضیاء القرآن، جلد 2، ص: 52 سے پارہ 8، رکوع 17 سورۃ الاعراف، آیت 80-81 کا ترجمہ اور تفسیر نقل کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات زندگی کے لیے تاریخ ابن خلدون جلد 2، ص: 80 تا 85 نقل کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں آپ علیہ السلام کو بیویوں اور لڑکوں کے متعلق تذکرۃ الانبیاء کرام علیہم السلام سے بحث کی جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو موجودہ مکہ شریف کی جگہ چھوڑنا اور آب زم زم کا بہنا اور آپ علیہ السلام کی دعا کا بیان

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں (49) اے ہمارے رب! یہ اس لیے تا کہ وہ قائم کریں نماز'' پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ یہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ (50) اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں (51) اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے۔ مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) (52) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب (عزوجل)! بنادے مجھے نماز کو قائم کرنے والا (53) اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو (54) اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔''

تفسیر: 49-- امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے ننانوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام نامی اسمٰعیل (علیہ السلام) رکھا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم الٰہی عزوجل اپنے شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کو لے کر اس مقام پر آئے جہاں اب مکہ شریف آباد ہے وہاں پانی بالکل نایاب تھا۔ آپ علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو وہاں ٹھہرایا اور کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا پیچھے دوڑیں اور عرض کی: اے ابراہیم! آپ ہمیں اس اجاڑ وادی میں چھوڑ کر خود کہاں جارہے ہیں۔ انہوں نے کئی بار یہ بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے پوچھا اللہ امـرك بـهـذا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے بڑے اطمینان سے کہا اذا لایضیعنا تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے نور نظر کے پاس آ گئیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھیں تو آپ علیہ السلام قبلہ رو ہو کر کھڑے ہو گئے اور یہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ مشکیزہ کا پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں۔ خود بھی پیاسی تھیں اور ننھا بچہ شدت تشنگی سے اپنے خشک ہونٹوں پر جب زبان پھیرتا تو یہ منظر ان سے دیکھا نہ جاتا۔ پاس ہی صفا کی پہاڑی تھی اس خیال سے اس کے اوپر چڑھیں شاید کوئی آدمی نظر آئے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ بچے کی فکر دامن گیر ہوئی نیچے اتریں پھر مروہ کی پہاڑی پر گئیں۔ شاید کوئی آدمی نظر آجائے اور اس کے پاس سے چند گھونٹ دستیاب ہو جائیں۔ اسی فکر میں سات مرتبہ وہ ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھیں اور اتریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: فذالك سعی الناس بینهما اسی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ جب آخری مرتبہ مروہ پر پہنچیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ اس کے لیے ہمہ تن گوش بن گئیں۔ ایک فرشتہ نے اپنا پر مارا۔ اور زمین سے پانی ابل پڑا فوراً وہاں پہنچیں اور اس کے اردگرد ایک حد بنا دی۔ پھر اپنے مشکیزے کو اس پانی سے بھر لیا لیکن وہ پانی ابلتا ہی رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: یرحم الله ام اسماعیل لو ترکت زمزم ٥ وقال لولم تغرف من الماء لکانت زمزم عیناً معیناً اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتی تو زمزم ایک چشمہ جاری ہوتا۔ چنانچہ آپ نے چشمہ سے پانی پیا۔ اور اپنے بچہ کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے انہیں کہا لاتخا فی الضیعة فان ههنا بیت الله یبنیه هذا الغلام و ابوه و ان الله لا یضیع اهله۔ اے ہاجرہ مت ڈرو یہاں بیت اللہ شریف ہے۔ تیرا یہ بیٹا اور اس کا باپ اس کی تعمیر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔

50- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ علیہ السلام نے عرض کی۔ یہ تیرا مقدس گھر جس وادی میں واقع ہے وہاں کی زمین قابل زراعت نہیں۔ نہ پانی دستیاب ہے اور نہ زمین موزوں ہے۔ ان کے رزق کا بھی خود انتظام فرما۔ اپنے بندوں کے دلوں میں یہاں کے رہنے والوں کی محبت پیدا فرما، تاکہ وہ کشاں کشاں یہاں چلے آئیں اور ان کی ضروریات زندگی کا سامان زائرین کے ذریعہ سے مہیا ہوتا رہے۔ جہاں سبز گھاس کا ایک تنکا نظر نہیں آتا تھا وہاں کے بسنے والوں کے لیے دعا مانگی جارہی ہے۔ کہ اے مالک! انہیں ہر قسم کے تازہ اور شیریں پھل مرحمت فرما۔ وہ قدرتِ الٰہی کی بخششوں سے خوب آشنا تھے۔ انہیں علم تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جسے حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مشاہدہ کرنا ہو وہ وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ مکہ مکرمہ کے بازاروں میں ہر قسم کے پھل موجود ہیں بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جو فراواں بھی ہیں اور ارزاں بھی۔ اور قیامت تک یہی کیفیت رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ افئدة: اس کا واحد فواد ہے دل، تھوی اگر یہ باب علم یعلم سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے محبت کرنا اور اگر یہ باب ضرب یضرب سے ہو جس طرح یہاں ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے سقط من علو الی سفل بسرعة بڑی تیزی سے اوپر سے نیچے گرنا۔

51- اے مولا گرچہ ہماری ضرورتوں اور ہمارے مصالح کو تو خوب جانتا ہے اور ہمیں عرض کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں لیکن یہ سوال اظہار افتقار اور اعتراف بندگی کے لیے کیا جارہا ہے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ ہم تیرے بندے ہیں۔ اور تیری نظر کرم کے ہر وقت محتاج ہیں۔ تجھی سے سب کچھ مانگتے ہیں اور تو ہی ہمیں سب کچھ دیتا ہے فلاحاجة لنا الی الطلب ندعوك اظهاراً لعبودیتك و افتقاراً لرحمتك۔ (مظہری)

52- اب تک طلب مزید کے لیے دامن پھیلائے رہے۔ اب سابقہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ پہلے بھی ہم تیرے دست جود و سخا کے پروردہ ہیں۔ آج تک تیرے ہی چشم لطف وکرم نے ہماری حاجت روائیاں کی ہیں۔ جب میں بوڑھا ہو گیا۔ میری بیوی بانجھ ہو گئی اور عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا وقت گزر گیا۔ اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں تو نے مجھے اسمٰعیل و اسحاق علیہما السلام جیسے دو ارجمند فرزند مرحمت فرمائے، مجھے یقین ہے کہ تو اس خوگر لطف وعطا کو پھر بھی اپنے الطاف خسروانہ سے نوازتا ہی رہے گا۔ معلوم ہوا کہ نیک بخت اور سعادتمند اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ جس کے لیے حضرت خلیل علیہ السلام جیسے جلیل المرتبہ نبی سراپا تشکر و امتنان بنے ہوئے ہیں۔

53- اقامت نماز کی دعا کی جارہی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کو بجالاتے ہوئے پابندی سے ادا کرتے رہنا معدلا لها بار کانها و آدابها محافظاً او مواظباً علیها (مظہری)

54- حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آذر آپ کا چچا تھا۔ ''اب'' کا لفظ چچا پر بھی عموماً بولا جاتا ہے لیکن والد کا لفظ حقیقی باپ کے لیے مخصوص ہے اس لیے یہاں ابوی کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ والـــدی کا لفظ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں۔ اور مجازی باپ (چچا) وہ مقصود نہیں۔ اور وہ اس بات کا مستحق نہ تھا۔

کہ اس کے لیے طلب مغفرت کی جائے اور دوسرے حضرات جو آزر کو آپ کا حقیقی والد ہی مانتے ہیں ان کے نزدیک والدی سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں گے۔(مظہری) ھذہ الآیۃ تدل علی ان والدیہ، علیہ السلام کا نا مسلمین و انما کان آزر عمالہ و کان اسم ابی ابراھیم تارخ و لاجل دفع توھم آزر قال والدی یعنی من ولدانی حقیقۃ ولم یقل ابوی فان الاب یطلق علی العم مجازا۔(مظہری)

55-ہر مظلوم و ستم رسیدہ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ گھبراؤ نہیں تمہاری دادرسی کی جائے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ کفار کی ستم کیشیوں اور ظلم رانیوں سے بے خبر ہے۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے بندوں پر کیسے کیسے ظلم اور زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔ فرمایا ہم ان کی ساری کارستانیوں کو خوب جانتے ہیں تمہیں ان کے آہنی چنگل سے ضرور رہائی دلائی جائے گی۔ یہ جو ڈھیل اُن کو دی جا رہی ہے اس میں بھی حکمت ہے۔ شخص البصر نگاہ کا ٹکٹکی لگ جانا مھطعین: فی القاموس ھطع ھطوعًا اسرع مقبلًا خائفًا ترساں اور لرزاں بڑی تیزی سے آگے بڑھتے جانا المقنع الذی یرفع راسہ جو آدمی اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو الھواء: الخلاء۔ بزدل کے دل کو کہا جاتا ہے جو ہر قوت و طاقت سے بالکل خالی ہوتا ہے یعنی جو آج مے پندار سے مدہوش ہیں۔ جنہیں آج خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء۔ غرور و نخوت کے ان پیکروں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا۔(ضیاء القرآن جلد دوئم ص۵۲۰ تا ۵۲۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ کے بارے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ علیہ السلام نے تبلیغ توحید کس طرح کی؟

مندرجہ ذیل عبارت کتاب "تذکرۃ الانبیاء" کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۷۸ سے نقل کی ہے۔

اور ان پر ابراہیم علیہ السلام کی خبر پڑھو جب اس نے اپنے باپ (چچا آذر) اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو؟ بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا میں منہمک رہتے ہیں پھر فرمایا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا بُرا کرتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دے گا اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔(پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۶۸ تا ۸۱)

ان آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جا رہا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام قریش کے جداعلیٰ اور کعبہ شریف کے بانی تھے قریش کو ان کی نسل ہونے پر بڑا ناز تھا اس لیے ان کے سامنے آپ علیہ السلام کے عقائد بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جداعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب اکبر عزوجل پر بھی ایمان لائیں، جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے داغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں: "لابیہ" سے مراد "آذر" ہے جو آپ علیہ السلام کا چچا تھا کیونکہ اسی نے آپ علیہ السلام کی پرورش کی تھی اس لیے باپ کہا گیا: "ای آزر سماہ اللہ ابالکونہ عمًا و مربیًالہ"۔(مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سمجھانے کا کتنا پیارا انداز ہے؟ ان سے ہی ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے کیونکہ ان کے بت سننے نفع و نقصان پہنچانے سے قاصر تھے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے تھے اس لیے ہم تو ان کے طریقے سے ہٹنے کے لیے کسی وقت بھی تیار نہیں۔

آپ علیہ السلام محبت بھرے طریقہ سے انہیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو، بے جا ضد اچھی نہیں، اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں، تم دنیاوی معاملات میں جب عقل و فہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آئے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گم کر دو، یہ

تو اچھی بات نہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو، میں انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں، میری بندگی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے، اس کی ساری ضروریات بھی مہیا کرتا ہے، ان کی نشوونما کے لیے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔

ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں ربّ العالمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف، کتنا معنی خیز ہے؟ آیت میں مکرر غور فرمائیے۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا انداز نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے۔ اسی طرح اشارۃً کلام کرنا ظاہر کلام کرنے سے بدرجہا موثر ہے۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا:

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور اپنی قوم کو کہا تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بغیر اور خدا چاہتے ہو۔ تو تمہارا کیا گمان ہے ربّ العالمین پر یعنی جب تم اس کے سوا دوسرے کو پوجو گے تو کیا وہ تمہیں بے عذاب چھوڑ دے گا۔ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہی منعم حقیقی مستحق عبادت ہے۔

اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا۔ جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے واپسی کے وقت بت خانہ میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کی مذمت بیان کی تو انہوں نے کہا کل ہماری عید ہے۔ جنگل میں میلہ لگے گا۔ ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرک کے طور پر کھائیں گے۔ آپ علیہ السلام بھی ہمارے ساتھ چلیں دیکھیں کہ ہمارے دین اور طریقے میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف اٹھاتے ہیں۔ جب وہ میلے کا دن آیا تو آپ کو چلنے کے لیے کہا گیا تو آپ علیہ السلام کے جواب کو قرآن مجید میں بایں الفاظ فرمایا گیا: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ○ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ○ (پ23، سورۂ صافات، 88-89)

''اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔''

آپ علیہ السلام نے ستاروں کو ایسے دیکھا جیسے ستاروں کا حساب لگانے والے دیکھتے ہیں۔ قوم چونکہ ستاروں کے حساب کی بہت معتقد تھی انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید آپ علیہ السلام نے ستاروں سے حساب لگا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ علیہ السلام بیمار ہونے والے ہیں۔ اس طرح قوم آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر اپنے میلہ پر چلی گئی۔

آپ علیہ السلام نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واضح طور پر کہہ دیا تھا۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ (پ17، سورۃ الانبیاء، 57)

''اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے! میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا اس کے بعد جب تم پیٹھ پھیر جاؤ گے۔''

جب قوم اپنے میلہ پر چلی گئی تو آپ نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ اب اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری وقت آگیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے چپکے سے بت خانہ کا رخ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قوم ان کے پاس طرح طرح کے کھانے رکھ کر گئی ہے کہ واپس آکر کھائیں گے اور بتوں کی پوجا کریں گے۔ تو آپ علیہ السلام نے بتوں کے قریب جا کر کہا: الا تاکلون ؟ تم کھاتے کیوں نہیں؟ آپ علیہ السلام کے اس ارشاد پر جب بتوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: (مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ) تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں ہو؟

وہ بے جان پتھر کی مورتیاں تھیں ان کی طرف سے کیا جواب آنا تھا۔ جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بت کھانے کے قابل نہیں، بولنے کی ان

میں طاقت نہیں، اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں سے بے جان بت ہیں۔تو آپ علیہ السلام نے ان کو مارنا شروع کر دیا۔

(سورہ الصفت، آیت: 91تا95)

''آپ نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چورا کر دیا۔سوائے ایک کے جوان سب سے بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں۔''

(پ17،سورۂ انبیاء،58)

قوم کو وہاں ہی پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے بتوں کو توڑ دیا گیا ہے۔(فَاَقْبَلُوْٓا اِلَیْہِ یَزِفُّوْنَ) تو وہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

(پ17،سورۂ النساء،59-67)

''انہوں نے کہا کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے ان میں سے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو انہیں بُرا کہتے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں وہ کہنے لگے۔تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں۔انہوں نے کہا: کیا تم نے ہمارے خداؤں کی ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا، تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور بولے بے شک تم ہی ظالم ہو پھر اپنے سروں کے بل اوندھے گرے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے تم پر اور ان بتوں پر، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیا سوائے بڑے بت کے آپ علیہ السلام نے بسولا اس کے کندھے پر رکھ دیا جب قوم کے لوگ واپس آئے تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کو کسی نے توڑ دیا ہے کیسے بے عقل لوگ تھے جن کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جو بت اپنے آپ کو نہیں بچا سکے وہ ہماری کیا امداد کریں گے؟

ان کے اس سوال پر کہ ہمارے خداؤں سے یہ سلوک کس نے کیا ان لوگوں نے بتایا جن کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں تمہارے خداؤں سے کچھ نہ کچھ بُرا سلوک ضرور کروں گا'' کہ یہ کام ابراہیم علیہ السلام نے ہی کیا ہوگا کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کی برائیاں بیان کرتا تھا۔

اب وہ کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام کو سامنے لاؤ تاکہ اس پر گواہیاں قائم کر کے مقدمہ قائم کیا جا سکے جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ یہ کام تم نے کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ بسولا تمہارے بڑے بت کے کندھے پر ہے اسی نے یہ کیا ہوگا اپنے ان خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں تو بتائیں گے۔

آپ علیہ السلام کے اس حکیمانہ جواب پر کچھ دیر کے لیے تو وہ سوچنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور ہم ہی بے وقوف ہیں کہ ایسے خداؤں کی پوجا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکے۔یہ حقیقت ہے کہ ہم اس معاملہ میں اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد ان پر پھر بدبختی سوار ہو گئی کہنے لگے ہم ان سے پوچھیں یہ تو بولتے ہی نہیں اس طرح وہ اپنی گمراہی پر قائم رہے۔

اعتراض:

قوم جب میلہ پر جانے لگی تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: (اِنِّیْ سَقِیْمٌ) میں بیمار ہوں۔حالانکہ آپ علیہ السلام بیمار نہیں تھے۔یہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑ دیئے، قوم نے پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: (بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ) یہ کام تو ان کے بڑے نے کیا ہے حالانکہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو نہیں توڑا تھا تو آپ علیہ السلام نے یہ کیسے کہہ دیا؟ یہ بھی معاذ اللہ جھوٹ نظر آتا ہے اور حدیث شریف میں بھی آپ علیہ السلام کی تین باتوں کا ذکر ملتا ہے ان تین میں سے دو یہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔

جواب:

جھوٹ بولنے والا نبی نہیں ہو سکتا جھوٹ گناہ کبیرہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام قبل از نبوت اور بعد از نبوت صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں۔

وہ حدیث جس سے بعض غیر اسلامی لوگوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے اس کی وضاحت کی جاتی ہے تا کہ یہ سمجھ آ سکے کہ حدیث پاک کا اصل مطلب کیا ہے اگر حدیث پاک کا ترجمہ ہی صحیح کر دیا جائے تو سمجھ آ سکتا ہے کہ مطلب کیا ہے وہ حدیث پاک یہ ہے:

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام) کا اُردو ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

ایک آپ کا قول: (انی سقیم) میں بیمار ہونے والا ہوں۔

دوسرا آپ کا قول: (بل فعلہ کبیرھم) ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ان میں سے تیسرا قول: (جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے تو اس دوران) ایک دن آپ اور آپ کی زوجہ کا ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ایک جابر ظالم شخص مسلط تھا اس کو لوگوں نے بتایا یہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ وہ ان سے پوچھے یہ تمہارے ساتھ عورت کون ہے؟ اس کے سوال پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ علیہ السلام حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے ان کو کہا اگر اس ظالم کو پتہ چل گیا کہ تم میری زوجہ ہو تو وہ جبراً تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ اگر وہ تم سے سوال کرے تم اس کو خبر دینا کہ تم میری بہن ہو، اس لیے کہ اسلام میں تم میری بہن ہو کیونکہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے بغیر کوئی مومن نہیں۔ اس ظالم نے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے پاس قاصد بھیج کر ان کو اپنے پاس بلا لیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنی شروع فرما دی حضرت سارہ سلام اللہ علیہا جب اس ظالم کے پاس پہنچیں اس نے آپ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا۔ پاگلوں کی طرح ہو گیا اس کا گلا گھونٹ گیا، منہ سے جھاگ بہنے لگی، ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس نے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو کہا تم میرے لیے دعا کرو میں تمہیں تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ٹھیک ہو گیا اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے کی طرح ربّ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس نے پھر حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سے دعا کرنے کی درخواست کی، آپ نے پھر دعا کی جب وہ ٹھیک ہو گیا پھر اس نے اپنے دربان کو بلایا اور کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ کسی جن کو لے آئے ہو، اس ظالم نے آپ کو حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا بطور خادمہ دے کر واپس لوٹا دیا۔

(مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں تحریر کیا ہے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا روم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں ان سے بھی اس ظالم کا انجام ایسا ہی ہوا تھا اس لیے اس نے کہا ان دونوں کو یہاں سے نکال دو یہ دونوں انسان نہیں بلکہ جن ہیں۔)

اس کی تائید میں تاریخ ابن خلدون جلد دوم ص: 111 سے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی فتح مصر

طبری کہتا ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر قبضہ کیا تو لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے آگاہ کیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ ایسا نسب ہے کہ جس کے حق کی نگہداشت سوائے نبی علیہ السلام کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ سب بعید ہے'' اہلِ مصر نے پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا لونڈی نہیں تھیں بلکہ خاندان سلطنت سے تھیں۔ وہ ہمارے بادشاہوں میں سے ایک حکمران کی بیوی تھیں۔ ہم سے اور اہل عین شمس سے جنگیں ہوئیں۔ اہلِ عین شمس ہم پر غالب آئے اور ان کے والی نے ہمارے شاہی محل کو لوٹ لیا اور بادشاہ کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں عورتوں میں حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں جو حضرت

ابراہیم علیہ السلام تمہارے باپ کو دی گئیں۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۱) جس بادشاہ کے پاس سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا پہلے تھیں اور جس نے سیدہ سارہ سلام اللہ علیہا کا ارادہ کیا تھا (یہ واقعہ امام سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے الروض الانف صفحہ 520 پر تحریر کیا ہے) اس بادشاہ کا نام صادوق شاہ اردن تھا لیکن اس سے اگلے صفحہ پر تحریر کرتا ہے کہ طبری نے لکھا ہے اس کا نام سنان بن علوان تھا اور وہ ضحاک کا بھائی تھا۔ ضحاک کو افریدون نے قتل کیا تھا لیکن ابن ہشام اپنی کتاب ''التیجان'' میں اس کا نام عمرو بن امرئ القیس بن ابلیون بن سیا لکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ (ترجمہ اردو) بے شک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مصر کو فتح کرو اور بے شک مصر کو تم فتح کرو گے تو اہل مصر کے ساتھ نیکی کرنا کیونکہ ان کو ذمہ اور رشتہ ہے یا صہر (وامادی ہے) علامہ ابن اسحاق زہری سے روایت کرتا ہے کہ میں نے زہری سے کہا وہ کون سا رشتہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے؟ زہری نے جواب دیا کہ جناب سیّدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا مادر سیّدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام انہیں میں سے تھیں۔ اس کے علاوہ رواہ حدیث صہر کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مادر سیّدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میں سے تھیں۔ جنہیں مقوقس نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً بھیجا تھا۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۱)

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آئیں آپ نماز ادا فرما رہے تھے آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیسا حال ہے؟ آپ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو اسی کے سینہ پر لوٹا دیا یعنی وہ ذلیل ہوا اس نے مجھے ہاجرہ سلام اللہ علیہا بطور خادمہ دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اہل عرب یہ (ہاجرہ سلام اللہ علیہا) تمہاری ماں ہے۔

تشریح حدیث:

(مرقاۃ المفاتیح کا اُردو ترجمہ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام سے مطلقاً جھوٹ ثابت نہیں ہوسکتا لیکن یہ جھوٹ جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سننے والے کی طرف منسوب ہیں جن کو سننے والے نے جھوٹ سمجھا اس لیے کہ بظاہر جھوٹ نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھے، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ اس طرح کلام فرمایا کہ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھا ان تین مرتبہ کے علاوہ آپ علیہ السلام نے کوئی ایسا کلام نہیں فرمایا جس کو لوگوں نے بھی جھوٹ سمجھا ہو۔

پہلا ارشاد گرامی (اِنِّی سَقِیۡمٌ):

آپ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب پہلے تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ قوم نے آپ کو میلہ میں شرکت کی دعوت دی تو آپ علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: (اِنِّـیْ سَـقِیْمٌ) یعنی میں بیمار ہونے والا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں کل ہی بیمار ہونے والا ہوں بلکہ آپ علیہ السلام نے صرف یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی تو ضرور بیمار ہوتا ہے۔ آپ نے معنی دور والا لیا اور لوگوں نے قریب والا سمجھا یہ ''توریہ'' کہلاتا ہے، جو جائز ہے۔

دوسری وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''فقال انی سقیم القلب لما فیه من الغیظ باتخاذ کم النجوم الهة و بعبادتکم الاصنام''o (مرقاۃ المفاتیح)

آپ نے فرمایا: میرا دل بیمار ہے۔ اس لیے کہ مجھے بہت غصہ ہے کہ تم نے ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے یا اس لیے مجھے غصہ ہے کہ تم نے بتوں کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔ اس غصہ کی وجہ سے ذہنی پریشانی میرے دل کے بیمار ہونے کا سبب ہے۔ یعنی آپ کی بات صداقت

پر مبنی تھی کہ میں قلبی طور پر بیمار ہوں لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

دوسرا ارشاد(بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ):

قوم جب میلے پر چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑا یا بسولا ان کے بڑے بت...... یعنی جس کو وہ بڑا خدا سمجھتے تھے اس...... کے کندھے پر رکھ دیا۔ جب وہ قوم واپس آئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے ہمارے خداؤں سے یہ زیادتی کس نے کی ہے؟ جب بعض لوگوں نے کہا یہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہوگا۔ آپ علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ جس کا عام معنی ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ آپ نے کہا یہ اس بڑے بت نے کیا ہے یعنی اس نے توڑا ہے اور لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق جھوٹ سمجھا حالانکہ اس کا مطلب ہی یہ نہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مختلف مطالب بیان کیے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے؟

پہلی وجہ:

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام اس بت نے کیا ہے بلکہ آپ علیہ السلام نے اس سے مراد اپنی ذات لی آپ علیہ السلام کا یہ کلام تعریض پر مبنی تھا یعنی کلام کرنے والا اور مراد لے رہا ہو سننے والا اور سمجھے۔ یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ایک شخص لکھنے کا ماہر ہو وہ ایک نفیس خط لکھے دوسرا شخص جو لکھنا نہیں جانتا وہ ماہر خط سے پوچھے کیا یہ تم نے لکھا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے: بل کتبته انت ، بلکہ تم نے لکھا ہے یہ الزاماً اس کو خاموش کرنا ہے۔ یعنی اس جملہ سے اس شخص کی نفی کی جا رہی ہے جو قادر نہیں اور جو شخص قادر ہے اس کے لیے ثابت کرنا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت کی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہے، وہ کیسے کر سکتا ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہی نہیں؟

دوسری وجہ:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بتوں کو مزین کیا ہوا ہے اور ان کو قوم نے بڑا برگزیدہ سمجھا ہوا ہے تو آپ علیہ السلام کو غصہ آیا اور یہ دیکھ کر غصہ اور زیادہ شدید ہو گیا کہ لوگوں نے بڑے بت کو زیادہ مزین کیا ہوا ہے اور اس کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں جب اس بڑے بت کو دیکھ کر غصہ زیادہ ہوا تو سب بتوں کو توڑ دیا۔

”فاسند الفعل اليه لانه هو السبب في استهانته بها و حطمه لها و الفعل كما يسند الى مباشره يسند الى حامله“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فعل کو بت کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ وہ ان کو توڑنے اور ذلت کا سبب بنا کیونکہ اس کو دیکھ کر آپ علیہ السلام کو زیادہ غصہ آیا تھا جس طرح کام کرنے والے کی طرف فعل منسوب ہوتا ہے اسی طرح کام پر ابھارنے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے۔

تیسری وجہ:

آپ علیہ السلام نے ان کے مذہب کے مطابق کلام کیا کہ تم جب اس کو خدا سمجھتے ہو تو پھر یہ کام اس نے کیا ہوگا۔

”فان من حق من يعبد و يدعى الها ان يقدر على هذا او اشد منه“

یعنی جس کو تم عبادت کا مستحق سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا معبود ہے وہ یہ کام کرنے پر قادر ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قدرت اسے ہونی چاہئے۔ مقصد ان کو سمجھانا تھا کہ جب تم یہ نہیں مانتے کہ اس نے بتوں کو توڑا ہے کیونکہ یہ توڑنے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ معبود کیسے بن سکتا ہے۔

چوتھی وجہ:

یہاں کچھ عبارت غیر مذکور ہے اصل عبارت اس طرح ہے:

"فعله من فعله و كبيرهم هذا"

جس نے کرنا تھا اس نے کر دیا یہ ان کا بڑا ہے اس سے پوچھ لو۔

گویا اس بیان کا مقصد ہی یہ تھا کہ میں نے یہ کام کر دیا ہے اپنے بڑے خدا سے پوچھو اگر یہ بولنے کی طاقت رکھتا ہے اس میں بھی ان کو تبلیغ تھی کہ یہ تمہارا خدا تو یہ بھی نہیں بتا سکتا یہ کام کس نے کیا ہے۔

پانچویں وجہ:

''کبیرھم'' پر وقف ہے اور ''ھذا'' سے پھر کلام کی ابتداء ہے، معنی یہ ہے کہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے یہ تمہارا خدا ہے اس سے پوچھ لو اگر بولتا ہے۔

"ادعى نفسه لان الانسان اكبر من كل صنم"

اس سے مراد آپ علیہ السلام نے اپنی ذات لی ہے کیونکہ انسان تمام بتوں سے بڑا ہے مقصد یہ تھا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے وہ بڑا میں ہی ہوں کیونکہ میں انسان ہوں اور تمہارے خداؤں سے بڑا ہوں انسان کے مقابل ان بتوں کی کیا حیثیت ہے۔

چھٹی وجہ:

کلام میں تقدیم و تاخیر ہے گویا کہ اصل معنوی لحاظ پر اس طرح ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝ (پ17، رکوع5، الانبیاء، 63)

آپ نے فرمایا: ان کے اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔

"فتكون اضافة الفعل الى كبيرهم مشروطا بكونهم ناطقين فلما لم يكونوا ناطقين امتنع ان يكونوا فاعلين"

فعل کی اضافت ان کے بڑے بت کی طرف مشروط طور پر ہے اگر یہ بولتے ہیں تو ان کے بڑے نے کیا ہے جب وہ بولتے ہی نہیں تو یہ کام ان کے بڑے بت نے نہیں کیا۔

ساتویں وجہ:

فا یک قرات میں ہے ''فلعله کبیرهم'' آیا ہے اس کے مطابق معنی یہ ہوگا فلعل الفاعل كبيرهم شاید یہ کام کرنے والا ان کا بڑا ہوگا۔

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام صداقت پر مبنی تھا اگرچہ سننے والے نہ سمجھ سکے اور انہوں نے اپنے باطل گمان میں جھوٹ سمجھا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو جھوٹا کہنے سے راویوں کو جھوٹا کہنا بہتر ہے:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"اضافة الكذب الى رواته اولى من ان يضاف الى الانبياء الكرام"

اگر ایسی کوئی روایت ہو جس سے انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہو اور اس روایت کی کوئی تاویل نہ ہو سکے جس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت ثابت ہو سکے تو اس صورت میں راویوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کو جھوٹا کہنا محال ہوگا۔ ایسی صورت میں روایت کو رد کر دیا جائے گا لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ (از تفسیر کبیر)

آپ کا تیسرا ارشاد:

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے متعلق آپ علیہ السلام نے فرمایا: "ھذہ اختی" "یہ میری بہن ہے۔ اس کی وجہ حدیث پاک میں خود ہی واضح ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ مراد نہیں لیا کہ یہ میری نسبی بہن ہے بلکہ آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو کہا انت اختی فی الاسلام تم اسلام میں میری بہن ہو اس لیے کہ اخوۃ اسلامی کے لحاظ پر باپ بیٹا بھی بھائی بھائی ہیں۔ ماں بیٹا بھی بھائی بہن ہیں، اسی طرح خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔

بتوں کو توڑنے پر ابراہیم علیہ السلام کو سزا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کفار کے بناوٹی خداؤں کو تباہ کر دیا اور دلائل میں بھی ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا اور سب سزاؤں سے سخت سزا تجویز کی یعنی یہ کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں جلا دیا جائے حالانکہ آگ کا عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے بندے کے لیے جائز نہیں کہ کسی کو آگ کا عذاب دے لیکن نمرود اور اس کی قوم نے آپ علیہ السلام کو جلانے کی سزا دی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

"قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ٥" (پ23، سورۂ صافات، 97)

وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

یعنی ارد گرد بہت بڑی دیوار بنا کر اس کے درمیان آگ جلا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔

"قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ٥" (پ17، سورئہ انبیاء، 68)

بولے اس کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

ذرا غور کریں کتنے بے وقوف لوگ تھے کہ یہ بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ جن بتوں کی ہم امداد کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی امداد کچھ نہ کر سکے وہ خدا بننے کے قابل کیسے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ:

آپ علیہ السلام کو آگ میں جلانے کے لیے جو چار دیواری بنائی گئی اس کی مقدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی کہ اس کی بلندی تیس ذراع (پینتالیس فٹ) اور چوڑائی بیس ذراع (تیس فٹ) اور طول تیس ذراع (پینتالیس فٹ)۔

(تفسیر کبیر زیر آیت فقالو ابنوا له بنیانا، جلد26،ص:150)

آگ میں ڈالنے کا مشورہ دینے والا:

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے مجاہد کیا تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا سب سے پہلے مشورہ دینے والا کون تھا؟ میں نے کہا مجھے تو علم نہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ فارس کے دیہات میں رہنے والا شخص تھا جس کا نام "اکراد" تھا بعض جگہ اس کا نام اکراد بن عطیہ مکمل طور پر ذکر ہے نام کے متعلق دو قول اور بھی ہیں۔ ایک قول کے مطابق نام ھیون ہے اور دوسرے کے مطابق ھدیر ہے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

آپ علیہ السلام کو جلانے سے پہلے قید کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر آگ جلانے کے لیے چار دیواری باڑہ کی طرح بنانی شروع کر دی جب باڑہ تیار ہو گیا تو پھر لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں ہر قسم کی لکڑیاں چالیس دن تک وہ سب لوگ جمع کرتے رہے یہاں تک کہ اگر کوئی بوڑھی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ بھی کہتی اگر مجھے اس بیماری سے شفاء حاصل ہو گئی تو میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے لکڑیاں لاؤں گا۔

وہ کیسی آگ تھی؟

جب تمام لوگوں نے مل کر چالیس دن تک محنت کر کے کثیر مقدار میں لکڑیاں جمع کر لیں تو آگ جلا دی گئی آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں

کرنے لگے اتنی عظیم اور شدید آگ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ نہیں اڑ سکتا تھا۔

آگ میں ڈالنے کے لیے شیطان کی راہنمائی:

جب آگ بہت زیادہ شعلہ زن ہو گئی اس کی حرارت اتنے دور دور تک پھیل گئی کہ آگ کے قریب جانا کسی انسان کی طاقت میں نہ رہا تو وہ کفار حیران و پریشان ہو گئے کہ سب محنت ضائع جاتی ہے کیونکہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے ڈالا جائے تو شیطان نے آ کر ان کی راہنمائی کی کہ ایک منجنیق تیار کی جائے اور ابراہیم علیہ السلام کو رسیوں سے جکڑ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینک دیا جائے خیال رہے سب سے پہلے دنیا میں یہی منجنیق تیار ہوئی بعد میں اسی کو جنگوں میں استعمال کیا جاتا رہا اور منجنیق کے ذریعے پتھروں کو گولوں کی طرح پھینکا جاتا تھا۔

زمین و آسمان کی مخلوق کی فریاد:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب رسیوں سے باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو سوائے جنوں اور انسانوں کے اللہ تعالیٰ کی زمین و آسمان کی ساری مخلوق چلا اٹھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنے لگی اے مولائے کائنات زمین میں سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اور نہیں جو تیری عبادت کرے۔ اے اللہ آج وہ تیرا نام لینے کی وجہ سے جلایا جا رہا ہے۔

زمین و آسمان کے فرشتے، جانور، وحوش و طیور سبھی یہ ماجرا دیکھ کر حیران و پریشان ہیں۔ رب تعالیٰ کی حکمت سے بے خبر تھے، سوچ رہے تھے اب کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا تو آج جل جائے گا اب زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کون ہوگا؟

فرشتوں نے آپ کی امداد کرنے کی اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی:

زمین و آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی اے اللہ (عزوجل)! ہمیں اجازت فرما کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی امداد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرما دی کہ اگر وہ تم سے امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو تم ان کی امداد کر دو اور اگر وہ میرے بغیر کسی اور سے امداد نہیں حاصل کرتے تو میں انہیں زیادہ جانتا ہوں میں ہی ان کا ولی ہوں، ان کا معاملہ مجھ پر ہی چھوڑ دو بے شک وہ میرے خلیل ہیں۔ اس وقت تمام روئے زمین پر ان کے بغیر اور میرا کوئی خلیل نہیں اور میں ہی ان کا معبود ہوں میرے بغیر ان کا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل:

ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہواؤں پر مقرر فرشتہ آیا اور وہ فرشتہ بھی حاضر ہوا جو پانیوں پر مقرر تھا۔ ان دونوں نے عرض کیا آپ علیہ السلام ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آگ کو ختم کر دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔

"حسبی اللہ و نعم الوکیل"

میرا اللہ مجھے کافی اور وہی بہتر کارساز ہے۔

آپ علیہ السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ آپ علیہ السلام کو میری امداد کی ضرورت ہو تو میں آپ علیہ السلام کی امداد کروں۔ آپ نے فرمایا: مجھے تمہاری امداد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: اچھا تو پھر اپنے رب تعالیٰ سے ہی سوال کر لو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"حسبی من سوالی علمہ بحالی"

وہ میرے حال کو جانتا ہے سوال کے بغیر ہی مجھے کافی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کتنا بھروسہ ہے؟ یہ تو کہہ دیا جاتا ہے کہ غیر اللہ سے امداد طلب کرنا جائز نہیں، اگر جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے امداد طلب کرتے۔ کاش! ان لوگوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ملائکہ سے بلند ہے۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے سے کم مراتب والوں سے امداد طلب کریں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی طرح عام انسان توکل کیسے کر سکتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کرتے کہ وہ خود ہی جانتا ہے مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

چھپکلی کا آگ کو پھونکیں دینا:

"ویروی ان الوزغ کان ینفخ فی النار وقد جاہ ذالک فی روایۃ البخاری"

بخاری کی روایت میں آیا ہوا ہے کہ چھپکلی آگ میں پھونکیں دیتی تھی۔

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فویسق (بری چیز) کے نام سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چھپکلی کو پہلی ہی ضرب سے قتل کرنے میں زیادہ ثواب ہے اور دوسری ضرب میں قتل کرنے میں اس سے کم ثواب ہے اور تیسری ضرب میں قتل کرنے کا اس سے کم ثواب ہے۔ لیکن بخاری میں چھپکلی کی بجائے سانڈ تحریر کیا گیا ہے۔

(از مسلم، جلد 2، ص:244)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں عجیب منظر:

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے امداد لینے کا انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہ کیا کہ آگ میں جانے سے پہلے ہی مجھے بچالے بس صرف ایک بات مدنظر تھی کہ رب تعالیٰ جس پر راضی ہے میں بھی اسی پر راضی ہوں۔

کافروں نے جب آپ علیہ السلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو آپ علیہ السلام نے یہ الفاظ مبارکہ پڑھے:

"لا الٰہ الا انت سبحانك لك الحمد ولك الملك لا شريك لك"

تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے سب تعریفیں تیرے لیے ہی ہیں، سب چیزیں تیری ہی ملک میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔

کافروں نے آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا:

"یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ٥"(پ 17، سورۃ الانبیاء، 69)

اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کے ساتھ ساتھ سلامتی کا حکم بھی دیا تا کہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا بھی نقصان نہ ہو۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آگ کو سلامتی کا حکم نہ دیتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ سردی سے وفات پا جاتے۔

روایات میں آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ باہر باہر جلتی رہی لیکن اس کی حرارت ابراہیم علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی بلکہ آگ کے اندر ایک باغ بنا دیا گیا۔

یعنی جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے آپ علیہ السلام کو پہلوؤں سے پکڑ کر ایک جگہ زمین میں بٹھا دیا جہاں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور اردگرد گلاب، نرگس اور چنبیلی کے پودے اور پھول اپنا حسین و جمیل منظر پیش کر رہے تھے۔ آگ نے صرف ان رسیوں کو جلایا جن سے آپ علیہ السلام کو باندھا گیا اور ان کے جلنے سے بھی آپ علیہ السلام کو کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں ہوا۔

خیال رہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا گیا اس وقت دنیا میں کوئی ایسی آگ نہیں تھی جو بجھ نہ گئی ہو یعنی دنیا کی تمام آگیں ایک مرتبہ بجھ گئی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں کتنے دن رہے:

منہال بن عمرو سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں آگ میں رہنے کے دنوں میں جتنا خوش رہا اور میں نے عیش و عشرت کی اتنی پوری زندگی میں مجھے عیش حاصل نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ نے سایہ پر مقرر فرشتے کو ابراہیم علیہ السلام کی ہی شکل میں ان پر بھیجا کہ وہ آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے تاکہ وہ اس سے انس حاصل کریں اکیلے ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو کوئی پریشانی نہ ہو آپ علیہ السلام کے پاس جبرائیل علیہ السلام جنت میں سے ایک ریشمی قمیض لائے اور کہا اے ابراہیم بے شک آپ علیہ السلام کو رب کہتا ہے کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں کہ میرے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں دیکھنا:

نمرود نے اپنے محل کی بلندی سے دیکھا تو ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغ میں بیٹھے ہوئے پایا اور ایک شخص (فرشتے) کو بھی آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا اور آپ علیہ السلام کے اردگرد لکڑیوں کو جلتے ہوئے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھ کر آپ علیہ السلام کو پکارنے لگا اے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں نکل سکتا ہوں۔ اس نے کہا: اٹھو اور نکل آؤ۔ (ممکن ہے اس نے یہ سمجھا ہو کہ جب نکلیں گے تو باہر جلتی ہوئی آگ سے گزریں گے تو جل جائیں گے) ابراہیم علیہ السلام اٹھے اور چلتے چلتے آگ سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام سے نمرود نے پوچھا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی شکل کا دوسرا آدمی کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ سایہ پر مقرر فرشتہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے میرے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ مجھے اکیلے ہونے سے کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نہ ہو بلکہ میں اس سے اُنس حاصل کر سکوں۔

نمرود رب کریم کی قدرت کا اقرار کرنے کے باوجود گمراہ رہا:

نمرود نے کہا جب میں نے تمہارے رب تعالیٰ کی عزت وقدرت کو دیکھا تو میں نے نذر مانی کہ میں تمہارے رب ذوالجلال والاکرام کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی کروں گا اس لیے میں تمہارے رب ذوالجلال والاکرام کے حضور چار ہزار گائے کی قربانی پیش کر رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول نہیں کرے گا۔

اس نے کہا میں اپنی بادشاہی کو تو نہیں چھوڑ سکتا البتہ قربانی ضرور کروں گا یا اپنی نذر سے دوسرے علاقہ کو روشن کرتا ہے تو پہلے علاقہ کو تاریکی میں دبا دیتا ہے۔ بھلا وہ چیز جو خود اپنے محور میں گھومنے کے لیے کسی کے حکم کی پابند ہو خدا بن سکتی ہے؟ نہیں نہیں، یہ خدا کبھی بھی نہیں بن سکتی۔ اے میری قوم اللہ تعالیٰ سے شریک ٹھہرانا چھوڑ دو، میں تو پہلے ہی بیزار ہوں مجھ سے تمہاری یہ توقع کہ "میں بھی تمہارے ساتھ معبودانِ باطلہ کو ماننے میں شریک ہو جاؤں گا" بے سود ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری توجہ کا مرکز تو صرف زمین وآسمان کا خالق ہے میں اس کے ساتھ اور کوئی شریک ٹھہراؤں یہ کیسے ہو سکتا ہے میں کوئی مشرک تو نہیں۔

قوم نے آپ علیہ السلام کو باطل معبودوں کی مخالفت سے ڈرانے کی کوشش کی کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے ان کی مخالفت سے باز آ جاؤ آپ علیہ السلام نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

"وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ" (پ7، سورۂ انعام، 80)

جن کو تم (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہو مجھے ان سے کوئی ڈر نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ" (پ 3، سورئہ بقرہ، 258)

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا اس کے رب تعالیٰ کے بارے میں اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دی۔

اس سے مراد اس وقت کا بادشاہ ہے جس کا نام نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب ہے یہ ہی پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور رعایا پر ظلم وستم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا سارے جہان کی بادشاہت اس کو ملی اس کی کل عمر آٹھ سو برس تھی چار سو سال اپنی بادشاہی کے رعب و دبدبہ میں گزارے اور

چار سو برس کے بعد مچھر نے اسے کاٹا جو ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس گیا تھا وہ اپنے سر پر جوتے لگوا تا رہا اس نے اللہ تعالیٰ کو مقابلہ کرنے کے لیے بلند قلعہ بنوایا تھا اس کا دارالخلافہ بابل میں تھا۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن، روح البیان)

تمام روئے زمین کے چار بادشاہ:

جن کو کل دنیا کی بادشاہت حاصل رہی ہو وہ صرف چار شخص ہیں، دو مسلمان اور دو کافر:

ایک: حضرت سلیمان علیہ السلام

دوسرے: حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام

تیسرا: نمرود اور چوتھا: شداد بن عاد جس کا نام بخت نصر تھا۔

''شداد'' نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی۔ جنت جب تیار ہوئی تو دیکھنے کے لیے گیا، ابھی اس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل کو حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کر لو۔

(از تفسیر عزیزی و روح البیان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ کب ہوا؟

کبیر اور روح المعانی میں دو قول نقل کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کے توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام جب آگ سے باہر تشریف لائے تو اس وقت یہ مناظرہ ہوا مناظرہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارا رب کون سا ہے جس کی میں عبادت کروں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رب تعالیٰ کے متعلق دلیل:

''اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ'' (پ3، سورۂ بقرہ، 258)

جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا ربّ عزوجل وہ ہے کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

یعنی اجسام میں موت وحیات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک خدا کو نہ پہچاننے والے کے لیے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رب تعالیٰ کے وجود کی شہادت دے رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطا فرمائی وہ ربّ عزوجل ہے اور زندگی کے بعد پھر اجسام کو جو موت دیتا ہے وہ پروردگار ہے۔ اس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت وحیات میں موجود ہے اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمال جہالت وسفاہت اور انتہائی بدنصیبی ہے۔

یہ دلیل ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے نہ بن پڑا اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اس کو لاجواب اور شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے تو اس نے کج بحثی (ٹیڑھی بحث) اختیار کی۔

''قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ'' (پ3، سورۂ بقرہ، 258)

بولا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

نمرود نے دو شخصوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ اسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مار دیتا ہوں۔ یہ اس کی نہایت احمقانہ بات تھی، کہاں قتل کرنا اور چھوڑ نا؟ اور کہاں موت وحیات پیدا کرنا؟ قتل کیے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے زندہ کے چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں۔ اس کی ذلت کے لیے کافی تھا۔ عقلمندوں پر تو ظاہر ہو گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل قوی اور قطعی ہے۔ اس کا جواب ممکن نہیں۔

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعویٰ بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی الوھیت موت و حیات پیدا کرنا تیری قدرت میں کہاں بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اس سے آسان کام کر کے دکھا۔

پ3، سورۂ بقرہ، 258 کا اُردو ترجمہ:

ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔

وہ کافر ربّ تعالیٰ کی طرف سے حیران کر دیا گیا ورنہ اس میں بھی وہ کج بحثی (ٹیڑھی بحث) اس طرح کر سکتا تھا کہ سورج کو مشرق سے تو میں لاتا ہوں تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ مغرب سے لائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مبہوت کر کے لاجواب کر دیا، وہ اس طرح ذلیل ہوا۔

جب اس سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں تم اپنے ربّ تعالیٰ سے مانگو وہی تمہیں غلہ دے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

ریت غلہ بن گئی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گزرے وہاں سے ایک تھیلے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے تھیلا رکھ کر سو گئے۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گندم تھی آپ سلام اللہ علیہا نے اسے پیس کر روٹیاں تیار کیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جاگے تو آپ علیہ السلام کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا کہ یہ گندم کہاں سے آئی ہے تو آپ علیہ السلام کی زوجہ نے عرض کیا وہی جو آپ علیہ السلام تھیلا بھر کر لائے ہیں تو آپ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ربّ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا ہے۔

نمرود ایک مرتبہ پھر ایمان لانے سے محروم:

اللہ تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ بھیجا جس نے آکر کہا: تیرا ربّ کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا، ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔ وہ بولا ربّ تو میں ہی ہوں میرا ربّ کون ہے؟ تین دفعہ یہ واقعہ درپیش آیا لیکن وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

نمرود اور اس کی قوم کا انجام:

نمرود کی قوم پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا، مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ ان سے سورج چھپ گیا تھا، زمین پر دھوپ نہ آتی تھی، مچھروں نے ان کے خون چوس لیے، گوشت چاٹ لیے، سوائے نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں۔ نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا، پھر ایک مچھر اس کی ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا، جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ کاٹتا، چنانچہ دن رات اس کے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے رہتے تھے۔ اب اس کے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اس کے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹتا رہا پھر بہزار ذلت مرا، اس کی عمر آٹھ سو سال سے کچھ ہی زیادہ ہوئی۔ (ماخوذ از خزائن العرفان، خازن، نعیمی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا:

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ"

(پ3، سورۃ بقرۃ، 260)

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے ربّ عزوجل مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے زندہ کرے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کیا یقین کیوں نہیں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سترہ وجوہ بیان فرمائی ہیں، لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے چار کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ ظاہر اور واضح ہیں اور باقی

وجوہ غیر ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ:

آپ علیہ السلام کو پہلے علم استدلالی حاصل تھا اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ علم ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے۔اس لیے کہ امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدلالی میں کبھی شکوک واقع ہوتے ہیں لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ خود نبی علیہ السلام کے لیے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی علیہ السلام کا علم شک سے پاک ہوتا ہے البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے تو مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ:

آپ علیہ السلام یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعا کی قبولیت کا کیا مقام ہے اس صورت میں اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے تم میرے پسندیدہ ہو اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ:

آپ علیہ السلام کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اس لیے کیا تاکہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ عین الیقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن علم الیقین میں مشاہدہ ضرورت نہیں۔

چوتھی وجہ:

جب آپ علیہ السلام نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی (رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ) میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے اللہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کر میں دیکھوں تاکہ میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔ (شرح نووی علی المسلم، جلد ۱، کتاب الایمان با زیادۃ طمانیۃ القلب)

اعتراض:

حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں۔اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ علیہ السلام کو یقین نہیں تھا۔

جواب:

حدیث پاک کے ترجمہ اور سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں جو معترضین پیش کرتے ہیں حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں مطلب خود واضح ہو جائے گا۔

"عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحن احق بالشک من ابراھیم اذ قال ربّ ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی" (مسلم، جلد ۱، کتاب الایمان باب زیادۃ طمانیۃ القلب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے۔ جب عرض کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اے میرے رب عزوجل مجھے دکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے بلکہ اس حدیث پاک کا ترجمہ جو بیان کیا ہے اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے تاکہ زیادتی

وضاحت کے لیے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کی شرح بیان کی ہے اس سے ایک قول بیان کیا جارہا ہے، آپ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد:

''نحن احق بالشك من ابراهيم'' کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابوابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے: (اُردوترجمہ)

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے شک واقع ہوسکتا تو بہ نسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے میں میں زیادہ حق رکھتا اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہئے کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

خیال رہے اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی اور عجز وانکساری سے اپنے آپ کو ان سے کم مرتبہ بیان کیا ورنہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بھی بیان کی ہے۔

مردے زندہ ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو دکھادیئے:

(پ3، سورۃ بقرۃ، 260 کا اُردوترجمہ:)

فرمایا: اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ مانوس کرلو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس چلتے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے یعنی مور، گدھ، (ایک روایت میں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے) کوا اور مرغ اپنے ساتھ پہلے مانوس کئے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کے ٹکڑے کئے اور ان کے گوشت اور ہڈیاں وغیرہ کو غلط ملط کر کے چار پہاڑوں پر ان کو رکھ دیا۔

پھر آپ نے انہیں پکارا!

اے جدا جدا ہڈیو! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو! اے کاٹی ہوئی رگو! ایک دوسرے سے مل جاؤ! تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو تم میں لوٹا دے۔

یہ سن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ پر دوسرے پروں سے جا ملے۔ گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے یہاں تک کہ خون خون سے مل گیا۔

اس طرح آپ علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ علیہ السلام کو عین الیقین کا مرتبہ عطا کردیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے ابراہیم تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ بے شک میں نے زمین کو پیدا کیا ہے اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں۔

(1) شمالی جانب سے چلنے والی ہوا

(2) جنوبی جانب سے چلنے والی

(3) بادِصبا

(4) بادِبور

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تمام مردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہوجائیں گے، جیسے ان چار پرندوں کو تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کردیا گیا ہے۔ میرے سامنے تم تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا ہے۔ (روح المعانی)

تنبیہ:

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کے جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے اذن سے ان کو بلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آ گئے۔ مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ علیہ السلام ان کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں، جو میں نے اپنے ساتھ ہلا ملا لیے تھے۔

اور بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام نے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ آپ علیہ السلام کے بلانے پر ان کے تمام اجزاء اپنے اپنے اجزاء سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آ کر مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔

تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علو مرتبت یعنی مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطا فرمائی ہے اس لیے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ آپ علیہ السلام کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو ذبح کر دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیا۔ پھر ان کو بلایا تو تمام ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جدا ہو کر اپنے اپنے ٹکڑوں سے مل گئے۔ قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرات جمع ہو جائیں گے اور ان سے بدن معرض وجود میں آئیں گے، ان کی روحیں ان سے مل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس کی تائید کر رہا ہے۔

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌۙ (پ27، سورۃ قمر، 7)

''نیچی آنکھیں کیے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ ٹڈی ہیں پھیلی ہوئی۔'' (تفسیر کبیر)

چار کا حکم دینے کی وجہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک عزوجل نے کہا: اے میرے خلیل تم نے تو اپنی عبودیت کے پیش نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردہ کو زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، پانی، ہوا سے مرکب ہیں۔ اس لیے چار کو ذبح کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصر اربعہ کے مرکبات کو زندہ کروں گا۔ (تفسیر کبیر)

سب پرندوں میں چار کو خاص کرنے کی وجہ:

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت، مرتبہ، بلند مراتب سے محبت ہے اور یہ اوصاف مور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ (پ3، سورۃ آل عمران، 14)

''خواہشات کی محبت کو لوگوں کے لیے مزین کر دیا گیا ہے۔''

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اسی طرح گدھ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اسی طرح مرغ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔ انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح کوا بھی مال کی طلب اور جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے۔ کیونکہ سوائے کوے کے رات کو اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے اور سخت سردی میں دن کو صرف کوا ہی نکلتا ہے۔

ان چار کو منتخب کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشات نفسانیہ اور خواہشات فرج اور مال کی حرص اور زیب و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے دل پر روحانیت کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہجرت کرنا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ٥ (پ23، سورۃ صافات، 99)

''اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں جارہا ہوں جہاں میرے رب عزوجل نے حکم دیا ہے وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔

رب تعالیٰ کے ارشاد میں ''الی ربی'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الی حیث امرنی ربی او حیث اتجرد فیه لعبادته''

یعنی جہاں میرے رب عزوجل نے حکم دیا ہے میں وہاں جارہا ہوں کہ میں وہاں اپنی عبادت کو بہتر طریقہ سے ادا کرسکوں گا۔ کیونکہ جو قوم میری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائی وہاں ٹھہرنا اب بے مقصد ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دے دیا ہے تو اب یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہوچکا ہے۔

ابتدائی طور پر آپ نمرودی قوم سے ہجرت کرکے اپنے چچا ہاران کے پاس حران میں آگئے۔ ہاران نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیک بختی دیکھ کر اپنی بیٹی سارا کا نکاح آپ علیہ السلام سے کردیا۔

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا بہت ہی خوبصورت عورت تھیں، مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ سلام اللہ علیہا بہت حسین ہوئے، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی دادی حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے حسن سے ہی حسن ملا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی اپنا سلسلہ تبلیغ جاری رکھا اس لیے آپ علیہ السلام کے چچا ہاران نے بھی آپ علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا۔ دوران ہجرت راستہ میں مصر کے ظالم بادشاہ کا واقعہ درپیش آیا اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا عطا کی گئی۔ یہ واقعہ ایک حدیث پاک کی وضاحت کے ضمن میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

ہجرت کرنے والا قافلہ جب حران سے چلا تا صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سارہ سلام اللہ علیہا اور حضرت لوط علیہ السلام اس قافلہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے اس وقت صرف یہی تھے۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کا معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کی بات کو مانا جائے گا۔ راستہ میں جب حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا بھی مل گئیں تو اب قافلہ کے چار فرد ہوگئے جو تمام ہی اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔

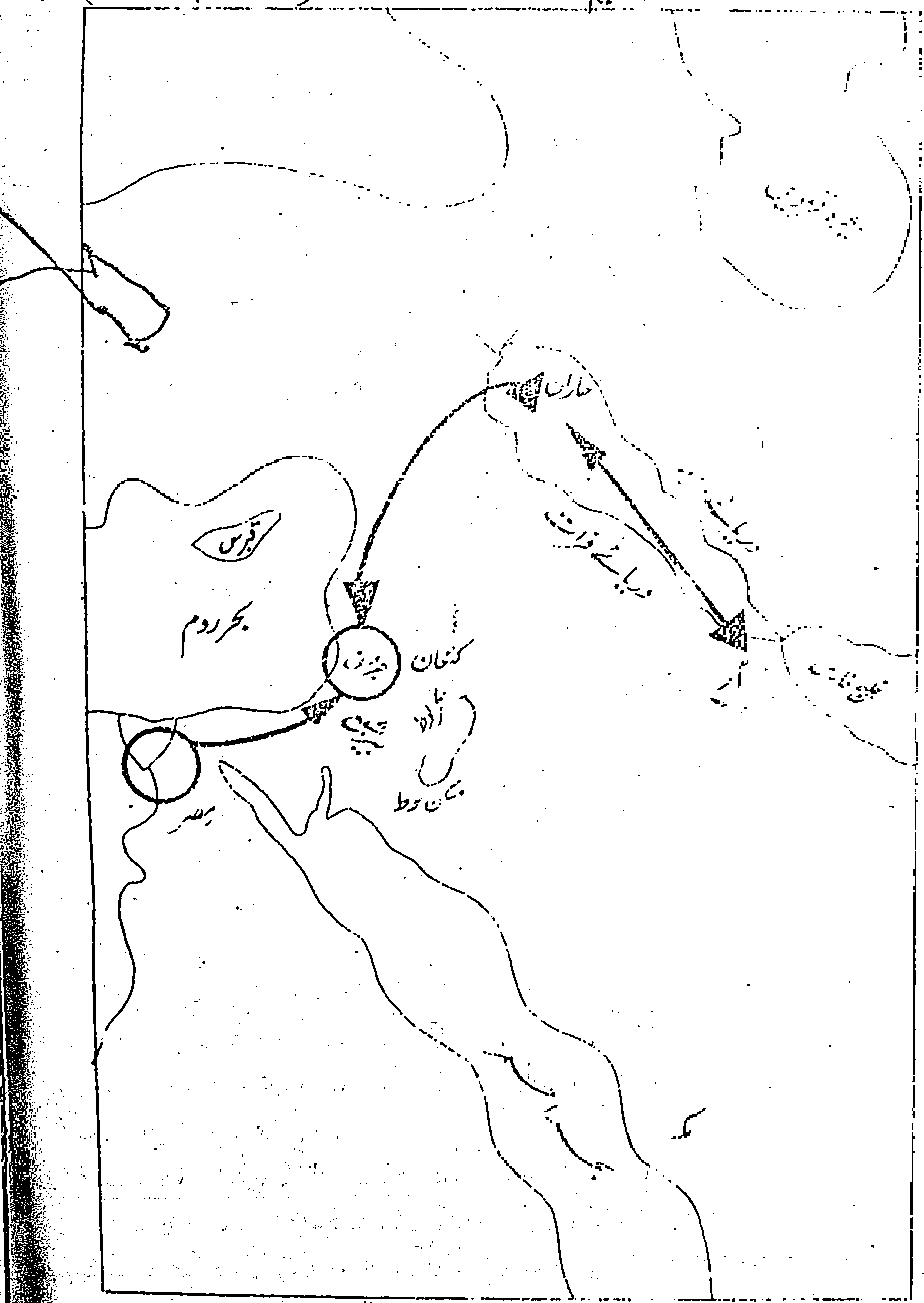
فلسطین میں خوشحالی:

مصر سے جب یہ چار افراد روانہ ہوکر فلسطین پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کی قدرت ومنزلت کو سمجھا، اوران کے آنے کو باعث برکت سمجھا اور بہت سی زمین آپ علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ اس زمین میں کھیتی باڑی سے اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی، آپ علیہ السلام کے پاس غلہ اور جانور کافی مقدار میں ہوگئے، آپ علیہ السلام نے مسافروں اور غربا کو رہنے اور کھانے کی سہولیات عطا کیں۔ اس طرح مہمان نوازی میں آپ علیہ السلام کو ایک منفرد مقام حاصل ہوگیا۔

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کے مشورہ سے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے نکاح:

ایک دن حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ضروریات دنیا میں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور رہنے کے مکانات کی تو کوئی کمی نہیں۔ البتہ اولاد کی کمی ہے، اس لیے آپ علیہ السلام ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کرلیں ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اولاد سے نوازدے یعنی ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہمارے لیے تسکین وراحت کا سبب بن جائے اس طرح حضرت سارہ سلام

حضرت ابراہیم کا اُر سے کنعان تک سفر (۱۹۰۰ ق م)



اللہ علیہا کے کہنے پر حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے نکاح ہو گیا۔ (از عزیزی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لیے دعا:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (پ23، سورۃ صافات، 100)

''الٰہی مجھے لائق اولاد دے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ (پ23، صافات، 101)

''تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔''

اس بشارت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت ہے، کیونکہ علامہ آلوسی ''حلیم'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وانہ یکون حلیما وای حلم مثل حلمہ عرض علیہ ابوہ وھو مراھق الذبح فقال (ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین) فما ظنك بعد بلوغہ" (روح المعانی، جلد 12، ص:126)

یعنی آپ علیہ السلام کو بشارت دی گئی کہ آپ علیہ السلام کو ایک بیٹا عطا کیا جائے گا جو حلیم ہوگا اس سے بڑھ کر حلم کی اور کیا مثال ملے گی جب آپ علیہ السلام بلوغ کے قریب تھے تو آپ علیہ السلام کے والد نے آپ علیہ السلام کو کہا، کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتے ہوئے اپنے آپ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ مجھے انشاء اللہ صابروں سے پائیں گے۔

یہ حلم تو بالغ ہونے سے پہلے کا ہے بالغ ہونے کے بعد آپ علیہ السلام کے حلم کا کیا مقام ہوگا؟ اس بحث سے واضح ہوا کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ (پ12، سورۃ ھود، 71)

''تو ہم نے اسے (حضرت سارہ سلام اللہ علیہا) کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیچھے حضرت یعقوب علیہ السلام کی۔''

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو بشارت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اولاد کی خوشی عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہوتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی:

"لم یکن لھا ولد وکان لابراھیم ولد وھو اسماعیل"

کہ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی اولاد نہیں تھی اس لیے زیادہ خوشی ان کو ہی حاصل ہوئی تھی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا اسماعیل پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ (ماخوذ از تفسیر مدارک)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے سے اس طرف اشارہ تھا کہ سارہ سلام اللہ علیہا کی عمر اتنی بڑی ہوگی کہ یہ اپنے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے۔ (ماخوذ از خزائن العرفان)

حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کی عمر اس وقت نوے سال تھی، تفسیر جلالین میں ننانوے سال مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک سو بیس سال تھی، (مدارک) اسی لیے حضرت سارہ سلام اللہ علیہا نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا:

''عجیب بات ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوگا جبکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بوڑھے ہیں بے شک یہ تو بہت ہی تعجب ناک بات ہے۔''

حضرت اسحاق علیہ السلام چھوٹے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے:

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کے ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرما دیا اور اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد اسحاق

علیہ السلام کی پیدائش ہوئی یعنی ان کی پیدائش کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔(جمل علی الجلالین)

حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام نبی ہوئے:

وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا۝ (پ 16، سورۃ مریم، 49)

''اور ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق اور یعقوب علیہم السلام عطا کئے اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔''

وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا۝ (پ16، سورۃ مریم، 50)

''اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لیے سچی بلند ناموری رکھی۔''

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اتنی لمبی ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا اور اس آیت سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت کرنے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بیٹے، پوتے اور مال و دولت سے نوازا۔

وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ٘ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا۝ وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا۝ (پ16، سورۃ مریم، 54-55)

''اور کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا غیب کی خبریں بتاتا اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا اور اپنے رب عزوجل کو پسند تھا۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو وعدہ بھی کیا اسے ضرور پورا فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ اور آپ علیہ السلام کا ایک ساتھی کہیں جا رہے تھے تو شہر کے قریب پہنچ کر آپ علیہ السلام کے ساتھی نے کہا یہاں میں بیٹھتا ہوں اور تم شہر جا کر کھانا خرید کر لاؤ یا تم بیٹھو اور میں کھانا خرید کر لاتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا اور تم ہی چلے جاؤ کھانا خرید لاؤ وہ گیا اور بھول گیا تین دنوں کے بعد اسے یاد آیا، یا بعض روایت میں ہے کہ ایک سال کے بعد وہاں لوٹا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی موجود تھے، اس نے تعجب سے پوچھا: تم ابھی یہاں ہی ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وعدہ کے مطابق منتظر تو رہنا ہی تھا۔(حاشیہ جلالین)

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور اسماعیل علیہم السلام کو حرم کی سرزمین میں چھوڑنا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا کہ آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو حرم کی سرزمین میں چھوڑ آؤ، اس وقت وہاں کوئی شہر اور آبادی نہیں تھی بلکہ بیابان جنگل تھا، آپ علیہ السلام کو وہاں چھوڑنے کا حکم دینے میں ایک تو امتحان لینا مقصود تھا پھر کعبہ شریف کی تعمیر اور مکہ مکرمہ کو آباد کرنا مقصود تھا۔ اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سے ہجرت کے وقت جو وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بات مانی جائے گی اس وعدہ کا پاس کرانا بھی مقصود تھا کیونکہ آپ علیہ السلام نے پہلے تو ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اپنی اولاد نہ ہونے پر غیرت بھی کھائی اور اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دو کہ وہ اپنے اس بیٹے اور اپنی زوجہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو مجھ سے دور چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کو حرم کی سرزمین میں چھوڑ آؤ۔(تفسیر جمل زیر آیت رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ، پ13)

حرم شریف کی سرزمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی بیوی ہاجرہ سلام اللہ علیہا اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا چھوڑنے کا بیان تفصیل کے ساتھ اس سے قبل ضیاء القرآن کے حوالے سے ص ۱۶۰ تا ۱۶۲ پر بیان ہو چکا ہے۔

زمزم کا چشمہ جاری ہو چکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہاں سے جرہم قبیلہ کا گزر ہوا جنہوں نے دیکھا کہ پرندے اڑ رہے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ پرندے وہاں ہی ہوتے ہیں جہاں پانی ہو یقیناً یہاں کہیں پانی ہوگا، انہوں نے اپنے ایک شخص کو بھیجا جس نے دیکھا کہ

ایک پانی کا چشمہ ہے اور اس کے قریب ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں پانی میں شریک کرو تو ہم تمہیں اپنے جانوروں کے دودھ میں شریک کریں گے۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے ان سے اس شرط پر معاہدہ کرلیا۔ اسی جرہم قبیلہ نے ایک لڑکی کا نکاح حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کرادیا۔ (از روح المعانی، جلد 7، حصہ دوئم، ص:236-237)

فائدہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے اثرات آج بھی واضح طور پر نظر آرہے ہیں کہ مکہ شریف کی سرزمین پہاڑی اور ریتلی ہے لیکن پھل ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ وہاں موجود رہتے ہیں، لوگ ہر طرف سے اس مقام پر کھچے چلے آتے ہیں، ہر مسلمان کی دل میں ایک تڑپ پائی جاتی ہے کہ وہ بیت اللہ شریف کی زیارت کرلے۔

حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا تو بچہ کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہوکر "صفاء و مروہ" کے چکر لگا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل علیہ السلام کی زوجہ اور اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی ادا ایسی پسند آئی کہ تا قیامت حاجی اس یاد کو تازہ کرنے کے لیے وہاں چکر لگاتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ "حج" اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ادا کے بغیر کچھ نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے طواف میں پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے منیٰ میں جمرات کو کنکریاں مارنا اس قسم کے کام ہی حج ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے بعد بیٹے کے لیے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ٥ (پ23، سورۃ صافات، آیت:100-101)

"الٰہی مجھے نیک لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک بردبار لڑکے کی۔"

آپ کی دعا میں تین مطالبے تھے اے اللہ تعالیٰ اولاد نرینہ یعنی مذکر عطا فرما! اور وہ بردباری کی عمر تک پہنچے اور بردبار ہی رہے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی حلیم ہیں، آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ٥ (پ11، سورۃ توبہ، 117)

"بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے متحمل (بردبار) ہیں۔"

آپ کو بیٹا بھی حلیم عطا کیا تاکہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف و فضیلت والا ہو اور جلیل القدر نبی ہو "صلاح" یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لیے بھی یہی دعا کی اور اپنی ذات کے لیے بھی دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ٥ (پ19، سورۃ شعراء، 83)

"اے میرے رب (عزوجل)! مجھے حکم عطا فرما اور میرے رب عزوجل مجھے ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں۔"

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (پ23، سورۃ الصٰفٰت، آیت:102)

"پھر جب وہ اس کی ساتھ کام کے قابل ہوگیا۔ کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا، میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

قربانی کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر:

قال بعضهم كان في ذالك الوقت ابن ثلاث عشرة سنة٥ (تفسير كبير)

''بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔''

امتحان کی وجہ:

چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی، اب امتحان لے کر اسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بردبار بیٹا آپ کو ربّ تعالیٰ نے عطا کیا جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

تین دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا:

ذی الحج کے سات دن کے سات دن گزر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں۔ اسی وجہ سے آٹھ ذی الحج کا نام یوم الترویہ رکھا گیا (سوچ بچار کا دن) آٹھ تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ اسی نو ذی الحج کو یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر صبح اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لینے پر ہی دس ذی الحج کو یوم النحر (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟

ان الله تعالىٰ جعل رؤيا الانبياء عليهم السلام حقا٥

''بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے خوابوں کو حق بنایا یعنی ان کے خوابات سچے ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب تین قسم:

(1) جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہ واقع ہو جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا کہ آپ بمع اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب کرام رضوان اللہ اجمعین نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے آپ کا یہ خواب ایک سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ (سورہ فتح آیت ۲۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک تم ضرور مسجد حرام شریف میں داخل ہو گے اگر اللہ تعالیٰ چاہے امن و امان سے اپنے سروں کے بال منڈواتے یا ترشواتے بے خوف۔

(2) خواب میں صرف امتحان ہو اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا، یہ صرف امتحان تھا، آپ نے اپنے امتحان پر عمل کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔

(3) خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دیکھا گیا ہو اسی کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ٥

(پ 12، سورۂ یوسف، 4)

''یاد کرو جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں

اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔"

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھے لیکن واقع میں ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کر کے دکھایا:

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ (پ13، سورۃ یوسف، 100)

"اس کے لیے سجدہ میں گرے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک اسے میرے رب عزوجل نے سچا کیا۔"

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں، خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیمی کیا، جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ (تفسیر کبیر، جلد 26، ص:157)

بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ علیہ السلام کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ علیہ السلام کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ جب آپ دیکھیں گے کہ آپ علیہ السلام کا بیٹا حلم (بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے، آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ علیہ السلام کی تعریف ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو "ان شاء اللہ" سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" ذکر کیا جائے کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اس کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ علیہ السلام کو روکنے کے لیے آیا لیکن آپ علیہ السلام پر کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر آپ علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تا کہ آپ علیہ السلام اس سے آگے نہ جا سکیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا جس نے آپ علیہ السلام کو کہا: اسے ماریں آپ علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا، دوبارہ پھر آگے آنے کی یہ کوشش کی آپ علیہ السلام نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا، تیسری بار پھر اسی طرح آگے آ کر راستہ بند کر دیا تو آپ علیہ السلام نے پھر اسی طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا۔

آج حاجیوں پر اس سنت ابراہیمی پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا۔ سبحان اللہ اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں؟ کہ ان کو عظیم عبادت کا حصہ بنا دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشورہ دینا:

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تاکہ میں تڑپوں نہیں، اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھنا تا کہ آپ علیہ السلام کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہو جائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں، میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تا کہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہو جائے، جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا اسلام ان کو دینا۔

ان باتوں کے بعد باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا محبت کے آنسو چھلک پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝

''تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔''

ماتھے کے بل لٹانے میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مشورہ ہی تھا کہ کہیں آپ علیہ السلام محبت پدری کی وجہ سے چھری چلانے میں معمولی سی کوتاہی نہ کر دیں۔

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ (پ23، سورۃ الصٰفٰت، 104-108)

''اور ہم نے اسے ندا فرمائی اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بے شک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچا لیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ چھری چلانے سے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا کہ آپ نے چھری چلا دی تھی تو جبرائیل امین علیہ السلام نے آ کر اس کا رخ بدل دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر و ثواب عطا کیا اور تا قیامت آپ کو ذبیح اللہ عزوجل (اللہ کی رضا کے لیے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔ (روح المعانی)

جبرائیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا: ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرائیل علیہ السلام فدیہ لا رہے ہیں تو پڑھا: ''لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر'' جب حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے سنا تو آپ نے پڑھا: ''اللہ اکبر و للہ الحمد''۔

ان تینوں حضرات کے مجموعی کلام کو ''تکبیرات تشریق'' کی صورت میں تا قیامت نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ کی نماز فجر سے لے کر تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کر دیا گیا تا کہ یہ یادگار قائم رہے۔

خیال رہے کہ مدارک میں دوسرا کلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور تیسرا کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذکور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے قربانی کس کی؟

اگرچہ اختلاف ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی یا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تاکہ قوی دلائل سے یہی واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہی کی گئی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مختلف دلائل ذکر کیے ہیں۔

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انا ابن الذبیحین'' میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ایک اعرابی نے آپ علیہ السلام کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو آپ علیہ السلام نے تبسم فرمایا: جب آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ علیہ السلام دو ذبیحوں کے بیٹے کس طرح ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالمطلب نے جب زمزم کا کنواں کھودنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ کام آسان کیا تو میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی قربانی کروں گا۔ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نکلا، آپ کے ننھیال اور کچھ اہل علم نے ایک سو اونٹ بطور فدیہ دینے کا فیصلہ کیا اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کو ذبح ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے نہیں۔ تو یقیناً دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(2) حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو بن علاء سے سوال کیا کہ ذبیح کون تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں نہیں تھے بلکہ وہ تو شام میں تھے، مکہ مکرمہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے، وہی اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ شریف کی تعمیر میں مشغول تھے اور قربانی کا واقعہ بھی مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا تو یقیناً ذبیح ہونے کا واقعہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہی در پیش آیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صابر کہا اسحاق علیہ السلام کو نہیں، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

''اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) (کو یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔'' (پ 17، سورۃ انبیاء، 85)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے متعلق فرمایا: (اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ) ''بے شک آپ وعدہ کے سچے تھے۔ ذبح ہونے والے نے ہی اپنے باپ سے وعدہ کیا۔''

سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (پ23، سورۃ صافات، 102)

''آپ عنقریب مجھے انشاء اللہ صابرین سے پائیں گے۔''

جب یہ واضح ہو گیا کہ ذبح ہونے والے نے اپنے باپ سے صبر کا وعدہ کیا اور وعدہ سچ کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صبر کرنے والا اور وعدہ کا سچا، کہا ہے تو یقیناً ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(4) اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ کو بشارت رب تعالیٰ نے ان الفاظ میں دی:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۝ (پ12، سورۃ ھود، 71)

''ہم نے اسے (یعنی سارہ سلام اللہ علیہا کو) بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب علیہما السلام کی۔''

اگر یہ کہا جائے کہ ذبح کرنے کا حکم اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھا تو اب یہ دیکھنا ہو گا کہ یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا بعد میں؟ اگر آپ کی پیدائش سے پہلے حکم دیا گیا ہے تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ سارہ سلام اللہ علیہا کا بیٹا اسحاق اور اسحاق کا بیٹا یعقوب علیہ السلام ہو گا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہے کہ اسحاق کا بیٹا یعقوب علیہما السلام تو ابھی پیدا ہونا ہے یہ تو ذبح ہو ہی نہیں سکتا، تو امتحان کیسے؟ اور رب تعالیٰ اپنے ہی حکم کے خلاف کیسے حکم دے سکتا ہے؟ اگر یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہو تو یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ (پ23، سورۃ صافات، 102)

''جب وہ آپ کے ساتھ ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گیا۔''

ذبح کے وقت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی عمر تیرہ سال یا بعض روایات میں سات سال بھی ہے تو اس عمر میں یعقوب علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا بھی عقل کے خلاف ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ (پ23، سورۃ صافات، 99)

''میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جانے والا ہوں جو مجھے ہدایت دے گا۔''

یعنی جہاں میرے رب عزوجل کا حکم ہے اس سرزمین میں جانے والا ہوں۔ ہجرت کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ الٰہی مجھے لائق اولاد دے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کی قبولیت کو ذکر کیا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ٥ (پ23،سورۃ صافات،101)

''تو ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری سنائی۔''

پھراسی بیٹے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (پ23،سورۃ صافات،102)

''پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے باپ کیجیے! جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔''

اب اس سارے واقعے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو دی گئی اس لیے تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو ایک بیٹے کی بشارت دی جا چکی ہے اور بیٹا بھی عطا کر دیا گیا تھا۔

اگر ذبح کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہے تو اسی سال اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی اور ایک سال بعد آپ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اگر اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی تو ذبح کے واقعہ کے سات سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

(6) کثیر اخبار میں یہ ذکر بھی موجود ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدیہ دیا گیا اس کے سینگ کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے، اس سے بھی واضح ہوا کہ ذبح کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اگر ذبح کا واقعہ اسحاق علیہ السلام سے متعلق ہوتا تو ملک شام میں درپیش آتا، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔(از کبیر، جلد26،ص:153-154)

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا فعل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تاقیامت اصحابِ نصاب، اہل ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خانہ کعبہ شریف کی تعمیر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کی جس کا بیان شروع میں دنیا کی عظیم ترین مساجد کے عنوان میں تحریر ہو چکا ہے۔

مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام و حجر اسود:

یہ دونوں جنتی یاقوت ہیں، بہت نورانی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے۔

مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کی تعمیر کرتے، جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا، یہ پتھر آپ علیہ السلام کے کھڑے ہونے سے نرم بھی ہو جاتا تھا کہ سختی کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کو تکلیف نہ ہو، اسی لیے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس میں پڑ گئے تھے۔ اسی پتھر کو جبل ابی قبیس پر رکھ کر اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی: اے اللہ کے بندو حج کے لیے آؤ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ٥ (پ17،سورۃ حج،27)

''اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کر دے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے، پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔''

آپ علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد ان تمام لوگوں نے لبیک کہا جنہوں نے بھی حج کرنا تھا۔ جس نے جتنی مرتبہ حج کرنا تھا اتنی ہی لبیک کہہ دیا، ماؤں کے رحموں میں اور آباء کی پشتوں میں سے تاقیامت آنے والوں نے لبیک کہا۔ (ماخوذ از تفسیر نعیمی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کو بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ ادا کر لیا کریں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار کی، لیکن اسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کریمہ کا نزول ہو گیا۔ ارشاد ہوا:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ٥

''اور (حکم دیا کہ) مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔''
مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی تعمیر فرمائی۔ ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مطہرین کے نشانات اس پر ثبت ہیں۔ طواف کعبہ شریف کے بعد طواف کی دو رکعتیں اسی مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔ اس میں بھی اتباع ملت ابراہیمی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مطہرین کے نشانات کو وہ عظمت عطا فرمائی کہ قیامت تک طواف کرنے والوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے (دو رکعت) نماز پڑھو، طواف کعبہ شریف کے سات چکر مکمل کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت مسجد حرام شریف میں پڑھنا واجب ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ انہیں مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے پڑھا جائے۔ (تبیان، ص: 224)

مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ کھڑے ہوئے:

(1) ابراہیم علیہ السلام جب کئی سال گزرنے کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضرت سارہ سلام اللہ علیہا سے وعدہ کر کے آئے کہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر اور ملاقات کر کے واپس آ جاؤں گا۔ سواری سے نہیں اتروں گا، آپ علیہ السلام جب مکہ مکرمہ میں آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام تو شکار کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے، بہو سے ملاقات ہوئی، اس سے گزر اوقات کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: اچھا گزارا نہیں، تنگدستی ہے، صرف شکار پر گزر اوقات ہو رہی ہے۔
آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے کہا:
''اپنے خاوند کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں اسے بدل لو۔''
حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو خود ہی پوچھا کہ آج کوئی بزرگ تو نہیں آئے تھے؟ تو آپ علیہ السلام کی زوجہ نے کہا کہ آئے تھے اور سلام کہہ کر گئے ہیں اور ایک پیغام دے کر گئے ہیں، جب پیغام کی اس نے تفصیل بیان کی تو آپ علیہ السلام نے اپنی زوجہ کو فارغ کر دیا کہ وہ تمہیں فارغ کر دینے کا حکم دے گئے ہیں۔
وجہ یہ تھی کہ اس نے رب تعالیٰ کی ناشکری کی تھی، نبی کی زوجہ کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ کم روزی پر شکایت کرے، بلکہ صابر رہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملنے کے لیے آئے اس وقت بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے، آپ علیہ السلام کی ملاقات بہو سے ہوئی (یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی تھی) اس سے گھر کے حالات پوچھے اس نے کہا:
''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھا وقت گزر رہا ہے، زمزم کے پانی پر ہمارا قبضہ ہے، میرے خاوند شکار کر کے لے آتے ہیں، بہت اچھا وقت پاس ہو رہا ہے۔''
حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس جانے لگے تو آپ علیہ السلام کی بہو نے اصرار کیا کہ آپ علیہ السلام ہمارے گھر رکیں، لیکن آپ علیہ السلام نے کہا: ''مجھے سواری سے اتر کر زمین پر آنے کی اجازت نہیں'' تو آپ علیہ السلام کی بہو نے کہا کہ آپ علیہ السلام اپنے پاؤں اس پتھر پر رکھیں تاکہ میں ان کو دھو دوں۔ آپ علیہ السلام نے جس پتھر پر پاؤں رکھے وہ ''مقام ابراہیم'' ہی تھا۔
آپ علیہ السلام نے واپس چلتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے سلام کہا اور پیغام دیا کہ
''گھر کی چوکھٹ اچھی ہے اسے مضبوط رکھنا۔''

(2) تعمیر کعبہ شریف کے وقت آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے تھے وہ نرم ہو جاتا تھا، تاکہ آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو سختی کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس میں پڑ گئے۔ آپ علیہ السلام جب بلند ہونا چاہتے تھے تو وہ پتھر خود بخود اوپر اٹھ جاتا تھا، جب نیچے آنا چاہتے تھے تو نیچے ہو جاتا تھا۔ عام مستریوں کی طرح آپ علیہ السلام کو پھٹے باندھنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔

(3) کعبہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابو قبیس پر سے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ (تفسیر کبیر نعیمی)

حضرت لوط علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (پ20،سورۃ العنکبوت،26)

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی آپ علیہ السلام نے تصدیق فرمائی اور آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق فرمائی۔''

تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اس لیے یہاں یہ معنی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت لوط علیہ السلام (معاذ اللہ عزوجل) کفر سے ایمان لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تبلیغ فرمائی تو آپ علیہ السلام توحید پر ایمان لائے۔

یہ معانی نبی کی شان کے منافی ہیں:

''لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو ہر دعویٰ میں سچا تسلیم کیا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ھاران بن تارخ کے بیٹے ہیں، اگرچہ ''کشاف'' میں یہ ہے کہ آپ کی بہن کے بیٹے ہیں لیکن ''کمالین'' میں اس قول کو رد کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ ھاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام بھی ہے جو حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کا باپ تھا پہلے زمانہ میں گھر کے کئی افراد کا ایک ہی نام ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات باپ بیٹے کا ایک نام اور کبھی بہن بھائی کا ایک نام بھی ہوتا تھا۔

تنبیہ:

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کچھ تکلیف نہ دی تو یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام ایمان لے آئے۔ اس سے ظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ علیہ السلام معاذ اللہ عزوجل کفر کے بعد ایمان لائے، لیکن اس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کرتے ہوئے فرمایا:

"وما قیل انه امن علیہ السلام حین رای النار لم تحرقه ضعیف روایة و کذا درایة لانه بظاهره یقتضی عدم ایمانه قبل وهو غیر لائق به علیہ السلام"

بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ لوط علیہ السلام نے جب یہ دکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو آپ علیہ السلام ایمان لائے، یہ عقل و نقل کے مخالف ہے، کیونکہ اس سے بظاہر پتہ یہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا پہلے ایمان نہیں تھا، یہ نبی علیہ السلام کی شان کے لائق ہی نہیں۔

لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد:

یا تو ایمان کا وہی معنی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ

''آپ علیہ السلام مراتب کی اس بلندی پر فائز ہوئے جہاں عام انسان اس مقام کو نہیں پا سکتا۔''

حضرت لوط علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے حران کی طرف ہجرت کی، پھر وہاں سے مصر میں۔ اب ان دونوں کے ساتھ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں، مصر سے فلسطین میں آ گئے۔ اب ان تینوں کے ساتھ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں۔

پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شہر سے تقریباً اٹھارہ میل دور تک ایک شہر میں تبلیغ دین کے لیے آگئے اس شہر کا نام "سندوم" تھا۔ قرآن پاک میں اسی کو "المؤتفکۃ" سے تعبیر کیا گیا۔ (روح المعانی، جلد 11، حصہ اول، ص: 152)

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو عبادت کی دعوت نہیں دی:

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو صرف برائیوں سے باز رہنے کی تبلیغ کی، لیکن ان کو عبادت کرنے کا حکم اس طرح نہیں دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی تبلیغ فرمادی تھی اور یہ بہت مشہور ہو چکی تھی۔

لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے اور علاقہ بھی قریب قریب تھا اور آپ علیہ السلام کی قوم یعنی خاندان میں سے تھے تو آپ علیہ السلام نے دوبارہ مشہور امور کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنی قوم کو صرف ان کی خصوصی برائیوں سے ہی روکا تاکہ یہ قوم دنیاوی اور اخروی عذاب سے بچ جائے، لیکن قوم باز نہ آئی آخر کار ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔

آپ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا:

(پ 20، سورۃ عنکبوت، 28 کا اُردو ترجمہ)

"اور حضرت لوط علیہ السلام کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم کو کہا تم بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا، کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟ اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو؟ اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔"

آپ علیہ السلام قوم کو عذاب سے بچانے کی فکر میں ہیں لیکن قوم کبھی کہتی ہے تم عذاب لے آؤ اور کبھی کہتی:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ○ (پ 19، سورۃ شعراء، 167)

"بولے اے لوط علیہ السلام! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیے جاؤ گے یعنی ہم تمہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے اور ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔"

لوط علیہ السلام کی قوم کی خرابیاں:

سب سے بڑی برائی ان میں "لواطت" تھی۔ (مردوں سے برائی کرنے کی عادت ان میں کثرت سے پائی جاتی تھی) اور مسافروں اور گزرنے والوں کے راستہ میں بیٹھ جانا ان کا راستہ روکنا اور زبردستی ان سے برائی کا مرتکب ہونا، راستہ میں بیٹھ کر ڈاکہ زنی، لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا، ان کی بری عادات میں شامل تھا۔

قوم لوط علیہ السلام کی یہ برائیاں ابھی تک لوگوں میں موجود ہیں، جو شریعت مطہرہ سے بغاوت ہے۔

مردوں کی محفلوں میں صرف اسی لیے آنا کہ ان کو تاڑنا یعنی بعض کا بعض کو دیکھنا اور برائی کے لیے انتخاب کرنا۔ کبوتر بازی یعنی پورا پورا دن ان کو اڑانے اور شرط پر بازی لگانے میں گزار دینا، آج بھی لوگ اس برائی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

☆ عورتوں کی طرح انگلیوں کے پورے مہندی سے رنگنا۔ خیال رہے کہ مرد کو بطور دوا مہندی لگانا جائز ہے لیکن زیب و زینت کے لیے منع ہے۔ لیکن آج کے دور میں لڑکوں کو لڑکیوں کا لباس اور چال ڈھب پسند ہے جو حرام ہے۔

☆ ہاتھوں سے کنکریاں ادھر ادھر پھینکنا، گزرنے والوں کو تنگ کرنا، اسی طرح بندوقوں سے کنکریاں پھینک کر لوگوں کو ستانا، یہ فعل آج کے دور میں اوباش لوگوں میں قوم لوط علیہ السلام سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

☆ ایک دوسرے کو تھپڑ مارنا ادھر سے ایک آیا اس نے دوسرے کو تھپڑ مار دیا اور ادھر سے دوسرا آیا اس نے تھپڑ مار دیا، یہ بیہودہ فعل ان کا مزاح ہوا

کرتا جو درحقیقت ان کے اوباش ہونے کی علامت تھی۔

☆ محفل میں لوگوں کے سامنے بلند آواز سے ہوا خارج کرنا وہ اپنی شان سمجھتے تھے حالانکہ شرفاء کے لیے یہ فعل باعث شرم ہوتا ہے۔ بے اختیار ہوا کا بلند آواز سے خارج ہونا، یا گیس وغیرہ کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نہ روک سکنا، یا روکنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہونا، سب عذر ہیں، عذر کی صورتوں میں کئی افعال معاف ہوتے ہیں ان کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

☆ انگلیوں کے پٹاخے نکالنا بلا وجہ اور بغیر عذر کے انگلیوں کے پٹاخے نکالنا مکروہ ہے اسی جہ سے کہ یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا فعل تھا اور اس وقت بھی اس فعل کو بیہودہ سمجھا جاتا تھا۔

☆ مزاح کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے ننگا ہونا یعنی چادر سلوار وغیرہ اتار دینا۔ ننگا ہونا بے حیا بننا بھی قوم لوط علیہ السلام کا فعل ہے جس کو آج نام نہاد مسلمانوں نے ''ثقافت'' کا نام دیا ہوا ہے۔

☆ مزاح مزاح میں فحش کلامی اور ایک دوسرے کو گالی دینا، یہ برائی بھی آج کے اوباش لڑکوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے، وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو ماڈرن اور ترقی یافتہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شریف آدمی انہیں روکے تو اسے ملائیت، فسطائیت، قدامت پسندی کے القاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں دنیا تو (بے حیائی) بہت آگے جا چکی ہے لیکن یہ ابھی چودہ سو سال پیچھے ہیں۔ سائنسی علوم پڑھ کر ترقی تو ضرور کریں ملک و ملت کو عروج بخشیں لیکن بے حیا بن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔

الغرض ہر قسم کی بے حیائی اس قوم میں موجود تھی حیاء کے خلاف ہر فعل ان کے نزدیک پسندیدہ سمجھا جاتا۔

عام لوگوں کے سامنے عام محافل میں مصطگی کا چبانا اور مسواک کا چبانا بھی قوم لوط علیہ السلام کا بُرا فعل تھا، یہ ایسا فعل ہے جس سے دوسرے دیکھنے والے کا دل خراب ہوتا ہے، دل میں متلا پن پیدا ہوتا ہے جو بعض اوقات زیادہ حساس طبیعت کے شخص کے قے آنے کا سبب بن جاتا ہے۔

آج کے دور میں چیونگم (ببل گم) چبانا، منہ سے بار بار نکالنا پھر منہ کے اندر لے جانا اور کبھی غبارہ بنانا، قوم لوط علیہ السلام کے فعل کا ہی عکس ہے اور درحقیقت یہ بے وقوفی کی علامت ہے۔

عام طور پر بے وقوف کو اونٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ وہ پیشاب اپنی رانوں پر کرتا ہے جو پیشاب سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ بے وقوف کو اونٹ کہہ دیتے ہیں اور کئی مست اونٹ اپنے منہ سے اسی طرح غبارے بناتے ہیں پھر منہ میں داخل کر لیتے ہیں، منہ میں جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ اسے پنجابی میں کہتے ہیں ''بو کے نکالنے والا اونٹ'' کبھی اونٹ کا نظارہ بھی دیکھیں اور ترقی یافتہ چیونگم کھانے والوں کو بھی دیکھیں تو آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا، اس لیے ان کو اونٹ کہنا اور بے وقوف سمجھنا عقل کی علامت ہے۔

کچھ لوگ ہر وقت منہ میں مسواک لیے پھرتے ہیں۔ عام محافل میں بس میں ویگن میں حالانکہ اس طرح مسواک منہ میں لینا پھر نکالنا پھر منہ میں ڈالنا کلی نہ کرنا یہ طریقہ دوسروں کا دل خراب کرنے کے مترادف ہے۔

مسواک کون سے مواقع میں مستحب ہے:

مسواک کے متعلق نبی کریم ﷺ کے کیا ارشادات ہیں؟ ان کو سمجھنے سے واضح ہو جائے گا کہ ہر وقت مسواک چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا کبھی باہر نکالنا معیوب ہے۔ جس فعل سے دوسرے لوگوں کی طبیعت متنفر ہو، وہ کام انبیاء کرام علیہم السلام نے نہیں کیے۔

مسواک کے متعلق ارشاداتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو لا ان اشق علی امتی لا مرتھم بالسواك عند کل وضوء ○

''اگر میں امت پر شاق نہ سمجھتا تو ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دیتا، یعنی ہر وضو کے ساتھ مسواک کو واجب قرار دے دیتا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو لا ان اشق علی امتی لا مرتھم بتاخیر العشاء و بالسواک عند کل صلوٰۃ o (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، باب السواک)

"اگر میں اپنی امت پر شاق نہ سمجھتا تو عشاء کی تاخیر اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا یعنی عشاء کی نماز کو دیر سے ادا کرتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کر دیتا۔"

خیال رہے کہ یہ دونوں حکم استحبابی اب بھی موجود ہیں صرف وجوب کی نفی ہے تا کہ امت پر مشکل در پیش نہ آئے۔

حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو کس چیز سے ابتداء کرتے؟ قالت بالسواک آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسواک سے۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب السواک)

یعنی مسجد سے واپس گھر آ کر یا سفر سے واپس آ کر مسواک فرماتے تھے۔ آپ نظافت کا خصوصی خیال فرماتے تھے اور دانتوں کی صفائی میں مبالغہ فرماتے۔

مسواک کے مستحب اوقات:

ویستحب فی خمسۃ مواضع اصفرار السن و تغیر الرائحۃ والقیام من النوم والقیام الی الصلوٰۃ و عند الوضوء o (مرقاۃ المفاتیح، جلد2، ص:3)

پانچ مقاموں میں مسواک کرنا مستحب ہے:

(1) دانت زرد رنگ کے ہو جائیں۔ (2) منہ میں بو آنے لگے۔
(3) سونے کے بعد۔ (4) نماز کے لیے جب تیار ہو۔
(5) وضوء جب بھی کرے، خواہ نماز کے لیے یا قرآن پاک کو چھونے کے لیے۔

اس بحث سے مسواک کے مواضع واضح ہو گئے، ویگن بس میں، چلتے پھرتے ہر محفل میں مسواک کو چباتے رہنا، کبھی منہ میں لینا، کبھی نکالنا، کبھی تھوکنا پھر مسواک کو منہ میں لینا، کلی نہ کرنا۔ یہ طریقہ راقم کو کہیں سے نہیں ملا کہ ایسا کرنا مستحب ہے یا دوسروں کو متنفر کرنا ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب)

لوط علیہ السلام کی زوجہ:

حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا نام "واھلہ" تھا۔ یہ کافرہ تھی۔ اس کے دل میں نفاق تھا وعدہ کا پاس نہیں کرتی تھی۔ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے متعلق قوم کو مطلع کرتی اس طرح لوط علیہ السلام کی خیانت کی مرتکب ہوئی۔ قوم کی برائی پر خوش ہوتی تھی، اس لیے قوم کے ساتھ عذاب میں یہ بھی گرفتار ہوئی۔

عذاب والے فرشتوں کا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا:

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے کے لیے وہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے کے لیے بھی آئے۔ وہ فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ پندرہ دنوں سے کوئی مہمان نہ آیا تھا، اس لیے آپ علیہ السلام نے جلدی سے ان کے پاس بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا۔ آپ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں پہنچ رہے تو سمجھ گئے کہ یہ تو فرشتے ہیں۔

اعتراض:

رب تعالیٰ نے فرمایا: (وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً) اور دل دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو فرشتوں کا پتہ ہی نہ چل سکا اوران کو اجنبی سمجھ کر ڈر گئے کہ معلوم نہیں یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آ گئے ہیں؟

جواب:

(حاشیہ جلالین،ص:185)

''تاویلات نجمیہ'' میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتقاضائے بشریت کوئی خوف نہیں ہوا کہ آپ علیہ السلام کو اپنی جان کا خوف ہوتا تو آپ کو جب منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالا جارہا تھا اس وقت آپ کو اپنی جان کا کوئی خوف نہیں ہوا بلکہ آپ علیہ السلام نے کہا: ''میں اپنے آپ علیہ السلام کو ربّ العالمین عزوجل کے سپرد کررہا ہوں'' آپ علیہ السلام کو صرف خوف اپنی امت کا تھا امت پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے آپ علیہ السلام خوف کررہے تھے کہ کہیں میری امت کسی عذاب میں مبتلا نہ ہوجائے فرشتوں کا جواب اس مضمون کو واضح کررہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ''آپ علیہ السلام خوف نہ کریں بے شک ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ:

فلما ذهب عن ابراهيم الروع وجاء ته البشرى يجادلنا في قوم لوط ○ (پ12، سورۃ ھود،74)

''پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی ہم سے حضرت قوم علیہ السلام لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔''

یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جب معلوم ہوگیا کہ میری قوم کو عذاب تو نہیں ہورہا، تو آپ علیہ السلام کو لوط علیہ السلام اور ان کی اہل کی فکر دامن گیر ہوئی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کی فکر تھی، آپ فرشتوں کو پہچان رہے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:

(روح المعانی، جلد 7، حصہ اوّل، ص:97)

''میرا رجحان اسی طرف ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرشتوں کو پہلے ہی پہچان لیا تھا، خوف صرف اس لیے ہورہا تھا کہ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کیوں نازل ہوئے ہیں؟ کہیں قوم کو عذاب دینے کے لیے تو نہیں آگئے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے سوال وجواب کرنا اگرچہ حقیقتاً کوئی ''مجادلہ'' نہیں البتہ صورتاً مجادلہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کردو گے جس میں تین سو مومن ہوں گے؟ انہوں نے کہا نہیں ایسا کبھی نہیں کریں گے، پھر آپ علیہ السلام نے کہا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کرو گے جس میں دوسو ایمان والے رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں اسے تو ہلاک نہیں کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے کہا کیا تم اس آبادی کو برباد کرو گے جہاں چالیس ایماندار لوگ موجود ہوں گے؟ انہوں نے کہا نہیں اسے تو کبھی برباد نہیں کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اس شہر کو برباد کرو گے جہاں دس مومن رہتے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک مومن وہاں رہتا ہو تو اسے تم برباد کردو گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''ان فيها لوطا'' ، اس میں تو حضرت لوط علیہ السلام موجود ہیں، فرشتوں نے کہا: ''نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا'' ہمیں معلوم ہے وہاں کون لوگ ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام اوران کی اہل کو ہم نجات دیں گے سوائے ان کی عورت کے، وہ قوم کے ساتھ ہی عذاب میں مبتلا ہوجائے گی۔ (تفسیر جلالین، ص:186)

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

(پ12، سورۃ ھود، 77تا80)

''جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے آئے اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا اور بولا یہ بڑی سختی کا دن ہے اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور انہیں پہلے ہی بُرے کاموں کی عادت پڑی تھی کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے ستھری ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں سے ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں بولے

تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے بولے اے کاش مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔''

یعنی قوم کو جب پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت نوجوان بطور مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ اپنے بُرے ارادے اور شدید جذبات لیے بھاگتے ہوئے آ گئے، ان کو خبر دینے والی بھی لوط علیہ السلام کی زوجہ واھلہ ہی تھی۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ قوم اس بدفعلی یعنی لواطت کا ارتکاب کوئی چھپ کر نہ کرتی بلکہ وہ لوگ ظاہر طور پر اس برائی کے مرتکب ہوتے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے کہا۔ کیا تم میں سے کوئی ایک بھی نیک چلن نہیں؟ آپ علیہ السلام نے ان کو بڑے پیارے انداز پر نصیحت فرمائی۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں جو تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے حقوق پامال کر رہے ہو، حقوق زوجیت ادا نہیں کر رہے، نوجوانوں کی طرف تمہارا میلان، بدفعلی کا ارتکاب تمہاری بدچلنی کا ذریعہ ہے۔ اپنی بیویوں کی طرف میلان کرو تا کہ ان کے حقوق بھی ادا ہو سکیں اور تم بھی نیک ہو جاؤ۔ یہ میرے مہمان ہیں ان سے کوئی برائی کے مرتکب ہو کر مجھے رسوا نہ کرو۔ اگر میرے پاس کوئی طاقت ہوتی تو میں تمہیں مار مار کر بھگا دیتا اگر میرے پاس کوئی مضبوط قلعہ یا پناہ ہوتی تو مہمانوں کو وہاں لے جاتا۔

پناہ طلب کرنے کا مطلب:

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝ ''یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا۔''

نبی کریم رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یرحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید۝

''اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے آپ علیہ السلام کسی مضبوط پائے کی پناہ لینا چاہتے تھے۔''

بظاہر یہاں وہم ہوتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے یہ کیوں کہا؟ (معاذ اللہ) آپ علیہ السلام نے بے صبری کا مظاہرہ کیا اس کا جواب ذکر کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

(مرقاۃ المفاتیح، باب بدء الخلق وذکر الانبیاء کا اُردو ترجمہ)

''انسان کی جبلت بشری کا تقاضا ہے کہ وہ بعض امور ضروریہ میں اپنے قوی قبیلہ سے امداد طلب کرتا ہے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے مخالف نہیں۔ بلکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی اپنے قبائل کے کئی افراد سے امداد طلب کی، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں پائی گئی۔''

فرشتوں کا جواب اور قوم لوط پر عذاب:

(پ 12، سورۃ ھود، 81-83 آ)

اُردو ترجمہ: ''فرشتے بولے: اے حضرت لوط علیہ السلام! ہم تمہارے رب عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں، وہ تم تک نہیں پہنچ سکتے تو اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری عورت کے، اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے کیا صبح قریب نہیں؟ پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگاتار برسائے جو نشان کیے ہوئے تیرے رب عزوجل کے پاس ہیں اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں۔''

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

تشریح: فرشتے اب تک یہ منظر خاموشی سے دیکھ رہے تھے، جب ان اوباشوں کی گستاخی اور حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہو

گئی تو فرشتے گویا ہوئے، اے حضرت لوط علیہ السلام! گھبراؤ نہیں۔ دروازہ کھول دو اور ان مسخروں کو آگے آنے دو۔ ہم لونڈے تھوڑے ہیں کہ یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان بستیوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں۔ لیکن آپ علیہ السلام کی بیوی آپ علیہ السلام کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ اس کا انجام وہی ہوگا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کی مہلت کی گھڑیاں ختم ہوگئیں، صرف صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔

جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا گیا ان کی فلک بوس عمارتیں زمین پر اوندھی گرادی گئیں ان پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کر رہ گئے۔ سعدون، عموراہ، ادما اور زبوئیم ان کی چاروں بستیاں اس جگہ آباد تھیں جہاں آج کل بحر مرادیا بحر لوط ہے اب بھی بحر لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں اور کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔

پتھر برسا کر ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ بائیبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا: ''تب خداوند عزوجل نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورا پر گندھک اور آگ برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا غارت کیا۔''

مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔

اور اس نے سدوم اور عمورا اور ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھوآں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھوآں۔'' (پیدائش-باب ۱۹، آیت 24 تا 28 بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن جلد سوئم سورہ الشعراء آیت نمبر ۱۷۳)

حضرت لوط علیہ السلام کا رات کو نکل جانا:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے ساتھ سوائے زوجہ کے باقی گھر کے افراد کو رات کو لے کر نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو لپیٹ دیا۔ اس طرح آپ علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے ان کی تمام بستیوں کو اپنے پر سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ آسمان والے ان کی بستیوں میں رہنے والے مرغوں کی آواز اور کتوں کے بھونک سن رہے تھے۔ پھر ان کو پلٹ کر نیچے گرا کر اوپر سے پتھروں کی بارش برسا کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(روح المعانی، جلد 7، حصہ اول، ص:113)

خیال رہے کہ چار بستیوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ پانچویں بستی جو سب سے بڑی تھی اس کا نام سدوم تھا جسے قرآن پاک میں مؤتفکات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ:

جو پتھر ان پر برسائے گئے تھے ان پر نشانات تھے جن کی وجہ سے وہ دوسرے پتھروں سے ممتاز تھے، ان پر خطوط تھے یا مہریں تھیں، یا ان پر ہر شخص کا نام لکھا گیا تھا جس جس کا نام تھا اسی پر وہ پتھر گرا اور وہ مرا۔ (خزائن العرفان)

الانتباہ:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو جب پتہ چلا کہ آپ کے پاس نوجوان مہمان آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے اپنے برے ارادے سے آئے آپ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو اور آپ نے فرمایا:

یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (پ12، سورۃ هود، 78)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:

''بولے اے میری قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے ستھری ہیں۔''

دیگر مترجمین نے ترجمہ میں ''میری بیٹیاں'' ذکر کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی شان کے لائق ہے، جبکہ دیگر تراجم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا۔ اگر چہ ایک قول یہ ملتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا کہ تم ان سے نکاح کرلو لیکن یہ قول مختلف بحثوں سے مردود ہے۔ آپ علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں۔ بنات جمع ہے، نیز دو بیٹیاں پوری قوم کے لیے کیسے؟ کیا صرف اس قوم کے دو سردار مراد تھے یا کہ پوری قوم؟ کیا کافروں سے نکاح جائز تھا؟

(روح المعانی کا اُردو ترجمہ)

''ابو الشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے ابن جبیر سے مجاہد ابن ابی الدنیا اور ابن عسا کر نے سدی سے بیان کیا ہے کہ یہاں لوط علیہ السلام نے جو بنات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کی عورتیں لی ہیں، ھؤلاء سے اشارہ ان کو بمنزل حاضر کے سمجھ کر کیا اور ان کی اضافت اپنی طرف کی اور بناتی کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت کے باپ کی حیثیت رکھتا ہے؟ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں ہے:

(اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اب لَهُمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ)

''نبی علیہ السلام مؤمنوں کے ان کی جان سے زیادہ مالک ہیں، کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرات میں بھی ایسے ہی ہے لیکن اس میں وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ پہلے ہے اور وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ بعد میں ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ کیا ہے، علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے اور اپنے مختار پر دلائل قائم کیے ہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

(تفسیر کبیر کا اُردو ترجمہ)

''یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے اس کلام (هٰٓـؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ) میں دو قول ہیں: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں ہیں، لیکن حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اس سے مراد آپ علیہ السلام کی امت کی عورتیں ہیں، اس لیے کہ وہ آپ علیہ السلام کی بیٹیاں ہی تھیں ان کی طرف قبول دعوت اور متابعت کی وجہ سے منسوب کیا اس لیے کہ نحویوں کا ضابطہ یہ ہے کہ حسن اضافت میں ادنیٰ مناسبت کافی ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام ان کے نبی علیہ السلام تھے اور نبی علیہ السلام اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں آتا ہے وَاَزْوَاجُـهٗٓ اُمَّهَـاتُهُـمْ نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، لہٰذا نبی علیہ السلام ان کے باپ ہوئے۔ علامہ رازی فرماتے ہیں یہی قول میرے نزدیک مختار ہے۔ اس کے مختار ہونے پر کئی وجوہ دال ہیں:

<u>پہلی وجہ یہ ہے:</u>

کہ انسان کا اپنی بیٹیوں کو اوباشوں اور فاسقوں فاجروں پر پیش کرنا بہت بعید ہے اہل مروت کے لائق نہیں اکابر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟

<u>دوسری وجہ:</u>

آپ نے فرمایا: (هٰٓـؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ) آپ کی اپنی حقیقی بیٹیاں اتنی عظیم جماعت کو کافی نہیں ہو سکتی تھیں امت کی عورتیں ان تمام کو کافی ہو سکتی تھیں۔

<u>تیسری وجہ:</u>

صحیح روایت ہے کہ آپ کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام زنتا اور دوسری کا نام زعوراء تھا۔ لفظ بنات کا اطلاق (بالحقیقت) دو بیٹیوں پر صحیح نہیں

کیونکہ جمع کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔ (تذکرۃ الانبیاء کا بیان ختم ہوا)

یہود نے توریت میں جابجا تحریف کر کے حضرت لوط علیہ السلام پر جو الزام لگایا اس کی تحقیق ضیاء القرآن سے بیان کی جاتی ہے

ترجمہ: ''بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو اور (بھیجا ہم نے) حضرت لوط علیہ السلام کو جب انہوں نے کہا 104 اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں 105 بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو اور نہ تھا 106 کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنتے ہیں پس ہم نے نجات دے دی حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہو گئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے 107 ان پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا 108 مجرموں کا۔''

تشریح: 104- یہاں ایک دوسری قوم کا ذکر ہو رہا ہے جو دریائے اردن کی ترائی میں شام کے جنوب میں آباد تھی۔ ان کا پایہ تخت سدوم تھا۔ یہ علاقہ بھی بڑا ذرخیز اور شاداب تھا۔ میلوں تک پھل دار باغات کا سلسلہ چلا جاتا تھا۔ لیکن یہاں بسنے والی قوم بڑی کمینہ خصلت اور بدکردار تھی۔ سر محفل بدکرداریاں کرتے اور بجائے شرمانے کے اس پر فخر کرتے۔ رہ چلتے مسافروں کو لوٹ لینا، اپنے مہمانوں کی ہر چیز چھین لینا ان کا پسندیدہ شغل تھا۔ ایسی گری ہوئی اور رذیل قوم کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ علیہ السلام حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاران بن تارح تھا۔ آپ علیہ السلام کافی عرصہ تک حضرت خلیل علیہ السلام کی معیت میں رہے۔ بعد میں انہیں اہل سدوم کی طرف نبی علیہ السلام بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کے متعلق موجودہ تورات میں جو سنسنی خیز الزامات عائد کیے گئے ہیں دل گوارا نہیں کرتا اور حیا اجازت نہیں دیتی کہ انہیں یہاں نقل کیا جائے۔ لیکن میرا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کے دعوؤں کی تصدیق کے لیے جو ثبوت ملے اسے ہدیۂ ناظرین کروں۔ قرآن نے بارہا اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ علماء یہود نے اپنے رسول پر نازل شدہ کتاب تورایت میں جابجا تحریف کر دی اور اس میں طرح طرح کا ردوبدل کیا۔ اس کی تصدیق کے لیے تورات کی مندرجہ آیات پڑھیے۔ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ کتاب پیدائش کے انیسویں باب کی آیات 30 تا 36 ملاحظہ ہوں: (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم)

''اور حضرت لوط علیہ السلام ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا۔ اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے (30) تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ (31) آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (32) سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی (33) اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (34) سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی (35) سو حضرت لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (36)''

نعوذ باللہ من ذلک۔ کہاں نبوت کا مقام رفیع اور کہاں یہ اخلاقی پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی گھٹیا سے گھٹیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ ابھی ابھی حضرت نوح علیہ السلام پر میخواری کی جو تہمت تورات میں لگائی گئی ہے اسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ضمن میں ہی میں نے انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آخر یورپ کے عیسائی محققین کو بھی عظمت حضرات انبیاء علیہم السلام کو تسلیم کرنا پڑا جس کو قرآن کریم نے سب

سے پہلے پیش کیا۔(ضیاء القرآن)

105 - دیگر رذیل حرکتوں کے علاوہ وہ ایک اور گندی عادت کا شکار تھے جوان سے پہلے کسی قوم میں موجود نہ تھی یعنی وہ لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کیا کرتے تھے اور اس میں وہ ذرا شرم محسوس نہ کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس غیر طبعی فعل پر ٹوکا اور انہیں شرم دلائی کہ بے شرمو! ڈوب مرو۔ برملا گناہ کرتے ہو۔ اور گناہ بھی ایسا جس کے موجد بھی تم ہو۔ خدا سے ڈرو کچھ تو حیا کرو۔

106 - حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ سے وہ بھڑک اٹھے اور کہنے لگے ذرا دیکھوتو اس لوط کو اور اس کے چیلوں کو۔ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ ہم ایسے رجعت پسند لوگوں کا وجود اپنے ترقی پسند معاشرہ میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انہیں بیک زمان کہہ دو کہ اپنے زہد وتقدس سمیت یہاں سے تشریف لے جائیں اور ہماری محفل عیش وعشرت کو اپنے ان وعظوں سے بے لطف نہ بنائیں۔ انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے جب وہ یہ پڑھتا ہے کہ اس ذلیل اور غلیظ فعل کو جس سے انسان کی عقل سلیم کو طبعی نفرت ہے صرف عہد قبل از تاریخ کے اہل سدوم نے ہی اپنے لیے پسند نہیں کیا بلکہ یونان کے بڑے بڑے فلسفی اس کو ایک جائز اور پسندیدہ فعل شمار کیا کرتے تھے۔ اور تہذیب جدید کے موجد (یورپ) اور سرپرست (امریکہ) کے بڑے بڑے اہل قلم اس کو قانونی طور پر جائز قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کئی ممالک نے اسے قانونی طور پر جائز کر دیا ہے جن میں جرمنی کو سبقت حاصل ہے۔

107 - جب حضرت لوط علیہ السلام کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی اور ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی ہی چلی گئی تو ان پر آگ اور پتھروں کی ایسی تباہ کن بارش کی گئی کہ وہ بالکل خاک سیاہ بنا کر رکھ دیئے گئے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ہے کہ ان کی بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا گیا۔ آج بھی بحر مردار کو جواردن کے اسی علاقہ میں ہے، بحر لوط کہا جاتا ہے اور محققین کا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں قوم حضرت لوط علیہ السلام پر عذاب نازل ہوا۔ اور آثار قدیمہ کے ماہرین کو اس بحیرہ کے گردونواح میں اس برباد شدہ قوم کے کچھ آثار بھی ملے ہیں۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ تازہ تخمینوں کے مطابق 2061 قبل مسیح ہے۔

108 - اسلامی معاشرہ کو اس اخلاقی پستی سے بچانے کے لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سخت سزا تجویز فرمائی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور دارقطنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول یعنی جس کو قوم حضرت لوط علیہ السلام کا فعل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں ایسے مجرم کی سزا کے متعلق خط لکھا۔ آپ علیہ السلام نے سب صحابہ کو مشورہ کے لیے طلب کیا اور مسئلہ پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی سزا ہے کہ مجرم کو تلوار سے قتل کر کے اس کی لاش جلا دی جائے۔ سب صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے آپ علیہ السلام کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ کو یہی لکھا گیا اور انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ مجرم کو ایسی عبرت ناک سزا دے تا کہ کسی اور کو اس کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو۔

(ضیاء القرآن کا بیان ختم ہوا)

باب پنجم

حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات زندگی

حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے مختصر حالات زندگی کے لئے تاریخ ابن خلدون جلد دوم کے صفحات ۸۰ تا ۸۴ نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام فلسطین میں رہے، انہوں نے طویل عمر پائی۔ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے برکت کی دعا کی تھی، اسی وجہ سے عیصو برہم ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے۔ رفقاء بنت تبویل سلام اللہ علیہا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس سے آگاہ کر کے حران چلے جانے کی رائے دی۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام رات کو اپنے گھر سے نکل کر حران کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ شام سے صبح تک سفر کرتے رہتے، جب صبح ہو جاتی تو ٹھہر جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسرائیل کے لقب سے یاد کیا ہے۔ آپ علیہ السلام حران میں پہنچ کر اپنے ماموں لابان بن تبویل کے پاس پہنچ کر مقیم ہوئے۔ بعد ازاں لابان بن تبویل نے اپنی بڑی لڑکی لیا سلام اللہ علیہا نامی کا نکاح حضرت یعقوب علیہ السلام سے کر دیا جبکہ خدمت کے لیے زلفہ کو دیا۔ اس کے بعد چھوٹی لڑکی راحیل نامی سلام اللہ علیہا کو بھی اپنے بھانجے حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دیا اور جہیز میں بلہا کو دیا۔ (بعد وفات لیا سلام اللہ علیہا انشاء اللہ آئے گی تفصیل آگے)

آل حضرت یعقوب علیہ السلام:

لیا سے سب سے پہلے روبیل اس کے بعد شمعون پھر لاوی اس کے بعد یہودا یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔ اس وقت تک کیونکہ راحیل سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے اس نے اپنی بلہا خادمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ جس کے بطن سے دان اور نفتالی پیدا ہوئے۔ لیا نے بھی یہ دیکھ کر اپنی زلفہ خادمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دے دی۔ تھوڑے دن بعد اس کے بطن سے کاد اور آشر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد پھر لیا کے بطن سے یساخر اور زبولون پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس لڑکے پورے ہو چکے تھے کہ راحیل نے جناب باری میں لڑکے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے۔

کنعان کی طرف ہجرت:

حضرت یعقوب علیہ السلام بیس برس تک حران میں رہے۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ لابان (حضرت یعقوب علیہ السلام کا ماموں) اس فیصلہ کا مخالف تھا اسی لیے واپس لانے کی غرض سے دو ایک منزل تک حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آیا۔ لیکن جب اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو واپس ہوتے نہیں دیکھا تو ناچار بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ دے کر حران کی طرف واپس چلا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پھر منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے روانہ ہوئے حتیٰ کہ عیصو شہر کے قریب پہنچے۔ عیصو نے ان دنوں جبل یسعین جو کہ (سرزمین شام میں عمان وایلہ کے درمیان واقع دو مقامات) کرک اور شوبک میں واقع ہے رہتا تھا۔ عیصو نے بھیڑ بکریوں کا گلہ دیکھ کر اس کے چرواہوں سے دریافت کیا۔ ''یہ بھیڑ بکریاں کس کی ہیں؟'' چرواہے چونکہ پہلے ہی سے سکھا دیئے گئے تھے لہٰذا ایک زبان بول اٹھے۔ ''یہ بکریاں یعقوب نامی عیصو کے چرواہے کی ہیں۔'' عیصو یہ سن کر خاموش ہو کر چلا گیا اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے کچھ بکریاں اور کچھ بھیڑیں عیصو کے پاس تحفتاً بھیجیں جس سے عیصو کا دل حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے صاف ہو گیا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کا انتقال:

اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ ''آج سے تمہارا نام اسرائیل ہوگا۔'' اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشالیم (یروشلم) یعنی بیت المقدس شریف) پہنچ کر ایک کھیت خرید لیا اور وہیں مقیم ہوگئے۔ اس مقام پر راحیل پھر حاملہ ہوئیں معین مدت گزر جانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہویں لڑکے بنیامین پیدا ہوئے۔ راحیل نے زچہ خانے میں انتقال کیا اور بیت اللحم میں دفن کی گئیں۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام قریہ جبرون میں اپنے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک سواسی برس کی عمر میں انتقال ہوگیا، آپ اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے قریب دفن کئے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام:

یوں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے باپ کے قائم مقام ہوئے۔ ان کے تمام لڑکے ان کے پاس رہے یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام بڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے مشہور خواب کا حال بیان کیا۔ وہ پھر ایک دن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے گئے، بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا۔ مسافروں نے نکال کر عربوں کے ہاتھ بیس مثقال پر فروخت کیا۔ عربوں سے عزیز مصر نے انہیں خرید لیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عزیز مصر کا نام طفیر بن رحیب تھا جبکہ فرعون مصر ان دنوں عمالقہ میں سے ربان بن ولید بن دومنع تھا۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے یہاں پرورش پائی پھر حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا کے ساتھ چند واقعات پیش آئے۔ بعد ازاں وہ قید میں رہے اور قیدیوں کے خواب کی تعبیر بیان کی۔ اس کے بعد بادشاہ مصر نے انہیں بخوف قحط، زمانہ قحط میں خزائن زراعت کا منتظم بنایا اور ملکی انتظام تمام ان کے سپرد کر دیا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر اس وقت تیس برس کی ہو چکی تھی۔ بعضے کہتے ہیں کہ اطفیر کی معزولی کے بعد اور چند کہتے ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام متولی وزارت ہوئے۔ انہوں نے پھر حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی اور اس کی تمام جائیداد کے مالک ہو گئے۔ یہی امور ان کے سب بھائیوں اور باپ کے یک جا ہونے کے ظاہری اسباب ہیں کیونکہ جب کنعان میں قحط پڑا تو ان کے بھائی غلہ اور جنس لینے کے لیے مصر میں آئے، یوسف علیہ السلام نے ان کی قیمت انہیں واپس کر دی تھی اور تمام بھائیوں کو بلوایا تھا۔ یہی ان کے تمام بھائیوں اور باپ کے جمع ہونے کا سبب ہوا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ یعقوب علیہ السلام بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال:

جب منزلیں طے کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام بلبیس کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام بعض علمائے تاریخ کے مطابق فرعون مصر کے ساتھ اپنے باپ کے استقبال کی غرض سے مصر سے باہر آئے۔ انہوں نے پھر سرزمین بلبیس اپنے بھائیوں کو رہنے اور منتفع ہونے کی غرض سے دیدی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان ستر آدمیوں کے علاوہ جو آپ علیہ السلام کے خاندان سے تھے، ایوب بن بن برجما بن زبرج بن رعویل بن عیسو بھی تھے، یہ سب کے سب بلبیس میں مقیم ہوئے۔ اس واقعہ کے سترہ برس بعد ایک سو چالیس برس کی عمر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرعون مصر کی اجازت سے روسائے مصر کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کا تابوت مصر سے لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں کنعانیوں سے کچھ بحث وتکرار ہوئی لیکن انہوں نے پھر خیریت سے سرزمین شام مدفن حضرت ابراہیم واسحاق علیہم السلام میں اپنے والد کو لے جا کر دفن کیا اور الٹے پاؤں مصر واپس آگئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے بعد ان کے خاندان والے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ہی رہے جہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک سودس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ جسم مبارک کو ایک تابوت میں رکھ کر اسے نیل کے کسی علاقہ میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ جس وقت بنی اسرائیل ارض موعودہ کی طرف روانہ ہوں اس وقت علیہ السلام آپ کا تابوت بھی نکال کر ساتھ لے

جائیں اور وہاں اسے دفن کریں چنانچہ یہ وصیت برابر محفوظ چلی آئی یہاں تک کہ بنی اسرائیل مصر سے خروج کے وقت تابوت کو مصر سے نکال لے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد آپ کے بھائی اور لڑکے فراعنہ مصر کے سایہ عاطفت میں باقی رہ گئے، رفتہ رفتہ ان کی نسلی ترقی اس حد تک پہنچی کہ اراکین دولت مصر نے ان کی کثرت سے ڈر کر انہیں دبانا اور ان سے خدمت کے کام لینے شروع کر دیے۔

آل حضرت یعقوب علیہ السلام:

مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لڑکوں اور پوتوں کے ساتھ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اس وقت کل ستر آدمی لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وہ مصر سے نکلے تو صرف ان لوگوں کی تعداد جو مسلح ہو سکتے تھے، چھ لاکھ یا اس سے کچھ زائد تھی۔ توریت میں اس تعداد کے منصوص ہونے سے یہ تعداد متحقق و متعین نہیں ہو سکتی کیونکہ مقام مبالغہ میں اظہار کثرت مقصود ہوتا ہے نہ کہ نص اعداد۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بہت سے لڑکے تھے لیکن ان میں سے مشہور دو ہیں یعنی ایک افرائیم دوسرے منشی، یہ دونوں اسباط میں شمار کیے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔ جناب موصوف نے انہیں اپنی اولاد میں شمار کیا تھا اور ان کے حق میں دعائے برکت کی تھی۔

آل حضرت یعقوب علیہ السلام پر تبصرہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ راحیل بنت لابان بن تبویل کا نکاح حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ اپنی بڑی بہن لیا کی وفات کے بعد ہوا۔ جس طرح ابن خلدون میں ذکر ہوا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ دو بہنیں ایک ہی وقت میں ایک خاوند کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتیں اس لیے لیا نے اپنی خادمہ زلفہ کو اپنی زندگی میں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔ لیا کی وفات کے بعد جب راحیل کا نکاح حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوا تو اس نے نکاح کے کچھ عرصہ بعد اپنی خدامہ بلہا (بلھتہ) کو لیا کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دیا۔

لیا کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا، روبیل، شمعون، لاوی، (یازبوتون، ریاتون) یشجر یا یسا خر اور دینہ پیدا ہوئے اور بلہا کے بطن سے دان اور نفتالی (یفتالی) اور زلفہ کے بطن سے کادیا جاد اور آشر پیدا ہوئے۔ اس وقت تک راحیل کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے جناب باری تعالیٰ سے اولاد کی دعا کی اور دعا قبول ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام اور پھر بنیامین پیدا ہوئے۔ بنیامین کی پیدائش کے بعد راحیل کی وفات جلدی ہوگئی۔ (اس کی تفصیل حضرت یوسف علیہ السلام کے بیان میں آگے آ رہی ہے) اور یہ خیال رہے کہ جو نام ذکر کیے گئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ وہ بارہ ہیں اور مشہور یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے۔ اسی وجہ سے اکثر حضرات نے دینہ نام کو شامل نہیں کیا۔ (مؤلف)

کچھ حضرات نے شامل تو کیا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ مونث کا نام یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک بہن کا نام ہے۔ ''واللہ اعلم''

(تذکرۃ الانبیاء، ص:195)

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں:

چند مؤرخین جنہیں تحقیق سے سروکار نہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام آخر مصر کے بادشاہ ہو گئے تھے۔ لطف یہ ہے کہ اس کی تائید میں چند مفسرین حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول پیش کرتے ہیں: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ ۝ (یوسف:101) (اے رب تو نے مجھے ملک دیا ہے) حالانکہ یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ جو شخص کسی چیز پر قبضہ کر لیتا ہے گو وہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہو یا باعتبار استیلاء و غلبہ ملک کہلاتا ہے۔ مکان، گھوڑے، خادم کے قابضین کو بھی ملک سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ملک اور قدرت کا لحاظ نہ ہوا گر چہ وہ ایک ہی شاخ ایک ہی کے لیے ہوا سے بھی بادشاہ کہیں گے۔ عرب کا یہ دستور قدیم ایام سے چلا آتا ہے کہ وہ اہل قریٰ (گاؤں والوں) اور اہل مدائن (شہر والوں) کے روساء کو ملوک کہا کرتے ہیں، لہٰذا اس زمانے میں تم وزیر مصر کی نسبت کیا خیال کر سکتے ہو کہ عرب کے سادہ لوح آدمی انہیں بادشاہ کیسے نہ کہیں گے۔ خلافت عباسیہ میں اطراف بلاد کے عمال کو ملوک کہتے ہیں لہٰذا اس صورت میں یہ استدلال کافی نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ۔ (یوسف:56) لیکن یہ آیت بھی اس کی مستند نہیں ہو سکتی کیونکہ ملک کے بغیر بھی تمکین ہو سکتی ہے چونکہ حضرت

یوسف علیہ السلام امور زراعت اوراس کے انتظام کے متولی ہوئے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے: اَجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ (یوسف:55) اس وجہ سے قصے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سلطنت فرعون کے ناظم تھے نہ کہ جیسا لفظ ملک سے جو کہ ان کی دعا میں ہے، بادشاہ ہو گئے تھے۔ ہم اس دلیل سے جو کہ قرآن سے ثابت ہوگئی ہو ایسے توہمات اور موضوع قصوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتے۔ توریت میں صاف لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نہ تو بادشاہ ہوئے تھے اور نہ مصر کے وہ مالک بنے تھے۔ یہ امر طبعی ہے کہ شوکت وتصرف کے لحاظ سے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اظہار جلال کے لیے ملک کا لفظ کہہ دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

عیصو کا خاندان:

عیصو ابن حضرت اسحاق علیہ السلام جبال یسعین (یعنی بنی جوی قبائل کنعان) میں مقیم ہوا جو جبال شرات کے نام سے معروف اور تبوک و فلسطین کے درمیان واقع ہے اور جسے ان دنوں بلاد کرک اور شوبک کہتے ہیں۔ توریت کی روایت کے مطابق ان کی نسلی شاخوں سے بنو ادطان، بنو شوبال، بنو صمقون، بنو عنا، بنو دیشوق، بنو یصد اور بنو دیسان کی سات شاخیں اور بنو دیشون سے اشبان موجود تھے۔ عیصو نے پہلے ضابن یسعین (بنی جوئی) کی لڑکی اہلیقاما سے نکاح کیا جس کے بعد عاذا بنت ایلول اور یاسمت بنت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شادی کی۔ عاذا کے بطن سے الیفاذ عیصو کا لڑکا پیدا ہوا، اس کے بعد بطن یاسمت بنت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے رعویل اور بطن اہلیقامہ سے یعوش، یعلام، قورح تین لڑکے پیدا ہوئے۔

سب سے بڑے لڑکے الیفاذ کے چھ لڑکے پیدا ہوئے یعنی۔ یتمال، اومار، صفو، کعتام، قنال اور عمالق۔ یہ چھٹا لڑکا سریہ کے بطن سے ہے جس کا نام تمتاع تھا۔ عویل بن عیصو کے چار لڑکے یعنی ناحتہ، زیدم، شتما اور مرا پیدا ہوئے۔

توریت میں درج ہے کہ عیصو کا نام ادوم تھا، اسی وجہ سے بنی عیصو کو بنی ادوم بھی کہتے ہیں۔ بعض اسرائیل مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ ادوم اس پہاڑ کا نام ہے جہاں عیصو آ کر مقیم ہوا تھا۔ ادوم عبرانی زبان میں جبل احمر کو کہتے ہیں جہاں نباتات کا نام ونشان نہ پایا جاتا ہو۔ اسی لفظ نے بعض مؤرخین کو اس مغالطہ میں ڈال رکھا ہے کہ قیاصرہ روم عیصو کی اولاد سے ہیں۔ طبری کہتا ہے کہ روم اور فارس رعویل ابن یاسمت کی اولاد سے ہیں لیکن یہ تمام روایتیں صحت اور صداقت سے بہت دور ہیں۔ میرے نزدیک روم، رومس بانی رومہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں نہ کہ ادوم (عیصو) کے جانب۔

بنو عیصو کا بیان:

بنو عیصو نے بعد میں سرزمین یسعین میں اتنی زیادہ ترقی کی کہ تھوڑے دنوں میں وہ بنی جوی (کنعانی) اور بنی مدین پران کے علاقوں میں ایلہ تک غالب آ گئے۔ ان میں پھر تمدن و معاشرت کی بو آ گئی، وہ بادشاہ اور امیر بھی ہوئے۔ ان میں سے فالغ بن ساغور اور اس کے بعد یودب بن زیدح تھا، اس کے بعد ہداد بن مداد ہوا جس نے بنو مدین کو ان کے علاقے سے نکال دیا۔ ہداد کے بعد بنو عیصو میں نسلاً بعد نسل حکومت و دولت چلی آئی اور یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوتے رہے یہاں تک حضرت یوشع بن نون بن افرائم بن حضرت یوسف علیہ السلام نے شام پر فوج کشی کی اور اریشا کو فتح کرلیا۔ یوں انہوں نے تمام بنو عیصو سے سلطنت وحکومت چھین لی۔ اس واقعہ کے بعد بخت نصر نے بیت المقدس شریف پر حملے کے وقت انہیں پامال کیا۔ ان میں سے بعض یونان اور بعض افریقہ چلے گئے۔ اسرائیلی علماء کے مطابق عمالق بن الیفاذ کی نسل سے عمالقہ شام ہیں لیکن نسابین عرب اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عمالقہ شام عملاق بن لاوذ کی اولاد سے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

مدین بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر:

اس دوران مدین ابن ابراہیم علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی لڑکی سے نکاح کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل میں اتنی برکت عنایت فرمائی کہ شام کے بڑے بڑے قبائل انہیں کی نسل اور لواحقین سے ہیں۔ اس کے پانچ لڑکے عیفا، عیصن، حنوخ، ابنداع، الزاعا تھے۔ وہ شام کے اطراف میں بحیرۂ قوم لوط اور حجاز کے قریب سرزمین معان میں رہتے تھے، ان علاقوں کے یہی لوگ مالک تھے۔ چند برسوں بعد جب وہ بت پرستی اور خیانت کی طرف مائل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے حضرت شعیب بن نویل علیہ السلام بن رعویل ابن عیابن مدین کو مبعوث کیا۔ علامہ سہیلی کہتا ہے کہ یہ اہل مدین

محضر بن جندل بن یعصب بن مدین کی اولاد سے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام ان کے نسبی بھائی ہیں۔ان میں بھی متعدد بادشاہ گزرے ہیں جو کلمات ابجد سے موسوم تھے۔وفیہ نظر، ابن حبیب کتاب البدء میں حضرت شعیب علیہ السلام کو نویب بن اعزم (صفحہ 114 پر اعزم کی جگہ عیقا لکھا ہے) بن مدین کا لڑکا تحریر کرتا ہے جبکہ سہیلی انہیں ابن عیفا تحریر کرتا ہے بہرحال یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام ہجرت کر کے گئے تھے اور جن کی لڑکی سے ان کا نکاح ہوا تھا۔ان ہی سے آداب کتاب نبوت کی آپ علیہ السلام نے تعلیم لی تھی جس کا تفصیلی بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں آئے گا۔

علامہ ضمیری کہتا ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری کرنے کا ٹھیکہ لیا تھا اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی کی تھی وہ بشیر بن رعویل ہیں۔توریت میں ہے کہ ان کا نام بینز تھا، رعویل ان کا باپ یا چچا تھا جو عقد نکاح کا متولی و وکیل ہوا تھا۔اسی مدین سے شام میں بنی اسرائیل لڑے تھے اور انہیں مغلوب کر کے ان کی حکومت چھین لی تھی۔

حضرت لوط علیہ السلام:

حضرت لوط علیہ السلام ہاران برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے۔وہ اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد فلسطین میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

تحقیق کے مطابق ان دنوں موتفکہ میں سدوم کے پانچ بڑے گاؤں تھے اور وہاں کے سب لوگ خلاف وضع فطرت فواحش کے مرتکب ہوتے تھے۔حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں خوب سمجھایا لیکن ان میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی نتیجہ کے طور پر سب کے سب ہلاک کر دیئے گئے الاماشاء اللہ عزوجل۔(مگر یہ کہ جس کو اللہ نے چاہا)۔

حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان:

توریت کی روایت کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کے دو لڑکے عمون اور موآئی تھے،ان دو کی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت مرحمت فرمائی کہ شام کے اکثر قبائل انہیں کی نسلوں سے ہیں۔بعد میں ان کی آئندہ نسلوں نے سرزمین فلسطین چھوڑ کر اطراف بلقاء میں سکونت اختیار کر لی تھی۔وہ بنی اسرائیل کے اکثر مقابلہ کرتے رہتے تھے جسے ہم بنی اسرائیل کے تذکرے میں بیان کریں گے۔انہیں میں سے بلعام بن باعور بن رسیوم بن برسیم بن موآئی مشہور زاہد تھا جس کا قصہ اور اس کی وہ دعا جو شاہ کنعان اور بنی اسرائیل کی جنگ کے زمانے میں شاہ کنعان کے کہنے سے کی تھی، توریت کے مطابق آپ علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام زنتا اور دوسری کا نام زنتورا ہے۔۔

آل ناحور:

ناحور بن تارخ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۸۵ پر بنو ابراہیم کا شجرہ نسب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھائی تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔وہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے حران آئے پھر حران سے ارض مقدسہ (بیت المقدس شریف) آ گئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ان کے ساتھ ان کی بیوی ملکا بھی تھیں۔توریت کے مطابق بطن ملکا سے ان کے آٹھ لڑکے تھے،عوص، بوص،قمویل، (یہ ابوالارمن ہے) کاس (اس کی نسل سے کسدانین ہیں جن میں سے بخت نصر اور ملوک بابل تھے) حذو، بلداس، بلداف،تبویل،بطن اود ماسے جو ناحور کی حرم تھی، چار لڑکے طالح، کاحم، تاحش اور ماغی تھے۔یہ سب ناحور کے لڑکے ہیں جن کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے لیکن ان میں سے اب صرف ارمن قمویل بن ناحور بن تارخ کی اولاد مما لک آرمینیہ جانب مشرق قسطنطنیہ میں موجود ہے جو کہ نصرانی ارمن ہے۔بقیہ کا زمانہ درہم برہم ہو گیا اور دولت و حکومت بھی جاتی رہی: واللہ وارث الارض ومن علیھا وھو خیر الوارثین ٥ (اور اللہ زمین کا اور ان چیزوں کا وارث ہے جو زمین پر ہیں اور وہی خیر الوارثین ہے۔) (تاریخ ابن خلدون کا بیان ختم ہوا)

حضرت یوسف علیہ السلام

(اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کے حبیب علیہ السلام کے وسیلہ پاک سے
5 جمادی الاوّل، 1430ھ کو ابتداء کی)

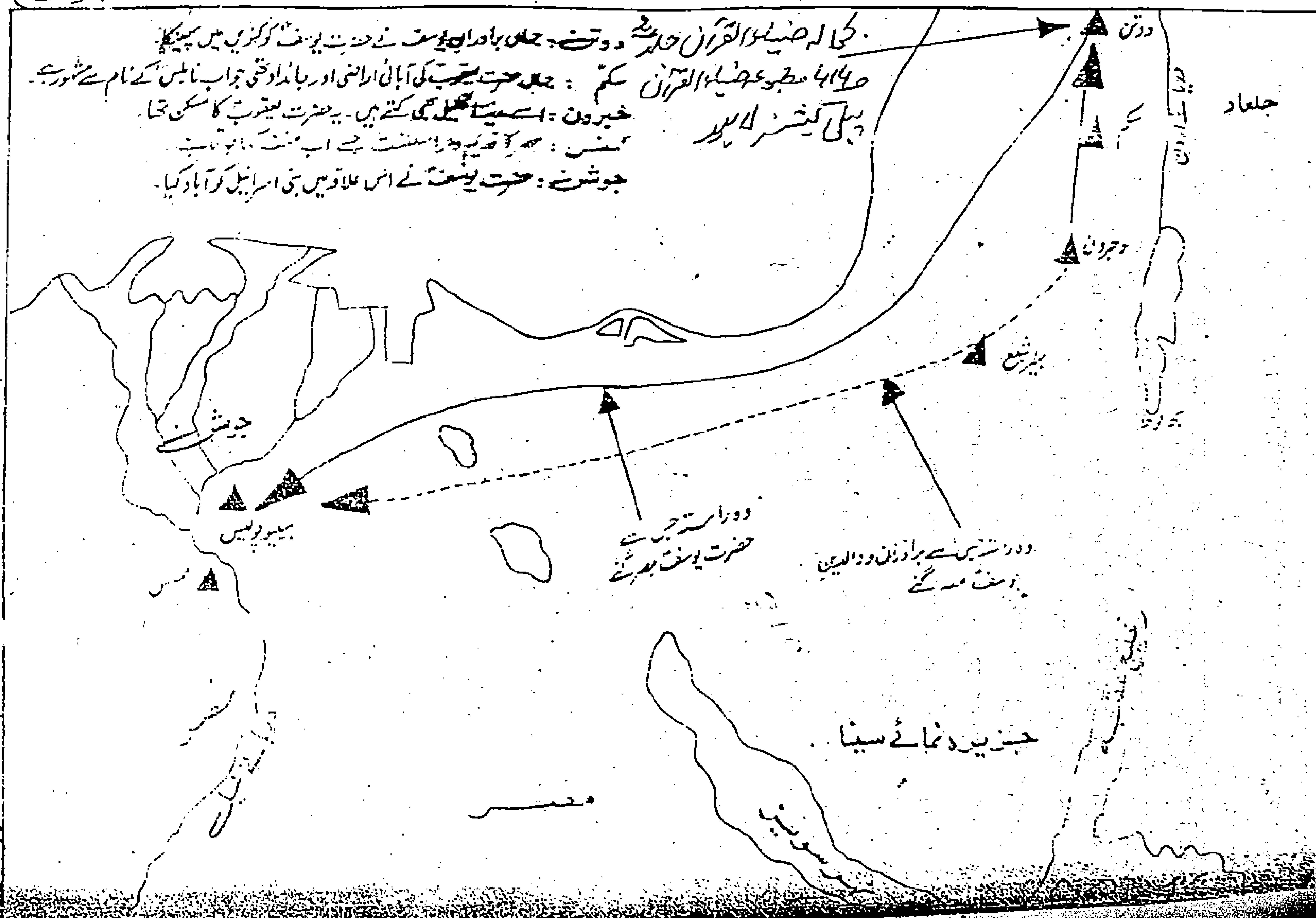
اس سے قبل حضرت یعقوب علیہ السلام کے حالات زندگی میں مختصر طور پر تاریخ ابن خلدون کے حوالے سے آپ علیہ السلام کے متعلق تحریر ہو چکا ہے اب جو حالات وواقعات حضرت یوسف علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے قرآن پاک میں ارشاد فرمائے ہیں وہ تحریر کئے جاتے ہیں۔اس کے لیے مجاہد دین و ملت امام اہلسنّت مولانا اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کنزالایمان ترجمۃ القرآن تحریر کیا جاتا ہے۔(سورۃ یوسف، آیت:4 تا18)

یاد کرو جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا۔اے میرے باپ! میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے۔انہیں اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔کہا اے میرے بچے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا۔وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح تجھے تیرا رب چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے گھر والوں پر جس طرح تیرے پہلے دونوں باپ دادا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسحٰق (علیہ السلام) پر پوری کی۔بے شک تیرا رب علم وحکمت والا ہے۔بے شک حضرت یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔جب بولے کہ ضرور حضرت یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں۔بے شک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔حضرت یوسف (علیہ السلام) کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری طرف رہے اور اس کے بعد نیک ہو جانا ان میں سے ایک کہنے والا بولا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو مارو نہیں اور اسے اندھے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا اسے آ کر لے جائے اگر تمہیں کرنا ہے۔بولے اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔بولا بے شک مجھے رنج رہے گا کہ اسے لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھالے اور تم اس سے بے خبر رہو۔بولے اگر اسے بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں۔پھر جب اسے لے گئے اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔اے ہمارے باپ! ہم دوڑتے نکل گئے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں۔اور اس کے کرتے پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے لیے بنالی ہے۔تو صبر اچھا اور اللہ عزوجل ہی سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو۔

<u>حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب دیکھنے سے لے کر آپ علیہ السلام کے بھائیوں کا آپ علیہ السلام کو کنویں میں پھینکنے تک کے حالات</u>

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم ٥ (روح المعانی بحوالہ

سورۂ یوسف سے متعلق علاقے



تفسیر الحسنات، جلد 3، ص: 224) چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور آپ کے والد خطیب الانبیاء سیّدنا حضرت ابراہیم خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اس لیے حضور ﷺ ان کے متعلق مندرجہ بالا الفاظ فرمائے۔ اب سورۃ یوسف کی آیات نمبر 4 تا 18 کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کا تذکرہ کیا جو جمعہ کی شب لیلۃ القدر کو دیکھا تھا۔

(روح المعانی بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد 3، ص: 224 اور خزائن العرفان)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کو بتایا کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آسمان سے اتریں ہیں اور ان سب نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا ہے۔ ستاروں کی تعبیر آپ علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج آپ علیہ السلام کے والد اور چاند آپ علیہ السلام کی والدہ یا خالہ۔ آپ کی والدہ کا نام راحیل ہے۔ مبدی کا قول ہے کہ چونکہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے قمر سے مراد آپ علیہ السلام کی خالہ مراد ہے لیکن ایک قول پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ راحیل کا نکاح لیا کے فوت ہونے کے بعد ہوا جو کہ راحیل کی بڑی بہن تھی اس کے متعلق اور کئی اقوال ہیں جن کو بوجہ اختصار یہاں نہیں لکھا جاسکتا اور صحیح یہی ہے کہ قمر سے مراد آپ علیہ السلام کی والدہ ہی مراد ہیں (واللہ اعلم) اور سجدہ کرنے سے تواضع کرنا اور مطیع ہونا مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ مراد ہے کیونکہ اس زمانے میں سلام کی طرح سجدہ تحیت تھا۔ آپ علیہ السلام کی عمر کے متعلق مختلف قول ہیں کہ اسوقت سات، بارہ اور سترہ برس تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ اس لیے ان کے بھائی ان سے حسد کرتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس کا پتہ تھا۔ اس لیے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب سنایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ علیہ السلام کے بھائی خواب کی تعبیر سمجھ لیں گے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو نبوت کے لیے برگزیدہ فرمائے گا اور دارین کی نعمتیں اور شرف عنایت کرے گا اور آپ علیہ السلام کے بھائی اس کا حسد کریں گے اور آپ علیہ السلام کی ہلاکت کی کوئی تدبیر سوچیں گے تو اس کا سبب وسوسہ شیطان ہوگا۔ (خازن) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے چاہیے کہ اس کو محبت سے بیان کیا جائے اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے جب کوئی دیکھنے والا وہ خواب دیکھے تو چاہیے کہ اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھتکارے اور یہ پڑھے: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم و من شر ھذہ الرؤیاo

اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو برگزیدہ کر لینا یعنی چن لینا سے مراد ہے کہ کسی بندے کو فیض ربانی کے ساتھ مخصوص کرے جس سے اس کو طرح طرح کے کرامات و کمالات بے سعی و محنت حاصل ہوں۔ یہ مرتبہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے اور ان کی بدولت ان کے مقربین، صدیقین و شہداء اور صالحین بھی اس نعمت سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے علم و حکمت عطا کرے گا اور کتب سابقہ اور احادیث انبیاء کرام علیہم السلام کے غوامض کشف فرمائے گا۔

مفسرین نے اس سے تعبیر خواب بھی مراد لی ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام تعبیر کے بڑے ماہر تھے۔

سورہ یوسف کی آیت نمبر 6 کی تفسیر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر جو اعلیٰ مناصب میں سے ہے اور خلق کے تمام منصب اس سے فروتر ہیں اور سلطنتیں دے کر دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اور اس سے اگلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر جن کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی لیا بنت لیان یا لابان آپ علیہ السلام کی ماموں کی بیٹی تھیں۔ ان سے چھ فرزند ہوئے۔ روبیل، شمعون، لادی، یہودا، بولون اور یشجر اور چار بیٹے دان، نفتالی (یا نفتالی)، جاد اور آشر زلفہ اور بلہہ بیویوں سے ہوئے۔ لیا کی وفات کے بعد آپ کی بہن راحیل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے نکاح فرمایا۔ ان سے دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے ہیں ان کو ہی اسباط کہتے ہیں۔

یہود نے حضور نبی کریم ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق پوچھا؟

(آیت نمبر 7 کی تفسیر) جب یہودیوں نے آپ ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا حال اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے خطہ کنعان سے سرزمین مصر کی طرف منتقل ہونے کا سبب دریافت کیا تھا۔ اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بیان فرمائے اور یہود نے ان کو توریت کے مطابق پایا تو انہیں حیرت ہوئی کہ سیّد عالم ﷺ نے کتابیں پڑھنے اور علماء و احبار کی مجلس میں بیٹھنے اور کسی سے کچھ سیکھنے کے بغیر اس قدر صحیح واقعات کیسے بیان فرمائے۔ یہ دلیل ہے کہ آپ ﷺ ضرور نبی ہیں اور قرآن پاک ضرور وحی الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم قدس سے مشرف فرمایا۔ علاوہ بریں اس واقعہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں اور حکمتیں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اچھا نہ لگا تو انہوں نے کیا چال چلی؟

(آیت نمبر 8 تا نمبر 18 کی تفسیر) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی بنیامین سے ان کے والد گرامی زیادہ پیار و محبت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بہت کم پیار کرتے ہیں اور انہوں نے اس حسد کی وجہ سے فیصلہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کا بھائی چھوٹے ہیں وہ کچھ کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو مار ڈالو۔ ہم ایک جماعت ہیں اور طاقت ور ہیں۔ لیکن ان کو یہ خیال کہ آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہوا ہے اور وہ ابھی بالکل چھوٹے بچے ہیں۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے زیادہ پیار و محبت کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ شیطان بھی برادران حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مشورہ میں شریک ہوا تھا اسی نے آپ علیہ السلام کو مار ڈالنے کی تجویز پیش کی اور گفتگو مشورہ اس طرح ہوئی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ عرض کریں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہر روز گھر میں رہتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ باہر جنگلوں میں نہ بھیجیں تا کہ وہ باہر کی سیر کرے اور مختلف قسم کے میوے، پھل کھائے اس طرح ان کی طبیعت اچھی رہے گی۔ جب وہ اس کو باہر دور اپنے ساتھ لے جائیں تو وہاں اس کو قتل کر دینا اور واپس گھر آ کر والد گرامی کو یہ بتانا کہ اس کو ہم نے اپنے سامان کے پاس بٹھایا تھا اور وہ دوڑ لگاتے دور نکل گئے اور آپ علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نہیں گے اور تمہارے والد گرامی کی محبت تمہارے ساتھ رہے گی۔ ان میں سے ایک بڑے یعنی یہودا یا روبیل نے کہا کہ اگر تم نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اسے مار و نہیں کیونکہ قتل کرنا گناہ عظیم ہے۔ ایک اندھے کنویں میں ڈال دو۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ چاہئے کہ کچھ بھی نہ کرو۔ اگر کرنا ہی ہے تو کنویں میں ڈال دو۔ سب اس پر متفق ہو گئے۔ پھر اپنے گناہ سے توبہ کر کے نیک ہو جانا۔ پس انہوں نے اس تجویز کے مطابق اپنے والد گرامی سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ باہر لے جانے کی جب اجازت چاہی تو والد گرامی نے فرمایا کہ اس سرزمین پر بھیڑیئے اور درندے ہیں کہیں تم اپنی سیر و تفریح میں مشغول ہو جاؤ اور حضرت یوسف علیہ السلام پیچھے اکیلے رہ جائیں اور ان کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام محبت کی وجہ سے ایک پل بھی جدا نہ کرنا چاہتے تھے تو سب بھائیوں نے یک زبان ہو کر کہا پھر تو ہم کسی کام کے نہ رہے۔ ہم ایک جماعت ہیں اور طاقت ور ہیں۔ ہم حضرت یوسف علیہ السلام کی صحیح طرح حفاظت کریں گے۔ لہٰذا اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ تقدیر الٰہی عزوجل یونہی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اجازت دی اور وقت روانگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص جو حریر جنت کی تھی اور جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں پھینکا گیا تھا اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہ قمیص آپ علیہ السلام کو پہنائی تھی۔ وہ قمیص مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچی تھی۔ وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعویز بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے کندھوں پر بٹھا کر بڑی خوشی سے والد گرامی سے اجازت لے کر باہر جنگلوں کی طرف اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چل پڑے۔ جب تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر میں رہے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیار کی باتیں کرتے اور اپنی محبت کا اظہار کرتے۔ لیکن جونہی دور حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کندھوں سے نیچے پھینک دیا

اور آپ علیہ السلام کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور بہت تنگ کیا۔ آپ علیہ السلام جس بھائی کی طرف امداد کے لیے جاتے وہی بڑی سختی کے ساتھ مارتا اور پیچھے دھکیل دیتا۔ یہ منظر بیان کرنے کے قابل نہیں۔ آخر کار مجبور ہو کر اپنے بڑے بھائی یہودا کو کہا کہ خدا عزوجل سے ڈر اور ان کو زیادتیاں کرنے سے روک۔ سب برادران صرف مارتے ہی نہیں تھے بلکہ گالی گلوچ کرتے اور طعنے دیتے کہ اب اپنا خواب سنا اور خواب کو بلا کہ وہ تجھے ہم سے چھڑائے۔ انہوں نے خواب کسی طرح سن لیا ہوا تھا۔ جب زیادتیاں حد کو پہنچ گئیں تب یہودا نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم نے مجھ سے کیا عہد کیا تھا۔ قتل کرنے کی بات نہیں ٹھہری تھی۔ تب وہ ان حرکتوں سے باز آئے۔

پھر انہوں نے کنعان سے تین فرسنگ کے فاصلے پر حوالی بیت المقدس شریف یا سرزمین اردن میں جو کنواں تھا اور جو اوپر سے تنگ اور نیچے سے فراخ تھا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قمیص اتار کر چھوڑا۔ جب آپ علیہ السلام نصف گہرائی تک پہنچے تو جس رسی کے ساتھ کنویں میں لٹکایا ہوا تھا وہ رسی چھوڑ دی تا کہ پانی میں گر کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت جبرائیل امین بحکم اللہ تعالیٰ وہاں کنویں میں پہنچے اور آپ علیہ السلام کو ایک پتھر پر بٹھا دیا جو کنویں میں تھا۔ اور ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ اور جو قمیص روانگی کے وقت تعویز بنا کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا تھا وہ کھول کر آپ علیہ السلام کو پہنا دیا۔ اس سے اندھیرے میں روشنی ہوگئی۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کے مبارک اجساد شریفہ میں کیا برکت ہے۔ کہ ایک قمیص جو اس بابرکت بدن سے مس ہو۔ اس نے اندھیرے کنویں کو روشن کر دیا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ملبوسات اور آثار مقبولان حق سے برکت حاصل کرنا شرع میں ثابت اور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا بطریق الہام حضرت یوسف علیہ السلام کو فرما دیا کہ آپ غمگین نہ ہوں۔ ہم آپ کو عمیق چاہ سے بلند جاہ پر پہنچائیں گے اور تمہارے بھائیوں کو حاجت مند بنا کر آپ کے پاس لائیں گے اور انہیں آپ کے زیر فرمان کریں گے اور ایسا ہو گا۔ جو انہوں نے اس وقت آپ کے ساتھ کیا وہ ان کو جتا دیں گے۔ آپ یوسف ہیں کیونکہ اس وقت آپ کی شان ایسی رفیع ہو گی کہ آپ مسند سلطنت حکومت پر ہوں گے کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں گے۔

برادران حضرت یوسف علیہ السلام آپ علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر واپس ہوئے اور جو قمیص آپ علیہ السلام کا اتارا تھا اس کو ایک بکری کے بچے کا خون لگا کر رنگ لیا اور قمیص اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف لوٹے۔ جب مکان کے قریب پہنچے تو رونا چیخنا شروع کر دیا۔ ان کے رونے چیخنے کی آواز سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ اے میرے فرزند کیا تمہیں بکریوں میں کچھ نقصان ہوا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر کیا مصیبت پہنچی اور حضرت یوسف علیہ السلام کہاں ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ ہم ایک دوسرے سے دوڑ کرتے تھے کہ کون آگے نکلے اور اس دوڑ میں ہم دور نکل گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے۔ آپ علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا۔ ہمارے پاس نہ کوئی گواہ ہے۔ اور نہ ہی ایسی کوئی دلیل وعلامت ہے۔ جس سے ہماری راست گوئی ثابت ہو۔ بکری کے بچے کے خون سے رنگی ہوئی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو دکھائی لیکن قمیص کو پھاڑنا بھول گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام وہ قمیص اپنے چہرہ مبارک پر ڈال کر بہت روئے اور فرمایا عجب طرح کا ہوشیار بھیڑیا تھا جو میرے بیٹے کو کھا گیا اور قمیص کو پھاڑا تک نہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک بھیڑیا پکڑ لائے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یہ بھیڑیا ہے جس نے آپ علیہ السلام کے بیٹے کو کھایا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس بھیڑیے سے فرمایا: کیا تو نے میرے بیٹے کو کھایا ہے وہ بحکم خدا عزوجل گویا ہو کر کہنے لگا حضور نہ میں نے آپ علیہ السلام کے فرزند کو کھایا ہے اور نہ کوئی بھیڑیا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بھیڑیے کو چھوڑ دیا اور اپنے بیٹوں سے فرمایا: تمہارے دلوں نے ایک بات تمہارے واسطے بنالی ہے اور واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ ان باتوں سے جو تم بتا رہے ہو۔ پس صبر ہی اچھا ہے۔ (خزائن العرفان)

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر عزیز مصر کے ہاتھ فروخت (مدین کے مالک بن ذعر خزاعی نامی شخص نے) کر دیا

ان حالات کے لیے سورۃ یوسف کی آیت نمبر 19 تا آیت نمبر 22 کا پہلے کنز الایمان سے ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ پھر خزائن العرفان سے ان

کی تفسیر بیان کی جاتی ہے:

ترجمہ: ''اور ایک قافلہ آیا۔ انہوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا۔ تو اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ بولا آیا کیسی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے اور اسے ایک پونجی بنا کر چھپا لیا۔ اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس پر کچھ رغبت نہ تھی اور مصر کے جس شخص نے اسے خریدا۔ وہ اپنی عورت سے بولا۔ انہیں عزت سے رکھو۔ شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے یا ان کو اپنا بیٹا بنالیں۔ اسی طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس زمین میں جماؤ (رہنے کا ٹھکانا) دیا اور اس لیے کہ اسے باتوں کا انجام سکھائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب رہے۔ مگر اکثر آدمی نہیں جانتے۔ اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا۔ ہم نے اسے حکمت اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسے ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔''

اب اس ترجمہ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اس کنویں میں تین دن رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات اس سے عطا فرمائی۔ ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا وہ راستہ بھٹک کر اس جنگل میں آ پڑا۔ جہاں آبادی سے دور یہ کنواں تھا۔ اس کا پانی کھاری تھا۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت سے میٹھا ہو گیا۔ جب وہ قافلے والے اس کنویں کے قریب اترے۔ انہوں نے ایک آدمی جس کا نام مالک بن ذعر خزاعی تھا اور مدین کا رہنے والا تھا۔ اس کو کنویں سے پانی لانے کے لیے بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول پانی نکالنے کے لیے جب کنویں میں ڈالا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ ڈول پکڑ لیا اور اس کے ساتھ لٹک گئے جب مالک نے ڈول باہر کھینچا تو آپ علیہ السلام کنویں سے باہر تشریف لائے۔ اس نے آپ علیہ السلام کا حسن عالم افروز دیکھا تو نہایت خوشی میں آ کر اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سنائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جو اس جنگل میں اپنی بکریاں چراتے تھے۔ وہ دیکھ بھال رکھتے تھے۔ آج جو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ دیکھا تو وہ آپ علیہ السلام کو تلاش کرتے اس قافلہ میں پہنچے وہاں انہوں نے مالک بن ذعر کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو وہ اس سے کہنے لگے کہ یہ ہمارا غلام ہے ہمارے ہاں سے بھاگ آیا ہے۔ کسی کام کا نہیں نافرمان ہے اگر تم اسے خرید و تو ہم اسے سستا بیچ دیں گے۔ پھر اسے کہیں اتنی دور لے جانا کہ اس کی خبر بھی ہمارے سننے میں نہ آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے خوف سے خاموش کھڑے رہے اور آپ علیہ السلام نے کچھ نہ فرمایا۔ بقول قتادہ آپ علیہ السلام کے بھائیوں نے بیس درہم مالک بن ذعر سے وصول کیے۔ پھر قافلے والے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لائے۔ اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید بن نزدان عملیقی تھا۔ اس نے اپنی عنان سلطنت قطفیر مصری کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔ تمام خزائن اس کے تحت تصرف تھے اس کو عزیز مصر کہتے تھے۔ اور وہ بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بازار میں فروخت کرنے کے لیے لائے گئے۔ تو ہر شخص کے دل میں آپ علیہ السلام کی طلب ہوئی اور خریداروں نے قیمت بڑھانا شروع کی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے وزن کے برابر سونا اتنی ہی چاندی اتنا ہی مشک اتنا ہی حریر قیمت مقرر ہوئی۔ اور آپ علیہ السلام کا وزن چار سو رطل تھا۔ اور عمر شریف اس وقت تیرہ یا سترہ سال تھی۔ عزیز مصر نے اس قیمت پر آپ علیہ السلام کو خرید لیا۔ اور اپنے گھر لے آیا دوسرے خریدار اس کے مقابلہ میں خاموش ہو گئے۔ عزیز مصر نے اپنی بیوی جس کا نام زلیخا تھا کو کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑے عزت و احترام سے رکھو۔ آپ علیہ السلام کی قیام گاہ نفیس ہو۔ لباس و خوراک اعلیٰ قسم کی ہو کیونکہ شاید آپ علیہ السلام ہمارے کام آئیں اور وہ ہمارے کاموں میں اپنے تدبر و دانائی سے ہمارے لیے نفع بخش اور بہتر مددگار ہوں۔ اور امور سلطنت و ملک داری کے سرانجام میں ہمارے کام آئیں۔ کیونکہ رشد کے آثار ان کے چہرے سے نمودار ہیں یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں وہ اس لیے کہ قطفیر کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر نکالنے کا علم سکھایا اور جب آپ علیہ السلام پورے جوان ہوئے اور شباب اپنی نہایت پر آیا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر شریف بقول ضحاک بیس سال کی اور بقول سدی تیس سال کی اور بقول کلبی اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان (واللہ اعلم)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو علم با عمل اور فقاہت فی الدین عنایت فرمائی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حکم سے مراد قول صواب اور علم سے تعبیر خواب مراد ہے۔ بعض نے فرمایا علم حقائق اشیاء کا جاننا اور حکمت علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔ (خزائن العرفان)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو الوداعی سلام

جب آپ علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو کھوٹے درہموں سے بیچ دیا تو تاجر کو کہا کہ یہ چور ہے اور بھاگ بھی جاتا ہے تو اس تاجر نے آپ علیہ السلام کو قید کر لیا اور نگہبانی کے لیے ایک حبشی غلام کو آپ علیہ السلام پر مقرر کیا۔ جب وہاں سے کوچ کرنے لگے تو آپ علیہ السلام رونے لگے۔ تاجر نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جن لوگوں نے مجھے بیچا ہے میں ان کو الوداعی سلام کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی ایسا سلام کرنا چاہتا ہوں جو کبھی نہ لوٹنے والا کرتا ہے۔

تاجر نے اپنے غلام کو کہا کہ اس کو اپنے مالکوں کے پاس لے جاؤ تاکہ یہ انہیں الوداعی سلام کر آئے۔ پھر قافلہ سے مل جانا۔ میں نے آج تک اتنا فرمانبردار غلام نہیں دیکھا۔ جو اپنے مالکوں سے اتنی محبت رکھتا ہو۔ اور اتنے ظالم مالک نہیں دیکھے جتنے ظالم اس کے مالک ہیں۔ وہ غلام آپ علیہ السلام کو بھائیوں کے پاس لے آیا اور وہ اس وقت سب سوئے ہوئے تھے۔ ایک ان میں سے بھیڑ بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ جو جاگ رہا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے محافظ غلام کے ساتھ پاؤں میں بیڑیاں لگے لڑکھڑاتے اس کے پاس پہنچے اور رونے لگے۔ اس نے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں الوداعی سلام کرنے آیا ہوں۔ جسے تم کبھی نہ دیکھ سکو گے۔ ہائے افسوس!

ہائے بربادی! یہ کیسا الوداعی سلام ہے (ممکن ہے یہ یہودا ہو۔ وہ کچھ آپ علیہ السلام سے نرم گوشہ رکھتا تھا)۔ سب جاگ پڑے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک ایک بھائی پر محبت سے سر جھکائے بوسے لیتے ہوئے گلے مل رہے تھے۔

سبحان اللہ! ان کے ظلم کو دیکھئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کو دیکھئے! آپ علیہ السلام چلتے ہوئے کہہ رہے تھے:

''اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھے ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے گھروں میں قائم و دائم رکھے اگرچہ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔ آپ علیہ السلام کے الوداعی سلام، رقت آمیز کلمات، دکھ بھری فریاد کا اثر بھیڑ بکریوں پر اتنا شدید ہوا کہ ان کے اس ہولناک منظر سے حمل گر گئے۔'' (روح المعانی، جلد 7، ص:206)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی والدہ کی قبر پر رونا

بھائیوں کو آپ علیہ السلام نے الوداع کر دیا تو آپ علیہ السلام کو غلام نے پکڑ کر اپنے ساتھ چلا لیا تاکہ قافلہ سے مل جائیں۔ آپ علیہ السلام کو بیڑیاں لگا کر ایک سواری پر سوار ہو کر لے جا رہا تھا۔ کنعان کے قبرستان سے جب آپ علیہ السلام کا گزر ہوا۔ تو اپنی والدہ راحیل کی قبر کو دیکھ کر آپ علیہ السلام اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ سواری سے اتر کر قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے عرض کرنے لگے:

''اے میری اماں! قبر سے سر اٹھا کر ذرا اپنے بیٹے کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تو دیکھو۔ اے میری ماں! بھائیوں نے مجھے کنویں میں پھینک دیا۔ باپ سے مجھے جدا کر دیا۔ کھوٹے سکوں سے مجھے بیچ دیا۔ میری چھوٹی عمر پر بھی ان کا دل نرم نہ ہوا، انہیں مجھ پر کچھ رحم نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے والد کو مقام رحمت میں جمع فرمائے۔ وہی ارحم الراحمین ہے۔''

(روح المعانی، جلد 7، ص:206)

غلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے پر قہر خداوندی:

غلام نے پیچھے دیکھا تو حضرت یوسف کو نہ پایا واپس آیا تو دیکھا کہ آپ علیہ السلام ایک قبر کے پاس رو رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمہیں بیچنے والوں نے سچ کہا تھا کہ تم ایک بھگوڑے ہو۔ یہ کہتے ہوئے اس نے آپ علیہ السلام کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا۔ جس سے آپ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب آپ علیہ السلام کو ہوش آیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے کچھ نہ کہیے یہ تو میری ماں کی قبر ہے۔ میں اپنی ماں کو الوداعی سلام کرنے کے لیے سواری سے

اتر گیا تھا۔ آئندہ ایسا کوئی کام نہ کروں گا۔ جو تمہیں ناپسند ہو۔ آپ علیہ السلام کا چہرہ خون آلودہ تھا اور گرنے کی وجہ سے مٹی لگی ہوئی تھی۔ کانپتے ہوئے ربّ عزوجل کے حضور عرض کرنے لگے:

''اے اللہ (عزوجل)! اگر میری کوئی خطا ہے تو مجھے میرے آباؤ حضرت ابراہیم واسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی حرمت کے وسیلہ سے معاف کردے۔''

آپ علیہ السلام کی اس حالت کو دیکھ کر آسمانوں کے فرشتے بھی چلا اٹھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ علیہ السلام کے لیے فریاد کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے فرشتو! یہ میرا نبی ہے اور میرے انبیاء کرام علیہم السلام کا بیٹا ہے۔ جو مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور مجھ سے ہی امداد کا طالب ہے۔ میں ہی اس کا فریاد رس ہوں۔ سب فریاد کرنے والوں کی فریاد کو میں ہی پہنچتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل جاؤ۔ میرے بندے کی امداد کرو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا: اے اللہ تعالیٰ کے دوست! تمہارا ربّ تمہیں سلام کہتا ہے اور تمہیں یہ کہتا ہے کہ رونے سے رک جاؤ۔ تم نے سات آسمانوں کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو، زمین و آسمان ایک ہو جائیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں نہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حلم (بردباری) عطاء کی ہے۔ وہ جلد بازی نہیں کرتا تو میں بھی جلدی سے کام نہیں لیتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین پر مارا۔ زمین سے سرخ رنگ کی ہوا چلنے لگی۔ سورج کی روشنی ختم ہوگئی۔ سرخ آندھی سے تاریکی چھا گئی۔ قافلے والے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

تاجر نے کہا: اے قافلے والو! اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاؤ۔ مجھے کئی سال ہوگئے ہیں۔ اس راستہ سے گزرتے ہوئے۔ میں نے آج کے دن کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا۔ سب اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ آج کی مصیبت یقیناً ہمارے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے محافظ حبشی غلام نے بتایا کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مارا تھا۔ جب مارا اس نے اپنا سر آسمانوں کی طرف اٹھایا تھا اور اپنے ہونٹوں کو بھی حرکت دی تھی۔

تاجر نے کہا: افسوس تمہاری بربادی! تم نے ہمیں بھی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ تاجر آپ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے لڑکے! ہم نے تمہیں مار کر تم پر ظلم کیا ہے۔ اے لڑکے! اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہم ظالموں سے بدلہ نہیں لیا کرتے۔ میں تو اس گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں جو ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ میں تمہیں معاف کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف کرے۔''

آپ علیہ السلام کے معاف کرنے کے ساتھ ہی تاریکی ختم ہوگئی۔ آندھی رک گئی۔ سورج روشن ہوگیا۔ مشرق و مغرب تک روشنی پھیل گئی۔ اس طرح قافلہ مصر میں امن سے آ گیا۔

سبحان اللہ! نبی کی کیا شان ہے؟ نبی علیہ السلام پر ظلم کرنے والے کیسے گرفت میں آئے؟ اور نبی کتنا صابر؟ کہ ظالموں کے لیے دعا کر رہا ہے۔

(روح المعانی، جلد 7، ص:206) مندرجہ بالا تینوں واقعات کتاب ''تذکرۃ الانبیاء'' صفحہ:210 تا 213 سے نقل کیے گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی خواہش کو ٹھکرا کر اپنا ایمان بچانے کے لیے قید خانہ جانا پسند فرمایا

سورۃ یوسف کی آیت نمبر 23 تا آیت 35 تک کنز الایمان سے اردو ترجمہ:

''اور وہ جس عورت کے گھر میں تھا۔ اس نے اسے لبھایا کہ اپنا آپا نہ روکے اور دروازے سب بند کر دیئے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں۔ کہا اللہ عزوجل کی پناہ! وہ عزیز تو میرا ربّ یعنی پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ بے شک ظالموں کا بھلا نہیں ہوتا اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے ربّ تعالیٰ کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔ ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں سے ہے۔ اور دونوں دروازے کی طرف

دوڑے اور عورت نے اس کا کرتا پیچھے سے چیر لیا اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے کے پاس ملا۔ بولی کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی۔ مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار کہا اس نے مجھ کو لبھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں۔ اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ اگر ان کا کرتا آگے سے چرا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا۔ اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے چاک ہوا تو عورت جھوٹی اور یہ سچے۔ پھر جب عزیز نے اس کا کرتا پیچھے سے چیرا دیکھا۔ بولا بے شک یہ تم عورتوں کا چرتر (فریب) ہے۔ بے شک تمہارا چرتر (فریب) بڑا ہے۔

اے یوسف علیہ السلام! تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو خطاواروں میں ہے۔ اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بی بی اپنے نوجوان کا دل لبھاتی ہے۔ بے شک ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی (سما گئی) ہے۔ ہم تو اسے صریح خودرفتہ پاتے ہیں۔ تو جب زلیخا نے ان کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لیے مسندیں تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا ان پر نکل آؤ۔ جب عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں اللہ تعالیٰ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں۔ یہ تو نہیں مگر معزز فرشتہ۔ زلیخا نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں۔ اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچا لیا اور بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں، ضرور ذلت اٹھائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے ربّ! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ اس کام سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہے۔ اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے تو میں ان کی طرف مائل ہوں گا اور نادان بنوں گا تو اس کے ربّ نے اس کی سن لی اور اس سے عورتوں کا مکر پھیر دیا۔ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔ پھر سب نشانیاں دیکھ دکھا کر پچھلی مت انہیں یہی آئی کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں ڈالیں۔

اب مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

عزیز مصر کی بیوی جس کا نام زلیخا تھا۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مکان کے اندر بلایا اس کے مکان کے سات دروازے تھے۔ سب دروازوں کو تالے لگا دیئے اور آخری کمرے میں آپ علیہ السلام کو لے گئی اور دعوت گناہ دی۔ اس کی ایک وجہ کچھ راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عزیز مصر نامرد تھا اس کو عورت سے کچھ رغبت نہ تھی اور زلیخا جوان اور خوبصورت تھی اور وہ اس وجہ سے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بدی کی دعوت دی لیکن آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ عزیز مصر تو میرا پالنے والا ہے۔ یہ فعل حرام ہے یہ کام میں ہرگز نہ کروں گا۔ اس کا یہ بدلہ نہیں کہ میں اس کے اہل میں خیانت کروں جو ایسا کرے وہ ظالم ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ربّ تعالیٰ کی برہان دیکھی اور اس ارادہ فاسدہ سے محفوظ رہے اور برہان عصمت نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس طاہرہ کو اخلاق ذمیمہ و افعال رذیلہ سے پاک پیدا کیا ہے اور اخلاق شریفہ طاہرہ مقدسہ پر ان کی خلقت فرمائی ہے۔ اس لیے وہ ہر بُرے فعل سے باز رہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت زلیخا آپ علیہ السلام کے درپے ہوئی اس وقت آپ علیہ السلام نے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشت مبارک دندان اقدس کے نیچے دبا کر اجتناب کا اشارہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خیانت اور زنا سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اخلاص رکھتے تھے۔

الحاصل جب زلیخا آپ علیہ السلام کے درپے ہوئی تو آپ علیہ السلام بھاگے اور زلیخا آپ علیہ السلام کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے بھاگی۔ جس دروازے پر پہنچتے اس دروازے کا تالا کھل کر گرتا جاتا تھا۔ آخر کار زلیخا آپ علیہ السلام تک پہنچی اور اس نے آپ علیہ السلام کا کرتا پیچھے سے پکڑ کر کھینچا کہ آپ علیہ السلام باہر نکلنے نہ پائیں۔ مگر آپ علیہ السلام غالب آئے اور آخری ساتویں دروازے سے باہر نکل آئے تو دروازہ پر دونوں نے عزیز مصر کو پایا۔ فوراً ہی زلیخا نے اپنی

بے گناہی ثابت کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مکر سے خائف کرنے کے لیے بہانا بنایا اور اپنے شوہر سے کہا اس کی کیا سزا ہے جس نے تمہاری گھر والی سے بدی چاہی۔ اتنا کہہ کر اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں عزیز طیش میں آ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کردیں اور یہ زلیخا کی شدت محبت کب گوارہ کرسکتی تھی اس لیے اس نے کہا کہ آپ علیہ السلام کو قید کردیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ زلیخا الٹا آپ علیہ السلام پر الزام لگاتی ہے اور آپ علیہ السلام کے لیے قید یا سزا کی صورت پیدا کررہی ہے تو آپ علیہ السلام نے اپنی بے گناہی اور حقیقت حال کا بیان کرنا ضروری سمجھا۔ آپ علیہ السلام نے عزیز مصر کو فرمایا کہ زلیخا مجھ سے بدکاری کی طلب گار ہوئی۔ اور میں نے انکار کیا اور میں بھاگا عزیز نے کہا یہ بات کیسے تسلیم کی جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں ایک چار مہینے کا بچہ ہے جو زلیخا کے ماموں کا لڑکا ہے۔ اس سے دریافت کرنا چاہئے۔ عزیز نے کہا چار مہینے کا بچہ کیا جانے؟ اور کیسے بولے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بولنے کی طاقت بخشے گا اور اس سے میری بے گناہی کی شہادت دلوانے پر قادر ہے۔ عزیز نے بچہ سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بچہ بولنے لگا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی تصدیق کی اور زلیخا کی بات کو جھوٹ قرار دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بچہ نے اس کی یہ صورت بتائی کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کی طرف آگے بڑھے اور زلیخا نے آپ علیہ السلام کو پیچھے ہٹانا چاہا تو کرتا آگے سے پھٹا ہوگا۔ تو زلیخا سچی ہے اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام اس سے بھاگتے تھے اور زلیخا پیچھے سے پکڑتی تھی تو کرتا پیچھے سے پھٹا ہوگا تو زلیخا جھوٹی اور حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ عزیز نے کرتا دیکھا تو پیچھے سے پھٹا پایا تو جان گیا کہ زلیخا جھوٹی ہے۔ اور آپ علیہ السلام سچے ہیں۔ پھر عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر اس کی معذرت اس طرح کی اور کہا کہ یہ عورتوں کا مکر ہے اور بے شک یہ بڑا مکر (فریب) ہے۔ آپ علیہ السلام اس کا کچھ خیال نہ کریں اور زلیخا کو کہا کہ تم اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ اور عزیز نے آپ علیہ السلام کو کہا کہ آپ علیہ السلام غم نہ کریں بے شک تم پاک ہو۔ اس کلام سے یہ بھی مطلب تھا کہ اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا تاکہ یہ بات مشہور نہ ہو جائے۔

فائدہ: اس کے علاوہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کی بہت سی علامتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ شریف طبیعت انسان اپنے محسن کے ساتھ اس طرح کی خیانت نہیں کرتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کرامت اخلاق کی وجہ سے کسی طرح ایسا کر سکتے تھے۔ **دوئم:** یہ کہ دیکھنے والوں نے آپ علیہ السلام کو بھاگتے آتے دیکھا اور طالب کی یہ شان نہیں ہوتی کہ وہ بھاگے۔ بھاگتا وہی ہے جو مجبور کیا جائے اور وہ اسے گوارہ نہ کرے۔ **سوئم:** یہ کہ عورت نے انتہا درجہ کا سنگار کیا تھا اور وہ غیر معمولی زیب و زینت کی حالت میں تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رغبت و اہتمام محض اس کی طرف سے تھا۔ **چہارم:** حضرت یوسف علیہ السلام کا تقویٰ و طہارت جو ایک دراز مدت تک دیکھا جاچکا تھا۔ اس سے آپ علیہ السلام کی طرف سے ایسے بدفعل کی نسبت کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر عزیز مصر زلیخا کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا تو نے بے گناہ پر گناہ کی تہمت لگائی ہے۔

عزیز مصر نے اگرچہ اس قصہ کو بہت دبایا لیکن یہ خبر چھپ نہ سکی اور اس کا چرچا اور شہرہ ہو ہی گیا۔ شرفاء مصر کی عورتیں کہنے لگیں کہ زلیخا ایک غلام کی محبت میں پھنس گئی ہے ہم تو اسے صریح خود رفتہ پاتیں تھیں۔ زلیخا کو اس جنون میں اپنے ننگ و ناموس اور پردے و عفت کا بھی لحاظ نہ رہا۔ جب زلیخا نے سنا کہ مصر کی عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرنے پر ملامت کرتیں ہیں تو اس نے چاہا کہ وہ اپنا عذر ان پر ظاہر کردے۔ اس لیے اس نے ان کی دعوت کی اور اشراف مصر کی چالیس عورتوں کو مدعو کیا۔ ان میں وہ سب بھی تھیں جنہوں نے زلیخا کو ملامت کیا۔ زلیخا نے ان عورتوں کو بہت عزت و احترام کے ساتھ مہمان بنایا۔ نہایت پرتکلف مسندیں تیار کیں جن پر وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ تکیے لگا کر بیٹھیں اور دستر خوان بچھائے گئے اور قسم قسم کے کھانے اور پھل اور میوے ان پر چنے گئے۔ اور ہر عورت کے ہاتھ میں ایک ایک چھری دی تاکہ اس کے ساتھ گوشت اور پھل کاٹیں اور تراشیں۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام کو عمدہ لباس پہنا کر عرض کی ان عورتوں کے سامنے سے گزریں۔ پہلے تو آپ علیہ السلام نے انکار کیا لیکن جب بار بار اصرار اور تاکید کی گئی تو اس کی مخالفت کے اندیشہ سے آپ علیہ السلام کو عورتوں کے سامنے آنا ہی پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور درد کا احساس تک نہ ہوا

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی عورتوں کے سامنے آئے تو انہوں نے اس جمال عالم افروز کے ساتھ نبوت و رسالت کے انوار تواضع و انکسار اور شاہانہ ہیبت و اقتدار اور لذائذ اطعمہ اور جمیلہ شکل وصورت کی طرف سے بے نیازی کی شان دیکھی تعجب میں آ گئیں اور آپ علیہ السلام کی عظمت و ہیبت دلوں میں بھر گئی اور حسن و جمال نے ایسے وارفتہ کیا کہ ان عورتوں کو خود فراموشی ہوگئی ان کے دل پھلوں اور میووں کے بجائے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایسے مشغول ہوئے کہ پھلوں اور میووں کے بجائے چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور ہاتھ کاٹنے کی تکلیف کا اصلاً احساس نہ ہوا۔ اور بے ساختہ بولیں کہ ایسا حسن و جمال کسی بشر میں کبھی نہیں دیکھا اور اس کے ساتھ نفس کی یہ طہارت کہ مصر کی اعلیٰ خاندانوں کی خوب صورت عورتیں طرح طرح کے نفیس لباسوں اور زیوروں سے آراستہ پیراستہ سامنے موجود ہیں اور آپ علیہ السلام کسی کی طرف نظر نہیں فرماتے اور قطعاً التفات نہیں کرتے۔اس وقت زلیخا نے ان عورتوں کو کہا کہ یہ ہیں وہ جن کے متعلق مجھے تم طعنہ دیتی تھیں۔اب تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میرا ان کی طرف مائل ہونا کچھ قابل تعجب اور ملامت نہیں۔آپ علیہ السلام کسی طرح میری طرف مائل نہ ہوئے۔اس پر مصری عورتوں نے کہا کہ اے حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کا کہنا مان لو اس کے ساتھ زلیخا بولی ورنہ چوروں اور قاتلوں اور نافرمانوں کے ساتھ جیل میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے میرا دل لیا اور میری نافرمانی کی اور فراق کی تلوار سے میرا خون بہایا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خوشگوار کھانا پینا اور آرام کی نیند سونا میسر نہ ہوگا جیسے میں جدائی کی تکلیفوں میں مصیبتیں جھیلتی اور صدموں میں پریشانی کے ساتھ وقت گزارتی ہوں یہ بھی تو کچھ تکلیف اٹھائیں۔میرے ساتھ حریر میں شاہانہ سریر پر عیش گوارا نہیں ہے تو قید خانہ کے چبھنے والے بوریے پر ننگے جسم کو دکھانا گوارا کریں۔

حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر مجلس سے اٹھ گئے اور مصری عورتیں ملامت کرنے کے بہانے باہر آئیں اور ان میں سے ہر ایک نے آپ علیہ السلام سے اپنی تمناؤں اور مرادوں کا اظہار کیا۔آپ علیہ السلام کو ان کی گفتگو بہت ناگوار گزری۔تو بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کی کہ اے میرے رب عزوجل! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس طرف وہ مجھے بلاتی ہیں۔اگر تو مجھے ان سے نہ بچائے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔اور نادان ہوں گا۔تو آپ علیہ السلام کے رب عزوجل نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور آپ علیہ السلام سے ان عورتوں کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا اور جانتا ہے۔(خازن ومدارک وحسینی)

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے ان عورتوں کو کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے زلیخا سے کہا کہ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب دو تین روز حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں رکھا جائے۔تاکہ وہاں کی محنت و مشقت دیکھ کر کہ انہیں نعمت و راحت کی قدر ہو۔اور وہ تیری درخواست قبول کرلیں۔زلیخا نے اس رائے کو مانا اور عزیز مصر سے کہا کہ میں اس عبری غلام کی وجہ سے بدنام ہوگئی ہوں۔اور میری طبیعت اس سے نفرت کرنے لگی ہے۔مناسب یہ ہے کہ ان کو قید کیا جائے۔تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ وہ خطاوار ہیں اور میں ملامت سے بری ہوں۔یہ بات عزیز کو پسند آ گئی چنانچہ عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں بھیج دیا۔(خزائن العرفان)

حضرت یوسف علیہ السلام ایک روشن دلیل دیکھنے کی وجہ سے برائی کا ارادہ کرنے سے بچ گئے

سورۃ یوسف کی آیت نمبر 24:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ○

ترجمہ:"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب تعالیٰ کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیا۔بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔"(کنزالایمان)

دوسرا ترجمہ:"اور اس نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب تعالیٰ کی روشن دلیل یوں ہوا تاکہ ہم دور کر دیں

حضرت یوسف علیہ السلام سے برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لیے گئے ہیں۔(ضیاء القرآن)

زلیخا نے اگرچہ چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہوں میں مبتلا کر دے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام قبل از نبوت و بعد از نبوت چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واضح اور روشن دلیل دکھا کر پاک صاف رکھا۔

وہ دلیل کیا تھی؟ایک تو یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت دروازے بند کر کے اپنے ایک بت کو ڈھانپ رہی ہے وہ جو اس نے اپنا معبود بنا رکھا تھا اور موتیوں اور یاقوت سے اسے سجا رکھا تھا۔

آپ علیہ السلام نے زلیخا سے پوچھا: تو اسے کیوں ڈھانپ رہی ہو؟اس نے کہا مجھے اپنے معبود سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے برائی میں مبتلا دیکھے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا معبود تو کچھ طاقت نہیں رکھتا۔تجھے اس سے شرم آرہی ہے۔کیا مجھے اس معبود حقیقی سے شرم نہیں آتی جو ہر انسان کے عمل کو دیکھ رہا ہے؟مجھ سے تو اپنی امید وابستہ نہ رکھ تو کبھی بھی مجھ سے اپنی حاجت میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔سب سے بڑی دلیل یہ تھی۔(ترجمہ حدیث)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی دی جنہوں نے آپ علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مارا۔'' دوسری حدیث کا ترجمہ:

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام دکھائی دیئے کہ آپ علیہ السلام اپنی انگلیوں کو دانتوں سے دبا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: اے یوسف علیہ السلام! خیال رکھنا۔ایسا کام تو بے وقوف کرتے ہیں۔تمہارا نام تو انبیاء کرام علیہم السلام میں لکھا جا چکا ہے۔''(روح المعانی بحوالہ تذکرۃ الانبیاء،ص:216)

سبحان اللہ! کیسی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمائی۔کس طرح وہ اپنے اقرباء اور متوصلین یعنی اپنی امت کے افراد کی مدد کرتے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام کی برات اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی امداد کے علم کے بعد بھی اگر کوئی شخص حسد و عناد کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی امداد کا انکار کرتا پھرے تو اس کی اپنی بدقسمتی۔

خدارا غلط تراجم قرآن پاک کے کر کے مسلمانوں کو گمراہ نہ کیجئے اور اپنی عاقبت برباد نہ کیجئے:

اس مقام پر بعض تراجم کو دیکھ کر انسان گمراہ نہ ہو اور شان نبی علیہ السلام میں گستاخی نہ کرے تو کیا کرے کسی مترجم نے لکھا ہے:''آپ نے قصد کیا'' کسی نے لکھا ہے:''ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا۔'' کسی نے لکھا:''اور انہیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا۔'' ایسے تراجم سے سوائے گمراہی کے کچھ نہیں حاصل۔ایسے تراجم دیکھیں جن سے ایمان حاصل ہو۔(تذکرۃ الانبیاء،ص:217)

اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ کنز الایمان اور پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ضیاء القرآن جو میں اس سے قبل تحریر کر چکا ہوں وہ تراجم صحیح ہیں۔

علامہ رازی کی فیصلہ کن بات:

ترجمہ:''جو جہلاء حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی (یا ارادہ برائی) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے متبع ہیں۔تو وہ اللہ تعالیٰ کی شہادت قبول کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پاک دامنی پر دی ہے۔(یعنی جو گواہی سورہ یوسف آیت نمبر 24 میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں سے ہے) اگر وہ شیطان یا اس کے لشکر کے تابعدار ہیں تو وہ۔شیطان کی شہادت قبول کر لیں جو اس نے آپ علیہ السلام کی پاکدامنی پر دی ہے۔(فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ)

ترجمہ:''اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مجھے تیری عزت کی قسم،میں سوائے تیرے مخلص بندوں کے تمام کو گمراہ کرتا رہوں گا۔''

(بحوالہ تذکرۃ الانبیاء،ص:221)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے دو قیدی ساتھیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتانا:

سورۃ یوسف آیت نمبر 36 تا 41 کا اردو ترجمہ کنزالایمان سے:

''اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے۔ان میں ایک بولا میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن سے پرندے کھاتے ہیں۔ہمیں اس کی تعبیر بتایئے بے شک ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا۔یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھے میرے رب عزوجل نے سکھایا ہے۔بے شک میں نے ان لوگوں کا دین نہ مانا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا دین اختیار کیا۔ہمیں نہیں پہنچتا کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائیں۔یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا جدا جدا رب اچھے یا ایک اللہ تعالیٰ جو سب پر غالب۔تم اس کے سوا نہیں پوجتے مگر نرے (فرضی نام) جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے تراش لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی سند نہ اتاری۔حکم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا اس نے فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو۔یہ سیدھا دین ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلائے گا۔رہا دوسرا وہ سولی دیا جائے گا۔تو پرندے اس کا سر کھائیں گے۔حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔'' اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے تحریر کی جاتی ہے:

قیدیوں میں ایک تو مصر کے شاہ اعظم ولید بن نزوان عملیقی کا مہتمم مطبخ (باورچی خانہ) تھا۔دوسرا اس کا ساقی یعنی بادشاہ کو شراب پلانے والا۔ ان دونوں پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا۔اس جرم میں دونوں قید کیے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں داخل ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے علم کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ میں خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتا ہوں۔بادشاہ کا ساقی بولا مجھے خواب آئی ہے کہ میں ایک باغ میں ہوں۔وہاں ایک انگور کے درخت میں تین خوشے لگے ہوئے ہیں۔بادشاہ کا کاسہ (شراب والا برتن) میرے ہاتھ میں ہے اور ان خوشوں سے شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرے قیدی مطبخ نے کہا کہ مجھے خواب آئی ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کی ٹوکری ہے اور اس میں سے پرندے روٹیاں کھاتے ہیں۔دونوں نے عرض کی کہ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتایئے۔بے شک ہم آپ علیہ السلام کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔آپ علیہ السلام دن کو روزہ رکھتے اور رات تمام نماز میں گزارتے۔جب کوئی قیدی بیمار ہو جاتا اس کی بیمار پرسی فرماتے اور اس کی خبر گیری رکھتے اور جب کسی پر کوئی تنگی ہوتی اس کے لیے آسانی کی کوئی راہ نکالتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے اپنے معجزے کا اظہار اور توحید کی تبلیغ شروع کر دی اور یہ ظاہر فرمایا کہ علم میں آپ علیہ السلام کا درجہ اس سے زیادہ ہے۔جتنا وہ لوگ آپ علیہ السلام کی نسبت خیال کرتے ہیں یا اعتقاد رکھتے ہیں۔کیونکہ علم تعبیر ظن پر مبنی ہے اس لیے آپ علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں ظاہر فرما دیں کہ آپ علیہ السلام غیب کی یقینی خبر دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور اس سے مخلوق عاجز ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے غیبی علوم عطا فرمائے ہوں اس کے نزدیک خواب کی تعبیر کیا بڑی بات ہے اس وقت معجزے کا اظہار آپ علیہ السلام نے اس لیے فرمایا کہ آپ علیہ السلام جانتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک عنقریب سولی دیا جائے گا۔آپ علیہ السلام نے چاہا کہ اس کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کریں اور جہنم سے بچائیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر عالم لوگ اپنی علمی منزلت کا اس لیے اظہار کرے کہ لوگ اس سے نفع حاصل کریں تو یہ جائز ہے۔(مدارک وخازن)

آپ علیہ السلام نے قیدیوں سے فرمایا کہ جو کھانا ان کے لیے آتا ہے۔اس کے آنے سے پہلے آپ علیہ السلام اس کھانے کی مقدار، اس کی قسم اور رنگ اور اس کے آنے کا وقت اور یہ کہ تم نے کیا کھایا یا کتنا کھایا یا کب کھایا سب کچھ بتا سکتا ہوں۔اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے معجزے کا اظہار فرمانے کے بعد یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ آپ علیہ السلام خاندان نبوت سے ہیں اور آپ علیہ السلام کے آباؤ اجداد انبیاء علیہم السلام ہیں۔جن کا مرتبہ اعلیٰ دنیا میں مشہور

ہے۔اس سے آپ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ سننے والے آپ علیہ السلام کی دعوت قبول کرلیں۔اور آپ علیہ السلام کی ہدایت کو مانیں اورتوحید کو اختیار کریں اور شرک سے بچیں کیونکہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دی ہوئی تھی اور مخلوق پرستی کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے طرح طرح کے بت بنا رکھے تھے۔کسی نے سونے کا یا چاندی کا کسی نے تانبے یا لوہے کا کسی نے پتھر یا لکڑی کا یا کسی چیز کا چھوٹا یا بڑا بت بنا رکھا تھا اور ان کی عبادت کرتے جو سب کے سب بیکار و نکمے نہ نفع دے سکیں نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکیں بالکل جھوٹے معبود ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی اس کے حکم میں دخل دے سکتا ہے نہ کوئی اس کے برابر ہے نہ کوئی اس کی مثال ہے اور سب پر اس کا حکم جاری ہے اور سب اس کے مملوک ہیں۔وہ سب پر غالب ہے۔تم نے فرضی نام کے بت تراشے ہوئے ہیں جن کو معبود سمجھتے ہو اور جو حقیقت میں بے جان پتھر ہیں۔اس لیے صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت اور وہی عبادت کے لائق ہے جس پر دلائل اور براہین قائم ہیں۔

توحید و عبادت الٰہی عزوجل کی دعوت دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر خواب کی طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بادشاہ کا ساقی تو اپنے عہدہ پر بحال کیا جائے گا۔تین خوشوں کا جو خواب میں بتائے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساقی تین دن قید میں رہنے کے بعد رہا ہو کر اپنے بادشاہ کو شراب پلانے کے عہدہ پر بحال ہو جائے گا اور دوسرا مہتمم مطبخ و طعام سولی دیا جائے گا اور اس کا سر پرندے کھائیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تعبیر سن کر ان دونوں قیدیوں نے کہا کہ خواب تو ہم نے کچھ بھی نہ دیکھا۔صرف ہنسی کر رہے تھے کہ آپ علیہ السلام کو آزمائیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جو میں نے کہہ دیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا چاہے تم نے خواب دیکھا یا نہ دیکھا۔اب یہ حکم ٹل نہیں سکتا۔(خزائن العرفان نیز تفسیر کبیر، جلد 18، ص:134 اور روح المعانی، جلد 7، ص:238 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:234) اور آپ علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کثیر علوم عطا فرمائے ہیں۔یہ جو تم نے سنا ہے یہ تو بارش کا ایک قطرہ ہے۔باغ کے پھولوں میں سے ایک کلی ہے۔

(تفسیر کبیر، جلد 18، ص:143 اور روح المعانی، جلد 7، ص:241، بحوالہ تذکرہ الانبیاء، ص:235)

سبحان اللہ عزوجل! یہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کا علم ہے۔ہمارے نبی کریم رسول معظم امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا حال ہوگا وہ لوگ ہوش کے ناخن لیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان کو دیوار پیچھے کا علم نہیں اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ لوگوں سے بچائے۔(آمین)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے پاس ذکر کرنے کے متعلق، قیدیوں میں سے ایک کو فرمانا:

سورۃ حضرت یوسف علیہ السلام آیت نمبر 42 کا ترجمہ اردو کنزالایمان ہے:

''اور حضرت یوسف نے ان دونوں سے جسے بچتا سمجھا اس سے کہا اپنے ربّ (بادشاہ) کے سامنے میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ اپنے ربّ (بادشاہ) کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرے تو حضرت یوسف علیہ السلام کئی برس اور جیل میں رہا۔'' اس آیت کی تفسیر خزائن العرفان میں اس طرح ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو کہا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے میرا حال بیان کرنا کہ قید خانہ میں ایک مظلوم بے گناہ قید ہے۔اور اس کی قید کو ایک زمانہ گزر چکا ہے۔اکثر مفسرین اس طرف ہیں کہ اس واقعہ سے پانچ سال پہلے حضرت یوسف علیہ السلام قید میں رہ چکے تھے اور اس کے بعد سات سال اور قید میں رہے۔(خزائن العرفان)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ''ظن'' کا معنی ''سمجھا'' کیا ہے ''گمان کیا'' نہیں کیا (ترجمہ): کیونکہ اہل علم کا اس میں ایک قول یہی ہے کہ اس کے فاعل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔نبی علیہ السلام کا علم ظنی نہیں ہوتا بلکہ یقینی ہوتا ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا ایک قول یہ ہے (عربی عبادت کا اردو ترجمہ) کو یہاں لفظ ظن کو علم اور یقین میں لیا جائے۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر وحی سے بیان فرمائی اور قرآن پاک میں بہت مقامات پر ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ جس طرح ذکر کردہ آیتوں میں یظنون اور ظلمت یقین کے معنی ہیں استعمال ہیں (تفسیر کبیر، جلد 18، ص:143، بحوال تذکرۃ الانبیاء، ص:236)

مقربین کے لیے قوانین ہی اور ہیں:

اہل علم نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے:

"حسنات الابرار سیئات المقربین"

عام نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات خاص مقرب لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا اچھا نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے اس مرتبہ سے بلند مرتبہ ہوتا ہے لہٰذا ان کے اعمال بھی بلند مرتبہ کے ہونے چاہئیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں (عربی عبادت کا اردو ترجمہ) کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے مشکلات میں امداد طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خود ربّ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى''

(پ6، سورۃ مائدہ، آیت:2)

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔'' (تذکرۃ الانبیاء، ص:236)

عام لوگوں کے لیے یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے اپنی مشکلات میں امداد طلب کریں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہی کچھ اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھی سوال نہیں کیا کہ جب وہ میرے حال سے باخبر ہے تو مجھے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قید سے رہا ہونے والے کو فرمایا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پیار محبت سے آپ کو خبردار کیا کہ اے میرے پیارے ذرا غور تو کر کہ تمہیں بھائیوں کے ہاتھوں سے قتل ہونے سے کس نے بچایا تمہیں کنویں سے کس نے نکالا تمہیں عورت کے بہتان سے کس نے بچایا۔ عرض کیا مولا کریم یہ تیرے ہی فیضان تھے۔ ربّ تعالیٰ نے فرمایا: پھر انسان کے سامنے ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا اے میرے مولا! بس ویسے ہی زبان پر آ گیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے دو غلاموں کو خواب کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے پانچ سال قید خانہ میں گزار لیے تھے اور مزید سات سال آپ علیہ السلام نے اور گزارے یعنی بارہ سال اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی کے لیے قید خانہ میں گزار دیئے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے بہت مشکل امتحان لیے گئے۔ (ماخوذ روح المعانی، جلد 7، ص:248 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:237)

بادشاہ کو خواب آنا اور اس کی تعبیر کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں قاصد بھیجنا

سورۃ یوسف کی آیات نمبر 43 تا 53 کا اردو ترجمہ کنز الایمان سے نقل کیا جاتا ہے:

''اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھیں سات گائیں موٹی موٹی کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری دوسری سات سوکھی۔ اے درباریو! میری خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔ بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے اور بولا وہ جوان دونوں میں سے بچا تھا۔ اور ایک مدت بعد اسے یاد آیا۔ میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ مجھے بھیجو۔ اے یوسف، اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے سات فربہ بمعنی موٹی گایوں کو جنہیں سات دبلی کھاتی ہیں۔ اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی۔ شاید میں لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں شاید وہ آگاہ ہوں۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگا تار تو جو کاٹو تو اسے اس کے بال میں رہنے دو۔ مگر تھوڑا جتنا کھالو۔ پھر اس کے بعد سات برس کڑے (سخت تنگی والے) آئیں گے کہ کھا جائیں گے جو تم نے

ان کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ مگر تھوڑا جو بچالو۔ پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینہ دیا جائے گا۔ اور اس میں رس نچوڑیں گے۔ اور بادشاہ بولا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ۔ تم جب اس کے پاس ایلچی آیا۔ کہا اپنے ربّ (بادشاہ) کے پاس پلٹ جا۔ پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے۔ ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ بے شک میرا ربّ ان کا فریب جانتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اے عورتوں تمہارا کیا کام تھا جب تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو لبھانا چاہا۔ بولیں اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے۔ ہم نے ان میں کوئی بدی نہ پائی۔ عزیز کی عورت بولی اب اصلی بات کھل چکی ہے میں نے ان کا دل لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: یہ میں نے اس لیے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے ان کی خیانت نہ کی اور اللہ تعالیٰ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔ اور میں اپنے نفسکو بے قصور نہیں بتاتا۔ بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم کرنے والا ہے مگر جس پر میرا ربّ عزوجل رحم کرے۔ بے شک میرا ربّ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

بارہ سال کی مدت قید خانہ میں گزارنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نکالنا منظور ہوا تو مصر کے شاہ اعظم ریان بن ولید نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ جس سے اس کو بہت پریشانی ہوئی اور اس نے ملک کے ساحروں اور کاہنوں اور تعبیر دینے والوں کو جمع کر کے ان سے اپنا خواب بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خوابیں بہت پریشان ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں جانتے۔ بادشاہ کا ساقی جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا اور جو قید خانہ سے رہا ہو کر اپنے عہدہ پر بحال ہو چکا تھا۔ اس کو شیطان نے بادشاہ سے اس کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا۔ اب اسے یاد آیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ قید خانہ میں تعبیر بتانے والے ایک عالم ہیں۔ مجھے بھیجو میں خواب کی تعبیر ان سے معلوم کر کے آتا ہوں۔ بادشاہ نے اسے بھیج دیا۔ اس نے قید خانہ میں پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے اور ملک کے تمام علماء و حکماء اس کی تعبیر سے عاجز ہیں۔ حضرت اس کی تعبیر ارشاد فرمائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتادی تا کہ بادشاہ آپ علیہ السلام کے علم و فضل اور مرتبت و منزلت کو جانیں اور آپ علیہ السلام کو اس قید خانہ سے رہا کر کے اپنے پاس بلالیں۔ تعبیر یہ بتائی کہ اس زمانہ میں خوب پیداوار (یعنی سات سال میں) ہوگی سات موٹی گایوں اور سات سبز بالوں سے اسی کی طرف اشارہ ہے اور جو کاٹو اس کو اپنی بالی میں رہنے دو تا کہ خراب نہ ہو۔ صرف اتنا بالیوں سے نکالو جتنا تمہیں کھانے کی ضرورت ہو۔ اس کو بھوسہ سے صاف کر لو اور باقی کو ذخیرہ بنا کر محفوظ کر لو۔ پھر سات سال کے بعد سات سال کے دوران سخت قحط پڑے گا جس کی طرف دبلی گایوں اور سوکھی بالوں کا اشارہ ہے۔ اس دوران جو اناج جمع کیا ہوا ہوگا وہ سب ختم ہو جائے گا۔ بلکہ بیج کے لیے کچھ بچالو۔ پھر سات سال قحط کے گزرنے کے اگلے سال اللہ تعالیٰ خوب بارش ہوگی۔ انگور، تل اور زیتون کی پیداوار کافی ہوگی اور لوگ ان کا تیل نکالیں گے۔ یہ سال کثیر الخیر ہوگا۔ زمین سرسبز شاداب ہوگی۔ درخت خوب پھلیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر سن کر ساقی واپس آیا اور بادشاہ کی خدمت میں خواب کی تعبیر بیان کی۔ بادشاہ کو یہ تعبیر بہت پسند آئی اور اسے یقین ہوا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہے ویسے ہی ہوگا۔ اس لیے بادشاہ کو شوق پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس خواب کی تعبیر خود سنے۔ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلانے کے لیے ایک ایلچی کو آپ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ ایلچی نے بادشاہ کا پیغام آپ علیہ السلام کو عرض کیا۔ آپ علیہ السلام نے ایلچی سے فرمایا کہ واپس اپنے بادشاہ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے کہہ کہ ان عورتوں سے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے جبکہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ ان سے تفتیش کرے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذمہ کوئی گناہ تھا یا وہ بے گناہ ہیں۔

یہ آپ علیہ السلام نے اس لیے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے آپ علیہ السلام کی برأت اور بے گناہی معلوم ہو جائے اور یہ اس کو معلوم ہو کہ یہ قید طویل بے وجہ ہوئی تا کہ آئندہ حاسدوں کو نیش زنی (طعنہ زنی) کا موقع نہ ملے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دفع تہمت میں کوشش کرنا ضروری ہے۔

اب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے یہ پیام لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پیام سنایا۔ بادشاہ نے یہ سن کر عورتوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ عزیز کی عورت زلیخا کو بھی۔ پھر بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا کام تھا جب تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو لبھانا چاہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی بدی نہیں پائی پھر عزیز کی عورت زلیخا بولی کہ اب اصلی بات کھل گئی ہے۔ میں نے ہی ان کا جی لبھانا چاہا تھا وہ بے شک سچے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہ کی اور اللہ تعالیٰ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پیام بھیجا کہ عورتوں نے آپ علیہ السلام کی پاکی بیان کی ہے اور عزیز کی عورت نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنی بے گناہی کا اظہار اس لیے چاہا تھا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کی خیانت نہیں کی۔ اور میں اس کے اہل کی حرمت خراب کرنے سے بچ گیا ہوں۔ اور جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہے۔ میں اس سے پاک ہوں۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام کا خیال مبارک اس طرف گیا کہ اس میں اپنی طرف پاکی کی نسبت اور اپنی نیکی کا بیان ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں شان خود بینی اور خود پسندی کا شائبہ بھی آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہایت تواضع وانکساری سے عرض کیا کہ میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ مجھے اپنی بے گناہی پر ناز نہیں۔ اور میں گناہ سے بچنے کو اپنے نفس کی خوبی قرار نہیں دیتا۔ نفس کی جنس کا یہ حال ہے کہ وہ تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے جس مخصوص بندے کو اپنے کرم سے معصوم کرے تو اس کا برائیوں سے بچانا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے اور معصوم کرنا اس عزوجل کا کرم ہے۔

بادشاہ نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام کے علم اور دیانت اور پاکدامنی سے متاثر ہو کر اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کو قید خانہ سے میرے پاس لے آؤ تا کہ ان کو میں چن لوں

سورۃ یوسف کی آیت نمبر 54 تا 57 کا کنز الایمان سے اردو ترجمہ:

''اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں اپنے لیے چن لوں۔ پھر جب اس سے بات کی کہا بے شک آج آپ علیہ السلام ہمارے یہاں معزز مہمان ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ اور یونہی ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ملک پر قدرت بخشی۔ اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں اور ہم نیکوں کے نیک (اجر) ضائع نہیں کرتے اور بے شک آخرت کا ثواب ان کے لیے بہتر جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔''

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

جب بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے علم اور امانت کا حال معلوم ہوا اور وہ آپ علیہ السلام کے حسن ادب قید خانے والوں کے ساتھ احسان محنتوں و تکلیفوں پر ثبات واستقلال رکھنے پر اور آپ علیہ السلام کے حسن صبر رکھنے پر مطلع ہوا۔ تو اس کے دل میں آپ علیہ السلام کا بہت ہی عظیم اعتقاد پیدا ہوا۔ تو اپنے درباریوں کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کو میرے پاس لے آؤ تا کہ اپنے لیے میں آپ علیہ السلام کو چن لوں۔ چنانچہ اس نے معززین کی ایک جماعت بہترین سواریاں اور شاہانہ ساز وسامان اور نفیس لباس دے کر قید خانہ بھیجی تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ ایوان شاہی میں لائیں۔ ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا پیام عرض کیا۔ آپ علیہ السلام نے قبول فرمایا۔ اور قید خانہ سے نکلتے وقت قیدیوں کے لیے دعا فرمائی۔ جب قید خانہ سے باہر تشریف لائے تو اس کے دروازے پر لکھا یہ بلا کا گھر زندوں کی قبر اور دشمنوں کی بدگوئی اور سچوں کے امتحان کی جگہ ہے۔ پھر غسل فرمایا اور پوشاک پہنی۔ اور ایوان شاہی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قلعہ کے دروازے پر پہنچے فرمایا: میرا رب عزوجل مجھے کافی ہے۔ اس

کی پناہ بڑی اور اس کی ثناء برتر اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر قلعہ میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے سامنے پہنچے تو یہ دعا کی یارب عزوجل تیرے فضل سے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں۔ اور اس کی اور دوسروں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

جب بادشاہ سے نظر ملی تو آپ علیہ السلام نے عربی زبان میں سلام فرمایا۔ بادشاہ نے دریافت فرمایا: یہ کون سی زبان ہے۔ فرمایا یہ میرے عم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اس کے لیے عبرانی زبان میں دعا کی۔ اس نے دریافت کیا یہ کون سی زبان ہے۔ فرمایا یہ میرے اباجان کی زبان ہے۔ بادشاہ یہ دونوں زبانیں نہ سمجھ سکا باوجود یکہ وہ ستر 70 زبانیں جانتا تھا۔ پھر اس نے جس زبان سے گفتگو کی آپ علیہ السلام نے اسی زبان میں اس کو جواب دیا۔ اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر شریف تیس 30 سال کی تھی۔ اس عمر میں یہ وسعت علوم دیکھ کر بادشاہ کو بہت حیرت ہوئی۔ اور اس نے آپ علیہ السلام کو اپنے برابر جگہ دی۔ بادشاہ نے درخواست کی حضرت اس کے خواب کی تعبیر اپنی زبان مبارک سے سنائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی پوری تفصیل بھی سنادی جس شان سے اس نے دیکھا تھا۔ باوجودیکہ آپ علیہ السلام سے یہ خواب پہلے مجملاً بیان کیا گیا تھا۔ اس پر بادشاہ کو بہت تعجب ہوا اور کہنے لگا۔ کہ آپ علیہ السلام نے میرا خواب ہو بہو بیان فرمادیا۔ خواب تو عجیب تھا ہی مگر آپ علیہ السلام کا اس طرح فرمادینا اس سے بھی زیادہ عجیب تر ہے۔ اب تعبیر ارشاد ہو جائے۔ آپ علیہ السلام نے خواب کی تعبیر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اب لازم یہ ہے کہ اب غلے جمع کئے جائیں اور ان فراخی کے سالوں میں کثرت سے کاشت کرائیں جائیں اور غلے مع بالوں کے محفوظ رکھیں جائیں۔ اور رعایا کی پیداوار سے خمس لیا جائے۔ اس سے جو جمع ہوگا وہ مصر وحوالی مصر کے لیے کافی ہوگا۔ اور پھر خلق خدا ہر طرف سے تیرے پاس غلہ خریدنے آئے گا۔ اور تیرے یہاں اتنے خزائن واموال جمع ہوں گے جو تجھ سے پہلوں کے لیے جمع نہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا یہ کام کون کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اپنی قلمرو کے تمام خزانے میرے سپرد کردے بادشاہ نے کہا آپ علیہ السلام سے زائد اس کا مستحق اور کون ہوسکتا ہے۔ اور اس نے اس کو منظور کیا۔

مسائل احادیث میں طلب امارت کی ممانعت آئی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ملک میں اہل موجود ہوں اور اقامت احکام الٰہی عزوجل کسی ایک شخص کے ساتھ خاص نہ ہو اس وقت امارت طلب کرنا مکروہ ہے۔ لیکن جب ایک ہی شخص اہل ہو تو اس کو احکام الٰہیہ کی اقامت کے لیے امارت طلب کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اس حال میں تھے۔ آپ علیہ السلام رسول تھے امت کے مصالح کے عالم تھے یہ جانتے تھے کہ قحط شدید ہونے والا ہے۔ جس میں خلق کو راحت اور آسائش پہنچانے کی یہی سبیل ہے کہ عنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیں اس لیے امارت طلب فرمائی۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ کی طرف سے عہدے قبول کرنا بہ نیت اقامت عدل جائز ہے۔

مسئلہ: اگر احکام دین کا اجراء کافر یا فاسق بادشاہ کی تمکین کے بغیر نہ ہوسکے تو اس میں اس سے مدد لینا جائز ہے۔

مسئلہ: اپنی خوبیوں کا بیان تفاخر وتکبر کے لیے ناجائز مگر دوسروں کو نفع پہنچانے یا خلق کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے اگر اظہار کی ضرورت پیش آئے تو ممنوع نہیں اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا کہ میں حفاظت وعلم والا ہوں۔ اور بادشاہ نے اپنی سلطنت کا تمام انتظام آپ علیہ السلام کے سپرد کردیا۔

امارت طلب کرنے کے ایک سال بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر آپ علیہ السلام کی تاجپوشی کی اور تلوار اور مہر آپ علیہ السلام کے سامنے پیش کی اور آپ علیہ السلام کو طلائی تخت پر تخت نشین کیا۔ جو جواہرات سے مرصع تھا اور اپنا ملک آپ علیہ السلام کو تفویض کیا اور قطفیر (عزیز مصر) کو معزول کر کے آپ علیہ السلام کو اس کی جگہ والی بنایا۔ اور تمام خزائن آپ علیہ السلام کو تفویض کیے۔ سلطنت کے تمام امور آپ علیہ السلام کے ہاتھ دے دیئے۔ اور خود مثل تابع کے ہوگیا۔ آپ علیہ السلام کی رائے میں دخل نہ دیتا۔ اور آپ علیہ السلام کے ہر حکم کو مانتا اسی زمانہ میں عزیز مصر کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ نے اس کے انتقال کے بعد سیّدہ زلیخا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کردیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس پہنچے اور اس سے فرمایا کیا یہ اُس سے بہتر

نہیں جو تم چاہتی تھی۔ حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ اے صدیق مجھے ملامت نہ کریں۔ میں خوبرو تھی نوجوان تھی عیش میں تھی اور عزیز مصر عورتوں سے سروکار ہی نہ رکھتا تھا۔ اور آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حسن و جمال دیا ہے۔ اور میرا دل اختیار سے باہر ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو معصوم کیا ہے اور محفوظ رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا کو باکرہ پایا اور اس سے آپ علیہ السلام کے دو فرزند ہوئے۔ ایک افراہیم دوسرے میشا یا منشی اور مصر میں آپ علیہ السلام کی حکومت مضبوط ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی محبت پیدا ہوئی۔ اور آپ علیہ السلام نے قحط سالی کے ایام کے لیے غلوں کے ذخیرے جمع کرنے کی تدبیر فرمائی۔ اس کے لیے بہت وسیع اور عالیشان انبار خانے تعمیر فرمائے اور بہت کثیر ذخائر جمع کئے جب فراخی کے ایام گزر گئے اور قحط سالی کا زمانہ آیا تو آپ علیہ السلام نے بادشاہ اور خدام کے لیے صرف ایک وقت کا کھانا روزانہ مقرر کیا۔ ایک روز دوپہر کے وقت بادشاہ نے حضرت سے بھوک کی شکایت کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ قحط کی ابتداء کا وقت ہے۔ پہلے سال لوگوں کے پاس جو ذخیرہ موجود تھے ختم ہو گئے۔ بازار خالی رہ گئے۔ اہل مصر حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے لگے۔ اور ان کے تمام درہم دینار آپ علیہ السلام کے پاس آگئے۔ دوسرے سال زیور اور جواہرات سے غلہ خریدا اور وہ تمام آپ علیہ السلام کے پاس جمع ہو گیا۔ لوگوں کے پاس درہم زیور اور جواہرات کی کوئی قسم باقی نہ رہ۔ تیسرے سال چوپائے اور جانور دے کر حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدتے۔ ان کے پاس کوئی چوپایہ یا جانور نہ رہا۔ چوتھے سال لوگوں نے اپنے غلام اور باندیاں بیچ ڈالیں۔ پانچویں سال تمام اراضی و عملہ اور جاگیریں فروخت کر کے غلہ خریدا اور یہ تمام چیزیں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی۔ چھٹے سال جب کچھ نہ رہا تو اہل مصر نے اپنی اولادیں فروخت کر کے غلہ خریدا۔ اور وقت گزارا اور ساتویں سال وہ لوگ خود بک گئے اور غلام بن گئے۔ مصر میں کوئی آزاد مرد اور عورت نہ رہی جو مرد تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام اور جو عورت تھی وہ آپ علیہ السلام کی کنیز تھی اور لوگوں کی زبان پر تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سی عظمت و جلالت کبھی کسی بادشاہ کو میسر نہ آئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا تو نے دیکھا اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کیسا کرم ہے۔ اس نے مجھ پر ایسا احسان عظیم فرمایا۔ اب ان کے حق میں تیری کیا رائے ہے۔ اور بادشاہ نے جواب میں عرض کیا جو حضرت کی رائے اور ہم آپ علیہ السلام کے تابع ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں اور تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کرتا ہوں۔ اور ان کے تمام املاک اور جاگیریں بھی واپس ان کو کر دیں اس زمانہ میں حضرت نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور آپ علیہ السلام سے عرض کیا گیا۔ اتنے عظیم خزانوں کے مالک ہو کر بھوکے رہتے ہیں۔ فرمایا اس اندیشہ سے کہ سیر ہو جاؤں تو کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں۔

سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ اخلاق، مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر کے تمام زن و مرد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدے ہوئے غلام اور کنیزیں بنانے کی اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ہو۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام غلام کی شان میں آئے تھے اور مصر کے ایک شخص کے خریدے ہوئے ہیں۔ بلکہ سب مصری ان کے خریدے اور آزاد کئے ہوئے غلام ہوں اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت صبر کیا اس کی یہ جزا عطا ہوئی۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے آخرت کا اجر و ثواب اس سے بہت زیادہ افضل و اعلیٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دنیا میں عطا فرمایا ہے۔

ابن عیینہ نے کہا کہ مومن اپنی نیکیوں کا ثمر دنیا و آخرت دونوں میں پاتا ہے۔ اور کافر جو کچھ پاتا ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب قحط کی شدت ہوئی اور بلائے عظیم ہو گئی تو تمام بلاد و امصار قحط کی سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے اور ہر جانب سے لوگ غلہ خریدنے مصر پہنچنے لگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کسی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تاکہ مساوات رہے اور سب کی مصیبت رفع ہو۔ قحط کی مصیبت مصر اور تمام بلاد میں آ گئی ایسی ہی کنعان میں بھی آئی۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کے سوا دسوں بیٹوں کو غلہ خریدنے مصر بھیجا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سوائے بنیامین کا غلہ خریدنے مصر آنا اور آپ علیہ السلام کا ان کو اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ دوسری دفعہ غلہ خریدنے لانے کے لیے کہنا، اور ان کا بنیامین کو ساتھ لے کر دوبارہ غلہ خریدنے مصر جانا:

سورۃ یوسف آیت نمبر 58 تا 69 کا کنزالایمان سے اردو ترجمہ:

''اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے تو اس کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس سے انجان رہے۔ اور جب ان کا سامان مہیا کر دیا کہا کہ اپنا سوتیلا بھائی میرے پاس لے آؤ کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ماپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں پھر اگر اسے لے کر میرے پاس نہ آؤ تو تمہارے لیے میرے پاس ماپ نہیں۔ اور میرے پاس نہ پھٹکنا۔ بولے ہم اس کی خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہمیں یہ ضرور کرنا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو کہا کہ ان کی پونجی ان کی خورجیوں میں رکھ دو۔ شاید وہ اسے پہچانیں۔ جب وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں۔ شاید وہ واپس آئیں۔ پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ کر گئے۔ بولے ہمارے باپ ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دو کہ غلہ لائیں۔ اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔ کہا کیا اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی اعتبار کر لوں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ سب سے بہتر نگہبان اور ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو پھیر دی گئی ہے۔ بولے اے ہمارے باپ! اب اور کیا چاہئے یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی اور ہم اپنے گھر کے لیے غلہ لائیں اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ پائیں یہ دنیا کے بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں کہا میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا۔ جب تک تم مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہ دے دو کہ ضرور اسے لے کر آؤ گے مگر یہ کہ تم گھر جاؤ پھر جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو عہد دے دیا کہا اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے۔ ان باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں۔ اور کہا اے میرے بیٹوں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا۔ جدا جدا دروازوں سے جانا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا نہیں سکتا حکم تو سب اللہ عزوجل کا ہی ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جب وہ داخل ہو جہاں سے ان کے باپ نے حکم دیا تھا وہ کچھ اللہ تعالیٰ سے بچا نہ سکتا تھا۔ ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے جی کی ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بے شک وہ صاحب علم ہے۔ ہمارے سکھانے سے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ یوسف کے پاس گئے اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی کہا یقین جان میں ہی تیرا بھائی ہوں۔ یہ جو کرتے ہیں اس کا غم نہ کھا۔''

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے قحط کے زمانہ میں اپنے دسوں بیٹوں کو سوائے بنیامین کے غلہ لانے کے لیے بھیجا۔ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا مگر وہ سب آپ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے سے اب تک چالیس سال کو طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اور ان کا خیال یہ تھا کہ آپ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہوگا۔ اور یہاں آپ علیہ السلام تخت سلطنت پر شاہانہ لباس میں شوکت و شان کے ساتھ جلوہ فرما تھے۔ اس لیے انہوں نے نہ پہچانا۔ اور آپ علیہ السلام سے عبرانی زبان میں گفتگو ہوئی اور جواب بھی اسی زبان میں دیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں۔ انہوں نے کہا ہم شام کے رہنے والے ہیں۔ جس مصیبت میں دنیا مبتلا ہے اس میں ہم بھی مبتلا ہیں۔ آپ علیہ السلام سے غلہ خریدنے آئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہیں تم جاسوس تو نہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم سب بھائی ہیں۔ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ ہمارے والد گرامی بہت بزرگ معمر صدیق ہیں۔ ان کا نام نامی حضرت یعقوب علیہ السلام ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم کتنے بھائی ہو کہنے لگے، تھے تو ہم بارہ لیکن ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا تھا وہاں ہلاک ہو گیا اور وہ والد صاحب کو ہم سب سے زیادہ پیارا تھا۔ فرمایا: اب تم کتنے ہو عرض کیا گیارہ فرمایا: گیارہواں کہاں ہے۔ عرض کیا والد صاحب

کے پاس ہے کیونکہ جو ہلاک ہو گیا ہے وہ اس کا حقیقی بھائی تھا۔ اب والد صاحب کو اس سے کچھ تسلی ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی بہت عزت کی اور بہت خاطر و مدارت سے ان کی میزبانی فرمائی۔ ہر ایک کا اونٹ بھر دیا گیا۔ اور زادِ سفر دے دیا۔ اور فرمایا کہ اپنے سوتیلے بھائی بنیامین کو میرے پاس لے آؤ تو ایک اونٹ غلہ اس کے حصہ کا اور زیادہ دوں گا۔ اور جو قیمت انہوں نے دی تھی وہ ان کی خورجیوں میں خفیہ طور پر رکھ دی تا کہ جب اپنے گھر جا کر خورجیوں کو کھولیں تو انہیں اپنی پونجی مل جائے اور قحط کے زمانہ میں ان کے کام آئے۔ اور خفیہ طور پر ان کے پاس پہنچے تا کہ ان کو اس کو لینے پر شرم نہ آئے اور یہ کرم و احسان دوبارہ آنے کے لیے ان کی رغبت کا باعث بھی ہو۔ اور اس کو واپس کرنا ضروری سمجھیں اور دوبارہ بنیامین کو لے کر مصر میں آئیں۔

جب برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے پاس گھر پہنچے تو انہوں نے اپنے والد گرامی کو بادشاہ کے حسن و سلوک اور اس کے احسان کا ذکر کیا اور کہا کہ اس نے ہماری وہ عزت و تکریم کی کہ اگر آپ علیہ السلام کی اولاد سے کوئی ہوتا تو وہ بھی ایسا نہ کر سکتا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اب اگر تم بادشاہ مصر کے پاس جاؤ تو میرا اسلام کہنا اور عرض کرنا کہ ہمارے والد صاحب علیہ السلام آپ علیہ السلام کے اس عظیم احسان کے بدلے تیرے حق میں دعا کرتے ہیں۔ پھر برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کو عرض کیا کہ ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ غلہ لانے کے لیے بھیج دیجئے اگر آپ علیہ السلام اس کو نہ بھیجیں گے تو غلہ نہ ملے گا۔ لیکن آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی تم لوگوں کے کہنے پر یوسف کو تمہارے ساتھ بھیجا تم اس کی حفاظت نہ کر سکے اور اب میں بنیامین کو ہرگز نہ بھیجوں گا۔ پھر جب انہیں اپنی خورجیاں کھولنے پر اپنی پونجی واپس مل گئی تو انہوں نے والد صاحب کو بتایا کہ بادشاہ کتنے اچھے ہیں کہ اس نے ہماری پونجی بھی واپس کر دی ہے اور بنیامین کو اپنے ساتھ بھیجنے کے لیے بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: جب تک تم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر اس کا اس بارے ذمہ لینے کا عہد نہ کرو گے تو بنیامین کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا۔ پھر انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا عہد دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے کی اجازت فرمائی۔ تو اپنے بیٹوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ مصر پہنچ کر سب بھائی ایک دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہوں تا کہ نظر بد سے محفوظ رہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نظر حق ہے۔ پہلی مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا تھا کیونکہ اس وقت کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ سب بھائی ہیں۔ چونکہ اب جان چکے تھے اس لیے نظر ہونے کا احتمال تھا۔ اس لیے علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کی تجویز فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصیبتوں اور آفتوں سے دفع کی تدبیر اور مناسب احتیاطیں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ علیہ السلام نے امر اللہ کو تفویض کر دیا کہ باوجود احتیاطوں اور تدبیروں کے توکل اللہ عزوجل پر ہی ہے۔ اپنی تدبیر پر بھروسہ نہیں جب برادرانِ یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے فرمان کے مطابق شہر میں داخل ہوئے تو کہنے لگے جو مقدر میں ہے وہ تدبیر سے ٹالا نہیں جا سکتا یہ تو صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی خواہش تھی جو پوری کر دی گئی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اصفیاء کو علم عطا کرتا ہے لوگ اکثر اس کو نہیں جانتے۔

برادرانِ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر پہنچ کر عرض کیا کہ ہم بنیامین اپنے بھائی کو آپ علیہ السلام کے پاس لے آئیں ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا۔ پھر انہیں عزت کے ساتھ مہمان بنایا اور جا بجا دستر خوان لگائے۔ اور ہر دستر خوان پر دو دو بھائیوں کو بیٹھایا اور بنیامین اکیلے رہ گئے تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے کہ آج میرا بھائی یوسف علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے ساتھ بیٹھتے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا ایک بھائی اکیلا رہ گیا ہے اور اس کے ساتھ خود بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تمہارے ہلاک شدہ بھائی کی جگہ میں تمہارا بھائی ہو جاؤں تو کیا تم پسند کرو گے۔ بنیامین نے عرض کیا۔ آپ جیسا بھائی کسی کو میسر آئے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرزند اور راحیل (مادر حضرت یوسف علیہ السلام) کا نور نظر ہونا تمہیں کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت یوسف رو پڑے اور بنیامین کو گلے لگایا اور فرمایا کہ میں ہی یوسف تمہارا بھائی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں خیر پر جمع فرمایا اور ابھی اس راز کی اطلاع بھائیوں کو نہ دینا۔ یہ سن کر بنیامین فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگے اب میں کبھی بھی آپ علیہ السلام سے جدا نہ ہوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ والد صاحب کو میری جدائی کا بہت غم پہنچ چکا ہے۔ اگر میں نے تمہیں بھی روک لیا تو انہیں اور زیادہ غم ہوگا۔ علاوہ بریں روکنے کی اس کے سوا کوئی تجویز نہیں کہ تمہاری طرف کوئی غیر پسندیدہ بات منسوب ہو۔ بنیامین نے کہا اس میں کوئی مذائقہ نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سب بھائیوں کو ایک ایک بار شتر غلہ دے دیا اور ایک بنیامین کے لیے مخصوص کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کیلئے ایک تجویز بنائی وہ کیا تھی؟

سورہ یوسف کی آیت نمبر 70 تا 86 کا کنزالایمان سے اردو ترجمہ:

''پھر جب ان کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا۔ پھر ایک منادی نے ندا کی اے قافلے والو! بے شک تم چور ہو۔ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تم کیا نہیں پاتے۔ بولے بادشاہ کا پیمانہ نہیں ملتا اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ بولے خدا کی قسم! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہ آئے اور نہ ہم چور ہیں۔ بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو۔ بولے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ملے وہی اس کے بدلے غلام بنے۔ ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ تو اوّل ان کی خرجیوں سے تلاشی شروع کی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے۔ پھر اسے بھائی کی خرجی سے نکال لیا۔ ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی قانون میں اسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا عزوجل چاہے۔ ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر علم والے اوپر ایک علم والا ہے۔ بھائی بولے اگر یہ چوری کرے تو بے شک اس کا بھائی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل میں رکھی ان پر ظاہر نہ کی۔ جی میں کہا تم بدتر جگہ پر ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ جو باتیں بناتے ہو۔ بولے اے عزیز! اس کے ایک باپ ہیں جو بڑے بوڑھے تو ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو بے شک ہم تمہارا احسان دیکھ رہے ہیں۔ کہا خدا کی پناہ کہ ہم لیں مگر اس کو جس کے ہاں ہمارا مال ملا۔ جب تو ہم ظالم ہوں گے جب اس سے ناامید ہوئے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ ان کا بڑا بھائی بولا کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد لے لیا تھا۔ اور اس سے پہلے یوسف کے حق میں تم نے تقصیر کی تو میں یہاں سے نہ ٹلوں گا۔ یہاں تک میرے باپ اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے حکم فرمائے۔ اور اس کا حکم سب سے بہتر۔ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ پھر عرض کرو ہمارے باپ بے شک آپ علیہ السلام کے بیٹے نے چوری کی ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہوئے تھے۔ جتنی ہمارے علم میں تھی۔ اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔ اس بستی سے پوچھ دیکھیے جس میں ہم تھے۔ اور اس قافلہ سے جس سے ہم آئے۔ اور ہم بے شک سچے ہیں۔ کہا تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ بنا دیا تو صبر اچھا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو لا ملائے۔ بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔ اور ان سے منہ پھیرا اور کہا ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں۔ وہ غصہ کھاتا رہا بولے خدا کی قسم! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔ کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔''

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے بیان کی جاتی ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں کے ذریعے اپنا پیالہ یا پیمانہ جو بادشاہ کے پانی پینے کا سونے کا جواہرات سے سجایا ہوا تھا۔ اور اس وقت اس سے غلہ ناپنے کا کام لیا جاتا تھا۔ بنیامین کے کجاوے میں رکھوا دیا۔ اور قافلہ کنعان کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ جب شہر سے باہر جا چکا تو انبار خانہ کے کارکنوں کو معلوم ہوا کہ پیالہ نہیں ہے۔ ان کے خیال میں یہی آیا کہ قافلہ والے لے گئے ہیں۔ انہوں نے اس کی تلاش کے لیے آدمی بھیجے۔ ایک منادی کرنے والے نے آواز دی۔ اے قافلہ والو! تم چور ہو۔ انہوں نے پوچھا کیا چوری ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا جو اسے لائے اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ انعام ہے۔ قافلہ والے بولے اللہ کی قسم! ہم نہ چور ہیں اور نہ ہی اس زمین میں فساد کرنے آئے ہیں۔

منادی والے نے کہا پھر اس کی کیا سزا جس کے پاس سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہو اور تم جھوٹے ہو۔ قافلہ والے بولے جس کے اسباب سے پیالہ ملے اس کے بدلے وہی بادشاہ کا غلام بنے۔ ہمارے ہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پھر قافلہ والوں کے اسباب کی تلاشی لی۔ بعد اس کے کہ وہ قافلہ واپس مصر لایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں ان صاحبوں کو حاضر کیا گیا۔

پہلے بنیامین کے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی لیکن وہاں سے پیالہ نہ ملا پھر بنیامین کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں سے پیالہ نکال لیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تدبیر فرمائی کہ اپنے بھائی کو لینے کے لیے دوسرے بھائیوں سے پوچھیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چوری کی کیا سزا ہے تا کہ اپنے بھائی بنیامین کو حاصل کر سکیں۔ انہوں نے جواب دیا چوری کے بدلہ چور کو غلام بنایا جائے۔ چونکہ بادشاہ مصر کے قانون میں چوری کی سزا مارنا اور دونا مال لے لینا مقرر تھی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہوئی کہ ان کے دل میں ڈال دیا کہ سزا بھائیوں سے دریافت کرے اور ان کے دل میں ڈال دیا کہ وہ اپنی سنت کے مطابق جواب دیں۔ بادشاہ کو یہ جائز نہ تھا کہ اپنے بھائی کو بغیر کسی وجہ سے لے لے۔

اللہ تعالیٰ علم میں جسے چاہے درجوں بلند فرمائے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم میں درجے بلند فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ علم رکھنے والا عالم ہوتا ہے۔ یہاں تک یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اس کا علم سب کے علم بلند اور بالاتر ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی علماء تھے۔ صاحب تذکرۃ الانبیاء نے تفسیر کبیر کے حوالے سے تفصیلاً برادران یوسف علیہ السلام کے عالم اور نیک ہونے کے متعلق بیان کیا۔ مختصراً اس سے اقتباسات بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے بھائی قسم اٹھا کر یہ نہ کہتے اگر وہ نیک نہ ہوتے۔ اب وہ نیک ہو گئے تھے صرف سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکنے کے گناہ کے وہ بھی صرف حسد کی وجہ سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انہیں اسباط فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص: 262-263) اور حضرت یوسف علیہ السلام ان سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔

جب پیالہ بنیامین کے سامان سے نکالا تو سب بھائی شرمندہ ہوئے۔ اور انہوں نے اپنے سر ندامت کی وجہ سے جھکا لیے اور بولے کہ جس کے سامان سے پیالہ نکلا ہے اس کا اس وجہ سے چور ہونا یقینی نہیں لیکن اگر یہ فعل اس کا ہے۔ تو بے شک اس کا بھائی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت کی وہ واقعہ اس طرح ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے نانا کا ایک بت تھا جس کو وہ پوجتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے وہ بت لیا اور توڑ کر راستے میں نجاست کے اندر ڈال دیا۔ یہ حقیقت میں چوری نہ تھی بلکہ بت پرستی کو مٹانا تھا۔ بھائیوں کا اس ذکر سے یہ مدعا تھا کہ ہم لوگ بنیامین کے سوتیلے بھائی ہیں۔ یہ فعل تو شاید بنیامین کا ہو نہ ہماری اس میں شرکت اور نہ ہمیں اس کی اطلاع کوئی ملی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اپنے دل میں رکھی ان پر ظاہر نہ کیا اور دل میں کہا کہ تم بدتر جگہ پر ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس چوری کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف غلط ہے۔ وہ فعل تو شرک کا ابطال اور عبادت تھا اور تم نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادتیاں کیں وہ بڑی ہیں۔

چوری کی دوسری وجہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت کی گئی وہ یہ ہے جو کہ بحوالہ تذکرۃ الانبیاء صفحہ 264 سے نقل کی جاتی ہے جو کہ ماخوذ روح المعانی اور تفسیر کبیر سے "حضرت یوسف علیہ السلام اپنی والدہ راحیل کے انتقال کے بعد اپنی پھوپھی کے زیر کفالت تھے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ آپ علیہ السلام سے بہت پیار کرتی تھیں۔ اتنی محبت انہیں خاندان میں کسی اور سے نہیں تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب ان سے مطالبہ کیا اب حضرت یوسف علیہ السلام کو میرے حوالے کر دو۔ تو انہوں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اسے اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتی۔ میرے پاس کچھ دن رہنے دو میں آہستہ آہستہ کوشش کروں گی کہ مجھے اس کے بغیر تسلی حاصل ہو جائے۔ پھر میں ان کو تمہارے حوالے کر دوں گی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے ایک کمر بند حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ سے باندھ دیا وہ کمر بند حضرت اسحاق علیہ السلام کا

تھا جو آپ کو بڑی ہونے کی وجہ سے بطورِ وراثت ملا تھا۔

آپ علیہ السلام کی پھوپھی نے کہا میرے باپ کا کمر بند گم ہو گیا ہے۔ ذرا تلاش کرو کون لے گیا۔ پھر اس نے کہا گھر میں ہی تلاش کرو۔ ممکن ہے گھر کے کسی فرد نے ہی لیا ہو وہ دوران تفتیش حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں سے مل گیا۔ پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ یوسف نے میرے باپ کا کمر بند لے لیا تھا۔ اس لیے اب اسے میرے پاس ہی رہنا ہوگا۔ اس طرح وہ اپنی پوری زندگی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ ممکن ہے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی جانتے ہوں کہ میری بہن نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے کا حیلہ کیا ہے لہٰذا ان کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس بات کو پردے میں ہی رکھا کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ اسی طرح بھائیوں کے اس کہنے کو کہ اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ ابھی کسی کو نہ بتایا دل ہی میں بات کو رکھا۔ ابھی تک یہ واضح نہ کیا کہ میں یوسف ہوں اور بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا ایک حیلہ کر رہا ہوں۔ تمام باتوں کو آپ علیہ السلام نے دل میں ہی رکھا اور بھائیوں کو عزت و تکریم سے بمع سامان لوٹانے کا حکم فرمایا۔ (تذکرۃ الانبیاء کا بیان ختم ہوا۔)

المختصر یہ کہ برادران یوسف علیہ السلام نے عرض کیا کہ بنیامین کے والد بہت ضعیف بزرگ ہیں اور وہ اس کے ساتھ بہت پیار کرتے ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام بنیامین کو چوری کے عوض رکھیں تو ان کے والد صاحب کو بہت تکلیف ہوگی۔ آپ ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ اپنے پاس رکھ لیں۔ بے شک آپ علیہ السلام نے ہم پر بہت احسان کیے ہیں اور بڑی عزت و تکریم کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے ہی فیصلہ سے بنیامین کو لینے کے حقدار ہیں۔ جس کے کجاوے سے پیالہ نکلا اگر ہم اس کی بجائے دوسرے کو لیں تو پھر ہم ظالم ہوں گے۔

پھر جب اس سے ناامید ہوئے دوسری طرف الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ تو ان کا بڑا بھائی (اس میں راویوں کا اختلاف ہے کہ وہ ان میں کون تھا زیادہ اس پر ہیں کہ وہ یہودا تھا) بولا کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں تم نے کیسی تقصیر کی۔ تو میں یہاں سے نہ جاؤں گا یہاں تک میرے باپ اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی حکم فرمائے۔ اور اس کا حکم سب سے بہتر ہے تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ اے ہمارے باپ بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہیں۔ جتنی ہمارے علم میں تھی۔ اور ہمیں غیب کا علم نہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ایسی خبر پیش آئے گی۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ کہ پیالہ کس طرح بنیامین کے کجاوے سے برآمد ہوا۔ اور اس قافلہ سے پوچھ لیجیے جو ہمارے ساتھ تھا۔

پھر یہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور سفر میں جو کچھ پیش آیا تھا اس کی خبر دی اور بڑے بھائی نے جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ بتا دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بنیامین کی طرف چوری کی نسبت کرنا غلط ہے اور چوری کی سزا غلام بنانا یہ بھی کوئی کیا جانے اگر تم فتویٰ نہ دیتے۔ اور تم نہ بتاتے۔ یہاں علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ ان کی شریعت میں معاف کر دینا اور فدیہ دینا بھی جائز تھا اسی لیے انہوں نے کہا کہ ان کے باپ بڑی عمر والے اور عظیم مرتبہ والے ہیں۔ اس لیے یہ معاف کرنے کے قابل ہے یا اس کا فدیہ لے لیا جائے اور ہم سے ایک کو اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا جائے اور غلام بنا لیا جائے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا ہم تو صرف بنیامین کو اپنے پاس رکھیں گے جس سے ہمارا پیالہ ملا ہے۔

اور حقیقتاً سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہا تھا۔ ابھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اور امتحان میں مبتلا کرنا مقصود تھا۔ اس لیے معاف نہیں کیا۔ معاف تو تب کیا جاتا جب کوئی جرم ہوتا۔ جب جرم ہی نہیں تھا تو معاف کرنے کا مقصد ہی کچھ نہیں تھا۔ تفسیر کبیر کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ:

''اللہ تعالیٰ نے آپ (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ ابھی معاف نہیں کرنا۔ درگزر نہیں کرنا اور کوئی بدلہ نہیں لینا کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ابھی اور شدید محنت میں مبتلا کرنا ہے''۔ (تفسیر کبیر، جلد 18، ص: 186 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص: 266) مندرجہ بالا

سورہ یوسف کی آیت نمبر 76 کے الفاظ: کـذالک کـدنا لیوسف (ہم نے یوسف کو یہی تدبیر فرمائی) کی تفسیر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ بنادیا ہے۔ اور فرمایا صبر اچھا ہے۔ اور عنقریب حضرت یوسف علیہ السلام کو اور بنیامین اور یہودا کو اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھے ملا دے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کی خبر سن کر اتنے غمگین ہوئے کہ روتے روتے آنکھ کی سیاہی کا رنگ جاتا رہا۔ اور بینائی ضعیف (کمزور) ہوگئی۔ حسن رضی اللہ عنہ فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام اسی برس روتے رہے اور احباء کے غم میں رونا جو تکلیف اور نمائش سے نہ ہو اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شکایت اور بے صبری نہ پائی جائے تو وہ رحمت ہے۔ اس غم کے دوران کبھی بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان مبارک پر کلمہ بے صبری نہ آیا۔ (خزائن العرفان)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے رونے کی حکمت

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل المرتبت پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اتنا وارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر دینا آپ علیہ السلام شایان شایان معلوم نہیں ہوتی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل معرفت نے اس خلش کو یہ کہہ کر دور کیا ہے کہ حسن یوسف کو آپ علیہ السلام کے لیے جمال الٰہی عزوجل کا آئینہ بنادیا گیا تھا۔ وہ اس طلعت زیبا کے آئینہ میں تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام آپ علیہ السلام کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تو انوار خداوندی کی لذت دید سے محروم ہوگئے اور اس وجہ سے بے چین اور بے قرار ہوگئے۔

"واختـار بـعـض العارفين ان ذالك الاسف والبكاء ليسا الابفوات ما انكشف له علیہ السلام من تجلى الله فى مراة وجه يوسف علیہ السلام"o (روح المعانی بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:270)

اس کے علاوہ علامہ مذکور فرماتے ہیں:

"ولـعـمـرى انه لوكان شاهد تجليه تعالىٰ فى ادل التعينات و عين اعيان الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم ماراى ولما عراه ماعراه"o (روح المعانی بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:270)

یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخر موجودات محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انہیں حسن یوسف یاد ہی نہ رہتا۔ اور ان کے ہجر و فراق میں یہ حال نہ ہوتا۔

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا اور بڑے عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن انوار الٰہیہ کا جلوہ گاہ تھا۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا۔ جس میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مربی اور مبداء تعین، اللہ تعالیٰ کی صفت علم ہے۔ جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر ہے۔ اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبت ہوتا ہے کہ اسے نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حسن کو ہماری نظریں صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہوگا اس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن "حسن محمدی" ہی ہے اور جمال "جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" ہی ہے۔

اس کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف حضرت یعقوب علیہ السلام اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا ہے:

"کـان حسن يـوسف بـعـيـث احبـه حـضـرت يعقوب والخلائق و كان حسن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بـعـيـث احبه رب حضرت يعقوب و الخلائق جل جلاله"o

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر ہے۔ میں نے عام

فہم انداز میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مدعا اور خلاصہ پیش کیا ہے۔تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔(ضیاء القرآن، جلد دوئم، ص:450-451)

حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں

سورۃ یوسف آیت نمبر 85،86 کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بولے خدا کی قسم! آپ علیہ السلام ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔یہاں تک کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گزر جائیں۔کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔''(کنز الایمان)

اور اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے بیان کی جاتی ہے:

برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کو عرض کیا کہ آپ علیہ السلام ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں اس لیے آپ علیہ السلام ایسا کرتے کرتے انتقال فرما جائیں گے۔ان کا مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام تو کبھی کے وفات پا چکیں ہیں اب ان کی یاد میں رونا فضول ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد صرف اپنے اللہ تعالیٰ سے کرتا اور کسی سے نہیں کرتا۔اور میں اللہ تعالیٰ کی وہ شاناں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان سے ملنے کی توقع رکھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کا خواب حق اور ضرور واقع ہوگا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ملک الموت سے دریافت کیا کہ تم نے میرے بیٹے یوسف کی روح قبض کی ہے۔انہوں نے عرض کیا نہیں اس سے بھی آپ علیہ السلام کو ان کی زندگانی کا اطمینان ہوا اور اپنے فرزندوں سے فرمایا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔(خزائن العرفان)

قارئین کرام! اس موضوع پر بے شمار روایتیں ہیں اور سورہ یوسف کو صحیح طرح پڑھ کر سمجھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں۔آپ علیہ السلام ان کے وفات پا جانے کے غم میں نہیں روتے تھے بلکہ ان کے ہجر و فراق میں روتے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔اختصار کی وجہ سے اتنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہوتا تو کیوں روتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرض کیا کہ ان کو معلوم نہ تھا مگر حضرت یوسف علیہ السلام کو تو معلوم تھا کہ آپ علیہ السلام کے والد گرامی کنعان میں ہیں اور زندہ ہیں اور غم و پریشانی سے روتے رہتے ہیں۔آپ علیہ السلام نے کیوں نہ اپنے والد گرامی کو یہ اطلاع دی کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں بلکہ خود مختار حکمران بھی بن گئے ہیں۔تو میرے بھائیوں یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور تھا اور اسی کی ہدایت کے مطابق دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو اطلاع نہ دی اور مل نہ سکے۔(مؤلف)

ایک اہم نوٹ:

قارئین حضرات! آپ نے اس کتاب کو شروع سے لے کر اب تک پڑھ کر شاید محسوس کیا ہو یا نہ لیکن ایک بات میں (مؤلف) آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات واقعات بیان کرنے کے لیے قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ اور پھر اس کی تفسیر معتبر کتابوں سے اخذ کر کے تحریر کیں ہیں۔تاکہ قارئین حضرات کو یقین ہو جائے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حقائق پر مبنی ہے۔بلکہ فرضی قصے کہانیاں تحریر نہیں ہیں جیسے کہ بعض کتب میں بہت سے فرضی قصے کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔(مؤلف)

برادران حضرت یوسف علیہ السلام تیسری دفعہ جب مصر آئے تو انہوں نے عرض کیا، اے عزیز ہم پر بہت سخت وقت آیا ہے ہمیں خیرات دیجیے حضرت یوسف علیہ السلام پر اس کا بہت اثر ہوا اور چشم گوہر خشاں سے اشک رواں ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے بے ساختہ فرمایا کہ میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں:

سورہ یوسف کی آیات نمبر 87 تا 92 کا کنز الایمان سے اردو ترجمہ:

''اے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید

نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے بولے اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت پہنچی ہے اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئیں ہیں تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو صلہ دیتا ہے۔ بولے کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جب تم نادان تھے۔ بولے کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں۔ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا بے شک جو پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کا نیک (اجر) ضائع نہیں کرتا۔ بولے خدا کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر فضیلت دی اور بے شک ہم خطاوار تھے۔ کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔''

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا جاؤ اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرو اور اس کے ساتھ ان کو نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا مومن کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو بلکہ اس کی رحمت سے کافر ناامید ہوتے ہیں۔ والد گرامی کا حکم سن کر برادران یوسف علیہ السلام مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مصر پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو ملے تو عرض کرنے لگے اے عزیز مصر ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر بہت تنگدستی اور پریشانی کا غم پہنچا ہے۔ ہم کچھ کھوٹے سکے لے کر آئیں ہیں (جن کو کوئی تاجر لینے کو تیار نہ تھا اور وہ چند درہم کھوٹے تھے اور اثاث البیت کی چند پرانی چیزیں) اور ہمیں ہر ایک کو پورا پورا غلے کا وزن دیا جائے اور عرض کیا کہ ہم کو خیرات دیجئے۔ یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کیا تمہیں اس واقعہ کی کچھ خبر ہے جب تم نے یوسف کو باپ سے جدا کر کے مارا اور اس کو کنویں میں گرایا اور پھر چند کھوٹے سکوں کے عوض اسے فروخت کر دیا اور اس کے بعد اس کے بھائی بنیامین کو تنگ کر کے اسے پریشان کرنا تمہیں کچھ یاد ہے اور یہ فرماتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کو تبسم آ گیا اور انہوں نے آپ علیہ السلام کے گوہر دندان کا حسن دیکھ کر پہچانا اور عرض کرنے لگے۔ کیا سچ مچ آپ ہی یوسف علیہ السلام ہیں۔ یہ تو جمال یوسفی کی شان ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہمیں جدائی کے بعد سلامتی کے ساتھ ملایا اور دنیا اور دین کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

برادران یوسف علیہ السلام شرمندگی کے ساتھ عذر خواہی پیش کرتے ہوئے بولے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم گنہگار تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عزت دی۔ آپ علیہ السلام کو نبوت بھی دی اور دنیا کی بادشاہی بھی اور ہمیں مسکین بنا کر آپ علیہ السلام کے سامنے لایا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ آج ملامت کرنے کا دن ہے لیکن میری طرف سے تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو معاف کرے وہ سب معاف کرنے والوں میں بہت معاف کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا آپ علیہ السلام کی آپ علیہ السلام (یعنی یوسف علیہ السلام) کے غم میں رو رو کر آنکھیں سفید ہو گئیں ہیں اور بینائی جاتی رہی ہے۔

<u>حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا کرتا لے جاؤ، والد گرامی قدر کی آنکھوں پر ڈالو، بینائی درست ہو جائے گی، پھر آپ علیہ السلام اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ</u>

سورہ یوسف کی آیات نمبر 93 تا 100 کا کنزالایمان سے اردو ترجمہ:

''میرا یہ کرتا لے جاؤ۔ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا۔ یہاں ان کے باپ نے کہا کہ بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ (بہک) گیا ہے۔ بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔ پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ کرتا حضرت یعقوب علیہ السلام

کے منہ پر ڈالا۔ اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں (دیکھنے لگیں) کہ میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ بولے اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگیے بے شک ہم خطاوار ہیں۔ کہا جلد میں اپنے رب تعالیٰ سے تمہاری بخشش چاہوں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے مہربان۔ پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اس نے اپنی ماں اور اپنے باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو اللہ تعالیٰ چاہے تو امان کے ساتھ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے سجدے کو گر پڑے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب عزوجل نے سچا کیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرادی تھی۔ بے شک میرا رب جس کو چاہے آسان کردے۔ بے شک وہی علم اور حکمت والا ہے۔''

اب ان آیات کی تفسیر خزائن العرفان سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کرتا اپنے بھائیوں کو اپنے والد صاحب کے منہ پر ڈالنے کے لیے دیا تھا۔ وہ کرتا وہ تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعویز بنا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا۔ جب آپ علیہ السلام کو بھائیوں کے کہنے پر ان کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی اور وہ کرتا آپ علیہ السلام کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا تھا جو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت سے لا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گلے میں اس وقت ڈالا جبکہ آپ علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں پھینکا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو دیا۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیا تھا۔ جب قافلہ مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں اور پاس والوں سے فرمایا کہ اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو تو بے شک میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتا ہوں وہ بولے کہ آپ علیہ السلام اپنی پرانی خود رفتگی میں ہیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کہاں زندہ ہیں وہ تو وفات پاچکے ہوں گے۔

قافلے کے آگے آگے یہودا تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس خون آلودہ قمیص بھی میں ہی لے کر گیا تھا۔ میں نے ہی آپ علیہ السلام کو کہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ میں نے انہیں غمگین کیا تھا۔ آج کرتا بھی میں ہی لے کر جاؤں گا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگانی کی فرحت انگیز خبر بھی میں ہی سناؤں گا۔ تو یہودا برہنہ سر برہنہ پاؤں کرتا لے کر اسی فرسنگ دوڑتے آئے۔ راستے میں کھانے کے لیے سات روٹیاں ساتھ لائے تھے۔ فرط شوق کا یہ عالم تھا کہ ان کو بھی راستہ میں کھا کر ختم نہ کر سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سنائی اور کرتا آپ علیہ السلام کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت آنکھیں تندرست ہوگئیں اور بالکل صحیح طرح دیکھنے لگے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے میں نہ کہتا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی وہ (باتیں) معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہودا سے پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں بادشاہی کو کیا کروں مجھے یہ بتاؤ کہ کس دین پر ہیں۔ یہودا نے عرض کیا دین اسلام پر۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری ہوئی۔

برادران حضرت یوسف علیہ السلام بولے اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگیے۔ بے شک ہم گناہ گار ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وقت سحر بعد نماز ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے صاحب زادوں کے لیے دعا فرمائی جو قبول ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ صاحب زادوں کی خطا بخش دی گئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو مع ان کے اہل اولاد کے بلانے کے لیے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل کو جمع کیا تو کل مرد و عورتیں بہتر (72) یا تہتر (73) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اتنی برکت عطا فرمائی اور ان کی نسل اتنی بڑھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زیادہ تھے باوجود یکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس سے صرف چار سو سال بعد ہے۔

الحاصل جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو لے کر اپنے والد ماجد کے استقبال کے لیے صد بار ریشمی پھریرے اڑاتے قطاریں باندھے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہودا کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ علیہ السلام کی نظران پر پڑی اور آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ زرق برق سواروں سے پُر ہو رہا ہے۔ فرمایا اے یہودا! کیا یہ فرعون مصر ہے جس کا لشکر اس شان وشوکت سے آ رہا ہے۔ عرض کیا نہیں آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو متعجب دیکھ کر عرض کیا ہوا کی طرف نظر فرمایئے آپ علیہ السلام کے سرور میں شرکت کے لیے ملائکہ حاضر ہوئے جو مدتوں آپ علیہ السلام کے غم میں روتے رہے ہیں۔ ملائکہ کی تسبیح نے اور گھوڑوں کے ہنہنانے اور طبل وبوق کی آوازوں نے عجیب وغریب کیفیت پیدا کر دی تھی۔ یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ جب دونوں باپ بیٹا قریب ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ آپ علیہ السلام ذرا ٹھہریئے اور اپنے والد صاحب گرامی قدر کو ابتداء سلام کا موقع دیجئے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے السلام علیك یا مذھب الاحزان (یعنی اے غم واندوہ کے دور کرنے والے سلام) اور دونوں صاحبوں نے اتر کر معانقہ کیا اور مل کر خوب روئے پھر اس مزین فرودگاہ میں داخل ہوئے جو پہلے سے آپ علیہ السلام کے استقبال کے لیے نفیس خیمے وغیرہ نصب کر کے آراستہ کی گئی تھی۔ یہ دخول حدود مصر میں تھا۔ اس کے بعد دوسرا دخول خاص شہر میں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو امان کے ساتھ۔ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور خود بھی اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنے والد کی عزت وتعظیم فرمائی اور سب یعنی والدین اور بھائی سب آپ علیہ السلام کے سجدہ میں گر پڑے (ماں سے مراد خاص والدہ ہیں اگر اس وقت تک زندہ ہوں یا خالہ مفسرین کے اس باب میں کئی اقوال ہیں۔)

یہ سجدہ تحیت وتواضع کا تھا جو ان کی شریعت میں جائز تھا۔ جیسے کہ ہماری شریعت میں کسی معظم کی تعظیم کے لیے قیام اور مصافحہ اور دست بوسی جائز ہے۔ سجدہ عبادت اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو بھی جائز نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شرک ہے۔ اور سجدہ تحیت وتعظیم بھی ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے والد گرامی قدر علیہ السلام یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا (اس موقع پر کنویں کا واقع کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائیوں کو شرمندہ نہ ہونا پڑے) اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا۔ بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ناچاقی کرا دی تھی۔ بے شک میرا ربّ جس کو چاہے آسان کر دے۔ بے شک وہی علم وحکمت والا ہے۔ اور اے میرے رب (عزوجل)! بے شک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام نکالنا سکھایا۔ یعنی خوابوں کی تعبیر وغیرہ۔

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں چوبیس سال بہترین عیش وآرام میں خوشحالی کے ساتھ رہے۔ قریب وفات آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ آپ علیہ السلام کا جنازہ ملک شام میں لے جا کر ارض مقدسہ میں آپ علیہ السلام کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قبر شریف کے نزدیک پڑھ کر ان کی قبر کے پاس دفن کیا جائے۔ اس وصیت کی تعمیل کی گئی اور بعد وفات سال کی لکڑی کے تابوت میں آپ علیہ السلام کا جسد اطہر شام میں لایا گیا۔ اسی وقت آپ علیہ السلام کے بھائی عیص کی وفات ہوئی اور آپ دونوں بھائیوں کی پیدائش بھی ایک ساتھ ہوئی تھی اور دفن بھی ایک ہی قبر میں کیے گئے۔ اور دونوں صاحبوں کی عمر ایک سو پینتالیس (145) سال تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی قدر اور چچا کو دفن کر کے مصر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی کہ اے آسمان ودنیا کے بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے۔ دنیا اور آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں۔ (سورۃ یوسف، آیت: 101 کا ترجمہ اردو)

تیرے قرب وخاص کے لائق سے مراد حضرت ابراہیم وحضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب معصوم ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا تعلیم امت کے لیے ہے کہ وہ حسن خاتمہ کی دعا مانگتے رہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد ماجد کے بعد تیس سال زندہ رہے اس کے بعد آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ آپ علیہ السلام کے مقام دفن میں اہل مصر کے اندر سخت اختلاف واقع ہوا۔ ہر محلہ والے حصول برکت کے لیے اپنے ہی محلہ میں دفن کرنے پر بضد تھے۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کیا جائے تا کہ پانی آپ علیہ السلام کی قبر شریف سے چھوتا ہوا گزرے اور اس کی برکت سے تمام اہل مصر فیضیاب ہوں چنانچہ آپ علیہ السلام کو سنگ وخام یا سنگ مرمر کے صندوق میں دریائے نیل کے اندر دفن کیا گیا۔ اور آپ علیہ السلام کا جسد اطہر وہیں رہا یہاں تک کہ چار سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا تابوت شریف نکالا اور آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے آبائے کرام علیہم السلام کے پاس ملک شام میں دفن کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ ماجدہ راحیل کا انتقال کب ہوا؟

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ جلد 2، باب: 7، صفحہ: 80 پر تحریر کرتے ہیں کہ آل حضرت یعقوب علیہ السلام یہ تھی۔ آپ علیہ السلام کی پہلی بیوی لیا سے سب سے پہلے روبیل اس کے بعد شمعون پھر لادی اور اس کے بعد یہودا یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے۔ اس وقت راحیل سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس وجہ سے اس نے اپنی خادمہ بلہا حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی جس کے بطن سے وان اور نفتالی پیدا ہوئے۔ لیا نے بھی یہ دیکھ کر اپنی خادمہ زلفہ آپ علیہ السلام کو دے دی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کے بطن سے کا داور آشر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد پھر لیا سے یساخر اور زبولون پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس لڑکے ہو چکے تھے کہ راحیل نے جناب باری تعالیٰ میں لڑکے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی اور ان کے بطن حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ ''آج سے تمہارا نام اسرائیل ہوگا'' اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشالیم (یروشلم یعنی بیت المقدس شریف) پہنچ کر ایک کھیت خریدا اور وہیں مقیم ہو گئے۔ اس مقام پر راحیل پھر حاملہ ہوئیں معین مدت گزرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارھویں لڑکے بنیامین پیدا ہوئے۔ راحیل نے زچہ خانہ میں انتقال فرمایا اور بیت اللحم میں دفن کی گئیں۔

خزائن العرفان میں سورہ یوسف کی آیت نمبر 7 کی تفسیر میں صاحب خزائن تحریر فرماتے ہیں کہ لیا کے انتقال کے بعد ان کی بہن سے راحیل سے نکاح فرمایا اور ایک قول سدی کا بیان کرتے ہیں کہ چونکہ راحیل فوت ہو چکی تھیں اس لیے قمر سے مراد خالہ لیا ہے۔ اور آیت نمبر 99 کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں جس ماں نے باپ اور بیٹوں کے ساتھ مصر میں داخل ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اس سے مراد خاص والدہ مراد ہیں اگر اس وقت زندہ تھیں یا خالہ مفسرین کے اس باب میں کئی اقوال ہیں۔

صاحب تفسیر الحسنات جلد سوئم، صفحہ نمبر 225 پر تحریر فرماتے ہیں۔ سورۃ یوسف کی آیت نمبر 4 کی تفسیر کے تحت ــــــــ کہ قمر سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل یا خالہ ہیں۔ اور ایک قول اسی صفحہ پر سدی کا نقل کرتے ہیں چونکہ خواب سے قبل آپ علیہ السلام کی والدہ انتقال کر گئیں تھیں اس لیے قمر سے مراد خالہ ہیں۔ ایک اور قول تحریر فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند سے میکائیل اور جبرائیل علیہما السلام مراد ہیں اور صحیح یہی ہے کہ شمس سے باپ اور قمر سے والدہ مراد ہیں۔

پھر قتادہ اور سدی سے مروی ہے، بیان فرماتے ہیں کہ قمر سے مراد خالہ ہے اس لیے کہ راحیل اس سے پہلے انتقال کر گئیں تھیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

کتاب تذکرۃ الانبیاء صفحہ نمبر 291 پر یہ بیان تحریر ہے۔ خیال رہے کہ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے ترجمہ اردو:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی والدہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالا تا کہ یہ بھی یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں کہ ان کا خواب سچا ہو جائے۔'' (واللہ اعلم) (تفسیر کبیر، جلد 18، ص: 210 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص: 291)

اعتراض:

1- حضرت یوسف علیہ السلام اگرچہ نبی ہیں لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔

2- اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام زیادہ شان والے ہیں۔

3- اور حضرت یعقوب علیہ السلام باپ ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام بیٹے ہیں۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹا باپ کو سجدہ کرے باپ کا بیٹا کو سجدہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

حضرت عطاء کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے:

"خرو اله ای لاجل وجدانه سبحانه تعالیٰ" ٥

ترجمہ: ''حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سب نے سجدہ کیا۔''

یعنی یہ سجدہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو تھا۔ ربّ تعالیٰ کا شکرادا کیا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں۔ کیونکہ یہ سجدہ تخت پر بیٹھنے کے بعد کیا گیا۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا جاتا تو تخت پر بیٹھنے سے پہلے کیا جاتا۔ یا یہ کہا جائے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سجدہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ہی کیا ہو۔ لیکن اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ بھائی سجدہ نہ کریں۔ آپ علیہ السلام کے سجدہ کرنے پر سب بھائیوں نے سجدہ کرلیا۔ یا یہ ہے کہ سجدہ کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام تو رضامند نہیں تھے کہ مجھے میرے باپ سجدہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ اس کے حکم میں جو حکمتیں ہوتی ہیں وہ خود ہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسے اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اس میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں حقیقت میں وہ خود ہی جانتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو شاہی مقامات دکھائے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد مکرم کو تمام خزانوں کے مقامات دکھائے۔ سونے، چاندی اور زیورات کے خزانے۔ کپڑوں کے خزانے اور ہتھیاروں کے مقامات دکھائے۔ آخر میں جب آپ علیہ السلام نے اپنے والد گرامی قدر کو کاغذات والا مقام دکھایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اتنے کاغذ تمہارے پاس موجود تھے تم نے اتنے فاصلے سے مجھے خط بھی نہیں لکھا۔ آپ علیہ السلام نے جواب فرمایا: مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے منع فرمایا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اس سے پوچھئے کہ اس نے تمہیں کیوں منع کیا تھا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ علیہ السلام کا تعلق حضرت جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ آپ علیہ السلام خود ہی پوچھ لیجئے۔ جب آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کیوں منع کیا تھا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام نے خود ہی تو کہا تھا:

"فَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ"

ترجمہ: ''مجھے خوف ہے اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔'' (تفسیر کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:293)۔

یعنی آپ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہی آپ علیہ السلام کے بیٹوں نے استعمال کئے اور سب سے بڑی وجہ تو امتحان تھا چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بہت بلند و بالا ہوتی ہے۔ اس لیے ان پر امتحان بھی اسی طرح کے بہت بڑے آتے ہیں جیسے ان کی شان ہوتی ہے۔ (تذکرۃ الانبیاء، ص:293)

حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد پاک:

آپ علیہ السلام کی اولاد آپ علیہ السلام کی وفات کے وقت دو بیٹے ایک کا نام افراہیم اور دوسرے کا نام میشا یا منشیٰ تھا۔ افراہیم کے بیٹے کا نام نون اور نون کے بیٹے کا نام حضرت یوشع علیہ السلام تھا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ رہے اور دریائی سفر میں ان کے ساتھ تھے یعنی حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے جاتے ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ یوشع بن نون علیہ السلام کو رکھا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد مصر کی حکومت بنی عمالقہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک یعنی بنی اسرائیل ان کے زیر تسلط رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر انہیں نجات دلائی۔

یہ وہ غیبی خبریں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کیں اور ارشاد فرمایا: (تذکرۃ الانبیاء، ص:295)

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ" (پ13، یوسف:102)

کنزالایمان کا ترجمہ: "یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔"

ضد اور عناد نے لوگوں کو سمجھنے سے بالکل عاری کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر فرما دیا ہے کہ یہ غیبی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں لیکن یار لوگوں نے کہا نہیں جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے بتائے وہ غیب نہیں رہتا۔ خدارا انصاف کریں کہ بات ربّ تعالیٰ کی مانیں یا اس کی مخلوق میں سے ضدی جہلاء کی مانیں۔

کسی ایک بڑے نے کہہ دیا کہ جب وحی آ جائے تو وہ غیب نہیں رہتا تو اس کے چیلے بھی یہی راگ گانے لگے۔ خود سوچنے اور سمجھنے کی تکلیف برداشت نہ کی کہ یہاں ہمارے بڑے صاحب سے غلطی ہوگئی ہے۔

سورۃ یوسف کا شانِ نزول:

علماءِ یہود نے اشراف عرب سے کہا تھا کہ سیّد عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام ملک شام سے مصر کس طرح پہنچی اور ان کے وہاں جا کر آباد ہونے کا کیا سبب ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا ہے۔ اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

لیکن صاحب تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص:222-223 پر مندرجہ ذیل شانِ نزول بیان فرماتے ہیں:

جب قرآن کریم نازل ہوا ایک مدت تک صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اس کی تلاوت فرماتے رہے تو بعض نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی قصہ ماضیہ بھی ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا تو یہ سورہ نازل ہوئی۔

ایک قول ہے کہ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہی ایسے ناشائستہ افعال کی مرتکب نہیں ہے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تو ان کے بھائیوں کا برتاؤ اس سے بُرا رہا ہے۔ اس لیے یہ سورہ نازل ہوئی۔

ایک قول ہے کہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمائیں تو یہ سورہ نازل ہوئی۔

ایک اور قول یہ ہے کہ کفار مکہ نے یہود کو کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ بنی اسرائیل مصر میں کیسے پہنچے تو یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ اور بیہقی دلائل میں طریق کلبی سے ابو صالح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ یہود کا ایک عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سورہ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ تو اس نے عرض کیا: "یا محمد من علمکھا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا۔ فرمایا: "اللہ علمنیھا" اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا تو اس عالم کو تعجب ہوا جب اس نے یہ جواب سنا تو واپس لوٹ کر یہود کے پاس آیا اور کہنے لگا: "و اللہ ان محمدا لیقرأ القرآن کما انزل فی التوراۃ" قسم بخدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم ایسے ہی پڑھتے ہیں جیسے توریت میں نازل فرمایا۔

تو ایک جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو توریت کی بیان کردہ صفت سے پہچانا اور ختم نبوت دونوں شانوں کے درمیان دیکھی اور سورہ یوسف سنی اور پسند کر کے اسی وقت اسلام لائے۔ (روح المعانی، بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص:223)

ایک روایت یہ بھی تفسیر الحسنات میں بیان ہوئی ہے جو خزائن العرفان سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔

یا یہ کہ اس واقعہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے سوال کیا یا مسلمانوں سے کہا کہ وہ سوال کریں کہ بنی اسرائیل کا مصر میں جانے کا کیا سبب

بنا۔(روح المعانی)

یا احکام اور شرائع اور مخفیات ملک وملکوت اور اسرار نشاتین اور معارف وقصص کے بیان کے لیے سورہ یوسف نازل ہوئی جس کا اعجاز ظاہر ہے اور من عنداللہ ہونا ایسا واضح ہے کہ اس کے معانی اہل علم کے نزدیک غیر مشتبہ ہیں اور اس میں حلال وحرام اور حدود واحکام کا بھی واضح ثبوت ہے۔

(روح المعانی بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد سوئم ،ص:223)

ایک قول یہ بھی کہ اس سورۂ مبارکہ میں متقدمین کے احوال روشن ولائح مذکور ہیں اور حق و باطل کا آسانی سے امتیاز کرا دینا اور اس کے پہلو بیان کئے گئے ہیں جو عجائب وغرائب اور حکم وغیرہ پر مشتمل ہیں۔اس میں دین ودنیا کے فوائد،سلاطین ورعایا اور علماء کے احوال،عورتوں کے خصائل کا بھی واضح بیان ہے۔دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر اور ان پر غالب آ جانے کے بعد ان کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی شان بھی نفیس پیرایہ میں واضح کی گئی ہے۔

صاحب بحر الحقائق نے اس کے تاویلی پہلو پر اس کے احسن قصص ہونا عجیب ونفیس پہلو سے بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ استعاری رنگ میں یہ قصہ تمام وکمال انسان کے احوال کے ساتھ ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

کہ یوسف سے مراد دل ہو سکتا ہے اور

حضرت یعقوب علیہ السلام سے مراد روح لی جا سکتی ہے

راحیل سے نفس انسان۔

برادران یوسف سے مراد قوی اور حواس انسان ہو سکتے ہیں۔

پھر اس قصہ کو انسان کے حالات سے مطابقت دی جائے تو اس سے عجیب وغریب حقائق منکشف ہوتے ہیں۔اس بحث کو اگر تفصیل سے دیکھنا چاہیں تو بحر الحقائق میں دیکھیں۔"واللہ اعلم"

آیت نمبر 1 معنی یہ ہے کہ"یہ آیتیں کتاب روشن کی ہیں۔"

آیت نمبر 2 کا معنی ہے:"بیشک ہم نے اسے نازل کیا قرآن عربی میں تاکہ تم سمجھو۔"

آیت نمبر 3 کے معنی یہ ہیں کہ"ہم تمہیں سب سے اچھا واقعہ(قصہ)سناتے ہیں اس کے ذریعے جو وحی کی ہم نے اس قرآن میں اگرچہ بے شک تھے تم اس سے پہلے بے خبر۔صاحب تفسیر الحسنات بیان فرماتے ہیں کہ(یہاں مخففہ من مثقلہ ہے)اور(یاد فرمائیں اے محبوب جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا۔

آیت نمبر 4 کے ترجمہ میں:"یاد فرمائیں اے محبوب"بقاعدہ"اذ"لایا گیا ہے اس لیے کہ"اذ"کے اول اذکر اور منادی ضرور محذوف ہوتا ہے اور چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے والد خطیب الانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم فرمایا۔(روح المعانی)

اس کے بعد ضیاء القرآن جلد دوئم سے ص:404 تا408،409اور416 تا419اور460 تا465 نقل کیا جاتا ہے۔

(مندرجہ ذیل بیان مؤرخہ 29 جمادی الاول 1430ھ بروز سوموار مطابق 25 مئی 2009ء کو شروع کیا گیا)

قرآن کریم پر مستشرقین کا بے بنیاد الزام اس کے رد کیلئے پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہترین بیان جو کہ ضیاء القرآن،جلد دوئم میں صفحہ 404 تا408 پر بیان کیا گیا نقل کیا جاتا ہے:

مؤرخین کے بیان کے مطابق مصر پر اس وقت پندرھویں خاندان کی حکومت تھی جو تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (SHEPHERD KINGS OR HYKSOS KINGS) کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام اپوفس

(APOPHIS) بتایا جاتا ہے۔ اسی کے عہد میں مصر اپنی تاریخ کے طویل اور بدترین قحط سے دوچار ہوا۔ بادشاہ نے ان بگڑے ہوئے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو مکمل اختیارات دے دیئے اور آپ علیہ السلام نے کسی ہچکچاہٹ اور تذبذب کے بغیر اس سنگین ذمہ داری کو قبول فرمایا: "قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○"

جب قحط پڑا تو آپ علیہ السلام نے اپنے غذائی ذخیروں کے منہ کھول دیئے صرف اہل مصر ہی آپ علیہ السلام کی حسن تدبیر سے قحط کی ہلاکت انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہے بلکہ گردونواح کے ضرورت مند بھی جب حاضر ہوتے تو انہیں محروم واپس نہ لوٹایا جاتا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے جودوسخا کا چرچا کنعان تک جا پہنچا اور فرزندان حضرت یعقوب علیہ السلام طلبِ خوراک کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا لیکن جتایا تک نہیں۔ ان کے اونٹوں کو بھی لاد دیا اور جو قیمت انہوں نے ادا کی وہ بھی چپکے سے ان کی خرجیوں میں رکھ دی اور فرمائش کی کہ دوبارہ آئیں تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لیتے آئیں۔ وہ دوبارہ آئے پھر انہیں اپنی داد و دہش سے مالا مال کر دیا لیکن راز سے پردہ نہ اٹھایا۔ تیسری مرتبہ جب آئے تو اب وہ گھڑی آپہنچی تھی کہ آپ علیہ السلام اپنا تعارف کرا دیں جس انداز سے آپ علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا وہ صرف آپ علیہ السلام کو ہی زیبا ہے اور یہی باتیں آپ علیہ السلام کی شانِ یوسفی کو چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہیں۔ فرمایا: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ کیا تمہیں یاد ہے جو سلوک تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا (مبادا وہ حقیقت سے پردہ اٹھنے کے باعث شرمندگی محسوس کریں) اس لیے فوراً فرما دیا اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۔ یعنی اس وقت تم ناواقف اور بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ان کے اس ظالمانہ رویہ کی خود ہی معذرت پیش کر دی اور انہیں یقین بھی دلا دیا کہ وہ مطمئن رہیں۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ بھائی حیرت سے منہ تک رہے ہیں اس وقت بھی آپ علیہ السلام کے دل میں نخوت کا کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا بلکہ فرمایا قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا بے شک ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ لطف و احسان فرمایا ہے کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا لیکن اپنے پیغمبرانہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیا کہ ایسے لطف و احسان سے بہرہ ور ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ فرمایا: اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (بے شک جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا) کیا بات ہے قدم قدم پر حقائق کے موتی لٹاتے ہوئے معارف کے گلستان اگاتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تقویٰ اور صبر اختیار کیا اس لیے ان احسانات کو مستحق قرار پایا کیونکہ اس میں غرور و ادعا کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی تھی کہ یہ صرف آپ علیہ السلام کی ذات والاصفات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ فرمایا: مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ جو بھی تقویٰ کا لباس پہن کر صبر کی قندیل روشن کر کے آگے بڑھے گا رحمتِ خداوندی اس کی مخلصانہ جدوجہد پر اپنی قبولیت کے پھول نثار کرتی جائے گی۔ آئے جس میں ہمت ہے خود تجربہ کر کے دیکھ لے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

ہجر و فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔ وہ روز سعید طلوع ہو رہا ہے جب بچھڑے ہوئے والدین اپنے نورِ نظر سے ملنے کے لیے مصر پہنچ رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان کی پیشوائی کے لیے بڑے کروفر سے آگے جاتے ہیں۔ بڑی عزت و تکریم سے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ اور انہیں تخت پر بٹھاتے ہیں۔ اس وقت گیارہ بھائی اور والدین حضرت یوسف کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ حضرت کی زبان سے نکلتا ہے: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ اے پدرِ مکرم یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اس تعبیر کو بروئے کار لانے میں میرا کوئی کمال نہیں محض میرے پروردگار کی بندہ نوازی ہے۔ یہاں ان مشکلات کا مختصر ذکر بھی کر دیا تا کہ لطفِ راحت میں اضافہ ہو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں دامنِ طلب پھیلا دیتے ہیں اور وہ چیز مانگتے ہیں جس کے مانگنے کے بعد دل کی ساری حسرتیں اور سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں اور آپ علیہ السلام کا عقاب ہمت جواب تک بلندیوں کی طرف پر کشا رہا ہے اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے عرض کی۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ گویا شمع ایمان کو فروزاں کر کے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت میں شامل ہو جانا یہی منزل یوسفی ہے۔

جو خواب آپ علیہ السلام نے بچپن میں دیکھا وہ سچا خواب تھا اسے ضرور پورا ہونا تھا اور وہ پورا ہوا لیکن خواب دیکھنے کو تکمیل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جن مرحلوں سے گزرنا پڑا وہ آپ علیہ السلام کی اقتدا کرنے والوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں۔ ہمت، صبر، توکل اور رحمت خداوندی کی دستگیری سے ہی انسان اس رفیع منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کریم پر مستشرقین کا ایک بے بنیاد الزام، یورپ کے مستشرقین قرآن کریم پر جہاں دوسرے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں وہاں بڑی شد ومد سے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے جو واقعات مذکور ہیں وہ وحی ربانی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام نے علماء اہل کتاب سے انہیں سنا اور پھر قرآن میں درج کر دیا۔ اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں اگر آپ تورات و انجیل میں بیان کردہ قصص کا موازنہ قرآن کریم میں مذکورہ واقعات سے کریں گے تو حقیقت خود بخود اظہر من الشمس ہو جائے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہی لیجیے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے وہ کس قدر سبق آموز، بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہے۔ ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے جس کی تابانی سے تکمیل انسانیت کا راستہ جگمگا رہا ہے۔ قدم قدم پر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کی جلالت شان کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ اسے پڑھ کر کامیاب و کامران زندگی گزارنے کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگتا ہے لیکن یہی قصہ جب ہم تورات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک عام آدمی کی روکھی پھیکی داستانِ حیات معلوم ہوتی ہے۔ جو ہر قسم کی جاذبیت اور کشش سے یکسر خالی ہے۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تورات کی کتاب پیدائش کے چند حوالے پیش کرتا ہوں۔ ان کا مقابلہ آپ آیاتِ قرآنی سے کیجیے۔ آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس واقعہ کا ماخذ تورات نہیں وحی الٰہی عز و جل ہے۔ اسی لیے اس کا ہر جملہ حکمت و دانش کا وہ آئینہ ہے جس میں زندگی کی حقیقتیں بے نقاب نظر آ رہی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعارف یوں کرایا جا رہا ہے۔

یہ لڑکا اپنے باپ کی بیویوں بلہاہ اور زلفہ کے بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا اور وہ ان کے بُرے کاموں کی خبر باپ تک پہنچا دیتا تھا۔ (کتاب پیدائش، باب: 37، آیت: 2) یعنی یوسف علیہ السلام کا کام چغلی کھانا تھا۔

آپ علیہ السلام نے جب اپنا خواب اپنے والد محترم کو بتایا تو انہوں نے سن کر جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

''تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے۔'' (تورات باب 37، آیت: 11)

اس کے بعد سورۃ یوسف کی آیات 4 تا 6 ابھی تلاوت فرمایئے:

یوسف کے بھائی آپ علیہ السلام کو ٹھکانے لگا کر جب بکرے کے خون سے آپ علیہ السلام کی قبا کو آلودہ کر کے لے آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ردعمل کیا تھا:

''پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قبا لے کر اور ایک بکرا ذبح کر کے اسے اس کے خون میں تر کیا...... سو وہ اسے ان کے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم کو یہ چیز پڑی ملی۔ اب تو پہچان کہ یہ تیرے بیٹے کی قبا ہے یا نہیں اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔ تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔'' (تورات باب 37، آیات: 32-33-34)

اس کے بعد سورۃ یوسف کی آیات: 16-17-18 ملاحظہ فرمایئے:

جب یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی سے دامن چھڑا کر بھاگے اور راستہ میں عزیز مصر سے مڈبھیڑ ہوئی تو زلیخا رضی اللہ عنہا نے جو الزام لگایا اور اسی کے خاندان کے ایک گواہ نے جس طرح آپ علیہ السلام کی برأت ثابت کی۔ یہاں تک کہ عزیز کو بھی اپنی بیوی سے یہ کہنا پڑا، اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ

(بلاشبہ تو ہی خطا کار ہے) اس کا مطالعہ آپ سورہ یوسف میں کر چکے ہیں۔ اب اسی واقعہ کو تورات کی زبان سے سنیئے:

''جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا۔

اور یوسف علیہ السلام کے آقا نے اس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔ سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا۔'' (باب 39، آیات: 19-20)

قید خانہ میں آپ علیہ السلام کے نظر بند کیے جانے اور بادشاہ کے باورچی کے خواب بیان کرنے کا تو ذکر ہے لیکن اس دعوتِ توحید کی طرف اشارہ تک بھی نہیں جس سے زندانِ مصر کی تاریک فضا نورِ توحید سے جگمگا اٹھی تھی۔

جب بادشاہِ مصر نے وہ بھیانک خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہن اور دانشور نہ بتا سکے تو اس نے اپنے ساقی کو قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا اس وقت آپ علیہ السلام نے جس سیر چشمی اور غیرت کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل اِس سورہ مذکورہ کی آیات 45 تا 52 میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔ اب یہاں بھی پڑھیے۔ فرق خود ہی واضح ہو جائے گا:

''تب فرعون نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلوا بھیجا۔ سو انہوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا۔'' (باب 41، آیت: 14)

بھائی جب پہلی بار آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کی آمد کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''سو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اپنے سر زمین پر ٹیک کر اس کے حضور آداب بجا لائے۔'' (باب 42، آیت: 6)

پھر آپ علیہ السلام ان پر جاسوسی کا غلط الزام لگاتے ہیں۔

''حضرت یوسف علیہ السلام نے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا پر انہوں نے اسے نہ پہچانا اور حضرت یوسف علیہ السلام ان سے کہنے لگا کہ تم جاسوس ہو کہ آئے ہو کہ اس ملک کی بری حالت دریافت کرو۔'' (باب 42، آیت: 8-9)

بھائی اس الزام سے اپنی برأت ثابت کرتے ہیں لیکن آپ علیہ السلام پھر انہیں کہتے ہیں:

''تب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا۔ میں تو تم سے کہہ چکا کہ تم جاسوس ہو سو تمہاری آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آ جائے...... ورنہ فرعون کی حیات کی قسم، تم ضرور ہی جاسوس ہو۔ اور اس نے ان سب کو تین دن تک اکٹھے نظر بند رکھا۔'' (باب 42، آیت: 14، 15، 16، 17)

حضرت یوسف کے پیراہن بھیجنے حضرت یعقوب علیہ السلام کے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھنے کا تورات میں ذکر تک بھی نہیں۔

جب مصر قحط میں مبتلا ہو گیا۔ زرخیز زمینیں بنجر بن گئیں۔ جہاں کبھی سرسبز و شاداب کھیت لہلہایا کرتے تھے وہاں خاک اڑنے لگی اور مصری قحط کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے تو تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے جو سلوک اپنی رعایا سے کیا وہ منصب نبوت تو کجا کسی رحم دل حاکم کے شایانِ شان بھی نہیں بلکہ وہ ایک سنگدل اور بے رحم بنیے کا سلوک ہے۔ چنانچہ پہلے سال ہی غلہ اتنی گراں قیمت پر فروخت کیا گیا کہ قوم کی ساری پونجی ختم ہو گئی۔ دوسرے سال جب وہ غلہ کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے تو ان کے سارے مویشی لے لیے گئے۔ تیسرے سال جب فاقہ کشیوں سے مجبور ہو کر یوسف علیہ السلام کے پاس آتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام اس شرط پر انہیں غلہ دینے پر رضا مند ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی ساری زمینوں کو فرعون کے نام پر فروخت کر دیں۔ تورات کا بیان ملاحظہ ہو:

''اور اس سارے ملک میں کھانے کو کچھ نہ رہا۔ کیونکہ کال ایسا سخت تھا کہ ملک مصر اور ملک کنعان دونوں کال کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے اور جتنا روپیہ ملک مصر اور ملک کنعان میں تھا وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس غلہ کے بدلے جسے لوگ خریدتے تھے لے لے

کر جمع کر لیا اور سب روپے کو اس نے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔'' (باب 47، آیت: 13، 14)

دوسرے سال جب غلہ لینے آئے تو انہوں نے کہا:

''تو مصری حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگے ہم کو اناج دے کیونکہ روپیہ تو ہمارے پاس رہا نہیں۔ ہم تیرے ہوتے ہوئے کیوں مریں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اگر روپیہ نہیں ہے تو اپنے چوپائے دو اور میں تمہارے چوپایوں کے بدلے تم کو اناج دوں گا۔'' (آیت: 15، 16)

چنانچہ انہوں نے سارے مویشی حضرت یوسف علیہ السلام کو دے کر غلہ لیا۔ اور سال گزارا۔ تیسرے سال وہ پھر غلہ کی طلب میں حاضر ہوئے تو ان کی بے بسی اور خستہ حالی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے غلہ لینے کے معاوضہ میں اپنے آپ کو اور اپنی زرعی زمینوں کو فروخت کرنے کی پیشکش کر دی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ذرا رحم نہ آیا بلکہ اس نے بڑی خوشی سے ان کی پیشکش کو قبول کیا اور فرعون کے نام پر انہیں بھی اور ان کی زمینوں کو بھی خرید لیا۔

تورات میں ہے:

''سو تو ہم کو اور ہماری زمین کو اناج کے بدلے خرید لے کہ ہم فرعون کے غلام بن جائیں اور ہماری زمین کا مالک بھی وہی ہو جائے اور ہم کو بیج دے تا کہ ہم ہلاک نہ ہوں بلکہ زندہ رہیں اور ملک بھی ویران نہ ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کی ساری زمین فرعون کے نام پر خرید لی۔ کیونکہ کال سے تنگ آ کر مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنا کھیت بیچ ڈالا۔ سو ساری زمین فرعون کی ہو گئی۔''

(باب 47، آیت: 19، 20)

''تب حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دن تم کو اور تمہاری زمین کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے سو تم اپنے لیے یہاں سے بیج لو اور کھیت بو ڈالو۔'' (باب 47، آیت: 23)

یہ ہے سیرت یوسفی کا وہ خاکہ جو تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا موازنہ قرآن کریم سے کیجئے۔ آپ اگر انصاف اور حق طلبی کے جذبہ سے یکسر محروم نہیں کر دیئے گئے تو مستشرقین کے اس اعتراض کی لغویت اور بیہودگی آپ کے سامنے عیاں ہو جائے گی اور آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ہادی برحق، پیغمبر اسلام علیہ اطیب التحیۃ وازکی السلام نے ان واقعات کو اہل کتاب سے سن کر بیان نہیں کیا، بلکہ براہ راست اللہ رب العالمین سے سنا اور لوگوں کو سنایا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ضیاء القرآن، جلد دوئم، صفحہ 409 سورہ یوسف کی ابتدائی 3 آیات کی تشریح کے لیے نقل کیا جاتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

''اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ

''الف لام را 1 یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ 2 بے شک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تا کہ تم (اسے) خوب سمجھ سکو 3 ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہتر قصہ 4 اس قرآن کے ذریعہ جو''

1 حروف مقطعات ہیں ان پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

2 تلک مبتدا ہے آیات الکتاب المبین خبر ہے مبین اسم فاعل ہے۔ ابان سے یہ لفظ بان اور بین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ لازمی ہوگا اور اس کا معنی ہوگا ظہر یعنی اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا ایک ایسی صداقت ہے جو اظہر من الشمس ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں۔

دوسری صورت میں یہ متعدی ہوگا اور اظہر کے معنی میں مستعمل ہوگا۔ اس وقت اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ کتاب حق و باطل کو ظاہر کر دینے والی ہے۔

3 انزلناہ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے یا قصہ حضرت یوسف علیہ السلام۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس کو بکثرت تلاوت کرو اور آسانی سے سمجھو۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام جس کے متعلق اہل کتاب نے دریافت کیا ہے اسے ہم نے عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اے اہل عرب! تم اسے سمجھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔ قُرْآنًا عَرَبِيًّا کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حیان لکھتے ہیں: وانتصب قرآنا قيل على البدل من الضمير وقيل على الحال الموطئة (بحر محیط) یعنی قرآناً بدل ہوگا انزلنه کی ضمیر کا۔ میں نے یہی ترکیب ملحوظ رکھی ہے اور یا عربیا ضمیر کا حال ہوگا۔ اور قرآنا بطور تمہید و تاکید حال ہوگا جیسے مررت بزيد رجلا صالحا (قرطبی)

4 القصص۔ قص۔ سے مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا تتبع کرنا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا: وقالت لاخته قصيه کہ اس تابوت کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ دیکھو کدھر جاتا ہے کیونکہ قصہ گو واقعہ کو ایک ترتیب سے بیان کرتا ہے اس لیے اس کو قاص (تتبع کرنے والا) کہتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم اس واقعہ کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ قصص قصہ کا ہم معنی ہے جو اسم ہے یعنی آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس کو احسن القصص کہنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو یہاں اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر ایک کی حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی ہے اور اسی کے ضمن میں زندگی کے ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کا انسانی معاشرہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

یہودیوں نے توریت کی اصل عبارت بدل کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے کیا لکھا اور اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا دیا اس کے لیے ضیاء القرآن، جلد دوئم کا صفحہ نمبر 416 اور 417 نقل کیا جاتا ہے

اُردو ترجمہ:

"ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر۔ اور وہ (تیرے رتبہ عالی کو) نہیں سمجھتے اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری کرتے ہوئے۔ 28 (آکر) کہا 29 بابا جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس!) کھا گیا اس کو بھیڑیا۔ اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات 30 اگرچہ ہم سچے ہیں۔ اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر 31 آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) 32 بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمہارے نفسوں نے اس (سنگین مجرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا 33 اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو۔ 34 اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا تو اہل قافلہ نے (پانی لانے کیلئے) اپنا آب کش بھیجا۔ اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکار اٹھا مژدہ باد! یہ لو کتنا من موہنا بچہ ہے۔ اور انہوں نے چھپا دیا اسے متاع (گرانبہا) سمجھتے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور

بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کو اسی وقت شرف نبوت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔ جب کنویں میں ڈالے گئے۔

28 اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے بعد دن بھر خوب سیر و تفریح کرتے رہے۔ عشاء کے وقت چیختے چلاتے شور مچاتے گھر لوٹے۔

29 حضرت یعقوب علیہ السلام تو پہلے ہی اتنی تاخیر پر مضطرب ہوں گے۔ جب انہوں نے یہ شور و فغاں سنا ہوگا تو بے چین ہو گئے ہوں گے۔ پوچھا ہوگا کیا ہوا۔ کیوں رو رہے ہو، مجھے حضرت یوسف علیہ السلام نظر نہیں آ رہا وہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے انتہائی فریب کاری سے یہ جواب دیا۔

30 ہمیں یقین ہے کہ آپ علیہ السلام ہماری اس بات کو مانیں گے نہیں، کیونکہ پہلے ہی آپ علیہ السلام کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں۔ لیکن آپ علیہ السلام مانیں یا نہ مانیں جو قصہ ہم آپ علیہ السلام سے بیان کر رہے ہیں یہ سو فیصد سچا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

31 اس کے ساتھ انہوں نے ایک اور فریب کیا۔ ایک دنبہ یا ہرن ذبح کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو اس کے خون میں لت پت کر کے لے آئے اور اسے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے بطور ثبوت پیش کر دیا۔

32 آپ علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا یہ محض تمہارے نفسوں کی فریب کاری ہے اور تمہارے اس دعویٰ میں صداقت کا نام ونشان تک نہیں۔ یہ قمیص جو تم کسی کے خون میں لت پت کر کے لائے ہو یہ بھی صاف صاف بتا رہی ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ اگر بھیڑیئے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھایا ہوتا تو کیا یہ قمیص جگہ جگہ سے پھٹ نہ گئی ہوتی۔ ایسا عقلمند بھیڑیا تو آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ اس نے آدمی کو تو کھالیا ہو اور قمیص پر خراش تک نہ آنے دی ہو۔ سول کا معنی ہے مزین اور آراستہ کرنا۔ سولت ای زینت ٥التسویل تزیین النفس لما تحوص علیه و تصویر القبیح بصورة الحسن٥ (مظہری)

33 آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تو اس جانکاہ حادثہ پر صبر جمیل کروں گا۔ صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جہاں نہ شکوہ وشکایت ہو اور نہ جزع وفزع کا گزر ہو الصبر الجمیل هو الذی لا جزع فیه ولا شکوی٥ (قرطبی)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی جلالت شان اور مقام نبوی کو یہی زیبا تھا کہ وہ دامنِ صبر کو مضبوطی سے تھام لیں اور کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کریں جو عام لوگوں سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتی ہے۔ لیکن تورات کا بیان اس کے برعکس ہے۔

34 امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نفیس بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا تھا تو وہ کیوں نہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جستجو میں نکلے اور کیوں آتشِ فراق میں برسوں جلتے رہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس امر کا تو واقعی یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ علیہ السلام کے خاموش ہو کر بیٹھے رہنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تلاش کرنے سے منع فرما دیا ہو تا کہ ان کے صبر واستقامت کا اچھی طرح امتحان ہو جائے۔ اور یا اس لیے کہ آپ علیہ السلام کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی خود حفاظت کرے گا وہ خود ہی اس کا نگران ہے اور جس شاندار مستقبل کے متعلق پہلے ہی بتا دیا گیا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ لا جواب عنه الا ان یقال انه سبحانه و تعالیٰ منعه عن الطلب تشدیداً للمحنة علیه و تغلیظا للامر علیه .... وایضا لعله علیہ السلام علم ان الله تعالیٰ یصون یوسف علیہ السلام عن البلاء والمحنة وان امره سیعظم بالآخرة ثم لم یرد هتك استار سرائر اولاده ...... فلما وقع یعقوب علیہ السلام فی هذه البلیة رای ان الاصوب الصبر والسکوت و تفویض الامر الی الله تعالیٰ بالکلیة٥ (کبیر)

35 ایک قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا۔ ان کا گزر اس کنوئیں کے قریب سے ہوا اور یہ واقعہ پیش آیا۔ سیارہ سیار کی مؤنث ہے۔ اس کا معنی قافلہ ہے یعنی وہ قوم جو سفر کر رہی ہو۔

اولیٰ: اولی۔ کا معنی ڈول کو کنوئیں سے نکالنا اور دلیٰ۔ کا معنی ڈول کا کنوئیں میں لٹکانا۔

وارد: اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کنوئیں یا چشمہ وغیرہ پر جا کر قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرے۔

یبشریٰ: یہ لفظ غایت تعجب وسرور کو ظاہر کرتا ہے جب اس آبکش نے ڈول باہر نکالا اور اس میں ایک چاند کو شرما دینے والا حسین بچہ دیکھا تو وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گیا اور پکار اٹھا یبشریٰ اے خوشخبری۔

قدرتِ خداوندی کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے بارے قرآن کریم کیا فرماتا ہے اور بائبل نے کیا لکھا ہے۔ ضیاء القرآن جلد دوئم کا صفحہ 418 اور 419 نقل کیا جاتا ہے

ترجمہ: ''انہوں نے بیچ ڈالا حضرت یوسف علیہ السلام کو حقیری قیمت پر چند درہموں کے عوض 36 اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے 37 اور کہا اس شخص نے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا 38 اہلِ مصر سے اپنی بیوی کو عزت و اکرام سے اسے

ٹھیراؤ 39 شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا حضرت یوسف علیہ السلام کو 40 (مصر کی) سرزمین میں اور تاکہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ 41 اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر 42 لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے 43 اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو 44 تو ہم نے عطا فرمائی انہیں"

36 جب تیسرے دن حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی خبر لینے کے لیے آئے تو ان کو کنوئیں میں نہ پایا۔ لیکن وہاں ایک قافلہ کے فروکش ہونے کے نشانات موجود تھے۔ وہ اس قافلہ کے تعاقب میں نکلے۔ جلد ہی وہ قافلہ انہیں مل گیا۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو پکڑ لیا اور بتایا کہ یہ ہمارا غلام ہے چند دن سے بھاگ آیا ہے۔ چنانچہ تھوڑی سی قیمت اس پر گوہر شہوار کوان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

37 یعنی ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے زیادہ روپیہ کمانے کے آرزومند نہ تھے۔ ان کے پیش نظر تو صرف یہ بات تھی کہ کسی طرح وہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے: لانہ لم یکن قصدھم تحصیل الثمن انما کان قصدھم تبعید حضرت یوسف علیہ السلام عن ابیہ (مظہری) علامہ راغب الصفہانی لفظ زاہد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الزھید الشیئ القلیل الزاھد فی الشیئ الراغب عنہ (مفردات) تھوڑی چیز کو زہید کہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی چیز سے بیزار ہو اس میں کوئی دلچسپی نہ لیتا ہو اس کو الزاھد فی الشیئ کہا جاتا ہے۔

38 جب وہ قافلہ مصر کے پایۂ تخت منف (منفس) میں پہنچا تو قافلہ والوں نے دوسرے سامانِ تجارت کے ساتھ آپ علیہ السلام کو بھی فروختگی کے لیے پیش کیا۔ گلشنِ خلیل کا مہکتا ہوا پھول جب بازارِ مصر میں لایا گیا ہوگا تو ساری فضا معطر ہو گئی ہوگی۔ حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ ایسے غلام کی آمد کی خبر آن واحد میں شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے خریداروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ہوں گے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔ آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک اعلیٰ افسر نے اسے خریدا اور آپ علیہ السلام کے خریدار کا نام فوطی فار ہے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے دو (2) مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطی فار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا (پیدائش 36:37) قرآن حکیم نے اسے عزیزِ مصر کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

39 عزیز مصر نے آپ علیہ السلام کی لوحِ جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لیے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے۔ اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا۔ اس کی کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن ہمارے لیے یہ مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اس عورت کا نام ایک روایت میں راعیل ہے۔ اور تلمود میں اس کا نام زلیخا رضی اللہ عنہا ہے۔ شاید اسی روایت سے ہماری کتابوں میں وہ زلیخا کے نام سے مشہور ہوئی: اسمھا راعیل وقیل زلیخا مثوئ اسم ظرف ہے ٹھیرنے کی جگہ۔

40 ایسے ملک میں جہاں کسی کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عظیم خانوادے کا علم تک نہ تھا جسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا جسے بیچنے والے بھی ایک بھگوڑا غلام تصور کرتے تھے۔ پھر وہ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لیے اتنی عزت و آسائش کے سامان مہیا فرما دینا مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لیے پدرانہ شفقت بلکہ فدویانہ جذبہ پیدا کر دینا یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

41 یعنی جس طرح ہم نے اس پر یہ مہربانی فرمائی اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی بتائی ہوئی تعبیر کو بھی پورا کیا جائے گا اور اسے تاویل الاحادیث کا علم مرحمت فرمایا جائے گا۔

42 اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مشکلات کا ہجوم مخالفتوں کے طوفان اسباب و وسائل کا فقدان اس کے حکم کے وقوع پذیر ہونے میں

رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ بھائیوں کی ساری سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جہاں پہنچانے کا ارادہ فرمایا وہ ہو کر رہا۔

43 عام لوگ ظاہری حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ناممکن ہے۔ ان کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے ناواقف ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ورنہ قدرت خداوندی کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

44 عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی جسمانی اور عقلی قوتیں پوری طرح نشوونما پالیتی ہیں اسے اشد کہتے ہیں۔ حکماء کے نزدیک یہ تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ کا نام ہے۔ یعنی جب آپ کی فطری صلاحیتیں پوری طرح رونما ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خصوصی نوازشات سے سرفراز فرمایا اور انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ حکم سے مراد حکمت اور نبوت ہے۔ اور علم سے مراد احکام شرعی کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم اور عظمت شان کے اظہار کے لیے دونوں کو نکرہ ذکر کیا:

عن ابن عباس ان الحکم النبوۃ والعلم الشریعۃ وتنکیرھما للتفخیم۔(روح المعانی)

ضیاء القرآن جلد دوئم سے سورۂ یوسف کی آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱ تک کا ترجمہ اور تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: ''اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! 144 تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے اور آنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ (اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے۔ جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر کر رہے تھے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے 145 اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درسِ ہدایت) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے۔ اور کتنی ہی (بیشمار) نشانیاں ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (سجی ہوئی) ہیں۔ جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں 146 اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔ 147 کیا وہ بےغم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو 148 آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں 149 اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔ اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد 150 جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کہ کیا ہوا تھا انجام 151 ان (منکرین) کا جو ان سے پہلے (ہو گزرے) تھے اور دار آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سننے والو!) کیا تم نہیں سمجھتے۔ جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول 152 اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے اس وقت آ گئی ان کے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا: اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہے۔ بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج و زوال) کی داستانوں میں (درسِ) عبرت ہے سمجھ داروں کے لیے 153 نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' 154 (اب تفسیر ملاحظہ فرمائیے)

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اظہارِ خیال حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات و واقعات کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قدم قدم پر یہ تنبیہ سنائی دیتی ہے، اے سالکِ راہ حق تیری منزل بڑی دور ہے۔ اس کی راہ بڑی کٹھن ہے۔ اس میں حائل ہونے والی رکاوٹیں بڑی حوصلہ شکن ہیں۔ گھبرے

اور خوفناک غار منہ کھولے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تجھے منزل سے غافل کرنے کے لیے فردوس بداماں وادیاں ہیں جن کے درختوں کے سائے بڑے گھنے اور ٹھنڈے ہیں۔ جن میں کھلنے والے پھول بڑے خوبصورت اور خوشبودار ہیں۔ اس کا ہر منظر بڑا دلکش اور دلربا ہے۔ بھلا دیکھیں تیری ہمت کو کہ تو کس طرح کانٹوں سے الجھتا ہوا، چٹانوں کو روندتا ہوا، پہاڑوں کو پھلانگتا ہوا اور ان جنت نظیر وادیوں، دلکش مناظر سے دامن بچاتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی راحت نے تجھے اپنی منزل سے غافل کر دیا یا کسی ہوشربا حادثہ کی وجہ سے تو دل برداشتہ ہو گیا تو تیرا نام اس منزل کے مسافروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہاں تو ایک لمحہ کی غفلت بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ منزل دور شد

اپنے مقبول بندوں کو سرفراز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔ جس میں ان گنت حکمتیں ہیں۔ اس منزل کا عزم کرنے سے پہلے طلب صادق کے ساتھ صبر و شکیب کی زاد اور امید کا نہ بجھنے والا چراغ ہاتھ میں لینا شرط اوّل ہے۔ یہ ہی اس کی سنت ہے اور اسی میں اس کی حکمت کی جلوہ طرازی ہے۔

انسان اپنے رب تعالیٰ سے مانگے تو کیا مانگے؟ اور مانگے تو کیسے مانگے؟

144 حضرت یوسف علیہ السلام صدیق علیہ السلام کی عالی ظرفی اور کریم النفسی کا نظارہ آپ کئی مقامات پر کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی اولوالعزمی سیرچشمی اور خدا طلبی کا جو ظہور یہاں ہو رہا ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں آپ کی ایک دعا کا ذکر ہے۔ جن نعمتوں سے آپ کو اب تک سرفراز کیا گیا۔ ان میں سے کوئی ایسی نعمت نہیں جو آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے طلب کی ہو، وہ سب انعامات و احسانات بے طلب اور بن مانگے عطا فرمائے گئے تھے۔ قرآن میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے مصر کے تاج و تخت کے لیے التجا کی ہو یا ان مراتب عالیہ کے لیے تمنا کی ہو کہ ان کے ماں باپ اور بھائی ان کو آکر سجدہ کریں۔ لیکن یہاں وہ پیکر تسلیم و رضا اپنا دامنِ طلب پھیلا رہا ہے دیکھنا چاہیے کہ جو آج تک بے طلب عنایات سے شادکام ہوتا رہا ہے وہ آج کس نعمت کے لیے زبان سوال کھول رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک اور امر توجہ طلب ہے کہ وہ مانگ کس شان سے رہا ہے۔ اس کے سوال کرنے کا انداز کیا ہے۔ آئیے آپ بھی یہ سیکھیے کہ انسان اپنے خداوند کریم سے مانگے تو کیا مانگے اور مانگے تو کیسے مانگے رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي سے دعا کا آغاز ہے۔ آپ ان احسانات اور انعامات کا اعتراف کر رہے ہیں جن سے آپ کو اب تک بہرہ ور کیا گیا ہے۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ سے اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا بیان ہے۔ انت ولی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو ہی میرا کارساز ہے۔ تیرے سوا میرا کوئی نہیں ایسی حمد و ثناء ایسی تمجید و تحمید اور ایسے اظہار بے بسی کے بعد مانگا تو کیا مانگا۔

تُوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ میرے مولیٰ اس دنیا سے جب میری روانگی کا وقت آئے تو میں اس حال میں یہاں سے روانہ ہوں کہ زبان تیری توحید کا اعتراف کر رہی ہو۔ دل تیری عظمت و کبریائی کے گیت گا رہا ہو۔ اور سر تیرے حضور میں جھکا ہوا ہو تیری نافرمانی کا کوئی داغ میرے دامن حیاۃ کو بدنما نہ کر رہا ہو۔ اس طرح یہاں سے میری روانگی ہو اور اس کے بعد اپنے صالح بندوں کے ساتھ مجھے ملا دے۔ مجھے ان کی سنگت اور رفاقت نصیب فرما۔

یہ ہے مرد حق اندیش کی منزل اس کے لیے وہ ساری عمر مصروف عمل رہتا ہے۔ اس کا سوز و ساز اس کا پیچ و تاب اسی کے لیے ہوتا ہے۔ اسی کی دھن میں وہ دن کو بے قرار اور رات کو بے چین رہتا ہے۔ اسی کی لگن میں وہ سب سے روٹھا رہتا ہے۔ اسی منزل کا پتہ بتانے کے لیے قرآن آیا۔ اسی منزل کی لگن پیدا کرنا اسلام کا مقصد وحید ہے۔ اور اسی منزل کی طرف لے جانے کے لیے رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللھم خذ بید عبدك والضعیف المسکین الذی لاحول له ولا قوة الابك وتوفه مسلمًا والحقه بسیّد

الصالحين وقائد الشهدا قدوة الصديقين امام النبيين والمرسلين سيدى وحبيبى وشفيعى محمد المبعوث رحمة للعالمين اللهم صل عليه من الصلوات طيبها والتسليمات اطهرها والتحيات ازكها وعلى اله واصحابه واولياء امته الى يوم الدين ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جب قصہ حضرت یوسف علیہ السلام یہود کو سنایا تو وہ ایمان لانے کی بجائے اپنے کفر پر ڈٹے رہے اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو کیا فرمایا اور آپ ﷺ نے یہود کو کیا دعوت دی؟

145 یہودیوں کے اکسانے پر مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی جب ان کی یہ خواہش پوری کردی گئی تو انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ اپنے کفر پر بضدر ہے۔ حضور کریم ﷺ کے قلب نازک کو تکلیف پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضور ﷺ نے یہودیوں کی خواہش کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سنایا تو یہودیوں کو چاہئے یہ تھا کہ آپ ﷺ پر ایمان لے آتے لیکن وہ اپنی ضد کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہے تو اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کیا فرمایا اور حضور ﷺ نے یہود کو کیا دعوت دی۔ اس کے لیے ضیاء القرآن، جلد 2، ص: 461 تا 465۔

146 کــاى مـن آيـة یعنی ان کفار کا اپنے کفر پر اڑے رہنا اس لیے نہیں کہ ان کے سامنے توحید کی کوئی روشن دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کی روشن دلیلیں تو زمین وآسمان میں بکھری پڑی ہیں۔ اور یہ ان دلیلوں کو دیکھتے بھی ہیں۔ لیکن دانستہ ان سے اعراض کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ کای: اصل میں ای تھا۔ کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو تنوین کو ظاہر کیا گیا تو کای ہو گیا۔ یہ یہاں کم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

147 یعنی ان کفار و مشرکین کی بھی عجیب حالت ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے۔ تمہارا خالق کون ہے کہتے ہیں اللہ۔ بارش کون برساتا ہے اور غلہ کون اگاتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس کے باوجود بتوں کو بھی الٰہ مانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے وہ کہتے: وَيَقُولُونَ اَءِنَّا لَتَارِكُوا الِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ۔ 36:37 وہ کہتے ہیں کیا ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ نیز حج کے موقعہ پر جو تلبیہ وہ کہا کرتے تھے اس سے بھی ان کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہا کرتے لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك الا شريكاً هو لك تملكه و ما ملك ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔

یا اس آیت میں مشرکین کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ مصائب میں گھر جاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے اور جب مصیبتیں ٹل جاتی تھیں تو پھر اس کا انکار کرتے تھے یا اس سے مراد ریاکار ہیں جو عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں لیکن دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں مجھے اچھا سمجھے۔ یہ بھی ایمان اور شرک کو یکجا کرنے کی ایک صورت ہے اور اہل حق نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر اسباب ظاہری کی طرف مائل ہوا اور مسبب حقیقی کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی تو یہ بھی شرک ہوا۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی: بل النظر الى الاسباب مع الغفلة عن المسبب ينافي التوحيد فالموحدون هم الصوفيه (مظہری) یعنی سچے موحد تو صوفیائے کرام ہیں کہ ان کی نظر کسی حالت میں بھی اسباب میں نہیں الجھتی بلکہ ہر وقت مسبب الاسباب پر جمی رہتی ہے۔

148 یعنی ان کا عذاب الٰہی سے یوں بے خوف ہو کر کفر و شرک اور فسق و فجور میں مشغول رہنا بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے۔ اگر اس بے خبری کے عالم میں ان پر عذاب الٰہی آ گیا یا قیامت قائم ہو گئی تو پھر ان کا کیا بنے گا۔ یہ کہاں سر چھپائیں گے۔

149۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہنا ہی میرا مقصدِ حیات ہے۔ میں تمہیں یہ دعوت علی وجه البصیرت دے رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی صداقت کے روشن دلائل ہیں۔ اور مجھے اس کی حقانیت پر محکم یقین ہے۔ اور یہی حال ان لوگوں کے ایمان و یقین کا ہے جنھوں نے سچے دل سے میری پیروی اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ھذہ کا مشار الیہ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت سبیلی سے مراد سنتی و منهاجی اور بصیرت سے مراد وہ واضح دلائل اور قوی براہین ہیں جن کے بعد کوئی اندھیرا نہیں رہتا۔ من اتبعنی۔ میں قیامت تک اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے لوگ ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا مقام ان سب میں اعلیٰ و برتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ من اتبعنی سے مراد صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں۔ یعنی اصحاب محمد كانوا على احسن طريقة و اقصد هداية معدن العلم و كنز الايمان و جند الرحمان یعنی اس سے مراد حضور کریم کے صحابۂ کرام ہیں۔ انہی کا طریقہ سب سے بہتر اور انہی کی ہدایت سب سے عمدہ تھی۔ وہ علم کی کان، ایمان کا خزانہ اور رحمان کا لشکر تھے۔

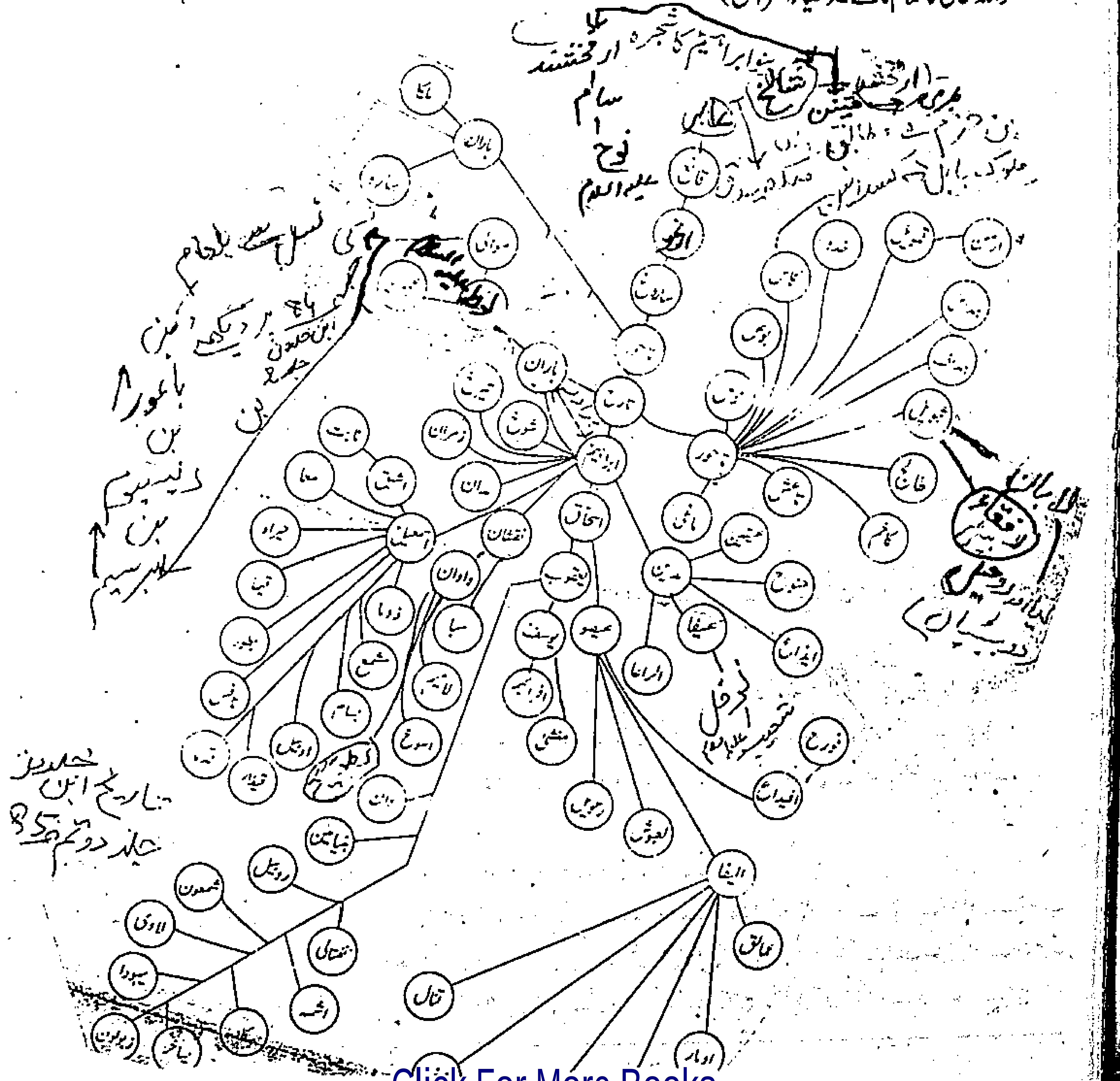
150۔ کفار اپنی اس غلط فہمی کا بار بار اظہار کر چکے تھے کہ انسان اس قابل نہیں کہ وہ مرتبہ نبوت پر فائز ہو سکے۔ اس کے لیے تو کوئی فرشتہ ہونا چاہئے جو بشری کمزوریوں سے مبرا ہو۔ ان کے اس وسوسہ کا پھر رد فرما دیا کہ ہماری سنت یہی ہے کہ ہم انسانوں کی طرف انسان ہی نبی بنا کے بھیجتے ہیں تاکہ افادہ اور استفادہ صحیح طور پر ہو سکے۔

151۔ اس آیت میں انہیں ان برباد شدہ کھنڈروں پر نگاہِ عبرت ڈالنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جن کے پاس سے ان کا گزر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔

152۔ آیت کا یہ حصہ بڑا غور طلب ہے رسولوں کے مایوس ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ظنوا کا فاعل کون ہیں؟ انھم کا مرجع کون ہے؟ قد کذبوا کا نائب فاعل کون ہے؟ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اس کی صداقت پر دلائل و براہین پیش کئے اور طرح طرح کے معجزات بھی دکھائے اور دعوت و ارشاد کا یہ سلسلہ سال دو سال تک نہیں بلکہ عرصہ دراز تک جاری رہا تب بھی ان کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں نہ ہوئی تو انبیاء کرام علیہم السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ ظنوا کا فاعل بعض لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو بنایا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ انبیاء نے یہ ظن کیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت اور کفار پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہیں کیا گیا۔ لیکن اس طرح کا ظن انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف منسوب کرنا درست نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے ظن کے معنی میں تاویل کی اور کہا کہ اس سے مراد محض وہم و خیال ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی یہ کہا کہ اس ظن کی وجہ ان کا اجتہاد تھا لیکن صاف بات یہ ہے کہ ظنوا کا فاعل کفار ہیں۔ کفار نے یہ گمان کیا کہ یہ رسول جو ہمیں ہر روز عذاب کے نزول سے ڈراتے تھے وہ عذاب کہاں ہے ہم نے تو ان کی دعوت کو ٹھکرانے میں اور انہیں اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی اور اگر وہ عذاب آنا ہوتا تو اب تک آ گیا ہوتا۔ عذاب کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ہم سے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا جس نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ان پر عذاب اتاروں گا۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے (مظہری) علامہ آلوسی نے طویل بحث کے بعد آخر کار اسی قول کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں: وانت تعلم ان الاوفق بتعظيم الرسل عليهم السلام بل ابعد عن الحوم حول حمٰى مالا يليق بهم القول بنسبة الظن الى غيرهم کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ظن کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نہ کی جائے بلکہ غیروں کی طرف کی جائے۔ اب اگر معنی یہ کیا جائے کہ کفار نے یہ خیال کیا کہ ان سے غلط بیانی کی گئی ہے تو اس صورت میں ھم کا مرجع اور کذبوا کا فاعل کفار ہی ہوں گے اور اگر یہ معنی کیا جائے کہ کفار نے یہ گمان کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے نزول عذاب کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے یعنی وہ پورا نہیں کیا گیا تو اس وقت ھم کا مرجع اور کذبوا کا نائب فاعل انبیاء ہوں گے۔

153 یعنی حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بھائیوں، ان کے والدین، اہلِ مصر اور دیگر لوگ جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے ان کے واقعات میں ارباب عقل ودانش کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

154 اس قصہ کے بیان کے بعد کفار کے اس قول کی تردید کردی کہ یہ کلام حضور ﷺ خود گھڑ کر پیش کرتے ہیں فرمایا کہ تم خود سوچو ایک امی جو لکھتا نہیں پڑھتا نہیں۔ کسی صاحب علم کے پاس اس کی نشست وبرخاست نہیں ہے۔ وہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر کیونکر اس عمدگی سے پیش کرسکتا ہے۔ یقیناً یہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب سے تو ان آسمانی صحیفوں کی تصدیق ہوتی ہے جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل کیے گئے تھے۔ نیز ان کتب میں طرح طرح کے تغیر وتبدل اور تحریف کے پائے جانے سے ان واقعات میں جو الجھنیں اور جو خفا پیدا ہو گئے تھے، ان کو یہ کھول کر بیان کرتی ہے۔ نیز یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے۔ (ضیاء القرآن)



باب ششم

حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات وواقعات

آپ علیہ السلام کا شجرہ نسب:

ضیاء القرآن، جلد دوئم، صفحہ 54 پر صرف اتنا تحریر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد سے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام بن نویب بن مدین بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام (تذکرۃ الانبیاء، ص:445) تاریخ ابن خلدون، جلد 2، اردو ترجمہ 83 پر اس طرح ہے:

''حضرت شعیب بن نویل بن رعویل بن عیا بن مدین بن سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی صفحہ پر اس سے آگے علامہ سہیلی کا بیان اس طرح ہے کہ یہ اہل مدین محضر بن جندل بن یعصب بن مدین کی اولاد سے ہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام ان کے نسبی بھائی ہیں۔''

وفیہ نظر ابن صبیب کتاب البدء کا بیان اسی صفحہ پر یوں تحریر ہے:

''حضرت شعیب علیہ السلام کو نویب بن اعزم بن مدین کا لڑکا ہے جبکہ سہیلی انہیں ابن عیفا تحریر کرتا ہے اور اسی کتاب ابن خلدون جلد دوئم کے صفحہ 714 پر بھی یونہی تحریر ہے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام بن نوفل بن عیفا بن مدین نبی تھے اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ ان ہی کی ایک لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ لیکن طبری کہتا ہے کہ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح اپنی لڑکی سے کیا تھا وہ دعویل تھے جو مدین کے عالم تھے۔ ان کا اصل نام ہیتر تھا۔''

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کے سردار تھے۔

(تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، ص:114)

ابن خلدون، جلد دوئم، صفحہ 83 پر یہ بھی تحریر ہے: مدین بن ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی لڑکی سے نکاح کیا۔ اس کے بطن سے پانچ لڑکے عیفا، عیص، حنوخ اور ایندراع ادوالزاعا تھے۔ ان کی نسل میں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ (واللہ اعلم)

حضرت شعیب علیہ السلام کس قوم کی طرف معبوث کیے گئے اس قوم میں کیا خرابیاں تھیں، آپ علیہ السلام نے ان کو کیا تبلیغ کی اور آپ علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کرام علیہم السلام کیوں کہتے ہیں

ترجمہ: ''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف (109) ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر (110) بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے ربّ تعالیٰ کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو (111) زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہوا۔''

(سورۃ اعراف آیت نمبر ۸۵ ترجمہ وتفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم) سے بیان کی جاتی ہے۔

109۔ اس رکوع میں حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ مدین ایک شہر کا نام تھا جو بحرِ احمر کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق کی طرف آباد تھا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم رہائش پذیر تھی۔ اصل میں مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو آپ کی اہلیہ محترمہ قطورا کے بطن سے تھے۔ اور یہ قوم ان کی نسل سے تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنی بستی کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر رکھا

تھا۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ اور ان کی بستیاں وہاں تھیں جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو مشہور تجارتی شاہراہیں (یعنی یمن سے شام اور عراق سے مصر جانے والی شاہراہیں) آکر ملتی تھیں۔ اس لیے ان کی حیثیت ایک مشہور تجارتی منڈی کی تھی جہاں آنے جانے والے تجارتی قافلے اپنا سامان بیچتے بھی تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے بھی تھے۔ اس لیے اہلِ مدین معاشی لحاظ سے بڑے خوشحال تھے۔

110 حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کے حسن استدلال اور فصیحانہ اندازِ کلام کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام کے تبلیغی وعظوں کا خلاصہ جو قرآن نے ہمیں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی قوم دو خرابیوں میں مبتلا تھی اور آپ علیہ السلام نے انہیں کی اصلاح کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آپ علیہ السلام کی قوم کا سلسلہ نسب موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا تھا لیکن مرورِ وقت اور دوسری مشرک قوموں سے میل جول کے باعث وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے سب سے پہلے انہیں یہ سمجھایا کہ خدا عزوجل ایک ہی ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس کے بغیر کسی اور کی پرستش کرنا سخت نادانی ہے اور دوسری خرابی جو ان میں جڑ پکڑ چکی تھی یہ تھی کہ وہ ایک تاجر پیشہ قوم ہونے کے باعث لین دین میں دھوکہ وفریب سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ دولت کماؤ بن کر رہ گیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بڑی سے بڑی بے ایمانی اور فریب کاری کو جائز سمجھتے تھے۔ کم تولنا، کم ناپنا نیز دوسرے لوگوں سے کوئی چیز خریدتے وقت ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر اس کی قیمت کم دینا ان کے نزدیک ہرگز معیوب نہ تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس سے بھی ان کو روکا۔

111 آخر میں اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے توحید کی جگہ شرک اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی یا تجارتی اصولوں کو اپنی ذاتی منفعت کے لیے پامال کیا تو امن وہدایت کی پرسکون فضاء میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

سیّدنا حضرت شعیب علیہ السلام دو ہیں۔ ایک یقطن بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن سیّدنا نوح علیہ السلام کی اولاد سے اور دوسرے قالح یا قالغ بن عابر کی ثانی اولاد سے ہیں۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے سیّدنا حضرت شعیب علیہ السلام بن نوفل بن عیفا بن مدین بن سیّدنا ابراہیم علیہ السلام

(بحوالہ تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، ص:55، 69 اور 85)

حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانے والوں کو مدین کے بااثر لوگ کیا کہتے جس کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے مدین والوں پر عذاب بھیجا

(سورۂ اعراف آیت نمبر ۸۶ تا ۹۳ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے)

ترجمہ: ''مت بیٹھا کرو 112 راستوں پر کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے ہو تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔ اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا 113 اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کہ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہنے لگے وہ سردار جو غرور تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب علیہ السلام) کی قوم سے 114 یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب علیہ السلام! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ شعیب نے فرمایا اگرچہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں 115 پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوگ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لیے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا 116 گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے صرف اللہ عزوجل پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ 117 اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب علیہ السلام کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے 118 پھر پکڑ لیا انہیں

زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو (وہ یوں نابود کر دیئے گئے) گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں 119 جنہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے 120 تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم! بے شک میں نے پہنچا دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب تعالیٰ کے اور میں نے نصیحت کی تھی۔''

112۔ وہ لوگ ان راستوں پر بیٹھ جاتے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قیام گاہ کی طرف جاتے اور جب انہیں کوئی شخص ادھر جاتا ہوا ملتا تو اس کے سامنے حضرت شعیب علیہ السلام کی مذمت کرتے اور آپ علیہ السلام کے عقائد کو اس طرح پیش کرتے کہ یہ معلوم ہونے لگے کہ یہ عقائد سراسر باطل ہیں۔ اور ان کے اس پروپیگنڈے کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ عزوجل کا بندہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے پر بضد ہوتا تو پھر ڈنڈے کے زور سے اسے روکتے۔ ان کے اس طرزِ عمل پر ان کی سرزنش کی جا رہی ہے کہ ایسا کرنا چھوڑ دو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

113۔ یعنی تمہارے گرد و پیش بے شمار ایسے کھنڈرات موجود ہیں جو ان قوموں کا مسکن تھے۔ جو اپنے زمانہ میں قوت و شوکت، علم و صنعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ انہیں اپنے تمدن و طرزِ معاشرت پر ناز تھا۔ لیکن جب وہ نافرمانی کی راہ پر چل نکلیں تو پیس کر رکھ دی گئیں۔ تم ان کے دردناک انجام سے آنکھیں کیوں بند کیے ہوئے ہو۔

114۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ سرتاپا حقیقت تھا۔ اس میں صداقت کا نور چمک رہا تھا۔ ہر لفظ اخلاص و شفقت کا آئینہ تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ علیہ السلام کا وعظ سننے کے بعد ان کے دل نرم ہو جاتے اور ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی دور ہو جاتی۔ لیکن وہاں تو مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے دل کا آئینہ زنگ آلود ہو چکا تھا۔ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ شائستہ انداز میں گفتگو کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے فوراً جبر و تشدد پر اتر آئے۔ اور باطل کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے۔ دلیل و برہان کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ حق کو اپنی قوت سے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی ادب و تہذیب کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر آپ کو دھمکی دینی شروع کر دی کہ اے شعیب علیہ السلام! اگر تم اور تمہارے چیلے ہمارے مذہب میں لوٹ نہ آئے تو تمہارا بوریا بستر اٹھا کر شہر سے باہر پھینک دیا جائے گا اور تمہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

115۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے قوم! اگر ہم خوشی سے ان فکری اور عملی پستیوں میں جہاں تم نے اپنے آپ کو پھینک دیا ہے کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کیا تم ہمیں پھر بھی مجبور کرو گے کہ ہم اپنے آپ کو ہدایت کے مقام بلند سے ضلالت کے گڑھے میں ڈال دیں۔ ہمیں اتنا بے وقوف مت سمجھو کہ توحید کی شراب طہور پی لینے کے بعد ہم پھر کفر و شرک کے گندے اور غلیظ جوہڑ کی طرف آئیں گے اور انسانی شرف و فضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی لالچ میں آ کر ان سے روگردانی اختیار کر لیں گے۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ ہماری رسائی اسلام کے چشمۂ صافی تک ہو گئی ہے۔

116۔ پہلے اپنا پختہ ارادہ اور عزم بتایا کہ ہم راہ راست کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہیں لیکن اس میں خودی کی کچھ بو آ رہی تھی اس لیے فوراً اپنے عزم و ارادہ کی بے بسی کا اعتراف کیا اور ہر چیز اپنے مولائے حقیقی کے حوالہ کر دی۔ یعنی ہمارا ہدایت پر ثابت قدم رہنا اسی وقت تک ہے جب تک اس کی نظرِ کرم اور توفیق ہمارے شاملِ حال ہے۔ ورنہ ہماری سمجھ، نیکی اور تقویٰ کسی کام نہیں آ سکتے۔ سبحان اللہ! کیا مقام ہے پیغمبر علیہ السلام کا۔ بارگاہِ ربانی میں اتنی عزت و توقیر کے باوجود دل ہر لحہ اپنے مالک کی بے نیازی سے لرزاں و ترساں ہے۔ مومن کی کیفیت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ اپنی ہر نیکی کو اپنے ربّ عزوجل کا فضل تصور کرے اور اپنے علم، عمل اور تقویٰ پر ذرا گھمنڈ نہ کرے اور ہر لغزش سے اس کی پناہ مانگتا رہے۔

117۔ یہاں افتح کا معنی ہے احکم یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ احکم بیننا و بینهم والفتاح القاضی و الفتاحة الحکومة۔ (بیضاوی)

118 مدین کے رئیسوں نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کو اثر انداز ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اپنی قوم کو معاشی بدحالی سے خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں بتایا کہ اگر تم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات مان لی اور کم تولنا، کم ناپنا وغیرہ، ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا تو سن لو یہ دولت وثروت کی فراوانی، تجارت کی گہما گہمی اور معاشی فارغ البالی سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ پھر تم ہو گے اور تمہاری فاقہ مستیاں! اس روکھے پھیکے تقدس کو پھر بیٹھے چاٹتے رہنا۔ بیمار ذہن کچھ ایسا ہی سوچا کرتا ہے۔ اصولوں کی پابندی میں اسے اپنی ناکامی، راہ راست پر چلنے میں اپنی ہلاکت کے خدشات اور دینِ حق پر ایمان لانے میں اسے بہت خطرات دکھائی دینے لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ نبی ایسے ہی بیمار ذہنوں کے علاج کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

119 لفظ غنی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: غنيت بالمكان اذا اقمت به وغنى القوم فى دارهم اى طال مقامهم فيها والمغنى المنزل والجمع المغانى۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ غنی کا معنی ہے کسی جگہ مدت دراز تک اقامت گزیں رہنا اور رہائش گاہ کو مغنی کہتے ہیں اور اس کی جمع مغانی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مسلسل نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان پر عذاب الٰہی آیا تو وہ ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے۔ اور ان کے شاندار محلات اور کشادہ حویلیوں میں الو بولنے لگے۔ جہاں زندگی اپنے تمام نخروں سمیت محوِ خرام تھی وہاں خاک اڑنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آباد ہوا ہی نہیں۔

120 یعنی وہ تو اس خوف کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے تھے کہ اگر انہوں نے ان کی شریعت پر عمل شروع کر دیا تو وہ مفلوک الحال اور کنگال ہو جائیں گے اور ان کی معاشی بدحالی کا آغاز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ سب اندیشے غلط ثابت ہوئے اور نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی کے دامن رحمت میں پناہ لی وہ تو دین و دنیا میں کامیاب ہو گئے اور جنہوں نے آپ علیہ السلام کی نافرمانی کی ان کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ وہ لوگ جو محض نام نہاد اور بے بنیاد اقتصادی زبوں حالی کے خوف سے شریعت اسلامیہ کے واضح احکام میں ردوبدل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اہل مدین کے حالات کا بغور مطالعہ کریں ان پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں صرف عقبیٰ کی نجات ہی نہیں بلکہ دنیا کی خوشحالی بھی مضمر ہے۔ اور ان سے سرتابی کرنے والے صرف اپنی قیامت ہی خراب نہیں کرتے بلکہ اپنے ہاتھوں اپنی اس زندگی کو بھی تمام حقیقی خوشیوں اور راحتوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ (ضیاء القرآن جلد دوئم)

یہ بیان جواب تک کئی قرآن کے رکوعوں میں پھیلا ہوا ہے اس سے مدعا صرف داستان سرائی اور قصہ گوئی نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جھنجھوڑنا ہے تا کہ وہ پہلی قوموں کے حالات معلوم کر کے سیدھے راستے پر چلیں۔

(سورۂ اعراف آیت نمبر ۹۳ تا ۱۰۱ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

”تو (اب) کیونکر غم کروں میں 121 کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں 122 کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تا کہ وہ گڑگڑانے لگیں پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت 123 حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی 124 ہمارے باپ دادا کو (کبھی) تکلیف اور (کبھی) راحت تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اور اس کا انہیں خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اور اگر بستیوں والے 125 ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں 126 یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جب کہ وہ کھیل کود رہے ہوں تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے 127 پس نہیں بے

خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے 128۔ سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے۔کیا یہ (حقیقت) واضح نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں (کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو سزا دیں انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تاکہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے 129۔ ان کی کچھ خبریں اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول علیہم السلام روشن دلیلوں کے ساتھ۔اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے۔"

تفسیر 121۔ یہ بیان جو متعدد رکوعوں میں پھیلا ہوا ہے۔اس سے مدعا صرف داستان سرائی اور قصہ گوئی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی امت کو جھنجوڑنا ہے۔ان کے سامنے ان قوموں کا حال بیان کیا جن سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔جن کے کھنڈرات ان کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہوں کے ارد گرد واقع تھے جن کی خوشحالی، بالادستی، غلبہ واقتدار کی بڑی شہرت تھی اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی کے باعث ان کی تباہی و بربادی کے دلخراش واقعات سب کو معلوم تھے یہ بتا کر انہیں آگاہ کیا کہ میرا حبیب اور میرا مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی انہیں تعلیمات کو کامل اور مکمل صورت میں تمہارے پاس لے آیا ہے جو پہلے نبیوں علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانہ میں ان کی عقلی بیداری کے مطابق انہیں دیں۔اگر تم نے بھی انکار اور عناد کی روش اختیار کی تو یاد رکھو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلے منکرین کا ہوتا آیا ہے۔دونوں جہان کی سعادت اور سلامتی مطلوب ہے تو میرے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اس کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لو۔

122۔ یہاں من نبی کے بعد فکذبوہ مضمر ہے فیہ اضمار (یعنی فکذبوہ (مظہر) پہلے خاص خاص قوموں کے حالات بیان کئے۔اب ایک قاعدہ کلیہ بتایا جا رہا ہے جس کے ماتحت سب قوموں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے یعنی جب کبھی کسی بستی میں نبی مبعوث کیا گیا اور وہاں کے رہنے والوں نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو فوراً ہی انہیں تباہ و برباد نہیں کر دیا جاتا بلکہ اگر نبی کی تعلیم کی صداقت، اس کی دلکش سیرت اور دوسرے روشن معجزات اس کی قوم کو ان کی ہٹ دھرمی سے باز نہیں رکھ سکتے تو پھر انہیں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ غرور کا نشہ اترے۔انہیں اپنے اور اپنے احباب کے مادی وسائل کی نارسائی کا یقین ہو جائے اور ان پر ان کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تاکہ وہ باطل کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر کے حق کے ظلِ رحمت میں آ جائیں۔لعلھم یضرعون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکلیفیں انسان کو خواب غفلت سے چونکا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

123۔ لیکن اگر یہ طریقہ بھی موثر ثابت نہ ہو تو پھر ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔اولاد، مال، عزت، وقار اور ہر قسم کی آسائشیں انہیں مہیا کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنے محسن حقیقی کو پہچان کر اس کی نافرمانی سے باز آ جائیں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کر لیں لیکن اگر وہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی بیدار نہ ہوئے اور نعمت و احسان کی فراوانی کے باوجود بھی ان کے دلوں میں اپنے مہربان اور کریم پروردگار کے لیے شکر گزاری کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تو پھر ان کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔وہ جسم کے ایسے بیمار عضو کی طرح ہیں جس کا کاٹ دینا باقی جسم کی عافیت کے لیے ازبس ضروری ہے۔علامہ قرطبی لفظ عفو کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اضداد سے ہے۔اس کا معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہے اور مٹ جانا بھی۔یہاں پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عفوا کا معنی کثروا کیا ہے وعفا: من الاضداد۔ عفا: کثر وعفا: درس و قال ابن زید: کثرت اموالھم واولادھم۔(قرطبی)

124۔ بجائے اس کے کہ وہ ان مصائب اور تکالیف سے عبرت حاصل کرتے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے وہ یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دے دیتے کہ یہ ژالہ باری جس نے ہمارے کھیتوں اور باغوں کا ستیاناس کر دیا ہے، یہ قحط جس نے زمین سے روئیدگی کی ساری قوت چھین لی ہے۔یہ زلزلہ جس کے ہوش ربا جھٹکوں نے ہماری بارونق اور آباد بستیوں کو زیروزبر اور فلک بوس عمارتوں کو پیوند زمین کر دیا ہے۔یہ جنگ جس کی ہلاکت خیزیوں نے قیامت برپا کر دی ہے۔یہ ہماری کسی اخلاقی کمزوری یا کاروباری بددیانتی اور غریبوں پر ظلم و تعدی کی سزا نہیں بلکہ پہلے بھی اکثر یوں ہوتا رہا ہے موسمی تغیرات یا سیاسی حالات کی وجہ سے یہ حادثات رونما ہو گئے ہیں۔ان گزری ہوئی قوموں کو ہم رہنے

دیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنا محاسبہ کریں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد کون سی ایسی مصیبت ہے جس سے ہم دو چار نہیں ہوئے۔ سیلابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دریا اپنی قہر آلود موجوں سے ہمارے ہزار ہا گاؤں کو بہا لے جاتے ہیں۔ سینکڑوں بڑے بڑے شہروں کی بنیادیں لرز اٹھتی ہیں۔ جان و مال کے نقصانات کا اندازہ کروڑوں روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا ہم اس سے کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں؟ کسی اپنی اخلاقی کمزوری سے تائب ہوتے ہیں؟ کسی قومی غداری سے دست کش ہوتے ہیں؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اس سال مون سون کی ہوائیں بڑے زوروشور سے اٹھیں اور پہاڑوں سے آ کر ٹکرائیں اور متواتر کئی دنوں تک موسلا دھار بارش برستی رہی جس کی وجہ سے یہ طغیانی آ گئی اور فلاں فلاں گاؤں اور شہر غرقاب ہو گئے۔ پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لیے رقص و سرود کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں جہاں ننگے اور فحش گانے ہوتے ہیں اور ان ذلیل حرکات سے جو رقم اکٹھی ہوتی ہے وہ بھی اکثر و بیشتر امدادی پروگرام کے منتظموں کی جیب سے یوں چٹ کر رہ جاتی ہے کہ باہر نکلنے کا نام نہیں لیتی۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت جس نگاہ سے ان حادثات کو دیکھتی ہے اور پھر اس کے لیے جو علاج تجویز کرتی ہے ان تباہ ہونے والی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اسی کو قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اور بیان کا مقصد یہ نہیں کہ ہم گزشتہ اقوام کی کج فہمیوں پر طنزیہ قہقہے لگا دیں یا رسمی طور پر اظہار افسوس کر دیں۔ بلکہ مقصدِ وحید یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس دردناک انجام سے بچائیں جس سے سابقہ قوموں کو اپنی سرکشیوں کے باعث دوچار ہونا پڑا تھا۔

12 یعنی ایمان اور تقویٰ کسی قوم کی ترقی کے راستہ میں حائل نہیں ہوتے جیسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے باعث تو رحمتِ الٰہی کا دریا جوش میں آ جاتا ہے اور ہر جانب سے خیر و برکت کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ زمین اپنے شکم میں پوشیدہ خزانوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں اور برکتوں کو بے دریغ نچھاور کر دیتا ہے۔ ای لو سعنا علیھم الخیر من کل جانب و داومناه لھم وقیل برکات السماء المطر و برکات الارض النبات والزرع (مظہری) ترجمہ: ہم ہر طرف سے ان پر خیر و برکت کی فراوانی کر دیتے اور جو نعمتیں انہیں بخشی ہیں وہ ہمیشہ برقرار رہتیں۔ برکات آسمان سے مراد بارش ہے۔ اور برکاتِ زمین سے مراد زراعت و نباتات ہے۔

126 اے مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد بسنے والو! پہلے نبیوں کو جھٹلانے والی قوموں کا یہ انجام ہوا۔ اگر تم میرے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل کر دیا جائے گا اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی۔ والمراد بالقریٰ مکۃ وماحولھا۔ (قرطبی)

127 ان کے مکر و فریب کی انہیں جو سزا دی جانے والی تھی اسے مکر اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور یہ استعمال عام ہے جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ ای عذابہ وجزاؤہ علی مکرھم (قرطبی) اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں: ومکر اللہ استعارۃ لاستدراج العبد واخذہ من حیث لایحتسب (بیضاوی)

128 ھدی یھدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کا معنی "ظاہر ہونا واضح ہونا" ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عدی الھدایۃ باللام لانہ بمعنی یبین (بیضاوی) یعنی مشرکین مکہ بڑے کم فہم ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ سے یہ اتنی عبرت بھی حاصل نہیں کرتے کہ نافرمانی کے باعث ان کا کتنا برا انجام ہوا۔ اور جس مالک و قادر نے ان قوموں کو ان کے کرتوتوں پر سزا دی۔ اس کی قوت و طاقت سلب نہیں ہو گئی۔ وہ آج انہیں بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

129 ان گاؤں سے حضرات نوح، لوط، ہود، شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں مراد ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دوسری بستی ایکہ کے حالات بیان کیے جاتے ہیں (اس کے لئے ضیاء القرآن جلد سوئم سے سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۱۷۶ تا ۱۹۱ کا ترجمہ اور تفسیر بیان کی جاتی ہے)

حضرت شعیب علیہ السلام دو بستیوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے ایک مدین جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے دوسری ایکہ (جس کی طرف مبعوث کیے گئے) کے حالات اب بیان کیے جائیں گے۔ اس کے لیے ضیاء القرآن، جلد سوئم، ص: 413 تا 415 ملاحظہ فرمائیں

ترجمہ: ''جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں 91 جب فرمایا انہیں حضرت شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا: تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو۔ انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے 92 اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند 93 اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا 94 اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا ربّ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا حضرت شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے 95 بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور یقیناً آپ کا ربّ ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور بلاشبہ یہ کتاب ربّ العالمین کی اتاری ہوئی ہے 96 اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبرئیل علیہ السلام) 97 آپ کے قلب (منیر) پر 98 تا کہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔''

تفسیر 91 سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام، آپ کے مواعظ، آپ کی قوم میں جڑ پکڑنے والے باطل عقائد اور اخلاقی خرابیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ یہاں بھی آپ علیہ السلام کے مواعظ کا وہی انداز ہے اور اپنے مخاطبین کو انہی خرابیوں سے باز آنے کی پرزور اور مخلصانہ تلقین فرما رہے ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے دونوں کی ہدایت کے لیے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو مقرر فرمایا گیا۔ نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔ الایك الشجر الكثير الملتف الواحدة يكه نهى الغيضة۔ وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں ایکہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقہ میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لیے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا لیکن جنہوں نے لیکہ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لیکہ ایک بستی کا نام تھا۔ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ایکہ اور لیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام تھے جس طرح مکہ مکرمہ اور بکہ۔ (قرطبی)

جبلة قال مجاهد هى الخليفة یعنی اس ربّ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔

92 ان کی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا۔ وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر ان سے باز آ جاتے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے ہی انکار کر دیا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔ الٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جبھی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گہما گہمی یا دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا۔ جو اس کی

اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔اے حضرت شعیب علیہ السلام یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا۔ پہلے اپنا علاج کراء، پھر آ کر ہمیں نصیحت کرنا۔

وہی پرانا اعتراض۔

جب آپ علیہ السلام نے زیادہ اصرار کیا ہوگا کہ ان دھوکا بازیوں سے باز آ جاؤ تو انہوں نے سیخ پا ہو کر اور شرم وحیا کی چادر اتار کر کہہ دیا کہ لو ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔

ان پر جو عذاب اترا اس کی صحیح کیفیت کیا تھی اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا اس لیے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔البتہ ظلہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان پر کوئی ایسا عذاب نازل کیا گیا جس نے چھتری یا سائبان کی طرح ان پر سایہ کر لیا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے تباہ د برباد کردیے گئے۔

سورۃ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ کفار قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت دکھ پہنچتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مطمئن فرمانے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان فرمائے۔اب پھر سلسلۂ کلام کفار کے انہی اعتراضات کی طرف لوٹتا ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا وضع کردہ نہیں بلکہ اسے اس خدا نے اتارا ہے جو رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت جس نے انسان کی جسمانی ضروریات کو بہم پہنچایا، اس کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ اس کی روحانی ترقی کے لیے کوئی انتظام نہ فرماتا۔ چنانچہ انسان کے اسی روحانی پہلو کو معراج کمال تک پہنچانے کے لیے یہ کتاب مقدس نازل فرمائی۔

اور جس فرشتہ کے ذریعہ یہ کتاب نازل ہوئی وہ روح الامین ہے۔یعنی وہ سراپا روحانیت بھی ہے اور امین بھی ہے نہ اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ کردی ہو اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ جو چیز اس کی امانت وحفاظت میں دی گئی ہے کوئی اس میں ادنیٰ سا ردوبدل بھی کر سکے۔مقام کی نزاکت کے پیش نظر یہاں جبرائیل علیہ السلام، یعنی علم کی جگہ اس کی دو عظیم صفتیں بیان کی گئیں۔

اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منور پر ہوا اور جو چیز دل میں اترتی ہے اس میں نہ کسی کی بیشی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا شجرہ نسب

شجرۂ نسب: حضرت ایوب بن اموص بن زراح بن عیص بن سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام ابن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ابن عساکر سے مروی ہے، آپ علیہ السلام کی والدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور آپ علیہ السلام کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے۔اس بناء پر کہا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد ہوئے ابن خیثمہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ہوئے۔

ابن سعد کلبی سے روایت کرتے ہیں کہ اول ادریس پھر نوح پھر ابراہیم پھر اسمٰعیل پھر اسحاق پھر حضرت یعقوب پھر حضرت یوسف پھر لوط پھر ہود پھر صالح پھر شعیب پھر حضرت موسیٰ پھر ہارون پھر الیاس پھر یسع پھر یونس پھر ایوب (علیہم السلام)۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل سے تھے اور آپ علیہ السلام کے نسب میں صرف اتنا محقق ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام کے والد گرامی کا نام اموص ہے۔(بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد چہارم، ص:288) ''واللہ اعلم''۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانہ نبوت کے متعلق راقم الحروف کی رائے:

چونکہ آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بھائی عیص کے پڑپوتے ہیں۔(ابن خلدون) اور ابن عساکر کی روایت میں آپ علیہ السلام کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی حران کے بیٹے تھے۔(ابن خلدون) اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پوتی رحمتہ بنت افرائیم آپ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔صاحب معالم اور صاحب تفسیر الحسنات کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام رومی تھے اور آپ علیہ السلام کے والد کا نام

اموص تھا۔حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔اور صاحب انوار التنزیل بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔

(تفسیر کبیر،بحوالہ تذکرۃ الانبیاء،ص:325)

مندرجہ بالا وجوہات کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا زمانہ نبوت حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ان وجوہات کی بنا پر ابن سعد کی روایت جو کلبی سے روایت کرتے ہیں وہ صحیح معلوم نہیں ہوتی۔(واللہ اعلم)

حلیہ مبارک:

بال گھنگریالے،آنکھیں موٹی،خوبصورت شکل وصورت،گردن چھوٹی،سینہ چوڑا،پنڈلیاں اور کلائیاں موٹی اور قد لمبا۔

(روح المعانی،جلد 9،حصہ دوئم،ص:80،بحوالہ تذکرۃ الانبیاء،ص:325)

اوصاف:

مسکینوں پر رحم کرتے،یتیموں کی کفالت کرتے،بیوہ عورتوں کی امداد کرتے،مہمانوں کے ساتھ عزت وتکریم اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

حالات وواقعات:

سورۃ الانبیاء،آیت نمبر 83 تا 85 کا اردو ترجمہ کنز الایمان سے:

''اور ایوب کو یاد کرو۔جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب مہر والوں میں سب سے بڑھ کر مہر والا ہے تو ہم نے اس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کردی جو تکلیف اسے تھی۔اور ہم نے اسے اس کے گھر والے ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے اپنے پاس سے''(کنز الایمان)

اس میں اس امر کو دکھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاکباز بندوں کو ابتلاء ومصائب سے آزما کر عوام کو دکھاتا ہے کہ یہ وہ مقربین خاص محبین ذی اختصاص ہیں کہ ہر بلا ومصیبت پر شکر واطاعت سے ان کے قدم متزلزل نہیں ہوتے۔

آپ علیہ السلام ایسے راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے کہ مال واسباب تباہ ہوا فقیر ہوگئے تو بھی شکر گزار رہے۔تمام اولاد بیٹے بیٹیاں اچانک مکان کی چھت کے نیچے دب کر انتقال کر گئے تو بھی سجدہ شکر ادا کرتے رہے۔

پھر خود پر شیطان نے کرموں کی شکل میں تسلط کیا تو بھی شکر ہی کرتے رہے۔قوم نے فیصلہ دیا کہ یہ نبی نہیں ہیں اگر نبی ہوتے تو یہ مرض لاحق نہ ہوتی۔بستی سے نکال دیا تب بھی شکر ہی ادا کیا۔جنگل میں ایک جھونپڑی میں رہ کر بھی شکر ہی ادا کیا۔

اس واقعہ کو بائیبل کی کتاب ایوب میں بیان کیا گیا ہے اور اسلامی روایات سے بیان کیا گیا ہے کہ

شیطان لعین نے بارحق تعالیٰ میں عرض کیا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرً جو فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے انہیں تمام نعمتوں سے نوازا ہے پھر شکر گزار کیوں نہ ہو۔بات تو جب ہے جب ان پر مصائب وآلام لائیں اور پھر شکر گزار رہیں اور صرف شکایت زبان پر نہ لائے تو میں مان لوں گا کہ بے شکوہ عبد الشکور ہے اس ذات بے نیاز نے اس شیطان لعین کو اختیار دیا کہ میرے اس شاکر وصابر کے امتحان دلانے کے لیے تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلے۔دیکھ میرا بندہ جو صابر ہے وہ صابر ہی رہے گا۔

آپ علیہ السلام کے صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔اس لعین نے ان پر اچانک چھت گرادی اور وہ سب شہید ہوگئے۔آپ علیہ السلام کی ملکیت میں سات ہزار بھیڑیں،تین ہزار اونٹ،پانچ سو جوڑی بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔

ایک روز ایسا ہوا کہ ملک سبا کے لوگ آپڑے اور سب چھین کر لے گئے اور آدمی مارے گئے جو باقی بچے ان پر آگ کا شعلہ آسمان سے آیا جس سے بچے ہوئے سب ہلاک ہوگئے۔پھر ایک زور کی آندھی آئی جس نے تمام مکان اڑا دیئے اور ان تمام حالات کی خبر ایک ہی وقت میں حضرت ایوب علیہ السلام کو ملی۔آپ علیہ السلام نے سن کر سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا میں شکم مادر سے ننگا آیا تھا اور قبر میں ننگا ہی جاؤں گا جس نے دیا تھا اس نے

لے لیا۔ اس پر شکوہ کیسا ناشکری کیسی۔

شیطان نے اپنی حسد وزری سے کہا مال ومتال ہی گیا ہے۔ اس پر شکر کیوں نہ کرے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ یہ چھن جائے تو دیکھیں پھر صبر و شکر کیسے کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ کا ہوا۔ جا جسمانی صحت پر تجھے جو کرنا ہے وہ کر لے۔ میرا شاکر وصابر بندہ صابر وشاکر ہی رہے گا۔

چنانچہ شیطانی تسلط سے آپ علیہ السلام کی صحت جسمانی پر بھی اثر ڈالا۔ تمام بدن ایسا معلوم ہونے لگا کہ خارش سے خراب ہو گیا۔ شیطان کی ذریت کیڑوں کی شکل میں جسم پر پھیل گئی۔ لوگوں کے طعن وتشنیع علیحدہ شروع ہوئی۔ آخر ایک دن آپ علیہ السلام نے بارگاہ حق عزوجل میں رو کر عرض کیا جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ (سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 83، 84، 85) جس کا ترجمہ پہلے تحریر ہو چکا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر رحمت فرمائی اور پہلی دولت وثروت ونعمت سے دوگنی دولت ونعمت عطا فرمادی۔

مقاتل، قتادہ، ابن عباس اور بن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلا ہلاک شدہ کنبہ زندہ کیا اور سات بیٹے اور تین یا سات بیٹیاں اور عطا فرمائیں۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر نعمت اولاد، بیوی، مال ومتال، بھیڑ، گائے، بیل، باغ وبہار، مکان سب دوچند عطا کیا۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام ایک سو چالیس سال زندہ رہے۔ اپنی چار پشت دیکھیں یہ مضمون کتاب ایوب کے باب 42، درس 10 تا 16 میں ہے۔ (بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد نمبر 4، ص: 276، 277)

حضرت ایوب علیہ السلام کی فرمانبردار بیوی کا کردار اور اس کی کہانی کیا تھی؟

آپ علیہ السلام کی وہ بیوی جو ایام ابتلا میں آپ علیہ السلام کی خدمت کرتی رہیں۔ وہ رحمۃ بنت افرائیم بن حضرت یوسف علیہ السلام تھیں۔

انہوں نے ایک روز آپ علیہ السلام سے عرض کیا اگر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ شفا مل جائے تو ضرور قبول ہوگی۔ انشاء اللہ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: آرام کی کتنی مدت تھی۔ بیوی نے اس کی کافی مدت ظاہر کی۔ ایک روایت میں اسی سال بتائی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کہ میں اس سے عرض کروں، میری مدت بلا مدت وسعت کے برابر نہیں پہنچی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابلیس علیہ اللعنۃ آپ علیہ السلام کی بیوی کے پاس آیا۔ ایک حکمران کی ہیئت میں اور کہنے لگا میں زمین کا خدا ہوں۔ تیرے خاوند کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ میں نے کیا۔ اس لیے کہ اس نے مجھے چھوڑ کر آسمان کے خدا کی پرستش شروع کر دی اگر وہ مجھے سجدہ کر لے تو میں سب کچھ اسے واپس کر دوں جو میں نے تم دونوں سے لیا ہے

ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا اگر مجھے ایک سجدہ ایوب علیہ السلام کر لیں تو میں ضرور ان کا مال اور ان کی اولاد سب واپس کر دوں اور تیرے خاوند کو شفاء بخش دوں۔

تو حضرت رحمۃ رحمت اللہ علیہا حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں۔ آپ علیہ السلام بیت المقدس شریف کے ایک کناسہ میں تھے۔ (بھیڑ بکریوں کا باڑہ) وہاں کوئی آپ علیہ السلام کے قریب نہ جاتا تھا اور یہ سب قصہ سنایا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ شاید تم بھی کسی امتحان میں مبتلا ہونے والی ہو۔ یہ شیطانی باتیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بخشی تو میں تمہیں سو کوڑوں کی سزا دوں گا اور اب مجھ پر حرام ہے کہ تمہارے لائے ہوئے کھانے پینے سے کچھ کھاؤں۔ پھر آپ علیہ السلام نے جھڑک کر نکال دیا اور تنہا اس باڑہ میں رہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا نگران نہ خبر گیر اسی حال میں آپ علیہ السلام سجدہ میں گرے۔ اور عرض کیا: اے میرے رب (عزوجل)! مجھے تکلیف پہنچی ہے تو تو سب رحم والوں میں بہتر رحم والا ہے۔ ابن عساکر لکھتا ہے کہ آپ علیہ السلام اسی حال میں تھے۔ دو آدمی گزرے اور کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ ان کی حاجت اور سوال کو پورا کرتا تو یہ اس حال کو نہ پہنچتے۔ یہ جملہ سن کر آپ علیہ السلام نے سخت محسوس کیا اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا: اے

میرے رب (عزوجل)! مجھے تکلیف پہنچی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ علیہ السلام ایک بار جھکنے لگے کہ نماز میں رکوع کریں تو آپ علیہ السلام نہ جھک سکے۔اس وقت آپ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب عزوجل مجھے تکلیف پہنچی ہے۔

احمد فی الزھد حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام کے جسم مبارک پر سوائے آنکھ اور دل اور زبان کے کوئی حصہ خالی نہ تھا کہ جس پر کیڑے ادھر ادھر پھرتے۔

ابونعیم وابن عساکر سے مروی کہ جب کوئی کیڑا جسد اطہر سے گر جاتا آپ علیہ السلام اسے اٹھا کر وہیں رکھ دیتے جہاں سے گرا ہوتا اور فرماتے کھا اللہ کے رزق سے۔

آپ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی

پھر جب حضرت ایوب علیہ السلام نے سجدہ کیا تو ارشاد ہوا۔ایوب سر اٹھالے آپ کی دعا قبول ہوگئی۔اپنا پائے مبارک ماریئے چنانچہ آپ علیہ السلام نے پائے اقدس مارا تو پاؤں کے نیچے سے ایک چشمہ گرم جاری ہوا۔آپ علیہ السلام نے غسل فرمایا تو تمام بدن پر نہ کوئی کیڑا تھا نہ کوئی زخم۔انار کے دانے کی طرح جسم مبارک ہوگیا۔

پھر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پائے اقدس مارا تو سرد چشمہ جاری ہوگیا اور اس سے پانی پیا تو اندرون جسم سے سب تکلیف نکل گئی اور پھر سے آپ علیہ السلام تندرست ہوگئے۔اور شباب اور جمال لوٹ آیا۔اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے ایوب کی دعا قبول کی اور جو اسے تکلیف تھی وہ کھول دی۔

مشکل کے ساتھی اور فرمانبردار بیوی کی ربّ نے مشکل آسان کردی

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمادیا اور آپ علیہ السلام کی بیوی کو اس کا علم نہ تھا وہ آپ علیہ السلام کی طرف سے اس مرض کا گمان کررہی تھی تو اس کے دل میں رقت آئی اپنے دل میں کہنے لگی اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے مجھے دھتکار کر نکال دیا۔بھی اگر میں بھی ان کی پرواہ نہ کروں گی تو وہ بھوکے مرجائیں گے۔یا کوئی درندہ انہیں کھاجائے گا۔مجھے ان کی خبر لینی چاہیے۔چنانچہ وہ واپس باڑہ میں آئیں اور آپ علیہ السلام کو نہ پایا ادھر ادھر پھر کر دیکھنے لگی اور رونے لگیں اور بہت ڈریں کہ آپ علیہ السلام کہاں گئے۔آخر خود آپ علیہ السلام نے انہیں بلا کر فرمایا تو کیا چاہتی ہے اس نے کہا یہاں ایک مریض تھا اس کی تلاش میں ہوں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔تو آپ روئیں اور فرمایا: وہ میرا خاوند ہے۔

حضرت نے فرمایا: تو کیا تو اسے پہچان لے گی اگر دیکھے گی؟

وہ کہنے لگی ان کا کیا مجھ سے چھپا ہوا ہے۔

تو حضرت ایوب علیہ السلام نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: میں وہی ہوں تو آپ علیہ السلام کے تبسم سے انہوں نے پہچانا اور معانق ہوگئیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی تھی کہ اگر تندرست ہوگیا تو ضرور سو کوڑے ماروں گا جب اس کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ ”ایک جھاڑو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ماردے اور قسم نہ توڑ بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ ہے بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔“

(پ23،سورۃ ص،آیت:44)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ کب گوارہ تھا کہ اتنے بڑے صابر اور فرمانبردار بندے کو سزا ملے اسے تو انعام ملنا چاہیے جو اسے تندرست خوبصورت نوجوان خاوند حضرت ایوب علیہ السلام مل گئے اور دوسری نعمتیں بھی مل گئیں۔

(مندرجہ بالا بیان تفسیر الحسنات،جلد چہارم،ص:276 تا 292 سے اخذ کیا گیا)

اب حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات وواقعات کے متعلق تحقیقی بیان

(ضیاءالقرآن جلد سوئم سے سورہ الانبیاء آیت نمبر ۸۳، ۸۴ کا ترجمہ اور تفسیر بیان کی جاتی ہے)

ترجمہ:

''اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے ربّ کو 68 کہ مجھے پہنچی ہے۔ سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حالِ زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی 69 اور ہم نے عطا کئے اسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے۔''

تفسیر: 68 اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے کئی انداز ہیں کبھی وہ انعامات واحسانات کا مینہ برسا کر آزماتا ہے اور کبھی آلام ومصائب میں مبتلا کر کے امتحان لیتا ہے۔ پہلے حضرت داؤد وحضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا جنہیں عزت وشاہی جاہ وجلال سے نوازا۔ پہاڑ اور پرندے، ہوا اور شیاطین کو ان کا حلقہ بگوش بنایا۔ اس کے باوجود وہ شکر وذکر سے کبھی غافل نہ رہے اب اپنے ایک اور بندے کا ذکر ہو رہا ہے جس پر تکالیف وشدائد کی انتہا ہوگئی لیکن اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا۔ ہر حال میں اپنے ربّ تعالیٰ کی حمد وثناء میں سرگرم رہے تاکہ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ سے روشنی حاصل کر سکے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی نسب، قوم اور زمانہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن بعض قرآئن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح یا اس سے پہلے کا ہے۔ آپ علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے عیصو کی نسل سے تھے۔ آپ علیہ السلام بڑے دولت مند تھے۔ زرعی زمین کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آپ علیہ السلام کے پاس کھیتی باڑی کے لیے بیلوں کی پانچ سو جوڑیاں تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں۔ سات بچے اور سات بچیاں تھیں۔ زوجہ محترمہ کا نام رحمت بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرائیم کی لختِ جگر تھیں۔ بڑی حسین وجمیل اور صحت مند تھیں ان گونا گوں انعامات کے باوجود آپ نے خالق کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں ہر طرح سرگرم رہا کرتے۔ مشیتِ الٰہی نے جب آزمانا چاہا کھیتیاں جل کر راکھ ہوگئیں، مال مویشی میں ایسی وبا پھوٹی کہ ایک بھی زندہ نہ رہا آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے۔ مکان گرا اور سب لقمۂ اجل بن گئے۔ آپ کے جسم میں آبلے نمودار ہوتے گئے خارش کی وجہ سے انہیں کھجلایا تو انہوں نے ناسور کی شکل اختیار کر لی۔ ان میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگے جسم سے پیپ بہنے لگی۔ سب نیاز مند اپنا سلسلۂ نیاز وعقیدت توڑ کر الگ ہوگئے۔ سب دوستوں نے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں۔ شہر والوں نے بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے۔ آزمائش کی ان ہوشربا گھڑیوں میں نہ زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ دل میں کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا۔ کافی عرصہ اسی حالت میں گزر گیا۔ بعض نے سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں۔ زبان پھر بھی اپنے خالق ومالک کی حمد وثناء میں مصروف رہی۔ آخر یہ التجا زبان پر آہی گئی۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ الٰہی مجھے مصیبتوں اور بیماریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اس کے بعد یہ عرض نہیں کی کہ میری تکلیفوں اور بیماریوں کو دور فرمادے اور مجھے ان مصیبتوں سے رہائی بخش صرف اتنا ہی عرض کیا: اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔ گویا یہ کہہ کر سب کچھ ہی کہہ دیا۔

69 رحمتِ الٰہی عزوجل جوش میں آئی۔ چشم زدن میں ساری مصیبتیں دور ہوگئیں۔ حسن وشباب پھر لوٹ آیا۔ اجڑا ہوا گھر آباد ہوگیا۔ مال ودولت کی وہی فراوانی ہوگئی۔ بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ ہر چیز میں برکت ورونق آگئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پہلے بچے بچیوں کو بھی زندہ کر دیا گیا۔

70 یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور اس کی رضا کے طلبگاروں کے لیے بڑی روشن اور واضح نصیحت ہے وہ یاد رکھیں کہ اگر آزمائش کی کسی ایسی وادی میں سے ان کا بھی گزر ہو جہاں قدم قدم پر مصیبتوں کے اژدھا منہ کھولے بیٹھے ہوں۔ جہاں

بربادیوں اور ویرانیوں کے روح فرسا سانئے ہوں تو وہ اپنے ربّ کریم کا شکوہ نہ شروع کر دیں۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائیں بلکہ سیرت حضرت ایوب علیہ السلام کو سامنے رکھیں اور صبر و استقامت کا دامن تھامے ہوئے قدم آگے بڑھاتے جائیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا کی نوید انہیں بھی سنائی جائے گی۔

اسی واقعہ کو اگر آپ بائیبل میں پڑھیں گے تو ذکری للعابدین کی کوئی ادنیٰ سی جھلک بھی آپ کو نظر نہیں آئے گی وہاں آپ کو ایوب نامی ایک ایسا آدمی سے واسطہ پڑے گا جو اپنی پیدائش کے دن پر لعنت بھیج رہا ہے چنانچہ صحیفۂ ایوب باب 3 میں ہے۔

''اس کے بعد ایوب نے اپنا منہ کھول کر اپنے جنم دن پر لعنت کی اور ایوب کہنے لگا نابود ہو وہ دن جس میں میں پیدا ہوا اور وہ رات بھی جس میں کہا گیا کہ دیکھو بیٹا ہوا۔''

''وہ دن اندھیرا ہو جائے، وہ رات بانجھ ہو جائے اس میں خوشی کی کوئی صدا نہ آئے۔ اس کی شام کے تارے تاریک ہو جائیں۔ (آیات: 1 تا 4، 7، 9)

پھر وہ اپنی پیدائش پر نفرین بھیجتا ہے چنانچہ اسی باب میں ہے۔

''میں رحم میں ہی کیوں نہ مر گیا۔ میں نے پیٹ سے نکلتے ہی جان کیوں نہ دے دی یا پوشیدہ اسقاط حمل کی مانند میں وجود میں نہ آتا یا ان بچوں کی مانند جنہوں نے روشنی ہی نہ دیکھی۔'' (باب 3، آیت: 11، 16)

اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اپنے خدا سے صرف شکوہ کرتا ہوا نہیں، الجھتا ہوا اور جھگڑتا ہوا سنائی دیتا ہے:

''اے بنی آدم علیہ السلام کے ناظر اگر میں نے گناہ کیا ہے تو تیرا کیا بگاڑتا ہوں تو نے کیوں مجھے اپنا نشانہ بنا لیا ہے یہاں تک کہ میں اپنے آپ پر بوجھ ہو جاؤں تو میرا گناہ کیوں نہیں معاف کرتا اور میری بدکاری کیوں نہیں دور کر دیتا۔''

(باب 7، آیت: 20، 21)

آگے باب ہذا میں وہی ایوب ہمیں اپنے ربّ تعالیٰ سے یہ کہتے ہوئے سنائی دیتا ہے:

''میری روح میری زندگی سے بیزار ہے۔ میں اپنا شکوہ خوب دل کھول کر کروں گا۔ میں اپنے دل کی تلخی میں بولوں گا میں خدا سے کہوں گا مجھے ملزم نہ ٹھہراؤ مجھے بتا کہ تو مجھ سے کیوں جھگڑتا ہے کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ اندھیر کرے تو میرے خلاف۔ نئے نئے گواہ لاتا ہے اور اپنا قہر مجھ پر بڑھاتا ہے۔ پس تو نے مجھے رحم سے نکالا ہی کیوں! میں جان دے دیتا اور کوئی آنکھ مجھے نہ دیکھ پاتی۔ میں ایسا ہوتا کہ گویا تھا ہی نہیں۔''

(باب ہذا آیات: 1، 2، 3، 17، 18، 19)

اب آپ خود انصاف فرمایئے کیا ایسی شخصیت کو جو سراپا احتجاج ہے جو اپنے ربّ پر ظالم ہونے کا الزام لگاتا ہے جو مصائب سے اکتا کر اپنی پیدائش پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ کیا اس کی زندگی یا اس کی سیرت میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے لیے ہدایت کا باعث ہو۔

مندرجہ بالا بیان جو تورات کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے اس کا یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جو مسلمان ہیں معلوم ہو جائے کہ یہودیوں نے کس طرح تورات جو کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی اس کی آیات کو اپنی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے ادبی اور گستاخی اور مخالفت کرنے کے لئے تبدیل کر دیا ہے۔ تا کہ مسلمانوں کو جھوٹا قرار دے کر اپنے آپ کو سچا ثابت کریں۔

لیکن ان کے یہ ہتھکنڈے (غلط اور خراب طریقے) اللہ کے فضل و کرم سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ (مؤلف)

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

سورہ انبیاء، آیت نمبر 85 کا اردو ترجمہ:

''اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کو (یاد کرو) وہ سب صبر والے تھے۔ (کنز الایمان)

آپ علیہ السلام کا نام ''بشر'' یا ''شرف'' ہے۔ آپ علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے متعلق اور اقوال بھی ہیں تاہم اس قول مذکور کی طرف زیادہ رجحان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد نبی بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ آپ علیہ السلام لوگوں کو میری واحدانیت پر ایمان لانے کی طرف بلائیں کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ آپ علیہ السلام عمر بھر شام کے علاقہ میں ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ پچھتر 75 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے عبدان کو وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد نیکی کے عمل پر قائم رہنا لوگوں کو بھی ایمان اور نیک اعمال کی ترغیب دینا۔

آپ علیہ السلام یتیموں، محتاجوں، غریبوں اور بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے انہی محتاج لوگوں کی کفالت کی وجہ سے ہی آپ علیہ السلام کا نام ذوالکفل (کفایت کرنے والا) پڑ گیا تھا۔

(روح المعانی، جلد 5/29، ص:82 بحوالہ کتاب تذکرۃ الانبیاء، ص:334)

حضرت زجاج کہتے ہیں کفل حصہ کو بھی کہتے ہیں اور اس کپڑے کو بھی جو اونٹ کے پٹھوں پر ڈالتے ہیں۔ بہر حال اس میں مختلف بیان ہیں کہ آپ علیہ السلام کو ذوالکفل کیوں کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں ذوالکفل سے مراد حضرت زکریا علیہ السلام ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو ہی ذوالکفل کہا گی اور اس قول میں باعتبار سند قوت معلوم ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام کو حضرت الیاس علیہ السلام مانا جائے۔ آپ علیہ السلام کو ذوالکفل کہنے کی وجہ یہ ہے:

1: آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل علیہ السلام کا تکفل اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

2: آپ علیہ السلام غربا و مساکین کا تکفل فرمایا کرتے اس وجہ سے اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد با ہو ہے جو حضرت الیسع علیہ السلام کے حکم سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا اور جس نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دور کی اور اس کا تکفل اس نے کیا تھا۔ یہ نیک بندہ تھا۔ بادشاہ تھا مگر نبی نہیں تھا۔ ''واللہ اعلم''

(تفسیر الحسنات، جلد چہارم، ص:278)

حضرت الیسع علیہ السلام

آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطاء فرمائی اور اس کے ساتھ ہی بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ آپ علیہ السلام دن کو روزہ رکھا کرتے تھے اور رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور کھڑے ہو کر نوافل ادا فرماتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو کسی بات پر غصہ نہیں آتا تھا۔ خصوصاً اپنی امت کے معاملات میں بڑی متانت سے فیصلہ فرماتے کسی قسم کی جلد بازی اور غصہ سے فیصلہ نہ فرماتے۔

آپ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو بنی اسرائیل کے کچھ بڑے آدمی مل کر آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ بادشاہت میں اپنا جانشین مقرر فرمادیں تاکہ ہم اپنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ملک کی باگ ڈور میں اس کے حوالے کروں گا جو مجھے تین باتوں کی ضمانت دے کسی شخص نے اس ذمہ داری کو قبول نہ کیا سوائے ایک نوجوان کے کہ اس نے کہا میں ضمانت دیتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: بیٹھ جا مقصد یہ تھا کہ کوئی اور شخص بات کرے لیکن پھر آپ علیہ السلام کے کہنے پر وہی نوجوان ہی کھڑا ہوا اور اس نے ذمہ داری قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کرو:

1- ایک یہ کہ تمام رات عبادت میں گزارنی ہے، سونا نہیں۔
2- دوسری بات یہ ہے کہ ہر روز دن کو روزہ رکھنا ہے۔
3- تیسری چیز یہ کہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔

جب اس نوجوان نے تین چیزوں کی ذمہ داری قبول کر لی تو آپ علیہ السلام نے بادشاہی کا نظام اس کے سپرد کر دیا۔ خیال رہے نبوت میں خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبی بنائے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ○ (پ:8، سورہ انعام، آیت:134)

ترجمہ اردو:

”اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس منصب رسالت کسے عطا کرنا ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی، جلد 9، حصہ دوئم، ص:81 بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:335)

شجرہ نسب:

ابن عساکر لکھتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا نام اسباط بن عدی بن شولیم بن افرائیم ہے جبکہ ایک روایت میں آپ علیہ السلام کو الیسع بن اخطوب سبط افرائیم تحریر کیا گیا۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، ص:143)

ایک ضروری تشریح:

تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، ص:142 پر یہ تحریر درج ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ احاب کے بہت زیادہ ظلم کرنے کی وجہ سے اور بہت

سے انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے پر حضرت ایلیا نبی علیہ السلام کی بددعا سے تین برس قحط پڑا اور حضرت ایلیا علیہ السلام ان سے جدا ہو کر بریہ چلے گئے اور وہیں مقیم رہے۔ آپ علیہ السلام پھر وہاں سے لوٹے اور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا۔ انہوں نے پھر ان لوگوں کو قتل کر ڈالا جو احاب کے ساتھ بت پرستی کرتے تھے۔ (ابن عمیر نے ایسا لکھا)

ابن خلدون کے اسی صفحہ پر یہ بھی تحریر ہے کہ طبری کا خیال ہے کہ بدعا حضرت الیاس بن سین (یا یامین) الخاض بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام نے کی پھر پانی برسانے کی دعا بھی انہوں نے کی اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی وفات کی دعا کی اور لوگوں کو ہلاکی اور تباہی سے آگاہ کیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام کو نبوت ملی۔ (ابن خلدون، جلد 2، 143:) جبکہ ابن عمیرؒ لکھا ہے کہ احاب کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے (الیا نبی یا نبی ایلیا) پر الیاس بن یفسا کو پاک کر کے وحی نازل فرمائی تھی۔ اس دوران بادشاہ سنداب سوریا اور احاب کے درمیان جنگ ہوئی۔ سنداب کو شکست ہوئی۔ اور بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپا لیکن وہاں بھی پناہ نہ ملی تو نکل کر احاب کے پاس گیا اور معافی مانگی اس نے معاف کر دیا۔ اور اسے اس کے ملک کی طرف واپس لوٹا دیا۔ اس پر نبی موصوف نے اس کے اس فعل پر ناراض ہو کر اسے عذاب سے ڈرایا جو اس کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا تھا۔ اس کے بعد احاب ایک جنگ میں مارا گیا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۴۳)

حضرت یونس علیہ السلام

پارہ 11، سورۃ یونس، آیت: 98 کا اردو ترجمہ:

''تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لائی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں (حضرت) یونس (علیہ السلام) کی قوم جب ایمان لائے ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا۔'' (کنزالایمان)

قوم حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ یہ ہے کہ نینوا علاقہ موصل میں یہ لوگ رہتے تھے اور کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے ان کو بت پرستی چھوڑنے اور ایمان لانے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب کی۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بحکم الٰہی نزول عذاب کی خبر دی۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا حضرت یونس علیہ السلام نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی ہے۔ دیکھو اگر وہ رات کو یہاں رہے جب تو کوئی اندیشہ نہیں اور اگر انہوں نے رات یہاں نہ گزاری تو سمجھ لینا چاہیے کہ عذاب آئے گا۔ شب میں حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے۔ صبح کو آثار عذاب نمودار ہو گئے۔ آسمان پر سیاہ ہیبت ناک ابر آیا اور دھواں کثیر جمع ہوا۔ تمام شہر پر چھا گیا۔ یہ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ عذاب آنے والا ہے تو انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش کی اور آپ علیہ السلام کو نہ پایا تو اور زیادہ اندیشہ ہوا۔ تو وہ مع اپنی عورتوں، بچوں اور جانوروں کے جنگل کی طرف چلے گئے۔ موٹے کپڑے پہنے اور توبہ اور اسلام کا اظہار کیا۔ شوہر سے بیوی اور ماں سے بچے جدا ہو گئے۔ اور سب نے بارگاہِ الٰہی میں گریہ زاری شروع کی اور کہا کہ جو حضرت یونس علیہ السلام لائے اس پر ہم ایمان لائے اور سچی توبہ کی جو مظالم ان سے ہوئے تھے ان کو دفع کیا، پرائے مال واپس کیے حتیٰ کہ ایک پتھر دوسرے کا مکان کی بنیاد میں لگ گیا تھا تو بنیاد اکھیڑ کر پتھر نکال کر واپس کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اخلاص کے ساتھ مغفرت کی دعائیں کیں۔ پروردگار عالم نے ان پر رحم فرمایا اور دعائیں قبول فرمائیں۔ عذاب اٹھا دیا گیا۔ (خزائن العرفان)

اعتراض:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نزول عذاب کے بعد فرعون کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہوئی تو قوم یونس علیہ السلام کی دعا قبول فرمانے اور عذاب اٹھا دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:

علماء نے اس کے کئی جواب دیے ہیں۔ ایک تو یہ کرم خاص تھا قوم حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ فرعون عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد ایمان لایا جب امید زندگانی باقی ہی نہ رہی اور قوم حضرت یونس علیہ السلام سے جب عذاب قریب ہوا تو وہ اس میں مبتلا ہونے سے پہلے ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ اخلاص مندوں کے صدق و اخلاص کا اس کو علم ہے۔ (مدارک، خزائن العرفان)

تقریباً اسی طرح صاحب تفسیر الحسنات نے جلد نمبر 3، ص: 134 پر روح المعانی کے حوالے سے بیان کیا۔ اور یہ واقعہ یوم عاشورہ اور جمعہ کے دن کا ہے۔ آپ علیہ السلام رات کے تیسرے حصے یا تیسری رات کے درمیان تشریف لے گئے۔

اور قتادہ کی روایت میں ہے کہ یہ حالت چالیس دن تک رہی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ٹالا جو نازل ہونے والا تھا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت بھی تفسیر الحسنات سے نقل کی گئی ہے:

''اور احمد اور ابن جزیر وغیرہ ابن غیلان سے راوی ہیں کہ جب قوم حضرت یونس علیہ السلام بادل اور دھویں میں گھر گئی اور عذاب نظر آ گیا تو وہ ایک شیخ کی طرف چلے جوان کے علماء میں سے بچے ہوئے تھے اور عرض کیا حضرت اس کا کیا علاج ہے تو انہوں نے کہا تم سب کہو، اے زندہ جبکہ کوئی بھی زندہ نہ تھا۔اے زندہ مردوں کو زندہ کرنے والے، اے زندہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ انہوں نے یہی کہنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ عذاب کھول دیا۔

اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ شیخ نے انہیں بتایا کہ یہ پڑھو:

اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! بے شک ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن تو سب سے بڑا اور عظیم ہے۔ہم سے وہ سلوک کر جو تیری شان کے لائق ہے وہ نہ کر جس کے ہم لائق ہیں۔''

آگے کا قصہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام جب نینوا سے نکلے تو راستہ میں ٹھہر گئے اور نینوا کی خبر لیتے رہے جیسا کہ مرفوعاً مذکور ہے تو ایک آدمی ادھر سے گزرا تو اس نے آپ علیہ السلام کو جو کچھ قوم نے عجز وانکساری کی اور زاری کی اس کا حال سنا دیا اور عذاب کھلنے کی خبر دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا (جیسا کہ قرآن میں فرمایا کما فی سورۃ الانبیاء، رکوع:6) میں اس قوم میں لوٹ کر نہیں جانا چاہتا جس نے مجھے جھٹلایا اور آپ علیہ السلام غصہ میں وہاں سے آگے گزر گئے اور ذوالنون (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) جب غصہ سے چلا تو اس نے خیال کیا کہ ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) اس پر تنگی نہ کریں گے۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی اندھیریوں میں پکارا، نہیں کوئی معبود سوائے تیرے پاکی ہے تجھے بے شک میں نے بے جا فعل کیا آگے ارشاد ہے (پ 11، سورہ یونس، آیت:99) اور اگر تمہارا رب چاہتا تو ایمان لاتے جتنے زمین میں ہیں۔سب کے سب تو کیا تم لوگوں کو زبردستی مومن بناؤ گے حتیٰ کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ ایمان لانا سعادت ازلی پر موقوف ہے۔چنانچہ ایمان وہی لائے گا جس کے لیے توفیق الٰہی میسر آئے۔اس آیہ کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور جو ایمان سے محروم رہتے ہیں ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہوتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔اس لیے کہ جو شقی ازلی ہے وہ کبھی بھی ایمان کی دولت حاصل نہیں کر سکتا۔اور ایمان لانے میں سختی اور اکراہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ایمان کے لیے تصدیق واقرار زبان اور دلی اطمینان اور عمل بالارکان ضروری ہیں اور جو جبراً ایمان لائے گا اسے محض زبان سے اقرار ہی حاصل ہوگا تصدیق بالقلب سے بہر حال وہ محروم رہے گا۔(تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص:135)

سورۃ الانبیاء آیت نمبر 87 کے چند قرآنی الفاظ مبارکہ کی ضروری تشریح:

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے کی وجہ سے ''ذوالنون'' اور ''صاحب الحوت'' کہا گیا ہے کیونکہ نون اور حوت دونوں کا معنی مچھلی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (پ 17، سورۃ الانبیاء، آیت:87)

''وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ''

ترجمہ: ''اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔'' (کنزالایمان)

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صحیح بھی یہی ہے جبکہ کئی اور تراجم میں (اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ) کا ترجمہ ''ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے''، ''اور ہم اس پر گرفت نہ کریں گے''، ''ہم نہ پکڑ سکیں گے'' اس قسم کے تراجم غلط اور باطل ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو گنہگار ٹھہراتے ہیں کہ ان سے ضرور گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ اس آیت سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ رب مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔یہ کہنا گناہ ہے لہٰذا نبی گنہگار ہو سکتے ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر یہ معنی کیا جائے کہ آپ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے متعلق یہ گمان کیا ''رب عاجز ہے مجھے پکڑ نہیں سکے گا'' تو یہ کفر ہے۔ایسی نسبت تو ایک مومن کی طرف نہیں کر سکتے، تو انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کیسے کر سکتے ہیں اس لیے اس بات

کی توجیہ ضروری ہے۔

وہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہو"ان نضیق علیه "آپ علیہ السلام نے گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ قرآن پاک میں اور مقامات پر بھی اس معنی میں اس لفظ کا استعمال ہے: (اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے (وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ) اور جس پر وہ رزق تنگ کر دے اور (وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ) لیکن جب وہ انسان کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔ (سورہ فجر)

ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا گزشتہ رات قرآن پاک کی موجوں میں مستغرق رہا لیکن مجھے اس سے خلاصی نہ مل سکی ہو سکتا ہے آپ میری رہنمائی کر دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یظن نبی الله ان لن یقدر الله علیه" کیا اللہ تعالیٰ کا نبی بھی یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں پکڑ سکے گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"هذا من القدر دون القدرة" یہ لفظ "قدر" سے لیا ہوا ہے "قدرۃ" سے نہیں یعنی اس کا معنی "تنگی نہ کرنا" ہے "قدرت نہ رکھنا" نہیں۔

حضرت علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو شہر چھوڑ کر ہجرت کر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا تھا۔ آپ علیہ السلام اپنے اجتہاد سے تشریف لے گئے تھے۔ خیال یہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر تنگی نہیں فرمائے گا نہ کوئی باز پرس کرے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ (پ23، سورہ صافات، آیت: 139-140) "وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ o" اور بے شک حضرت یونس علیہ السلام پیغمبروں سے ہے جبکہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا۔"

یہاں بھی کئی مترجمین نے ترجمہ کیا: "وہ بھاگ گیا" یہ ترجمہ نبی کی شان کے لائق نہیں۔ بھاگنے کا مقصد ہی نہیں تھا۔ صرف قوم پر ناراضگی کی وجہ سے آپ علیہ السلام چلے گئے اور خیال یہ تھا کہ اب ان پر عذاب آنے کا وقت تو آ ہی چکا ہے لہٰذا یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے آزمائش میں صرف اس لیے ڈالے گئے تھے کہ آپ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کے حکم تک ٹھہرنا چاہیے تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ (پ23، سورہ صافات، آیت: 148)

"وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ o فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ o"

ترجمہ: "اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں بلکہ زیادہ کی طرف بھیجا تو وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک برتنے دیا۔"

اصل وجہ یار کی طرف یار کو عتاب کی صرف یہی تھی کہ اے میرے پیارے تمہیں تو لاکھ آدمیوں سے زائد کی طرف بھیجا گیا تھا، ابھی تو عذاب کے آنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ آپ کو وہاں رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ایمان لے آئیں جیسا کہ ہوا بھی یہی کہ وہ ایمان لے آئے (ماخوذ از تفسیر کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص: 343 تا 345)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور اس سے نکلنا

(پ17، سورہ الانبیاء، آیت نمبر 87، 88) کا اردو ترجمہ (کنز الایمان):

"اور ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے تو اندھیریوں میں پکارا۔ کوئی معبود نہیں سوائے تیرے پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔"

صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ یاد کیجئے ذکر صاحب الحوت یونس بن متی علیہ السلام۔ یہ نام متی حضرت یونس علیہ السلام کے والد گرامی کا ہے۔ اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناراض ہو کر چلے اور ایک قول یہ جو کہ صاحب تفسیر الحسنات نے جلد چہارم،

ص:294 اور 295 پر بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام ملک حز قیل سے غضب ناک ہو کر گئے۔ اس سے آگے اسی تفسیر سے مندرجہ ذیل بیان نقل کیا گیا ہے۔

ابن عساکر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم فلسطین میں رہتے تھے تو ایک بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی اور بنی اسرائیل کے نو قبیلے پورے اور دسواں آدھا قیدی بنا کر اپنے پاس لے گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیا نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بادشاہ حز قیل کے پاس جاؤ اور اسے حکم دو کہ اس بادشاہ سے لڑائی کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کرے جس میں پانچ نبی بھی ہوں۔ اور حضرت شعیا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو ان میں ضرور شامل کرو۔ وہ طاقت ور اور امین ہے۔

بادشاہ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بلایا اور لشکر کشی کا حکم دیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے متعلق حکم دیا ہے؟ بادشاہ نے کہا نہیں۔ آپ علیہ السلام نے پھر فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے تو اس نے کہا نہیں تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا یہاں میرے سوا اور بھی کافی نبی ہیں۔ جب بادشاہ نے اصرار کیا تو آپ علیہ السلام غصے کی حالت میں وہاں سے نکل آئے۔ آپ علیہ السلام بحیرہ روم پر آئے تو یہاں آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ لوگ کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہونے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ سوار ہو گئے جب گہرے سمندر میں پہنچے تو کشتی ہچکولے کھانے لگی اور غرق ہونے کے آثار نظر آنے لگے۔

تو ملاحوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ کوئی اپنے مالک سے بھاگا ہوا بے فرمان غلام ہے اور ہمارا یہ طریقہ ہے کہ جب ہم پر ایسی مصیبت آتی ہے تو ہم قرعہ ڈالتے ہیں پھر جس کے نام قرعہ نکلے۔ ہم اس کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں کہ ایک آدمی کا غرق ہونا ساری کشتی کے غرق ہونے سے بہتر ہے۔

پھر انہوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو تینوں مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام قرعہ نکلا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ہی نافرمان اور بھاگا ہوا غلام ہوں۔ تو آپ علیہ السلام سمندر میں خود کود گئے یا ملاحوں نے سمندر میں پھینک دیا۔ ایک مچھلی نے آ کر آپ علیہ السلام کو نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی ان کو ذرا بھر بھی تکلیف نہ دینا۔ ہم نے تیرا پیٹ ان کا قید خانہ بنایا ہے یہ تیرا کھانا نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس کے پیٹ سے نجات دی اور اُس نے آپ علیہ السلام کو کنارے پر اگل دیا۔ آپ علیہ السلام کی کھال بہت نرم ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی بیل آپ علیہ السلام پر اگا دی۔ آپ علیہ السلام اس کے سایہ میں رہتے اور پھل کھاتے اور خزائن العرفان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بکری روزانہ وہاں آ کر آپ علیہ السلام کو دودھ پلا جاتی۔

پھر جب بیل خشک ہوئی تو آپ علیہ السلام غم ناک ہوئے تو وحی ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو ایک درخت کا غم تو ہوا۔ لیکن وہ ایک لاکھ سے زائد بندے جو دشمن کی قید میں ہیں ان کا غم آپ علیہ السلام کو کچھ نہ ہوا۔ آپ علیہ السلام ان کی رہائی کے لیے جاتے تو وہ بھی آرام پاتے۔

مختصر یہ کہ آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کی طرف جائیں۔ اس میں ارباب سیر نے بہت مختلف روایات لکھی ہیں۔ آخر اس میں اتفاق ہے کہ قوم آپ علیہ السلام پر ایمان لائی اور جس عذاب سے آپ علیہ السلام نے انہیں خوف دلایا تھا وہ رک گیا اور سب کی توبہ قبول ہوئی۔

روایات اسرائیل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام نینویٰ تشریف لائے اور یہاں تبلیغ آپ علیہ السلام نے فرمائی۔ اس تذکرہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ ''واللہ اعلم''

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالنون علیہ السلام کو شکم ماہی میں جو دعا تھی وہ ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' تھی۔

اس کا فائدہ قیامت تک یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس آیت کریمہ کے ساتھ دعا کرے گا وہ ضرور قبول ہوگی۔

(تفسیر الحسنات، جلد چہارم، ص:295، 296)

صاحب خزائن العرفان نے پ 23 سورہ صافات کی آیت نمبر 140 کی تفسیر کے تحت حضرت ابن عباس اور وہب رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ تو اس میں تاخیر ہوئی تو آپ علیہ السلام ان سے چھپ کر نکل گئے اور آپ علیہ السلام نے دریائی سفر کا قصد کیا اور کشتی پر سوار ہوئے اور دریا کے درمیان کشتی رک گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ پہلے تحریر ہو چکا ہے۔

(سورۂ الانبیاء آیت ۸۷ اور ۸۸ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد سوئم سے کی جاتی ہے)

ترجمہ: ''اور یاد کرو ذوالنون کو 71 جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر 72 اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے 73 پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصورواروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔''

71 اس واقعہ کو سورۃ یونس میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ اہل نینوا کی طرف ہی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا لیکن ان کی ہٹ دھرمی بڑھتی ہی گئی۔ عرصہ دراز تک جب تبلیغ وارشاد کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تو آپ علیہ السلام ان سے مایوس ہو گئے۔ اس لیے کہ یہ خداوند عالم کو نہیں مانتے اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ آپ علیہ السلام کا دل غصہ سے بھر گیا۔ آپ علیہ السلام اذنِ الٰہی عزوجل کے بغیر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ راستہ میں دریا تھا۔ کشتی میں سوار ہوئے۔ جب کشتی دریا کے بیچ میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کشتی میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنے مالک سے بھاگ آیا ہے اور اسی کی نحوست کی وجہ سے کشتی ڈوبنے لگی ہے۔ جب آپ علیہ السلام نے یہ سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اعتراف کیا کہ وہ میں ہوں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں۔ جب کشتی ڈولنے لگی تو باقی سواریوں کے بچانے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینکنا ناگزیر معلوم ہوا۔ تین بار قرعہ اندازی کی گئی۔ ہر بار آپ علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔ آپ علیہ السلام نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ حکم الٰہی سے وہاں ایک بڑی مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی۔ اس نے فوراً آپ علیہ السلام کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے مچھلی یہ تمہاری خوراک نہیں بلکہ ہم نے تیرے شکم کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ خبردار اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ جب آپ علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو اس وقت آپ علیہ السلام نے اپنے مولیٰ کریم کو ان پیارے الفاظ سے پکارا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اس کی وحدانیت اور سبوحیت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی التجا کو قبول فرمایا۔ مچھلی نے کنارے پر آ کر آپ علیہ السلام کو اُگل دیا۔ یہ دعائیہ کلمات بارگاہِ الٰہی میں اتنے مقبول ہوئے کہ فرمایا کہ ہم اہلِ ایمان کو غم واندوہ کے اندھیروں سے یونہی نجات دیتے ہیں۔ امام احمد ترمذی اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دعوة ذی النون اذا دعا ربه وهو فی بطن الحوت لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین لم یدع بها رجل مسلم فی شیئ الا استجاب له.''

یعنی حضرت ذی النون علیہ السلام کی وہ دعا جو مچھلی کے شکم میں انہوں نے کی تھی جو مسلمان جس مشکل میں ان الفاظ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ حاکم نے ایک اور ارشادِ نبوی اس طرح نقل کیا ہے:

''الا اخبركم بشیئ اذا نزل باحدمنكم كرب اوبلاء فدعابه الافرج الله عنه قیل بلٰی یا رسول الله.''

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے پوچھا کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تمہیں کوئی غم اور مصیبت لاحق ہو اور تم اس سے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان فرمادے۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمایئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا ارشاد فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے قضائے حاجات کے لیے نفل پڑھنا بیان فرمایا ہے۔ ناظرین کے فائدہ کے لیے ان کی ترتیب بھی لکھی جاتی ہے:

''مجھ کو میرے والد مرشد نے اجازت فرمائی ہے کہ انسان حاجات مشکلہ کے برآنے کے واسطے چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں

سورۃ فاتحہ کے بعد لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ کو سو بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ سو بار پڑھے۔ تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ سو بار۔ چوتھی رکعت میں بعد فاتحہ کے قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ پھر سلام پھر سو بار یہ کہے رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں آیتیں اسم اعظم ہیں کہ ان کے وسیلے جو سوال کیا جائے اور جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔

72 اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چل دیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اور اتباع حق سے کیوں دور بھاگتے ہیں۔

73 اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے پکڑ نہیں سکتا جیسے بعض مترجمین نے لکھا ہے بلکہ اس کا معنی ہے لن نضیق علیہ ہم اس معاملہ میں اس پر سختی نہیں کریں گے۔ یہ قدر سے ماخوذ ہے جس کا معنی حکم کرنا ہے نہ قدرت سے۔

قیل ھو من القدر الذی ھو القضاء والحکم ای فظن ان لن نقضی علیہ بالعقوبۃ قالہ قتادہ ومجاھد والفراء ○ ماخوذ من القدر دون القدرۃ ○ (قرطبی)

سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام

سورہ الکہف کی آیات نمبر 60 تا 82 کا اردو ترجمہ:

''اور یاد کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنون (مدتوں) تک چلا جاؤں۔ پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے اور اس نے سمندر کی راہ لی سرنگ بنائی پھر جب دونوں گزر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے فرمایا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ۔ بے شک ہمیں اپنے سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا۔ بولا بھلا دیکھئے جب ہم نے اس چٹان کے پاس جگہ لی تھی تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کروں تو اس نے تو سمندر کی راہ لی اچنبھا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو ہم چاہتے تھے۔ تو پیچھے پلٹے اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ رہوں۔ اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی۔
فرمایا: آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے اور اس بات پر کیوں کر صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں۔ کہا عنقریب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مجھے صابر پاؤ گے۔ اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا فرمایا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس بات کا ذکر نہ کروں۔
اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے اس بندہ نے اسے چیر ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم نے اسے اس لیے چیرا ہے کہ اس کے سواروں کو ڈبو دو۔ بے شک یہ تم نے بری بات کی۔ فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے کہا مجھے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکا ملا۔ اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم نے ایک ستھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بے شک تم نے بری بات کی۔ کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔ کہا اس کے بعد اگر میں تجھ سے کچھ پوچھوں تو میرے ساتھ نہ رہنا۔ بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا۔ پھر دونوں چلے جہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے ان دہقانوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے انہیں دعوت دینی قبول نہ کی۔ پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے کہا یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر (بھید) بتاؤں گا جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔
وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب وار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی کو زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر پر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں عنقریب عطا کرے۔ رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیموں کی تھیں۔ اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا

خزانہ نکالیں۔ آپ کے رب عزوجل کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہ کیا۔ یہ پھیر (بھید) ہے ان باتوں کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ (کنز الایمان)

مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ کی تشریح

اب خزائن العرفان سے مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ کی تشریح بیان کی جاتی ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ابن عمران نبی محترم صاحب توریت و معجزات ظاہرہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے خادم جن کا نام حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کی خدمت میں رہتے اور آپ علیہ السلام کی صحبت میں رہتے تھے۔ اور آپ علیہ السلام سے علم اخذ کرتے تھے اور آپ علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام کے ولی عہد ہیں۔ ان سے فرمایا کہ بحر فارس و بحر روم جانب مشرق اور مجمع البحرین (وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا) پہنچنے کا مصمم عزم کیا اور فرمایا کہ میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔ جہاں تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔ وہ جگہ دور تھی اس لیے یہ حضرات روٹی اور نمکین بھنی مچھلی زنبیل میں توشہ کے طور پر لے کر روانہ ہوئے۔ جب تھک گئے تو ایک چٹان پتھر کی جہاں تھی اور چشمہ حیات تھا تو وہاں دونوں حضرات نے آرام فرمایا اور معروف خواب ہو گئے۔ بھنی ہوئی مچھلی زنبیل میں زندہ ہو گئی۔ اور تڑپ کر دریا میں گری۔ اور اس پر سے پانی کا بہاؤ رک گیا اور محراب سی بن گئی۔ حضرت یوشع علیہ السلام اس وقت بیدار ہو کر اس کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرت یوشع علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ اور اپنے سفر پر چلتے رہے جہاں تک دوسرے روز کھانے کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کھانا طلب فرمایا۔ کیونکہ تھکان بھی تھی، بھوک کی شدت بھی تھی اور یہ بات جب تک مجمع البحرین پہنچے تھے پیش نہ آئی تھی۔ منزل مقصود سے آگے بڑھ کر تھکان اور بھوک معلوم ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ مچھلی یاد کریں اور اس کی طلب میں منزل مقصود کے لیے واپس ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ فرمانے پر خادم نے معذرت کی اور عرض کی مچھلی تو چٹان کے نزدیک ہمارے آرام کرنے کے دوران زندہ ہو کر زنبیل سے اچھل کر دریا میں چلی گئی۔ اور ایک راستہ بناتی ہوئی دریا کے نچلے حصہ میں چلی گئی لیکن مجھے شیطان نے بھلا دیا کہ اس کا آپ علیہ السلام سے ذکر کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مچھلی کا جانا ہی تو ہمارے حصول مقصد کی علامت ہے جن کی طلب میں ہم چلے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات وہیں ہو گی لہٰذا وہ دونوں حضرات علیہما السلام اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے واپس اس جگہ پہنچے اور مچھلی کے دریا میں جانے سے جو راستہ بن گیا تھا اس پر چلے جہاں تک حضرت خضر علیہ السلام کو جا ملے جو ایک چادر اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے۔ لفظ خضر آپ علیہ السلام کا لقب ہے۔ اور اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ جہاں بیٹھتے یا نماز پڑھتے وہاں اگر گھاس خشک ہوتی تو وہ سبز ہو جاتی۔ آپ علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان ہے اور کنیت ابو العباس ہے۔ ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ ایک قول ہے کہ شاہزادے تھے۔ آپ علیہ السلام نے دنیا ترک کر کے زہد و تقویٰ اختیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ آپ علیہ السلام کو اپنے پاس سے رحمت فرمائی اس رحمت سے مراد یا نبوت ہے یا ولایت یا علم یا طول حیات آپ ولی تو بالیقین ہیں۔ آپ علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہے۔ جس کا آگے بیان آئے گا۔ انشاء اللہ مفسرین فرماتے ہیں علم لدنی سے مراد غیوب کا علم جو بندہ کو بطریق الہام حاصل ہو حدیث شریف میں ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ سفید چادر میں لپٹے ہوئے ہیں تو آپ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ تمہاری سرزمین میں سلام کہاں۔ فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں پھر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمایا: جی ہاں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو علم کی طلب میں رہنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی عالم کیوں نہ ہو۔ مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا جس سے علم سیکھے اس کے ساتھ بتواضع وادب پیش آئے۔ (مدارک)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے آپ علیہ السلام اس شرط پر اپنے پاس رہنے دیں کہ جو علم لدنی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے

آپ علیہ السلام کو نیک بات پر جو تعلیم دی ہے وہ مجھے سکھادو گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے۔ اور یہ اس لیے فرمایا کہ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام امور منکرہ وممنوعہ دیکھیں گے اور انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہی نہیں کہ وہ منکرات دیکھ کر صبر کر سکیں پھر ترک صبر کا عذر بھی خود ہی بیان فرمادیا۔ ظاہر میں وہ منکر ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا عطا فرمایا جو آپ علیہ السلام نہیں جانتے اور ایک علم آپ علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے جو میں نہیں جانتا۔ مفسرین و محدثین کہتے ہیں کہ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لیے خاص فرمایا ہے وہ علم باطن ومکاشفہ ہے۔ اور یہ اہل کمال کے لیے باعث فضل ہے۔ چنانچہ وارد ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز وغیرہ اعمال کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین پر فضیلت نہیں بلکہ ان کی افضلیت اس چیز سے ہے جو ان کے سینے میں ہے یعنی علم باطن وعلم اسرار کیونکہ جو افعال سے صادر ہوں گے وہ حکمت سے ہوں گے۔ اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں۔ اس سے مسئلہ معلوم ہوا کہ شاگرد اور مرشد کے آداب میں سے ہے کہ وہ شیخ واستاد کے افعال پر زبان اعتراض نہ کھولے اور منتظر رہے کہ وہ خود ہی اس کی حکمت میں فرمادیں۔ (مدارک وابوالسعود)

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے 2 پھٹے اکھیڑ دیئے اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور ایک گاؤں میں ایک دیوار سیدھی کر دی جو گرا چاہتی تھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت فرمائیں اور مجھے علم لدنی جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو سکھایا ہے اور میں انشاء اللہ صبر کروں گا اور اگر میں تمہارے کسی حکم کی خلاف ورزی کروں تو مجھ سے علیحدہ ہو جانا۔

پس دونوں حضرات علیہما السلام ایک سفر پر چلے۔ راستے میں دریا کو عبور کرنے کے لیے ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی والوں نے آپ علیہ السلام کو پہچان کر کرایہ وصول نہ کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ایک یا دو پھٹے اکھاڑ دیئے لیکن اس کے باوجود پانی کشتی میں داخل نہ ہوا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ایک تو کشتی والوں نے کرایہ ہم سے وصول نہیں کیا اور دوسرا آپ علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کر دیا ہے۔ یہ آپ علیہ السلام نے اچھی بات نہیں کی اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہ نہ کہتا تھا کہ آپ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے میری بھول میں گرفت نہ کرو اور مجھ میں میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔

پھر دونوں چلے کہ حتیٰ کہ ایک لڑکے کو دیکھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے خضر علیہ السلام آپ نے بغیر کسی جرم کے لڑکے کو قتل کر کے برا کام کیا ہے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نہ کہتا تھا کہ آپ علیہ السلام صبر نہ کر سکیں گے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا اس دفعہ قصور معاف کر دو اگر آئندہ کوئی آپ علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی تو بے شک آپ علیہ السلام مجھ سے علیحدہ ہو جانا۔ پھر دونوں چلے کہ ایک گاؤں میں شام کو پہنچے اور گاؤں والوں سے کھانا مانگا اور رات گزارنے کے لیے جگہ لیکن گاؤں والوں نے آپ علیہما السلام کو دعوت دینا قبول نہ کی۔ کہیں اس گاؤں میں رات گزاری تو صبح کو سفر پر روانہ ہونے لگے تو اس گاؤں میں ایک دیوار گرنے کے نزدیک تھی۔ وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ دیوار درست کر دی اور چل پڑے تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ علیہ السلام ان سے اس کی اجرت طلب کرتے اور کچھ مزدوری حاصل کر کے کھانے کا انتظام کر لیتے اور تم نے مزدوری نہ لے کر اچھا نہیں کیا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آپ علیہ السلام کا عذر پورا ہو چکا اور اب آپ علیہ السلام سے جدائی ضروری ہے۔ لیکن اس سے قبل میں آپ علیہ السلام کو ان باتوں کا بھید بتاؤں گا جن پر آپ علیہ السلام کو صبر نہ ہو سکا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کشتی کچھ محتاجوں کی تھی اور میں نے عیب دار اسے کر دیا دریا کے پار ایک ظالم بادشاہ تھا جس کے فوجی ہر نئی کشتی پر قبضہ کر لیتے تھے اس لیے میں نے کشتی کو عیب دار کیا کہ ان کے قبضہ کرنے سے بچ جائے گی۔ بعد میں اس کی مرمت کر کے اپنا کاروبار کرتے رہیں گے۔

اور وہ جولڑکا میں نے قتل کیا ہے۔میں نے دیکھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر اور نافرمان ہو جائے گا اور اپنے والدین کو نقصان پہنچائے گا۔لیکن اس کے والدین بہت نیک آدمی تھے۔ہم نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے بدلے اس سے بہتر نیک اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے۔ان شاء اللہ ان والدین کو نیک اولاد عطا فرمائے گا۔

اور جو دیوار سیدھی کی ہے وہ گرنا چاہتی تھی اور وہ دو یتیم بچوں کی تھی اور ابھی وہ چھوٹی عمر کے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کے والدین نے ان کا خزانہ دفن کیا ہوا تھا۔اور ان کے والدین بہت نیک تھے۔اگر وہ دیوار ہم سیدھی نہ کرتے تو وہ گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا اور کوئی ظالم لے جاتا اور اس کے یتیم حق دار بچے اس کو حاصل نہ کر سکتے۔اب دیوار ہم نے سیدھی کر دی ہے۔آئندہ گرنے سے پہلے وہ بچے یتیم جوان ہو جائیں گے۔اور اپنا خزانہ حاصل کر لیں۔

یہ تھیں وہ چند باتیں جن کے لیے آپ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا اور یہ سب کچھ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا ہے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔(خزائن العرفان)

اور ان آیات کی ''تفسیر الحسنات'' میں بھی اسی طرح تشریح ہے۔

کشتی کے مالکوں، بچے کا قتل کرنا اور یتیم بچوں کی دیوار سیدھی کرنے کے متعلق تفصیلی بیان

اور خزائن العرفان میں ہے کہ کشتی کے مالک دس بھائی تھے۔ان میں پانچ تو اپاہج تھے کچھ نہ کر سکتے اور پانچ تندرست تھے جو دریا میں کشتی کے ذریعے کام کرتے اور اپنے اپاہج بھائیوں کے لیے روزی کماتے تھے اور غریبی کی حالت تھی۔جو بادشاہ نئی کشتیوں کو ضبط کر لیتا تھا اس کا نام جلندی تھا جو دریا کے دوسری طرف تھا اور کشتی والوں کو اس کی خبر نہ تھی۔عیب دار کشتی کو بادشاہ ضبط نہ کرتا اس لیے کشتی کو حضرت خضر علیہ السلام نے عیب دار کر دیا۔

حدیث مسلم میں ہے کہ لڑکا جو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا وہ کافر ہی پیدا ہوا تھا۔بڑا ہو کر ماں باپ کا نافرمان ہو کر ان کو تنگ کرے گا اور اس کے والدین اولاد کی محبت کی وجہ سے اپنے دین سے پھر کر گمراہ نہ ہو جائیں اور حضرت خضر علیہ السلام کا اندیشہ اس سبب سے تھا کہ آپ علیہ السلام باعلام الٰہی اس کے حال باطن کو جانتے تھے۔امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حال باطن جان کر بچے کو قتل کر دینا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔انہیں اس کی اجازت تھی۔اگر کوئی ولی کسی بچے کے ایسے حال سے واقف ہو تو اس کو اس کے قتل کا جائز نہیں۔

کتاب عرائس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ تو نے ستھری جان کو قتل کیا۔تو یہ انہیں گراں گزرا اور آپ علیہ السلام نے اس لڑکے کا کندھا توڑ کر اس کا گوشت چیرا تو اس کے اندر لکھا ہوا تھا کافر ہے۔کبھی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے گا۔(جمل) اس کے بدلہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے چاہا کہ دونوں کا رب (یعنی اس لڑکے کے ماں باپ) انہیں ستھری بہتر اولاد عطا فرمائے جو اپنے والدین کے ساتھ طریق ادب وحسن سلوک اور مودت ومحبت رکھتا ہو۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی عطا فرمائی جو ایک نبی کے نکاح میں آئی اور اس سے نبی پیدا ہوئے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔بندہ کو چاہیے اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے اس میں بہتری ہوتی ہے۔(خزائن العرفان)

(صاحب تفسیر الحسنات آن مرحوم نے نام اجرم اور حریم لکھتے ہیں صفحہ 824،جلد 3) جبکہ خزائن العرفان دو یتیم بچوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا چاندی مدفون تھا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں سونے کی ایک تختی تھی۔اس پر ایک طرف لکھا ہوا تھا۔اس کا حال عجیب ہے جسے موت کا یقین ہو۔اس کو خوشی کیوں کر ہو۔نمبر 2:اس کا حال عجیب ہے جو قضاء وقدر کا یقین رکھے اس کو غصہ کیسے آتا ہے۔نمبر 3:اس کا حال عجیب ہے جسے رزق کا یقین ہو وہ کیوں کسب میں پڑتا ہے۔نمبر 4:اس کا حال عجیب ہے جسے حساب کا یقین ہو وہ غافل کیسے رہتا ہے۔نمبر 5:اس کا حال عجیب ہے جس کو دنیا کے زوال وتغیر کا یقین ہو وہ کیسے مطمئن ہوتا ہے۔اور اس کے ساتھ لکھا تھا: لا

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور دوسری طرف اس لوح پر لکھا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں، میں نے خیر و شر پیدا کی۔ اس کے لیے خوشی ہے جس کے لیے میں نے خیر کو پیدا کیا۔ اور اس کے ہاتھوں پر خیر جاری کی اور اس کے لیے تباہی ہے جس کو شر کے لیے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں میں شر جاری کی۔ (خزائن العرفان)

یتیم بچوں کے والد کا نام کاشح تھا اور یہ شخص پرہیزگار تھا۔ حضرت محمد ابن میکدر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی سے اس کی اولاد کو اور اس کی اولاد کی اولاد کو اور اس کے کنبہ والوں کو اور اس کے محلہ داروں کو اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ'' (خزائن العرفان)

ولی کو نبی پر فضیلت دینا کفر ہے اور حقیقت میں حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے

بعض لوگ ولی کو نبی پر فضیلت دے کر گمراہ ہو گئے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا باوجودیکہ حضرت خضر علیہ السلام ولی ہیں۔ درحقیقت ولی کو نبی پر فضیلت دینا کفر جلی ہے اور حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ بعض کا گمان ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ابتلاء ہے۔ علاوہ بریں یہ کہ اہل کتاب اس کے قائل ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنی اسرائیل کا واقعہ ہی نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن ماثان کا واقعہ ہے۔ اور ولی تو نبی پر ایمان لانے سے مرتبہ ولایت پر پہنچتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی سے بڑھ جائے۔ (مدارک) اکثر علماء اس پر ہیں کہ مشائخ صوفیہ و اصحاب عرفان کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ شیخ ابو عمرو بن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام جمہور علماء و صالحین کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت خضر والیاس علیہما السلام دونوں زندہ ہیں۔ اور ہر سال زمانہ حج میں ملتے ہیں۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے چشمہ حیات میں غسل فرمایا اور اس کا پانی پیا (و اللّٰہ تعالٰی اعلم) (خازن بحوالہ خزائن العرفان)

اب مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' کے اردو ترجمہ جلد اوّل کا صفحہ نمبر 235 تا صفحہ 237 بیان کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرات خضر والیاس علیہما السلام کے قصے

قصہ حضرت خضر علیہ السلام:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے اپنی کتاب عزیز قرآن پاک کے سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پہلے سفر میں خضر علیہ السلام ملے تھے اور انہوں نے ان سے کہا تھا کہ انہیں علم لدنی سے آگاہ فرمائیں اور حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر کے انہیں اپنے ساتھ سفر کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام جو کچھ بھی کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اس کے بارے میں نہ کوئی سوال کریں نہ انہیں ٹوکیں اور اس کے بعد بھی یہ کہا تھا کہ وہ درحقیقت صبر نہیں کر سکیں گے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پہلی شرط قبول کر کے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ہر بات کو دیکھ کر صبر کریں گے اور کسی حیرت و اضطراب کا مظاہرہ نہیں کریں گے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما السلام کا یہ قصہ توریت میں بھی کافی صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے نام اور ان کے نسب نامے کے بارے راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اور قابیل کے بھائی تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگ انہیں بنی اسرائیل سے کچھ آل فرعون سے بتاتے ہیں اور جس طرح ان کے نام و نسب کے بارے میں راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں ویسے ہی ان کی نبوت اور عصر حاضر تک ان کے زندہ رہنے کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔

ابو حاتم نے متعدد حوالوں سے ان کا نام خضرون بتایا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور انہی کو حضرت

آدم علیہ السلام نے اپنی تدفین کے بارے میں وصیت کی تھی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام ہی تھے جنہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی تدفین کی وصیت کے علاوہ انہیں طوفان نوح کی خبر دی تھی اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے محفوظ رہنے والوں میں سے ایک تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں تا قیامت طول عمر کی دعا دی تھی اس لیے وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''معارف'' میں وہب بن منبہ کے حوالے سے ان کا نام ملیا بتایا ہے جب کہ ان کا نام ایلیا بن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بھی بتایا جاتا ہے۔

جن راویوں نے انہیں فرعون کا بیٹا بتایا ہے ان کی روایات ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں۔

ابن جریر نے یہ صحیح کہا ہے کہ وہ افریدون بن اثفیان کے زمانے سے پہلے تھے اور اسی زمانے میں ان کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ ابن جریر کا یہ بیان اس روایت کو مسترد کرتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور فرعون کے زمانے ہی میں تھے۔

بعض لوگوں نے ان کی کنیت ابوالعباس اور اس سے ملتی جلتی کوئی دوسری بتائی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان کا لقب خضر ان سب پر حاوی ہے۔

ان کے نام خضر کی وجہ تسمیہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد حوالوں کے ذریعہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ خضر جس سفید چٹائی (فروہ) پر بیٹھتے تھے وہ ان کے عقب میں سبز رنگ کی طرف چمکتی تھی اس لیے خضر کا نام خضر پڑ گیا۔

عبدالرزاق نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فروہ کے معنی سفید خشک چٹائی بتائے ہیں جب کہ خطابی اور ابوعمر نے فروہ کے معنی زمین کا وہ حصہ بتائے ہیں جس پر گھاس نہ ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ ان کے جسم کے بال سبزی مائل تھے جس کی وجہ سے انہیں خضر کہا جانے لگا تھا جب کہ خطابی نے ان کے حسن سبز (ملاحت جو سبزی مائل تھی) اور چہرے کی وجاہت کی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا تھا۔ یہ بات اس روایت سے ملتی جلتی ہے جو صحیح بخاری میں پیش کی گئی ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ روایت کہ جس مصلیٰ پر حضرت خضر علیہ السلام نماز پڑھتے تھے وہ اگر چہ سفید تھا لیکن ان کی نماز کے دوران میں اس کا رنگ سبز ہو جاتا تھا وہ حدیث غریب بتائی گئی ہے۔

جہاں تک حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض نبوت کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں پہلی دلیل قرآن کی آیہ شریفہ:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا○

پیش کی جاسکتی ہے جب کہ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہمسفر ہونے کے دوران میں ان سے جو جو باتیں ظہور میں آئیں اور ان پر ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے انہیں ٹوکا لیکن آخر میں انہیں یہ راز بتایا کہ وہ سب باتیں انہوں نے یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے خدا کے حکم کے تحت کی تھی، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ دیا تھا (یہ آیت قرآنی کا ترجمہ ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ وحی کا مستحق نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اس دلیل سے ان لوگوں کا بیان بھی غلط ثابت ہوتا ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کو ولی بتاتے ہیں کیونکہ نبوت و ولایت بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔

صحیح یہ ہے کہ ولی نبی نہیں ہو سکتا اور نبی ولی بھی ہوتا ہے کیونکہ ولی کے معنی ہیں دوست۔ تو نبی تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے لیکن معصوم ہوتا ہے اور غائب کی خبریں دیتا ہے۔ (مؤلف) ولی معصوم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے سہواً ہی سہی غلطی کا امکان پایا جاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ کوئی حکم نہیں دیتا۔

رہیں وہ روایات جن میں سے ایک میں حدیث نبوی کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بصرے کے بازار میں ایک بھکاری بھیک مانگ رہا تھا تو اس نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی کچھ مانگا لیکن اس کے بار بار اصرار اور ان کے یہ کہنے کے باوجود کہ ان کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ ان کے پیچھے لگا رہا تو انہوں نے اسے ایک طرف لے جا کر ایک بڑا پتھر اٹھانے کے لیے کہا۔ جب اس نے وہ پتھر اٹھایا تو اس کے نیچے ایک خزانہ مدفون تھا۔ انہوں نے وہ خزانہ اس بھکاری کو دکھا کر یہ شرط رکھی کہ وہ اس میں سے ہر روز جب تک زندہ رہے حسب ضرورت کام میں لاتا رہے گا۔

اس کے علاوہ ایک دوسری روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کے جنازے کی نماز پڑھانے والے تھے کہ انہیں دور سے ایک آواز سنائی دی کہ ابھی ٹھہر جائیے۔ چنانچہ جب تک وہ آواز دینے والا اس نماز میں شریک نہ ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکے رہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت خضر (علیہ السلام) تھے۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میت پر افسردہ کھڑے تھے تو وہاں ایک شخص کو گریہ کناں دیکھا گیا بعد میں کسی صحابی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

یہ جملہ روایات مرسل اور ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں نیز حضرت خضر علیہ السلام کی خوارق العادات کے بارے میں جو روایات اب تک مشہور چلی آتی ہیں ان سب کو بھی غلط بتایا گیا ہے کیونکہ وہ سب کی سب غیر مستند ہیں۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر چہ حضرت خضر علیہ السلام جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے لیکن ان کا زمانہ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا کیونکہ ان کے بعد حضرت یوشع اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک کوئی نبی نہیں ہوا۔

جہاں تک حضرت خضر علیہ السلام کی طویل العمری اور ان کی قیامت تک زندہ رہنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی علیہ السلام سب سے آخر میں مبعوث ہوگا ان پر اس کی اتباع لازم ہوگی اور یہ بھی یاد رہے کہ جیسا حدیث اسراء میں آیا ہے بیت المقدس شریف میں جملہ انبیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ اس کے علاوہ عہد انبیاء کرام علیہم السلام کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کو ان جملہ غزوات میں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی خصوصاً غزوۂ بدر میں اگر وہ اس وقت زندہ تھے شرکت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا چاہیے تھی لیکن کسی حدیث یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شریک تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث نبوی جس پر تمام معتبر و مستند راوی متفق ہیں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روئے زمین پر کسی انسان نے سو سال سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات نہیں تھے۔ (البدایہ والنہایہ کا بیان ختم ہوا)

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی تھے:

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا نام اسکندر ہے اور حضرت خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ انہوں نے ایک شہر بنایا جس کا نام اپنے نام پر اسکندریہ رکھا۔ اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اور صاحب لوا تھے۔ دنیا میں چار بادشاہ ایسے ہوئے جو تمام دنیا پر حکمران تھے۔ دو مومن ایک ذوالقرنین اور دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام اور دو کافر ایک نمرود اور دوسرا بخت نصر اور عنقریب ایک پانچویں بادشاہ اس امت سے ہونے والے ہیں جن کا اسم مبارک حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہے۔ ان کی حکومت تمام روئے زمین پر ہوگی۔ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ نبی تھے نہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا۔ (خزائن العرفان)

اس پر انشاء اللہ آگے حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے بیان میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی؟

اس مسئلہ میں اہل علم کے ہر طرف سے دلائل موجود ہیں کچھ حضرات نے ولی کہا کچھ حضرات نے نبی کہا۔ محققین حضرات اس طرف ہیں کہ آپ علیہ السلام نبی تھے۔ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام ہے۔ ان کا نام "بلیا بن ملکان" ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس لیے حضرت خضر علیہ السلام آپ کا لقب تھا اور اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے لیکن علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر علماء محققین کی یہ رائے ہے کہ وہ نبی تھے۔ کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ علیہ السلام کو نبی ماننا پڑے گا۔ اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔ (از ضیاء القرآن)

بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص: 590 صاحب تذکرۃ الانبیاء فرماتے ہیں کہ ضیاء القرآن سے نقل کرنے کے بعد تفسیر کبیر کو دیکھا تو اس میں بھی یہی وجہ مذکور ہے لیکن الفاظ مختصر ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب

خزائن العرفان اور ضیاء القرآن میں آپ علیہ السلام کا نام "بلیا بن ملکان" بیان کیا گیا ہے اور تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم میں صفحہ 106 پر بابل الوصل اور نینوا کے ملوک کا شجرہ میں اس طرح ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام ابن ملکان بن فالغ بن عابر یا عاجز بن شالح بن ارفخشد بن سام بن سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام (و اللہ اعلم)۔ نیز ملکان کے دوسرے بیٹے کا نام کنعان ہے۔ "و اللہ اعلم عزوجل"

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں:

اس مسئلہ پر پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب تحریر فرماتے ہیں اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں اور دوسرا گروہ علماء کہتا ہے آپ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ ان دونوں گروہوں نے اپنے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوئی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے انہوں نے اس سلسلہ میں ایسی بات لکھی ہے کہ جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہوتا ہے اور انسان کے دل میں اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہ الٰہی میں حقیقت حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے۔

ترجمہ تفسیر مظہری:

"تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہوتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ

کی مدد کرتے ہیں۔علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا سے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں۔ہمیں اولیاء اللہ تعالیٰ میں سے جو قطب مدار ہوتا ہے اس کا مددگار و معاون بنایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے مدار عالم بنایا ہے اور اس کی برکت وفیض سے دنیا قائم ہے۔آج کل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں۔ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔اس کشف صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد اور اشکال دور ہو گیا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو کبیر و متعال ہے۔"(وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب)(ضیاء القرآن بحوالہ تذکرۃ الانبیاء، ص:594،595)

قارئین حضرات! حضرت خضر علیہ السلام کی نبی ہونے یا ولی ہونے کے متعلق اور آپ علیہ السلام کے زندہ یا وفات پا جانے کے متعلق فریقین میں بہت اختلاف ہیں۔اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔لیکن راقم الحروف چونکہ آپ علیہ السلام کی نبوت کا قائل ہے۔اور زندہ یا وفات کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف صحیح پر یقین رکھتا ہے۔اس لیے صرف اسی دلائل پر اکتفا کر رہا ہوں۔آپ علیہ السلام کی ولایت کے قائل جو ہیں وہ تفسیر کبیر وروح المعانی کا تفصیلی مطالعہ کریں اور جو آپ علیہ اسلام کے زندہ ہونے یا وفات کے متعلق جاننا چاہیں وہ تفسیر الحسنات کا مطالعہ کریں۔

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا نام اسکندر ہے۔آپ خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔انہوں نے اسکندریہ شہر بنایا اور اس کا نام اسکندریہ رکھا۔حضرت خضر علیہ السلام آپ کے وزیر اور صاحب لوا تھے۔دنیا میں چار بادشاہ ہوئے ہیں جو تمام دنیا پر حکمران ہوئے۔ان میں دو مومن اور دو کافر تھے۔

مومن تاجدار حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر بابلی ہیں۔

اور پانچویں بادشاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہونے والے ہیں۔جن کا اسم گرامی حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہے۔ان کی حکومت بھی تمام دنیا پر ہوگی۔

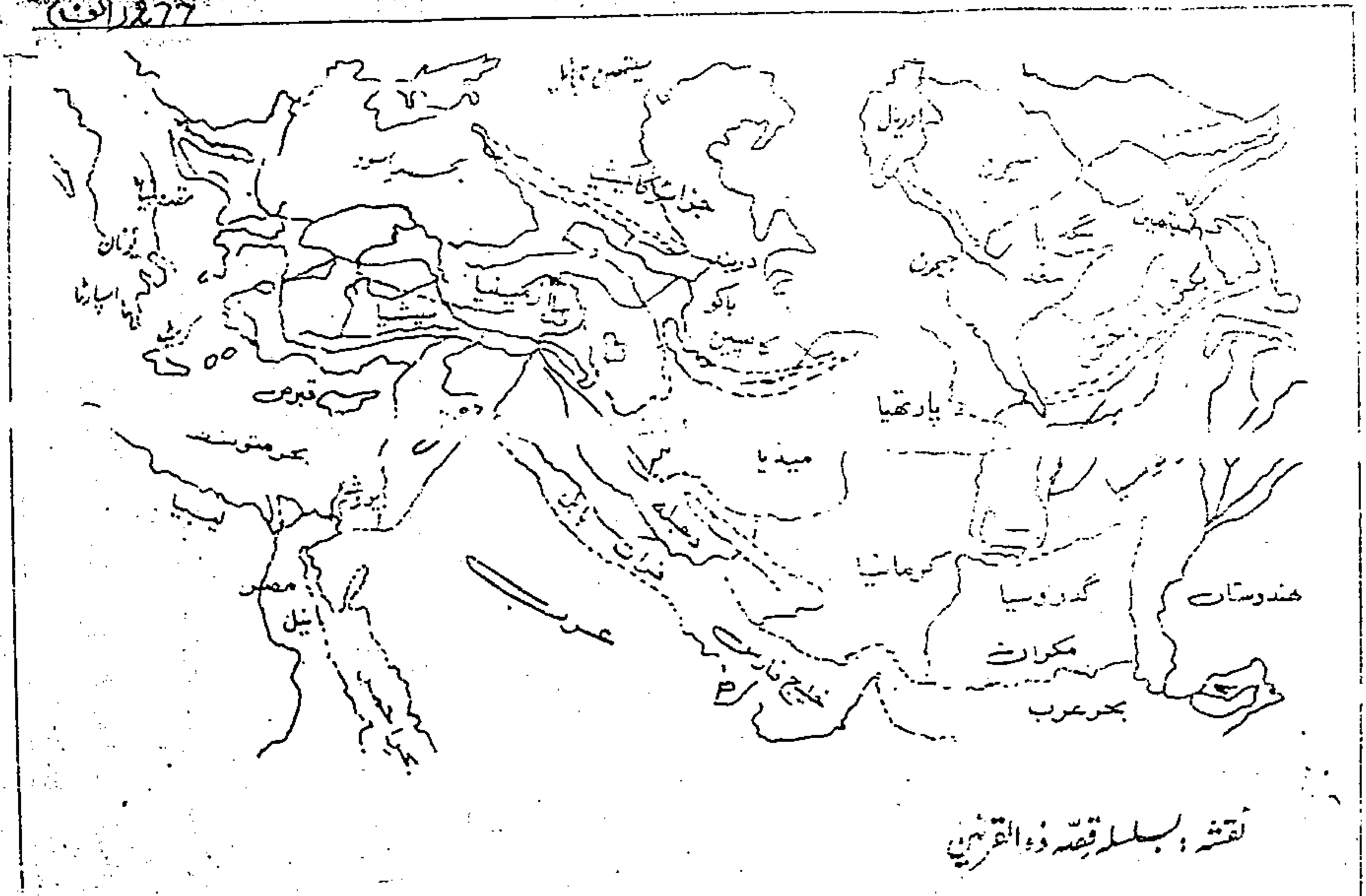
حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: وہ نہ نبی تھے اور نہ فرشتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبوب بنایا۔(خزائن العرفان،تفسیر الحسنات،جلد سوئم،ص:830)

آپ کی نبوت میں اختلاف کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا ذکر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مفسرین نے جو واقعہ آپ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے کتابوں میں دیکھا تھا کہ اولاد سام میں سے ایک شخص چشمۂ حیات سے پانی پیئے گا۔اسے موت نہ آئے گی۔یہ دیکھ کر وہ چشمۂ حیات کی جستجو میں مشرق و مغرب میں پھرے آپ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام بھی تھے وہ تو چشمۂ حیات تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس کا پانی بھی پی لیا۔مگر حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے مقدر میں نہ تھا۔انہیں وہ چشمہ نہ ملا مگر اس سفر میں جانب مغرب روانہ ہوئے تو جہاں تک آبادی ہے اس کے سب منازل طے کر ڈالے اور سمت مغرب میں وہاں تک پہنچے جہاں سے آگے آبادی کا نام ونشان ہی نہ تھا۔وہاں انہوں نے آفتاب کو غروب کے وقت اس حال میں دیکھا کہ وہ سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔جیسے دریائی سفر کرنے والوں کو پانی میں سورج ڈوبتا معلوم ہوتا ہے۔یہاں سے آگے وہ قوم دیکھی جو جانور کے چمڑے پہنے ہوئے تھی اور ان کی غذا مردہ جانور تھے اور وہ سب کافر تھے۔

دوسرا سفر اپنے ساز وسامان کے ساتھ بلاد مشرقیہ کی طرف شروع کیا حتیٰ کہ ایسی قوم تک پہنچے جن کے پاس آفتاب سے بچنے کے لیے کوئی خیمہ پہاڑ وغیرہ نہ تھا کوئی عمارت وہاں نہ قائم ہو سکتی تھی۔ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ طلوع کے وقت غاروں میں گھس جاتے اور زوال کے بعد نکل کر اپنا کاروبار کرتے۔ان کے حالات اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔(خزائن العرفان،تفسیر الحسنات،جلد سوئم،ص:833)


نقشہ بسلسلہ قصہ ذوالقرنین
ہندوستان
بحر عرب
مکران
گدروسیا
کرمانیا
خلیج فارس
عرب
دجلہ
فرات
میدیا
پارتھیا
بحر متوسط
مصر
نیل
لیبیا
قبرص
باکو
دربند
آرمینیا
یونان
اسپارٹا
جیحون

اصل میں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کون ہیں؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسکندر یونانی فیلقوس کا بیٹا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ اسکندر بن فیلبس بن معویم بن ہرمس بن میطون کا بیٹا ہے اور ابن دومی بن لیلی بن یونان بن یافث بن تونہ بن شرخون بن تولط بن یوفیل بن رمی بن اصغر بن عزیز بن عیص بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام ہے۔

یہ تینتیس سال زندہ رہے اور ان کی حکومت بارہ سال رہی۔ ایک قول ہے کہ چھتیس سال زندہ رہے اور حکومت سولہ سال رہی۔

بہر حال ان کے خیال میں اسکندر ذوالقرنین علیہ السلام جنہوں نے اسکندریہ بنایا یہی ہیں اور یہ ارسطو کے شاگرد تھے اور ارسطو کے پاس ایتھنہ میں ان کے والد چھوڑ آئے تھے۔ یہاں یہ ارسطو کے پاس پانچ سال رہے اور فلسفہ وغیرہ علوم حاصل کئے اسی بناء پر مؤرخین ارسطو کا بھی مذہب حق کا متبع کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی رسول مبعوث نہ ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو سال قبل تھے۔

اور اس وقت انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل سے ہو کر انہیں میں مبعوث ہوئے تھے اور ذوالقرنین علیہ السلام بنی اسرائیل سے نہ تھے تو ان کا حکم اہل فترۃ کے حکم میں تھا۔ (روح المعانی بحوالہ تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص: 831)

بعض کا خیال ہے کہ وہ اسکندر یہ جو غالب آیا اور ملک فارس بھی جس کا تابع فرمان ہوا وہ اسکندر ذوالقرنین علیہ السلام ہیں۔ اور جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس پر بعض کا خیال ہے کہ وہی ہیں بعض کہتے ہیں وہ نہیں ہیں۔

اور وہ جسے اسکندر یہ ملوک سالفہ سے کہتے ہیں وہ دو ہیں۔ ان دونوں کے مابین دو ہزار سال کا فرق ہے۔ ان میں وہ اسکندر رومی ذوالقرنین علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں اور اسکندر یونانی یہ وہ ہے جو ایک زمانہ طویل تک زندہ رہا اور بعض کہتے ہیں دو ہزار اور بعض کے نزدیک تین ہزار سال زندہ رہا مگر ان روایتوں سے کوئی بھی صحیح روایت نہیں۔

البتہ ابوریحان بیرونی منجم اپنی کتاب میں جو لکھتے ہیں: اس میں ذوالقرنین علیہ السلام کا نام ابوکرب سہی بن عمیر بن افریقبس حمیری۔ عمیری پتا کر لکھتے ہیں کہ یہ وہ ہیں جن پر تبع یمانی فخر کرتے ہیں اور اپنی رباعی میں لکھتے ہیں (منقول از اکتساب اثار الباقیه عن القرون الخالیة قد کان ذوالقرنین جدی مسلمًا ○ ملکا علافی الارض غیر مفند

بلغ المغارب والمشارق یبتغی اسباب ملك من حکیم قرشد

فرای مغیب الشمس عند غروبها فی عین ذی خلب و ثاط حرقد

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذوالقرنین یہی ہوں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے اور ان کا دار الخلافہ مقدونیا تھا۔

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا دار الخلافہ مقدونیا تھا اور وہ بلاد روم کا ایک شہر ہے جو غربی دار السلطنت قسطنطنیہ کا ہے۔ مقدونیہ اور قسطنطنیہ کے مابین پندرہ دن کی مسافت ہے اور ایسے اس کے قریب شہر شیروز ہے۔ (روح المعانی)

مندرجہ بالا عبارت تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص: 830 اور 831 نقل کی گئی ہے۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:

ذوالقرنین نام رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی حکومت تمام زمین پر ہوئی۔ مشرقی سمت کی انتہا تک اور مغربی حصہ کی انتہا تک اور شمال کے تمام حوالی پر۔ یہ گویا معمولات ارضی پر مسلط ہوئے۔ (روح المعانی)

اور ذوالقرنین عربی لفظ ہے اور زمانہ قدیم میں "ذو" کے معنی یمنی بادشاہ ملقب ہوتے رہے۔ جیسے ذونواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن اور ذوجدن وغیرہ۔

اور قرن عربی لفظ ہے یہ سینگ کے معنی دیتا ہے اور قرن زمانہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو ذوالقرنین علیہ السلام کا معنی یہ ہوا ''دو سینگوں والا''۔
(تفسیر الحسنات، ص:831 اور 843)

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کی نسبت وہ خلاصہ جو قرآن کریم نے فرمایا:

صاحب تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص:843 تا 846 پر بیان فرماتے ہیں کہ اس پر من حیث المجموع اگر نظر ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

اوّل: یہ کہ جس شخصیت کی نسبت سوال کیا گیا وہ یہودیوں میں ذوالقرنین علیہ السلام کے نام سے مشہور تھا۔ جس کے صاف معنی یہ نکلتے ہیں کہ ذوالقرنین علیہ السلام قرآن کریم نے کسی کا نام نہیں رکھا۔ بلکہ سوال کرنے والوں نے اس نام سے سوال کیا۔ اس لیے فرمایا گیا: وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (سورہ کہف، آیت:83)

دوئم: یہ کہ جس کے متعلق سوال کر رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حکمران تھا اور اس کے پاس ہر قسم کے ساز و سامان مہیا تھے۔ اور جو کچھ ایک حکمران کے لیے ہو سکتے تھے۔ سب کچھ ہی اس کے پاس تھے کسی قسم کی کوئی کمی نہ تھی۔

سوئم: یہ کہ اس کی بڑی تین مہمیں تھیں۔ پہلی ممالک مغرب کی فتح، دوسری مشرقی کی فتح اور تیسری ایسی فتوحات جو اس مقام پر ختم ہوئیں۔ جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف یاجوج ماجوج آ کر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔

چہارم: اس مقام پر پہنچ کر ذوالقرنین نے ایک مضبوط و مستحکم سد (دیوار) تعمیر کی جس سے یاجوج ماجوج کی راہ آمد و رفت بند ہوگئی۔

پنجم: حضرت ذوالقرنین عام حکمرانوں کی طرح ظالم جابر نہیں تھے بلکہ ایک عادل خدا ترس حکمران تھے۔ جب وہ مغرب کی طرف فتوحات حاصل کرتے دور تک چلے گئے تو وہاں ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے عام بادشاہوں کی طرح حضرت ذوالقرنین علیہ السلام بھی ظلم و تشدد کریں گے۔ لیکن حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے اعلان کیا کہ بے گناہ قوم کے لیے کوئی اندیشہ نہیں بلکہ ان کے لیے میری طرف سے ان کی نیکیوں پر انعام و اکرام ہوگا۔ البتہ انہیں خوفزدہ ہونا ضروری ہے جو بداعمال اور مجرم ہیں۔

ششم: یہ کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام خدا پرست راست باز آدمی تھے۔ انہیں حیات اخروی پر یقین و ایمان تھا۔

ہفتم: وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح حریص اور لالچی نہ تھے۔ آپ کو جوع الارض کا مرض نہ تھا۔ آپ محکوم رعایا کا خون پینے والے نہ تھے اور ٹیکس پر ٹیکس لگا کر رعایا کو کمزور کرنے والے حکمران نہ تھے۔ بلکہ رعایا کی آواز پر غور کرنے اور اس کی تکلیف رفع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب ایک قوم نے جوج ماجوج کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہماری کھیتیاں اجاڑ جاتے اور ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار تعمیر کر دیں ہم آپ کو خراج دیں گے۔ تو حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے عام حریص حکمرانوں کی طرح ان پر خراج مقرر نہ کیا۔ بلکہ فرمایا: جو کچھ میرے رب عزوجل نے مجھے دیا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے میں تمہارے خراج کا طامع نہیں اور تمہارا مطالبہ خراج کے لالچ میں پورا نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنا فرض سمجھ کر جو تم چاہتے ہو وہ کروں گا۔ اس لیے رعایا پروری میرے فرائض میں ہے۔

البتہ میں تم سے جسمانی مدد لوں گا تا کہ بعد میں مجھے آسانی رہے اور وہ مدد یہ ہے کہ لوہے کے ٹکڑے جمع کرو اور لاؤ۔

ہشتم: حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے اپنے لفظوں میں فرما کر بتا دیا کہ میرے عقیدہ میں میرے رب عزوجل نے جو کچھ دیا ہے وہی بہتر ہے۔

نہم: جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں ان پر میری طرف سے کوئی زیادتی نہیں کیونکہ میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ ہوں۔

دہم: نافرمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بھی غضب ہے میں بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔

یہ ہے خلاصہ شخصیت ذوالقرنین علیہ السلام کا، اسی لیے مفسرین نے سب سے پہلے تو حضرت ذوالقرنین علیہ السلام پر بحث کی ہے کہ یہ لقب عربی زبان

کا ہے یا عبرانی کا چونکہ قرن کے صاف معنی سینگ کے ہیں اور استعاری معنی زمانہ اور مدت کے بھی لیے گئے۔
اور تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملتا جس کا یہ لقب ہو۔ اسی بنا پر بعض مفسرین تتبع کرتے کرتے وسعت فتوح اور مشرقی ومغربی حکمرانی دیکھ کر کہہ گئے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام سکندر مقدونی ہے۔
حتیٰ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ذوالقرنین علیہ السلام سکندر مقدونی کو مان چکے ہیں۔ اگرچہ مؤرخین کے اعتراضات بھی نقل کر دیے جو سکندر مقدونی کے ماننے میں ہوتے ہیں۔
حالانکہ تاریخ کی روشنی میں سکندر مقدونی کی طرح حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نہ تھے۔ اس لیے کہ سکندر مقدونی نہ تو خدا پرست تھا اور نہ عادل اور نہ مفتوح اقوام کے لیے فیاض اور اس نے کوئی سد (دیوار) بھی تعمیر نہ کی۔
اور یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن کریم یہودیوں کے سوال کی حد تک جواب دے چکا ہے اور اس سے اسے بحث نہ تھی کہ وہ بلا وجہ یہ بھی بتائے کہ وہ کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔
اس کی تحقیق میں اور بھی بہت سے محقق سرگرداں ہیں۔ چنانچہ ایک مفکر زمانہ حضرت دانیال نبی علیہ السلام کے خواب سے تعبیر لے کر کتاب دانیال کو سامنے رکھ کر حضرت دانیال علیہ السلام کا خواب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (اس کے لیے ضیاء القرآن کی جلد سوئم سے ص:46 تا 53 کی نقل بیان کی جاتی ہے۔) لیکن تفسیر الحسنات کی جلد سوئم، ص:844 تا 847 پر بھی اس سے ملتا جلتا بیان کیا گیا ہے۔ اور جو تفسیر الحسنات میں ضیاء القرآن سے اضافی بیان تحریر ہے۔ وہ پہلے تحریر کیا جاتا ہے۔
صاحب تفسیر الحسنات، جلد سوئم، ص:845 تا 846 پر فرماتے ہیں:
بنا برایں یونانی مؤرخوں کے بیان کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کا جو حال قرآن کریم نے یہاں بیان کیا وہ ہو بہو یہی ہے۔
محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین زمانوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا زمانہ حملہ اسکندر سے پہلے کا، دوسرا پارتھوی یا ملوک الطوائف کا ہے۔ تیسرا زمانہ سلاطین ساسان کا ہے۔
فارس کی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے قبل گزر چکا ہے۔ اور اس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے اور انہی کو حضرت ذوالقرنین! کہا گیا ہے۔
لیکن آج اس عہد کے حالات مکمل معلوم کرنے کے ذرائع مفقود ہیں۔
سوائے تین انگریز مؤرخوں کے جو یونانی تحریروں سے ماخوذ کر کے کچھ لکھ گئے ہیں۔ اور وہ تین مؤرخ یہ ہیں: 1- میروڈوٹس، 2- ٹی سیاژ، 3- زینوفن تو تمام مباحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ سائرس ہی حضرت ذوالقرنین علیہ السلام تھے اور سکندر اعظم ذوالقرنین نہیں ہے۔
اور یہ مسلم ہے کہ سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ بڑا فاتح تھا مگر وہ اپنے فاتحانہ اقدام میں انسانیت و اخلاق کا کوئی گوشہ فتح نہ کر سکا۔ برخلاف سائرس کے اس نے کسی ارسطو سے تعلیم نہیں پائی۔ اور ملک فتح کرنے کے ساتھ ساتھ انسانیت و مملکت کے فضائل کو بھی مسخ کیا۔ سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اتنی ہی تھی جتنی خود اس کی عمر تھی۔ لیکن سائرس کی فتوحات نے جو بنیاد ڈالی وہ دو سو برس تک نہ ہل سکی۔ سکندر کے دم توڑنے کے ساتھ ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ہو گئے۔ لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع اور مستحکم ہوتی رہی۔ سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں۔ جو قہر اور طاقت سے سر ہوئیں لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں۔ جنہیں انسانیت نے سر کیا تھا۔ سائرس فتح بابل کے بعد دس سال تک زندہ رہا اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں۔ پھر تاریخی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا۔

چنانچہ مورخ زینوفین لکھتا ہے: ''وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق اور مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا۔ اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے۔''

لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ہماری تمام تر تحقیق سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ ذوالقرنین ۔سائرس ہیں اور سکندر اعظم وغیرہ کی جو روایتیں ہیں وہ ذوالقرنین کی صفات پر نہیں اترتی ۔اس لیے ان کے تسلیم کی طرف ہمارا میلان نہیں ۔(واللہ اعلم عزوجل)

اب ضیاء القرآن کی نقل پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: (سورہ کہف آیت نمبر ۸۳)

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق 105 فرمایئے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے متعلق صاحب ضیاء القرآن کی تحقیق:

105 یہود کی انگیخت پر مشرکین عرب نے حضور اکرم ﷺ سے جو تین سوالات کیے تھے۔ ان میں آخری سوال ذی القرنین کے متعلق تھا۔ یہ رکوع تقریباً اسی سوال کے جواب پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند امور کا تصفیہ ضروری ہے۔ (1) ذی القرنین کون تھا؟ (2) اس کے تین جنگی سفر کن کن سمتوں میں تھے۔ اور ان سفروں کے نتائج کیا تھے؟ (3) وہ سد کہاں ہے (دیوار یا بند) جو ذی القرنین نے تعمیر کی تھی۔ (4) یاجوج ماجوج سے مراد کون سی قوم ہے۔

کیونکہ سکندر مقدونی اپنی فتوحات کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس لیے کئی مفسرین کا یہ خیال ہے کہ ذی القرنین سے مراد سکندر ہے لیکن آیات قرآنی اس نظریہ کی تصدیق نہیں کرتیں۔ کیونکہ سکندر یونان کا باشندہ تھا اور اہل یونان سب بت پرست تھے اور یہی مذہب سکندر کا تھا۔ حالانکہ قرآن کریم میں ذی القرنین کے متعلق صراحتاً مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کا اپنی رعایا اور اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو سلوک تھا اس میں ایک سچے مومن کا جذبہ شفقت و اخلاص صاف دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے قرآن میں مذکور ذی القرنین سے سکندر مقدونی مراد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ دینا کہ سکندر مسلمان تھا اس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک یہ نہ ثابت کر دیا جائے کہ اس نے اپنے آبائی اور قومی مشرکانہ عقائد کو ترک کر کے توحید کا عقیدہ قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کے اقوال کی وجہ سے دشمنان اسلام کو قرآن پر زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علماء اسلام کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحقیقات اور تجسس سے قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کی ایسی وضاحت کریں کہ مخالف اپنا منہ لے کر رہ جائے۔

ذی القرنین کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد رقمطراز ہیں کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قدیم کتابوں میں ذی القرنین کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کے نزدیک اس سے مراد کون ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس ذی القرنین میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم نے ذکر کی ہیں۔ اور کیا وہ کارنامے اس سے صادر ہوئے جنہیں قرآن نے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ سوال یہود کی طرف سے اہل مکہ مکرمہ کو سکھایا گیا تھا کہ وہ حضور ﷺ سے پوچھیں کہ ذی القرنین کون ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص یہود کے نزدیک اس لقب سے معروف تھا۔ اس کے متعلق ہمیں دانیال کی کتاب کے آٹھویں باب میں یہ آیتیں ملتی ہیں۔ حضرت دانیال علیہ السلام اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ اسی باب کی بیسویں آیت میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔
>
> جو مینڈھا میں نے دیکھا اس کے دونوں سینگ مادی (میڈیا) اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ جسیم بکرا یونان کا بادشاہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادی (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان دونوں کے فرمانروا کو مینڈھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔''

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب بخت نصر نے ہیکل کو برباد کیا تھا۔ بیت المقدس شریف کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے آیا تھا۔ اور ان کی جمعیت ختم کرنے کے لیے بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نبی بھی اسیروں میں تھے۔ آپ کو خواب میں بنی اسرائیل کی رہائی کی خوشخبری دی گئی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد سائرس (SERUS) فارس کا حکمران بنا اور اس نے کچھ عرصہ بعد میڈیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اسی کے حکم سے بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی۔ اور اس کی کوشش اور حکم سے ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ جس طرح سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ پہلے تو یہ صرف گمان تھا کہ اس خواب کی وجہ سے یہود سائرس کو ذی القرنین (سینگوں والا) کے لقب سے ذکر کرتے ہیں لیکن 1938ء کے ایک انکشاف نے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذی القرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا اور باشندگانِ فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔ یہ سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کے دونوں طرف عقاب کے پر بھی ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ میڈیا اور فارس کا شہنشاہ ہونے کے باعث سائرس ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے خواب سے ہی سائرس کو یہ لقب اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ فارس کے بادشاہوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑی عقیدت تھی۔ سائرس نے بابل کو فتح کیا تو بنی اسرائیل کی اسیری اور جلاوطنی کے دن ختم ہوئے۔ اور اس نے ان کو فلسطین واپس جانے اور ہیکل کو از سر نو تعمیر کرنے کی اجازت دی اور ہیکل کے سونے چاندی کے جو برتن بخت نصر لوٹ کر لایا تھا اور انہیں اپنے خزانے کی زینت بنایا تھا۔ سائرس نے حکم دیا کہ وہ بھی بنی اسرائیل کو واپس دیئے جائیں اور پہلے کی طرح ہیکل میں داخل کیے جائیں۔ سائرس کا بچپن بڑا گمنامی کی حالت میں گزرا۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سارا وقت بسر ہوا۔ قدرت نے گوشۂ گمنامی سے اٹھایا اور فارس کا تاجدار بنا دیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اس نے سب سے بڑی اور مضبوط حکومت میڈیا کو مغلوب کر لیا۔ بابل کو اپنی قلمرو میں داخل کر لیا۔ جس سے اس کی شہرت بامِ عروج پر پہنچی اور اس کی عظمت سے دل تھرانے لگے۔ یہ ہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے انا مکنالہ فی الارض کے جامع الفاظ سے بیان فرمایا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ذوالقرنین کی جن تین مہموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے کیا ان کی راہنمائی سائرس نے کی اس کی ایک مہم مغرب الشمس کی طرف، دوسری مطلع الشمس کی طرف، تیسری ایک ایسے مقام کی طرف جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج و ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

سائرس کے مؤرخین بتاتے ہیں کہ جب اس نے میڈیا کو فتح کر کے اپنی سابقہ مملکت فارس کے ساتھ ملا لیا تو اس کے فوراً بعد ایشیائے کوچک کی ایک ریاست جولیڈیا کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے بادشاہ کروسیس نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور صلح کے تمام ان معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیا جو کروسیس اور سائرس کے باپ کے درمیان ہوئے تھے۔ سائرس مقابلہ پر مجبور ہو گیا اور اپنے حریف کو جنگ میں شرمناک شکست دی اور لیڈیا کی ساری حکومت پر قابض ہو گیا۔ اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں کہ مغربی ساحل پر پہنچ گیا۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ لیکن سمندر نے اس کی پیشقدمی روک دی۔ اس نے بصد حسرت نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل چھوٹی چھوٹی خلیجوں کا مجموعہ ہے۔ اور سمندر کم گہرا ہونے کی وجہ سے پانی گدلا ہے۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان فرمایا: ''وجدھا تغرب فی عین حمئۃ'' اگرچہ سورج تو اپنی آسمانی مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں لیکن سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا نظارہ کرنے والے کو کیا یہ دکھائی نہیں دیتا کہ سورج آہستہ آہستہ پانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کے لیے نیچے اتر رہا ہے۔ جس قوم سے سائرس کو وہاں واسطہ پڑا تھا وہ قوم تھی جنہوں نے کروسیس کی سرکردگی میں اس پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج و تخت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ وہ لوگ اس کے قبضہ میں تھے جس طرح چاہتا ان کے ساتھ برتاؤ کر سکتا تھا۔ لیکن سائرس کے مؤرخین یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ اس نے قطعاً کسی پر زیادتی نہیں کی بلکہ اس نے اپنی حملہ آور فوج کو

تاکیدی حکم دیا تھا کہ دشمن کے سپاہی کے سوا کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اور اگر وہ بھی نیزہ جھکا دے تو اس سے بھی تعرض نہ کرنا۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی مورخین کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ لَهٗ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خود مومن تھا اور نیک اعمال کا قدر دان تھا۔

اس کی دوسری مہم مشرق کی جانب تھی جبکہ مملکت کے مشرقی اطراف میں بعض خانہ بدوش قبائل نے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دی تو اس کو فرو کرنے کے لیے اسے مشرق کا رخ کرنا پڑا۔ اور وہ بلخ اور باختر کے قبائل کی سرکوبی کے لیے بڑھا۔ سب کو مطیع بنایا۔ آگے پہاڑوں کا طویل اور اونچا سلسلہ تھا۔ اس کے باعث آگے بڑھنے کے لیے کوئی راستہ نہ تھا لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهِمْ سِتْرًا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ باغی قبیلہ صحرانورد تھا۔ قلعوں اور محلات کا تو ذکر ہی کیا وہاں کوئی باقاعدہ بستی ہی نہ تھی جہاں مکانات تعمیر کئے جاتے اور ان میں رہائش کی جاتی۔ کبھی درختوں کے کسی جھنڈ کی آڑ میں وقت بسر کر لیا۔ کبھی کوئی معمولی سا خیمہ تان لیا۔ دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی معقول انتظام نہ تھا۔

تیسری مہم، اس مہم کے متعلق قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیانی درہ تک پہنچا تو وہاں اسے ایک قوم ملی جوان کی بولی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سدین سے مقصود کا کیشیا کا پہاڑی درہ ہے۔ اس کے داہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روکی ہوئی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی رکاوٹ ہے۔ درمیانی علاقہ میں اس کا سر بفلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ اس درمیانی درے کے علاوہ شمالی قبائل کے لیے ادھر آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یقیناً یہیں سے یاجوج وماجوج آ کر ان پر حملہ کرتے اور ان کے علاقہ کو تاخت وتاراج کیا کرتے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد (بند) تعمیر کر کے ان کا راستہ بند کر دیا گیا۔ جو لوگ اس علاقہ میں آباد تھے اور آئے دن یاجوج ماجوج کے حملوں سے ان کا امن برباد ہوتا رہتا تھا۔ انہوں نے ہی سائرس سے التجا کی ہو گی کہ وہ انہیں اس بلائے بے درماں سے نجات دلائے۔

قرآن کریم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف مومن ہی نہ تھا بلکہ بڑا فیاض اور رعایا کا ہمدرد اور خیر خواہ بادشاہ بھی تھا۔ ہمیں اس کے ایمان کے متعلق مطمئن ہونے کے لیے کسی بڑی کدوکاوش کی ضرورت نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں ہی اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ مومن تھا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی پیشین گوئی تو آپ پڑھ آئے ہیں اب یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی سنیے:

''جو خورس (سائرس) کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی بالکل پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ تعمیر کیا جائے گا اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔'' (یسعیاہ باب 44: آیت 28) اسی کتاب کے باب 45 کی پہلی آیت بھی ملاحظہ فرمائیے:

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائیں گے۔ یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دوبارہ آیا ہے۔ ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء کرام علیہم السلام میں۔ یورپ کی زبانوں میں انہیں (GOG AND MAGOG) کہا جاتا ہے یہ کون سی قوم تھی۔ تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی کو وہ عظیم الشان دیوار بنانی پڑی۔ جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر 214 ق۔م میں شروع ہوئی اور دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دیں۔ اس لیے ان کے حملوں کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انہیں کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی۔ شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے۔ لیکن چینی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام ''موگ'' ہے جو چھ سو برس ق۔م یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا تھا۔ اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے۔ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد

ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کا کیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا ہے۔ اور بحرِ خزر سے مل جاتا ہے یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ۔ انسائیکلوپیڈیا)

اس مقام سے مغرب کی طرف درہ دانیال جو دو بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دروازہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خیال کے مطابق آخری دیوار وہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے: و اللہ تعالٰی اعلم۔ (یہ تفصیلات بیشتر مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ماخوذ ہیں۔)

ترجمہ: (سورۂ کہف آیت نمبر ۸۴ تا ۱۰۰ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد سوئم سے)

''ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں 106 اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان۔ پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر 107 یہاں تک کہ جب وہ غروبِ آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے۔ ایک سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین علیہ السلام (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو 108 ذوالقرنین علیہ السلام نے کہا جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے۔ پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے ربّ عزوجل کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے 109 اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر 110 یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوعِ آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ 111 بات یونہی ہے۔ اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔ پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر 112 یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں 113۔ تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تا کہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے ربّ عزوجل نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے 114 پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا 115 جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔ سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اسے دور نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے 116 ذوالقرنین نے کہا یہ میرے ربّ عزوجل کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی اور جب آ جائے گا میرے ربّ عزوجل کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے ربّ عزوجل کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے اور ہم واگزار کریں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے۔ اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر''

(تفسیر) 106 یعنی اسے ملک میں تسلط بخشا اور با اختیار کیا اسے علم، قدرت و آلات وغیرہ مرحمت فرمائے جن سے کام لے کر وہ ہر چیز تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ اس آیت میں سببا کا معنی مایو صل الیہ من العلم و القدرۃ و الآلات (مظہری)

107 یہ اس کی پہلی مہم کی طرف اشارہ ہے جو مغرب الشمس کی طرف تھی۔ جس میں وہ مغربی علاقہ کو فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے سمندر کے کنارہ تک جا پہنچا اور سمندر حائل ہونے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حمئۃ سیاہ کیچڑ جہاں پانی کم ہو وہاں کا کیچڑ سیاہ اور پانی گدلا ہوتا ہے۔ اس سے بحرِ اسود کے خلیج نما ساحل کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں سببا کا معنی راستہ ہے۔ سببا یعنی الطریق۔ (مظہری)

108 اگر وہ نبی تھا جیسے بعض کا خیال ہے تو یہ ارشاد بذریعہ وحی ہوگا ورنہ کسی دوسرے نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اجازت مرحمت کی جارہی ہے کہ اس مفتوحہ قوم سے جو مناسب برتاؤ چاہے کرے۔

109 اس نے اپنی نیک نفسی کی وجہ سے ان کے پہلے تمام قصوروں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لیے انہیں متنبہ کر دیا۔ اس کے اس کردار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ سکندر رومی نہ تھا۔ کیونکہ سکندر کے متعلق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے باپ فلپ کے مرنے کے بعد اپنے معصوم، ننھے، سوتیلے بھائی کو جو قلوپطرا کے بطن سے تھا قتل کرا دیا اور اسی طرح اپنے چچا زاد بھائی منفاس کو بھی اس نے مروا ڈالا تھا۔ نیز اس کے متعلق یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ کے قتل میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔ (جلد 1، ص: 567)

ایسے شخص سے ایسے بلند کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

110 یہاں سے اس کی دوسری مہم جو مطلع الشمس کی طرف تھی کا بیان ہے۔

111 خانہ بدوش قوم جس نے اپنے لیے مکانات وغیرہ بنانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی یعنی ہذیب وتمدن سے بالکل بیگانے اور اپنی وحشی زندگی پر مطمئن بلکہ مسرور۔

112 تیسری مہم کا ذکر ہے۔ سد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ کا کام دے۔ اسی مناسبت سے پہاڑ کو بھی سد کہتے ہیں۔ السد: الحاجز بین الشیئین الجبل۔ (منجد)

113 وہاں کے لوگوں نے حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کو اپنی داستانِ غم سنائی اور اسے بتایا کہ یہ وحشی اور درندہ صنعت قبائل آئے دن ان کی مٹی پلید کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ کے سامنے ایک مضبوط دیوار بنانے کی درخواست کی اور ہر طرح مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

114 اس کی عالی ظرفی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔ اس نے ان لوگوں کو کہا مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرے ربّ عزوجل نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ ہاں جو جسمانی کام تم کر سکتے ہو وہ ضرور کرو خرج اور خراج ہم معنی ہیں۔ ردما۔ مضبوط دیوار کو کہتے ہیں۔

115 ان دو پہاڑوں کے درمیان جو درہ تھا اس میں لوہے کی چادریں بھر دی گئیں۔ پھر اس پر آگ جلائی گئی یہاں تک کہ وہ لوہا پگھل گیا پھر اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا گیا۔ چنانچہ لوہے اور تانبے کی ایک ایسی دیوار بن گئی جس کو گرا دینا یا اس کو پھاندنا یا اس میں نقب لگانا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ صدف کا معنی ہے بلند اور مضبوط عمارت قال ابو عبید: الصدف کل بناء عظیم مرتفع (قرطبی) یہاں صدفین سے دو پہاڑ مراد ہیں جن کے درمیان خلا ہو۔ قطر کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا والقطر عند اکثر المفسرین النحاس المذاب و قیل الحدید المذاب وقیل الرصاص المذاب۔ (قرطبی)

116 حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کے لیے مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس کو پھاندنے یا اس کو گرانے کے جتنے جتن کیے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف انہیں توجہ دلائی کہ یہ دیوار اسی وقت تک تمہیں ان وحشیوں کی دست برد سے بچا سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اور جب اس کے نزدیک اس کی میعاد ختم ہو گئی اور ان کے خروج کا وقت آگیا تو یہ مضبوط دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ (ضیاء القرآن کا بیان ختم ہوا)

حضرت ذی القرنین علیہ السلام کے متعلق

(کتاب "البدایہ والنہایہ" جلد اوّل سے اُردو ترجمہ ص ۷۹ تا ۸۵ بیان کیا جاتا ہے)

حضرت ذی القرنین کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے:

"اور تم سے حضرت ذی القرنین علیہ السلام کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ میں ان کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ ہم نے اس

کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا، تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی، ہم نے کہا حضرت ذوالقرنین علیہ السلام! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ (ان کے بارے میں) بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے، حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے کہا کہ جو (ظلم و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بُرا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے، اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اُن سے نرم بات کہیں گے، پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے جس کے لیے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی حقیقت حال یوں تھی اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی، پھر اس نے ایک اور سامان کیا یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا، تو دیکھا کہ ان کے اس طرف بھی کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے، ان لوگوں نے کہا کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے درمیان دیوار کھینچ دیں، حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نے فرمایا: کہ خرچ کا جو مقدور خدا عزوجل نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت بازو سے مدد دو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔ تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو (دھونک دھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں، پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار عزوجل کی مہربانی ہے، جب میرے پروردگار عزوجل کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔'' (سورۂ کہف آیات ۸۴ تا ۹۸)

اللہ تعالیٰ نے جن ذوالقرنین علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے میں عدل و انصاف کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ انہوں نے مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا اور جہاں بھی گئے وہاں صاحبِ حاجت لوگوں کی مدد کی اور ہر جگہ کامیاب رہے۔

دوسرے جہاں جہاں ذوالقرنین علیہ السلام کا ذکر آیا ہے یعنی جن کتابوں میں ان کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ وہ ایک عادل اور ہمدرد خلائق بادشاہ تھے انہوں نے مشرق سے مغرب تک سفر کر کے جگہ جگہ مظلوموں کا ساتھ دیا اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی۔ کہا گیا ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ رسول تھے لیکن جس روایت میں انہیں فرشتہ بتایا گیا ہے وہ بڑی عجیب و غریب روایت ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ ان سے ایک شخص آ کر ملا جو انہیں ذوالقرنین کہہ کر خطاب کر رہا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم عجیب لوگ ہو کہ جس شخص کو چاہتے ہو نبی بنا دیتے ہو، تم کسی کو نبی، کسی کو رسول اور کسی کو فرشتہ بتانے لگتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو بڑی سنجیدہ تھی جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ذوالقرنین کو نبی کی حیثیت سے جانتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد منسوب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں لیکن یہ روایت موضوع اور ناقابل یقین اور ناقابل اعتبار ہے۔

اس بارے میں مؤرخین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کی وجہ تسمیہ کیا تھی۔ کسی نے بتایا ہے کہ ان کے سر کے دو حصے الگ الگ نظر آتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑا۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مشرق و مغرب کی جائے اقتران دیکھی تھی اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق ومغرب کے درمیانی علاقوں کے بادشاہ تھے اس لیے وہ اس نام سے مشہور ہوئے۔ یہ آخری قول زہری کا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کے دونوں ابروؤں کا دوخمدار گیسوا حاطہ کئے ہوئے تھے، اس لیے انہیں ذوالقرنین کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

عبداللہ بن بشر کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک جابر بادشاہ کو بد دعا دی تھی جس نے ان کا ایک ابرو کٹے سے یا کسی اور طرح پھاڑ ڈالا تھا اور جب انہوں نے دوبارہ اسے بددعا دی تو اس نے ان کے دوسرے ابرو کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ابرو بیچ سے دوحصوں میں بٹ کر الگ الگ نظر آنے لگے تھے۔ اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا جانے لگا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے کہ ذوالقرنین ایک نبی تھے جو اپنی قوم کو ہدایات دیا کرتے تھے لیکن ان کے کچھ مخالفین اور دشمنوں نے ان کی کنپٹی پر ضرب لگائی تھی جس سے وہ وفات پا گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت سے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ تاہم ان کے انہی دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی دوسری کنپٹی بھی پھاڑ دی جس سے وہ پھر وفات پا گئے۔ اس لیے انہیں ذوالقرنین یعنی دوزمانوں والا یا دوزندگیوں والا آدمی کہا جاتا ہے۔

یہی روایت شعبہ القاسم بن ابی بزہ نے ابی طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ (لیکن اس سے قبل ص ۲۸۰ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان خزائن العرفان کے حوالے سے یہ بیان ہو چکا ہے کہ ذوالقرنین نہ نبی تھے اور نہ فرشتہ تھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے بندے تھے۔ (واللہ اعلم)

بہرکیف ان کے نام ذوالقرنین کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ زبیر بن بکار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا نام عبداللہ بن ضحاک بن معد تھا لیکن بعض روایات میں ان کا اصل نام مصعب بن عبداللہ بن قنان بن منصور بن عبداللہ بن آزر بن عون بن بنت مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن قحطان بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں انہیں حمیری قبیلے سے بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک دانش منداور فیلسوف تھے اس لیے انہیں ان کی غیر معمولی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے ذی القرنین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

حمیری قبیلے کے ایک شخص نے اپنے ایک شعر میں اپنا جدامجد بتایا ہے اور اس بات پر فخر کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

قد كان ذالقرنين جدى مسلما ملكا تدين له ملوك و تحشد

سہیلی بیان کرتے ہیں اور ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا اور ابن ہشام بھی یہی کہتے ہیں لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا نام صعب بن ذی مرائد تھا جب کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام افریدون تھا جس نے ضحاک کو قتل کیا تھا اور ایک جگہ اسے (قیاسا) ایاد بن مصعب ذوالقرنین ملک الخافقین اذن الثقلین بھی کہا گیا ہے۔ اور اس کی عمر ایک ہزار سال بتائی گئی ہے۔

دارقطنی اور ابن ماکولا نے اس کا نام ہرسس بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اسے ہرویس بن قیطون بن رومی بن لنطی ابن کشلوخین بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام بھی کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم عزوجل۔

اسحٰق بن بشر نے سعید بن بشیر اور قتادہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ درحقیقت ذوالقرنین سکندر رومی تھا جس کا باپ روم کا پہلا قیصر (بادشاہ) تھا اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب کہ ذوالقرنین ثانی سکندر بن فیلقوس بن مدیم بن ہرسس بن میطون بن رومی بن لنطی بن یونان بن یافث ابن یونہ بن شرخون بن رومہ بن شرفط بن توفیل بن رومی بن الاصفر بن یقزین عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل علیہ السلام تھا۔

سکندر بن فیلقوس [1] کا یہ نسب نامہ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دوسرا سکندر مقدونی یونانی مصری شہر اسکندریہ کا بانی تھا، اسی کے زمانے میں روم کی تاریخ مرتب کی گئی۔ یہ سکندر جسے بعض لوگ ذوالقرنین بھی کہتے ہیں۔ ذوالقرنین اول سے دو ہزار سال بعد ہوا، اسی نے فارس فتح کر کے وہاں کے بادشاہ دارا کو قتل کیا تھا اور وہاں کے دوسرے معززلوگوں کو ذلیل وخوار کیا تھا، ارسطو اسی سکندر کا وزیر تھا۔

1. عربی میں فیلیلس کہا اور پڑھا جاتا ہے۔ (شاداانی)

ابن عساکر مزید لکھتے ہیں کہ بعض لوگ ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی کو ایک ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ذوالقرنین اوّل تو اس نام نہاد ذوالقرنین سے دو ہزار سال قبل گزر چکے تھے۔ ذوالقرنین اوّل بڑے نیک، پاک باز اور بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے اور اپنے زمانے کے نبی علیہ السلام تھے، قرآن مجید میں انہی ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے جب کہ ذوالقرنین ثانی کافر تھا اور اس کے زمانے میں اصنام پرستی ہوتی تھی۔ جب کہ ذوالقرنین اوّل کا دنیا کی مشرقی و مغربی سرحدوں تک سفر، سد سکندری کی جو اسی نام سے مشہور ہے ان کے ہاتھوں تیاری وغیرہ بعید از قیاس باتیں نہیں ہیں۔ سورج کے مقامات طلوع وغروب دیکھنا ویسے بعید از قیاس ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ انہوں نے دنیا کے سفر میں آفتاب کے طلوع وغروب کے مناظر بحر اوقیانوس کے افق یا قطب شمالی یا جنوبی میں کہیں دیکھے ہوں۔ بہرکیف ان دونوں ذوالقرنین کے درمیان طویل فصل اور دوسری بدیہی باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں الگ الگ تھیں۔

ذی القرنین کی چشمہ آبِ حیات کی تلاش کا بیان

ابن عساکر سے بحوالہ وکیع اور ان کے والد "معتمر بن سلیمان، امام ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی طویل روایت مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی القرنین کے ساتھ رفاتیل نام کا ایک فرشتہ رہا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے اس فرشتے سے دریافت کیا کہ آیا اسے معلوم ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا چشمہ جسے آب حیات کہا جاتا ہے؟ تو اس فرشتے سے اس چشمے کی نشاندہی کے بعد ذی القرنین اس چشمے کی تلاش میں روانہ ہوئے اور حضرت خضر علیہ السلام کو رہنمائی کے لیے آگے آگے رکھا لیکن جب وہ سرزمین ظلمات کی وادی میں پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اس چشمے کا پانی پی لیا لیکن ذی القرنین کو اس جگہ کا پتہ نہیں بتایا۔ البتہ جب ذی القرنین اپنے لشکر میں لوٹ کر گئے تو مذکورہ بالا فرشتے نے ان سے کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک پتھر دے گئے ہیں۔ ذی القرنین نے وہ پتھر اس زمانے کے علماء کو دکھایا تو انہوں نے اسے بڑا وزنی محسوس کرتے ہوئے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں بہت سے پتھر رکھے لیکن پہلا پلڑا پھر بھی نیچا رہا، انہوں نے اور بڑے بڑے پتھر اس دوسرے پلڑے میں رکھے لیکن وہ بھی اس پہلے پلڑے کے برابر نہ آسکے جس میں وہ پتھر رکھا تھا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام وہاں آگئے اور انہوں نے دوسرے پلڑے سے سارے پتھر نکال کر اس کی جگہ ایک مٹھی بھر مٹی رکھ دی تو وہ پہلا پلڑا جس میں وہ سب سے زیادہ وزنی پتھر رکھا تھا فوراً نیچے جھک کر اس دوسرے پلڑے کے برابر آگیا جس میں سے پتھر نکال کر مٹھی بھر مٹی رکھی گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود سب لوگ بشمول علماء حیران رہ گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ذی القرنین کو بتایا کہ ہر انسان درحقیقت ایک مشت خاک ہے اور آخر کار اسے ایک دن حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مر کر خاک ہو جانا ہے، یہ مشیت باری تعالیٰ ہے لہٰذا کسی انسان کو دنیا میں حیاتِ ابدی کی تمنا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی یہ گفتگو سن کر وہ سارے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے تعظیماً حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ واللہ اعلم عزوجل۔

اس روایت میں ان آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ذی القرنین کا ذکر فرمایا ہے اور ان آیات کی تفسیر میں ذی القرنین کے ساری دنیا کے سفر کے دوران میں لوگوں سے ان کی ہمدردی اور ظالموں سے ان کے سلوک کے علاوہ اس دیوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ان آیات قرآنی میں مذکور ہے نیز جس طرح ذوالقرنین نے وہاں کے لوگوں کی مدد سے اس کی تیاری کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دیوار کے ادھر ادھر دو قدیم قبیلے آباد تھے جن میں سے ایک قبیلہ اکثر اس دیوار کی تیاری سے قبل دو پہاڑوں کے درمیانی حصے کو عبور کر کے دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اس لیے ذوالقرنین نے اس مظلوم قبیلے کی حفاظت کے لیے وہ دیوار اسی طرح تعمیر کر دی تھی جس طرح اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ہم اس کی وضاحت پہلے کر چکے ہیں۔ ذوالقرنین کے طلوع و آفتاب کے مقامات دیکھنے کا جو ذکر قرآن مجید میں ہے اس کی وضاحت بھی ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ابوداؤد طیالسی ثوری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جن ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں وہ ذوالقرنین اوّل ہی تھے جن کی صفات قرآن مجید میں

بیان کی گئی ہیں اور وہ ان کی ان صفات کا ذکر اپنے اسلاف سے وضاحت کے ساتھ سن چکے ہیں۔

کعب الاحبار کے بارے میں روایت ہے کہ ان سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہ ذوالقرنین اوّل تھے اور ان کے دنیا کے سیر و سفر کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی والدہ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک دعوت کریں اور اس میں صرف عورتوں کو بلائیں لیکن ان سے کہہ دیں کہ جس عورت کا کوئی بچہ اس کے سامنے نہ مرا ہو وہ اس کھانے کے کسی برتن میں ہاتھ نہ ڈالے چنانچہ ان کی وفات کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کی وصیت پر عمل کیا لیکن ذوالقرنین کی والدہ کی وصیت کی دوسری بات کہنے پر اس دعوت میں موجود ہر عورت نے کھانا کھانے سے معذرت کر لی تو ذوالقرنین کی والدہ نے ان عورتوں سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جس کا ایک بیٹا بھی اس کے سامنے نہ مرا ہو اور ان کے انکار کے بعد وہ اپنے بیٹے ذوالقرنین کی وصیت کا مطلب سمجھ گئیں اور انہی نے سب سے پہلے کھانا کھانا شروع کیا اور دوسری عورتوں کو بھی وہ کھانا کھانے کی اجازت دے دی۔

اس روایت میں ہر عورت کے لیے ایک سبق ہے جسے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے اس روایت میں ذوالقرنین اوّل کی دوسری حکمت آمیز باتوں کے ذکر کے بعد یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کے وقت ان کی عمر تین ہزار سال تھی جو بڑی عجیب بات ہے۔

ابن عساکر نے ذوالقرنین کا اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہوئے ان کی وفات کے وقت ان کی عمر چھتیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسری روایات میں بھی ان کی عمر وفات کے وقت صرف چونتیس سال بتائی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ذوالقرنین اوّل اور ذوالقرنین ثانی یعنی سکندر بن فیلقوس کو ایک ہی سمجھا ہے اور اسی لیے بعد کے اکثر راوی اور مؤرخین بھی اس غلط فہمی سے نہ بچ سکے۔ واللہ اعلم عزوجل۔ از البدایہ والنہایہ کا بیان ختم ہوا

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے متعلق ابن خلدون کا بیان

ابن خلدون تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، تاریخ الانبیاء، حصہ اوّل کے صفحہ 140 پر لکھتے ہیں کہ بخت نصر باتفاق اہل فارس اشود کی اولاد سے ہے۔ طبری نے ابن کلبی سے روایت کیا ہے کہ اس کا اصلی نام بختر سہ تھا جسے بخت نصر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ لہراسپ، یشاسب اور بہمن شاہانِ فارس کے زمانے میں اہواز اور روم کے درمیان دجلہ کی غربی جانب کا گورنر تھا۔ اس نے ان شہروں کو جو بلاد بابل اور شام سے متصل تھے فتح کیا۔ اس کے بعد بیت المقدس شریف کو فتح کیا۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ بہمن شاہ فارس نیپ بیت المقدس شریف کی طرف اپنا سفیر بطلب اطاعت روانہ کیا جب اہل قدس نے اسے مار ڈالا تو بہمن نے ایک لشکران کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا جس میں ملوک یاری بن ثابت سے داروش اور ملوک بنی غنیم بن سام سے کیرش بن کیکوس تھے جبکہ احشوارش بن کیرش بن جاما بن کو اپنے رشتے داروں میں سے روانہ کیا۔ انہیں کے ہمراہ بخت نصر بن نیوزرادون بن سنجاریف والی موصل بھی تھا۔ ان لوگوں نے بیت المقدس شریف کو فتح کیا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بخت نصر والی موصل اس لشکر کے مقدمۃ الجیش کا افسر تھا۔

بنی اسرائیل کی روایت:

اسی صفحہ پر یہ روایت ہے کہ بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ بخت نصر کسدانیوں سے ہے اور وہ ناحور بن تارخ (آذر) پدر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ ان کی حکومت بابل میں تھی اور یہ بخت نصر انہیں کی نسل سے ہے۔ اس نے پینتالیس سال تک حکومت کی اور القدس شریف کو اپنی حکومت کے اٹھارویں سال فتح کیا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے اویل مرودخ نے تئیس برس حکومت کی اس کے بعد اس کا لڑکا قیلسنصر تین برس حکومت کرتا رہا جس پر کورش غالب آیا اس نے اس کی حکومت چھین لی یہ وہی کورش ہے جس نے بنی اسرائیل کو القدس شریف کی طرف لوٹایا بنی اسرائیل نے اس کی حمایت سے بیت المقدس شریف کو آباد کیا از سر نو اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی اسی کورش یا کیرش کو سائرس اعظم بھی کہتے ہیں۔

اس کے متعلق علماء تاریخ نے اختلاف کیا ہے لیکن اس بات پر ان کا اتفاق ہے کہ وہ فارس سے تعلق رکھتا ہے۔ بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ یستاسپ اور خوزستان وغیرہ کا کیقوس (کیکاؤس) بجیون بن سیاوس اور لہراسپ وغیرہ شاہان فارس کی طرف سے ایک عظیم الشان عالی حوصلہ گورنر تھا

لیکن بادشاہ نہ تھا۔ بعضے کہتے ہیں کہ کورش اخشوارش بن جاماسپ بن لہراسب کا بیٹا تھا اور اس کا باپ وہ ہے جسے بہمن شاہ فارس نے القدس شریف کی طرف روانہ کیا تھا۔ جب وہ اس فتح سے واپس ہوا تو اسے اطراف ہند اور سندھ کی طرف بھیجا۔ جب وہ پھر کر حصین ابر کی طرف آیا تو اس نے اسے بابل کی حکومت دے دی۔ اس نے پھر اسرائیل کے قیدیوں میں سے ابوحاویل الرخا کی لڑکی مرغائی کی رضاعی بہن سے شادی کر لی۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ اس کے بطن سے بابل یا کسی اور مقام پر اس کا لڑکا کیرش پیدا ہوا۔ مردغائی نے اسے یہودیت کی صحبت پائی۔

القدس شریف کا آباد ہونا:

حضرت دانیال علیہ السلام اس کی حکومت کے کارپرداز و منتظم ہوئے۔ اس کے تمام امور وہی سرانجام دیتے تھے۔ انہوں نے اس کو اس بات کی ہدایت کی کہ جو کچھ شاہی خزانوں میں برتن اور اسباب ہوں۔ انہیں ان کے مقامات پر واپس لے جائے اور بیت المقدس شریف کی تعمیر میں مستعدی ظاہر کرے۔ چنانچہ اس نے بیت المقدس شریف کی تعمیر دوبارہ شروع کی (جو بخت نصر نے تباہ برباد کر دیا تھا۔ اور برتن اور تمام اسباب اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا) اور بنی اسرائیل کو بیت المقدس شریف کی طرف واپس بھیج دیا جن کو بخت نصر قیدی بنا کر لے گیا تھا۔ جب انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس شریف کی طرف جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے کسی مصلحت کی وجہ سے منع کر دیا۔

کیرش بن کیکوس کا ذکر:

یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کیرش بن کیکوس بن غنیم بن سام اس کا شجرہ نسب ہے۔ جسے بہمن نے اپنے سپہ سالار بخت نصر کے ہمراہ القدس شریف کی فتح کے لیے روانہ کیا تھا۔ بخت مرس کو بہمن نے بابل کا حاکم بنایا تھا۔ اسے بخت مرسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اس کے بعد اس کے لڑکے تئیس سال حکومت کی جس کے بعد اس کے لڑکے بلتشصر نے ایک سال حکومت کی اس کے بعد بہمن کو جب اس کے ظلم وستم کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسے معزول کر دیا اور بابل کی حکومت داریوش الماذ ۃ بن باذائے کو دی۔ کچھ عرصہ بعد اسے بھی معزول کر دیا اور کیرش بن کیکوس کو حکومت کی کرسی پر بٹھایا۔ اسے ہدایت کی وہ بنی اسرائیل کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر کے ان کے رؤساء کو عزت کی نگاہوں سے دیکھے اور انہیں ان کے ملک کی طرف لوٹا دے اور ان پر اسے حاکم بنائے اور ہدایت کرے جسے وہ پسند کریں۔

حضرت دانیال علیہ السلام:

چنانچہ بنی اسرائیل نے دانیال علیہ السلام کو سرداری کے لیے منتخب کیا۔ بنی اسرائیل کے چند علماء کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا ہے کہ بلتیشصر بخت نصر کی نسل سے بابل اور کسدانیوں کا بادشاہ تھا اور دارا بادشاہ ماذی (جسے دارایوش بھی کہتے ہیں) اور کورش (یعنی کیرش) شاہ فارس اس کے مطیع تھے۔ لیکن انہوں نے اس سے سرکشی کی تو وہ ان پر اپنا لشکر لے کر چڑھ آیا۔ پہلے تو اسے شکست ہوئی لیکن جب اس نے اپنے لشکر کے مشہور سرداروں کو لڑائی کے میدان میں روانہ کیا تو اس نے انہیں شکست دی۔ اس کے بعد اس کا خادم اسے سوتے میں مار کر دارایوش اور کورش کے پاس چلا آیا۔ ان دونوں نے پھر بابل پر حملہ کر دیا اور کسدانیوں کو مغلوب کیا۔ دارا اور اس کی قوم نے پھر ماذی کو اپنے قیام کے لیے پسند کیا میں (ابن خلدون) گمان کرتا ہوں کہ یہ ویلم ہیں جو بابل اور اس کے نواح میں آئے تھے۔ بعد ازاں کورش اور اس کی قوم نے فارس اور اس کے تمام علاقے کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ کورش اس سے پہلے القدس شریف کے بنانے، مسجد کے برتن واپس کرنے، جلاوطنان بنی اسرائیل کو القدس شریف لوٹا دینے کی نذر کی تھی۔ دارا کے مر جانے پر کورش فارس اور ماذی کا بادشاہ ہوا ہے۔ اور اپنی نذر عمدگی کے ساتھ پوری کی۔

بنی اسرائیل کو واپس بیت المقدس شریف کس بادشاہ نے کیا:

ابن خلدون تاریخ ابن خلدون جلد دوئم، ص: 201 پر اسفندیار کے حملہ کے عنوان میں لکھتا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسفندیار شاہ فارس کے والد شاہ فارس کیتاسب بن کہراسف نے بنی اسرائیل کو ان کے شہروں کی طرف لوٹا دیا تھا۔ اور اس کی ماں بنی طالوت سے تھی۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس شریف کی طرف واپس کیا تھا وہ کورش (کیرش) بادشاہ بابل شاہ فارس بہمن کے زمانہ میں تھا۔ اور اسی کے حکم

سے اس نے بنی اسرائیل کو واپس کیا تھا۔ اس کے بعد کیتا سب بادشاہ بنا جس کا بیٹا بہمن ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا لڑکا اردشیر بہمن ہے۔

تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ہی کے صفحہ نمبر 202 پر لکھا ہے کہ دوئم کا مؤرخ ہروشیوش ابتدائی حکومت فارس کے حالات میں بابل کی تباہی کے عنوان میں لکھتا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے شام میں داخل ہونے کے بعد زمانہ عشنیال بن قناز بن یوقنا میں گزرے ہیں یہ عشنیال کالب بن یوقنا کا بھائی تھا۔ جو حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے مدبر اور مصلح ہوئے ہیں۔ اسی زمانے میں ابوالفرس بلاد آسیا سے جسے عربی میں فارس، یونانی میں پرشو اور فارسی میں یوشیرش کہتے ہیں۔ نکل کر اس کے نواحی علاقوں میں جا ٹھہرے اور وہاں کے رہنے والوں پر غالب آ گیا۔ اسی وجہ سے یہ گروہ اس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ بعد ازاں یہ لوگ برابر ترقی پذیر رہے یہاں تک کہ کیرش کی حکمرانی کا زمانہ آیا جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسریٰ اوّل تھا۔

کیرش کے بعد اس کا لڑکا قنبیشاش حکمران رہا جس نے مصر پر چڑھائی کی اور مصریوں کے بتوں کو توڑ دیا اس نے ان کے شرعی احکام اور ساحروں کو نیست و نابود کر دیا۔ یہ واقعہ ابتداء دولت فارس سے ہزار برس بعد ہوا۔ قنبیشاش کے بعد دارا شاہ فارس حکومت کے تخت پر بیٹھا اس نے بھی بقیہ ساحرین مصر کو قتل کیا اور سریانیوں کے افسروں کو واپس کر دیا۔ جنگ کے دوران دارا اپنے کسی سپہ سالار کے ہاتھوں میں مارا گیا اس کے بعد اس کا بیٹا ارتشخار تخت پر بیٹھا اور چالیس برس حکمرانی کی اس کے بعد دارا الفلوس ارتشخار تیرہ برس حکمران رہا اس کے بعد ارتشخار بن دارا چھبیس سال حکومت کرنے کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا اشخار نے چار برس حکومت کی اس کے بعد شخشار دارا بادشاہ ہوا جس کے زمانہ میں اسکندر بن فیلقوس مقدونیہ المعروف اسکندر اعظم نے ارض مدس یہودیوں سے چھین لیا اور دارا کو جنگ میں شکست دی اور دارا بھاگ گیا۔ سکندر نے اس کا تعاقب کیا۔ راستے میں وہ دارا کو زخمی دیکھ کر گھوڑے سے اترا اور اس کی حالت پر افسوس کیا۔ دارا کے مرنے کے بعد اس نے اسے شاہی مدفن میں دفن کرا دیا۔ یہ واقعہ حکومت فارس کی ابتداء کے ایک ہزار اسی برس بعد واقع ہوا (یہاں پر کلام ہروشیوش کا کلام ختم ہوا۔)

سہیلی لکھتا ہے کہ اسکندر دارا کو میدان جنگ میں زخمی دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کے سر کو اپنے زانوں پر رکھ کر کہنے لگا اے سیّد الناس جنگ کرنے سے میرا مقصد تمہارا قتل کرنا نہ تھا اور نہ میں اس سے راضی ہوا ہوں۔ اب تمہاری اگر کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ دارا نے کہا میری لڑکی سے شادی کر لینا اور میرے قاتل کو قتل کرنا۔ اسکندر نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک پہنچ کر ملوک فارس کے طبقہ ثانیہ کا زمانہ حکومت تمام ہو گیا۔ (والبقاء للہ وحدہ سبحانہ تعالیٰ عزوجل)

لیکن یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ شروع میں خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات کے حوالے سے تحریر ہو چکا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام آپ علیہ السلام کے وزیر تھے۔ اور آب حیات جس کی تلاش میں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام نے سفر شروع کیا تھا۔ وہ آب حیات حضرت خضر علیہ السلام نے حاصل کر لیا اور پی بھی لیا لیکن حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اس کو نہ پا سکے۔ کیا یہ صحیح ہے۔

مؤلف نے اس کے متعلق مندرجہ ذیل تحقیق کی ہے۔ اوّل تو قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے پانی کے نیچے ہوئی۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کے بارے آپ علیہ السلام کے حالات میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں یا انتقال فرما چکے ہیں۔

لیکن ابن خلدون کی تاریخ کے حوالے سے یہ ثابت ہے کہ کورش یا کیرش بن کیکوس المعروف سائرس اعظم بادشاہ فارس حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد تقریباً 430 سال بعد ہوئے اور بخت نصر کی حکومت کے تقریباً 26 سال بعد ہوئے۔ اور اگر حضرت خضر علیہ السلام کا زمانہ نبوت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ نبوت ہی ہو تو، تو ان حضرات علیہم السلام کی عمروں میں بہت فرق ہے کیونکہ امام حدیث ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان اپنی تاریخ میں 569 سال کا عرصہ بیان کیا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ اور تاریخ ابن

خلدون میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سائرس اعظم دولت فارس کی حکومت ابتداء کے بعد تقریباً ایک ہزار برس دارا بادشاہ فارسی کی وفات کے بعد بادشاہ بنا۔ اور اس نے حضرات دانیال، قینا، عازریا، میشائیل اور عزیز علیہم السلام کی صحبت پائی۔

اور ابن خلدون کی تاریخ جلد دوئم صفحہ 202 پر کیرش یا کورش المعروف سائرس اعظم کا شجرہ نسب یہ تحریر ہے کہ کیرش بن کیکوس بن غنیم ابن سام اور حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب اسی جلد نمبر 2 کے صفحہ 106 پر اس طرح ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ابن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن حضرت نوح علیہم السلام۔

ابن خلدون تاریخ جلد دوئم کے صفحہ 194، 195 اور 196 سے عبارت سے مندرجہ ذیل عبارت اخذ کی گئی:

ہشام کی روایت یہ ہے کہ ضحاک بادشاہ فارس جمشید کے بعد بادشاہ ہوا اور یہی سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود تھا اور یہ اہل فارس کا نواں بادشاہ تھا۔ اس کو بادشاہ فارس افریدون نے گرفتار کر کے قید کر دیا اس کی گرفتاری اور فتح یابی کے دن کو عید کا دن مقرر کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ افریدون زمانہ سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام میں تھا۔ لیکن تحقیق یہ ہے جسے ہشام بن کلبی نے فارس کے اہل نساب سے نقل کیا ہے کہ افریدون جمشید کی اولاد سے تھا اور دونوں کے درمیان نو پشتوں کا فرق ہے۔ اس نے دو سو برس حکومت کی اور ضحاک کی تمام چھینی ہوئیں چیزیں واپس ان کے مالکوں کو کر دیں۔ افریدون نے اپنی حکومت تین بیٹوں میں تقسیم کر دی یعنی سرم (سلیم)، تور اور ایرج بیٹوں میں لیکن افریدون کے بعد سرم اور تور نے ایرج کو قتل کر کے اس کے حصہ کی حکومت آپس میں تقسیم کر دی۔ اہل فارس خیال کرتے ہیں کہ افریدون اور اس کی اوپر کی دس پشتیں اشکیاں کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افریدون نے پانچ سو برس حکومت کی اور اس نے ثمود اور نبط کے آثار سواد سے محو کئے۔ اسی نے شروع میں آپ کو کے ملقب کیا اور کے افریدون کے نام سے مشہور ہوا۔ (کے) کے معنی ہیں تنزیہ (یعنی مخلص اور متصل روحانیت سے) اور بعضوں نے اس کے معنی اور بھی بیان کئے ہیں۔ چند دن بعد منوچہر (منوشہر بن منشہر) بن ایرج، بن افریدون نے زور پکڑا۔ اس کی ماں سیّدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ جب یہ جوان ہوا تو اپنے چچاؤں سے لڑا اور انہیں مار کر بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے پھر بابل کو اپنا دارالحکومت بنایا اور فارس کو دین ابراہیمی کی طرف مائل کیا۔ بعد ازاں افراسیاب بادشاہ ترک نے اس پر چڑھائی کی اور بابل اس سے چھین لیا اور منوشہر عراق کی طرف بھاگ گیا۔ افراسیاب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ طوج (تور) بن افریدون کی اولاد سے ہے اور اپنے باپ کے قتل ہو جانے پر خفیہ طور پر ترک بلاد پر چلا گیا تھا۔

برں لکھتا ہے کہ جب منوشہر بن منشہر مر گیا تو افراسیاب بن اشک بن رستم بن ترک نے بابل پر قبضہ کر لیا اور مملک فارس کو تہ وبالا کر دیا۔

اس کے بعد زومر (زوایازاب) بن طہمارست (طہماسپ) یا دیگر روایات کے مطابق راسب بن طہمارست نے افراسیاب کے خلاف بغاوت کر دی۔ زومر بن طہمارست نو واسطوں سے منوچہر (منوشہر) کی طرف منسوب ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ طہمارست اپنے باپ سے الگ ہو کر بلاد ترک میں چلا گیا اور وہیں اس نے ایک لڑکی سے عقد کر لیا تھا۔ جس سے زوم پیدا ہوا۔ جوان ہو کر افراسیاب کے مخالف اٹھ کر اس سے لڑ کر سلطنت فارس سے اسے نکال دیا اس کے بعد افراسیاب ترکستان چلا گیا۔

زومر نے اپنی فتح یابی کے اس دن کو عید مہر جان کے نام سے مشہور کیا۔ زومر کا فارس پر قبضہ اور غلبہ منوشہر کے مرنے کے بارہ برس بعد ہوا۔ (لیکن مؤلف کہتا ہے کہ چند سطریں اس سے قبل میں یہ تحریر ہے کہ زومر بن بن طہمارست نو واسطوں سے منوشہر کی طرف منسوب ہے اور اب یہ تحریر کیا جا رہا ہے کہ منوشہر کے مرنے کے بعد بارہ برس زومر کا قبضہ اور غلبہ فارس ہوا۔ یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا کہ نو واسطے نسب کے کسی طرح بارہ برس میں مکمل ہوتے ہیں۔ "واللہ اعلم" یہ نہایت نیک سیرت، صلح پسند اور امن دوست حکمران تھا۔ اس تے بابل کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کیا اور افراسیاب کی تباہ کی ہوئی آبادی کو از سر نو رونق دی۔ اس نے سواد میں نہر زاب نکالی اور اس کے کنارے پر شہر آباد کیا جس کا نام زواہی رکھا۔ اس نے شہر میں ہر طرح کے درخت، پھول اور پھلدار لگائے اور طرح طرح کے کھانے ایجاد کئے۔ اس نے غنیمت کو اہل لشکر پر تقسیم کیا۔

زو مرا پنی حکومت کے تیسرے سال مر گیا۔ اسی کے زمانے میں بنی اسرائیل تیہ سے نکلے تھے اور حضرت یوشع علیہ السلام نے اریحا کو فتح کیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ملوک فارس کے دوسرے طبقے کی حکومت قائم ہوگئی جن کا بادشاہ کیقباد تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کا زمانہ حکومت دو ہزار چار سو ستر برس تک محیوط رہا۔ جیسا کہ بیہقی اور اصفہانی نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بادشاہوں میں سے صرف انہیں نو بادشاہوں کا ذکر ہے جنہیں طبری نے لکھا ہے۔ ''واللہ وارث الارض ومن علیھا''

فارس کے حکمرانوں کے طبقہ ثانیہ کا ذکر:

ملوک فارس کا دوسرا طبقہ کیانیہ کے نام سے بھی مشہور ہے اور ان کے ہر بادشاہ کا نام کے کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ ان کے پہلے بادشاہ کا نام کیقباد ہے۔ جو منوشہر سے چار پشتوں کے واسطے سے منسوب ہوتا ہے۔ اسی نے روسا ترک میں اپنی بادشاہی کی طبری لکھتا ہے کہ ملوک کیانیہ اور ترک میں اکثر جنگیں ہوتی رہیں۔ اس کا پہلا بادشاہ کیقباد نہر بلخ کے قریب جوں میں رہتا تھا۔ اس نے ترک کو زمین فارس پر آنے سے روکا تھا۔ اس نے سو برس حکومت کی۔ اس کے بعد کیکاؤس بن کیبیہ بن کیقباد بادشاہ ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ طبری کی تحریر شہادت دیتی ہے کہ کیکاؤس نہایت عظیم بادشاہ تھا اور یہ ڈیڑھ سو سال حکومت کر کے مر گیا۔ (تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، صفحہ 197 سے اخذ کیا گیا۔)

قارئین حضرات! فارس کے حکمرانوں کے متعلق بے شمار روایات ہیں لیکن کسی پر بھی پختہ یقین نہیں ہو سکتا لیکن اہل فارس کا یہ خیال ہے کہ کیومرث فارس کا پہلا حکمران ہے۔ اس نے ایک ہزار سال عمر پائی۔ اس کے بعد طہورث ابن کلبی لکھتا ہے کہ بابل کا یہ پہلا حکمران ہے۔ اس کے بعد جمشید اس کا حقیقی بھائی۔ پہلے نیک سیرت اور عادل تھا۔ پھر ظالم اور جابر بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بیوراسپ نے اس پر غلبہ حاصل کر کے آرا سے اسے چیر دیا پھر بیوراسب سات سو برس تک حکومت کرتا رہا۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہی سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود تھا۔

چونکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث ہی کی اولادوں سے سب بنی نوع انسان ہیں۔ اس لیے جو وہ تمام روایات جن میں ان کے علاوہ بنی نوع انسان کے نسبت کی گئی ہو وہ سب غلط ہیں۔ کیورث بادشاہ اوّل فارس کی نسبت سام بن نوح علیہ السلام کی طرف ہے صرف اس میں اختلاف یہ ہے کہ بعض کے نزدیک فرس ان کے جد اعلیٰ ایران بن اشوذ بن سام اور بعض کے نزدیک ایران بن ایران بن الشوذ اور بخیال بعض غنیم بن سام کی طرف نسبتاً منسوب ہے۔ بہر حال سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔

امام حدیث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں دنیا کی مجمل تاریخ یوں لکھی ہے حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت نوح علیہ السلام بارہ سو سال اور سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام تا حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ہزار ایک سو بیالیس سال اور سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تا حضرت سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پانچ سو پینسٹھ (565) سال اور سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام تا سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام تک پانچ سو انہتر (569) اور سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام تا سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ہزار تین سو چھپن (1356) اور سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خاتم الانبیاء شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ سو (600) برس کا فاصلہ گزرا ہے۔ (کتاب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ 32 اور بحوالہ سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا مفتی محمد شفیع اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ محمد بن اسحاق، جلد 1، ص: 19)

مندرجہ بالا تاریخ ابن خلدون کے بیان پر تبصرہ:

1- صفحہ 140 تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم کے حوالے سے جو یہ تحریر کہ کیرش کیکوس بن غنیم بن سام کا لڑکا ہے یہ غلط ہے کیونکہ تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم میں جو حالات واقعات فارس کے بادشاہوں کے بیان کئے گئے ان میں سام سے لے کر کیرش تک بے شمار پشتیں ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں تقریباً 425 سال حکومت رہی ان پر بخت نصر غالب آیا اور اس کی بیٹے اور پوتے کی حکومت تقریباً ستر سال رہی۔ بخت نصر کے پوتے پر کیرش بن کیکوس المعروف سائرس اعظم غالب آیا اور اپنی حکومت قائم کی۔ اس وجہ سے

یہ کہنا کہ کیرش کیکوس بن غنیم بن سام کا لڑکا ہے سراسر غلط ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام تا حضرت داوٗد علیہ السلام تک تقریباً 2276 سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ہاں یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ کیرش کیکوس بن غنیم بن سام کی نسل سے ہے۔

2- اسی تاریخ کے صفحہ 202 پر روم کے مؤرخ ہروشیوخ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ کیرش بن کیکوس کی حکمرانی ابتداء دولت فارس سے ہزار سال بعد ہوا۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ اسی تاریخ میں صفحہ 197، جلد دوئم پر بیان کیا گیا ہے کہ فارس کے حکمرانوں کے طبقہ ثانیہ کے بادشاہ کیکاؤس حضرت سیّدنا داوٗد علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور کیکاؤس کی کئی پشتوں کے بعد کیرش بن کیکوس حکمران ہوئے۔

3- جیسا کہ صاحب ضیاء القرآن اور تفسیر الحسنات نے کیرش المعروف سائرس اعظم ہی کو حضرت ذوالقرنین علیہ السلام تسلیم کیا اور ابن خلدون کا بھی تقریباً یہی خیال ہے کہ کیرش ہی سائرس اعظم ہے۔ لیکن جیسا کہ اس سے قبل سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے بیان میں تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان کے وزیر اور لواتھے۔ لیکن یہ بات بھی مندرجہ بالا حالات واقعات کی وجہ سے تسلیم کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم، ص:106 پر سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام بن ملکان بن فالخ (فالغ) بن عابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام اور سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شجرہ نسب صفحہ 85 پر اس طرح ہے کہ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام بن تارخ بن ناخور بن ساروغ بن ارغو بن قالغ یا فالخ یا فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام۔ اس طرح سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام تا سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام ہر دو نام شامل کر کل آٹھ پشتیں ہیں اور سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تا سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام ہر دو نام شامل کر کے کل گیارہ پشتیں ہیں۔ اس طرح دونوں حضرات علیہما السلام میں تین پشتوں کا فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کا زمانہ نبوت سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہے یا اگر سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کی عمر جیسا کہ بعض مؤرخوں کا خیال ہے بہت لمبی ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ نبوت سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یا آپ علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں ہی آپ کا زمانہ نبوت شروع ہوا ہو اور سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ نبوت کی طرح طویل ہو۔ کیونکہ قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے کہ سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام سے علم لدنی سیکھو اور اس اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام جو جہاں دو دریا ملتے ہیں پانی کے نیچے ملے جیسا کہ قرآن پاک سورہ کہف میں تفصیلاً بیان ہوا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پانی کے نیچے کس طرح مقیم تھے۔ اور علماء کرام میں یہ بھی بہت اختلاف ہے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں۔ یا انتقال فرما چکے ہیں۔

یہ مندرجہ بالا تفصیلاً اس لیے بیان کیا ہے کہ قارئین حضرات کو یہ معلوم ہو سکے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کا زمانہ نبوت تو سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نبوت سے بہت پہلے شروع ہوا ہے اور ختم یا تو سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ختم ہوا یا آپ علیہ السلام کے زمانہ تک رہا یا کب تک رہا" واللہ اعلم" اور کیرش بن کیکوس المعروف سائرس اعظم کا زمانہ اقتدار حکومت تاریخ ابن خلدون، جلد دوئم کے مطابق سیّدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تقریباً 425 سال بعد ہوا۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کیرش بن کیکوس بادشاہ فارس المعروف سائرس اعظم جن کو حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کہا گیا ہے کہ ان کے خالہ زاد بھائی یا ان کے وزیر تھے۔ اگر صاحب خزائن العرفان اور صاحب تفسیر الحسنات کی یہ بات مان لی جائے کہ واقعہ آپ علیہ السلام حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی اور وزیر تھے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ کیرش بن کیکوس المعروف سائرس اعظم حضرت ذوالقرنین علیہ السلام نہیں ہے بلکہ اس سے بہت پہلے فارس کا کوئی اور حکمران حضرت ذوالقرنین علیہ السلام ہے۔ "واللہ اعلم"

آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ جو کہ اس سے قبل سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کے حالات واقعات میں اس عنوان میں کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں یا انتقال فرما چکے ہیں بیان ہو چکا ہے۔ دوبارہ یہاں تحریر کرتا ہوں کہ شاید کوئی مسئلہ حل ہو سکے۔

سیّدنا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں مکتوب نمبر 282 جو کہ میاں بدیع الدین صاحب کی طرف

صادر فرمایا (مکتوبات کا اردو ترجمہ جلد اوّل) جو کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما السلام کی ملاقات کے کچھ احوال کے بیان میں فرماتے ہیں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

یار مدت سے حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ چونکہ فقیر کو ان کے حال پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی۔ اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں مشتمل ہو کر وہ کام جو جسموں میں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں اور اس اثناء میں پوچھا کہ آپ علیہ السلام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بمطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔

اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے۔ صرف طاعت کے ادا کرنے میں اہل طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کو مدنظر رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالات نبوت کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالغرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔

اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ والصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔

اس وقت دل میں گزرا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کچھ سوال کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو وہاں ہمارا کیا دخل ہے گویا انہوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا اور حضرت الیاس علیٰ نبینا و علیہ السلام نے اس گفتگو میں کوئی بات نہ فرمائی۔ والسلام۔

اس واقعہ کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں بیان کیا اور اس حوالے سے پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری مفسر قرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں اسے نقل کیا اور مؤلف بھی اسے اس سے قبل سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کے حالات میں بیان کر چکا ہے۔

قارئین حضرات! مندرجہ بالا بیان جو کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے یہ مسئلہ حل ہوتا نظر آتا ہے کہ سیّدنا حضرت خضر علیہ السلام کا زمانہ نبوت سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نبوت سے پہلے تھا یا آپ علیہ السلام کے زمانہ تک رہا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اپنی وفات کے بعد اپنی ارواح سے اجسام کی صورت میں مشتمل ہو کر وہ کام جو جسموں میں سے وقوع پذیر ہوں کیے ہوں اسی صورت میں حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی اور وزیر ہوں۔ اگر واقعہ ہی کیرش بن کیکوس المعروف سائرس اعظم ہی حضرت ذوالقرنین علیہ السلام ہیں یا پھر آپ علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں فارس کا کوئی اور حکمران حضرت ذوالقرنین علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام فارس سے ہیں۔ لیکن سکندر اعظم مقدونیہ تو بالکل ذوالقرنین نہیں ہے کیونکہ اس نے کیرش بن معکوس المعروف سائرس اعظم کے دور حکومت کے بعد اس کے پوتے کی حکومت پر غلبہ حاصل کیا اور بیت المقدس شریف کو پھر یہودیوں سے چھین لیا۔

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام کے متعلق مؤرخین اور علماء تاریخ کے تفصیل سے اظہار خیال بیان کرنے کے بعد بھی یہی کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق بہتر جانتے ہیں کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام اصل میں کون سی شخصیت ہیں۔

اور البدایہ والنہایہ کے حوالے سے اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السلام جو اصل میں ہیں وہ سکندر مقدونیہ اور سائرس اعظم سے بہت پہلے ہوئے ہیں۔ ان کا زمانہ فارس کے بادشاہ افریدون کے زمانے کے قریب قریب تھا۔ ''واللہ اعلم۔''

حضرت لقمان علیہ السلام کا بیان

شجرہ نسب:

محمد بن اسحاق حضرت لقمان علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کرتے ہیں: حضرت لقمان علیہ السلام بن باعور بن ناحور بن تارخ۔

وہب کہتے ہیں حضرت لقمان علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے ہیں۔

مقاتل کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے ہیں۔ واقدی کی تحقیق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور ایک قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال کی ہوئی اور آپ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور آپ علیہ السلام نے انہیں سے تعلیم لی اور اس زمانے میں آپ علیہ السلام نے منصب افتاء ترک فرمایا اس سے قبل آپ علیہ السلام فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی نبوت میں اختلاف ہے۔ علماء کی ایک جماعت اس طرف ہے کہ آپ علیہ السلام حکیم تھے نبی نہ تھے۔ ''واللہ اعلم''

(تفسیر الحسنات، خزائن العرفان)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ''روح المعانی'' میں اکیس قول نقل فرما کر فرماتے ہیں ہمیں وثوق سے کوئی بات ان روایات سے حاصل نہیں ہوئی سوائے ایک روایت کے جو مفسرین نے نقل کی جو کہ تفسیر الحسنات، جلد پنجم، ص: 178 سے نقل کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ارشاد باری تعالیٰ:

ترجمہ: (پ 21، رکوع 2، سورہ لقمان، آیت: 12 تا 19)

''اور بے شک ہم نے حضرت لقمان علیہ السلام کو حکمت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو کفران نعمت کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ سب خوبیوں سے سراہا ہوا ہے۔

اور یاد کرو جب حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا اور وہ اس کو نصیحت کرتا تھا۔ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا شریک نہ کرنا بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اس کے ماں باپ کے حق میں اس کی ماں نے اپنے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اور اس کا دودھ دو برس میں چھوٹتا ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر میری ہی طرف آنا ہے۔

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور ان کا ساتھ دے دنیا میں اچھی طرح اور اس کی راہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع لایا۔ پھر میری طرف ہی تمہیں آنا ہے تو میں تم کو بتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔

اے میرے بیٹے! گناہ اگر رائی کے برابر ہو پھر وہ ہو پتھر کی چٹان میں یا آسمان میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر باریکی کا جاننے والا ہے خبردار ہے۔

اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو مصیبت تجھ پر آئے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

اور کسی کے ساتھ گفتگو میں رخسار نہ پھلا اور زمین میں اتراتا نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کو اتراتا تکبر کرنا اچھا نہیں لگتا۔

اوردرمیانہ روی اختیار کر اور پست رکھ اپنی آواز بے شک مکروہ آوازوں میں گدھے کی آواز ہے۔" (ترجمہ: صاحب تفسیر الحسنات)

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت کے سات معنی فرمائے ہیں

منقولہ بالا روایات نقل کر کے آلوسی فرماتے ہیں ہمیں وثوق سے کوئی بات ان روایات سے حاصل نہیں ہوئی سوا اس ایک روایت کے جو مفسرین نے نقل کی:

انه کان رجلا صالحا حکیما ولم یکن نبیا۔ کہ حضرت لقمان علیہ السلام ایک نیک آدمی تھے اور حکیم تھے اور نبی نہیں تھے اور وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ۔ میں حکمت کی عطا جو فرمائی گئی اس کے سات معنی ہیں:

1- الحکمة علی ما اخرج ابن مردویه عن ابن عباس العقل و الفهم والفطنة۔ حکمت سے مراد عقل اور فہم رسا اور ذہن ہے۔

2- واخرج الفریابی واحمد فی الزهد و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن مجاهد انها العقل و الفقه والاصابة فی القول۔ حکمت عقل، تفقہ اور اصابت رائے کو کہتے ہیں۔

3- وقال الراغب هی معرفة الموجودات وفعل الخیرات۔ حکمت نام ہے موجودات کی معرفت اور نیک کاموں کی توفیق کا۔

4- وقال الامام هی عبارة عن توفیق العمل بالعلم۔ حکمت سے مراد توفیق عمل اور علم ہے۔

5- وقال ابوحبان هی المنطق الذی یتعظ به وینبه ویتناقله الناس لذلك۔ وہ منطق ہے جس کے ساتھ لوگوں کو وعظ اور تنبیہ کی جائے۔

6- وقیل اتقان الشیء علما وعملا۔ حکمت اس یقین کا نام ہے جو علم وعمل میں حاصل ہو۔

7- وقیل کمال حاصل باستکمال النفس الانسانیة باقتباس العلوم النظریة واکتساب الملکة التامة علی الافعال الفاضلة علی قدر طاقتها۔ وہ کمال حاصل ہے نفس انسانیت کا اقتباس علوم نظریہ سے اور اکتساب ملکہ تامہ کا افعال فاضلہ میں بحد قدرت وطاقت (تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۱۷۸)۔

حضرت لقمان علیہ السلام کے اپنے صاحبزادے کو وعظ پند وحکمت

اور آپ کے وعظ پند وحکمت جو آپ نے اپنے صاحبزادے کو فرمائے قرآن کریم کے علاوہ پچیس ارباب سیر نے انہیں نصائح سے اخذ کر کے لکھے ہیں وہ یہ ہیں: (بحوالہ تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۱۷۸ تا ۱۸۰)

1- یا بنی ان الدنیا بحر عمیق وقد غرق فیها ناس کثیر فاجعل سفینتك فیها تقوی الله تعالٰی وحشوها الایمان و شراعها التوکل علی الله تعالٰی لعلك ان تنجو ولا اراك ناجیا۔ اے میرے بیٹے! دنیا ایک گہرا دریا ہے اس میں بہت لوگ ڈوب چکے ہیں تجھے چاہئے کہ اس میں کشتی اللہ کے خوف کی بنا اور اس کے حشو میں ایمان رکھ اور اس کے تختے ایمان کے ہوں اور اس کی لکڑی توکل کی ہو تو امید ہے کہ تو نجات پا جائے گا۔

2- من کان له من نفسه واعظ کان له من الله عزوجل حافظ۔ جو اپنے نفس کے لیے واعظ ہو اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔

3- من انصف الناس من نفسه زاده الله بذلك عزا۔ جو اپنے لیے انصاف پسند کرے اللہ تعالیٰ اس کی عزت زیادہ فرماتا ہے۔

4- والذی فی طاعة الله اقرب من التعزز بالمعصیة۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے کو ذلیل سمجھنا معصیت سے علیحدہ رکھنے میں زیادہ قوت دیتا ہے۔

5- ضرب الوالد لولده کالسماد للزرع۔ باپ کی مار اولاد کو مثل نلائی (گوڈی) کے جو کاشتکار اپنی کھیتی کو کرتا ہے۔

6- یا بنی ایاك والدین فانه ذل النهار وهم اللیل۔ اے میرے بیٹے! قرض سے اپنے کو بچا کہ وہ دن کی ذلت اور رات کا غم ہے۔

7- یا بنی ارج اللہ عزوجل رجاء لا یجریك علیٰ معصیته تعالیٰ۔ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے امید رکھ ہر مقصود کی تو تو معصیت الٰہی کی طرف نہ جا سکے گا۔

8- وخف اللہ سبحانه خوفا لا یئیسك من رحمة اللہ تعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر تا رہ رحمت الٰہی سے تجھے مایوسی نہ ہوگی۔

9- من کذب ذھب مآء وجھه۔ جو جھوٹ بولے اس کے چہرے کی آبرو جاتی رہتی ہے۔

10- من سآء خلقه کثر غمه۔ جس کا خلق بُرا ہو اس پر غم زیادہ رہتا ہے۔

11- نقل الصخور من مواضعھا ایسر من افھام من لا یفھم۔ بھاری چٹانوں کا اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے اس کے سمجھانے سے جو نہ سمجھنا چاہے۔

12- یا بنی حملت الجند والحدید وکل شیء ثقیل فلم احمل شیئا ھو اثقل من جار السوء۔ اے میرے بیٹے! لشکر اور لوہا اور ہر بھاری چیز اٹھائی جا سکتی ہے مگر بُرے ہمسایہ کی زیادتیاں سب سے بھاری ہوتی ہیں۔

13- وذقت المرار فلم اذق شیئا ھو امر من الفقر۔ میں نے بہت سی کڑوی چیزیں چکھیں مگر تنگدستی سے زیادہ میں نے تلخ کسی کو نہ پایا۔

14- یا بنی لا ترسل رسولك جاھلا فان لم تجد حکیما فکن رسول نفسك۔ اے میرے بیٹے! جاہل پیامبر کبھی نہ بھیج اگر تجھے عقل مند ذکی وفہیم نہ ملے تو اپنے دل ہی کو اپنا پیامبر کر۔

15- یا بنی ایاك والکذب انه شھی کلحم العصفور عما قلیل یغلی صاحبه۔ اے میرے بیٹے! اپنے کو دروغ گوئی سے بچا جیسے چڑیا کا گوشت لذیذ ہوتا ہے اس کے باوجود کہ کم ہوتا ہے اور کھانے والے کو جوش میں لاتا ہے۔

16- یا بنی احضر الجنائز ولا تحضر العرس فان الجنائز تذکرك الاخرة والعرس یشھیك الدنیا۔ اے میرے بیٹے! جنازوں میں ضرور شریک ہوا کر اور شادیوں میں نہ شریک ہو اس لیے کہ جنازہ آخرت یاد دلاتا ہے اور شادی بیاہ دنیا کی حرص بڑھاتے ہیں۔

17- یا بنی لا تاکل شبعا فان القآءك ایاہ للکلب خیر من ان تاکله۔ اے میرے بیٹے! شکم سیر ہو کر نہ کھایا کر اس لیے کہ تجھے لقمہ ڈالنے سے کتے کو ڈالنا بہتر ہے کہ وہ کھالے اور اپنے مالک کی حفاظت کرے۔

18- یا بنی لا تکن حلوا فتبلع ولا مرا فتلفظ۔ بیٹے نہ اتنا میٹھا بن کہ تجھے ہر کوئی نگل جائے اور نہ اتنا کڑوا کہ ایک تھوک دے۔

19- لا یاکل طعامك الا الاتقیاء وشاور فی امرك العلماء۔ تیرا کھانا سوا اتقیاء کے کوئی نہ کھا سکے اور اپنے معاملہ میں علماء سے مشورہ کیا کر۔

20- لاخیر لك فی ان تتعلم مالم تعلم ولما تعمل بما قد علمت فان مثل ذلك رجل احتطب حطبا فحمل حزمة وذھب یحملھا فعجز عنھا فضم الیھا اخری۔ تیرا تعلیم حاصل کرنا جاہل سے بہتر نہیں اور جب تو اس تعلیم پر عمل کرے گا جو تو نے جاہل سے لی تو وہ مثل ایسے آدمی کے ہوگا کہ لکڑیوں کا گٹھا بغیر اندازہ کئے لے کر چل دیا راستہ میں تھک گیا تو دوسرے آدمی اسے اٹھا لے گئے۔

21- یا بنی اذا تواخی رجلا فاعضبه قبل ذلك فان النصفك عنه غضبه والا فاحذرہ۔ بیٹے جب تو برادرانہ رابطہ کسی سے کرے تو وہ اس سے پہلے غضب ناک ہو تو اگر انصاف کرے اس کے غصہ پر تو مناسب ہے ورنہ اس سے علیحدہ رہنے میں ہی بہتری ہے۔

22- لتکن کلمتك طیبة ولیکن وجھك بسطا تکن احب الناس ممن یعطیھم العطا۔ تیرے کلمات پاک ستھرے ہوں اور تو خندہ جبین ہو تو لوگوں میں محبوب ترین ہوگا اس سے جو بہت کچھ بخششیں دیتا ہو۔

23- یا بنی انزل نفسك من صاحبك منزلة من لا حاجة له بك ولا بدلك منه۔

اے میرے بیٹے! تم اپنے آپ کو اپنے دوست کے ساتھ اس طرح رکھو جیسے اُسے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔ اور تمہارے لیے اُس کا کوئی

بدل نہیں سکتے۔

24- یا بنی کن کمن یبتغی محمدۃ الناس ولا یکسب دمھم فنفسہ منہ فی عآء والناس منہ () راحۃ ۔ بیٹے ایسی زندگی بسر کر کہ کسی سے اپنی مدح نہ چاہ اور برائی کسی سے لے کہ اس سے اس کی جان غم میں ہو اور لوگ اس سے راحت میں ہوں۔

25- یا بنی اقنع بما یخرج من فیك فانك ماسكت تسلم وانما ینبغی لك من القول ماینفعك ۔ خاموشی میں سلامتی ہے اور بولے اتنا ہی جو نفع رساں ہو۔

سورہ لقمان کی آیات نمبر ۱۲ اور ۱۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۲: اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ۔ ان تفسیر یہ ہے زجاج کہتے ہیں کہ ان مصدر یہ ہے۔

وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ۔ اور جو شکر گزار ہوگا وہ اپنے بھلے کے لیے ہوگا۔

اور وہ بھلا اس کے حق میں یہ ہوگا کہ یہ شکر موجب رحمت اور مزید نعمت اور جنت الخلد میں فائزی کا سبب ہوگا۔

وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ اور جو کفران نعمت کرے تو اللہ بے پرواہ ہے سراہا گیا۔

یعنی وہ تمام اشیاء سے غنی ہے اسے شکر کی بھی احتیاج نہیں کہ کفر اسے نقصان دے کفران نعمت کرنے والا اپنا بدلہ لے گا اور شکر گزار اپنا صلہ پائے گا۔

اور حمید ایسا حمید ہے کہ اگر کوئی بھی اس کی حمد نہ کرے تو جمیع مخلوقات زبان حال سے اس کی حمد کرتی ہے یہ حمید بر وزن فعیل ہے جس کے معنی ہوتے ہیں محمود کے۔

جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: الحمد راس الشکر، لم یشکر اللہ تعالیٰ عبدلم یحمدہ ۔ اس کے بعد حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتوں کا تذکرہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ۔ اور جب حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے۔

ابن حضرت لقمان علیہ السلام کا نام طبری اور قتیبی نے تاران بتایا ہے۔

ایک قول ہے کہ ماثان نام تھا۔

ایک قول ہے کہ انعم تھا۔

ایک قول ہے کہ اشکم تھا۔

ایک قول ہے کہ مشکم تھا۔

اور وہ وعظ کرتے تھے۔ وعظ بقول راغب زجر مقترن بتخویف کو کہتے ہیں یعنی خوف دلانا اور نصیحت کرنا۔

وقال الخلیل ھو التذکیر بالخی فیما یرق لہ القلب ۔ علامہ خلیل فرماتے ہیں وعظ تذکیر بالخیر کو کہتے ہیں جس کے سننے سے انسان کا دل نرم ہو۔

تو آپ نے پہلی نصیحت جو فرمائی وہ اجتناب عن الشرک کی فرمائی اس لیے کہ اکبر کبائر شرک ہی ہے چنانچہ فرمایا:

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔

اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔

اس لیے کہ ظلم وضع الشیء علی غیر محلہ ۔ کو کہتے ہیں تو غیر خدا کو خدا ماننا بے محل فعل ہے اسی لیے اسے ظلم عظیم فرمایا۔

بعض نے کہا کہ کان ابنہ کافرا ولذا نھاہ عن الشرك فلم یزل یعظہ حتی اسلم و کذا قیل لا مراتہ ۔ تاران یا ماثان کے

متعلق کہتے ہیں کہ یہ کافر تھا تو آپ نے اسے شرک سے روکا اور نصیحت ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا اور یہی آپ کی بیوی کا حال تھا۔

واخرج ابن ابی الدنیا فی نعت الخائفین عن الفضل الرقاشی قال مازال حضرت لقمان علیہ السلام یعظ ابنه حتی مات۔ فضل رقاشی سے مروی ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو ہدایت کرتے رہے حتیٰ کہ اس حال میں انتقال فرمایا۔

واخرج عن حفص الکندی قال وضع حضرت لقمان علیہ السلام جوابا من خر دل وجعل یعظ ابنه موعظة ویخرج خردلة فنفد الخردل فقال یا بنی لقد وعظتك موعظة لو وعظتها جبلا لا نفطر فانفظر ابنه۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے ایک تھیلی میں رائی بھر لی اور اپنے بیٹے کو وعظ فرماتے اور ایک دانہ رائی کا نکالتے حتیٰ کہ تمام دانے رائی کے ختم ہو گئے تو آپ نے فرمایا بیٹے! میں نے تجھے اتنا وعظ سنایا کہ اگر میں پہاڑ کو اتنا وعظ کرتا تو وہ لرز جاتا تو بیٹا لرز گیا۔

وقیل کان مسلما والنھی عن الشرك تحذیر له عن صدوره منه فی المستقبل۔ ایک قول ہے کہ وہ مسلمان تھا اور حضرت لقمان علیہ السلام اسے شرک سے حفظ ماتقدم کے لیے منع فرماتے تھے۔

اور اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ یہ حضرت لقمان علیہ السلام کا ہی ارشاد تھا اور شرک ظلم عظیم بایں معنیٰ ہی ہے کہ ظلم کہتے ہیں وضع الشیء فی غیر موضعه۔ کو اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی غیر کو ماننا ظلم عظیم ہے کہ اس کے برابر کسی کا ہونا محالات سے ہے۔ (تفسیر الحسنات جلد پنجم)

حضرت لقمان علیہ السلام کے حکمت میں شاگرد:

حضرت لقمان علیہ السلام حکیم علیہ السلام کا شاگرد تالیس حکیم ملطیہ ان کا شاگرد فیثاغورث ان کا شاگرد حکیم سقراط ان کا شاگرد افلاطون ان کا شاگرد معلم ارسطو جو کہ یونانیوں میں سے ہے۔ اس کا مسکن شہر اشنیا تھا۔ اس کا شمار بڑے نامی حکماء میں ہوتا ہے۔ اس کے استاد افلاطون حکیم یونانی وہ ہے جس کے میانہ (پالکی) کے ساتھ سینکڑوں شاگرد پڑھتے ہوئے چلتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کے تلامذہ مشائین کے نام سے مشہور ہیں۔ حکماء یونان میں سے مشہور مقراطیس اور مانکشاغورس بھی ہیں۔ یہ لوگ علم وحکمت کے علاوہ طب میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ اسی کے شاگردوں میں سے جالینوس بھی تھا۔ جو زمانہ جناب سیّدنا حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام میں گزرا ہے۔ اور اس کی قبر صقلیہ میں آج بھی موجود ہے۔

(ابن خلدون، جلد دوئم، ص:224)

حکیم ارسطو اسکندر اعظم بن فیلقوس مقدونیا کا معلم تھا۔

(ابن خلدون، جلد دوئم، ص:224)

حصہ سوئم باب اول

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام

شجرہ نسب

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بن عمران بن قاہث بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام (تاریخ ابن خلدون جلد دوئم اُردو ص ۱۱۳) لیکن تاریخ ابن کثیر (البدایہ النہایہ) جلد اول ص ۲۰۴ پر اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قاہث بن عازر بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام واللہ اعلم عزوجل۔ اور عمران اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

بنی اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے توریت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسرائیل کے نام سے یاد فرمایا۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے یا آپ علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔ یہ لقب آپ علیہ السلام کو فلسطین سے حران ہجرت کرنے کے دوران ملا۔ (ابن خلدون)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا ہے؟

اس میں اختلاف ہے یارخا۔ ایارخت۔ نوحانذ۔ یوخانذ۔ لوخا۔ مریم یہ تمام نام ذکر کرنے کے بعد حاشیہ جلالین میں ذکر کیا گیا ہے کہ صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ''یارخا'' جیسے روح البیان میں ہے۔ جبکہ تفسیر نعیمی میں ''عائذ'' لکھا گیا ہے (بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۴۶۰) (واللہ اعلم بالصواب) اور تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۳ پر ''یوحانذ'' اور خزائن العرفان میں بھی یہی نام لکھا ہے جبکہ تفسیر ابن عباس جلد دوئم ص ۲۰۲ پر اس طرح بیان کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں یوخانذ بنت لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام البدایہ والنہایہ تاریخ ابن کثیر جلد اول ص ۲۰۶ پر سہیلی کی روایت سے ایارخا جبکہ دوسرے راوی ان کا نام ایازخت بتاتے ہیں اور اسی صفحہ کے حاشیہ پر ہے کہ تفسیر قرطبی میں ان کا نام ثعلبی کے حوالے سے لوخا بنت حائذ بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام بتایا گیا جبکہ بعض تفاسیر میں یوحائذ (عربی تلفظ یوحانذ) ''واللہ اعلم بالصواب'' اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ عمران کے چچا حائذ کی بیٹی ہے۔

تنبیہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ''مریم'' ہے اور آپ علیہ السلام کے والد کا نام ''عمران'' ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سگی بہن کا نام بھی ''مریم'' ہے اور آپ علیہ السلام کے والد کا نام بھی ''عمران'' ہے (تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۴۹) پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ اس طرح ہے بن عمران بن یصر بن ناہث بن لادی بن سیّدنا حضرت یعقوب ''واللہ اعلم'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن عمران بن حاثان ہیں۔

بعض حضرات نے گمان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھیں یہ بالکل غلط ہے کیونکہ دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان زمانے کے اعتبار سے بہت بڑا فاصلہ ہے۔ ابن عساکر نے یہ فاصلہ انیس سو پچیس ۱۹۲۵ سال اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

(بحوالہ کتاب حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۲)

بنی اسرائیل کا مصر میں آباد ہونا

اس سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں لکھا جاچکا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے عزیز (مصر کے بادشاہ کے وزیر اعظم کو

عزیز کہتے ہیں) بن گئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام کو بمعہ اپنے سب بھائیوں اوران کی اولاد کو کنعان سے مصر بلا کر آباد کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال مصر میں ایک سو ستاسی ۱۸۷ برس کی عمر میں ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق مصر سے لاکر فلسطین میں آپ علیہ السلام کو اپنے آبائی مقبرہ میں دفن کیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر واپس چلے آئے اور مصر میں ہی مقیم رہے یہاں تک کہ ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال ہو گیا اور مصر میں ہی دفن کیے گئے آپ علیہ السلام نے انتقال کے وقت نصیحت کی تھی کہ جب بھی بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ارض موعود (بیت المقدس) کی طرف روانہ ہوں تو اپنے ہمراہ میرا تابوت بھی لے لیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد اسباط (حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے اسباط کے لقب سے پکارا ہے) نے مصر میں سکونت اختیار کی۔ چند ہی برسوں میں ان کی نسل کو ترقی اس قدر ہوئی کہ قبطی (مصر میں پہلے سے آباد شدہ باشندوں کو قبطی کہا جاتا تھا) انہیں رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کون تھیں؟

آپ فرعون کی بیوی تھیں (مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا) اور آپ کا شجرہ نسب یہ ہے حضرت آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید یہ فرعونِ مصر سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل سے نہ تھا لیکن وہ ایمان لے آیا تھا۔ فراعنہ مصر بہت سے ہیں۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اسباط حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھیں اور اولاد انبیاء علیہم سے تھیں اور سہیلی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کو دنیا جہاں سے افضل فرمایا ہے ان میں حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا بھی ہیں اور یہ بھی روایات میں ہے کہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہوں گی۔ (تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۶۱ اور خزائن العرفان) (تفسیر ابن عباس جلد نمبر ۲ ص ۲۰۲ پر یہ تحریر ہے کہ آسیہ بنت مزاحم) اور البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۰۶ پر بھی اسی طرح شجرہ لکھا ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ حضرت آسیہ بنی اسرائیل سے تھیں۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ کا پڑدادا ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا (واللہ اعلم بالصواب)۔ لیکن تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۰۹ پر حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کا نام ولید بن دومع اس کے مرنے کے بعد دارم بن ریان فرعون مصر ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس کی بھی وزارت کی تھی۔

فرعون کا عتاب

توریت میں لکھا ہے کہ فراعنہ مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ایک فرعون تخت نشین ہوا اور وہ بنی اسرائیل کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا وہ نہ انہیں پہچانتا تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد سے آگاہ تھا لہٰذا اس نے ان کا خون مباح کر دیا اور ان سے خدمت کے کام لینے لگا۔ اس کے بعد کاہنوں نے یہ ظاہر کیا کہ عنقریب بنی اسرائیل میں ایک نبی ہونے والا ہے جو تمہارے ملک کا مالک اور تمہاری بربادی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح اور جو کچھ اس واقعے کے متعلق انہیں معلوم تھا۔ اسے بتایا۔ فرعون نے پھر بنی اسرائیل کی نسل ختم کرنے کا بیڑہ اٹھالیا۔ اس نے ان مردوں کو عورتوں سے علیحدہ کر دیا اور لڑکوں کو قتل کرنے لگا اسی حالت میں ایک زمانہ گزر گیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے (تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۳)۔

اب انشاء اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات قرآن پاک اور اس کی تفسیروں سے اخذ کر کے ترتیب وار بیان کئے جائیں گے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے حالات

قرآن مجید کے پارہ نمبر ۲۰ سورہ القصص آیت نمبر ۲ تا آیت نمبر ۲۱ کا اُردو ترجمہ کنزالایمان سے:

(۱) یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی

(۲) ہم تم پر پڑھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

(۳) بے شک فرعون نے زمین میں غلبہ پایا تھا اور اس کے لوگوں کو اپنا تابع بنایا اس میں ایک گروہ کو کمزور دیکھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بیشک وہ فسادی تھا۔

(۴) اور ہم چاہتے تھے کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے ملک و مال کا انہیں وارث بنائیں۔

(۵) اور انہیں زمین میں قبضہ دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھادیں جس کا انہیں ان کی طرف سے خطرہ ہے۔

(۶) اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا۔ پھر جب تجھے اس سے اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر بے شک ہم اسے تیری طرف پھیر لائیں گے اور اسے رسول بنائیں گے۔

(۷) تو اسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔

(۸) اور فرعون کی بی بی نے کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔

(۹) اور صبح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا۔ ضرور قریب تھا کہ حال کھول دیتی اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اس کے دل پر کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین رہے۔

(۱۰) اور اس کی ماں نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا۔ تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان کو خبر نہ تھی۔

(۱۱) اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں تو بولی کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے کو تمہارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔

(۱۲) تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا کہ ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور غم نہ کھائے اور جان لے کہ اللہ عزوجل کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۳) اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔

(۱۴) اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گروہ کا تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے۔ تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔ بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔

(۱۵) عرض کی اے میرے رب عزوجل میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔ تو مجھے بخش دے۔ تو رب نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱۶) عرض کی اے میرے رب عزوجل جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔

(۱۷) تو صبح کو اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے۔ جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی۔ فریاد کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔ بے شک تو کھلا گمراہ ہے۔

(۱۸) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے۔ وہ بولا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔

(۱۹) اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا۔ کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے شک دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ تو نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

(۲۰) تو اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا۔ اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی اے میرے رب عزوجل مجھے ستم گاروں سے بچالے۔

مندرجہ بالا آیات کی تشریح

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ (عزوجل) اور فرعون کی سچی

سچی خبر سناتے ہیں ایمان والوں کے لئے تا کہ انہیں فائدہ ہو۔ بے شک فرعون بلند ہوا تھا زمین میں یعنی سرکشی پر آ گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر ڈالے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا یعنی اسرائیل کو ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا اور لڑکیوں کو خدمت کے لئے زندہ رکھتا بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ مصر کے لوگوں کے مختلف گروہ کر دیئے تھے اپنی قوم جس کا نام قبط تھا اسے تو معزز عہدوں پر فائز کر رکھا تھا اور بنی اسرائیل جسے سبط کہتے تھے۔ انہیں محنت و مشقت اور ذلیل پیشوں میں ڈال رکھا تھا پھر ان میں بھی مختلف گروہ تھے کوئی معماری کے کام پر تھا کوئی کاشتکاری میں لگایا ہوا تھا۔ لڑکوں کو قتل اس لئے کرتا تھا کہ وہ خیال کرتا کہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس خوف سے کہ اس کی خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے نجومیوں نے اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ہستی (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) حمل میں آ گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی خبر بھی دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ علیہ السلام تمہیں اور تمہاری حکومت کو تباہ کر دینگے اور لڑکیوں کو زندہ اس لئے رہنے دیتا کہ ان کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا بلکہ ان کے جوان ہو جانے پر ان سے اپنے لئے شہوت رانی کا فائدہ بھی حاصل کرتا تھا اور بنی اسرائیل کے لئے یہ سخت ترین ذلت تھی۔ (تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۵۳)

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے چاہا کہ ان کمزوروں پر احسان فرمائیں اور ان کو پیشوا بنائیں تا کہ وہ لوگوں کو نیکی کی راہ بتائیں اور لوگ نیکی میں ان کی اقتدا کریں اور فرعون اور اس کی قوم کے املاک و اموال ان کمزور بنی اسرائیل کو دے دیں۔ اور بنی اسرائیل کو مصر اور شام پر قابض کر دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی دکھا دیں جس کا انہیں ان کی طرف سے خطرہ ہے۔ (خزائن العرفان)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اصل واقعہ شروع ہوتا ہے

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خواب کے ذریعے یا فرشتے کے ذریعہ یا دل میں ڈال کر الہام فرمایا آپ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت یا چند دن اس سے قبل کہ اپنے بچہ کو دودھ پلا اور جب تجھے اس سے خطرہ محسوس ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا چنانچہ آپ علیہ السلام کی والدہ چند روز تک اسے دودھ پلاتی رہیں۔ اس عرصہ میں نہ آپ علیہ السلام روتے تھے نہ ان کی گود میں کوئی حرکت کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کی ہمشیرہ کے سوا کسی اور کو آپ علیہ السلام کی ولادت کی اطلاع نہ تھی لیکن جب آپ علیہ السلام کی والدہ کو محسوس ہوا کہ ہمسائے اس سے واقف ہو گئے ہیں اور وہ چغل خوری اور مخبری کریں گے اور فرعون اس فرزند ارجمند کے قتل کے درپے ہو جائے گا تو آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک لکڑی کا صندوق بنوا کر خاص اس مقصد کے لئے اور اس طرح تیار کرایا کہ اس میں پانی داخل نہ ہو۔ اس میں اپنے فرزند ارجمند کو رکھ کر رات کو دریائے نیل میں بہا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اس کے غرق و ہلاک کا اندیشہ نہ کرنا۔ ہم اسے آپ علیہ السلام کو واپس ملائیں گے اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے تین یا چار ماہ تک آپ علیہ السلام کو دودھ پلایا۔ خزائن العرفان میں ہے کہ تین ماہ دودھ پلایا۔ اس شب کی صبح کو جو نہر دریائے نیل سے نکل کر فرعون کے محل کی طرف سے جاتی تھی اس میں سے فرعون کے گھر والوں نے یا فرعون کے آدمیوں نے نہر میں صندوق دیکھ کر پکڑ لیا اور فرعون کے سامنے رکھ دیا۔ صندوق کو کھولا گیا تو اس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام برآمد ہوئے جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوستے تھے۔ فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکریوں نے آپ کو اپنا دشمن ہی سمجھ کر قتل کرنا چاہا اور جلاد کو بھی بلا لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی کہ ان کے ہلاک کرنے والے دشمن کی انہیں سے پرورش کرائی وہ اس طرح کہ عین اسوقت جب فرعون نے اپنے ساتھیوں کے کہنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ اس کی بی بی حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا بہت نیک بی بی تھیں انبیاء علیہم السلام کی نسل سے تھیں۔ غریبوں اور مسکینوں پر رحم کرتی تھیں انہوں نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ سال بھر سے زیادہ عمر کا معلوم ہوتا ہے اور تو نے اس کے اندر پیدا ہونیوالے بچوں کو حکم دیا ہے۔ علاوہ بریں معلوم نہیں یہ بچہ دریا میں کس زمین سے آیا ہے تجھے جس بچے کا خطرہ ہے وہ اسی ملک کے بنی اسرائیل سے بتایا گیا ہے حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کی بات ان لوگوں نے مان لی اور حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ البدایہ والنہایہ جلد اول

ص ۲۰۵ پر بیان کیا گیا ہے کہ صندوق پر سب سے پہلے حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا کی نظر پڑی جب اسے کھول کر دیکھا تو اسے ایک جیتا جاگتا بچہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ نہال ہوگئی اور اسے اپنے معبودوں کی عطا سمجھا اور فرعون سے اس کی پرورش کی اجازت طلب کی فرعون نے کافی انکار کیا آخر کار مان گیا۔ یہاں کا تو یہ قصہ ہے۔ اب آپ علیہ السلام کی والدہ کا کیا حال ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے۔

اس شب کی صبح یعنی صبح کو والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حال میں کہ ان کا دل تمام باتوں سے فارغ تھا سوائے ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فریابی اور ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، حاکم بطریقہ ابن عباس رضی اللہ عنہم راوی ہیں اور ایسا ہی ابن مسعود اور حسن مجاہد حضرت عکرمہ سے راوی ہیں کہ آپ سلام اللہ علیہا (یعنی والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے دامن صبر چھوٹ گیا تھا۔ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ آپ سلام اللہ علیہا بھول گئیں تھیں اس وقت فرط غم کی وجہ سے تمام وعدہ ہائے الٰہی اور وحی اللہ تعالیٰ کی۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قریب تھا کہ وہ اس کا حال کھول دیتی یعنی غم واندوہ میں رونا شروع کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو ڈھارس نہ بندھاتے کہ اسے ہمارے وعدہ پر یقین ہے یعنی جو وعدہ ہم نے دیا تھا اس کا ہماری طرف سے ایمان و یقین دلاتا تھا ورنہ عام خواتین کی طرح رو پڑتیں لیکن صبر و تحمل کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل کو ہم نے ڈھارس بندھا دی تھیں۔

والدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی بہن مریم کو فرمایا کہ تابوت کے پیچھے پیچھے جا دریا کے کنارے کنارے ایسے کہ فرعونیوں کو خبر نہ ہو اور دور سے دیکھتی رہ کہ تابوت کس طرف جاتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کی بہن دریا کے کنارے کنارے چلتی رہی اور تابوت پانی کی موجوں میں جاتا رہا حتیٰ کہ فرعون کے محل میں پہنچ گیا اور سفارش حضرت آسیہ سلام اللہ علیہا سے آپ علیہ السلام کے قتل کی بجائے دودھ پلانے والی عورتوں کی تلاش شروع ہوئی اور قدرت نے یہ نظام کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تمام دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ یہ حرمت تحریم شرعی نہ تھی اس لئے کہ حرمت و حلت کے احکام مکلف بالا حکام کے لئے ہیں بلکہ یہ حرمت طبع تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب میں تمام دودھ پلانے والی عورتوں سے نفرت ڈال دی تھی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے یہ دیکھا کہ آپ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تو آپ آگے بڑھیں اور بولیں کیا میں ایک ایسی دایہ بتاؤں جو ایک شریف خاندان کے گھرانے کی ہے جو اس بچہ کی پرورش کر دے تمہاری لئے اور وہ اس کی خیر خواہ ہو۔ جب فرعون اور اس کے گھر والوں نے یہ سنا تو کہا جاؤ اور جلدی لاؤ تو آپ علیہ السلام کی بہن جلدی سے گھر واپس آئی اور اپنی والدہ کو وہاں لے گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوشی خوشی سے اپنی والدہ کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ تو فرعون نے کہا اے بی بی تو اس بچے کے ساتھ کیا تعلق رکھتی ہے اس بچہ نے تیرے سوا کسی اور عورت کے دودھ کو منہ بھی نہیں لگایا۔ انہوں نے کہا میں ایک عورت ہوں پاک صاف رہتی ہوں میرا دودھ خوشگوار ہے جسم خوشگوار ہے اس لئے جن بچوں کے مزاج میں نفاست ہوتی ہے وہ اور عورتوں کا دودھ نہیں پیتے۔ میرا دودھ پی لیتے ہیں۔ پھر فرعون اور اس کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی والدہ صاحبہ سلام اللہ علیہا کے سپرد کر دیا تاکہ آپ علیہ السلام کی پرورش کی جائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کے پاس واپس لوٹا دیا تاکہ آپ علیہ السلام کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ اس لئے کہ وہ جان لے کہ اللہ عزوجل کا وعدہ حق ہے لیکن اکثر نہیں جانتے (تفسیر ابن عباس جلد دوئم۔ خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات جلد چہارم سے اخذ کر کے مندرجہ بالا بیان تحریر کیا گیا)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تھوڑی دیر بعد آپ علیہ السلام کا معجزہ

صاحب تفسیر الحسنات نے جلد چہارم ص ۹۶۰ پر تفسیر روح البیان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب وضع حمل کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے قابلہ کو بلایا جو حاملہ عورتوں (بنی اسرائیل پر) مقرر تھی اس نے جنایا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر ڈال دیا۔ اسے آپ علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے ایک نور نے گھیر لیا۔ اس کی نظر جب اس معجزانہ شان پر پڑی تو اس کا بدن کانپ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوگئی۔ جس سے وہ آپ علیہ السلام کو مارنے سے باز رہ گئی اور آپ علیہ السلام کی والدہ سے کہنے لگی اسے حفاظت سے محفوظ رکھو۔

جب وہ چلی گئی تو سی آئی ڈی والے فرعون کے آگئے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دہکتے تنور میں ڈال دیا اور آپ کچھ نہ کر سکیں۔ عقل جاتی رہی۔ جواسیس فرعون نے گھر میں دیکھا بھالا اور کچھ نہ پایا تو چلے گئے اور آپ اس قدر بے حواس تھیں کہ آپ کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں کہ آپ علیہ السلام کے رونے کی آواز تنور سے سنی اور اس طرف گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر تنور کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دی تھی۔ سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی شان کہ اپنے محبوبوں کی کس طرح حفاظت فرماتا ہے۔

بچپن ہی میں دوسرا معجزہ

صاحب تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۶۱ پر بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ فرعون کی ایک لڑکی تھی۔ اس کے سوا کوئی اولاد نہ تھی اور فرعون کو بہت محبوب تھی اور اسے برص کا مرض تھا۔ علاج سے اطباء تھک چکے تھے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ تندرست نہیں ہو سکتی مگر جب دریا سے انسانی شبیہ میں فلاں دن فلاں مہینہ آفتاب کے طلوع کے وقت نکلے گا۔ اس کا لعاب دہن یہ ملے گی تو آرام ہوگا۔

چنانچہ جب یہ تابوت ملا تو بنت فرعون نے لعاب دہن اقدس ملنا شروع کر دیا اور وہ اس سے تندرست ہوگئی اس کے علاوہ بھی روایتیں ہیں یعنی روح المعانی تفسیر علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ میں سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی کیسی شان ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے تبرکات میں شفا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوب بنایا اور مخلوق کا محبوب کر دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی محبوبیت سے نوازتا ہے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی ملامت، خوبصورتی اور نورانیت رکھی گئی تھی کہ جو بھی آپ علیہ السلام کو دیکھتا وہی آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنا محبوب بنالیا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ آسمان وزمین والے آپ علیہ السلام سے محبت نہ کرتے۔ (تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۴۶۸ بحوالہ تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خزائن العرفان)

بچپن ہی کا تیسرا معجزہ

صاحب تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام نے ص ۴۶۶ پر بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا ایک صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دو تو آپ کی والدہ ایک نجار کے پاس گئیں تاکہ اس سے ایک صندوق حاصل کریں اس نے پوچھا تم نے لکڑی کے صندوق کو کیا کرنا ہے تو آپ نے سچ سچ بتا دیا کہ اپنے بیٹے کو اس میں ڈال کر دریا میں ڈالنا ہے ہو سکتا ہے کہ فرعونیوں سے بچ جائے صندوق اس نے آپ کو فروخت کر دیا لیکن بڑھئی کے دل میں بدنیتی پیدا ہوگئی کہ اگر وہ فرعونیوں کو یہ بات بتا دے تو اس کو بہت انعام ملے گا۔ وہ فرعونی لوگوں کے پاس گیا جو بچوں کو ذبح کرنے پر مقرر تھے کہ انہیں بتا سکے لیکن ان کو بتانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان بند کر دی۔ وہ ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا ان لوگوں نے اسے پاگل سمجھ کر مارا اور بھگا دیا۔ جب وہ واپس گھر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان کو اس پر پھر لوٹا دیا پھر وہ دوسری مرتبہ ان لوگوں کی طرف گیا تاکہ ان کو بتا سکے لیکن پھر زبان بند ہوگئی۔ پھر ہاتھوں سے اشارے کرنے پر انہوں نے اسے مارا گھر لوٹا پھر زبان ٹھیک ہوگئی پھر تیسری مرتبہ انہیں بتانے کے لئے گیا تو اس کی زبان بھی بند ہوگئی اور اندھا ہوگیا۔ پھر اس کی پٹائی ہوئی اور واپس بھگا دیا گیا۔ اب وہ سچے دل سے توبہ کرنے لگا۔ اے اللہ تعالیٰ اگر تو مجھے میری نظر اور زبان دے دے تو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا اور اسے زبان اور نظر عطا فرما دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو قتل کرنا اور مدین کی طرف ہجرت کرنے کا بیان

سورہ قصص کی آیت نمبر ۱۴ تا آیت نمبر ۲۲ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

نمبر ۱۴: اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے یعنی اٹھارہ برس کے ہوئے اور پوری عمر کو یعنی چالیس برس کو پہنچے تو ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) ان کو حکم، حکمت، فہم وعلم ونبوت عطا فرمائی اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) محسنوں کو یونہی جزاء وخیر دیتے ہیں یعنی فہم وعلم دیتے ہیں خاص انبیاء کرام علیہم السلام کو یا یہ کہ عام صالحین کو علم وحکمت دیتے ہیں۔ خزائن العرفان میں ہے کہ پوری عمر کا مطلب یہ ہے کہ تیس برس عمر تھی۔

نمبر ۱۵ تا نمبر ۱۹: اور ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے کہ سب لوگ غافل تھے۔ یعنی دوپہر کو یا بعد نماز مغرب، وہاں

دو آدمی دیکھے ایک اسرائیلی (سبطی) دوسرا قبطی دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے تھے اور جدال قتال کرتے تھے۔ اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا اور قبطی آپ علیہ السلام کا دشمن تھا۔ لہٰذا اسرائیلی جو آپ علیہ السلام کے قرابت والوں سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی اور قبطی کے مقابلہ میں مدد مانگی جو دشمن تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایسا گھونسہ مارا کہ وہ گر پڑا اور مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ شیطان کا کام ہے کہ میرا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہ تھا۔ جو یہ میرے ہاتھ سے مارا گیا۔ وہ آدمی کا کھلم کھلا دشمن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قتل سے بہت نادم ہوئے اور کہا پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے کہ ایک آدمی مار ڈالا ہے تو میری خطا سے درگزر فرما گناہ بخش دے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خطا بخش دی وہ توبہ کرنے والوں کے لئے غفور و رحیم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب عزوجل اب کہ تو نے مجھ پر انعام کیا۔ معرفت توحید و مغفرت کا اکرام کیا تو اب میں مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم کا معاون و مددگار شریک نہ ہوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے بدلہ سے شہر میں رہنے سے بہت ڈرنے لگے۔ یہی انتظار تھا کہ دیکھئے کب پکڑے جائیں۔ ناگاہ دوسرے دن وہی آدمی جس کو کل آپ علیہ السلام نے بچایا تھا اور اس نے آپ علیہ السلام کی پناہ لی تھی ایک اور قبطی سے الجھا تھا اس سے جھگڑا کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس نے اس کے مقابلہ میں پھر مدد مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی سے کہا جو مدد مانگتا تھا کہ تو بڑا بے ہودہ لڑنے والا کھلا ہوا مفسد ہے یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے کہ اس کی مدد کریں اور قبطی کو جو دونوں کا دشمن تھا۔ سزا دیں وہ اسرائیلی یہ سمجھا کہ آپ علیہ السلام میرے مارنے کو آ رہے ہیں تو بولا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا جیسے کل تم نے ایک آدمی کو مارا ہے اسی طرح آج مجھے مارنا چاہتے ہو تم کیا یہی چاہتے ہو کہ جبار ہو جاؤ لوگوں کو قتل کرتے پھرو اور زمین مصر میں شورش مچاؤ۔ تمہارا ارادہ یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ صلح کراؤ۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو۔

نمبر ۲۰ اور نمبر ۲۱: اور ایک آدمی یعنی حزقیل (بعض روایت میں شمعان یا شمعون) جس کو مومن آل فرعون کہتے ہیں (خزائن العرفان) شہر کے کنارے سے یا یہ کہ شہر کے درمیان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور آ کر کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام مقتول کے وارث آدمی مشورہ کرتے ہیں اور تیرے قتل کی تدبیریں جمع ہو کر کرتے ہیں۔ تو اس شہر سے نکل جا میں تیرے لئے ناصح خیر خواہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر ڈرتے ہوئے نکل پڑے اور انتظار تھا کہ دیکھئے کب پکڑے جائیں۔ تب عرض کی اے پروردگار تو مجھ کو ظالم قوم یعنی اہل مصر سے نجات دے۔

نمبر ۲۲: اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کی راہ نہ جانتے تھے تو ڈرے کہ بھٹک نہ جائیں تو عرض کی کہ مجھے میرے رب عزوجل سے امید ہے کہ مجھے سیدھے راستہ کی جو مدین جاتا ہے ہدایت کرے۔

صاحب تذکرہ الانبیاء علیہم السلام نے ص ۴۷۷ پر روح المعانی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مدین شہر کو مدین بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور مصر اور مدین میں آٹھ دنوں کی مسافت ہے۔ اس سارے راستہ کو دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کیا۔ اور صرف درختوں کے پتوں پر گزر کر کے اس مسافت کو طے کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کے ایک کنواں پر پہنچنا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں سے ملاقات کا بیان

سورہ قصص کی آیات نمبر ۲۳ اور نمبر ۲۴ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تحریر کی جاتی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے ایک کنویں پر پہنچے تو وہاں آدمیوں کا ایک گروہ دیکھا یعنی چالیس آدمی تھے جو اپنے چوپایوں (بکریوں) کو پانی پلاتے تھے سب سے پیچھے دو عورتیں دیکھیں کہ اپنی بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی ہیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم دونوں آگے جا کر پانی کیوں نہیں پلاتی اس کا کیا سبب ہے؟ وہ بولیں ہم نہیں پلا سکتیں جب تک اور پلانے والے چرواہے فارغ ہو کر نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بوڑھا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا وہ دونوں باپ کے پاس گئیں اور

سب قصہ سنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت یا دیوار یا چھپر کے سایہ میں چلے گئے اور عرض کی: اے میرے رب (عزوجل)! تو نے میرے لئے جو چیز اپنے یہاں سے اتاری ہے اس کا محتاج ہوں یعنی بھوکا ہوں۔ جو رزق میرے حصہ کا ہو وہ مجھے ملے۔

صاحب تذکرہ الانبیاء علیہم السلام نے ص ۴۷۸ پر بیان کیا ہے کہ جب آپ علیہ السلام مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ کثیر مقدار میں کنواں پر جمع ہیں اور اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں دو عورتیں ایک طرف کھڑی اپنے جانوروں کو روکے ہوئیں ہیں وہ یہ نہیں چاہتیں کہ مزاحمت کر کے آگے بڑھیں ان کے نزدیک مزاحمت کرنا بری بات تھی وہاں عورتوں کا مردوں سے آزادانہ میل ملاپ اور دھکا بازی حرام تھی وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بھی دور کھڑی تھیں کہ کنویں سے پانی نکالنا زور آور مردوں کا کام تھا اس پر استعمال ہونے والے ڈول کو دس آدمی مل کر نکالتے اور کنویں کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا اس کو ڈھکنے کے لئے اس کو رکھنے اور ہٹانے کے لئے بھی دس آدمی مل کر یہ کام کرتے۔ وہ دونوں عورتیں اس لئے انتظار کر رہی تھیں کہ دوسرے سب لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں تو ان کے جانوروں سے بچا ہوا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اپنی جانوروں کو روکنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں اور انکا کوئی مددگار نہیں۔ ہم خود پانی نہیں نکال سکتیں اس لئے انتظار کر رہی ہیں کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں تو ان کے جانوروں سے بچا ہوا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو ان پر رحم کرنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے نہ مانا اور جواب دیا کہ اگر اتنے ہمدرد ہو تو خود ہی پلا دو اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے مل کر بھاری پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا۔ آپ علیہ السلام نے اکیلے ہی پتھر کو ہٹا کر اکیلے ہی ڈول کو بھی پانی سے بھر کر نکال لیا اور برکت کی دعا کی اور ان کی بکریوں کو قریب کیا وہ ایک ہی ڈول سے پانی پی کر سیراب ہو گئیں پھر آپ علیہ السلام ایک سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ مجھے کھانا عطا فرما کیونکہ سات آٹھ دنوں سے درختوں کے پتوں پر ہی گزر کر رہے تھے۔

وہ دونوں لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں۔ جب عام معمول سے ہٹ کر آج وہ جلدی اپنے گھر لوٹ آئیں تو ان سے ان کے باپ نے دریافت کیا کہ جلدی آنے کی کیا وجہ ہے انہوں نے سارا واقعہ صحیح صحیح بتا دیا۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ اس شخص کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی لڑکیوں کو فرمانا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر میرے پاس لاؤ اور اپنی ایک لڑکی کے ساتھ آپ علیہ السلام کا نکاح کرنے کا بیان:

سورہ قصص کی آیات نمبر ۲۵ تا نمبر ۲۸ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۵: پھر ان دونوں بہنوں میں سے ایک یعنی چھوٹی صفورا نامی بہت شرم و حیا سے آہستہ آہستہ چلتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی خزائن العرفان میں ہے کہ وہ دونوں میں سے بڑی تھیں اور اس کا نام صفورا تھا اور یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں چھوٹی تھیں واللہ اعلم عزوجل۔ یعنی اپنی آستین اپنی منہ پر رکھ لی تھی اور ہاتھ سے چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ جیسے کنواری لڑکیاں حیا سے چلتی ہیں اور آپ علیہ السلام سے کہا کہ تم کو ہمارا باپ بلاتا ہے کہ تم نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکی کے ساتھ ان کے باپ کے پاس (صاحب خزائن العرفان اور صاحب تفسیر الحسنات نے جلد چہارم ص ۹۸۱ پر ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکی کو فرمایا تم میرے پیچھے چلو اور راستہ بتاتی جاؤ۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ ہوا کا جھونکا تمہارا کپڑا اڑا دے اور تیرے جسم کا کوئی حصہ مجھے نظر آ جائے) جانا منظور کر لیا اور اس لڑکی کے ساتھ چل دیئے اور جب ان کے باپ کے پاس یعنی یثیرون حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے کے پاس پہنچے اور حضرت شعیب علیہ السلام پہلے انتقال کر چکے تھے اور ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب قصے شہر مصر سے بھاگ آنا وغیرہ بیان کئے تو یثیرون نے کہا اب کچھ خوف نہیں تم قوم ظالمین اہل مصر سے نجات پا گئے (اور آپ علیہ السلام کو کھانا کھلایا) صاحب تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۷۹ پر بیان کرتے ہیں کہ بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی نہ تھیں بلکہ بھتیجیاں تھیں اور آپ علیہ السلام کے بھائی کا نام عادیل تھا۔ لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشہور یہی ہے اور اس

پر اکثر مفسرین متفق ہیں کہ ان لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہیں علامہ ضمیری کہتا ہے کہ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزدوری کا ٹھیکہ دیا تھا اور جس نے آپ علیہ السلام کی اپنی بیٹی سے شادی کی تھی وہ بشیر بن رعویل ہیں توریت میں آیا ہے کہ ان کا نام ہیثر تھا رعویل ان کا باپ یا چچا تھا جو عقد نکاح کا متولی و وکیل ہوا (بحوالہ تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۸۳) اور البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۰۸ پر اس طرح ہے کہ ان لڑکیوں کے باپ دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جنہوں نے طویل عمر پائی تھی جبکہ کچھ دوسری روایات میں اس مرد بزرگ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھتیجا اور کچھ میں انہیں ان کا پھوپھی زاد بھائی بتایا گیا ہے "واللہ اعلم"۔

لیکن طبری کہتا ہے کہ اس بزرگ کا نام رعویل تھا جو مدین کے عالم تھے ان کا اصل نام ہیثر تھا (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۴ حصہ اوّل) "واللہ اعلم"۔

آیت نمبر ۲۶ کی تفسیر: ایک لڑکی نے یعنی چھوٹی نے کہا اے باپ اس کو نوکر رکھ لیجئے۔ بہتر سب نوکروں میں وہ ہے جو قوی (طاقت ور) ہو کر بوجھ اٹھا سکے اور امانت دار ہو۔ سو یہ شخص ایسا ہی ہے (کیونکہ وہ لڑکی ان دونوں باتوں کو دیکھ چکی تھی)۔

آیت نمبر ۲۷ تا نمبر ۲۸: بشیر ون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کی شادی تیرے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ تو میری بکریوں کی مزدوری آٹھ برس کامل انجام دے اگر دس برس تمام کر دے تو یہ تیری طرف سے زیادہ ہے۔ افضل ہے اس زیادتی کے بارے میں میں تجھ پر مشقت ڈالنا اور تجھ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ جب معاملہ پڑے گا تو انشاء اللہ عنقریب تم مجھ کو نیک بخت و صالح پاؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب یہ شرط ہمارے تمہارے درمیان میں ہو گئی میں ان دونوں میعادوں سے جو چاہوں گا پوری کروں گا۔ تم کو مجھ پر جبر کرنے کا حق نہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے عہد و شرط کا وکیل و کفیل و گواہ ہے۔

روایات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ کی کس لڑکی سے شادی کی تھی بعض نے بڑی لڑکی کو وفادار و خدمت گزار بتایا ہے جب کہ دوسرے راوی اسے چھوٹی لڑکی بتاتے ہیں (البدایہ والنہایہ جلد اوّل ص ۲۰۸) اسی صفحہ پر اس سے آگے یہ بھی ہے کہ اس بزرگ مرد کی سات لڑکیاں تھیں اور راوی کہتے ہیں کہ وہ سب سے چھوٹی لڑکی تھی لیکن یہ روایات اسی لئے محل نظر ہیں کہ اگر وہ سب سات بہنیں تھیں تو ان دونوں لڑکیوں کے علاوہ جوان کی پانچ بہنیں تھیں تو وہ ان کے ساتھ پانی بھرنے کیوں نہیں آئی تھیں اور تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۸۲ پر ابن منذر کہتے ہیں کہ ان دونوں بہنوں کی چار چھوٹی بہنیں بھی تھیں اور بقائی کہتے ہیں کہ توریت میں ہے کہ آپ کی ان کے علاوہ سات صاحبزادیاں اور تھیں لیکن قرآن پاک میں دو لڑکیوں کا ہی ذکر ہے "واللہ اعلم"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس مصر آنے کا بیان

سورہ القصص کی آیات نمبر ۲۹ تا نمبر ۳۵ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے لیکن اس سے قبل یہ بیان کیا جاتا ہے البدایہ والنہایہ جلد اوّل ص ۲۰۸ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مرد بزرگ یعنی اپنے سسر سے بیس سال بعد رخصت ہونے لگے تو اس نے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں اور ان کے خسر لابان کی طرح خوش ہو کر اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے سے ایک حصہ دے دیا تھا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر چالیس ہو چکی تھی لیکن آپ علیہ السلام بیس کے بجائے دس سال بعد رخصت ہوئے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ابن عباس نے بیان کیا ہے تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۹۹۱ پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام جب مدین سے روانہ ہوئے تھے آپ علیہ السلام کے ساتھ دو صاحبزادے بھی تھے بڑے کا نام جیرشوم اور چھوٹے کا نام یعاذر یہ دونوں مدین میں پیدا ہو چکے تھے اور راستہ میں وادی طویٰ میں تیسرا بچہ پیدا ہوا۔

نمبر ۲۹: پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت یعنی دس برس پوری کر دی اور اپنے اہل خانہ کو لے کر مصر کو چلے۔ تو راستہ میں طور کی طرف الٹی جانب آگ دیکھی۔ بی بی سے کہا ذرا یہیں ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں جاؤں شاید وہاں سے کوئی خبر لاؤں یعنی راہ کی اندھیری رات میں راہ بھول گئے تھے یا کوئی آگ کا ٹکڑا لے کر آؤں کہ اس سے آگ تاپو اور گرمی حاصل کرو۔ سخت سردی کا موسم تھا (کیونکہ کئی راویوں نے بیان کیا ہے کہ اس وقت آپ علیہ السلام کی بی بی نے ایک بچے کو جنم دیا تھا اور ان کو آگ کی ضرورت تھی)۔

آیت نمبر۳۰ تا نمبر۳۲: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو کنارہ وادی ایمن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیدھی طرف سے اس مبارک جنگل میں یعنی سرسبز وشاداب جنگل میں ایک درخت کی جانب سے آواز آئی کہ اے حضرت موسیٰ! میں اللہ ہوں سب جہانوں کا رب، جن و انس کا مالک، اے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لکڑی عصا زمین پر ڈال دو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا زمین پر ڈال دیا تو دیکھا کہ وہ سر اٹھائے حرکت کر رہا ہے گویا کہ وہ درمیانی قسم کا سانپ ہے نہ بڑا نہ چھوٹا تب ڈر کر الٹے پاؤں بھاگے اور ادھر کو رخ بھی نہ کیا خدا نے پکارا! اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! آؤ اس سے نہ ڈرو۔ تم امن والے ہو یعنی اس کے شر سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اس کو پکڑ لیا تو وہ جیسے تھا ویسے ہی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو۔ وہ چمکتا نکلے بغیر بیماری کے یعنی برص وغیرہ کی بیماری نہ ہوگی اور مثل آفتاب کے چمکے گا کہ آنکھیں حیران ہو جائیں گی اور جب لوگوں کو ڈرانے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر دیکھنا ویسا ہی ہو جائے گا جیسا اصل ہاتھ ہے یہ دو نشان تمہارے پروردگار سے تمہیں ملے ہیں کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ نافرمان مفسد کافر مشرک ہیں۔ ان کو ہدایت کرو۔

آیت نمبر۳۳ تا نمبر۳۵: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب (عزوجل)! میں نے ان کا ایک آدمی غلطی سے مار ڈالا ہے اس کے قتل کا ارادہ نہ تھا مجھ کو خوف ہے کہ وہ اس کے عوض مجھے قتل کریں اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح وخوش بیان ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ اے رب! تو ان کو بھی پیغمبری دے اور میرا معین و مددگار بنا کر وہ میری تصدیق کریں اور میری بات صاف صاف ان کو سمجھائیں۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کافر میری تکذیب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم تیری مدد کے لئے تیرے بھائی کو تیرا قوت بازو بنائیں گے اور تم دونوں کو غلبہ اور دلیل اپنی نشانیوں کے ذریعہ دیں گے اور وہ لوگ تم تک نہ پہنچ سکیں گے یعنی تم کو ضرر یا نقصان نہ دے سکیں گے اور تم اور تمہارے تابع ایمان والے فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہوں گے۔ فرعون اور اس کا لشکر مغلوب ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا بیان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مہر ادا کرنے کے لئے آپ علیہ السلام کے گھر بحیثیت داماد خدمت کرنی شروع کر دی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریاں ہانکنے اور انہیں درختوں سے پتے جھاڑ کر کھلانے کے لئے ایک عصا دیا۔ جو ساگوان کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا جو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ گیا یہی عصا بعد میں آپ علیہ السلام کا معجزہ بن گیا۔

(تذکرۃ الانبیاء ص ۴۸۳، بحوالہ مدارک، جلالین حاشیہ ص ۳۲۹)

اور اسی عصا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے عرض کیا یہ میرا عصا ہے۔ میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس سے اور کام ہیں فرمایا! اسے ڈال دے اے حضرت موسیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ جھبی دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا فرمایا اسے اٹھا لے اور ڈر نہیں اب ہم اسے پھر پہلی طرح کر دیں گے۔

(پ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۷ تا ۲۱)

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تِلْكَ اشارہ عصا کی طرف اور بِيَمِيْنِكَ سے مراد آپ علیہ السلام کا ہاتھ۔ جب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا دونوں کی طرف تو ہر ایک کو غالب معجزہ اور روشن دلیل بنا دیا۔ جمادیت (بے جان جسم) سے مقام کرامت تک پہنچا دیا۔ جب رب تعالیٰ کی ایک نظر سے جماد حیوان بن گیا اور کثیف جسم نورانی اور لطیف بن گیا۔ تو کون سی تعجب والی بات ہے کہ مسلمانوں کے گناہوں کی وجہ سے مردہ دلوں کو عبادت کی سعادت اور نور معرفت حاصل ہو جائے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو ہر روز تین سو ساٹھ ۳۶۰ مرتبہ اپنی نظر رحمت سے نوازتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کی برکت سے جب عصا اژدہا بن گیا اور آپ علیہ السلام کا عظیم معجزہ بن گیا تو کون سا مقام تعجب ہے؟ کہ مومن کا دل معصیت سے نکل کر نور معرفت کی طرف منتقل ہو جائے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے (قلب المومن بين اصبعين

من اصابع الرحمن)ربّ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تا کہ آپ علیہ السلام جب جواب دیں گے کہ یہ عصا ہے تو پھر اژدہا بننے پر آپ علیہ السلام کو کوئی خوف نہیں ہوگا کہ یہ تو وہی عصا ہے جو ابھی میں نے پھینکا ہے۔(تذکرۃ الانبیاء ص ۴۹۰ بحوالہ کبیر)

فائدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا۔ کہ ربّ تعالیٰ نے آپ سے کیا فرمایا اور آپ علیہ السلام نے کیا عرض کیا؟ لیکن نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا اسے یوں ذکر کیا۔(فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی)وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی اس کی تفصیل نہیں بیان فرمائی "والذی ذکرہ مع محمد ﷺ کان سر الم یستا ھل لہ احد من الخلق"۔جو باتیں حضرت محمد ﷺ سے ہوئیں وہ آپ ﷺ کے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے درمیان راز کی باتیں تھیں۔ مخلوق سے کوئی اس کا اہل نہیں تھا کہ اسے بتایا جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو قیامت کو نبی کریم ﷺ کی اُمت کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور سلام سے عزت وتکریم بخشے گا ربّ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

(سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ)ان پر سلام ہوگا مہربان ربّ تعالیٰ کا فرمایا ہوا۔(تذکرۃ الانبیاء ص ۴۹۱ بحوالہ کبیر)

سورہ طٰہٰ کا شان نزول

اس سورت میں طٰہٰ کا ذکر ہے یہ سب مکہ مکرمہ میں اتری اس میں ایک سو پینتیس آیات ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت اسناد مذکورہ کی بنا پر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے نازل ہونے سے پہلے رات کی عبادت میں بہت زیادہ کوشش فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ، یہ سورت نازل فرما کر آپ ﷺ کو عبادت میں کوشش کم کرنے کی فرمائش کی آپ ﷺ کے اوپر شفقت اور مہربانی سے اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی عبادت میں اتنی تکلیف اٹھانا گوارا نہ تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ارشاد ہوا کہ اے محبوب!ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت اور تکلیف میں پڑ جائیں۔مگر یہ قرآن صرف اس لئے اتارا کہ ان لوگوں کو جو ہم سے ڈرتے ہیں نصیحت ہو۔یہ قرآن اس ذات پاک کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین وآسمان پیدا فرمائے پھر رحمٰن جل جلالہ نے عرش پر اپنی قدرت اور حکومت سے غلبہ فرمایا جو اس کی شان کے مناسب تھا بعض مفسرین کہتے ہیں لفظ"استویٰ"اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ہے۔جس کی تفسیر نہیں کی جاتی۔اس پر ایمان لانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔اس پر ہمارا ایمان ہے اسی کی ہیں جو کچھ آسمانوں کے درمیان میں عجیب وغریب مخلوقات ہیں اور جو کچھ"ثریٰ"کے نیچے ہے"ثریٰ"ساتوں زمینوں کے نیچے ہے پانی پر اور پانی کے نیچے مچھلی ہے اور مچھلی ایک بڑے پتھر پر ہے اور بڑا پتھر بیل کے سینگوں پر ہے اور بیل"ثریٰ"پر ہے اور"ثریٰ"وہ مٹی ہے جس کے نیچے کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے(آیت ۱ تا ۶ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر جلد دوم سے)۔

آیت نمبر ۷ اور نمبر ۸ کی تفسیر:اور اگر تم پکار کر کوئی بات کرو یا آہستہ تو بے شک اللہ تعالیٰ آہستہ بات اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے جو کام یا باتیں ابھی نہیں کی گئیں ان کو بھی جانتا ہے۔اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے بہت سے صفاتی اچھے نام ہیں تو اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

فضیلت سورہ طٰہٰ

اس کی فضیلت میں دارمی،ابن خزیمہ،طبرانی،بیہقی،توحید،اوسط،شعب ایمان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل طٰہٰ اور یٰسین کی قرات فرمائی۔جب ملائکہ نے اس قرات کو سنا تو کہنے لگے اس امت کو مبارک جس پر یہ سورتیں نازل ہوئیں اور اُن سینوں کو مبارک جن میں یہ سورتیں محفوظ ہوئیں اور ان زبانوں کو مبارک جو ان مبارک سورتوں کو پڑھیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام قرآن اہل جنت سے اٹھالیا جائے گا۔تو وہ قرآن سے کچھ نہ

پڑھیں گے۔مگر سورہ طٰہٰ اور یٰسین کہ دونوں سورتیں جنت میں بھی پڑھیں گے۔(تفسیر الحسنات جلد چہارم ص ۱۰۱، ۱۰۲)

سورہ طٰہٰ کا شان نزول اور اس کی فضیلت ضمناً بیان کی تا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کو پڑھ کر فائدہ ہو اور نصیحت ہو جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔اب اصل موضوع بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا

اس سے قبل سورہ القصص کے حوالے سے کچھ بیان ہو چکا ہے جو کہ آپ علیہ السلام کا مدین سے مصر واپسی کے دوران واقعہ پیش آیا اب مزید تفصیل سورہ طٰہٰ سے تفسیر ابن عباس جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۹ تا نمبر ۲۴ کی تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا! کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی خبر پہنچی جب کہ انہوں نے راستہ کے بائیں طرف آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔مجھے آگ نظر آئی ہے۔ممکن ہے کہ میں تمہارے پاس آگ کی چنگاری لے آؤں کیونکہ سخت سردی کا موسم تھا (بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی بی بی کو وہاں دردزہ شروع ہو گیا تھا اور وہاں آپ علیہ السلام کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا) یا مجھے آگ کی طرف کوئی راستہ مل جائے۔پس جب اس آگ کے نزدیک پہنچے تو دیکھا کہ ایک سبز درخت جس میں آگ بھڑک رہی ہے جب اس آگ کے نزدیک گئے تو ان کو ندا دی گئی اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تمہارا رب ہوں، تو اپنے جوتے اتار دے۔آپ علیہ السلام کے جوتے گدھے کی کھال کے تھے۔بے شک آپ طویٰ کے مقدس جنگل میں ہیں، کہتے ہیں کہ طویٰ کا نام اس لئے طویٰ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور انبیاء علیہم السلام نے بھی اس جنگل میں سفر کیا تھا۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ طویٰ ایک کنویں کا نام ہے جس کے اردگرد بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے اس میں یہ درخت تھا۔جس میں آگ لگ رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اے حضرت موسیٰ! میں نے تم کو فرعون کی طرف رسول بنا کر منتخب کیا جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جائے اس کو غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت اور اطاعت کرو اور نماز قائم کرو میری یاد کے لئے یا میری یاد کے وقت جبکہ تم نماز پڑھنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے پڑھو۔بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس کو چھپائے ہوئے ہوں تا کہ ہر شخص کو اپنے کاموں کا بدلہ دیا جائے اچھے ہوں یا برے۔بس تم کو ان باتوں سے وہ لوگ نہ روک سکیں گے جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔قیامت کا انکار کرتے ہیں اگر بفرض محال تم ان کی باتوں کو مانو گے۔ہلاک ہو جاؤ گے۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حضرت موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔جب میں تھک جاتا ہوں تو اس پر ٹیک لگا کر سہارا لیتا ہوں اور میں اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں بہت سے اور فائدے بھی ہیں یہ میرے بہت کام آتی ہے۔ارشاد ہوا کہ اس کو زمین پر ڈال دو۔انہوں نے جب اس کو زمین پر ڈالا تو وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگا۔پھن اٹھانے لگا حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگنے لگے۔ارشاد ہوا اس کو پکڑ لو۔ڈرومت ہم پھر اس کو ایسا ہی بنا دیں گے یہ لکڑی ہو جائے گی آپ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو پہلے کی طرح لاٹھی بن گئی۔پھر ارشاد ہوا تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں لے جاؤ۔جب نکالو گے تو یہ چمکتا دمکتا نکلے گا۔بغیر کسی مرض کے یعنی بغیر کسی برص وغیرہ کے۔یہ دوسری رسالت کی نشانی ہے تا کہ ہم تم کو اور بہت سے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔وہ بڑا مغرور اور متکبر ہو گیا ہے۔

آیت نمبر ۲۵ تا نمبر ۳۶ کی تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے یعنی میرا دل قوی کر دے کہ اس سے نہ ڈروں۔میرا کام آسان کر دے یعنی تبلیغ و رسالت فرعون کی طرف سہل کر دے۔میری زبان کی لکنت بھی دور کر دے تا کہ وہ میرا کلام خوب صاف سمجھ سکیں اور ہارون کو جو میرے بھائی ہیں میرے کنبے اور میرے خاندان سے میرا وزیر اور مددگار بنا دے۔ان کو میرا قوت بازو بنا دے اور امر رسالت میں میرے ساتھ ان کو بھی شریک کر کہ ہم دونوں کو پیغمبری بھی عطا فرما کہ پھر مل کر تیرے لئے خوب سجدہ و تسبیح کریں۔نماز پڑھیں اور دل و زبان سے تیری خوب یاد کریں۔تو ہمارے حال کا عالم و دانا و بینا ہے۔ارشاد ہوا کہ اے حضرت موسیٰ! تو نے جو مانگا سب دیا گیا شرح صدر ہو گیا۔

امر رسالت آسان ہوا۔ زبان کی لکنت جاتی رہی ہارون علیہ السلام ان کے وزیر اور مشیر اور مددگار ہو گئے۔ اور اس سے آگے آیت نمبر ۳۷ تا نمبر ۴۰ کی تفسیر یہ ہے کہ ارشاد ہوا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! ہم تم پر اس سے پہلے ایک مرتبہ اور بھی احسان کر چکے ہیں یعنی تمہاری ماں کو الہام کیا جیسے کہ خیال دلوں میں واقع ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماں کا تابوت میں بند کر کے دریا میں بہانا سے لے کر آپ علیہ السلام کے جوان ہونے تک اور مدین میں قیام کے دوران شادی کرنے اور پھر دس سال بعد مدین سے مصر واپس آنے کے دوران کوہ طور پر پہنچے اس وقت تم کشاں کشاں جب کہ قضاء وقدر نے چاہا رسول کلیم بننے کے لئے۔ اور کوہ طور پر ہماری تجلی دیکھی اور ہمارا کلام سننے تک اس سے قبل بیان ہو چکا ہے وہی ان آیات کی تفسیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کا فرعون کے پاس جانا اور اس کو توحید الٰہی کا پیغام دینے کا بیان

اس کے لئے سورہ طٰہٰ کی آیات نمبر ۴۱ تا نمبر ۵۹ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آیت نمبر ۴۱ تا نمبر ۴۸: اور اے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں نے تم کو اپنا کر لیا ہے اپنی رسالت کے لئے تجھ کو برگزیدہ و پسند کیا۔ تم اور تمہارے بھائی ہارون علیہ السلام دونوں میرے معجزات ید بیضا اور عصا لے کر جاؤ اور امر تبلیغ و رسالت میں سستی کاہلی نہ برتو۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت سرکش و غرور والا ہو گیا ہے۔ وہاں جا کر اس کو نرمی اور آسانی سے سمجھاؤ اور پاکیزہ بات اس کو بتاؤ یعنی لا الہ الا اللہ شاید وہ کچھ سمجھے یا نصیحت مان کر ایمان لائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار! ہم کو یہ خوف ہے کہ وہ جلدی سے یا سرکشی میں جوش میں آ کر حکم قتل دے دے ہماری بات بھی نہ سنے۔ ارشاد ہوا ہرگز نہ ڈرو میں تمہارا ساتھی ہوں۔ میں تمہاری گفتگو سنتا رہوں گا حال دیکھتا رہوں گا۔ تو تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے قاصد ہیں۔ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان کے شہروں میں ان کو جانے دے ان کو بلا وجہ عذاب نہ دے کہ سخت کام لیتا ہے۔

ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا ہے۔ یہ سب لوگ آزاد ہیں غلام نہیں ہم کو یہ وحی آئی ہے کہ عذاب ابدی اس کو ہو گا جو کاذب ہو گا۔ خدا کی توحید سے منکر اور ایمان لانے سے انکار کرتا ہے۔ کفر پر اڑا ہوا ہے۔

آیت نمبر ۴۹ تا نمبر ۵۵: جب فرعون کو جا کر دونوں علیہما السلام نے سمجھایا تو اس نے کہا۔ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! تمہارا اللہ تعالیٰ کون ہے؟ وہ بولے ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی آدمی کے لئے آدمی ہی کی شکل کی عورت بنائی۔ اونٹ کے لئے اونٹنی، گدھے کے لئے اس کی مادہ، بکریوں کے لئے ان کی جنس کا نر پھر اس نے سب کو رہنے سہنے کے طریقے سکھائے، کھانا پینا، جماع کرنا سکھایا۔ فرعون نے کہا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! تم کو اگلے لوگوں کا حال معلوم ہے کہ کون کون تھے اور کیسے مر گئے؟ وہ بولے سب کا علم ہمارے خدا کے پاس لکھا ہوا ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ میرا رب خطا و بھول چوک سے پاک ہے ان کی سب باتیں جانتا ہے۔ سب کو بدلہ دے گا۔ اسی نے تو زمین کو تمہارا فرش بنایا اور تمہاری آرام گاہ اور تمہارے لئے اس میں کوچے راہیں بنائیں کہ خوب آرام سے چلو پھرو آؤ جاؤ۔ اسی نے آسمان سے مینہ برسایا اور قسم قسم کی مختلف رنگوں کی سبزیاں، پھول اور درخت وغیرہ پیدا کئے کسی کو تم کھاتے ہو اور بعض کو اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ لہٰذا خوب کھاؤ کھلاؤ۔ ان کے ذائقے رنگ برنگ کے ہوتے ہیں۔ عقل والوں کو قدرت کی غیبی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہم نے تم سب کو مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی آدم سے اور آدم کو مٹی سے اور اسی مٹی میں مرنے کے بعد تم کو لوٹائیں گے یعنی قبروں میں داخل کریں گے اور اسی سے دوبارہ زندہ کر کے بروز قیامت تم کو نکالیں گے۔

آیت نمبر ۵۶ یا نمبر ۵۹: اور ہم نے فرعون کو بذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب معجزات دکھائے یعنی نو معجزے (۱) ید بیضا (۲) عصا (۳) طوفان (۴) ٹڈی (۵) جوئیں (کھٹل) (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) پھلوں وغلہ کی کمی۔ مگر اس نے سب جھٹلائے اور اسلام سے انکار کیا اور کسی معجزے کو نہ مانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تم جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالنا چاہتے ہو۔ اور ایسا خیال نہ کرو۔ ہم بھی تمہارے جادو کا جواب جادوگر لا کر تم کو دکھائیں گے۔ پس تم ہمارے اور اپنے مباحثہ اور مقابلے کا ایک وقت مقرر کر لو۔ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم سوائے اس مکان کے کوئی اور مکان عمدہ تجویز کرو۔ یا یہ کہ ایسا مکان ہو جو برابر ہو آدھی دور تم سے اور آدھی دور ہم سے (لفظ "سوی" اگر بکسر سین ہو

گا تو معنی اوّل مراد ہے اور اگر بہ ضم سین ہے تو معنی ثانی مراد ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وقت وعدہ بازار کا دن ہو یا روز عید یا روز نوروز مراد ہے اور ایسا ہو کہ سب آدمی چاشت کے وقت جمع کر لئے جائیں۔ شہروں سے عقل مند جادوگر جمع ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ اور اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

اس بیان کے لئے سورہ طٰہٰ کی آیات نمبر ۶۰ تا نمبر ۷۶ کی تفسیر بھی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

پھر فرعون اپنے لوگوں کی طرف واپس گیا اور اس نے اپنی تدبیریں اور حیلے سے جادوگروں کو اٹھایا۔ وہ تقریباً بہتر تھے (البدایہ والنہایہ جلد اوّل ص ۲۱۰ پر یہ ہے ان کی تعداد کے بارے میں راویوں میں اختلاف ہے کوئی اسی ۸۰ ہزار، کوئی ۷۰ ستر ہزار، کوئی چالیس ۴۰ ہزار، کوئی تیس ۳۰ ہزار اور کوئی چند سو بیان کرتا ہے واللہ اعلم)۔

پھر وعدے کی جگہ پر آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے فرمایا: افسوس ہے تم پر دنیا کی مصیبت آئی۔ دیکھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان نہ باندھو وہ تم سب کو عذاب سے ہلاک کر دے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے جھوٹی بات بنائے گا وہ یقیناً نقصان اٹھائے گا۔ پھر سب جادوگروں نے اس معاملہ میں آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہمارے اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب آ جائیں گے تو ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور یہ مشورہ انہوں نے فرعون وغیرہ سے بالکل پوشیدہ رکھا پھر ان لوگوں نے علی الاعلان حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جادوگر قرار دیا اور فرعون نے بھی یہ کہا کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے ذریعے سے نکال باہر کریں اور تمہارے دین و مذہب اور تمہاری جماعت کو ختم کر دیں۔

تو اے میری فوج کے لوگو! تم سب اپنی تدبیریں اور جادو وغیرہ اور اپنے جادوگروں کو اکٹھا کر کے سامنے مقابلہ کراؤ اور پھر تم صف بنا کر مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی غالب رہے گا وہی آج کامیاب ہوگا۔ پھر جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اپنی لاٹھی ڈالتے ہیں یا ہم اپنی لاٹھیاں ڈالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم ہی پہلے ڈالو۔ تو انہوں نے بہتر لاٹھیاں اور بہتر رسیاں زمین پر ڈالیں۔ ان پر جادو کیا تو وہ رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسے معلوم ہوئیں تھیں کہ وہ سانپ دوڑ رہے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ تو ہم (اللہ تعالیٰ) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کچھ خوف نہ کریں بے شک آپ ہی ان سب پر غالب رہیں گے۔ جو آپ کے سیدھے ہاتھ میں لاٹھی ہے وہ زمین پر ڈال دیں وہ ان جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جائے گی۔ بے شک ان جادوگروں نے جادو کی چال چلی ہے درحقیقت یہ باطل ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی ہوگا اور جو کچھ بھی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتا۔ اس کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا۔ اب جادوگروں کا جادو باطل ہو گیا۔ تو ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ تو جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے یعنی انھوں نے بہت جلد اللہ تعالیٰ کے دربار میں سجدہ کیا۔ اور کہا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے۔

تب فرعون نے جل کر ان سے کہا کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر میری اجازت کے بغیر پہلے ایمان لے آئے یعنی تم کو ایسا مناسب نہ تھا۔ بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارا بڑا جادوگر استاد ہے جس نے تم کو بھی جادو سکھایا ہے تو تم سب مل کر ہمارے ملک سے ہمیں نکالنا چاہتے ہو۔ تو اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں ادھر اُدھر سے کاٹوں گا۔

اور تم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سب سے زیادہ سخت عذاب دینے والا اور ہمیشہ عذاب میں رہنے والا کون ہے (یعنی میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب)۔ جادوگروں نے فرعون سے جواب میں کہا کہ ہم ان روشن دلیلوں کے مقابلے میں جو ہمارے پاس ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے آئیں یعنی کتاب اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور معجزات ہرگز تیری عبادت اور تیری اطاعت اختیار نہیں کریں گے۔ اور اس رب تعالیٰ کی عبادت نہیں چھوڑ سکتے۔ جس نے ہم کو پیدا کیا تو جو کر سکتا ہے کر بے شک تو دنیا کی زندگی میں ہم پر حکومت اور ظلم کر سکتا ہے۔ آخرت میں تیرا کوئی ہم پر اختیار نہیں۔ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور ہم کو بخش دے اور جو تو نے ہم کو جادو کرتے کے

لئے زبردستی کی تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ بخش دے اور اللہ تعالیٰ کا کرم اور بزرگی تمام دنیا کی چیزوں سے افضل اور ہمیشہ رہنے والی ہے بے شک جو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن مجرم مشرک بنا ہوا آئے گا بے شک اس کے لئے سزا جہنم ہے نہ وہ اس میں مرے گا کہ آرام مل جائے اور نہ آرام کی زندگی ہوگی۔ بلکہ وہ عذاب ہی عذاب بھگتے گا۔ اور جو کوئی قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ایمان دار ہو کر آئے گا۔ اور اس نے نیک عمل بھی کئے ہوں گے تو انہی لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں (یعنی جنت عدن میں) اور وہ جنت وہ ہے کہ جس کو رحمٰن نے اپنی قدرت سے خالص طریقے پر پیدا فرمایا ہے۔ وہ سب جنتوں کے درمیان میں ہے اس کے درختوں اور مکانوں کے نیچے شراب، پانی، شہد اور دودھ کی نہریں جاری ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ مریں گے نہ نکلیں گے اور یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے آپ کو کفر و شرک سے اور سب گناہوں سے پاک رکھا اور سورہ اعراف آیت نمبر ۱۲۶ کی تفسیر یہ ہے:

جادوگر جو مسلمان ہو گئے تھے بولے اے فرعون اگر ہمیں مار ڈالو گے تو کیا ہوگا۔ ہمیں تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہی ہے ہم نے تیرا کیا نقصان کیا ہے اور تجھ کو ہم سے دشمنی ہے غصہ کی کیا وجہ ہے یہی نا کہ جب ہمارے پاس اللہ کی نشانیاں آئیں تو ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو صبر دے جب یہ ہم کو سولی دیں اور اعضا کاٹیں ہمارا ایمان قائم رکھ ہم کافر نہ ہو جائیں۔

جادوگروں کا علم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب واحترام کرنے کا ان کو کیا انعام ملا؟

صاحب تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام نے اپنی کتاب کے ص ۵۱۰ اور ص ۵۱۱ پر تفسیر کبیر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

بعض جادوگروں نے دوسرے جادوگروں کو کہا کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا کیونکہ جادو میں ایک چیز کی حقیقت نہیں بدلتی صرف دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر اثر ہوتا ہے اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیتا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈالی ہوئی لاٹھی ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا۔ اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کے منہ کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ اور اس نے ان کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا حالانکہ وہ تین سو اونٹوں پر لاد کر لائے تھے۔ "فاستدلوا بہ علی ان حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی صادق من عند اللہ تعالیٰ"۔ ترجمہ: "اس سے انہوں نے دلیل پکڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں"۔ (تفسیر کبیر)

فائدہ:

واضح ہوا کہ علم کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ رکھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جادو کی حقیقت کیا ہے اور اس کی انتہا کہاں ہے؟ جب وہ اپنے فن کا اعلیٰ درجے کا علم رکھتے تھے تو انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ جادو کی حد سے خارج ہے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزہ ہے انسانی بناوٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں اگر وہ اپنے جادو کے علم میں کامل درجہ نہ رکھتے تو وہ معجزہ اور جادو میں فرق نہ پاتے بلکہ کہتے کہ وہ شخص جادو کے علم میں ہم سے زیادہ ہے۔ اسی لئے ہم عاجز آ گئے ہیں پتہ چلا کہ وہ جادو کے علم میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے اسی کامل علم کی وجہ سے وہ کفر سے ایمان کی طرف منتقل ہوئے۔

ایک جادو کے علم سے ان کا اتنا فائدہ حاصل ہو گیا تو اے انسان ذرا غور کر کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم حاصل ہو تو اس میں کتنا ہی کمال ہوگا۔ (تفسیر کبیر)

جب جادوگروں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی حقیقت کھل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق عطا کی ہے کہ ہمیں پتہ چل گیا ہے یہ معجزہ ہے جادو نہیں پھر انہوں نے کہا رب العالمین پر ہمارا ایمان ہے۔

خیال رہے کہ صرف رب تعالیٰ پر ایمان لانے سے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ بلکہ ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب نبی پر ایمان لائے۔ کیونکہ نبی پر ایمان لانے سے تمام ایمانیات پر ایمان لازم ہو جاتا ہے اسی لئے انہوں نے پھر کہا ہمارا ایمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہما السلام کے رب تعالیٰ پر ہے یعنی انہیں اسی نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

فائدہ جلیلہ:

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کہا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام یا تو آپ ڈالیں اور یا ہم ڈالنے والے ہیں (سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۶۵ کا اُردو ترجمہ)

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا اور اپنا ذکر بعد میں کیا۔ بے شک جادوگروں کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے کر کے آپ علیہ السلام کے ادب واحترام کی اچھے طریقہ سے پاسداری کی۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ اسی ادب واحترام کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہیں ایمان کی نعمت سے نوازا (تفسیر کبیر)۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی، کہ ان کے ادب واحترام سے کافروں کو ایمان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے کلمہ توحید پڑھنے والے بھی مردود ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ: اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں جادوگر کثیر تعداد میں تھے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا جس سے آپ علیہ السلام نے جادوگروں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کو عاجز کر دیا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے زمانے کے مطابق معجزات عطا کئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب (حکمت) کا زور تھا۔ آپ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا ہوئے کہ تمام اطباء (حکماء) ان سے عاجز رہے کیونکہ آپ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنا۔ مادرزاد اندھے کو نظر عطا کرنا، برص والے کو درست کرنے کے معجزات عطا ہوئے۔ جو کسی طبیب کی طاقت میں یہ نہ تھا کہ ایسا کر سکے۔ حضور سیّدنا مولنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت کا زور تھا۔ بڑے بڑے شعراء ایک ایک طرح ومصرعہ پر قصائد لکھ دیتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے تو وہ تمام عاجز آ گئے۔ کسی ایک کو جرات نہ ہوئی کہ قرآن پاک کی ایک چھوٹی سورۃ کا مقابلہ کر سکے جبکہ قرآن پاک نے بار بار انہیں چیلنج بھی کیا (ماخوذ تفسیر کبیر)

فرعون کو اس کی قوم کے سرداروں کا ڈرانا

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۷ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

قوم فرعون کے امراء اور رؤسا نے فرعون سے کہا کہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا انتظام نہ کرو گے۔ ان کو قتل نہ کرو گے ان کو یونہی زمین میں فساد کرنے دو گے یعنی دین شرک اور تمہاری عبادت کرنے میں سوکرنے دو گے نہ وہ تم سے بولیں اور نہ تمہارے معبودوں کو مانیں کیا تم کو اور تمہاری عبادت وخدائی کو سب چھوڑ پں رہیں تب بھی تم ان کو چھوڑے ہی رہو گے یعنی سزا نہ دو گے تو فرعون بولا کہ نہیں بلکہ ہم عنقریب ان کو سزا دیتے ہیں جیسے پہلے کیا تھا ویسے ہی اب بھی ان کے چھوٹے لڑکوں کو قتل کریں گے لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے تو جب وہ بڑی ہو جایا کریں گی تو ان کو اپنی خدمت میں لے لیا کریں گے وہ کیا کر سکتے ہیں ہم ان پر غالب ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ کرانے کے بعد فرعون نے آپ علیہ السلام کو کچھ نہ کہا نہ گرفتار کیا اور نہ ہی کسی قسم کی سزا دی بلکہ آپ علیہ السلام کو آزاد چھوڑ دیا۔ یقین کیجئے بے شک فرعون نے جب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اس پر آپ علیہ السلام کا شدید رعب طاری ہوا اور آپ علیہ السلام سے بہت ڈرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ علیہ السلام کا راستہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ فرعون کی قوم کے سرداروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ڈرتا ہے اس لئے آپ علیہ السلام کو آزاد رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو اسی طرح آزادی دی اور وہ اپنی تبلیغ کرتے رہے تو تمہیں اور تمہارے خداؤں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔

ایک قول زجاج کا یہ بھی ہے۔

"تم نے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح آزادی دیئے رکھی۔ اس کا راستہ کھلا چھوڑے رکھا تو وہ تم سے اور تمہارے خداؤں سے دور رہے گا"۔ (تفسیر کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۵۱۶-ص ۵۱۷)

کیونکہ جادوگروں کے مقابلہ کے بعد سب اسرائیلی اور فرعون کی قوم کے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت عزت و احترام کرتے ہیں اور آپ علیہ السلام کی تبلیغ ان پر بہت اثر انداز ہو رہی تھی اور آپ علیہ السلام کا وقار اور شان روز بروز ترقی کر رہا تھا اس لئے فرعون کے سرداروں نے اس کی دھمکی دی۔

اب سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۷ کی تفسیر اور ترجمہ ضیاء القرآن سے بھی بیان کی جاتی ہے تا کہ مزید معلومات حاصل ہوں۔

ترجمہ: ''چھوڑے رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تجھے اور تیرے خداؤں کو اس نے (برافروختہ ہو کر) کہا ----- (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم بے شک اُن پر غالب ہیں۔ ----- (ضیاء القرآن)

تفسیر: فرعون کی قوم کے سرداروں نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم اور بنی اسرائیل کے افراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں تو انہیں اپنے مستقبل کے متعلق شدید خطرات محسوس ہونے لگے اور فرعون کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کر دیا کہ آپ کے ملک میں آپ کی خدائی اور آپ کے تجویز کیے ہوئے دوسرے خداؤں کی خدائی کے خلاف کھلم کھلا پرچار ہو رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس بات کی پروا نہیں کرتے۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو یاد رکھیئے فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھے گی اور آپ کی خدائی کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ آلھتك (تیرے خدا) سے مراد کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فرعون لوگوں سے تو اپنی عبادت کروایا کرتا تھا لیکن اس کا اپنا بھی ایک معبود تھا (گائے، ستارے، سورج) جس کی وہ پرستش کیا کرتا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ خود تو وہ اپنے آپ کو بڑا خدا کہلواتا تھا اور اپنے علاوہ اُس نے کئی اور معبود مقرر کر رکھے تھے اور اپنی قوم کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ اُن کی پوجا بھی کیا کریں۔ ایک قرات الھتك میں الاھتك بھی ہے جس کا معنی ہے عبادت۔ قيل كان يعبدا لكواكب و قيل صنع لقومه اصناما و امرهم ان يعبدوها تقربا اليه و الذالك قال انار بكم الاعلى و قرى الاهتك اى عبادتك (بیضاوی) وہ باطل پرست جو حق کو حق سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جب وہ حق کی روشنی پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ملک کے امن اور سلامتی کے لئے خطرہ ہیں۔ یہ بغاوت کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور فتنہ و فساد پھیلا کر ملکی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

اُن کی چال کامیاب رہی۔ فرعون بھڑک اُٹھا اور اُنہیں یقین دلایا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ وہی ظالمانہ برتاؤ کرے گا جو پہلے ان کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔ جب ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں گے تو ان کی لڑکیاں دوسری قوم میں جذب ہو کر جائیں گی اور رفتہ رفتہ اس قوم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی اور ان کو صبر کرنے کے لئے فرمایا

اس کے لئے سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۸ تا نمبر ۱۳۰ کا پہلے اُردو ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: ''فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے (۱۵۶) اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلا شبہ زمین اللہ ہی کی ہے۔ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے (مخصوص) ہے۔ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۵۷ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ علیہ السلام آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ علیہ السلام آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو (۱۵۸) اور (اُن کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو (۱۵۹) اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو (۱۶۰) قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

(۱۵۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اس خونی منصوبہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ اور اُنہیں بتایا کہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اُسی کے اختیار میں ہے کہ جس قوم کو چاہے اس زمین کا مالک بنا دے۔ اگر عارضی طور پر فرعون کو مصر کی حکومت مل گئی تو کیا ہوا اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اور آخر کار کامیابی اور کامرانی کا سہرا اُن کے سر باندھا جائے گا جو متقی و پرہیز گار ہیں۔

۱۵۷ فرعون کی یہ دھمکی سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ اور کہنے لگے اے حضرت موسیٰ! آپ علیہ السلام کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعون کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے رہے۔ ہمارے معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کیا جاتا رہا اور ہماری خواتین کو انہوں نے لونڈیاں بنائے رکھا۔ خیال تھا کہ آپ علیہ السلام

کی آمد سے ہماری مصیبتوں کی کالی رات ختم ہوگی اور ہمیں آرام کا سانس نصیب ہوگا لیکن کچھ نہ ہوا وہی مصیبتیں ہیں اور وہی ہم ہیں۔ اب ہم کریں تو کیا کریں۔ جائیں تو کہاں جائیں؟

۱۵۸؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور حکومت واقتدار تمہیں بخش دیا جائے گا۔

۱۵۹؎ بڑا ہی غور طلب جملہ ہے یعنی تمہیں حکومت واقتدار عطا فرمانے کے بعد وہ دیکھے گا کہ تم کہاں تک اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہو اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کرتے ہو اللہ تعالیٰ ہر قوم کو موقع دیتا ہے کہ وہ قوت واختیار کی مسند پر بیٹھ کر ثابت کرے کہ کیا وہ اس کی اہل ہے یا نہیں۔

۱۶۰؎ جیسے اس پارہ کی ابتداء میں بتایا گیا کہ کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب فوراً ہی نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ پہلے اسے مختلف قسم کی سختیوں سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا سخت دل نرم ہو جائے اور وہ اس تنبیہ سے اپنی سابقہ کج روی کی تلافی کرلے اور کبھی اس پر نعمتوں کی بارش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے منعم حقیقی کو پہچان کر اور اس کی پیہم نوازشات سے متاثر ہو کر نافرمانی سے باز آ جائے۔

اور جب سمجھانے کے یہ سارے طریقے بھی بے اثر ثابت ہو جاتے ہیں تو پھر اُن پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا ہے جو ان کا نام ونشان تک مٹا دیتا ہے۔ اسی سنتِ الٰہی کے مطابق آخری عذاب سے پہلے فرعونیوں کو کبھی مصائب وتکالیف سے اور کبھی انعامات اور نوازشات سے ہوشیار کیا جاتا رہا۔ اور اسی سلسلہ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ سنین جمع ہے سنة کی یہاں اس کا معنی قحط سالی ہے۔ یعنی الجدوب و هذا معروف في اللغة يقال اصابتهم سنة اى جدب (قرطبی)۔

فرعون اور اس کی قوم بجائے اس کے وہ عبرت پکڑتے الٹا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور زیادہ ستانے لگے

اس کے لئے سورہ اعراف آیت نمبر ۱۳۱ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: ''تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) ۱۶۱؎ (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف تو بدفالی پکڑتے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور آپ کے ساتھیوں سے ۱۶۲؎ سُن لو! ان کی بدفالی تو (مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس سے ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے''۔ ۱۶۱؎ بجائے اِس کے کہ وہ کچھ عبرت حاصل کرتے اُلٹا اُنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اگر انہیں راحت وآرام ہوتا تو کہتے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ اور اگر تکلیف کا سامنا ہوتا تو کہتے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی شامتِ اعمال ہے اور اُن کی نحوست کا نتیجہ ہے۔ ۱۶۲؎ بدفالی اور بدشگونی کو عربی میں تطیر کہتے ہیں۔ کیونکہ اہل عرب اکثر پرندوں کی آوازوں سے بدفالی پکڑتے اِس لئے یہ لفظ طیر سے مشتق ہوا۔ مشرک قوموں میں فال گیری کی رسم بہت قدیم ہے۔ ان کے اوہام پرست مزاج ہر چیز سے اثر قبول کرتے ہیں۔ کسی کام کو نکلے، راستے میں کوئی جانور سامنے سے گزر گیا۔ کسی پرندہ کی آواز کان میں پڑ گئی تو گھر واپس لوٹ آئے۔ اسلام نے جہاں اور مشرکانہ رسموں کی ممانعت کی وہاں اس نے تطیر (بدفالی) کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من رجعت الطيرة عن حاجته فقد اشرك ۔ جو کسی چیز سے بدفالی پکڑ کر اپنے مقصد سے لوٹ آیا اُس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! ایسا شخص کیا کفارہ دے تاکہ اس کی توبہ قبول ہو؟ فرمایا یہ کہے اللهم لا طير الا طيرك و لا خير الا خيرك و لا اله غيرك ثم يمضى لحاجتة (قرطبی) اے اللہ تعالیٰ تیری فال کے بغیر اور کوئی فال نہیں۔ تیری بھلائی کے بغیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں یہ الفاظ کہہ کر اپنے کام کو چلا جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ جو چاہیں کریں ہم آپ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۳۲ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: "ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے

۱۶۳؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصہ تک اِس مقابلہ کے بعد بھی مصر میں مقیم رہے اور اپنے معجزات دکھا دکھا کر انہیں دعوتِ حق دیتے رہے۔ لیکن وہ اپنی ضد اور عناد پر اڑے رہے اور آخر صاف صاف کہہ دیا کہ آپ علیہ السلام جو چاہیں جادو کے کرتب دکھاتے رہیں ہم ہرگز آپ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اُن کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تو تھی نہیں کہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت میں شک تھا آپ علیہ السلام کی صداقت تو اُن کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں تھی۔ لیکن اُس کو تسلیم کرنا ان کے لئے ٹیڑھی کھیر تھی۔ کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محروم ہو جائیں۔ ان کی لوٹ کھسوٹ پر پابندی لگا دی جائے۔ اور اُن کی عیش و عشرت کی محفلیں درہم برہم کر دی جائیں وہ اس کے لئے آمادہ نہ تھے۔ یہی رکاوٹیں ہیں جو ہر زمانہ میں حق قبول کرنے کے راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جایا کرتی ہیں۔ مھما کے متعلق خلیل نحوی نے کہا ہے کہ اصل میں یہ ماما تھا۔ پہلا ما شرطیہ ہے اور دوسرا جزا کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر پہلے ما کے الف کو ھ سے بدل دیا تاکہ تکرار نہ ہو۔ قال الخلیل: الاصل ماما الاولی للشرط و الثانیۃ زائدۃ توکیدا للجزاء کما تزاد فی سائر الحروف مثل اماو حیثما و اینما (قرطبی)۔

عذاب کی مختلف صورتوں کا بیان

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۳۳ تا آیت نمبر ۱۳۴ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: آیت ۱۳۳: پھر بھیجا ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک ۱۶۴؎ اور خون یہ سب واضح نشانیاں تھیں پھر بھی ہو تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے

ترجمہ: آیت ۱۳۴: اور جب آجاتا ان پر عذاب تو کہتے اے موسیٰ (علیہ السلام)! دعا کرو ہمارے لئے اپنے ربّ تعالیٰ سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ (۱۶۵) اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے آپ علیہ السلام پر اور ضرور روانہ کر دیں تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

تفسیر: ۱۶۴؎ یہاں عذاب کی مختلف صورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں وقتاً فوقتاً فرعونیوں کو مبتلا کیا گیا۔ طوفان سے مراد کثرتِ بارش سے سیلاب کا آجانا ہے۔ اور مجاہد اور عطا بمعنی موت منقول ہے قال مجاھد و عطاء الطوفان الموت ۔ نحاس کہتے ہیں کہ لغت میں ہر مہلک چیز کو طوفان کہا جاتا ہے کچھ تباہی تو سیلاب سے آئی۔ باقی ماندہ فصلوں کا صفایا ٹڈی دل نے کر دیا۔ قمل کے متعدد معنی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ قمل وہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں۔ سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے" کہ اس سے مراد پسو ہیں۔ اس کا ایک معنی جوئیں بھی ہے۔ یعنی پسوؤں اور جوؤں نے انہیں جسمانی اذیت پہنچا کر ناک میں دم کر دیا۔ اور اُن کے غلے کے انباروں میں گھن اور سسری کثرت سے پیدا ہو گئی جس نے ان کو خاک کر کے رکھ دیا۔ مینڈک اس کثرت سے نمودار ہو گئے کہ گلی کوچے، گھر کے در و دیوار اور کھانے کے برتن تک ان سے بھر گئے۔ پینے کا پانی گھڑوں میں بھر کر رکھتے تو وہ خون بن جاتا۔

۱۶۵؎ یعنی ان مذکورہ عذابوں میں سے جب بھی کوئی عذاب اُن پر نازل ہوتا اور اس سے نجات کی جب کوئی صورت انہیں دکھائی نہ دیتی تو بے بس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے اے حضرت موسیٰ! اپنے ربّ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور برکت سے وہ عذاب ٹال دیا جاتا تو وہ ایمان لانے کا وعدہ توڑ ڈالتے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہر بار وہ وعدہ کرتے۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی تو پھر اس وعدہ کو توڑ دیتے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو ان کی وسیع سلطنت کا وارث کر دیا

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۳۵ تا آیت نمبر ۱۳۷ کا اُردو ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: آیت نمبر (۱۳۵) ''پھر جب ہم نے دور کر دیا اُن سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (عہد توبہ کا) توڑ دیا۔ آیت نمبر (۱۳۶) کا ترجمہ: پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے ۱۶۶ اور غرق کر دیا انہیں سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا۔ ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔

تفسیر: ۱۶۶ جب وہ کسی طرح ایمان لانے پر تیار نہ ہوئے تو انجام کار ان کو بحرقلزم میں غرق کر دیا گیا۔ بانھم سے اس عذاب کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ ان کو یہ سزا بلاوجہ نہیں دی گئی بلکہ ان کی مسلسل تکذیب اور پیہم غفلت کی وجہ سے ان کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑا۔

آیت ۱۳۷ کا ترجمہ: ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا ۱۶۷ (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق وغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ ۱۶۸ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اُسکی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان ۱۶۹ وہ تعمیر کیا کرتے تھے۔

تفسیر: ۱۶۷ اپنی شانِ ذرہ نوازی کا اظہار فرمایا جارہا ہے کہ فرعون کو تو اس کے لاؤ لشکر سمیت ڈبو کر ہلاک کر دیا اور بنی اسرائیل جیسی ذلیل اور کمزور قوم کو اُن کا جانشین اور اُن کی وسیع مملکت کا وارث بنا دیا۔ ارض سے مراد یہاں مصر وشام کے دونوں ملک ہیں۔ والارض ھی ارض الشام و مصر (قرطبی) یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکات سے مالامال تھی۔ زمین کی زرخیزی، باغات کی کثرت اور پانی کی فراوانی کے باعث یہاں کے باشندے فارغ البال تھے اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام کا علاقہ کثیر التعداد انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور سے مزین تھا اور مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار پُر انوار تھا۔ ۱۶۸ فرعون کی ساری تدبیریں اکارت گئیں اور اُس کے سارے حربے ناکام ثابت ہوئے اور اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل سے حکومت واقتدار کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ ۱۶۹ عرش یعرش اذبنی ۔ قال ابن عباس و مجاھد ای ما کانوا یبنون من القصور و غیرھا (القرطبی) محل تعمیر کرنا۔

بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے لشکر کے سمندر میں غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا؟

جواب: اس کے لیے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۳۸ تا ۱۴۵ کا اُردو ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کیا ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگر بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں بنی اسرائیل نے کہا۔ اے حضرت موسیٰ! بناؤ ہمارے لئے بھی ایک (ایسا) خدا ۱۷۰ جیسے اُن کے خدا ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے ۱۷۱ اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا ۱۷۲ حالانکہ اُسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر''۔

• ۱۷۰ فرعون اور اُس کی قوم نے جو ناروا سلوک حضرت کلیم علیہ السلام سے کیا اُس کی روئیداد تو آپ اب پڑھ چکے۔ لیکن آپ علیہ السلام کی اپنی قوم کا رویہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ بڑا ناشائستہ اور غیر مہذبانہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا۔ سمندر میں ایک شگاف پیدا ہو گیا۔ جس میں سے گزرتے ہوئے وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور فرعون اور اُس کا لشکر اُن کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا۔

یہ قافلہ اب جزیرہ نمائے سینا کے جنوب کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ راستے میں ان کا گزر مفقہ کے مقام پر ہوا۔ جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا۔ جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت تھا۔ غالباً انہیں مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ (تفہیم القرآن)

لیکن قرطبی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ قوم جن پر اُن کا گزر ہوا وہ لخم تھی جو رقہ شہر میں سکونت پذیر تھی۔ اور گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ قال قتادۃ کان اولیک القوم من لخم و کانوا نزولا بالرقۃ وقیل کانت اصنامھم تماثیل البقر (قرطبی) اور علامہ بیضاوی

اور دوسرے مفسرین نے اس قول کے علاوہ یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے۔ کہ وہ قوم عمالقہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنے نبی کی صداقت کی آیاتِ بینات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کا فوری طور پر شرک صریح کی طرف مائل ہو جانا اس بات کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ طبع انسانی ماحول سے کتنی جلدی متاثر ہوتی ہے اور غلامانہ زندگی فطرتِ سلیمہ کو کس طرح مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

۱۷۱ آپ علیہ السلام نے فرمایا اے بے وقوفو! ایسے لوگوں کی تقلید کرنے کے لئے بے قرار ہو جو عنقریب ہلاک و برباد ہونے والے ہیں۔ اور وہ باطل جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اس کی بے سروپائی بھی ظاہر ہونے والی ہے۔ التبار ۔ الھلاک ۔ متبر ۔ مھلك ہر ٹوٹے ہوئے برتن کو بھی متبر کہتے ہیں۔

۱۷۲ اپنے مسلک کی بڑی زوردار دلیل پیش فرمائی کہ میں اپنے خالقِ حقیقی کے سوا کسی غیر کی عبادت نہیں کرتا۔ فرمایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو فضیلت اور شرف اس کو بخشا گیا ہے وہ کائنات کی کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی نہیں دیا گیا تو پھر اس سے بڑھ کر اور نادانی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر کسی اور شے کو اپنا معبود بنا لے جو مرتبہ میں اس سے کہیں حقیر اور کم تر ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب ملنے کا بیان اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کا بیان

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۱ تا نمبر ۱۴۵ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۴۱، ۱۴۲ کا ترجمہ: ''اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمہیں سخت عذاب مار ڈالتے تھے تمہارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں تمہارے ربّ تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائشیں تھی اور ہم نے وعدہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے ۱۷۴ سو پوری ہو گئی اس کے ربّ تعالیٰ کی میعاد چالیس راتیں اور (طور پر جاتے وقت) کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر ۱۷۵''۔

تفسیر: ۱۷۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے بعد وادی سینا میں آ کر آباد ہوئے۔ جہاں انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ مصر میں ہی آپ علیہ السلام نے اپنے قوم کو بتا دیا تھا کہ جب وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز کئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ایک جامع کتاب دے گا جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے واضح ہدایات ہوں گی۔ اب وہ کتاب عنایت کرنے کے لئے آپ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب کیا گیا۔ اور انہیں حکم دیا گیا کہ یہ مدت (جو پہلے تیس اور پھر چالیس روز کر دی گئی) تمام مشاغل سے الگ تھلگ ہو کر یادِ الٰہی عزوجل میں بسر کریں تا کہ ذکر و فکر سے روح و قلب کو وہ قوت و توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اس بارِ گراں کو اٹھا سکیں۔ اولیاء کرام کی چالیس روزہ چلہ کشیوں کی یہی اصل ہے۔ ان للاربعين خصوصية في اختصاص الكلام للانبياء كما ان لها اختصاصافي ظهورينا بيع الحكمة من قلوب الاولياء كقوله علیہ السلام من اخلص لله اربعين صبا حاظهرت ينا بيع الحكمة من قلبه على لسانه (روح البیان)۔

۱۷۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جبل طور پر روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انہیں ضروری ہدایات دیں۔ آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کے مزاج کا علم تھا۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ خصوصی حکم دیا کہ اگر ان کی غیر حاضری میں یہ کوئی فتنہ و فساد برپا کریں تو آپ علیہ السلام اُن کا ساتھ نہ دیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے لیکن منصب رسالت میں وہ آپ کے تابع تھے۔ اس لئے آپ علیہ السلام کے حکم کے پابند تھے۔

آیت نمبر ۱۴۳ کا ترجمہ: ''اور جب آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی اُن سے اُن کے ربّ نے (تو اُس وقت) عرض کی اے میرے ربّ عزوجل مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں ۱۷۶ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے ۱۷۷

البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے ۸ کے پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش"۔ اور گر پڑے موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر پھر جب آپ علیہ السلام کو ہوش آیا تو ۹ کے عرض کی (پاک ہے تو ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں ۸۰ اسب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

تفسیر: ۶ کے اجب چالیس روز مدت پوری ہو گئی اور ذکر الٰہی سے قلب وروح میں کلام الٰہی سننے کی توانائی پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔ جب کلام کی لذت رگ و پے میں سرایت کر گئی تو دل میں متکلم کے شوقِ دید کا طوفان اُمڈ آیا اور عرض کی کہ اے سراپا دلبری و رعنائی! چشمِ شوق اب ان حجابوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ از راہ لطف و کرم انہیں اُلٹ دے اور مجھے اپنا آپ دکھا۔ علامہ بیضاوی نے ارنی کے دو معنی بیان کئے ہیں۔

۱-ارنی نفسک بان تمکننی من رئویتك یعنی مجھے اپنے دیکھنے کی قدرت عطا فرما تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

۲-او تتجلی لی فانظر الیك یعنی خود حجاباتِ عظمت کو سرکا تاکہ چشمِ شوق لطفِ دید حاصل کر سکے۔

۷ کے ایہ نہیں فرمایا لــن اری: میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ رویت باری ممتنع ہے۔ جیسے معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ فرمایا لــن ترنی: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے دیکھنے کی تاب فقط اس نگاہ میں ہے جو مازاغ کے سرمہ سے سرگین ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی ناممکن نہیں اور یہی اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔ عند اهل السنة و الجماعة الروية جائزة۔ (قرطبی) اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو سورہ النجم میں اس بحث کو ذرا تفصیلاً لکھا جائے گا۔

۸ کے احضرت کلیم علیہ السلام کی عرضداشت کا جواب تو لن ترانی سے دے دیا گیا۔ لیکن مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنی ایک تجلی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ اس کو برداشت کر سکا تو پھر ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام بھی برداشت کر سکیں۔ لیکن اگر اس کی سنگین چٹانیں اور فلک بوس چوٹیاں چور چور ہو جائیں تو پھر آپ علیہ السلام کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ آپ علیہ السلام کو بھی اس کا یارا نہیں تھا چنانچہ جب نور الٰہی کی ایک کرن کوہ طور پر جلوہ طراز ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر کی ہیبت وجلال سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

آیت نمبر ۱۴۴ کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! میں نے ۱۸۱ سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے اور ہم نے لکھ دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ۱۸۲ تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لئے"۔ اور لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوط سے ۱۸۳ اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں ۱۸۴ اس کی اچھی باتیں عنقریب میں دکھا دوں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر ۹ کے اجب کچھ وقت گزرنے کے بعد اُنہیں ہوش آیا تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اپنے اس سوال پر معذرت پیش کی۔ کیونکہ وہ اصلانِ بارگاہِ الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سوال کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی لئے توبہ کر رہے ہیں۔

رضائے خاطرِ محبوب شرط دیدار راست
بحکم شوق ملاحظہ مکن کہ بے ادبی ست

تفسیر: ۱۸۰ یعنی اپنی اُمت کے مومنوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا میں ہوں۔

۱۸۱ یعنی میں نے اپنا پیغام ہدایت پہنچانے کے لئے آپ علیہ السلام کے ہمعصروں میں سے آپ علیہ السلام کو چُن لیا ہے۔ اور آپ علیہ السلام کو بلا واسطہ کلام کرنے کی عزت سے ممتاز فرمایا ہے۔ جو نعمت دی جا رہی ہے اسے بصد شوق و مسرت قبول کرو اور اسی پر اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور ان باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو آپ علیہ السلام کی طاقت سے باہر ہیں۔ الناس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ فالمراد عن الناس المرسل الیھم (قرطبی)

۱۸۲ جس مقصد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا اب اُن کی تکمیل فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی وہ نسخہ ہدایت ورحمت جس میں ہر طرح کی

نصیحتیں اوراحکام شرعیہ لکھے ہوئے تھے آپ علیہ السلام کو دیا گیا۔ یہی تورات تھی جو پتھر کی سلوں پر لکھی لکھائی بیک وقت آپ علیہ السلام کو دے دی گئی۔ من کل شئی مما یحتاج الیه فی دینه من الاحکام و تبیین الحلال و الحرام ۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۱۴۵ کا ترجمہ: ''اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی پھر (فرمایا) پکڑلو اسے مضبوطی سے ۱۸۳ اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑلیں ۱۸۴ اس کی اچھی باتیں عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر ''۔

تفسیر: ۱۸۳ قوت اور مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی کوشش، چستی، ہوشیاری اور شوق سے اس پر عمل کرنے کا عزم کر کے اس کو ہاتھ میں لو۔ ای بجد و نشاط (قرطبی) ای بجد و عزیمة (بیضاوی)

۱۸۴ یعنی یہ کتاب اس لئے آپ علیہ السلام کو عطا نہیں کی جا رہی کہ آپ علیہ السلام خود اس پر عمل کر کے سمجھ لیں کہ آپ علیہ السلام نے اس کا حق ادا کر دیا بلکہ خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ اپنے قوم کو بھی حکم دیں کہ وہ اس کے احکام جو سراپا خیر و برکت ہیں پر عمل کریں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ اور اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اگر انہوں نے ہماری شریعت کے احکام سے سرتابی کی تو انہیں بھی وہ گھر دیکھنا پڑے گا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم اور بعض علماء نے دار الفاسقین سے مصر و شام کے ممالک مراد لئے ہیں جہاں فرعون اور عمالقہ کی نافرمان قوموں کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا اور جن کے کھنڈرات اپنے بنانے والوں کی عظمت و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

آیات الٰہی کی جان بوجھ کر تکذیب کرنے والے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرنے والوں کا انجام

اس کے لئے سورۂ اعراف کی آیات ۱۴۶ اور ۱۴۷ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن سے۔

ترجمہ: میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق ۱۸۵ اور اگر دیکھ لیں تمام ''نشانیوں کو (تو بھی) ۱۸۶ نہ ایمان لے آئیں اُن پر۔ اور دیکھ بھی لیں راہ رُشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ۔ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنالیں اسے (اپنی) راہ یہ (ساری غلط روی) اس لئے ہے کہ اُنہوں نے ۱۸۷ جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری ۱۸۸ آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال کیا انہیں جزا دی جائے گی سوائے اس کے جو وہ کرتے تھے (ہرگز نہیں)''۔

تفسیر: ۱۸۵ یہاں ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ بطور سزا ایسے لوگوں کو کتاب الٰہی کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ حیات سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ قال قتادہ سامنعهم فهم کتابی و قیل ساصر فهم عن نفعها و ذلك مجازاة علی تکبر هم (قرطبی) بغیر الحق کے الفاظ سے یہ بتا دیا کہ اُن کا یہ تکبر اور غرور بے وجہ ہے۔ اُنہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اتنا اُونچا اور بڑا سمجھنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی اطاعت سے اُنہیں عار ہو۔

۱۸۶ اُن کے دل کی آنکھ کے بے نور ہونے کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ ہزار دلیلیں سنتے ہیں بے شمار معجزے دیکھتے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں لاتے۔ نیکی اور ہدایت کا راستہ جو نورانی قندیلوں سے جگمگا رہا ہے۔ اس پر چلنے کے لئے انہیں کہا جائے تو اُن کا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے اور اندھیروں اور تاریکیوں سے گھری ہوئی ضلالت کی راہ پر چلنے کے لئے بڑے ہی بے تاب نظر آتے ہیں۔

۱۸۷ اس حقیقت کو پھر ایک بار واضح کر دیا کہ آیات الٰہی کی جان بوجھ کر تکذیب اور اُن کی طرف سے دانستہ غفلت و بے پرواہی انسان کی ابدی شقاوت کا باعث بن جاتی ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کان کھول کر ہمارا اٹل قانون سن لو۔ تم سے پہلے جو قومیں تباہ و برباد کر دی گئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے غرور و نخوت کے نشہ میں مخمور ہو کر ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ ہماری آیات کی طرف بے التفاتی کی تو ہم نے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اُن سے چھین لی۔ اگر تم نے بھی اُنہیں کی سی روش اختیار کی اور تورات کے مندرجہ احکام کو بسر و چشم قبول نہ کیا تو تمہارا

انجام بھی وہی ہوگا۔ بنی اسرائیل کے علاوہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الثناء والتحیۃ کو بھی اپنے اس قانون سے جس میں کوئی استثناء نہیں آگاہ کردیا تا کہ وہ بھی گوش ہوش سے ہمارے نبی کریم ﷺ کی باتیں سنیں اور چشم دل سے اس کے اسوہ حسنہ کا مشاہدہ کریں تا کہ وہ اس نعمت عظمیٰ سے کما حقہ فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے علم ودانش پر اتر کر میرے رسول ﷺ کی سنت کو نظر انداز کردیں اگر اُنہوں نے بھی ایسا کیا تو اُن کو بھی وہی سزا دی جائے گی جو اُن سے پہلے نافرمان قوموں کو دی گئی۔

۱۸۸ نیک اعمال کا اجر قیامت کے دن صرف اُن لوگوں کو ہی عطا فرمایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں اور روز جزا پر ایمان لائے۔ کیونکہ انہیں انہی کے اعمال کی غرض وغایت رضاء خداوندی اور نعیم جنت کا حصول تھا۔ لیکن وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان اور نہ روز جزا پر یقین رکھتے ہیں قیامت کے دن اُن کے اعمال کا کوئی معاوضہ اُنہیں نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ اعمال کرتے وقت ان کے ذہن میں اس اجر کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر ایک مسلمان بھی لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ یا کوئی زاہد شب زندہ دار بھی اپنی اس شبانہ روز زہد وریاضت سے لوگوں کے دلوں پر اپنی ولایت کا سکہ جمانا چاہتا ہے تو اس کے سارے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ تو ایک کافر کے اعمال کو قیامت کے روز کیوں مستحق اجر سمجھا جائے۔ ہاں دنیا میں اُن کو ان اعمال کا معاوضہ کاروبار میں ترقی، سیاسی قوت واقتدار وغیرہ کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔

گائے کے بچھڑے کی پوجا کا بیان

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۸ تا نمبر ۱۵۴ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۴۸ کا ترجمہ: ''اور بنالیا قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ۱۸۹ ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اُس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا اُنہوں نے کہ وہ نہ بات کرسکتا ہے اُن سے اور نہ اُنہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے اُنہوں نے (خدا) بنالیا اُسے اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ''۔

تفسیر: ۱۸۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کوہ طور پر تشریف لے گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کامل ضابطہ حیات لا کر اپنی قوم کو دیں تا کہ ان کی زندگی اطاعتِ الٰہی کا ایک مکمل نمونہ بن جائے۔ لیکن ان بھلے مانسوں نے آپ علیہ السلام کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی منہ موڑ لیا۔ وہ اللہ عزوجل! جس نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزاد کیا۔ جس کی قدرت سے سمندر کی موجوں نے سمت کران کے لئے ایک شاہراہ بنادی۔ اور جب اُن کا دشمن فرعون اپنے لشکرِ جرار سمیت ان کی زد میں آگیا تو وہ اس پر اُمڈ آئیں اور تنکوں کی طرح اُسے بہالے گئیں۔ اس وحدہ لاشریک کو بھول گئے۔ اس محسنِ حقیقی سے اپنی بندگی کا رشتہ توڑ لیا اور ایک بچھڑے کی مورتی کی پرستش شروع کردی۔ ان کی عقلیں اتنی اوندھی تھیں کہ خدا بنانے کے لئے ان کی نظرِ انتخاب جس چیز پر پڑی وہ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مورتی تھی جو نہ بول سکتی تھی اور نہ کچھ سن سکتی تھی۔ آپ اس کے سامنے شور وغل مچائیں اس کی طرف سے ایک بے معنی صدا کے بغیر کچھ سنائی نہ دیتا۔ اس قوم نے جس نے ہر قدم پر آیات الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا کیسے باور کرلیا کہ یہ ہمارا خدا ہے۔ جس کا ڈھانچہ ان کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا؟ اس کو توجیہ بجز اس کے اور کیا کی جاسکتی ہے کہ غلامانہ زندگی کا طویل عرصہ جو اُنہوں نے سرزمین مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں وہ اپنے قبطی آقاؤں کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے اور اُن کی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کرتے۔ اس چیز نے گائے کے تقدس کا ایسا نقشہ اُن کی لوحِ ذہن پر کندہ کردیا تھا کہ جہاں گائے یا بچھڑے کی کوئی مورتی نظر آئی وہاں وہ بے ساختہ اُس کے سامنے جھکتے چلے گئے۔ اور عقل وفہم کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کی الوہیت کو تسلیم کرلیا۔ موجودہ تورات میں بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون علیہ السلام پر لگایا گیا ہے۔ لیکن قرآن جو تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت اور اُن کی عظمت و پاکیزگی کا نقیب ہے۔ اُس نے ہمیں صراحت سے بتادیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اِس الزام سے بالکل پاک ہے بلکہ یہ کارستانی سامری کی تھی جس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیور جمع کئے اُنہیں گلایا اور اس سے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کرلیا اور اپنی فنی مہارت سے اس میں یہ بات پیدا کر دی کہ جب اس میں ہوا کا گزر ہوتا تو ایک بے معنی سی بیں بیں کی آواز نکلتی۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ آج ہم بیسیوں کھلونے ایسے دیکھتے ہیں جو بے

جان ہوتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور مختلف نوعیت کی آوازیں نکالتے ہیں۔

آیت نمبر ۱۴۹ کا ترجمہ: ''اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے ۱۹۰ اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے اور جب واپس آئے ۱۹۱''۔

تفسیر: ۱۹۰ یہ محاورہ ہے اور شدتِ ندامت اور پشیمانی پر دلالت کرتا ہے۔ یقال للنادم المتحير: قد سقط في يده (قرطبی) کیونکہ انسان انتہائی ندامت کے وقت اپنے ہاتھ کاٹتا ہے تو گویا وہ ہاتھ اس سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے اس لئے اس حالت کو ہی ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ كناية عن اشتد ا دندمهم كان النادم المتحسر بعض يده غما فتير يده مسقوطا فيها (بیضاوی) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر واپس تشریف لائے اور قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا تو انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے بڑی ہی زبردست حماقت کی ہے تو پچھتائے اور افسوس کرنے لگے اور اعتراف کیا کہ اگر ہم پر ہمارا رب مہربانی نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو گئے تھے۔

۱۹۱ اللہ تعالیٰ نے وہاں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی کارستانی کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ علیہ السلام بڑے غضبناک ہو کر واپس لوٹے اور بنی اسرائیل علیہ السلام کو غم و غصہ سے لبریز لہجہ میں زبردست ملامت اور تنبیہ کی۔ اسف انتہائی غصہ کی حالت کو اسف کہتے ہیں۔ قال ابو الدرداء الاسف منزلة وراء الغضب اشد من ذلك اس کا دوسرا معنی جو عام مشہور ہے وہ حزن و ملال ہے۔ (قرطبی)

آیت نمبر ۱۵۰ کا ترجمہ: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بری جانشینی کی ہے تم نے میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب تعالیٰ کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں ۱۹۲ اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اُسے اپنی طرف ہارون نے کہا ۱۹۳ اے میری ماں جائے! اس قوم نے کمزور و بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ''۔

تفسیر: ۱۹۲ شدتِ غضب میں ان پتھر کی تختیوں اور فرض ناشناسی کا بھی دخل ہے۔ آپ علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا۔ کہتے ہیں کہ سات تختیاں تھیں۔ جب آپ علیہ السلام نے انہیں غصہ سے رکھا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ چھ تختیاں جن میں ہر چیز کی تفصیل تھی وہ واپس اٹھا لی گئیں اور ایک تختی جس میں موعظت و ہدایت تھی وہ باقی رہ گئی۔ روی ان التوراة كانت سبعة اسباع في سبعة الواح فلما القاها انكسرت فرفع ستة اسباعها و كان فيها تفصيل كل شيئي و بقي سبع كان فيه المواعظ و الاحكام (قرطبی و بیضاوی)

۱۹۳ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے لیکن ان کے جذبہ شفقت و محبت کو برانگیختہ کرنے کے لئے ''میری ماں کے بیٹے'' کے الفاظ سے اپنی معذرت کا آغاز کیا اور کہا کہ میں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ میں تن تنہا تھا اور یہ ساری قوم ایک ہو گئی۔ انہوں نے مجھے بے بس اور کمزور سمجھتے ہوئے میرے سمجھانے کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ الٹا مجھے مار ڈالنے کے درپے ہو گئے۔ آپ علیہ السلام اگر میرے ساتھ اس طرح سختی کریں گے تو دشمن بغلیں بجائیں گے اور کہیں گے کہ ذرا دیکھو دونوں بھائی ایک دوسرے سے دست بگریبان ہیں۔ شماتة کہتے ہیں کسی کی تکلیف سے مسرور اور خوش ہونا اور یہ چیز سخت معیوب ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اپنے بھائی کی مصیبت پر مت خوش ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دے اور تجھ کو اس میں مبتلا کر دے۔ لا تظهر الشماتة باخيك فيعافيه الله و يبتليك۔ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اللهم انى اعوذبك من سوء القضاء و درك الشقاء و شماتة الاعداء (بخاری) ترجمہ: اے اللہ (عزوجل)! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بری تقدیر سے، بدبختی سے اور ایسی بات سے جس سے دشمن خوش ہوں۔

آیت نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳ کا ترجمہ: ''ظالم قوم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التجا کی اے میرے رب (عزوجل)! ۱۹۴ بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے۔ بے شک جنہوں نے بنا لیا

بچھڑے کو معبود جلد یہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے ربّ تعالیٰ کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں ۱۹۵ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو اور جنہوں نے کئے بُرے کام ۱۹۶ پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا ربّ اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم والا ہے"۔

تفسیر: ۱۹۴ یعنی غصہ کی حالت میں اپنے بھائی پر جو میں نے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرمادے۔ اور اگر میرے بھائی سے ادائے فرض میں کوئی تقصیر ہوگئی ہے تو وہ بھی بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت سے مالا مال فرمادے۔

۱۹۵ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اُس کی نگاہِ کرم سے محرومی سے بڑھ کر اور کون سی سنگین سزا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نابکار مجرموں کو دنیا میں بھی ذلیل وخوار کردیا جاتا ہے تاکہ اُنہیں معلوم ہوجائے کہ اپنے ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے وہ دنیا میں بھی چین کا سانس نہیں لے سکتے۔

۱۹۶ اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی بخشش بیکراں پر قربان! کوئی کتنا ہی قصوروار اور خطا کار ہو اُس کے درِکرم پر حاضر ہوجائے تو اسے بھی محروم لوٹایا نہیں جاتا۔ اس آیت میں اس مقام پر ان ربک (اے مصطفےٰ (علیہ السلام)! تیرا پروردگار) کے الفاظ کتنے پیارے اور کتنے معنی خیز ہیں۔

آیت نمبر ۱۵۴، ۱۵۵ کا ترجمہ: "اور جب فرو ہوگیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تو اُٹھالیا ان تختیوں کو ۱۹۷ اور ان کی تحریر میں ہدایات اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے ربّ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور چن لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لئے ۱۹۸ پھر جب پکڑ لیا اُنہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا"۔

تفسیر: ۱۹۷ حضرت ہارون علیہ السلام کا معقول عذر سن کر اور قوم کو اپنی غلطی پر نادم و پشیمان دیکھ کر آپ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوگیا اور وہ تختیاں جو آپ علیہ السلام طور سے لائے تھے اور جنہیں فرط جلال میں پھینک دیا تھا اب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اُٹھالیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ یہ وہ نسخہ رشد و ہدایت ہے جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوگا اس کے لئے اس میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل پتھر ہوچکے ہیں اور خوف الٰہی سے خالی ہیں ان کے لئے اس میں حسرت و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

تفسیر: ۱۹۸ بنی اسرائیل بچھڑے کے پرستش کا جرم عظیم کرنے کے بعد سخت پشیمان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہماری مغفرت کے لئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیجئے۔ حکم ہوا ان میں سے ستر آدمی منتخب کرکے اپنے ہمراہ لاؤ تاکہ وہ یہاں آکر ساری قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے توبہ کریں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر نمائندوں کی معیت میں طور کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک بادل نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ وہاں پہنچ کر سجدہ میں گر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مولا کریم سے گفتگو کی جو انہوں نے سنی۔ جب بادل چھٹ گیا اور سلسلہ کلام بھی منقطع ہوگیا تو کہنے لگے۔ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! ہم نے گفتگو تو سنی ہے لیکن جب تک ہم اپنی آنکھوں سے متکلم کو نہ دیکھ لیں ہم کیسے یقین کرلیں کہ وہ خداوند تعالیٰ تھا۔ ممکن ہے کوئی اور ہو۔ اس پر زلزلہ کے شدید جھٹکے آنے لگے اور بجلی کڑکنے لگی۔ اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لاکر وہ بے ہوش ہوکر گر گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہول منظر سے موت واقع ہوگئی۔ اور وہب کی رائے ہے کہ مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوشی کی وہ کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ قریب المرگ ہوگئے تھے۔ (بیضاوی و قرطبی)

بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش کا جرم عظیم کرنے کے بعد سخت پریشان ہوئے اور اپنی بخشش کیلئے توبہ کی اس کا بیان

اس کے لئے سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۵ تا نمبر ۱۵۶ کا اُردو ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۵۵ کا ترجمہ: "اے میرے رب (عزوجل)! ۱۹۹ اگر تو چاہتا تو ہلاک کردیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش ۲۰۰ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۲۰۱ تو ہی ہمارا کارفرما ہے ۲۰۲ بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا"۔

تفسیر: ۱۹۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کے برہم ہوجانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ لوگ جو بات

بات پر بگڑ جانے کے عادی ہیں جب دیکھیں گے کہ ان کے ستر سر کردہ آدمی لقمہ اجل ہو گئے ہیں تو نہ معلوم کیا اُودھم مچائیں گے اس لئے آپ علیہ السلام نے عرض کی اے مالک! اگر تیری مشیت یہی تھی کہ اُنہیں ہلاک کر دیا جائے تو اُنہیں پہلے ہی ہلاک کر دیا جاتا۔ اب جب وہ میرے ہمراہ آئے ہیں تو تو نے انہیں ہلاک کر دیا۔ میری قوم مجھے بدنام کرے گی اور مجھے ملزم ٹھیرائے گی۔ سفھاء سے مراد یا تو بچھڑے کے پجاری ہیں یا دیدارِ خداوندی کا مطالبہ کرنے والے۔ ۲۰۰ فتنہ کہتے ہیں آزمائش اور امتحان کو۔ ای ما هذا الا اختبارك و امتحانك (قرطبی)

تفسیر: ۲۰۱ اگر توفیق الٰہی انسان کی دستگیری کرے تو امتحان و آزمائش کے میدان میں وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ اور اگر اس کی تائید اور توفیق شاملِ حال نہ ہو تو معمولی سی آزمائش بھی انسان کی لغزش کا سبب بن جاتی ہے۔ اور زہد و تقدس کے سارے جبے تار تار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی بے بسی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ ڈھونڈے۔ حضور رحمت عالمیان ﷺ کے یہ دعائیہ کلمات کتنے دلکش اور کتنے حقیقت افروز ہیں۔ یا حیی یا قیوم برحمتك استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفة عین وا صلح لی شانی کله: اے زندہ جاوید! اے ہر چیز کو زندہ رکھنے والے! میں تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں آنکھ جھپکنے کی قدر بھی مجھے (اپنی توفیق سے محروم کر کے) میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور میرے تمام حالات کی خود ہی اصلاح فرما۔

۲۰۲ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق اور مختار کل ہونے کا اعتراف کرنے کے بعد اب اپنا دامن طلب پھیلایا جا رہا ہے۔ ولینا: ہمارے دین و دنیا کے تمام کاموں کا تو ہی محافظ و نگہبان ہے۔ ہم جب تک اس دنیا میں ہیں ہمیں صحت و عافیت اور توفیق ہدایت اور شوق عبادت عطا فرما اور جب یہاں سے رختِ سفر باندھ کر دارالبقاء کی طرف کوچ کریں تو وہاں ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرما۔

آیت نمبر ۱۵۶ کا ترجمہ: ''اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف ۲۰۳ اللہ نے فرمایا عذاب پہنچاتا ہوں میں اُسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہی ہر چیز پر ۲۰۴ سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں''۔

تفسیر: ۲۰۳ ھدنا ھاد یھود سے ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے۔ من ھاد یھود اذا رجع (بیضاوی) یعنی گناہ و قصور کرنے کے بعد ہم پھر تیری بارگاہِ رحمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

۲۰۴ یعنی میرے اختیارات تو غیر محدود ہیں۔ جو چاہوں کروں۔ کسی کو اعتراض نہیں۔ میری رحمت کے خزانے خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتے۔ میری رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

حضور ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کا بیان

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ تا نمبر ۱۵۹ کا اُردو ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۵۷ کا ترجمہ: (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی جو نبی اُمی ہے ۲۰۵ جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں ۲۰۶ وہ نبی حکم دیتا ہے اُنہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں بُرائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ ۲۰۷ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں ۲۰۸ جو جکڑے ہوئے تھے۔ انہیں پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی اُمی) پر اور تعظیم کی آپ ﷺ کی اور امداد کی آپ ﷺ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ ۲۰۹''۔

۲۰۵ اس آیت میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ جمیلہ اور حضور ﷺ کی بعثت کے مقاصد جلیلہ کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کو رسول اور مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کے باعث نبی فرمایا گیا۔

حضور ﷺ کو الامی کہنے کی متعدد توجیہات علماء کرام نے بیان کی ہیں:۔

(۱)منسوب الی الام یعنی ہو علی ماولدتہ امہ لم یکتب و لم یقرء : ام (ماں) کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا۔یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اُسی طرح حضور ﷺ نے بھی کسی اُستاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔اور اس کے باوجود علوم ظاہری و باطنی سے سینہ مبارک کا لبریز ہونا حضور ﷺ کا روشن معجزہ ہے۔وصفہ اللہ بہ تنبیھا علی ان کمال علمہ مع حالہ احد معجزاتہ (مظہری) بعض نے کہا ہے کہ ام القوی (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔اور بعض کی رائے ہے کہ امی اُمت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور علیہ السلام صاحبِ اُمت ہیں اور اُمت کی ت نسبت کے وقت حذف کردی گئی۔جیسے مکہ شریف سے مکی اور مدینہ منورہ سے مدنی میں ت محذوف ہے۔

۲۰۶ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل قبلہ مولنا محمد نعیم الدین قدس سرہٗ کا حاشیہ بڑا مفصل ہے۔اسی کا ایک اقتباس نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ ''کتب الٰہیہ حضور سیّد عالم کی نعت وصفت سے بھری ہوئی تھیں۔اہل کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے۔اور ان کی بڑی کوشش رہی کہ حضور کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں۔لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانے کی بائیبل میں حضور ﷺ کی بشارت کا نشان کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی گیا۔چنانچہ برٹس اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کی چھپی ہوئی بائیبل میں یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولھویں آیت میں ہے۔''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔اس پر اس کے معنی وکیل یا شفیع لکھے ہیں۔تو اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو شفیع ہوا اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو۔بجز سیّد عالم ﷺ کے کون ہے؟ پھر اُنتیسویں تیسویں آیت میں ہے۔''اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔کیسی صاف بشارت ہے اور مسیح علیہ السلام نے اپنی اُمت کو حضور ﷺ کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے۔اور دنیا کا سردار خاص سیّد عالم کا ترجمہ ہے۔پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے۔''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔اس کی تیرھویں آیت ہے۔''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا''۔اس آیت میں بتایا گیا کہ سیدعالم ﷺ کی آمد پر دین کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ ﷺ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمل کردیں گے۔(خزائن العرفان)

۲۰۷ لفظ ''اصر'' دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔اصر بمعنی ثقل: بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں یعنی اعمال شدیدہ کا جو عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔حضور ﷺ کی تشریف آوری سے وہ اس سے آزاد کر دیئے گئے۔فوضع عنھم بمحمد ﷺ ذلك العھد وثقل تلك الاعمال۔ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب وغیرہ گر جائے تو اس حصہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ایام حیض میں عورت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا تک ممنوع تھا۔مال غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔

۲۰۸ اغلال جمع ہے اور اس کا واحد غل ہے۔اس کا معنی ہے زنجیر۔اس سے مراد بھی شریعت موسوی کے شدید اور سخت احکام ہیں۔مثلاً یوم سبت کو ہر دنیاوی کام کی ممانعت تھی۔اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کر دینا ضروری تھا۔اسی طرح کئی دیگر احکام تھے۔لیکن رحمت عالمیان ﷺ کی آمد سے ان تمام میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لئے دھونا ہی کافی ہے۔حائضہ عورت سے صرف ہم بستری ممنوع قرار دی گئی۔دوسری پابندیاں ہٹا دی گئیں۔قاتل سے دیت بھی قبول کرنے کی اجازت دی گئی۔مال غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا۔کتنی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ہزار ہا ہزار صلاۃ وسلام اس طلعتِ زیبا پر جس کی آمد سے گلشنِ عالم میں بہار آ گئی۔جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اُجالا ہو گیا۔توہمات کے قفس ٹوٹ گئے۔غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔اور انسان کو شرف انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔اغلال جمع ہے اور اس کا عطف اصر پر ہے جو واحد ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصر مصدر ہے اگرچہ یہ لفظ واحد ہے لیکن

اس میں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ فالجواب ان الاصر مصدر یقع علی الکثرۃ لانہ مصدر یقع علی القلیل و الکثیر من جنسہ مع افراد لفظہ (قرطبی)

۲۰۹ آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بتا دیا کہ فلاح وسعادت سے صرف وہی سرفراز ہوگا جو میرے مصطفےٰ ﷺ پر سچے دل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لئے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا۔ اور اس کے نور تاباں (قرآن حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لئے دل وجان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شانِ رحمۃ اللعالمینی کی آسمانی تفسیر ہے۔ ایمان کے بعد حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم سب سے اہم ہے۔ بلکہ نصرت اور اتباع قرآن کا حق ادا ہی تب ہوسکتا ہے جب دل میں حضور ﷺ کا ادب و احترام ہو۔ ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

آیت نمبر ۱۵۸ کا ترجمہ: ''آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۱۰ وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ عزوجل پر اور اُس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ عزوجل پر اور اُس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اُس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے ۲۱۱''۔

تفسیر: ۲۱۰ اس سے پہلے جتنے رسولوں کا ذکر ہوا وہ خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے ایک مقررہ وقت تک مرشد ورہبر بن کر آئے تھے۔ لیکن اب جس مرشد اولین وآخرین، جس رہبر اعظم کا ذکر ہو رہا ہے اُس کی شانِ رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود۔ جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت وسروری عالم گیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ ہر خاص وعام، ہر فقیر و امیر، ہر عربی وعجمی، ہر رومی وحبشی کے لئے وہ مرشد بن کر آیا۔ اسی لئے اس بات کا اعلان اس کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کرایا کہ اے اولاد آدم! میں تم سب کے لئے اپنے زمین وآسمان کے خالق ومالک کی طرف سے رشد وہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اب تمہارے لئے ہدایت اور فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوش پا کو اپنے لئے خضرِ راہ بناؤ میری سنت سے انحراف نہ کرو۔

۲۱۱ اگرچہ بنی اسرائیل کی بڑی اکثریت کا طرزِ عمل حوصلہ شکن تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا، اناڑی بچوں کی طرح اپنی بات خواہ کتنی نامعقول ہو منوانے پر بضد ہونا، معمولی سے معمولی شبہ پر راہ حق سے روگرداں ہو جانا اُن کا معمول تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُن میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو سچے مومن تھے۔ شریعتِ موسویہ کے پورے پورے پابند تھے۔ تورات کے احکام کی بجا آوری میں تندہی سے کوشاں تھے۔ مفسرین کرام سے بہت سے اقوال مروی ہیں کہ اس گروہ سے کون سا گروہ مراد ہے اور وہ کس زمانہ میں تھا۔ لیکن اگر اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ایک فرماں بردار جماعت تھی۔ جب دوسری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی تو یہ اپنے مسلکِ توحید پر ثابت قدم رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی وہ احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل پیرا رہی۔ اور عہد مصطفوی ﷺ میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جو تورات پر کاربند تھا۔ جب اُنہوں نے حضور ﷺ کا دیدار کیا اور حضور ﷺ کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا اور ان نشانات کو جو نبی آخرالزماں کے متعلق تورات میں مذکور تھے اس ذات اقدس میں موجود پایا تو فوراً ایمان لے آئے۔ اور دوسرے یہودیوں کی طرح اپنی چودھراہٹ کی خاطر قبولِ حق سے انکار نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے دینی تربیت اور ان کی ہر طرح کی نگرانی کے لئے اور ان کے رہنے اور کھانے پینے کا کیا انتظام فرمایا؟

اس کے لئے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۶۰ اور ۱۶۱ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد دوئم سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۶۰ کا ترجمہ: اور ہم نے بانٹ دیئے انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں اور ہم نے وحی بھیجی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس پتھر کو ۲۱۳ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے جان لیا ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا ۲۱۴ اور ہم نے اُتارا ان پر من وسلویٰ (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمہیں اور نہیں ظلم کیا اُنہوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے اور جب کہا گیا اُنہیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں ۲۱۵ اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو"۔

تفسیر: ۲۱۲ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو فرزندوں کی اولاد تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اُنہیں لے کر وادی سینا میں پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ اتنی کثیر تعداد کا داخلی نظم ونسق، ان کی دینی تربیت اور ان کی ہر طرح کی نگرانی کے لئے بحکم الٰہی آپ علیہ السلام نے یہ انتظام فرمایا کہ ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کے لئے ایک ایک نگران مقرر کر دیا تا کہ ان کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرے۔ اور ان میں اگر سرتابی کا رجحان پیدا ہو تو اُس کا سد باب کرے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ اس کا معنی ہے پوتا (ولد الولد) یہ ترکیب میں اثنی عشرہ کی تمیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسے سبطا (واحد) ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ بدل ہے اور امما صفت ہے۔ اور اسباط موصوف ہے۔

(بیضاوی، مظہری)

۲۱۳ تیہ کے لق و دق صحرا میں پانی بالکل نایاب تھا۔ نہ کوئی نہر نہ دریا۔ نہ کوئی چشمہ نہ کنواں۔ آپ علیہ السلام کی قوم نے شدتِ پیاس سے بے قابو ہو کر آپ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے عصا سے مارو۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اور آپ نے ایک ایک چشمہ ایک ایک قبیلہ کے لئے مختص کر دیا تا کہ باہمی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

۲۱۴ اُس ریگستان میں جہاں پانی کی ایک بوند تک نایاب تھی وہاں سایہ دار درختوں کا وجود کہاں؟ لیکن بغیر سایہ کے اس تپتے ہوئے ریگستان، چلچلاتی دھوپ میں گزر ہو تو کیسے؟ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ کرم فرمایا کہ جتنے علاقہ میں وہ فروکش تھے اُن پر بادل کا سائبان تان دیا۔ نیز ریت کے ان ڈھیروں میں جہاں آبپاشی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا وہاں کھیتی باڑی کیسے ہو سکتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے من وسلویٰ اُتار کر ان کو فکر معاش سے بھی آزاد کر دیا۔ (ان تمام امور پر حواشی سورۃ البقرہ میں گزر چکے ہیں) ۱۲: ۵۷، ۵۸، ۵۹

۲۱۵ اس سے مراد بیت المقدس شریف کا شہر ہے۔ اِس پر حواشی سورہ البقرہ میں گزر چکے ہیں۔

مومن آلِ فرعون کا بیان اور اس کا وعظ

سورہ المومن کی آیات نمبر ۲۳ تا نمبر ۴۶ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۳ تا نمبر ۲۵ اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا زاد بھائی قارون کے پاس نو (۹) معجزے اور قوی ظاہر دلیل دے کر بھیجا۔ تو انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں۔ لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں اور بڑے دروغ گو ہیں۔ کہ خدا پر افتراء اٹھاتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر آئے اور ہمارا حکم ان کو پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو قوم مومنین ہیں ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی عورتوں کو باندیاں بنالو یعنی پھر قتل کرنا شروع کرو۔ اور انہوں نے یہ حکم دیا حالانکہ کافروں کا داؤ کچھ چیز نہیں۔ نرا دھوکہ اور گمراہی اور بے ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا مکر اور دھوکہ ملیا میٹ کر دیا۔ اُن سب کو ہلاک کر دیا۔

آیت نمبر ۲۶ تا نمبر ۲۷ اور فرعون نے کہا کہ مجھے کوئی نہ روکے مجھے چھوڑ دو مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مار لینے دو۔ وہ کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور وہ میرے سوا اور خدا جانتا ہے۔ لو اب میں اس کو مارتا ہوں اور وہ اپنے خدا کو پکارے جس کا رسول اپنے آپ کو بتاتا ہے۔ دیکھو کیسے بچاتا ہے۔ میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دوں تو خوف ہے کہ کہیں یہ تمہارا سچا دین بت پرستی میں نہ بدل دے یا زمین میں فساد نہ پھیلائے جیسے ہم نے

بسایا ہے کہیں ہماری قوم کے ساتھ ویسا برتاؤ نہ کرے کہ بچوں کو مار ڈالے عورتوں کو باندیاں بنالے (ایک قرات میں "وان یظہر" اور ایک میں "وان یظھرا" اور ایک میں "یظھر" افعال سے ہے ایک میں ظہور سے یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں مقابلہ کرے اور دین توحید پھیلائے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے اور تمہارے رب تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کے حفظ وامن میں داخل ہوتا ہوں۔ ہر غرور کرنے والے سرکش کافر کے شر سے جو آخرت سے نہیں ڈرتا اور اس پر ایمان نہیں لاتا یعنی فرعون اور اس کے مددگاروں کے شر سے میں اپنے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ وہ مجھے ان کے شر سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

نوٹ نمبر ا: تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۹۲۰ پر مومن آل فرعون کا نام علامہ نسفی کے حوالہ سے سمعان لکھا ہوا ہے اور اختلاف رواۃ کے ساتھ حبیب حزبیل، جزئیل بھی بیان کئے گئے ہیں مگر پہلے قول کو صحیح فرماتے ہیں "واللہ اعلم"

نوٹ نمبر ۲: تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۹۲۰ پر بیان کیا گیا ہے کہ مومن آل فرعون، فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور وہ فرعون کا ولی عہد بھی ہونے والا تھا بعض نے کہا یہ شرفاء قوم سے تھا اور فرعون کا ہمنوا تھا ایک قول ہے کہ اسرائیلی تھا۔ ایک قول میں نہ فرعونی تھا نہ اسرائیلی۔ بلکہ ایک غریب آدمی تھا "واللہ اعلم"۔

آیت نمبر ۲۸ تا اور نمبر ۲۹: جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تب ایک مرد خدا جو فرعون ہی کی قوم میں سے تھا یعنی اس کا چچا زاد بھائی حزبیل نامی اور اپنا ایمان ان سے چھپاتا تھا بولا (مروی ہے کہ حزبیل نے سو برس تک اپنا ایمان چھپایا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قوم فرعون میں سے نہ تھا۔ اس تقدیر پر "مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ" "یکتم" کا متعلق ہوگا اور کلام میں تقدیم وتاخیر ہوگی) کہ افسوس اے لوگو! یہ کیا کرتے ہو؟ کیا اس بات پر مارتے ہو۔ کہ وہ توحید کو مانتے ہیں اور خود رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بتاتے ہیں اور تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں نبوت کی اور اوامر ونواہی لے کر آئے ہیں۔ کیوں مارتے ہو۔ اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کا عذاب اس کو خود ملے گا۔ اور جھوٹ اس کو لے ڈوبے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے جھٹلایا ہے تو کچھ نہ کچھ عذاب تو دنیا ہی میں تم کو پہنچ جائے گا۔ خدا اپنے دین کا راستہ کسی سرکش، ہٹ دھرم، مشرک دروغ گو کو نہیں دکھاتا۔ اے قوم فرعون! آج تو خوب عیش میں ہو۔ منظر ظاہر تمہارا غلبہ ہے۔ ملک مصر کے مالک ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے اوپر بسبب تکذیب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عذاب الٰہی آ گیا۔ تو تم میں سے کون روکنے والا ہے اور ہمارا بچانے والا ہے۔ فرعون نے کہا کہ میں تو وہی تم کو بتاؤں گا جو میں جانتا ہوں۔ یعنی اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔ اس کا تم کو حکم کرتا ہوں اور میں تم کو سوائے سچی اور اچھی راہ کے حق وہدایت کی راہ کے کوئی بری راہ نہیں دکھاتا۔

آیت نمبر ۳۰ تا نمبر ۳۳: حزبیل نے کہا کہ اے قوم! مجھ کو یہ خوف ہے کہ کہیں تم پر ایسا عذاب نہ آ جائے جیسا اگلوں پر آیا۔ پہلے گروہ ہلاک ہوئے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آیا اور جسے عاد قوم حضرت ہود علیہ السلام پر اور جیسے قوم حضرت صالح علیہ السلام پر آیا۔ ان کے بعد بہت بہت کافروں پر آیا اللہ تعالیٰ بے گناہ بندوں کو نہیں ستاتا۔ ان کے حق میں ظالم نہیں۔ اے قوم! مجھے خوف ہے کہ عذاب روز تنادم تم کو پہنچے (یعنی پکارنے کے دن کو آپس میں ایک دوسرے کو پکارے گا یا یہ کہ اصحاب اعراف جنت دوزخ والوں کو پکاریں گے اس صورت میں "تناد" مہموز لام ہوگا اصل میں "تنادی" تھا یا بہ معنی فرار ہو "تناد" تشدید دال مضاعفہ یعنی ایک ایک سے بھاگے گا)۔ آج تو مقابلہ کو تیار ہو اور اس دن عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ جس کو اپنے دین سے گمراہی میں چھوڑتا ہے تو اس کا کوئی مرشد رہنما ومددگار نہیں۔

آیت نمبر ۳۴: اے میری قوم! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام بہت سے اوامر ونواہی وعلم تعبیر رؤیا اور بچے کی گواہی سے براءت بذریعہ چاک دامنی کرنے زلیخا کے تمہارے پاس آئے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے تم ان پر ایمان نہ لائے اور ہمیشہ شک ہی میں رہے حتیٰ کہ جب وہ انتقال فرما گئے تب بھی تم نے کفر کیا اور کہا کہ نہ حضرت یوسف علیہ السلام رسول تھے نہ اب بعد میں کوئی رسول آئے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جو شرک کرتا ہے۔ اس کو یونہی اس کی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ ڈھیل دے دیتا ہے وہ گمراہی میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے۔ اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

آیت نمبر ۳۵: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جھوٹے خیالات پکا کر جھگڑتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔ نہ کوئی حکم ظاہر اللہ تعالیٰ کے پاس سے ان کو ملا ہے یعنی ابو جہل وغیرہ کافر جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ و قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ بروز قیامت ان پر خدا کا بہت ہی بڑا غصہ ہوگا۔ اور مسلمان لوگ بھی ان پر دنیا میں سخت غصہ کرنے والے ہیں۔ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ سزا دے گا۔ اور دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں نہایت ذلیل و خوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہر غرور و تکبر کرنے والے، حق قبول کرنے سے انکار کرنے والے کے دل پر کفر کی چھاپ اور مہر لگا دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس پر ایمان کا اثر نہ ہوگا لہٰذا اپنے علم ازلی کے مطابق اس کے دل پر لکھ دیتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائے گا۔

آیت نمبر ۳۶ تا نمبر ۳۷: فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ اے ہامان! حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آسمان والے خدا نے مجھے بھیجا ہے تو میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اے ہامان! میرے لئے ایک بہت بلند مکان بنوا دے کہ میں آسمان کے دروازوں تک پہنچ جاؤں پھر وہاں جا کر آسمان پر چڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو دیکھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان والا ہے تو میں اس بات میں ان کو جھوٹا خیال کرتا ہوں (ہامان نے نہ بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی تدبیر میں مشغول ہوا) فرعون کے لئے اس کے اعمال خبیثہ یونہی زینت دیئے گئے اور ان کی نگاہوں میں اچھے کر کے دکھائے گئے تھے اور وہ حق و ہدایت سے روک دیا گیا۔ یعنی شیطان نے اس کی برائیاں اس کو اچھی کر کے دکھائیں اور اس نے بہت ہی مکر کئے مگر اس کے سب مکر ہلاک و تباہ اور بے کار ہو گئے (اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا فرعون نے واقعی میں مکان عالیشان بنانے کو وزیر ہامان سے کہا تھا یا بطور تمسخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے انکار کے لئے ایسا کہا تھا۔ جب آسمان تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کا حال کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ صاحب تفسیر عباسی کا مذہب ثانی ہے یعنی وہ محل بنانے کا انکار کرتے ہیں) صاحب تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۹۲۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ فرعون کو یقین تھا کہ الٰہ العالمین ایک ہی ہے مگر قوم کو دھوکہ دینے کے لئے کوئی ایسا ذریعہ بناؤں جس سے میری خدائی چمکے اس بنا پر اس نے قوم کو بے وقوف بنانے کے لئے بلند محل تعمیر کیا۔ اور خزائن العرفان میں بھی ہے کہ ہامان نے اونچا محل تعمیر کروایا اور سب سے پہلے اسی نے مٹی کی پکی اینٹیں بنانا ایجاد کیں "واللہ اعلم" مومن آل فرعون کا وعظ جاری ہے۔

آیت نمبر ۳۸ تا نمبر ۴۴ اس شخص نے جو ایمان لایا تھا یعنی حزبیل نے کہا کہ اے میری قوم! میرا کہا مانو۔ دین میں میری اتباع کرو میں تم کو حق و ہدایت کا سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ اے قوم! زندگانی دنیا پر مت بھروسہ کرو۔ یہ فانی ہے۔ تھوڑے دنوں کا سامان ہے۔ جیسے رکابی، پیالہ وغیرہ آج ہے کل نہیں اور آخرت کا عیش جو جنت میں مسلمانوں کو ملے گا۔ حقیقت میں وہی ہمیشہ رہے گا کیونکہ اصل میں وہی دار القرار ہے کہ ہمیشہ رہے گا۔ کبھی نہ بدلے گا۔ نہ فنا ہوگا۔ لہٰذا تم ایمان لاؤ۔ کفر چھوڑو۔ اس لئے کہ جو دنیا میں برے کام کرے گا۔ شرک و کفر اختیار کرے گا۔ اس کو برا ہی بدلہ ملے گا۔ یعنی دوزخ اور جو مرد و عورت اچھے کام کرے گا خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اخلاص والا ہو تو وہ اچھا بدلہ پائیں گے۔ جنت میں داخل ہوں گے وہاں طرح طرح کے رزق دیئے جائیں گے۔ بے اندازہ بے حساب و بے زوال ہوں گے۔ وہ بے خوف ہوں گے۔ اے قوم! خیال تو کرو۔ میں تمہارا نفع چاہتا ہوں اور تم میرا نقصان۔ میں تم کو نجات اور توحید حق کی طرف بلاتا ہوں۔ یعنی ایمان کی طرف اور تم مجھ سے شرک کرنے کو کہتے ہو۔ دوزخ کی طرف بلاتے ہو کہ میں کفر کروں اور خدا کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کروں۔ جن کو میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ناچیز اور عاجز ہیں۔ وہ اس کی ذرہ بھر چیز میں بھی شریک نہیں۔ تم بتوں کی طرف بلاتے ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو غالب ہے۔ کافروں سے بدلہ لینے والا ہے۔ مسلمانوں کو بخشنے والا ہے۔ کافروں سے بدلہ لینے والا ہے۔ مسلمانوں کو بخشنے والا ہے۔ تم جس کی طرف بلاتے ہوں اس کو نہ دنیا میں کچھ قدرت حاصل ہے نہ آخرت میں کچھ اختیار ہے اور نہ اس میں بولنے کی طاقت۔ ہم سب کو موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور مشرک ظالم ضرور دوزخ میں جانے والے ہیں۔ وہ دنیا میں نہیں مانتے نہ مانیں عنقریب اس بات کا حال کھل جائے گا۔ جو میں کہتا ہوں کہ نافرمانوں کے لئے دوزخ کا عذاب ایسا ہوتا ہے اور میں جو کہتا ہوں اسے یاد کرو (عنقریب وہ وقت آنے والا ہے) اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سونپتا ہوں۔ اس پر میرا بھروسہ ہے۔ وہ سب مسلمانوں و کافروں کے حالات سے خوب واقف ہے۔ وہ سب کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

آیت نمبر ۴۵ تا نمبر ۴۶: جب اس مومن نے خدا سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بچالیا یعنی فرعون وغیرہ نے جب اُس کے قتل کا ارادہ کیا۔ تب ان کی مدد اللہ تعالیٰ نے کی اور ظالموں سے بچا کر محفوظ رکھا۔ اور آخر کار نہایت سخت عذاب سے فرعون اور اس کی قوم کو ہی آ گھیرا۔ یعنی سمندر میں ڈوب گئے (جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے)۔ ان کی روحیں صبح و شام قیامت تک دوزخ پر پیش کی جاتی ہیں۔ اور دوزخ ان کو دکھائی جاتی ہے اور دوزخ کی آگ کی لپیٹیں ان کو جھلساتی ہیں۔ جلاتی ہیں۔ یہ عذاب ان پر قیامت تک ہوتا رہے گا۔ جب قیامت قائم ہو گی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم کرے گا کہ آج فرعون کی قوم کو نہایت سخت عذاب میں نیچے کے طبقے میں داخل کرو۔

نوٹ: اس آیت سے قبر کا عذاب ثابت ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی تفصیل ہے کہ کافروں اور مسلمان گناہ گاروں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ پھر مسلمانوں کو ان کے پسماندگان کی دعا و ایصال وثواب کی برکت سے عذاب سے نجات ملتی ہے۔

اے مسلمانوں! ذرا سوچئے اور خیال کیجئے کہ فرعون جیسے ظالم جابر مشرک کلافر بادشاہ کے اور اس کی ظالم گمراہ کافر مشرک قوم کے سامنے مرد خدا یعنی مومن آل فرعون کا اپنے ایمان کا اظہار کرنا جو کافی مدت سے چھپائے ہوئے تھا اور بغیر خوف اور ڈر کے ان کو توحید حق کی دعوت دینا کوئی آسان کام نہ تھا اس وقت کے حالات کے مطابق جبکہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کا کوئی بھی مددگار نہ تھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بے دریغ ان کو تبلیغ کی اور سیدھے راستہ کی طرف بلایا لیکن اس کو فرعون اور اس کے ساتھیوں نے قتل کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت اور فضل سے بچا کر محفوظ رکھا اور فرعونی سب ڈبو دیئے گئے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

کیا آج ہے کوئی پاکستان میں جو مومن آل فرعون کا کردار ادا کرے

لیکن آج جبکہ اتنے سخت حالات خراب نہیں ہیں میں اپنے ملک پاکستان کی بات کرتا ہوں جب بھی آج کا فرعون اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا ہے یعنی ایسے حکم جاری کرتا ہے یا اسمبلیوں کے ذریعے قانون پاس کرا کر نافذ کرتا ہے۔ جو کہ اسلام کے بالکل مخالف ہیں مثال کے طور پر عورتوں کی آزادی کا قانون جسکو حقوق نسواں ایکٹ کا نام دیا گیا ہے جسکی تفصیل مفتی محمد منیب الرحمٰن چیرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان سربراہ تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان نے وقت کی ضرورت کے عین مطابق ''تحفظ خواتین بل'' کا تجزیہ کے عنوان سے بڑے محنت، تحقیق اور عرق ریزی سے پیش نظر مقالہ رقم فرمایا ہے جو کہ کونسل آف جرائد اہلسنّت پاکستان دفتر اسلامک میڈیا سنٹر A/27 شیخ ہندی سڑیٹ داتا دربار مارکیٹ نے مورخہ ۲ دسمبر ۲۰۰۶ء کو شائع کیا ہے اس کے مطالعہ سے ہمارے عوام و خاص کو مذکورہ بل کی حقیقی تفہیم کے حصول میں مدد ملے گی۔ اس سے ایک دو اقتباسات یہاں بیان کئے جاتے ہیں تا کہ قارئین کو اس ایکٹ کے متعلق کچھ آگاہی ہو سکے مفصل تفصیل مذکورہ رسالہ سے پڑھیں یہاں تحریر کرنے کی گنجائش نہیں۔

پہلی بات! اس رسالہ کے ص اسے نقل کی جاتی ہے۔ حدود آرڈیننس میں ترامیم، روح اسلام کے منافی اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہیں۔ اسلام، سماج کو عزت ووقار، تقدس وطہارت اور اعلیٰ معاشرت کی گارنٹی دیتا ہے جبکہ موجودہ ''حکومتی تحفظِ حقوق نسواں بل'' بدکاری، حرام کاری اور زنا کو فروغ دینے کا باعث بنے گا۔

اسلام عورتوں کے حقوق تو کیا وہ تو بچوں، جانوروں، راستوں اور ہر شے کے حقوق کا بھی محافظ ہے۔ مغرب زدہ طبقات آزادی کے نام پر فحاشی وعریانیت کا راستہ کھول رہے ہیں۔ وہ سیاسی مفاد کو چھوڑ کر آخرت کی فکر کریں۔ شرعی امور کو حکومت یا حزب اختلاف انا (ضد) کا مسئلہ نہ بنائیں۔ بلکہ انصاف و دیانت کے تقاضے پورے کریں۔ حکومت بچانے یا گرانے کے ایک سو ایک طریقے ہوتے ہیں۔ سیاسی زعماء اور حکمران طبقہ اپنی ضد میں دین کا چہرہ مسخ کرنے سے گریز کریں۔ بدکاری و حرام کاری کو تحفظ اسلام تو کیا کوئی بھی الہامی مذہب نہیں دیتا اور نہ کوئی ذی شعور اسے درست سمجھ سکتا ہے۔

حضرات یہ تو صرف ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ ایسے بہت سے قوانین مغربی حکومتوں کے کہنے پر بنائے گئے ہیں وہ کیوں؟ صرف اپنی

دنیاوی زندگی کو چمکانے کے لئے وزارتیں اور دولت حاصل کرنے کے لئے اور بعض آزاد پسند طبقہ جو مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے ایسے قوانین کی حمایت کرتے ہیں قانون اکثریت رائے سے پاس ہوتا ہے۔

لیکن افسوس کسی کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کسی کو آخرت کی فکر نہیں میرے خیال میں تو وہ صرف فرعونیوں کی طرح یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس دنیا میں رہنا ہے اسی میں عیش وعشرت کا سامان پیدا کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے دولت کو جمع کر رہے ہیں۔ کوئی بھی حق بات نہیں کہتا جو کوئی بیچارہ ڈرتے ڈرتے کوئی حق بات کہتا ہے اس کو متعصب۔ انتہا پسند اور ہٹ دھرم کے القاب سے پکارا جاتا ہے۔ پھر وہ بھی چپ کر جاتا ہے۔

میں ان حضرات سے پوچھتا ہوں جو اسمبلیوں کے ممبر بنے ہوتے ہیں کیا وہ مسلمان نہیں کیا اللہ تعالیٰ کا ذرہ بھر بھی ان کے دلوں میں خوف نہیں کیا کبھی بھی ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ آخر مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب کا سامنا ہونا ہے۔ ان کو صرف یہی معلوم ہے کہ مغربی حکومتوں اور اپنے سربراہ کو ناراض نہیں کرنا اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو کوئی پرواہ نہیں۔ کوئی بھی مومن آل فرعون کی طرح ظالموں کے سامنے حق بات نہیں کر سکتا۔

کون نہیں جانتا کہ پاکستان میں کتنی بے حیائی پھیل رہی ہے عورتیں بے پردہ بازاروں میں بغیر کسی شرم وحیا کے چہل پہل کر رہی ہیں وہ کون سی بے حیائی ہے جو اس ملک پاکستان میں نہیں ہو رہی ہے تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ یہاں بے حیائی کا دور دورہ ہو۔

پاکستان کا مطلب کیا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یہ مسلمانوں کا ملک ہے جسے بڑی بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا صرف اس لئے کہ اس میں اسلام کا قانون چلے اور مذہبی آزادی ہو جو خالصتاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی عین شریعت کے مطابق ہو۔ (مؤلف)

اب ایک عبارت ضیاء القرآن سے جو صاحب تذکرۃ الانبیاء نے ص ۵۲۲ پر بیان کی ہے وہ نقل کی جاتی ہے۔ پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں "صدہا سال پہلے فرعون نے جو چال چلی "فرعونی سیاست کے پیروکار" آج بھی حرف بحرف اس کی تقلید کر رہے ہیں جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ان کی دھاندلیوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان عقل کے اندھوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی خامیوں کی اصلاح کر لیں جور وستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ قانون کی فرمانروائی بحال کریں۔ الٹا وہ لٹھ لے کر ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کو فسادی اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں" (ضیاء القرآن)۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادات کہ مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں

نمبر ۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد (پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۱۱ سورہ مائدہ آیت نمبر ۲۸) کا ترجمہ اور تفسیر بیان کی جاتی ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ○

ترجمہ: "مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو (اپنا ولی) دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ سے کچھ علاقہ (تعلق) نہ رہے گا۔ مگر یہ کہ ان کا تمہیں کچھ خوف ہو (تو ظاہری طور پر مل سکتے ہو) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور (آخر کار سب کو) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھر جانا" (ترجمہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)۔

اس کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کی ہے مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں اور ان کو اپنا ذریعہ عزت سمجھیں اور مسلمانوں کو چھوڑ کر ان سے یاری کریں۔ جو ایسا کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرامت سے دور رہے گا۔ ہاں اگر جان یا مال بچانے کے لئے ظاہرداری کر

لیں تو معاف ہے۔ بشرطیکہ دل میں وہی عداوت ہو۔ ان کے ہمراہ کسی گناہ میں شریک نہ ہوں جیسے قتل یا زنا یا شراب خوری یا جھوٹی گواہی یا شرک۔ غرضیکہ اپنا کام نکال لے کوئی گناہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھاتا ہے اور اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔ اسی سے ڈرو اور سمجھو کہ تم کو عنقریب اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارشاد (پارہ ۴ رکوع نمبر ۱ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ○

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کا بھی کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر ہی بنا کر چھوڑیں گے" (کنز الایمان)۔

اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھی کافر چاہتے تھے کہ اسلام سے پھیر لیں۔ ان سے خطاب کیا کہ اے مسلمانوں! اگر تم کافروں کے دھوکے میں آ کر اور یہودی اہل کتاب وغیرہ کے پھندے میں پھنس کر ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کافر بنا لیں گے اور پھر تم کافر ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا تیسرا ارشاد (پارہ ۶ رکوع نمبر ۱۲ سورہ المائدہ آیت نمبر ۵۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○

ترجمہ: "اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنایا کرو۔ وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو کوئی تم سے ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا" (کنز الایمان)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں اے مسلمانوں! یہود نصاریٰ کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ اور اپنا خیر خواہ، مددگار اور معین نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور مددگار ہیں۔ ظاہر و باطن میں دل سے اور زبان سے ہر طرح سے آپس میں تمہاری دشمنی کے لئے ایک ہیں۔ جو ان کو دوست بنائے گا اور مددگار بنائے گا۔ وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مدد اٹھا لے گا۔ ان کی مدد پر چھوڑ دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم ہٹ دھرم لوگوں کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتا اکثر یہود و نصاریٰ ہمیشہ گمراہ رہیں گے۔ ان کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا چوتھا ارشاد (پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۱۰ سورہ البقرہ آیت نمبر ۸۵)

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ○

ترجمہ: "کیا کتاب کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حکموں سے انکار کرتے ہو۔ جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو ان کا بدلہ تو صرف یہی ہے کہ دنیا میں ان کی رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف لوٹائیں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں (کرداروں) سے بے خبر نہیں ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں۔ آدھی کتاب کو مانتے ہو اور آدھی کو جھوٹ سمجھتے ہو یا یہ کہ جو مسئلہ تمہارے دل کے موافق ہو۔ وہ مانتے ہو اور جو تمہارے نفس کے خلاف ہوتا ہے اسے نہیں مانتے۔ ایسے نامعقولوں کی سوا اس کے اور کیا سزا ہے کہ دنیا میں قتل ہوں، لڑکے بالے، باندی غلام بنیں۔ قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے غافل نہیں۔ سب جانتا ہے سب کی سزا دے گا۔

مؤلف نے مندرجہ بالا اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب قرآن مجید سے چار ارشادات عربی اور اُردو ترجمہ اور معتبر تفسیر کے ساتھ نقل کئے ہیں تاکہ ارباب حکومت، ارکان اسمبلیاں اور صاحب اختیار لوگ مشائخ حضرات، علماء دین اور کچھ عقل رکھنے والے حضرات ان کو پڑھ کر اور سمجھ کر ذرا

ٹھنڈے دل سے مخلصانہ فیصلہ کریں کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق عمل کر رہے ہیں یا کہ موجودہ دور کے فرعون اور نمرود امریکہ اور اس کے ساتھیوں کی مرضی کے مطابق عمل کر رہے ہیں ویسے تو اللہ تعالیٰ کے بے شمار ایسے ارشاداتِ قرآن پاک میں ہیں لیکن انہی چند پر ہی اکتفا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل پاکستان کے صاحبِ اقتدار حضرات کو اور عقل مند اور ایمان والے حضرات کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق وہدایت فرمائیں گے۔

آخر میں مذکورہ حقوق نسواں ایکٹ کے رسالہ میں جو گذارش کونسل آف جرائد اہل سنت پاکستان کے صدر نے کی اسکو یہاں ان کی طرف سے اور اپنی طرف سے بھی دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے۔ گذارش یہ ہے کہ علماء کرام، مشائخ عظام اور خطباء ذی احتشام اور سب ذی شعور عقل مند حضرات کی خدمت میں یہ گذارش بھی ہے کہ وہ اس تحریر کو خوب ذہن نشین فرمائیں اور پھر رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اپنے اپنے حصہ کا کردار ادا کریں کہ شریعت کی بالادستی اور اسلام کے وقار کے لئے ایسا کرنا ہماری دینی، ملی، قومی اور اخلاقی ذمہ داری ہے جبکہ اس سے مجرمانہ غفلت دارین میں خسران کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ وسبحانہ، اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے بہتر نتیجہ خیزی سے ثمر بار فرمائے۔ امین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ

احقر محمد نذیر مؤلف کتاب ہذا

مندرجہ بالا عبارت ضمناً بیان کی گئی کیونکہ مؤلف کی دلی جذبات نے ایسا لکھنے پر مجبور کیا اور اب اصل موضوع بیان کیا جاتا ہے۔

سامری کون تھا؟

سامری جس نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا تھا۔ جسکا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس کا نام بھی موسیٰ تھا۔ سامری کے نام ونسب اور جائے سکونت کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ راجح قول یہی ہے کہ اس کا نام موسیٰ اور اس کے باپ کا نام ظفر تھا اور بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ سامرہ سے تھا۔ اس قبیلہ کی مناسبت سے اس کی جائے سکونت کا نام بھی سامرا ہوا۔ اس لئے اس کو سامری کہتے ہیں یہ شخص خود اور اس کا سارا قبیلہ بلند اطراف وجوانب کے تمام لوگ گائے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ سامری اس زمانے میں پیدا ہوا جب کہ فرعون بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے عام بچوں کو ذبح کرا دیتا تھا جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اسے پہاڑ کے غار میں چھپا دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے اس طرح کے بچوں کی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مقرر فرمایا تھا۔ اس موسیٰ بن ظفر یعنی سامری کی تربیت بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی۔ اس کے غار میں آتے اور اس کے منہ میں اپنا ہاتھ دیتے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا (قرطبی تفسیر ج نمبر ۷ ص ۲۸۴)۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام خود اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دیتے تھے جس سے وہ دودھ اور شہد چوستا تھا صاحب روح المعانی نے اس ضمن میں دو شعر بھی نقل کئے ہیں اور ان کا اُردو مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اصل خلقت میں سعادت سے محروم ہو تو اس کی تربیت کرنیوالوں کے دماغ حیرت زدہ اور اس سے بہتری کی امید رکھنے والے خائب وخاسر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ موسیٰ جن کی پرورش حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے کی کافر ہوا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کی پرورش فرعون نے کی اللہ تعالیٰ کا رسول بنا۔ (روح المعانی پارہ ۱۶ ص ۲۷۷)

''سامری'' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بظاہر ایمان لایا مگر پکا منافق تھا۔ (تبیان)

سامری کا بیان تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۴۶۱ اور ۴۶۲ سے نقل کیا گیا ہے۔ جب سامری سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ سامری تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا۔ تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے۔ پھر اسے ڈال دیا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا۔ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۹۵ اور نمبر ۹۶)

علامہ قرطبی نے بھی لکھا ہے کہ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے قدموں کے نشان کی جگہ سے ایک مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے ڈھانچے میں ڈالی۔ (قرطبی جلد نمبر ۱۱ ص ۲۳۹)

بنی اسرائیل کی ناشکری

(پارہ ۹ سورہ اعراف آیت نمبر ۱۳۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا۔ تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے آسن مارے تھے۔ بولے اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! ہمیں ایک خدا بنا دے جیسے ان کے لئے اتنے خدا ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم ضرور جاہل لوگ ہو۔ یہ حال تو بربادی کا ہے۔ جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانے بھر میں فضیلت دی''۔

اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے دشمنوں (یعنی فرعونیوں کو ہلاک کر دیا۔ جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے۔ انہیں دریا سے سلامتی کے ساتھ پار گزار دیا۔ تو حق یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے لیکن ربّ تعالیٰ نے ان کی جہالت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ کتنے جاہل اور ناشکرے لوگ تھے کہ وہ بت پرستوں کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں بھی ایسا خدا بنا دو۔

"تلك الاصنام تماثيل بقر"

بنی اسرائیل نے جو بت دیکھے تھے وہ گائے کی شکل کے تھے (بت پرستی کی طرف ان کے میلان کو دیکھ کر ہی سامری نے انہیں بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم تو جاہل لوگ ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عبادت تو اعلیٰ درجے کی تعظیم کا نام ہے اور اعلیٰ درجے کی تعظیم اس ذات کی ہو سکتی ہے جس کے عظیم انعامات ہوں اور سب سے بڑے انعامات جسم کی تخلیق، زندگی عطا کرنا، خواہشات، قدرت عطا کرنا اور نفع مند اشیاء کا پیدا کرنا۔ ان اشیاء پر قادر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۵۴۳)

فرعون کا سمندر میں غرق ہوتے ہوئے ایمان کا اعلان اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے فرعون کے جسم کو بچانے کے اعلان کا بیان

(سورہ یونس کی آیات نمبر ۹۰ تا نمبر ۹۲ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے) ملاحظہ فرمائیں۔

فرعون وغیرہ نے جب ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) بنی اسرائیل کو سمندر یا دریائے نیل کے پار اتار کر لے گئے ان کا پیچھا کیا۔ وہ بھی غرور کا کلمہ کہہ کر اور عداوت سے ان کے قتل کا ارادہ کر کے دریا میں گھس گئے یہاں تک کہ جب وہ سب غرق ہونے لگے۔ اس وقت فرعون نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ سوائے اس ذات کے کوئی لائق عبادت نہیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی امت یعنی بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سب مسلمانوں کے ساتھ ہوں۔ ایمان لے آیا ہوں اور ان کے دین پر ہو گیا ہوں۔ ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعد نزول عذاب غرق اب تو مسلمان ہوتا ہے اور پہلے سے برابر نافرمانی کرتا رہا۔ اور کفر میں مبتلا رہا تو زمین مصر میں بڑے مفسدین سے تھا۔ لوگوں کو قتل کرتا تھا۔ شرک کرتا تھا اور دوسرے لوگوں سے شرک کراتا تھا۔ ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) آج تجھ کو تیرے بدن سمیت زمین مرتفع و بلند پر ڈال دیں گے یعنی تیری نعش دریا کے باہر ڈال دیں گے تاکہ سب تیری ذلت دیکھیں اور ان کے لئے جو تیرے بعد کافر آئیں گے ان کے لئے عبرت و نصیحت ہو کہ وہ تیری طرف کفر اور خدائی کا دعویٰ نہ کریں اور جانیں کہ تو خدا نہ تھا اور تحقیق بہت سے آدمی کافر ہیں، ہماری آیتوں سے، کتاب اور رسول سے غافل ہیں اور منکر ہیں تصدیق نہیں کرتے۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خود عذاب میں گرفتار ہونا چاہتے ہیں۔

میدان تیہ سے نجات اور بنی اسرائیل کی سرکشی اور عمالقہ سے جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کی روگردانی کا بیان

سورہ المائدہ کی آیات نمبر ۲۰ تا نمبر ۲۶ اور سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۵۷ تا نمبر ۵۹ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

المائدہ کی آیات نمبر ۲۰ تا نمبر ۲۶: اے محبوب! اس وقت کو یاد کرو جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو۔ اور اسکو نہ بھولو! دیکھو تم کو کیسی عزت دی۔ پہلے فرعون کے غلام بن گئے تھے اس کی غلامی سے تم کو چھڑایا۔ پھر تم میں بادشاہ بنائے پیغمبر بھیجے تم کو وہ نعمتیں دیں۔ جو تمام دنیا میں اس زمانے میں کسی کو نہ دی تھیں۔ میدان تیہ میں تم کو من و سلویٰ کھانے کو دیا وغیرہ وغیرہ اور یاد کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تم کو حکم دیا کہ کافروں کو مارو اور پاک زمین میں یعنی دمشق اور فلسطین میں داخل ہو۔ ان ملکوں کو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ ہے۔ الٹے پاؤں نہ بھاگنا دل کھول کر لڑنا ورنہ مغلوب ہو کر واپس آؤ گے من و سلویٰ سب جاتا رہے گا۔ انہوں نے کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں کے لوگ بڑے سخت کافر پہلوان اور زبردست ہیں۔ جب تک وہ وہاں ہیں ہم ہرگز وہاں نہیں جا سکتے۔ ہاں جب وہ وہاں سے چلے جائیں تو ہم جا سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سرکردہ آدمی وہاں قوم جبارین کا حال اور قوت دریافت کرنے کے لئے بھیجے۔ ان میں دس آدمی وہاں کے حالات دیکھ کر ڈر گئے۔ ان میں سے دو آدمی جو پکے اور سچے مسلمان تھے۔ ایک حضرت یوشع بن نون اور دوسرے کالب بن یوحنا علیہما السلام (بعد میں نبوت سے سرفراز کیے گئے) اور ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان اور انعام کیا تھا کہ شیطانی وسوسوں سے ان کو محفوظ رکھا تھا انہوں نے کہا تم بسم اللہ پڑھ کر

دروازے میں داخل ہو۔ جب ہی وہ تم کو دیکھیں گے حقانیت کی ہیبت ان پر چھا جائے گی اور وہ بھاگ جائیں گے تم غالب ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ اور توکل رکھو۔ سب مسلمان اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں لیکن بنی اسرائیل نے کہا بعض کہتے ہیں کہ "رجلان" سے وہ دو آدمی مراد ہیں جو جبارین میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ) اے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم تو وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں رہیں گے۔ ہم ادھر کا رخ بھی نہ کریں گے تم اور ہارون اور آپ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ جا کر ان سے لڑو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون پر غالب کیا تھا ان پر بھی غالب کرے گا۔ ہم یہاں منتظر رہیں گے۔ بیٹھے ہوئے راستہ دیکھیں گے۔ جب وہ نکل جائیں گے ہم چلے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ یا اللہ! مجھے اپنی جان اور بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا کسی کا اختیار نہیں۔ یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم میں فاسق لوگوں میں جدائی ڈال دے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ سرزمین ان کے لئے چالیس برس تک حرام کر دی گئی۔ دن رات چلتے رہے مگر کہیں نکلنے کی راہ نہ ملتی اس کا نام تیہ میدان ہے۔ کہ ان میں حیران پریشان پھرتے رہے۔ اب ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے یہ سزا تمہارے کہنے پر دی ہے تم ان پر رنج افسوس نہ کرنا۔

سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۵۷ تا نمبر ۵۹: جب تم تیہ (کے بیابان) میں گرفتار ہوئے۔ دھوپ کی شدت سے بے قرار ہو گئے تو ہم نے تمہارے سایہ کو بادل بھیجا۔ کھانے کو من وسلویٰ بھیجا کہ ہمارے ان غیبی کھانوں کو مزے سے کھاؤ۔ مگر جمع نہ کرو۔ ذخیرہ نہ کرو۔ ہم پر بھروسہ رکھو۔ ہم روز بار روز دیں گے۔ انہوں نے نہ مانا۔ چرانا شروع کر دیا۔ خود اپنا بگاڑا ہمارا کیا نقصان کیا۔ پھر وہ ان کو نہ ملا۔ بند ہو گیا۔

پھر ہم نے ان سے کہا تیہ سے اریحا گاؤں میں جاؤ۔ رہو سہو۔ جو چاہو کھاؤ۔ جب دروازہ میں گھوسو (داخل ہو) تو سجدہ کرو اور حطہ حطہ کہو یعنی اے اللہ ہمارے گناہ دور کر (معاف کر) یا یہ کلمہ پڑھتے جاؤ۔ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور تم میں اچھے اچھے مرد زاہد پیدا کریں گے۔ ان کم بختوں نے استغفار و توحید کی بجائے کہنا شروع کیا یا اللہ لال لال گیہوں دے مسخرا پن کرنے لگے۔ تب ہم نے اس سبب سے کہ وہ فاسق تھے۔ حکم نہ مانتے تھے ان پر سخت عذاب اتارا۔

بنی اسرائیل نے بے ہاتھ پاؤں ہلائے من وسلویٰ ملنے کی قدر نہ کی اور ترکاریاں، ساگ، ککڑی، لہسن، پیاز اور مسور کی دال جیسی خوراک کا مطالبہ کر دیا

سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۶۰ تا ۶۱ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

جب بیابان تیہ کے زمانے میں ہم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی مانگا ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ تمہارے پاس جو یہ پتھر بارہ پھل کا ہے اور ہر پھل کی صورت مثل پستان کی تھی۔ وہ اسی وقت کے لئے دیا ہے اس پر اپنی لکڑی مارو۔ ان کا لکڑی مارنا تھا کہ حکم الٰہی سے ہر پھل سے فوارہ آب شریں جاری ہوا۔ بارہ قبیلے تھے ہر ایک نے اپنے لئے گھاٹ مقرر کر لیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا من وسلویٰ کھاؤ۔ غیبی پانی پیو۔ قدرت کا کارخانہ دیکھو۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم کریں۔ اس کو مانو۔ خلاف نہ کرو۔ زمین میں فساد نہ کرو۔

نوٹ: حضرت یعقوب علیہ السلام جب اپنے اہل وعیال کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر تشریف لائے تھے اس وقت آپ علیہ السلام کے کنبہ کی تعداد اسی ۸۰ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل اتنی بڑھائی کہ فرعون سے نجات پانے اور دریائے نیل عبور کرتے وقت چھ لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کی تعداد تھی۔

جب بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے من وسلویٰ ملنے لگا اس کی قدر نہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم سے روز روز ایک قسم کی چیز نہیں کھائی جاتی۔ من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرو کہ زمین کی ترکاریاں ساگ، ککڑی، لہسن، پیاز اور مسور کی دال کھلائے تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ افسوس تم تو سخت بے وقوف ہو۔ کہ دنیا کی بے قدر چیزیں من وسلویٰ کے بدلے مول لیتے ہو۔ خیر اگر یہ چیزیں ایسی ہی تم کو پسند ہیں تو جاؤ شہر مصر میں جہاں سے آئے تھے یا یہ کہ کسی شہر میں جاؤ۔ وہاں یہ چیزیں ملیں گی۔ محنت اٹھاؤ اور کھاؤ۔ یہودیوں پر پھٹکار پڑ گئی ہمیشہ کے لئے

ذلیل ہو گئے۔ ہمیشہ جزیہ دیتے رہیں گے۔ فقیر ہی رہیں گے۔ اسی سبب سے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں نہیں مانتے۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں لاتے۔ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور لعنت ہے اور نیز اس لئے کہ وہ پیغمبر کے احکام کی نافرمانیاں کرتے تھے۔ نہ مانتے تھے حد سے بڑھ گئے تھے وہ گناہوں کو حلال سمجھتے تھے۔ (تفسیر ابن عباس)

گائے کے گوشت سے مقتول کو زندہ کرنے کا واقعہ

سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۶۷ تا نمبر ۷۳ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ آیت نمبر ۶۷ بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا اور قاتل ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کرتا تھا۔ کہ اس کا قاتل کون ہے تا کہ اس پر کوئی شبہ نہ کرے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اس سے قاتل معلوم ہو جائے گا اور ان لوگوں نے کہا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام! تم ہمارے ساتھ مسخرا پن کرتے ہو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں پیغمبر ہو کر جاہل ہو جاؤں اور آدمیوں کے ساتھ مسخرا پن کرنے لگوں۔ مسخرا پن تو میرے منصب کے خلاف ہے۔

آیت نمبر ۶۸: تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ وہ کون سی گائے ہے جس کے ذبح کا حکم ہم کو ہوا ہے چھوٹی بچھڑی یا بوڑھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ چھوٹی ہے نہ بڑی ادھیڑ ہو یعنی درمیانی عمر کی ہو ایک گائے ذبح کر لو۔ فضول گفتگو میں کیوں پڑتے ہو۔ حکم کی تعمیل کرو۔

آیت نمبر ۶۹: باوجود یکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منع فرمایا مگر انہوں نے نہ مانا اور تفصیلیں پوچھیں کہ اچھا اب اللہ تعالیٰ سے پوچھو کہ گائے کیسے رنگ کی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کے کھر اور سینگ سیاہ اور سارا بدن زرد رنگ کا صاف چمکتا دیکھنے والا اس کی خوش نمائی سے تعجب کرے۔ اس کو پسند کرے۔

آیت نمبر ۷۰: پھر پوچھا کہ اب یہ بتاؤ کہ وہ گائے کہاں ہے کھیتی باڑی میں بھی چلتی ہے یا نہیں اس گائے میں ہم کو شبہ پڑھ گیا۔ خدا چاہے گا تو ہم سمجھ لیں گے اور کہیں نہ کہیں تلاش کر لیں گے یا یہ کہ خدا چاہے تو ہمیں حال قاتل معلوم ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۷۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ گائے نہ کھیتی میں چلتی ہے نہ پانی دیتی ہے صاف ہے چکنی چکنی داغیلی نہیں۔ چتکبری نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ اب آپ علیہ السلام نے ٹھیک بات بتائی اب ہم کو معلوم ہو گیا۔ اتنی حجتوں کے بعد انہوں نے ذبح کیا مگر جی نہ چاہتا تھا یا نہ چاہتے تھے۔ کہ مقتول کے قاتل کا حال معلوم ہو۔

آیت نمبر ۷۲ تا نمبر ۷۳: پھر مقتول کا ذکر کیا کہ تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا اور تم اس کے قاتل میں اختلاف کرتے تھے قاتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کر دینا منظور تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے تم سے فرمایا کہ یہ جو گائے تم نے مول لی ہے اس کے ایک عضو کو مقتول کے بدن پر مارو۔ جب مارا وہ زندہ ہو گیا اور اپنا حال بیان کر دیا کہ مجھے فلاں شخص نے مارا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کو زندہ کیا اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گا۔ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ کہ تم سمجھو اور قیامت کا یقین کرو باوجود یکہ تم نے ''عامیل'' کا زندہ ہونا آنکھوں سے دیکھا مگر تم کو عبرت نہ آئی۔ (تفسیر ابن عباس)

گائے کی بھاری قیمت ادا کی

اس وقت عام طور پر گائے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ لیکن انہوں نے سوال کر کے اپنے لئے اتنی مشکل پیدا کر دی۔ تمام اوصاف کسی گائے میں بیک وقت پائے جانے دشوار نظر آئے۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے انہیں ایک بیوہ اور اس کے یتیم بچے کے پاس ایسی گائے نظر آئی جس میں بیان کردہ تمام اوصاف موجود تھے۔

کیونکہ اس یتیم کے بوڑھے نیک اور پرہیزگار باپ نے اپنی ایک بچھڑی کو جنگل میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی حافظت میں دے دیا تھا۔ کہ میرا بچہ کچھ بڑا اور سمجھ دار ہو کر اسے لے جائے گا۔ وہ بچہ بھی والدین کا فرمانبردار تھا اپنے باپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وہ اپنی گائے جنگل سے لے گیا تھا۔ اسی گائے میں تمام اوصاف تھے بنی اسرائیل کو اس کے چمڑے میں جتنی مقدار سونا آ سکتا تھا۔ اتنی مقدار میں سونا بطور قیمت ادا کرنا پڑا۔

سبحان اللہ! مالک الملک نے اپنے بندے کی گائے کی جنگل میں حفاظت فرمائی اور اس نیک بندے کی بیوہ اور اس کے یتیم بچے کو کثیر مقدار میں مال و دولت عطا فرمایا (تذکرۃ الانبیاء ص ۵۶۷) اور خزائن العرفان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جا کر اس بیوہ اور یتیم بچے کو بتائیں کہ اس گائے کی اتنی قیمت کا مطالبہ کرنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل ضرور اتنی قیمت ادا کریں گے۔

گائے کے ذبح کرنے میں حکمت

ایک وجہ تو یہی تھی کہ نیک آدمی کے یتیم بچے اور اس کی بیوہ کو کثیر مال عطا کرنا تھا۔ اور بنی اسرائیل کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ سوال کرتے ہیں اس طرح وہ گائے کہیں اور سے نہ مل سکی دوسری وجہ یہ ہے کہ گائے کی قربانی کا طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا اور وہ لوگ گائے کی قربانی کو عظیم سمجھتے تھے اس لئے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ ان کے ذہن اسے قبول کر لیں کہ گائے کی قربانی میں یہ اثر ہو گا مقتول کو زندہ کرنے کا۔ یہ عجیب انداز بیان کر کے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے مردوں کو زندہ کرتا ہے نیز یہ کام ان کے اپنے ہاتھوں سے کرایا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وہ جادوگردی کا الزام عائد نہ کریں۔

بنی اسرائیل اگرچہ گائے کی بھاری قیمت ادا کرنے پر بخوشی رضامند نہیں تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر ہمارا مقتول زندہ ہو گیا تو ہمارا اپنا ہی عیب ظاہر ہو گا۔ لیکن انہیں پھر بھی گائے ذبح کرنی پڑی کیونکہ ان کے پاس اب کوئی عذر نہیں رہ گیا تھا۔ اگرچہ وہ ذبح کرنا نہیں جانتے تھے۔ (از تفسیر کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۵۶۸)۔

ابن حبان رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن اسحاق اور ابن لہیعہ نے ابی الہیثم اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ یا رب (عزوجل) تو نے اس وقت کے دنیا میں اپنے نیک ترین بندے کے لئے کیا انعام رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول کر ان سے فرمایا تھا کہ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حسب وعدہ اس انعام و اکرام کا شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ کافروں کے لئے تو نے کون سی جگہ مقرر فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سامنے دوزخ کا سب سے زیادہ آتش فشاں منظر کر دیا تھا۔

ابن حبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہ، سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس کے ذکر میں کون سا ذکر سب سے اچھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا الہ الا اللہ (عزوجل) اور مزید یہ بھی فرمایا کہ اس سے بہتر ذکر الٰہی میں کوئی ذکر نہیں اور سبع سماوات میں اور زمین کے ہر طبقے میں مخلوق خداوندی جو جہاں ہے یہی ذکر کرتی ہے۔ حدیث بطاقہ سے بھی اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنن میں (ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے) پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر معروف و افضل وہ دعا ہے جو میں کرتا ہوں۔ اور مجھ سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام کرتے رہے ہیں وہ دعا یہ ہے۔

لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر ۝

ان احادیث کے علاوہ متعدد دیگر احادیث قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں اکثر مفسرین و مؤرخین نے بطور سند پیش کی ہیں۔ (البدایہ و النہایہ جلد اول ص ۲۲۱) (اُردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں قارون کا بیان

پ ۲۰ سورہ القصص آیات نمبر ۷۶ تا ۸۲ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۷۶ تا نمبر ۷۸: بے شک قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ وہ باغی ہو گیا۔ اس نے سرکشی کی۔ شرارت کرنے لگا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کرنے لگا۔ وہ آپ علیہما السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری اور ہارون علیہ السلام کو جبورۃ یعنی ریاست واہتمام ملا۔ لیکن میں کچھ نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں جھگڑا شروع کیا اور ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیوں کو اٹھانے کی ایک جماعت میں طاقت نہ تھی۔ جو قوی و پہلوان ہوتے تھے۔ یعنی چالیس پہلوان بہت مشکل اٹھا پاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوگوں نے اس سے کہا۔ کہ اے قارون! دنیا کے مال و متال شرک پر غرور و گھمنڈ نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے قارون! اللہ تعالیٰ نے جو تجھے مال و متال دولت دی ہے اس کے ذریعے سے آخرت یعنی جنت اور اپنا حصہ آخرت کا تلاش کر۔ دنیا کا حصہ لے کر نہ بھول جا۔ یا یہ مطلب ہو کہ تو آخرت لے لے تو تیری دنیا بھی بنی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے دولت بڑھے گی۔ کم نہیں ہوگی اور تو جیسا کہ تیرے اوپر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے۔ فقیر و غریب لوگوں پر احسان کر اور زمین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فساد نہ پھیلا۔ گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں اور نافرمانوں کو پسند نہیں فرماتا۔ قارون بولا کہ مال جو مجھے ملا ہے تو دانش و علم کے سبب سے ملا ہے جو میرے پاس ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس کا لائق اور سب سے فائق دیکھ کر دیا ہے۔ یا یہ کہ میں نے اسے عقل سے پیدا کیا ہے یعنی بذریعہ علم کیمیا۔ کیا قارون نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے صد ہا قومیں ہلاک کردیں۔ جو مال و دولت اور قوت پہلوانی میں اور لشکر و جماعت میں اس سے بہت زیادہ قوی اور تعداد میں اس کی جماعت سے زیادہ تھیں۔ قیامت میں مجرموں، کافروں کے دریافت حال کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ان کی بری صورت سے ان کے بُرے نشان سے خود ظاہر ہو جائے گا کہ یہ مجرم ہیں ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

آیت نمبر ۷۹ تا نمبر ۸۳: قارون اپنے کنبے قبیلے کے سامنے اپنے ساز و سامان میں بن ٹھن کر نکلا، گھوڑے، خچر، غلام، باندیاں، سونے چاندی کا اسباب، عجیب عجیب طرح کے ہتھیار عمدہ لے کر نکلا۔ تب دنیا کے طالبوں نے کہا کہ کاش! ہمیں بھی قارون جیسا مال و متال ملتا۔ وہ بڑے مرتبہ اور نصیب والا ہے۔ لیکن علم و زاہد و توکل والوں نے کہا جو دنیا سے بیزار عقبیٰ کے طالب تھے کہ افسوس ہے تم پر اللہ تعالیٰ تم پر دنیا کو تنگ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ثواب جنت میں مسلمانوں کے لئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور اعمال صالحہ اخلاص سے کرتے ہیں۔ دنیا سے کہیں افضل و بہتر ہے۔ جنت نہ ملے گی مگر ان کو جو اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں یا یہ کہ کلمہ کی توفیق نہ ملے گی اور اچھی باتوں کا ذکر کرنا اور بری باتوں سے لوگوں کو منع کرنا کا رتبہ نہ حاصل ہوگا۔ مگر صابروں کو اور ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ) قارون اور اس کے گھر بار، مکانات، خزانے وغیرہ کو زمین میں دھنسا دیا۔ زمین میں غائب کردیا۔ اس کے لئے اس کے گروہ، مال و متال اور جماعت کام نہ آئی۔ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جب نازل ہوا تھا۔ اس کو بچاتے اور نہ وہ خود اپنی حفاظت کرسکا۔ جو کل اس کا مرتبہ مال و دولت، قدر و منزلت اپنے لئے مانگتے تھے کہنے لگے افسوس قارون جو کہتا تھا کہ میں نے بذریعہ علم پیدا کیا ہے سو وہ کاذب (جھوٹا) تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مالک ہے جس کو اپنے بندوں میں سے جس قدر چاہتا ہے مال کشادہ دیتا ہی اور جس کو چاہتا ہے تنگ روزی کرتا ہے۔ بہت سا مال دنیا اکثر اللہ تعالیٰ کا امتحان ہوتا ہے اور تنگ دستی مہلت ہوتی ہے اگر ہم کو بھی ایسا مال ملتا اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہم پر نہ ہوتا کہ اس نے ہم سے اتنا مال روک رکھا تو ہم بھی قارون کی طرح زمین میں دھنس جاتے۔ تحقیق کافر فلاح و ظفر و نجات نہیں پاتے اور آخرت کا گھر یعنی آخرت میں جنت ہم انہیں کو دیں گے جو دنیا میں تکبر و غرور نہیں کرتے۔ فساد نہیں پھیلاتے، بدکار فاسق و فاجر نہیں ہوتے اور انجام میں جنت انہیں کو ملے گی جو کفر و شرک و فواحش، غلو اور فساد سے بچتے ہیں۔

قارون کے متعلق تفسیر الحسنات کے حوالے سے کچھ واقعات کا بیان

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا یصہر کا بیٹا تھا۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ یہ بنی اسرائیل سے تھا لیکن رشتہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

ابن عباس، ابن جریج، قتادہ اور ابراہیم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمران کے بیٹے اور قارون یصہر کا بیٹا اور عمران اور یصہر بیٹے قاہث بن لاوی بن سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام۔

لیکن البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۰۴ پر اس طرح آپ علیہ السلام کا شجرہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قاہث بن عازر بن لادی بن سیّدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اسی کتاب کے ص ۲۰۶ کے حاشیہ پر قرطبی کے حوالے یہ تحریر ہے اور قرطبی نے ثعلبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام لوخابنت ھائذ بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام اور مجمع البیان میں عطا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خالہ کا بیٹا تھا۔ اور یہی ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا اور یہ اس قول سے ظاہر جو کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمران کے بیٹے اور عمران یصہر کے اور یصہر قاہث کے بیٹے تھے اور قارون ابن یصہر ہے اور یصہر ابن قاہث ہے ''واللہ اعلم''۔

قارون نہایت حسین وجمیل آدمی تھا حسن و جمال کی وجہ سے اسے منور کہا جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل میں توریت کا سب سے بہتر قاری تھا۔ زمانہ افلاس میں نہایت متواضع اور بااخلاق آدمی تھا۔ دولت مند ہوتے ہی مزاج بدل گیا اور سامری کی طرح منافق ہو گیا ایک روایت ہے کہ یہ بحکم فرعون بنی اسرائیل پر حاکم ہو گیا تھا۔ تو اس نے بغاوت کی قوم پر اور اللہ تعالیٰ نے اسے اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جماعت کی تعداد میں اختلاف ہے بعض دس بعض پندرہ بعض چالیس طاقتور پہلوان بیان کرتے ہیں اور بعض نے ساٹھ طاقت ور خچر اور بعض نے ستر طاقت ور خچروں کی تعداد بیان کی ہے ''واللہ اعلم''۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریائے نیل پار پہنچ گئے اور رسالت آپ علیہ السلام کو مل گئی اور حبورۃ حضرت ہارون علیہ السلام کو مل گیا جہاں قربانیاں لائی جاتیں تھیں اور آپ علیہ السلام ان میں سردار مقرر ہو گئے اور جہاں قربانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے آتی تھیں وہ آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے نامزد کر دیں تو قارون کو دل میں احساس ہوا اور آپ علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔ اور کہنے لگا میں تو کچھ بھی نہ رہا کہاں تک صبر کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے قارون بولا۔ خدا کی قسم میں آپ علیہ السلام کی تصدیق نہ کروں گا جب تک کوئی نشانی نہ دکھائیں۔

آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے رؤساء کو حکم دیا کہ سب ایک ایک لاٹھی لاکر قبہ میں رکھ دیں جہاں وحی آتی ہے چنانچہ سب نے لاٹھیاں رکھ دیں اور ساری رات ان کی نگرانی کی جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا سرسبز تھا۔ اور اس میں ہرے پتے نکلے ہوئے تھے وہ عصا بادام کے درخت سے تھا یہ دیکھ کر قارون بولا کہ یہ سب کچھ آپ علیہ السلام کے جادو سے ہوا ہے تو اس نے آپ علیہ السلام سے بغاوت کر دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بہت خزانے عطا کئے۔

اور عطا سے روایت ہے کہ قارون کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خزانوں میں سے ایک خزانہ پر فتحیاب کیا جسکی بہت زیادہ کنجیاں تھیں جب اس کی قوم نے اسکو کہا کہ اتنا تکبر نہ کر اللہ تعالیٰ تکبر والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا اس میں سے اسی کی راہ میں کچھ خرچ کر اور آخرت کو سنوار لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور تو اس کے بندوں پر احسان کر تو وہ بولا تو جو مجھے ملا ہے وہ میرے اس مخصوص علم کے ذریعے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔ اس میں معاذ اللہ، اللہ عزوجل کا کیا احسان ہے۔

علم سے مراد اول یہ ہے علم توریت کہ وہ بنی اسرائیل میں سب زیادہ توریت کا عالم تھا۔ ابوسلیمان درانی کہتے ہیں وہ تجارت کا علم اور کسب مال کا فن جانتا تھا اور ابن مسیب کہتے ہیں اس سے مراد علم کیمیا ہے۔

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس فن سے واقف تھے تو آپ علیہ السلام نے ایک تہائی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو اور تہائی حضرت کالب بن یوحنا علیہ السلام اور تہائی قارون کو بتایا۔ پھر قارون نے چالاکی سے ان کو دھوکہ دیا اور ان دونوں سے اس علم کو حاصل کر کے کامل کر لیا تو وہ رانگ اور تانبہ سے سونا بنا تا تھا۔

ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ علم اللہ تعالیٰ نے دیا اور آپ علیہ السلام نے اپنی بہن مریم کو بتایا اور اس نے قارون کو بتا دیا ایک قول ہے کہ دفینوں کے معلوم کرنے کا علم۔ بہر حال اسے دولت کمانے کا علم حاصل تھا۔

فن کیمیا کے متعلق تو مولانا روم مثنوی میں جو فیصلہ فرما گئے ہیں وہی حق ہے۔

کیمیا و ریمیا و سیمیا۔ این نہ داند جز بذات اولیاء

چنانچہ مجمع البیان میں کلبی سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ فن کسی کو معلوم نہیں صرف باتیں ہی باتیں ہیں اور علامہ زجاج کہتے ہیں اس کا مدعی سچا نہیں اس لئے کہ یہ علم باطل ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں ممکن ہے یہ فن از قبیل معجزہ ہوا اور کیمیا کا لفظ یونانی ہے اس کے معنی حیلہ کے ہیں یا عبرانی ہے اس کی اصل کیم یہ ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے مل جائے مل جائے۔

یا فارسی لفظ ہے اس کی اصل کے میا یعنی کب آتا ہے بر سبیل استبعا کہا جاتا ہے اس بحث کو علامہ آلوسی نے آٹھ صفحوں پر تقریباً بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ علم وہ ہے۔ جس کے تجسس میں حریص بیوقوف لوگ لگے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جہاں اس خبط میں حریص مبتلا ہیں اس فن کے ائمہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں چنانچہ ہرمس، سقراط، افلاطون، اغاریمون، فیثاغورث، ہرقل، فرفوریوس، ماریہ، ذوسیموسی، اوس، ذومقراط، سفیدوس، بلیناس، مہرارلیس، جابر بن حیان، بحر یطی، ابوبکر بن وحشیمہ، محمد بن زکریا رازی وغیرہ سب نے اس خبط سے اعراض کیا ہے اور تحقیق کے بعد بتایا ہے کہ سونا اپنی کان میں ایک ہزار اسی برس کے بعد دورہ شمس کبریٰ ختم کر کے سونے کا رنگ لاتا ہے۔ لہٰذا مہوسین مخبوطین کو اس سے سبق عبرت حاصل کرنا چاہئے اور اس کے تجسس میں اپنا وقت اور مال ضائع نہ کرنا چاہئے" واللہ اعلم"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد قارون کا دعویٰ علم پر

اس کے دعویٰ علم پر ارشاد ہوتا ہے (سورہ القصص کی آیت نمبر ۷۸) کہ جب تو جانتا ہے تو کیا تجھے معلوم نہیں کہ منکر جماعتیں تجھ سے پہلی ایسی ایسی ہم ہلاک کر چکے ہیں جو تجھ سے قوت اور جمعیت میں زیادہ تھیں اور سزا دیتے وقت مجرم ان کے گناہوں کے متعلق نہ پوچھیں جائیں گے کہ تم نے یہ جرم کیا یا نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے اور سوال بفرض استعلام جو ہوتا ہے اس کی یہاں حاجت نہیں یا ملائکہ ان کے اعمال نہ پوچھیں گے حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس لئے کہ ملائکہ کو ان کے صحائف کا علم ہوگا وہ ان کی پیشانیوں سے انہیں جان لیں گے مجرم پیشانیوں سے پکڑے جائیں گے اور پیروں کے بال (سورہ الرحمٰن آیت نمبر ۴۱) یہاں سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منبیان علم کو سب علم ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو کتنا علم ہوگا اور جب نبیوں کو علم ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو محبوب ﷺ کو کتنا وسیع علم ہوگا۔ اس سے آگے قارون کے بن ٹھن کر نکلنے کا بیان جو اس سے قبل بیان ہو چکا ہے دوبارہ اس کی ضرورت نہ ہے۔ اور جیسا کہ قبل اس کے بیان ہو چکا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حسد کرنے لگا اور باغی ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعلان بنی اسرائیل اور قارون سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کہا تو انہوں نے کیا کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سے زکوٰۃ لوں۔ تو قارون نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور بنی اسرائیل سے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب چاہتے ہیں کہ تمہارا مال بھی کھا جائیں تم ان کے حکم کی تعمیل میں نماز کی طرف آ گئے اب تمہاری چیزیں بھی لینا چاہتے ہیں تو کیا تم اس بوجھ کو اٹھا سکو گے اگر اٹھا سکتے ہو تو بھگتو اور جو وہ مانگیں انہیں دو اپنے مالوں سے۔ سب نے کہا ہم سے تو اس کا بوجھ نہ اٹھا جا سکے گا اور اب بتا کیا کریں؟

قارون بولا میرا خیال ہے کسی زانیہ عورت کو بلایا جائے اور اس سے کہا جائے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت زنا لگائے۔ چنانچہ وہ عورت لائی گئی اور اسے کہا گیا اس کام کے لئے جو تو چاہے گی وہ تجھ کو ملے گا۔ اس نے دولت کے لالچ میں اقرار کر لیا۔ پھر قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا میں بنی اسرائیل کو جمع کرتا ہوں تو آپ علیہ السلام انہیں بتائیں جو آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا اچھا۔ غرضیکہ قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور آپ علیہ السلام سے کہا جو آپ علیہ السلام کے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ انہیں بتائیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے حکم ملا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کی ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم صلہ رحمی کرو اور ایسا ایسا حکم ملا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور مجھے زانی کے متعلق حکم ملا ہے کہ جب وہ زنا کرے اور بیوی والا ہو تو سنگسار کیا جائے۔

اس پر قارون بولا حضور اگر چہ آپ علیہ السلام ہی ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر چہ میں ہی کیوں نہ ہوں تو اس پر قارون بولا تو بے شک آپ علیہ السلام نے زنا کیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حیرت سے فرمایا میں نے !!! تو قارونی جماعت کے لوگ اس عورت کو لائے اور کہنے لگے تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا شہادت دی ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عورت کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں سچ سچ بیان کر۔

عورت بولی حضور آئی تو تھی الزام ہی لگانے لیکن جب آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے دی ہے تو صحیح یہ ہے کہ انہوں نے مجھے بلا کر بہت کچھ مال کا لالچ دیا تھا اس بات پر کہ میں آپ علیہ السلام پر الزام تہمت زنا لگاؤں اور اب میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ علیہ السلام اس فعل سے بری ہیں اور بے شک آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

جب وہ عورت ان کی مرضی کے خلاف بیان دے چکی اور آپ علیہ السلام کو بری کر چکی اور آپ علیہ السلام کی تصدیق رسالت کر چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیوں رو رہے ہو ہم نے زمین پر تمہیں مسلط کیا تم حکم کرو وہ تمہاری اطاعت کرے گی۔ تو آپ علیہ السلام نے سر اٹھا کر فرمایا۔ اے زمین پکڑ لے انہیں (یعنی قارون اور اس کے ساتھیوں کو) تو زمین نے انہیں ان کی ایڑھیوں تک دھنسا دیا۔ تو انہوں نے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کہہ کر پکارنا شروع کیا مگر آپ علیہ السلام برابر یہی فرماتے رہے پکڑ انہیں۔ حتیٰ کہ کمر تک دھنسے اور وہ برابر یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پکارتے رہے حتیٰ کہ زمین میں غائب ہو گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر مسلط کیا اور فرمایا کہ میں نے زمین کو آپ علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دیا ہے آپ علیہ السلام جو حکم کریں گے وہ اطاعت کرے گی۔ تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے قارون کے لئے ویسے ہی مبعوث کیا ہے جیسا فرعون اور ہامان کے لئے۔ لہٰذا جو ان کی اطاعت کرے وہ اس کے ساتھ رہے اور جو میرا مطیع ہو وہ میری طرف آ جائے چنانچہ دو آدمیوں کے بغیر سب آپ علیہ السلام کی طرف آ گئے پھر آپ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا انہیں پکڑ لے تو زمین نے انہیں پکڑا حتیٰ کہ زمین میں غائب ہو گئے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ وہ قیامت تک ایسا ہی دھنستا رہے گا۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ بنی اسرائیل کہیں یہ نہ کہیں کہ اس کے مکان اور خزانے لینے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا تو آپ علیہ السلام نے اس کے مکان اور خزانے بھی زمین میں دھنسنے کی دعا فرمائی وہ بھی دھنس گئے اور فتنہ قارونی دفع ہو گیا اور صبح جن لوگوں نے اس کے مرتبہ کی آرزو کی تھی کل شام کو بولے عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے اسے کشادہ فرماتا ہے جس کے لئے چاہے اپنے بندوں میں اور تنگی کرتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اگر ہم پر اللہ تعالیٰ احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ عجیب شان ہے اور کافر کبھی فلاح نہ پائیں گے۔ گویا قارون کا حشر دیکھ کر نادم ہوئے جو صبح اس جیسا مالدار ہونے کی آرزو رکھتے تھے شام کو نادم ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی دھنس جاتے عجیب شان ہے اللہ تعالیٰ کی بے شک وہ کافروں کو فلاح و ظفر نہیں دیتا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے اور اس کے رسولوں کو جھٹلائے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا (تفسیر الحسنات کا بیان ختم ہوا' جلد چہارم کے ص ۱۰۲۹ تا ص ۱۰۴۴ سے اخذ کیا گیا)۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام بنی اسرائیل نے لگائے ان سے آپ علیہ السلام کو بری کر دیا

اللہ تعالیٰ نے پ ۲۲ سورہ احزاب آیت نمبر ۶۹ میں ارشاد فرمایا۔

ترجمہ آیت: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں (الزاموں) سے بری فرما دیا جو لوگوں نے ان کے متعلق کہی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے عزت و آبرو والے ہیں (کنز الایمان)۔

حضور نبی کریم ﷺ کے مال کی تقسیم پر جب ایک شخص نے اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا لیکن آپ علیہ السلام نے صبر کیا۔ (بخاری و جلالین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک واقعہ تو ابھی بیان کیا گیا جس میں آپ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگانے کی ناپاک جسارت کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بری کر دیا۔

دوسرا واقعہ جو مسند احمد، بخاری، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء فرماتے تھے آپ علیہ السلام اپنے جسم کو اس طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے کہ آپ علیہ السلام کے جسم کی جلد کو کوئی شخص نہ دیکھے یہ اہتمام آپ علیہ السلام حیاء کی وجہ سے کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں سے آپ علیہ السلام کو بعض نے ذہنی اذیت (تکلیف) پہنچائی۔ وہ کہنے لگے کہ آپ علیہ السلام اپنے جسم کو کسی عیب کی وجہ سے ڈھانپتے ہیں تو آپ علیہ السلام کو برص کی مرض ہے یا ادرۃ (خصیتین میں ہوا بھری ہونا) کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جب ہی آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ مل کر ننگا ہو کر نہیں نہاتے۔ وہ سب لوگ مل کر ننگے نہاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کو ان کے لگائے ہوئے عیب سے بری فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن سب لوگوں سے علیحدہ ہو کر نہانے لگے۔ اپنے کپڑے پتھر پر رکھے۔ غسل کیا غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کے لئے پتھر کی طرف ہوئے تو پتھر آگے بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ علیہ السلام پتھر کے پیچھے پیچھے (ثوبی حجر۔ ثوبی حجر) اے پتھر میرے کپڑے میرے کپڑے کہہ رہے ہیں۔ لیکن پتھر وہاں جا کر رکا جہاں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے لوگ محفل سجا کر بیٹھے تھے۔ انہوں نے جب آپ علیہ السلام کو ننگے دیکھا تو انہیں علم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بہت حسین ہیں آپ علیہ السلام میں کوئی عیب نہیں۔ انہوں نے جو عیب لگائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے بری فرما دیا۔ اب پتھر چونکہ رک چکا تھا آپ علیہ السلام نے کپڑے پہنے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارا۔

(بحوالہ تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۵۷۵ روح المعانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے (تفسیر صاوی)۔

تیسرا واقعہ:

یہ تھا کہ بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کا الزام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لگایا۔ ابن منبہ، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ رضی اللہ عنہم نے اور حاکم نے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پہاڑ پر گئے تو وہاں ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ ہمیں آپ علیہ السلام سے زیادہ محبوب تھے اور وہ نرم مزاج تھے۔ ان کے اس بیہودہ کلام سے بھی آپ علیہ السلام کو بہت تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا حضرت ہارون علیہ السلام کی لاش کو اٹھا کر دفن کرنے کا لہٰذا انہوں نے آپ علیہ السلام کی لاش کو اٹھایا اور وہاں سے گزرے جہاں بنی اسرائیل کی محافل قائم تھیں اور فرشتے حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس الزام سے بری فرمایا اور فرشتے ہی ہارون علیہ السلام کی لاش کو لے گئے اور انہوں نے ہی دفن کیا۔ (روح المعانی بحوالہ تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۵۷۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل ہی نے جادوگر اور مجنون کہہ کر ستایا اور یہ کہہ کر پریشان کیا۔

(پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۲۴) ترجمہ: تم اور تمہارا خدا جا کر لڑائی کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اور یہ کہہ کر آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی اور یہ کہا

ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے اور ہم ہرگز تم پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر دیکھ لیں۔

ان تمام تکالیف واقوال سے آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور آپ علیہ السلام کے دل کو تسلی دی (وکان عند الله وجیها) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں وجیہ تھے۔

وجیہ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں یعنی مرتبہ والے قدر و منزلت میں۔ بلند مقام رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے مقبول۔ مستجاب الدعوات (آپ علیہ السلام کی ہر دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا سوائے ایک کے جس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی دعا تھی) اور یہ معنی بھی لیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام براہ راست کلام کیا۔ حضرت مولانا شاہ احمد خان رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ان تمام معانی کو شامل ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں آبرو (عزت) والے تھے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر اروم سے ارض مقدس جانے کی کوشش کی لیکن انہیں راہ نہیں ملی۔ اس کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کا ایک سو تیئس ۱۲۳ برس کی عمر میں یوم خروج کے چالیسویں برس میں انتقال ہوا۔ بنی اسرائیل کو ان کے انتقال سے سخت صدمہ ہوا کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان پر کمال عنایت کرتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے آپ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ علیہ السلام کے بیٹے عیزار قائم مقام ہوئے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۸)

آپ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین برس بڑے تھے اور آپ علیہ السلام کی پیدائش اس سال ہوئی جس سال فرعون نے بچوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ پہلے چند سال سب بچوں کو قتل کرنے کا حکم تھا پھر اس کی قوم کے کہنے پر ایک سال بچے قتل کیے جاتے اور ایک سال بچے قتل نہ کیے جاتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال میں پیدا ہوئے جب بچے قتل کرنے کا سال تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ''میں نے تم کو اردن سے فرات تک کا مالک کر دیا ہے جیسا کہ تمہارے آباؤ اجداد سے وعدہ کیا تھا''۔ اس نے پھر کسی مصلحت کی وجہ سے بنی اسرائیل کو عیصو (حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھائی) کی لڑائی سے منع کر دیا اور ان کی شریعت واحکام اور وصایا کی تکمیل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا۔ یوم وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام (جن کو بعد میں نبوت ملی) سے یہ عہد لیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ ارض مقدس جائیں۔ وہیں مقیم ہوں۔ اور اس شریعت پر جو کہ ان پر فرض کی گئی ہے۔ عمل کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تکفین کے بعد سرزمین موآب کی وادی میں دفن کر دیئے گئے ان کی قبر کو آج کوئی نہیں جانتا۔

طبری لکھتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی وہ عہد فریدون میں بیس برس اور زمانہ حکومت منوچہر (دونوں فارس کے حکمران) میں ایک سو برس رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام اریحا کی طرف بڑھے اور قوم جبارین کو شکست دی۔ اس وقت بلعام بن باعور جباریوں کے ساتھ تھا۔ اس نے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بددعا کی مگر وہ قبول نہیں ہوئی۔ الٹی قوم جبارین پر لوٹا دی گئی۔ سدی لکھتا ہے کہ بلعام بن باعور بلقاء کا رہنے والا تھا۔ اور اسم اعظم جانتا تھا (بہت عابد تھا اور مجیب الدعوۃ تھا) جب کنعانیوں نے اس دعا کی خواہش کی تو پہلے تو اس نے انکار کیا۔ مگر جب کنعانیوں نے بہت زیادہ اصرار کیا اور کثیر دولت کا لالچ دیا تو اس نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ اس نے پھر بنی اسرائیل کے لئے جبل حسان پر چڑھ کر بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بددعا لوٹا دی۔ توریت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بلعام بن باعور زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تھا اور انہی کے دور میں مارا گیا (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۹) اسی کتاب کے ص ۸۴ پر اس کا شجرہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ بلعام بن باعور بن رسیوم بن برسیم بن ھوآئی بن سیدنا حضرت لوط علیہ السلام ابن هاران بن تارخ (یعنی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی)، مشہور زاہد تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی کے لئے بددعا سے کافر ہو گیا اور بزرگانِ دین نے بیان کیا ہے کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العتیق کا ذکر

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے داؤد بن ابی ہند نے ابوالعالیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزر رہے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے راوی سے پوچھا کہ وادی ازرق کون سی ہے اور کہاں؟ تو اس نے پھر صرف وادی ازرق ہی بتایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ اور انہوں نے بیان کیا تھا کہ وہ بھی کبھی حج العتیق کے لئے اسی وادی سے گزرے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت العتیق کے قریب پہنچ چکے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ثنیہ ہرشاء میں تھے روای سے پوچھا گیا کہ ثنیہ ہرشاء کیا اور کہاں ہے تو اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو بھی دیکھا تھا وہ اس وقت سرخ اونٹ پر سوار تھے۔ آپ علیہ السلام کا جبہ اونی تھا جو خطام کا بنا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اسراء کہلاتی ہے۔ اور اس میں یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد عتیق کا ذکر فرمایا ہوگا۔ ویسے طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیت العتیق (قدیم بیت اللہ) کے حج کے لئے تشریف لے گئے تھے تو حدیث مذکور کے مطابق آپ علیہ السلام سرخ رنگ کے ایک بیل پر سواری کر رہے تھے لیکن یہ روایت بہت عجیب ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسود، اسرائیل، عثمان بن مغیرہ، مجاہد اور ابن عباد رضی اللہ عنہم کے حوالے سے شب معراج اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فلک ہفتم تک ہر آسمان سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات اور ان تمام انبیاء کرام علیہ السلام کے شکل وشمائل اور قد وقامت کے بارے میں اپنی مسند میں پیش کی ہے اس کا ذکر اگلے صفحات میں آتا ہے (البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۳۱)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر وفات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''صحیح'' میں وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عنوان کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ابن طاؤس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام سے کہا کہ آپ علیہ السلام کے رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وفات کے ذریعہ سے یاد فرمایا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا میرے رب تعالیٰ نے مجھے اس ارض مقدس سے ارض حجر یعنی قبر میں جانے کا حکم فرمایا ہے اور جب حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کے اس حکم کی تعمیل پر بخوشی تیار ہو گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے اس قدر فرمایا کہ پھر ارشاد فرمایا ''کہ کاش میں تم کو کثیب احمر کے راستے میں بنی ہوئی آپ علیہ السلام کی قبر دکھا سکتا''۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے معمر نے ہمام اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کی تھی۔ ویسے یہ حدیث مسلم نے مذکورہ بالا پہلی حدیث کے الفاظ سے حماد بن سلمہ، حماد بن ابی حماد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وہیں سے اخذ کیا ہے۔

دوسرے متعدد ثقہ راویوں نے کئی مستند حوالوں سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا حکم بیان کیا تو آپ علیہ السلام انہیں پہچان نہ سکے تھے جس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں آپ علیہ السلام کے سامنے آئے تو انہیں جھٹ پہچان گئے کیونکہ ترسیل وحی کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام اس شکل میں بھی کئی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور اس کے بعد آپ علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو قبض روح کا اشارہ کر دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی قبض روح کے سلسلے میں متعدد روایات میں بتایا گیا ہے حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کی اجازت لے کر ان کی قیام گاہ میں داخل ہوتے ہیں اور پھر انہیں ان کے پروردگار کا حکم سنانے کے بعد ان کا اشارہ پا کر ان کی ارواح قبض کرتے تھے۔

اس روایت میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اس کی کئی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے التیہ سے بیت المقدس شریف روانہ ہونے اور وہاں پہنچنے کے بعد آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے آپ علیہ السلام کی قبر پر کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام پر صلوۃ و سلام پڑھا تھا آپ علیہ السلام کے دو بیٹے جدشوں اور عازر تھے۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۶)

اہل کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ سال بتائی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۳۱ تا ص ۲۳۲)

اب ذکر بناء قبتہ الزمان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت و فضائل کا بیان البدایہ والنہایہ جلد اوّل ص ۲۲۶ تا ص ۲۳۰ نقل کیا جاتا ہے۔

ذکر بناءِ قبتہ الزمان

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قُبہ (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں، مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کی تانے بانے سے تیار کردہ حریر کے کپڑے سے آراستہ کیا جائے اس گنبد میں جیسا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس گنبد میں جو اندر سے بڑا وسیع و عرض تھا دس چکور ستون تھے جن کی لمبائی اٹھائیس فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اس گنبد کے ہر پہلو میں دو دو دروازے تھے جن کی سردلیں اور چوکھٹیں سونے چاندی سے تیار کر کے انہیں نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

اس گنبد کے ساتھ جو مینار تھا وہ بھی سونے چاندی سے تیار کیا گیا تھا جس میں اوپر تک ہر منزل میں تین مرصع روشندان تھے جن پر حریر کے پردے پڑے رہتے تھے۔ اس گنبد اور مینار کا بالائی حصہ خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اور گنبد کے اندرونی حصے کی طرح اس میں بھی ہر منزل کے ہر حصے میں چراغوں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

اس گنبد میں ایک وسیع و عریض دسترخوان بھی زائرین کی ضیافت کے لئے تیار کیا گیا تھا اور اسے بھی زرتار بنایا گیا تھا اور اس کے تین مساوی حصے رکھے گئے تھے۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اس گنبد کے احاطے میں ایک مذبح یا قربان گاہ بھی رکھی گئی تھی۔

یہ قُبہ یا گنبد سنتِ موسوی کے مطابق فصل ربیع میں مکمل ہوا تھا اور اس میں تابوت شہادت بھی رکھا گیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ بقرہ کے سولہویں رکوع کی چھٹی آیت (اِنَّ آیَةَ مُلْكِهٖ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ الخ) میں آیا ہے۔

اس قُبہ یا گنبد کا حال اہل کتاب کی تفسیر کتابوں میں بڑے طول طویل انداز میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں بچھڑے کی عبادت کے رواج سے قبل موجود تھا۔ اور اس کی قدامت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس کی بنیاد بیت المقدس شریف سے بھی قبل رکھی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد اور اس گنبد میں داخلے کے وقت بنی اسرائیل نے پہلی بار باقاعدہ خدائے واحد کی عبادت کی ابتداء کی تھی۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے جو حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اس کی نگرانی سنبھالی تھی اور پھر یہی گنبد، گنبد صخرہ کہلایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مرکز عبادت اور کعبۃ اللہ کی طرح کعبہ و قبلہ رہا جو درست ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قارون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اگر چہ اس کا تعلق بھی بنی اسرائیل سے تھا لیکن وہ اپنی زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے فرعون کے ساتھ ہو کر اس کے کفر اور بنی اسرائیل سے اس کی دشمنی میں برابر کا شریک تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اس کی بداعمالیوں اور زر پرستی کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ، نے تفصیل سے فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس زر پرستی اور حرص وحوس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے تمام خزانوں کے ساتھ زندہ درگور کر دیا گیا تھا تا کہ اہل بصیرت اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہی میں سے تھا لیکن اس نے اپنے مال وزر کے گھمنڈ میں آ کر جو درحقیقت اسے خدا ہی نے دیا تھا اپنی قوم سے غداری کی تھی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس کی قوم کے ان لوگوں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے، اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی تھی کہ اس کا سارا مال ومتال اور دنیا کا سامان راحت سب یہیں دھرارہ جائے گا۔ جب کہ اس کے نیک اعمال آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور وہاں اس کے ابدی آرام کا وسیلہ بنیں گے لیکن اس نے اپنے زمانے کے نبی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنی قوم کی ان باتوں پر کان نہ دھرا بلکہ ان کی تضحیک کی اور مسلسل فرعون اور اس کی امراء ووزراء اور اس کے دیگر ساتھیوں کا مسلسل ساتھ دیتا رہا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور دشمنی میں ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی، کفر پرستی اور غرور وتکبر کی اسے یہ سزا دی کہ اسے اس کے تمام خزانوں کے ساتھ زیر زمیں زندہ دفن کر دیا۔

اعمش نے منہال بن عمرو ابن سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی بتایا ہے اور ابراہیم نخعی، عبداللہ ابن الحرث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ ومالک ابن دینار اور ابن جریج نے مذکورہ بالا روایوں کے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا پورا نام قارون بن یصہر بن ہافث بتایا ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابن عمران بن ہافث تھے۔ اس لئے ابن جریجؒ نے ٹھیک بتایا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھا اور دوسرے متعدد راویوں کے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ توریت میں جو اس کا نام نور بتایا گیا ہے وہ اس کے خوش الحان ہونے کی وجہ سے بتایا گیا ہے اور قتادہ نے اس کے ذکر کی وضاحت بھی کی ہے جب کہ بخاری نے بھی ایک حدیث نبوی کے حوالے سے مذکورہ بالا راویوں کے بیانات کی تصدیق کی ہے اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں متعلقہ آیاتِ قرآنی کے حوالے بھی دیے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت وفضائل اور وفات کا ذکر

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ، نے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے آنحضرت ﷺ سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا اور آپ ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یاد کیجیے جنہیں ہم نے نبوت اور (براہِ راست) ہم کلامی کا شرف بخشا اور انہیں یہ امتیاز بھی عطا کی کہ ان کی سفارش پر ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت بخشی۔ قرآن پاک کی اس آیہ شریفہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی مرسل فرماتے ہوئے انہیں بطور خاص مخلص فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ:

(وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ایک دوسری آیہ شریفہ میں آنحضرت ﷺ سے (ذریعہ وحی) ارشاد فرمایا کہ:

''جن کے ہم نے آپ (ﷺ) سے قصے بیان کیے وہ سب انبیائے مرسلین تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جن کا ہم نے آپ (ﷺ) سے ذکر نہیں کیا اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بھی بخشا''۔

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''اے ایمان لانے والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی (جبکہ) ہم نے انہیں ان جملہ الزامات سے جو ان لوگوں (مخالفین) نے ان پر لگائے تھے بری الذمہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ وجیہ تھے''۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روز قیامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہونے والی جس عزت و حرمت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دینا'' وہ حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور تواضع کی دلیل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک نمونہ ہے ورنہ بحیثیت نبی آخر الزمان جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیائے ما سبق پر فضیلت حاصل ہے۔

اکثر راویوں نے بہ اسناد صحیح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہاتھوں ان کی تکالیف اور اذیتوں کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کی تعریف و توصیف فرمائی۔

جناب اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بطور الزام زبان کھولے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر نہ کیا کریں لیکن ایک بہت ہی معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دوسرا شخص یہ کہہ رہا تھا کہ فلاں موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں حکم الٰہی کے مطابق انصاف نہیں فرمایا''۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص سے یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بخدا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس سے زیادہ الزامات لگا کر ان کی قوم نے انہیں تکلیف پہنچائی لیکن انہوں نے ہمیشہ صبر کیا''۔ (ترجمہ مفہوی)

یہ روایت ابو داؤد اور ترمذی نے بھی اسرائیل کی زبانی اور ولید بن ابی ہاشم کے حوالے سے بیان کی ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں احادیث اسراء کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ جب شب اسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قبر میں بحالت قیام نماز میں مشغول دیکھا تھا۔

اس روایت کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔

صحیحین میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے شب معراج کے تذکرے کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان ششم پر دیکھا تھا اور جب جبرائیل علیہ السلام نے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلام کیا تھا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیائے صالحین میں سے ایک اور اپنا بھائی کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں تشریف آوری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی تھی لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے آگے قدم بڑھایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ان کے بعد آخر میں مبعوث ہونے والے ایک نبی مرسل روز قیامت ان سے قبل جنت میں داخل ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے والوں میں ان کی امت کی تعداد ان کی اپنی امت کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی طرف تھا۔

اس حدیث نبوی کی روایت میں بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات فلک ہفتم پر ہوئی تھی لیکن کچھ دوسرے معتبر تر راویوں کا بیان ہے کہ فلک ہفتم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی جہاں ان کی مسند بیت المعمور کی پشت پر نزدیک ہی فلک ہفتم پر تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات فلک ششم پر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ واپسی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات دوبارہ فلک ششم ہی پر ہوئی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیان کیا تھا کہ آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اس میں آپ

ﷺ اللہ تعالیٰ سے التجا فرما کر کمی کرائیں تو آپ ﷺ نے انہیں کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ نے اس میں کمی کے لئے درخواست کی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے چند بار درخواست کے نتیجے میں پچاس وقت کی نماز گھٹتے گھٹتے پانچ وقت کی رہ گئی تھی تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کمی کرانے کا مشورہ دیا تھا لیکن اس بار آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اب مجھے اس میں کمی کے لئے اپنے پروردگار سے درخواست کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے''۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کے فضائل کے ساتھ سورۂ انعام سورۂ مائدہ، سورۂ انبیاء اور سورۂ قصص میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔

متعدد معتبر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ورقہ بن نوفل سے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ سے اس وحی میں:

(اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝)

فرمایا گیا تو ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ عزوجل کا یہ کلام سن کر کہا تھا:

''سبحان اللہ، سبحان اللہ یہ وہی ''ناموس'' ہے جو وحی کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہوا تھا''۔ (یعنی وحی الٰہی)

ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا درست تھا، لیکن ان کے بعد توریت و انجیل میں جو بے شمار تحریفات کی گئیں ان کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں۔

(کتاب البدایہ والنہایہ کا بیان ختم ہوا) لیکن اختصار کی وجہ سے یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا کئے گئے

پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیات نمبر ۱۰۱ تا نمبر ۱۰۴ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے۔

اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے ظاہر دیئے (۱) بیضا (۲) عصا (۳) طوفان (۴) ٹڈیاں (۵) کھٹمل (۶) مینڈک (۷) خون (۸) قحط سالی (۹) مالوں کی تباہی۔ پس بنی اسرائیل سے پوچھو کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے تو فرعون نے آپ علیہ السلام سے کہا تھا۔ اے حضرت موسیٰ! میں تم کو جادو سے عقل کھویا ہوا جانتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! تو خوب جانتا ہے کہ ان معجزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے خالق کے کسی اور نے نہیں اتارا ہے اس نے یہ میری نبوت کی نشانیاں اور دلائل اتارے ہیں۔ اے فرعون! میں تجھ کو ملعون و کافر، خراب و ہلاک و تباہ ہونے والا جانتا ہوں۔ پس فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو زمین اُردن و فلسطین سے نکال دے تو ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) اس کو اور اس کے لشکر کو جو اس کے ہمراہ تھا، بحر نیل و سمندر میں ڈبو دیا۔ پھر اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم اپنے اردن اور فلسطین وغیرہ میں امن سے رہو۔ جب آخرت کا وعدہ یعنی قیامت آئے گی تو ہم تم سب کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کریں گے یا یہ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو تم سب کو اکٹھا کریں گے اور تم ان پر ایمان لاؤ گے۔

مندرجہ بالا معجزات کا تفصیلاً بیان اس سے قبل ہو چکا ہے۔ یہاں صرف یہ ہی بتانا مقصود ہے کہ نو معجزات کون سے تھے؟

پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مفید مشورہ منہ ہدایت قرآن پاک پڑھنے کے متعلق

آپ رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ نظر رہنی چاہیے کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود حرف عبرت و موعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درس عبرت ہو۔ عموماً غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ وہ قصص قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان و مکان کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (از ضیاء القرآن بحوالہ تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام ص ۵۶۰)

باب دوم

سیّدنا حضرت الیاس علیہ السلام

قرآن کریم میں آپ علیہ السلام کا نام حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کے بعد آیا ہے اور آپ علیہ السلام کا مختصر بیان حال واحوال کا بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی آیا اس لئے آپ علیہ السلام کا بیان بھی ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کے بعد ساتھ ہی کیا جا رہا ہے۔پ ۲۳ سورۃ الصٰفٰت آیت نمبر ۱۲۳ تا نمبر ۱۳۲ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

بے شک الیاس علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں سے ہیں۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگوں! تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو یعنی بعل کو پوجتے ہو۔بعل کے معنی یا تو مطلق رب ہیں یعنی اور مجازی پالنے کو پوجتے ہو۔اور جو سب سے بڑا اور اچھا پیدا کرنے والا ہے۔اس کو چھوڑتے ہو۔اس کی عبادت نہیں کرتے ہو۔یا بعل بمعنی ثور یعنی بیل ہو۔بعض کہتے ہیں۔کہ بعل بت تھا۔بیس گز بلند سونے کا۔اس کے چاروں طرف منہ تھے اس کی عبادت کرتے تھے تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑتے ہو۔جو سب کا پروردگار ہے۔تمہارا اور تمہارے کاموں کا خالق ہے اور تم سے پہلے جو باپ دادا گزرے ان کا پیدا کرنے والا ہے اس قوم نے حضرت الیاس علیہ السلام کا حکم نہ مانا۔جھٹلایا۔سزا پائی۔اب وہ دوزخ میں پڑے ہوئے عذاب پا رہے ہیں۔مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جو توحید وعبادت خالص دل سے بجالاتے ہیں وہ ایسے نہیں۔ہم (اللہ تعالیٰ) نے حضرت الیاس علیہ السلام کی تعریف پچھلے لوگوں میں باقی رکھی ''الیاس'' پر سلام یعنی حضرت الیاس علیہ السلام پر رحمت وسعادت ہو۔ہم (اللہ تعالیٰ) قول وفعل میں احسان برتنے والوں کو یونہی اچھی جزاء دیتے ہیں ''الیاس'' میں دو قرائتیں ہیں۔ایک الیاسین مضاف، مضاف الیہ۔بعض نے الیاسین حضرت سیّد المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مراد لیا ہے آل یٰسین پڑھا ہے یعنی ان کی اولاد پر سلام اور بعض کہتے ہیں کہ الیاسین اور ادریس ایک ہی تھے جن کو الیاسین اور آسمین بھی کہتے ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام ہمارے سچے مسلمان اور سچے مصدق بندے تھے۔(تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما جلد دوئم ص ۳۵۸ اور ص ۳۵۹)

خزائن العرفان میں ہے کہ جس جگہ یہ بعل بت تھا اس جگہ کا نام ''بک'' تھا۔اس لئے بعلبک مرکب ہوا۔یہ بلد شام میں ہے۔وہاں کے لوگ اور اس کے گردونواح کے لوگ اس کو پوجتے تھے اور اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

اب آپ علیہ السلام کے مزید حالات واقعات کے لئے کتاب ''البدایہ والنہایہ'' جلد اول کا ص نمبر ۲۳۷ تا نمبر ۲۴۰ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے حالات واقعات کے لئے کتاب ''البدایہ والنہایہ'' جلد اول کا ص نمبر ۲۳۳ تا نمبر ۲۳۴ نقل کیا جاتا ہے۔اور آپ علیہ السلام کے کچھ حالات واقعات تاریخ ابن خلدون جلد دوئم کے ص ۱۱۷ تا ۱۲۲ سے اخذ کر کے حضرت کالب علیہ السلام کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔

قصہ الیاس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کے بعد اپنی کتاب عزیز قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور الیاس پیغمبروں میں سے تھے۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی خدا کی جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے۔ہاں خدا کے بندگانِ خاص (مبتلائے عذاب) نہیں ہوں گے۔اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔کہ الیاسین پر سلام۔ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے''۔(۳۷:۱۲۳-۱۳۲) (سورہ الصفت)

بعل بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا۔بحوالہ حاشیہ ص ۷۳۱ فتح الحمید ترجمہ قرآن مجید از مولانا فتح محمد خاں جالندھری مرحوم۔(شادانی)

علمائے انساب حضرت الیاس علیہ السلام کو الیاس التشبی بتاتے ہیں. ب کہ انہیں ا۔۔یٰسین بن فنحاص ابن عیزار بن ہارون اور الیاس بن عازر بن عیزار بن ہارون بن عمران بھی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ان کی بعثت دمشق کے مغربی علاقے کے لوگوں یعنی اہل بعلبک کے لئے ہوئی تھی اور انہوں نے ان کے بت بعل کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی تھی۔

کہتے ہیں کہ بعل نام کی وہاں ایک عورت تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (الا تتقون اتدعون بعلا الخ) لیکن ان لوگوں نے الیاس کو کاذب ٹھہرایا بلکہ انہیں قتل تک کرنے پر تیار ہو گئے۔ لہٰذا وہ وہاں سے کہیں جا کر چھپ گئے۔

ابوحضرت یعقوب اذرعی یزید بن عبدالصمد اور ہشام بن عمار کے حوالے سے الیاس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار کا تذکرہ کرنے والے لوگوں سے بھی سنا کہ الیاس اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ کر جوان کے قتل پر آمادہ تھا ایک پہاڑی غار کی تہ میں چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک چھپے رہے تا کہ ان کی قوم کے اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے موت سے ہمکنار کر دیا اور اس کا وارث کوئی اور ہوا تو وہ اس غار سے نکل کر اس کے پاس پہنچے اور اسے سلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم کے بے شمار لوگ بھی اس کے ساتھ سلام لے آئے اور باقی لوگ جن کی تعداد دس ہزار تھی ان کے بادشاہ کے حکم سے ایک ایک کر کے قتل کر دیئے گئے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی نہ بچا۔

ابوحضرت یعقوب اذرعی کے برعکس ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے ابو محمد القاسم بن ہاشم، عمر بن سعید دمشقی اور سعید بن عبدالعزیز نے دمشق کے کچھ معزز لوگوں کے حوالے سے بیان کیا کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپ کر جس پہاڑی غار میں چلے گئے تھے وہاں انہوں نے بیس راتیں یا بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس راتیں گزاری تھیں جس کے بعد برزقہ کے مغربی حصے کے لوگ انہیں وہاں سے ڈھونڈ کر واپس لے آئے تھے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ انہیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا کہ سب سے پہلے نبی ادریس علیہ السلام تھے پھر ان کے بعد نوح، پھر ابراہیم، پھر اسماعیل و اسحٰق، پھر حضرت یعقوب، پھر حضرت یوسف علیہ السلام، پھر لوط، پھر ہود، پھر صالح، پھر شعیب، پھر عمران کے دو بیٹے حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون، پھر الیاس التشبی بن عازر بن ہارون بن عمران بن قاہث بن حضرت یعقوب بن اسحٰق ابن ابراہیم علیہم السلام نبی ہوئے۔ واقدی نے ان انبیاء علیہم السلام کی یہی ترتیب بیان کی ہے لیکن درحقیقت یہ ترتیب محل نظر ہے۔

مکحول نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دو نبی حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام زمین پر اور دو نبی ادریس و عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر ابھی تک زندہ ہیں۔

ہم اس سے قبل ایک معتبر حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیہما السلام ایک مدت تک ہر سال رمضان کے مہینے میں بیت المقدس شریف میں اکٹھے ہوتے تھے۔ تمام احکام شریعت بجا لاتے تھے لیکن روزہ رکھنے وغیرہ اور پھر (شام کو بطور افطار) آب زمزم کا شربت جو وہاں کے عوام میں بہت مقبول تھا پیا کرتے تھے۔ ہم اس سے قبل ایک اور روایت بھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت خضر و الیاس علیہما السلام ہر سال مقام عرفات پر جمع ہوتے تھے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ روایت بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

وہب بن منبہ وغیرہ سے مروی ہے کہ الیاس کو جب ان کی قوم نے کاذب بتایا اور انہیں حد سے زیادہ اذیت دینے لگی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں اپنے پاس بلا لے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرما کر ان کے پاس ایک آتش رنگ چوپایہ بھیجا اور ان کے چہار جانب ریشے پیدا کر کے اور انہیں لباس نور پہنا کر ان کی لذت اکل و شرب منقطع کر دی اور پھر انہیں زمین پر پھرنے والے فرشتوں میں انسان رکھتے ہوئے شامل کر دیا۔ اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے یسع بن اخطب کو وصیت کی تھی لیکن یہ روایت بظاہر اسرائیلیات کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک بعید از قیاس اور نا قابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم

ایک حدیث نبوی جس کے بارے میں ابوبکر بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ، ابوالعباس ابن سعید المعدانی، عبداللہ بن محمود سنان

کے دو غلاموں احمد بن عبداللہ البرقی یزید بن یزید البلوی اور ابو اسحٰق الفرازی نے اوزاعی، مکحول اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو جب راستے میں ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا تو اس وادی میں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ یا اللہ مجھے امت محمد یہ مرحومہ مغفورہ میں سے بنا دے جس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اور جب مذکورہ بالا اشخاص میں سے آخر الذکر یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ وادی میں یہ آواز سن کر اس طرف گئے تو انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کا قد تین سوفٹ سے زیادہ تھا۔ اس نے ان سے پوچھا: "تم کون ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہوں"۔ اس شخص نے پوچھا: "وہ اس وقت کہاں ہیں؟" انہوں نے یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "وہ یہیں قریب ہیں اور تمہاری دعا سن رہے ہیں"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر وہ بولا: "ان سے جا کر کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی الیاس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی آ کر عرض کر دیا جو اس شخص نے کہا تھا جسے سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس سے معانقہ فرمایا۔ پھر وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے جن کے دوران میں اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں سال بھر میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور چونکہ آج میرے افطار کا دن ہے اس لئے آج ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مزید بتایا کہ:

"پھر اسی وقت ان دونوں کے سامنے آسمان سے اتر کر خود بخود ایک دستر خوان بچھ گیا جس پر خربوزے، مچھلی وغیرہ جیسی چیزیں تھیں چنانچہ ان دونوں نے اس دستر خوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھایا اور اس میں سے ہمیں بھی کھانے کو دیا۔ اس کے بعد ہم نے نماز عصر ادا کی جس کے بعد وہ شخص آسمان کی طرف مائل پرواز ہو کر بادلوں میں غائب ہو گیا"۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بیہقی نے خود ہی اسے جگہ جگہ ضعیف بتایا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے بیہقی ہی کے حوالے سے اسے اپنی کتاب مستدرک میں شامل کیا ہے بلکہ صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں بھی یہ روایت ابن انس کے حوالے سے انہی کے الفاظ میں اسی طرح منقول ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالاتفاق حدیث موضوع ٹھہرائی گئی ہے کیونکہ یہ حدیث دوسری صحیح احادیث کے مقابلے میں قطعی بے بنیاد ہے۔ اس کی عدم حجت کی ایک وجہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق جنت میں یا آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک کوئی بھی سوفٹ سے زیادہ قد کا نہیں ہوا۔ البتہ زمین پر ابن آدم علیہ السلام کے آباد ہونے کے بعد سوفٹ سے گھٹتے گھٹتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک بہت کم رہ گیا تھا جو سب کو معلوم ہے اور اس کا تناسب اب بھی وہی چلا آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص جو در حقیقت الیاس علیہ السلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے پاس گئے جو ظاہر ہے کہ صریحاً بعید از قیاس ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر نے اس حدیث کا بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ وہ چالیس دن میں صرف ایک دن کھانا کھاتے ہیں اور پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آسمان سے نازل شدہ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا جس پر ان اشیاء کے علاوہ جو مندرجہ بالا حدیث میں بیان کی گئی ہیں اور بے شمار چیزیں تھیں جو اشیائے متعارضہ میں شامل ہیں اور آخر میں اس حدیث کو خود ہی حدیث ضعیف بھی بتایا ہے۔ اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابن عساکر نے اسے حسین بن عرفہ وغیرہ کے حوالے سے پیش کر کے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس شخص کو جس کا اس روایت میں ذکر ہے بلوایا تھا تو سب نے دیکھا تھا کہ اس شخص کا قد دو یا تین گز تھا۔ اسی روایت میں ابن عساکر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ زمانہ غزوہ تبوک کا تھا جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ بیان کیا

گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے الیاس علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ ان کا اور حضرت خضر علیہ السلام کا صرف ایک سال ساتھ رہا نیز یہ کہ اگر وہ (حضرت خضر علیہ السلام) اس وقت زندہ ہوتے تو وہ (الیاس علیہ السلام) ان کا سلام آپ ﷺ تک ضرور پہنچاتے۔

اس روایت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت خضر' الیاس علیہما السلام سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

بہرکیف واقدی' بیہقی اور ابن عساکر سے مروی مندرجہ بالا حدیث سال دس ہجری سے پہلے کبھی اجتماعی طور پر صحیح تسلیم نہیں کی گئی بلکہ بعد میں بھی اسے ہمیشہ موضوع ہی قرار دیا جاتا رہا۔

مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے اختتام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو (سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ) فرمایا ہے وہ حقیقت میں (سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاس) ہے کیونکہ اہل عرب اکثر ناموں کے آخر میں حرف نون کا الحاق کر کے بولتے اور لکھتے ہیں یعنی ان کا حرف آخر گرا کر اس کی جگہ حرف نون استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت اسماعیل کی جگہ اسماعین' اسرائیل کی جگہ اسرائین بولتے اور لکھتے ہیں اور ان میں کبھی بلحاظ قواعد زبان الحاق ''نون'' سے قبل حرف ''یا'' کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں جیسے الیاس کی جگہ وہ اکثر الیاسین لکھیں اور بولیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی اس عادت کا لحاظ فرماتے ہوئے الیاس کی جگہ الیاسین ارشاد فرمایا ہے جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قرآن میں ''الیاسین'' کی قرات ''ادراسین'' کرتے ہوئے بتایا ہے کہ الیاس اور ادریس دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ یہی بات اگرچہ ضحاک بن مزاحم' قتادہ اور محمد بن اسحٰق نے بتائی ہے۔ لیکن بہ اسناد دیگر صحیح بات یہ ہے کہ ادریس والیاس علیہما السلام دو الگ الگ شخصیتیں تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب انشاء اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا۔

یوشع علیہ السلام کی نبوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہما السلام کے بعد عبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر (البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۲۲۳' ۲۲۴)

یوشع علیہ السلام کا پورا نام اور نسب نامہ یوشع بن نون بن افرائیم بن حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام اہل کتاب انہیں ہود علیہ السلام کا چچازاد بھائی بتاتے ہیں۔

بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کی صراحت کئے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہما السلام کے قصے کے ضمن میں (و اذ قال موسی لفتاہ) (فلما جاوزا قال لفتاہ) فرمایا ہے اور اس آیہ شریفہ میں دونوں جگہ فتاہ سے تمام مفسرین کے مطابق یوشع علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اس سے قبل ہم اپنی ''صحیح'' کے حوالے سے ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یوشع نون کے بیٹے تھے اور آپ ﷺ اہل کتاب کی اس روایت سے متفق تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اس زمانے کے کچھ لوگ جو سامریہ کہلاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو نبی نہیں مانتے تھے کیونکہ توریت میں صرف انہی کی نبوت کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اور جہاں تک یوشع علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھ کہ وہ ان پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں ازاول تا آخر تمام کیفیات بتائیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی قدر مکدر ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ پھر ان کے سامنے ان کی وضاحت کر دیتے لیکن اس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے بعد خود یوشع علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت تفویض کی گئی۔

ہم اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قبۃ الزماں کی تعمیر کا ذکر کر چکے ہیں اسی قبے یا گنبد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ آسمانی کتاب توریت تابوت الشہادۃ کے پاس مدت تک یونہی رکھی رہی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ محمد بن اسحاق نے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کو توریت کے اندراجات کے بارے کچھ معلوم نہ تھا۔ کیونکہ توریت تابوت الشہادۃ کے پاس مدت تک یونہی رکھی رہی تھی۔

اہل کتاب کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اپنے تیسرے سفر کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر جبارین ان سے جنگ کریں تو وہ بھی اپنے دفاع کے لئے ان سے جنگ کرنے پر تیار رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے پیروکاروں کو یہ حکم یقیناً حکم الٰہی کے تحت تھا جیسا کہا جنگ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ اسلامی لشکر کو حکم دیں کہ وہ صرف ان سے قتال کریں جو ان کے مقابلے میں آئیں اور یہی سلسلہ اسلامی طریقہ جنگ کا اس وقت تک جاری رکھا گیا جب مشرق و مغرب کے بہت سے ملک مسلمانوں کے زیرنگیں آ چکے تھے۔ البتہ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

(فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ)

یعنی اس کے بعد جو اس حکم سے پھرا وہ گمراہ ہوا تو جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام سے سرتابی کی تو انہیں جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے انہیں دربدری کی سزا دی گئی جس طرح نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روگردانی کی سزا ملی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اسود بن عامر اور ابوبکر نے ہشام ابن سیرین اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لئے یوشع علیہ السلام کے علاوہ چند راتوں تک محبوس نہیں کیا یعنی طلوع ہونے سے نہیں روکا جب انہوں نے بیت المقدس شریف کو فتح نہیں کر لیا"۔

اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف ظاہر ہے کہ بیت المقدس شریف کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ یوشع علیہ السلام نے فتح کیا تھا۔

اس سلسلے کی ایک حدیث نبوی وہ بھی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس شریف کے دروازے میں جھک کر داخلے کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے پروردگار اور یوشع علیہ السلام کے حکم سے برعکس بیٹھ کر اس دروازے میں داخل ہوئے تھے: "قال الله لبني اسرائيل ادخلوا الباب سجداً" حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مبنی بر کلام اللہ یعنی حدیث قدس۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اس سرتابی سے جیسا کہ متعدد راویوں نے بیان کیا ہے بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب بطور سزا نازل کیا گیا تھا۔ بعض راویوں نے طاعون کے بجائے برد (انتہائی خنکی) بیان کیا ہے جب کہ بعض دوسروں نے طاعون اور انتہائی خنکی دونوں بتایا ہے۔

یوشع علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت ایک سو ستائیس سال بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔

سیّدنا حضرت یوشع علیہ السلام کے مزید حالات واقعات اور حضرت کالب علیہ السلام

حضرت کالب علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت کالب علیہ السلام ابن یوفنایا (یوقنا) بن حصرون بن بارص بن یہودا ابن حضرت یعقوب علیہ السلام۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۷-۱۲۲ اور ۱۳۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم الٰہی جب شام اور فلسطین کی طرف روانہ ہوئے تو آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو شمار کیا تو اس وقت بیس برس کی عمر کے جو آدمی مسلح ہو سکتے تھے چھ لاکھ یا اس سے زیادہ تھے۔ آپ علیہ السلام نے جہاد کی غرض سے لشکر کو آراستہ کیا پھر آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ بریہ فاران کی طرف بڑھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو قوم جبارین (جو کہ کنعان اور عمالقہ کی تھی) کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فاران کے قریب پہنچ کر بارہ اسباط سے بارہ آدمیوں کو قوم جبارین کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ جب کنعان اور عمالقہ کے شہروں میں پہنچے تو ان کی عظمت اور قوت دیکھ کر گھبرا گئے وہ وہاں سے ناامید اور افسردہ دل ہو کر لوٹے اور بنی اسرائیل کو ان کی قوت اور عظمت سے آگاہ کیا۔ لیکن ان آدمیوں میں صرف دو آدمی ایسے تھے جنہوں نے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہما السلام کو وہاں کے حالات سے آگاہ کیا یہ دونوں وہی شخصیتیں ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے خاص انعام سے سرفراز کیا یعنی ان کو نبوت عطا فرمائی ان میں ایک حضرت

یوشع علیہ السلام ابن نون بن افرائیم بن حضرت یوسف علیہ السلام ابن حضرت یعقوب علیہ السلام اور دوسرے حضرت کالب علیہ السلام ابن یوقنا یا یوفنا بن حصرون بن بارص بن یہودا بن حضرت یعقوب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت ملی اور پھر حضرت کالب علیہ السلام کو۔ (تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۷)

تاریخ کی کتب میں لکھا ہے کہ عمالقہ جو شام میں تھے ان کے ساتھ حضرت یوشع علیہ السلام لڑے ان کے آخری بادشاہ کو قتل کر دیا جسکا نام مسمیدع بن ہوبر بن مالک تھا۔ اسی واقعہ کی طرف عوف بن سعید الجرہمی اشارہ کرتا ہے کہ ”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ابن ہوبر علقمی کا گوشت مقام لیلہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لشکر ہائے یہود نے اس پر حملہ کیا جن کی تعداد اسی ہزار تھی ان میں بعض بے زرہ کے تھے اور چند زرہ پہنے تھے (ص ۱۱۹ ابن خلدون جلد دوئم)

مورخین نے بیان کیا کہ حضرت یوشع علیہ السلام اریحا کی فتح کے بعد ابلس کی طرف بڑھے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت وہیں دفن کیا جو بنی اسرائیل مصر سے ساتھ لائی تھی۔ بعد ازاں حضرت یوشع علیہ السلام نے شہر عائی (یہ بھی ملوک کنعان کا تھا) پر قبضہ کر لیا بعد ازاں اطراف دمشق سے شاہ ارمن نے حیقون پر حملہ کر دیا جس نے حضرت یوشع علیہ السلام سے مدد مانگی اور شاہ ارمن کو گرفتار کر کے وہیں سولی دے دی اس کے بعد شام کے تقریباً اکتیس بادشاہوں نے آپ علیہ السلام کی اطاعت قبول کر لی اسی زمانے میں قیساریہ پر بھی قبضہ کر لیا اور وہ ملک حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے درمیان تقسیم کر دیا جبل مقدس حضرت کالب علیہ السلام کے حصہ میں آیا۔ چنانچہ یہ بنی یہودا کے ساتھ شہر یروشلم میں رہنے لگے۔ انہوں نے قبہ عبادت جس میں تابوت شہادت تھا قربان گاہ اور میز اور شمعدان کو صخرا پر بیت المقدس شریف میں رکھا۔ اس وقت بنی افرائیم کنعانیوں سے جزیہ لیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

سفر الحکام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی حکومت کے اٹھائیسویں سال ایک سو بیس برس کی عمر پا کر فوت ہوئے اور طبری لکھتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بیس برس زمانہ منوچہر اور سات سال عہد افراسیاب (فارس کے حکمران) میں حکومت کی اور یہ یاد رہے کہ شاہ یمن شمر بن شمر بن الملوک حمیری نے زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام او بنی ظفار میں تھا اس نے عمالقہ کو یمن سے نکال کر باہر کیا تھا۔ آپ علیہ السلام افرائیم پہاڑ میں دفن کیے گئے (حسنات)۔

حضرت کالب علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام کا ہر موقع پر بھرپور مخلصانہ ساتھ دیا اور آپ علیہ السلام کے خاص الخاص مشیر تھے۔ ان کے بعد ہی نبوت سے نوازے گئے۔ لیکن یہ کہیں بھی تحریر کیا ہوا نہیں ملا بہر حال آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد حضرت کالب علیہ السلام بنی اسرائیل کے مصلحہ اور مدبر بنے جبکہ فخاص بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کی نماز اور قربان گاہ کے متولی بنے۔ طبری لکھتا ہے کہ حضرت کالب علیہ السلام کے ساتھ حضرت حزقیل یوزی بھی ان کی مدد کرتے تھے۔ انہیں ولد العجوز (بڑھیا زادہ) بھی کہتے تھے کیونکہ وہ بطن مادر سے اپنی والدہ کے بوڑھی اور بانجھ ہونے کے بعد پیدا ہوئے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے حضرت کالب علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح کی تھی مگر اس بات کا سفر الحکام میں ذکر نہیں آیا۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی یہودا اور بنی شمعون نے مل کر کنعانیوں سے جنگ کی انہوں نے انہیں قتل کیا اور ان کے شہروں کو لوٹا لیا اور ان کے بادشاہ کو مار ڈالا بنی اسرائیل نے پھر غزہ اور عسقلان کو فتح کر کے تمام پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔

اسی وقت سبط بنیامین کے حصے میں یونانیوں کے ممالک تھے لہٰذا وہ ان سے خراج لیتے تھے رفتہ رفتہ یہ ان میں مل جل گئے اور جلد ہی بنی اسرائیل کے لوگ یونانیوں کے بتوں کی پوجا کرنے لگ گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان پر بادشاہ جزیرہ کو مسلط کیا جسکا نام کوشان شقنائم (یعنی الظلم الظالمین) تھا اسکی نسبت لوگوں کے مختلف بیان تاریخ میں ملتے ہیں بعض اسکو شاہ ارمن و جزیرہ دمشق وحوران وصید اتحریر کرتے ہیں بعض بحرین کا حاکم کوئی اروم کی اولاد کہتا ہے لیکن طبری کہتا ہے کہ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی نسل سے تھا۔

بہر حال حضرت کالب علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل آٹھ برس تک کوشان شقنائم کے ماتحتی میں رہے۔ یہ کچھ حالات حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہما السلام کے تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۲ سے اخذ کر کے لکھیں گئے ”واللہ اعلم“ اور البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۶ پر تحریر کیا گیا

ہے حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی تھے لیکن تفسیر الحسنات جلد دوئم ص ۱۳۹ پر اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے اور حضرت کالب علیہ السلام بہنوئی تھے۔ لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر حضرت کالب علیہ السلام بہنوئی تھے تو پھر حضرت یوشع علیہ السلام حضرت کالب کے بیٹے ہونے چاہئیں کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھانجہ بیان کیا گیا ہے لیکن دوسری روایت اور ایک حدیث نبوی ﷺ (جو کہ البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۳۲۳ پر صحیح کے حوالے سے حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کی گئی ہے) کے مطابق حضرت یوشع علیہ السلام نون کے بیٹے ہیں دوسری بات یہ کہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت کالب علیہ السلام سے عمر میں بڑے ہیں اور آپ علیہ السلام کو پہلے نبوت ملی اور حضرت کالب علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد نبوت اور حکومت ملی (البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۶ اور تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۲۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم کے شوہر تھے" واللہ اعلم"۔

حضرت ابراہیم الزرتشت علیہ السلام

(بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۴۶، ۴۷)

آپ علیہ السلام کا شمار ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام در حقیقت قفقاز کی نہر الرس کی وادی میں پیدا ہوئے تھے۔ جس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے "اصحاب رس" فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ رس "الرس" کا مخفف ہے۔ بہر کیف آپ علیہ السلام وادی رس میں مبعوث کئے گئے۔ آپ علیہ السلام کی کتاب قدیم فارسی زبان میں ہے اور پہلی آسمانی کتابوں کی طرح احکام وہدایت پر مشتمل ہے اور اس میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کا بھی ذکر ہے اور بشارت ہے (مرج اللذ زکی الکروی)

اس روایت کو اس کے اسباق کے ساتھ ابن جریر نے بیان کیا ہے اور متعدد مستند حوالے پیش کئے ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن سلام، ابن عباس حسن، اقتادہ، السدی سلیمانؒ اور ابن بریدہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور حضرت ابراہیم زرتشت علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے نبی بتایا ہے اور یہی بات بہت سے اسلاف اور اخلاف میں مشہور ہے (واللہ اعلم)

سیّدنا حضرت حزقیل علیہ السلام بن یوزی

(پ ۲ سورہ البقرہ آیت ۲۴۳-۲۴۴ کا ترجمہ اُردو)

(اے نبی کریم ﷺ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ نکلے حالانکہ وہ تعداد میں ہزاروں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ مر جاؤ (اور بھاگ کر وہ موت سے نہ بچ سکے) پھر (حزقیل نبی علیہ السلام کی دعا سے) اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اور (اے مسلمانو) اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے رہو اور (اور موت سے نہ بھاگو) اور یقین جانو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ (کنزالایمان) اب ان آیات کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

پھر بنی اسرائیل کے غازیوں کا حال بیان کیا کہ تم نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا۔ جو ہزاروں تھے یعنی آٹھ ہزار تھے اور موت کے ڈر سے مارے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ تم سب مر جاؤ۔ وہ سب کے سب مر گئے اور آٹھ دن تک مرے پڑے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اللہ تعالیٰ آدمیوں پر بڑے فضل اور احسان کرنے والا ہے۔ مگر اکثر آدمی شکر ادا نہیں کرتے پھر جب زندہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اب تم خدا کی راہ میں کافروں سے لڑو اور یہ یقین جانو کہ خدا تمہاری باتیں سنتا ہے اور تمہاری نیتیں جانتا ہے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کا حکم نہ مانو گے تو وہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ لہٰذا اس کی نافرمانی سے بچو اس کے حکم کی تعمیل کرو۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۳ کا شان نزول

حضرت اشعث بن اسلم بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں مشغول تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے دو یہودی آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا۔انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ہم حضرت حزقیل علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے معجزے مردوں کو زندہ کرنے کا تذکرہ کر رہے تھے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کریم میں نہ تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر پایا اور نہ اس معجزہ کا صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں ہے۔

انہوں نے کہا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ہم نے بہت سے پیغمبروں کے قصے بیان نہ فرمائے وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط یہ پیغمبر بھی انہیں میں سے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حزقیل ابن یوزی علیہ السلام کو ذوالکفل بھی کہتے ہیں۔آپ علیہ السلام کا مزار مبارک اُردن میں ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شاندار مسجد بھی وہاں تعمیر کرائی۔جس کا اب ایک مینار باقی ہے۔فقیر نے حاضری کا شرف حاصل کیا ہے۔" واللہ اعلم احسانہ"

(تفسیر الحسنات جلد اوّل ص ۳۹۸ سے اخذ کیا)

حسن اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہی ذوالکفل ہیں یہ نام آپ علیہ السلام کا اس لئے ہو گیا کہ وہ ستر نبیوں کے کفیل ہوئے تھے اور انہیں قتل ہونے سے بچایا تھا (حسنات ص ۳۹۸) اب آپ علیہ السلام کے حالات کے متعلق البدایہ والنہایہ جلد دوئم سے ص ۶ تا ص ۱۸ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت کا ذکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم یعنی ہم مؤرخین عموماً داؤد علیہ السلام کی نبوت کا ذکر کرتے ہیں لیکن بنی اسرائیل میں نبوت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو ان سے پہلے یوشع علیہ السلام اور کالب آتے ہیں۔یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں شامل تھے۔تفسیر الحسنات میں ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام بھانجے اور حضرت کالب علیہ السلام بہنوئی تھے" واللہ اعلم"۔

عبارت اس طرح ہو گی۔یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا (یوحنا) شجرہ حضرت یوشع علیہ السلام بن نون بن افراہیم بن حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام (بحوالہ اس کتاب کی جلد اول اور ص ۲۴۳) اور شجرہ حضرت کالب علیہ السلام بن یوقنا (یوفنا) بن حصرون بن بارص بن یہودا (بحوالہ تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۱۷-۱۲۲ اور ص ۱۳۶)

ان دونوں میں یوشع علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی یعنی مریم سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے اور ان دونوں میں کالب اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ وہی واحد شخص تھے جو اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے۔یہی درست معلوم ہوتا ہے۔(مؤلف کیلانی) " واللہ اعلم"

یہی دونوں بھائی تھے (دونوں بھائیوں سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کی آل سے ہیں)۔جو در حقیقت بنی اسرائیل کے نقیب تھے اور وہ یہی دونوں تھے جنہوں نے بنی اسرائیل میں جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ (ان مشرکین) پر دروازے سے داخل ہو (یعنی ان پر چڑھائی کرو) اور خدا پر توکل کرو اگر تم مومن ہو تو غالب رہو گے)۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ان دو بھائیوں کے بعد بنی اسرائیل میں مامور من اللہ حزقیل بن یوزی تھے جن کی ربّ العزت سے دعا کی وجہ سے وہ سب لوگ زندہ ہو گئے تھے جو بنی اسرائیل کے علاقے سے دشمن کے خوف سے نکل کر مر چکے تھے۔ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تھی۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا مزید بیان

(قرآن شریف میں) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے شہر سے نکلے تھے ان کی تعداد ہزاروں تھی (لیکن) وہ موت سے خائف تھے۔پس

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ' پھر انہیں زندہ کر دیا' اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ (اسکا) شکر ادا نہیں کرتے''۔(پ ۲ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۴۳)

محمد بن اسحٰق وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب یوشع علیہ السلام کے بعد کالب بن یوفنا علیہ السلام بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تو ان کے بعد بنی اسرائیل میں جو قابل ذکر شخصیت رہ گئی وہ حزقیل علیہ السلام کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' وہ حزقیل علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی جس کے نتیجے میں جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیت کے حوالے سے ابھی بیان کیا گیا کہ وہ ہزاروں آدمی جو موت کے خوف سے اپنے شہر سے نکل بھاگے تھے کیونکہ وہاں وبا پھیل گئی تھی لیکن ان کے باوجود قضائے الٰہی سے مر گئے تھے' زندہ ہو گئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر صعید پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کے سب یک لخت مر گئے تھے اور زمین میں ان کا گوشت ان کی ہڈیوں سے جدا ہو کر خاک میں مل چکا تھا تاہم لوگوں نے اس سے قبل ان سب کو ایک جگہ دفن کر دیا تھا تاکہ درندے ان کا گوشت نہ کھا جائیں اور پھر اس جگہ ایک خطیرہ (مقبرہ) بھی بنا دیا گیا تھا اور اس واقعے کو مدتیں گزر گئیں تھیں لیکن جب حزقیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کا اس طرف سے گزر ہوا تو انہیں اس واقعے کا علم ہوا جس پر وہ بہت حیران ہوئے اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ ان مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ دیکھنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں مردہ اشخاص کو زندہ کر کے انہیں دیکھا دیا یعنی وہ سب کے سب فی الفور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے ہوئے ان کے سامنے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اسباط نے بھی السدی' ابی مالک' ابی صالح' ابن عباس' مرہ' ابن مسعود' اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک گاؤں جس کا نام داوردان لیا جاتا تھا اور وہ واسط سے قبل آباد تھا میں طاعون پھیل گیا تو بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر ایک نزدیکی علاقے میں چلے گئے تھے۔ تاہم جو لوگ وہاں سے بھاگنا مناسب نہ سمجھ کر اور مشیت ایزدی کو آمنا وصدقنا کہہ کر وہیں رکے رہے تھے ان میں سے اکثر اس وبا کا شکار ہو گئے ——— تھے اور جب ان بھاگے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگ جو دوسری جگہ پہنچے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو وہاں اتفاقاً ایک بار پھر طاعون پھیل گیا۔ لیکن اب کے اس گاؤں کے سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو قدرت خداوندی نے یہ کرشمہ دکھایا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام کے تمام ہلاک ہو گئے۔ اس کرشمہ قدرت سے اللہ تعالیٰ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس کے بندوں میں سے جس کی موت آنا ہوتی ہے ہر جگہ آجاتی ہے یعنی اس کا آنا ناگزیر ہوتا ہے خواہ اس سے بچنے کے لئے وہ کہیں بھی بھاگ کر چلا جائے۔

اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے باسط بیان کرتے ہیں کہ داوردان کے لوگ دوسری بار جہاں بھاگ کر گئے تھے وہ جگہ قابل کہلاتی تھی اور وہاں پہنچنے والوں کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی کچھ لوگوں نے ان کی تعداد تیس ہزار بتائی ہے۔ قابل ایک وسیع وعریض وادی تھی جس کے نشیبی حصے سے ایک غیبی آواز آئی تھی کہ ''مر جاؤ'' اور وہ سب مر گئے تھے۔ البتہ جب حزقیل علیہ السلام کا مدتوں بعد وہاں سے گزر ہوا تھا اور وہ وہاں کے لوگوں سے جن میں یہ روایت ایک زمانے سے مشہور چلی آ رہی تھی یہ واقعہ سن کر حیران رہ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان سے دریافت فرمایا تھا کہ آیا وہ اس کرشمہ قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے اثبات میں جواب اور التجا (دعا) کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کی واحد قبر سے انہیں دوبارہ زندگی عطا فرما کر حزقیل علیہ السلام کے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور جیسا کہ محمد بن اسحٰق کی بیان کردہ روایت میں پہلے بتایا جا چکا ہے' وہ سب کے سب بیک زبان اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر انہوں نے یک زبان ہو کر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کہا تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ان کا گوشت تو گوشت ان کی ہڈیاں تک سرمہ ہو کر خاک میں مل چلی تھیں لیکن اب وہ زندہ ہو کر اپنی قوم میں چلے گئے تھے' تاہم اب وہ برائے نام کپڑوں میں ملبوس تھے اور ان کے چہروں پر اب تک مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی اپنی طبعی موت مر گئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی تعداد ایک جگہ صرف چار ہزار' دوسری جگہ آٹھ ہزار بتائی لیکن جب ابی صالح نے ان کی تعداد نو ہزار بتائی تو

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا لیکن انہوں نے آخر میں بتایا کہ ان کی صحیح تعداد چالیس ہزار تھی۔

سعید ابن عبدالعزیز کی روایت کے مطابق وہ لوگ اہل اذرعات میں سے تھے۔ ابن جریج عطاء کے حوالے سے کہتے ہیں کہ موت کا خوف یوں تو (قریباً) ہر فرد بشر کو لاحق ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ قدرت خداوندی کی مثالوں میں سے ایک مثال بن گیا ہے جو آج تک جمہور کی قوی ترین روایت بنتا چلا آ رہا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبان صحیح یعنی بخاری و مسلم (رحمہما اللہ) نے زہری کے توسط اور عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب، عبداللہ بن حارث بن نوفل اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) شام کی طرف جاتے ہوئے سرغ میں ٹھہرے تھے تو ان سے ملاقات کے لئے عساکر اسلام کے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دیگر امرائے لشکر آئے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے یعنی کوئی سخت ترین مرض وبائی شکل اختیار کر گیا ہے جس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمسفر لوگوں سے جن میں مہاجرین و انصار دونوں شامل تھے آگے جانے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کی لئے مجلس مشاورت کا اعلان کیا تھا لیکن اسی دوران میں عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) جو کسی ضروری کام سے پیچھے رہ گئے تھے وہاں آ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ "زمین کے جس خطے میں تمہارا قیام ہوا گر وہاں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگو مت اور جس جگہ کے بارے میں تمہیں علم ہو جائے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت" مذکورہ بالا راویوں کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر شام جانے کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرغ ہی سے مدینہ منورہ واپس ہو گئے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور یزید المفتی نے ان سے ابن ابی ذویب کے توسط اور زہری، سالم اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے راستے میں تھے تو انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی سنائی تھی کہ جب کسی جگہ کسی قوم کو وبا کا سامنا ہوتا ہے تو درحقیقت وہ اس قوم پر عذاب خداوندی کی ایک شکل ہوتی ہے۔ اگر تم (اتفاقاً کسی ایسی جگہ ہو تو وہاں سے بھاگو مت اور اگر کسی جگہ کے بارے میں تمہیں اس کی اطلاع ملے تو وہاں جاؤ مت) اس روایت کے آخر میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنی تھی تو وہ (شام جانے کی بجائے) راستے ہی سے لوٹ آئے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو زہری کے حوالے سے مالک کی زبانی بھی بیان کیا ہے۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں حزقیل علیہ السلام کے دور نبوت کی مدت کے بارے میں انہوں نے کسی سے ذکر نہیں سنا۔ البتہ یہ سنا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی قوم دوبارہ اصنام پرستی میں مشغول ہو گئی اور ان میں سے ایک بت کا نام "بعل" رکھ کر اس کی پرستش کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی قوم ہی میں سے اس کی اصلاح کے لئے الیاس بن یاسین کو مبعوث فرمایا۔

ہم حضرت الیاس علیہ السلام ابن یاسین بن فخاص بن عیزار بن ہارون علیہ السلام ابن عمران کا تفصیلی ذکر اس لئے پہلے ہی کر چکے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں ان کا ذکر حضرت خضر علیہ السلام کے تفصیلی ذکر کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ضمن آیا ہے لیکن چونکہ سورہ صافات میں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد آیا ہے اس لئے ہم نے یہاں ان کے ذکر کا مختصراً اعادہ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق نے وہب ابن منبہ کے حوالے سے حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ان کے وصی یسع بن اخطوب علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی جن کا ذکر آگے آئے گا۔

قصہ الیسع علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ الیسع علیہ السلام کا نام بھی لیا ہے۔ ارشاد ہوا:

"اور اسماعیل اور یسع اور یونس ولوط (تھے جنہیں) ہم نے تمام عالمین پر فضیلت بخشی"۔

نیز سورۂ ص میں ارشاد ہوا:

''اور حضرت اسماعیل علیہ السلام و یسع اور ذی کفل کو یاد کیجئے جو سب کے سب اہل خیر میں سے تھے''۔

ابو حذیفہ اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں سعید نے قتادہ و حسن کے حوالے سے بتایا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام نبی ہوئے اور انہوں نے بھی خدا کے فضل و کرم سے نبوت کی ذمہ داری بہ تمام و کمال ادا کی۔ انہوں نے لوگوں کو حضرت الیاس علیہ السلام کے طور طریق اور شریعت کی طرف دعوت دی لیکن ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھر ناز یبا حرکات اور کفر و ضلالت میں مبتلا ہو گئے۔ انہی میں وہ ظالم و جابر لوگ بھی تھے جنہوں نے جبر اور جور و ظلم کی انتہا کر دی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کر ڈالا۔ بادشاہ عنید طاغ بھی انہی میں سے تھا لیکن کہا جاتا کہ اس نے تائب ہو کر مذہب انبیاء کرام علیہم السلام سے رجوع کر لیا تھا اور وہ ان کی کفالت بھی کرتا رہا تھا۔ اسی لئے وہ ذی کفل کہلایا اور جنت کا مستحق ٹھہرا۔

محمد بن اسحٰق نے یسع علیہ السلام کا نام یسع بن اخطوب بتایا ہے جب کہ حافظ ابو القاسم بن عساکر کہتے ہیں کہ وہ یسع درحقیقت اسباط بن عدی بن شوتلم بن افرائیم بن حضرت یوسف علیہ السلام ابن حضرت یعقوب بن ابراہیم خلیل علیہم السلام تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور بادشاہ بعلبک کے خوف سے انہیں کے ساتھ جبل قاسیدن میں جا چھپے تھے اور انہی کے ساتھ وہاں سے لوٹ کر بعلبک آ گئے تھے۔ پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام وفات پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔

عبدالمنعم بن ادریس نے بھی اپنے والد اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے جب کہ ان کے علاوہ کچھ لوگوں نے ان کی اقامت گاہ بانیاس بتائی ہے۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ کچھ قاری یسع کے حرف ''س'' کو مشدد پڑھتے اور کچھ غیر مشدد پڑھتے ہیں۔ جب کہ بعض اسے حرف عطف واؤ کے بعد ''ولیسع'' بھی پڑھتے ہیں۔ بہرکیف انبیاء علیہم السلام میں یہ پہلا اور واحد نام ہے (جو قرآن میں آیا ہے)

چونکہ کچھ مؤرخین نے یسع کو ابن ایوب علیہ السلام بھی لکھا ہے اس لئے ہم نے اس سے قبل ذی کفل یعنی یسع کا ذکر ایوب کے بعد کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

لیکن ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۴۲-۱۴۳ پر مؤرخ طبری کا بیان اس طرح ہے کہ بادشاہ احاب بن بنیامین بن قتال سبط یساخر جو کہ اہل بعلبک کا بادشاہ تھا اس کی طرف اور اس قوم اور اہل بعلبک کی طرف جو نبی مبعوث ہوئے وہ حضرت الیاس بن سین (یاپامین) فخاص بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کی بددعا سے تین برس تک بلائے قحط میں مبتلا رہے پھر آپ علیہ السلام کی دعا سے بارش ہوئی لیکن وہ بدستور اپنے کفر اور نافرمانی پر قائم رہے آخرکار حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی وفات کی دعا کی اور لوگوں کو ہلاکی و تباہی سے آگاہ کیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت یسع بن الخطوب علیہ السلام کو نبوت ملی ابن عساکر لکھتا ہے کہ آپ علیہ السلام اسباط بن عدی بن شولیم بن افراہیم ہیں جبکہ ابن حمید لکھتا ہے کہ بادشاہ احاب کے زمانے میں حضرت الیاس علیہ السلام پر حضرت الیاس بن یفسا کو پاک کر کے وحی نازل فرمائی تھی۔'' واللہ اعلم'' (مؤلف کیلانی)

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ یسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی عزت و حشمت پر زوال آ گیا تھا کیونکہ انہوں نے پہلے کی طرح اصنام پرستی شروع کر دی تھی اور انبیاء علیہم السلام تک کو قتل کرنے لگے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر از روئے انصاف ان سے زیادہ جابر و ظالم حکمران مسلط کر دیئے جو ان کا خون بہانے لگے۔ ان حکمرانوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے دشمن ہو گئے۔ تاہم جب بھی ان دشمنوں میں سے کسی دشمن کو مغلوب کر لیتے تھے تو اس کی لاش کو تابوت میں، جسے وہ تابوت میثاق کہتے تھے، رکھ کر اسے اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھتے تھے اور اب حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہم السلام کے بعد بس یہی ایک چیز تفاخر و طمانیت کا سبب رہ گئی تھی۔ پھر جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں

غزہ وعسقلان پر قبضہ کرلیا تو اس فتح کے بعد نہ صرف اپنی ہی رعایا پر اپنے ظالم و جابر حکمرانوں سے کہیں زیادہ ظلم وقہر کے پہاڑ ڈھائے بلکہ اپنے اپنے مقبوضات کے سلسلے میں باہم لڑنے جھگڑنے لگے تو بنی اسرائیل ہی کا ایک حکمران ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کی گردنیں توڑنے لگا اور جب وہ خود ایک بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک موت مرا تو اس کے بعد بنی اسرائیل بھیڑ بکریوں کا ایک ایسا گلہ ہو کر رہ گئے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے پھرانہی میں سے ان کی اصلاح کے لئے ایک شمویل علیہ السلام نام کا ایک نبی مبعوث فرمایا۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں شمویل بن بالی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس وقت یوشع بن نون علیہ السلام کو وفات پائے چار سو ستر سال گزر چکے تھے۔ ابن جریر نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم نے اسے بخوف طوالت یہاں بیان کرنا قصداً چھوڑ دیا ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام

آپ علیہ السلام کے حالات اور واقعات کے لئے کتاب ''البدایہ والنہایہ جلد دوئم کا ص ۱۲ تا ص ۱۸'' نقل کیا جاتا ہے۔

لیکن جو شجرہ البدایہ والنہایہ میں آپ علیہ السلام کا بیان کیا گیا اسی سے مختلف شجرہ تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۲۵ میں بیان کیا گیا ہے جو یہ ہے حضرت شموئیل بن القنایا کنا بن یرحام یا یوام بن یہوذیایا ہذ بن یوحایا یاد بن صوب یا سوف بن القانا بن یوئیل بن عزیز بن سنعینا بن تاحت بن اسر بن القانا بن نشاسات بن قارون جبکہ اسی صفحہ پر یہ تحریر بھی ہے کہ کاہن عالی بیطات نے اپنے چچا کے لڑکے شموئیل بن کنا بن یوام بن یاہذ بن یاد بن سوف کو قربان گاہ کا کفیل و متولی بنا دیا تھا اور سوف حاصاب بن الیان کا بھائی تھا اور علی بیطات کا شجرہ اسی صفحہ پر یوں بیان کی اگیا ہے کاہن عالی بیطات بن حاصاب بن الیان بن قصاص بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام اور اسی صفحہ پر بعضوں نے لکھا ہے کہ شموئیل علیہ السلام فوج کی اولاد سے اور وہ قارون بن یصہر بن قاہث بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام اور اسے اس کی طرف اس طرح منسوب کیا ہے اور جو البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۱۲ میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے شموئیل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا کو بھی شموئیل بتایا گیا ہے اور اسی صفحہ پر اس سے آگے یہ تحریر ہے کہ مؤرخ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے اخلاف اور ورثا سے تھے جبکہ مجاہد نے انہیں شموئیل بن یلقا تا بیان کیا ہے تاہم اکثر دوسرے لوگوں میں سے کسی نے ان دو مؤرخین کے بیانات سے آگے کوئی بات نہیں کہی ہے۔

مؤلف کی رائے یہ ہے چونکہ حضرت شموئیل علیہ السلام حضرت یوشع و کالب اور حزقیل علیہ السلام کے بعد نبوت سے سرفراز کئے گئے یوشع علیہ السلام چار پشتوں کا اور کالب علیہ السلام پانچ پشتوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام تک فرق ہے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا شجرہ کہیں سے نہیں ملا۔ بہر حال یہ دو شجرے جو کہ ابن خلدون اور البدایہ والنہایہ میں بیان کئے گئے ان کا فاصلہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک ۱۸ پشتوں کا ابن خلدون کے مطابق اور البدایہ والنہایہ میں دس پشتوں کا فاصلہ عموصا بن عزریا تک ہے اور اس سے آگ معلوم نہیں کہ عموصا بن عزریا کن کی اولاد سے ہے اس لئے یہ دونوں شجرے درست معلوم نہیں ہوتے کیونکہ حضرت شموئیل اور حضرت یوشع و کالب علیہم السلام میں زیادہ سے زیادہ دو یا چار پشتوں کا فرق ہو سکتا ہے دوسری یہ بات بھی تاریخوں کی کتابوں میں ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور حکومت یہودا بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تو ان وجوہات کی بنا پر جو دو شجرے اوپر بیان کئے گئے یعنی ایک شجرہ حضرت شموئیل بن کنا بن یوام بن یاہذ بن یار بن سوف بن الیان بن قصاص بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام اور دوسرا شجرہ حضرت شموئیل بن فوج بن قارون بن یصہر بن قاہث بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام ان میں ایک درست ہو سکتا ہے۔ ''واللہ اعلم''

اسکے متعلق ایک اور ثبوت بھی ملتا ہے جو تاریخ ابن خلدون جلد دوئم کے ص ۱۲۶ پر بنی اسرائیل کا شجرہ بیان کیا گیا ہے اس میں آپ علیہ السلام کا شجرہ یہ ہے حضرت شموئیل بن کنا بن یوام بن یاد بن سوف بن الیان بن فخاص رقصا بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام بن عمران بن قاہث بن لادی بن حضرت یعقوب علیہ السلام اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ ''واللہ اعلم'' (مؤلف کیلانی)

قصہ شمویل علیہ السلام (اسی قصے سے داؤد علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے)

شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن یہو بن تہو بن صوف بن علقمہ ابن ماحث بن عموصا بن عزریا کو شمویل بھی کہا جاتا ہے۔

مؤرخ مقاتل کہتے ہیں کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے اخلاف اور ورثا میں سے تھے جب کہ مجاہد نے انہیں اشمویل بن بلفا تا بیان کیا ہے' تاہم اکثر دوسرے لوگوں میں سے کسی نے ان دو مؤرخین کے بیانات سے آگے اور کوئی بات نہیں کہی ہے۔ واللہ اعلم

السدی ابن عباس' ابن مسعود اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ثعلبی وغیرہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل کے مقبوضات غزوہ عسقلان ان سے چھین کر ان کے اکثر لوگوں کو وہاں تہ تیغ کر دیا اور ان کے رب سے بیٹوں سے بدسلوکی کے علاوہ انہیں سب وشتم کا ہدف بھی بنانے لگے اور بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت بھی ختم ہو گیا تو اسی زمانے میں اس قوم کی ایک لاولد عورت نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اسے ایک ایسا بیٹا دے جو خدا کا ذکر کیا کرے۔ چنانچہ اس عورت کی بارگاہِ باری تعالیٰ میں اس دعا کی قبولیت کے بعد اس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام اشمویل رکھا جس کے معنی عبرانی زبان میں اسماعیل ہوتے ہیں یعنی "اللہ تعالیٰ نے میری دعا سن لی" پھر جب اس عورت کا وہ بیٹا ذرا بڑا ہوا تو اس نے اس کو عبادت گاہ میں ایک نیک شخص کی پاس بھیج دیا تاکہ وہ اسے نیکی وعبادت خداوندی کی تعلیم دے وہ لڑکا اس مرد صالح کے پاس رہتے رہتے اور تعلیم حاصل کرتے ہوئے سن بلوغت کو پہنچا تو ایک روز رات کے وقت سونے میں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی اسے بلا رہا ہے۔ اس آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے اپنے بستر سے اٹھ کر اس مرد صالح سے پوچھا:

"کیا آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا ہے؟"۔

مرد صالح: "نہیں تو"۔

اس پر اس نوجوان نے اپنے اس سرپرست ومعلم کو بتایا کہ اس نے سوتے میں ایسا سنا تھا جیسے کوئی اسے آواز دے کر بلا رہا ہے۔

اس کے بعد شمویل یا اشمویل نے یکے بعد دیگرے کئی راتوں تک وہی آواز سنی اور پھر ایک شب کو اسے معلوم ہوا کہ وہ آواز جبرائیل علیہ السلام کی تھی اس کے سامنے آ کر اسے بتایا کہ اس کے پروردگار نے اسے اس کی قوم کی اصلاح کے لئے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ قصہ اور شمویل علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ باہمی امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:

"بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہا کہ آپ علیہ السلام ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے ہو سکتا ہے بادشاہت کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) مقرر فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن وتوش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا کو (اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے گا (وہ سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر۔ جب وہ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو

کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی کرنے سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر بہت مہربان ہے"۔ (۲:۲۴۶-۲۵۱)

اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس قصے میں مذکورہ قوم کے جس نبی کا ذکر آیا ہے وہ شمویل علیہ السلام تھے۔ تاہم بعض مفسرین نے کہا شمویل علیہ السلام کو یوشع علیہ السلام بتایا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کیونکہ امام ابوجعفر بن جریر نے اپنی تاریخ میں یوشع علیہ السلام کی وفات اور شمویل علیہ السلام کی بعثت میں چار سو ستر سال کا فصل بتایا ہے۔ (واللہ اعلم)

یہاں بحوالہ قرآن پاک اس قصے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قوم کو جب لڑائیوں سے واسطہ پڑا اور اس کے دشمن اس پر ظلم کے پہاڑ ڈھانے لگے تو اس کے لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ وہ ان کے لئے کوئی بادشاہ مقرر فرما دے تا کہ وہ اس کے ساتھ یا اس سے جدا رہ کر جیسا بھی موقع ہو اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ جیسا کہ اس قصے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو کیا تم جہاد کرو گے تو وہ بولے کہ ہم خدا کی راہ میں ضرور جہاد کریں گے اور یہ بھی کہا کہ بھلا ہمیں جہاد کرنے سے کون سی چیز مانع ہے کہ جب ہمارے دشمنوں نے ہمیں اور ہمارے بیٹوں کو ہمارے ملک سے نکال دیا ہے لیکن جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے' جب ان سے جہاد کے لئے کہا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ پھر جیسا کہ اس قصے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' کہ انہیں نہر کا پانی پینے سے منع کیا گیا تھا لیکن ان میں سے چند کے سوا سب نے نہر سے پانی پیا اور لڑائی سے انکار کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس قصے میں قرآن شریف کے مطابق ان سے ان کے نبی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ اس طالوت کا تاریخی دستور کے مطابق پورا نام طالوت بن قیش بن افیل بن صارو بن تحورت بن افیح بن انیس بن بنیامین بن حضرت یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام بتایا ہے۔ اس طرح تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۳۲ پر ہے۔

عکرمہ اور السدی کہتے ہیں کہ طالوت پیشے کے لحاظ سے سقہ تھے جب کہ وہب بن منبہ نے اسے دباغ یعنی کھالوں کو پکا کر صاف کرنے والا بتایا ہے۔ یہی وجہ ہوگی کہ اس کی قوم نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر کہ بادشاہی کا حق تو اس سے زیادہ انہیں ہے اور یہ کہ وہ ہم سے زیادہ صاحب مال وزر بھی نہیں ہے انکار کر دیا۔

مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبوت لاوی کے اور بادشاہت یہوذا کے خاندان میں تھی لیکن جب وہ بنیامین کے خاندان میں آئی تو ان لوگوں نے ان کی اولاد میں سے کسی کو مذکورہ بالا بہانہ تراش کر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس لئے اسے یعنی طالوت ہی کو ان پر بادشاہت کے لئے منتخب فرمایا اور اسے علم جسمانی توانائی کی دولت و نعمت بخشی۔

کہا جاتا ہے کہ شمویل کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مطلع فرمایا تھا کہ طالوت کے سوا اس کے عصا کے برابر ان کی قوم میں سے کسی کا قد نہ ہوگا اور اس کے عصا کے برابر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شمویل سے ارشاد فرمایا تھا طالوت اور اس کے عصا کے برابر واقعی اس کے تمام دور بادشاہت میں اور کسی کا قد نہ ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہت کے لئے اس کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ تھی اور کچھ لوگ اس کی وجہ اس کا علم بتاتے ہیں اور کچھ دوسرے اس کی قوم میں صرف اس کا امتیازی قد و قامت لیکن ظاہر ہے کہ ارشاد خداوندی میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کی بادشاہت کی وجہ فنون حرب میں اس کی انفرادی و امتیازی قابلیت تھی جب کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس

کی سب سے بڑی وجہ اس کا حسن و جمال تھا کیونکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل میں اتنا خوبصورت شخص کوئی نہ ہوا تھا اور نہ انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم عطا فرمایا تھا نہ اتنی جسمانی توانائی بخشی تھی۔

اس کے علاوہ بنی اسرائیل میں اس وقت کے نبی شمویل علیہ السلام نے ارشاد خداوندی کے مطابق ان سے فرمایا تھا کہ ان کے لئے غیب سے ایک تابوت اترے گا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہوں گی اور یہ کہ تابوت ان کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا اس لئے وہ لوگ جنہیں طالوت کو پہلے مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار تھا اب اس تابوت کی وجہ سے خیر و برکت سے کیونکر کنارہ کش ہو سکتے تھے جب کہ انہیں اپنے دشمنوں کا بھی خیال تھا اور وہ جانتے تھے کہ فنون حرب میں طالوت کی قابلیت ہی کہ وجہ سے ان پر غلبہ حاصل ہو سکتا تھا اس لئے انہیں طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنا ہی پڑا جس کا حکم ان کے نبی نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں دیا تھا اس کے بعد جب انہوں نے اپنے دشمنوں سے لڑائیوں کے مواقع پر دیکھا کہ اس کا سفید چہرہ اس وقت سرخ ہو جاتا تھا تو انہیں اس کے زیر کمان رہ کر اپنے دشمنوں پر کامل فتح کا یقین ہو گیا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دور طالوت سے قبل مذکورہ بالا تابوت بنی اسرائیل کے قبضے میں تھا جو اصنام پرست تھے لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ تابوت خود بخود فرش سے اٹھ کر ان کے اس بت بعل کے سر پر پہنچ جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ وہ اسے وہاں سے اتار کر فرش پر رکھتے لیکن اگلی صبح وہ پھر وہیں پہنچ جاتا۔ اس لئے انہوں نے تنگ آ کر اسے دو آدمیوں کے ہاتھ بنی اسرائیل میں بھجوا دیا تھا جسے بنی اسرائیل اپنے نبی کے ارشاد کے مطابق اس غیبی امداد کو اپنے لئے وجہ خیر و برکت اور اپنے دشمنوں پر اپنی یقینی فتح کا سبب سمجھنے لگے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد مفسرین نے بھی بیان کیا ہے کہ شمویل علیہ السلام کے قصے میں جس نہر کا ذکر آیا ہے اور جس کا پانی پینے سے تھوڑی سی مقدار کے علاوہ بنی اسرائیل کو منع کیا گیا تھا اس کا نام کلام الٰہی کے مطابق نہر الاردن تھا اور وہ آج تک اس نام سے یعنی نہر اُردن یا دریائے اُردن کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

السدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لشکر کی تعداد اسی ہزار جوانوں اور امرائے لشکر پر مشتمل تھی جن پر چھہتر ہزار نے حکم الٰہی کے خلاف دریائے اُردن کا پانی پی لیا تھا اور طالوت کے ہمراہ صرف چار ہزار افراد رہ گئے تھے جب کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں اور زہیر و ثوری نے ابی اسحٰق' البراء بن عازب کے حوالے سے بتایا ہے کہ طالوت کے ہمراہ اس کے جن فوجیوں نے دریائے اردن کو عبور کیا تھا ان کی تعداد اصحاب بدر یعنی تین سو تیرہ افراد سے زیادہ نہ تھی اور اسی لئے انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان میں ان کے دشمن جالوت کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جب جالوت سے ان کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں جالوت پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ اصحاب بدر کو قریش مکہ یعنی کفار کے مقابلے میں جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی اور جن کے پاس سینکڑوں گھوڑے تھے انہی کو جن کے پاس غزوہ بدر میں صرف دو گھوڑے تھے کامل فتح حاصل ہوئی کیونکہ یہ فتح بھی اہل ایمان کو خدا کے حکم سے حاصل ہوئی تھی اور اس کا ارشاد بھی یہی ہے کہ وہ چاہے تو قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر فتح دلا سکتا ہے۔

طالوت کے قلیل التعداد لشکریوں نے بھی جو اہل ایمان تھے اصحاب بدر کی طرح اللہ تعالیٰ سے وہی دعا کی تھی کہ (یا اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار پر فتح کے لئے ہماری امداد فرما) اور چونکہ اس دعا کے وقت ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور وہ خدا کی نصرت پر اعتماد رکھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حسب مراد ان کے کثیر التعداد دشمن پر انہیں فتح بخشی جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ ''انہوں نے دشمن کو خدا کے حکم سے شکست دی'' یہی بات اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہونے والے اہل ایمان سے قرآن میں فرمائی:

''اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم (قلیل تعداد میں) کمزور تھے اس لئے اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار بن سکو''۔

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے طالوت کے تھوڑے سے ساتھیوں کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے طالوت کو نہ صرف بادشاہت بخشی بلکہ اسے علم و حکمت کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔

اس قصے میں داؤد علیہ السلام کی شجاعت کا بھی مدلل ثبوت ملتا ہے جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور چونکہ کہ حریف فوج کو نہ صرف شکست ہوئی تھی بلکہ دشمنوں کا بادشاہ بھی چونکہ میدان جنگ میں مارا گیا تھا اس لئے سامانِ حرب و ضرب کے علاوہ اس کا دیگر سامان اور زر و جواہر بھی کثیر تعداد میں ان کے ہاتھ آئے تھے۔ اس سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ حق اور حق پرست نصرت الٰہی سے کس طرح باطل اور باطل پرستوں پر غالب آ جاتے ہیں۔

السدی کی روایت میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے والد کے تیرہ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان میں سے انہوں نے سنا ہے کہ طالوت نے اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص جالوت کو لڑائی میں قتل کرے گا وہ اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے علاوہ اسے اپنی سلطنت میں نصف کا شریک بھی کرے گا یعنی اس طرح وہ بنی اسرائیل کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ داؤد علیہ السلام جو گوپھن سے پتھر پھینکا کرتے تھے غضب کے نشانہ باز تھے اور ان کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ داؤد علیہ السلام ہی تمام بنی اسرائیل میں وہ واحد شخص تھے جنہیں ان کی قوم کے جانی دشمن جالوت سے لڑائی کے وقت ایک پتھر سے یہ آواز آتی سنائی دی تھی کہ:

"مجھے اٹھا لو اور جالوت پر پھینکو تو مجھی سے تم جالوت کو قتل کر دو گے"۔

کچھ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جالوت سے طالوت کی جنگ کے موقع پر داؤد علیہ السلام کو پتھر سے جو آواز سنائی دی تھی وہ حقیقت ایک کے بجائے تعداد میں تین تھے اور داؤد علیہ السلام نے انہیں اٹھا کر اپنے گوپھن میں رکھ لیا تھا تو وہ تینوں ایک پتھر بن گئے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ مذکورہ بالا لڑائی میں جب جالوت داؤد علیہ السلام کے سامنے آیا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ "میرے سامنے سے ہٹ جا' میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا" داؤد علیہ السلام سے یہ سن کر جالوت بولا: "لیکن میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں" ۔ یہ کہہ کر وہ داؤد علیہ السلام کی طرف بڑھا تو انہوں نے اپنے گوپھن سے وہی پتھر اس کی طرف پھینکا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور یہ دیکھ کر اس کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

کہتے ہیں کہ جالوت پر فتح یاب ہونے کے بعد طالوت نے حسبِ اعلان داؤد علیہ السلام سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور انہیں حسب وعدہ اپنی سلطنت میں بھی نصف کا شریک کر لیا لیکن داؤد علیہ السلام کی اس شجاعت و دلیری کی وجہ سے بنی اسرائیل طالوت سے کہیں زیادہ ان کی عزت کرنے لگے جسے دیکھ کر طالوت رشک و حسد کا شکار ہو گیا اور اس نے داؤد علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا تو بنی اسرائیل کے علماء نے اسے اس سے روکا لیکن طالوت نے ان علماء میں سے اکثر کو قتل کرا دیا' تاہم وہ داؤد علیہ السلام پر قابو پانے اور انہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بہر کیف کچھ عرصے کے بعد جب طالوت کا وہ جذبہ رشک و حسد کم ہوا تو وہ اپنے اس خیال باطل پر خود ہی نادم ہوا اور خدا کے سامنے تائب ہوا لیکن اس کی بے چینی میں جب اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور زمین پر سر رگڑ رگڑ کر ایک عرصے تک فریاد کرتا رہا۔ آخر ایک روز اسے زمین سے ان علماء کی آواز سنائی دی جنہیں اس نے قتل کرایا تھا کہ:

"اے طالوت تو نے ہمیں قتل کرایا تھا اور بظاہر اب ہم مردہ ہیں لیکن درحقیقت ہم زندہ ہیں"۔

زمین سے یہ آواز سن کر طالوت اور زیادہ خوفزدہ ہو گیا اور پہلے سے زیادہ گریہ وزاری کرنے لگا لیکن ایک روز جب اس نے اپنے کسی قریبی ساتھی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تو اس نے پوچھا:

"ان علماء میں سے جنہیں آپ نے قتل کرایا تھا کوئی باقی ہے یا نہیں؟"۔

اس سوال کے جواب میں اس نے بنی اسرائیل کے باقی ماندہ علماء کی تلاش شروع کی تو آخر کار اسے ایسے عالم کا پتہ معلوم ہوا جو اس وقت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

طالوت نے اسے بلا کر پہلے تو اپنی سابقہ حرکت پر ندامت کا اظہار کیا اور پھر اس سے پوچھا کہ آیا اس کے اس پچھلے گناہ کی توبہ کا اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں قبول ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

اس عالم نے طالوت پر ترس کھا کر ایک ایسی عبادت گزار ضعیف عورت کی نشاندہی کی جو مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھی۔

جب اس عورت کو بلایا گیا تو وہ طالوت کو لے کر یوشع علیہ السلام کی قبر پر گئی اور اللہ تعالیٰ سے انہیں زندہ فرمانے کی دعا کی۔ اس کی دعا واقعی بارگاہ رب العزت میں فوراً درجہ قبولیت کو پہنچی اور یوشع علیہ السلام اپنی قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور انہوں نے وہاں حاضرین سے پوچھا:

''کیا قیامت برپا ہوگئی ہے؟''۔

یوشع علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں اس عورت نے آگے بڑھ کر کہا:

''نہیں ابھی قیامت نہیں آئی''۔

پھر اس نے ان سے طالوت کا ذکر کر کے جو سامنے ہی ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا عرض کیا:

''یہ اپنے پچھلے گناہوں پر حد درجہ نادم ہے اور چاہتا ہے کہ اسے بارگاہِ الٰہی میں اس کی توبہ کی قبولیت کا طریقہ بتا دیا جائے۔ اس لئے میں اسے ساتھ لے کر یہاں حاضر ہوئی ہوں تاکہ آپ علیہ السلام جو نبی تھے اسے وہ طریقہ بتا دیں کیونکہ میں ایسا کوئی طریقہ نہیں جانتی''۔

یوشع علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ طریقہ یہ ہے کہ یہ (طالوت) یہ ملک چھوڑ دے اور خدا کی راہ میں اس وقت تک کافروں سے جہاد کرتا رہے جب تک قتل نہ ہو جائے اور یہ میت کی شکل میں یہاں واپس نہ آئے''۔

یوشع علیہ السلام کی زبان سے یہ سن کر طالوت نے ان کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اپنا ملک چھوڑ کر سلطنت داؤد علیہ السلام کے حوالے کر کے چلا گیا۔

اس کی اولاد میں سے اس وقت صرف تیرہ آدمی تھے جو سب کے سب اس کے ساتھ ہی وہاں سے چلے گئے اور اس وقت تک راہِ خدا میں جہاد کرتے رہے جب تک قتل نہ ہو گئے۔ ان میں خود طالوت بھی شامل تھا۔

ابن جریر نے اپنی تاریخ میں یہ قصہ السدی کی طرح بااسناد روایت کیا ہے لیکن بعض جگہ یہ روایت محل نظر ہے اور قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم

محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جس نبی نے طالوت کو بارگاہِ باری تعالیٰ میں توبہ کی قبولیت اور اس کے سابقہ گناہوں کے سلسلے میں تلافی معافی کا طریقہ بتایا تھا وہ یسع بن اخطوب علیہ السلام تھے اور وہی طالوت کو یوشع علیہ السلام کی قبر پر لے گئے تھے ابن جریر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ عورت طالوت کو اشمویل علیہ السلام کی قبر پر لے گئی تھی اور وہ اس کی دعا سے زندہ ہو کر اپنی قبر سے باہر آ گئے تھے۔

یہ کسی نبی کا معجزہ تو ہو نا ممکن ہے لیکن کسی عورت کا نبیہ ہونا بہر حال ناممکن ہے اور اس سے کسی ایسے معجزے کا منسوب کرنا بعید از قیاس ہے۔ واللہ اعلم

اہل توریت کے نزدیک طالوت کے قتل ہونے تک اس کی مدت حکومت چالیس سال رہی۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوئم کا بیان ختم ہوا)

لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ مصنف خود ہی پچھلے ص ۱۷۰ پر یہ عبارت بیان کرتا ہے کہ وہ عورت عبادت گزار ضعیف عورت جو کہ مستجاب الدعوات تھی اسکو عالم کی نشاندہی پر طالوت بادشاہ نے بلا کر اپنی عرض کی لیکن یہاں بھی خود بیان کرتا ہی کہ نبی کا معجزہ تو ہونا ممکن ہے لیکن کسی عورت کا نبیہ ہونا ناممکن ہے۔ اس کی اپنی تحریر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ عورت ولیہ تھی نہ کہ نبیہ اور عورت کا ولیہ ہونا تو درست ہے اور ولیہ کی کرامت بھی ہو سکتی ہے ولی کی کرامت ہے کہ مردوں کو زندہ کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں جیسا پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ نے عیسائی کے ساتھ مناظرہ کرتے وقت دو مردے زندہ کیے۔ (مؤلف کیلانی) (بحوالہ کتاب الجواہرات عن الزیارات ص ۱۳۱، ۱۳۲) تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آخری جلد اولیاء اللہ کے بیان میں بیان کی جائے گی۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام

شجرۂ نسب: کتاب البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۱۹ پر اس طرح ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن عوینا ذب بن ارم بن حضرون بن فارص بن یہودا بن حضرت یعقوب علیہ السلام لیکن اسی کتاب کے اسی صفحہ کے حاشیہ پر ابن جریر کا نسخہ تاریخ ہے حضرت داؤد علیہ السلام ابن ایشی بن عوید بن باعز بن سلمون بن نحشون بن عمی ناذب بن رام الخ اور تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۲۴، ۲۶ اس طرح ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بن ایشا بن ایصان بن سلمون بن نحشون بن عمینا ذاب بن ارم بن حصرون بن جارص (یا بارص) بن حضرت یعقوب علیہ السلام'' واللہ اعلم''

جبکہ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۱ پر جو شجرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تحریر ہے وہ اس طرح ہے حضرت سلیمان علیہ السلام ابن حضرت داؤد علیہ السلام عوقید بن افضان (یوعر) بن سلمون بن نحشون بن عمینا ذاب بن ارم بن حصرون بن یارس یہودا بن حضرت یعقوب علیہ السلام۔

آپ علیہ السلام کے حالات واقعات

آپ علیہ السلام کے حالات واقعات کے لئے پ ۲۳ سورہ ص آیت نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۶ کی تفسیر پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی آیت نمبر ۱۷ ہمارے بندے داؤد کا حال دیکھو (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں) جو قوت والے تھے الٰہی، روزہ، نماز پر بڑی محنت فرماتے تھے۔ وہ اوّاب تھے یعنی ہمارے فرمانبردار بندے، ہماری طرف اور ہماری عبادت کی طرف ... والے تھے۔

آیت نمبر ۱۸، ۱۹: ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر کر دیئے تھے۔ پہاڑ ان کے ساتھ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرتے تھے اب پہاڑ خدا کے مطیع و منقاد ہیں۔

آیت نمبر ۲۰: ہم نے داؤد کی بادشاہت کو نہایت مضبوط کیا۔ محافظ، چوکیدار وغیرہ فوج بہت تھی وہ لوگ جو ہر شب ان کی محراب عبادت کی ... کرتے تھے۔ وہ تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) تھے۔ ہم نے داؤد کو حکمت یعنی نبوت عطا کی اور فصل الخطاب یعنی وہ کلام، وہ عمل جو مدعی اور مدعا علیہ ... جلد فیصلہ کرادے (کسی مقدمہ میں دیر نہ رکھتے۔ سچا حکم فوراً سنادیتے تھے) البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر پر عمل تھا۔

آیت نمبر ۲۱، ۲۲: اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو قرآن میں داؤد کے سامنے جو مخاصمت پیش ہوئی تھی اس کی خبر بھی آئی ہے اگر اب تک نہیں سنو۔ داؤد کی محراب عبادت میں جہاں کوئی پہنچ نہ سکتا تھا چند آپس میں جھگڑنے والے چھت کے اوپر سے کود کر ان کے پاس اتر کر پہنچے۔ داؤد دہشت کھانے لگے کہ باوجود حفاظت کے یہ لوگ اوپر چڑھ کر کیوں آئے۔ ان لڑنے والوں نے کہا (اور وہ درحقیقت فرشتے تھے) کہ اے داؤد ... کھاؤ۔ ہم فریاد لانے والے ہیں۔ ہم میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے ایک نے ایک پر ظلم کیا ہے۔ مقدمہ لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ اب تم ہمارا فیصلہ کرو۔ اور انصاف راستی کا حکم دو۔ ہم میں سے کسی کی طرف داری نہ کرو۔ ظلم نہ ہونے پائے۔ ہم کو سیدھی اور سچی راہ دکھاؤ۔

آیت نمبر ۲۳: ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ شخص مدعا علیہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ایک کم سو بکریاں ہیں اور میرے پاس ایک۔ اب کہ وہ بھی مجھ کو دے دے اور مجھ کو مغلوب کر کے اپنی عزت کے بھروسے پر یہ کلام مجھ سے کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس کا یہ کہنا ... اور ...

آیت نمبر ۲۴: حضرت داؤد علیہ السلام نے جواب فرمایا کہ اس نے تجھ سے جو یہ درخواست کی اور تیری بکری باوجود اس قدر بکریاں ہو ... سے مانگی اور اس کا اپنی بکریوں میں ملا لینا چاہا۔ تو اس نے بے شک تجھ پر ظلم کیا۔ اور جب آپس میں مخالفت اور شرکت وقرابت ہوتی ہے معاملے پیش آتے ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی پر ظلم کرنے لگتا ہے۔ مگر جو لوگ مسلمان ہیں اعمال صالحہ خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کر ... ایسی باتوں سے بچتے ہیں اور وہ دنیا میں بہت تھوڑے ہیں۔

آیت نمبر ۲۵: حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سن کر وہ دونوں فرشتے جیسے آئے تھے۔ ویسے ہی بے تامل کود کر چل دیئے تب حضرت داؤد علیہ السلام کو در حقیقت یہ مقدمہ والے نہ تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجھے متنبہ کرنے آئے تھے۔ اور اس بات کا ان کو یقین ہو گیا کہ ہم نے ان کو محنت تکلیف میں مبتلا کیا اور ان کا امتحان لیا گیا۔ ان سے باز پرس ہوئی۔ تب وہ اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرنے لگے اور سجدہ میں گر کر عاجزی خشوع وخشوع و توبہ ندامت ظاہر کرنے لگے۔ ہم نے ان کی مغفرت کی۔ ان کا ہمارے دربار میں بڑا مرتبہ وقرب ہے۔ وہ مقرب بارگاہ ہیں اور آخر میں نہایت اچھے بازگشت والے ہیں۔

بعض مفسرین اس مقام میں کئی طرح سے قصہ ''اوریا'' کا نقل کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت ہر گناہ سے قطعی داخل ضروریات دین سے ہے وہ سب قصے خلاف عفت وعصمت ہیں بعض زلات جو در حقیقت گناہ نہیں ہیں بلکہ خلاف اولیٰ ہیں۔ سرزد ہو سکتے اور ہوئے ہیں۔ جن کے سبب بلحاظ ان کے علو مرتبت (بلند مرتبے) کے حضرت رب العزت سے باز پرس ہوئی ہے اس قسم کا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف بھی مختلف طور سے منسوب کیا جاتا ہے جس کا خلاصہ صاحب تفسیر کی روایت کے بموجب یہ ہے کہ ایک شخص اوریاہ آپ علیہ السلام کے لشکر میں تھا۔ اس کی منگنی حضرت داؤد علیہ السلام کے چچا کی بیٹی سے ٹھہری تھی جسکا نام تیشا یلع تھا۔ اس میں سسرال والے جھگڑتے تھے کوئی معاملہ طے نہ ہوا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جن کے پاس ننانوے (۹۹) عورتیں تھیں۔ اپنی منگنی ٹھہرا کر تیشا یلع سے نکاح کر لیا۔ یہ معاملہ صرف خلاف اولیٰ ہوا۔ بات کی تنبیہ کے لئے فرشتے بھیجے گئے اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو خلاف اولیٰ پر تنبیہ فرما دیتا ہے۔ بعض مفسرین اس واقعہ کے بالکل منکر ہیں اس آیت کے اور طریقوں سے معنی بیان کرتے ہیں۔

نوٹ: ایک شخص کے پیغام کا فیصلہ ہونے سے پیشتر دوسرے شخص کو اپنا پیغام دینا ترک اولیٰ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوعہ درخت کے پھل کھانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ایسی لغزشیں انبیاء علیہم السلام سے ہو سکتی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا منصب بہت بلند ہے اس لئے ایسی لغزشوں پر ان کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ (قادری غفرلہ)

آیت نمبر ۲۶: پھر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کر کے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔ بنی اسرائیل کا نبی بھی اور بادشاہ بھی۔ آدمیوں میں عدل وانصاف سے فیصلے کرو اور اپنی خواہش کا اتباع نہ کرنا جیسا اوریا کی منگنی والی عورت کے بارے میں ہوا۔ اگر بفرض محال خواہش نفسانی کا اتباع کرو گے تو وہ تم کو درجہ بدرجہ گمراہ کر دے گی اور خدا کی راہ سے بہکا دے گی اور جو خدا کی راہ سے بہکا۔ اس کی اطاعت سے بھاگا۔ اس کو اس بات کے بدلے کہ وہ حساب کتاب کے دن کو بھول گیا۔ آخرت کے لئے اعمال صالحہ نہ کئے۔ عذاب شدید ہوگا۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کا بہکنا محال ہے۔ اس لئے بفرض محال کی قید لگائی گئی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر لگائے گئے الزام کا رد ضیاء القرآن کے حوالے سے

قارئین حضرات ایک دفعہ اس فقیر کے سامنے ایک آدمی نے چند دوسرے آدمیوں کی موجودگی میں سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایسی نا قسم کی کہانی بیان کی گئی جو کہ عام آدمی کی زبان بھی گوارہ نہیں کرتی فقیر نے اسکو اصل کہانی سنائی جو کہ بعض تفسیروں سے پڑھی تھی اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی شان وعزت میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی بلکہ اس میں کچھ اضافہ ہوتا تھا لیکن وہ آدمی بضد تھا کہ جو اس نے کہانی سنائی ہے وہی صحیح ہے حالانکہ اس میں بہت زیادہ الزام آپ علیہ السلام پر آتا تھا۔ فقیر نے یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں وہ کوئی زیادتی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کسی قسم کی ایسی بات کرے جس سے کسی نبی علیہ السلام پر الزام آتا ہو وہ بیان نہیں کرنا چاہئے لیکن وہ پھر بھی نہ مانا اور کہنے لگا میں اپنے استاد کو تمہارے سامنے لاؤں گا اس سے بات کرنا۔ فقیر نے کہا ٹھیک ہے لیکن وہ تو آج تک میرے سامنے اپنے استاد کو نہ لا سکا اور نہ بعد میں میرے ساتھ اس کے بارے میں کوئی بات کی لیکن فقیر کو اس پر سخت حیرت ہوئی اور فقیر نے بھی کبھی اس سے اس قسم کی گفتگو نہ کی بلکہ اپنے دل میں اس

نفرت ہوگئی۔لیکن فقیر اس مسئلہ کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مصروف ہوگیا بعض مفسرین کی کتابوں میں اس قسم کی عبارت پائیں جن میں کچھ نہ کچھ انبیاء کرام علیہم السلام پر الزام تراشی کی گئی لیکن جب سیّد المفسرین یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا مطالعہ کیا تو دل کو سکون حاصل ہوا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ایسی عبارت پائی جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت وشان میں اضافہ کرتی ہے لہٰذا فقیر نے اسی تفسیر کو اپنی اس کتاب میں بیان کرنا چاہا تو پہلے میرے پاس یہ تفسیر موجود نہ تھی تو لاہور سے اس تفسیر کا نسخہ خرید کر اپنی خواہش کو پورا کیا تو اب آپ حضرات کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سیّدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہم السلام سے لے کر اسی تفسیر کی عبارت بیان کی جارہی ہے اس سے قبل سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات واقعات میں یہی تفسیر بیان کی گئی ہے اس میں آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس میں سیّدنا حضرت داؤد علیہ السلام کے شان شایان بیان کیا گیا ہے۔

فقیر نے ایک دوست سے ضیاء القرآن کی تفسیر حاصل کر کے جب مطالعہ کیا تو وہ بھی پسند آئی کیونکہ اس میں حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بہت بلند فرمائے) نے جو جو الزام بعض کتابوں میں اسرائیلی روایات سے اخذ کر کے انبیاء کرام علیہم السلام پر لگائے ہیں ان کے رد کے لئے بڑی تحقیق کر کے اسرائیلی روایات کے حوالہ جات کی نشاندہی فرما کر بیان تحریر کیا ہے جس سے اصل واقعات سامنے آجاتے ہیں آپ نے اس سے قبل اس مذکورہ کتاب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان پڑھیں ہوں گے جو فقیر نے ضیاء القرآن سے نقل کر کے اپنی اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔

اب مزید بیان کرنے سے پہلے ضیاء القرآن سے نقل کر کے حضرت داؤد علیہ السلام پر جو الزام بعض مفسرین نے لگایا ہے اس کا رد کس اچھے طریقہ سے کیا گیا ہے بیان کیا جاتا ہے اس کے لئے ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۲۳۲ تا ص ۲۳۹ نقل کیا جاتا ہے جو صاحب تفسیر ضیاء القرآن نے تفسیر کبیر اُردو تفسیر البحر المحیط اور روح المعانی سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔

سورہ ص کی آیات نمبر ۲۱ تا ۲۵ کا ترجمہ اور تفسیر

ترجمہ: ''پاس اطلاع آئی ذیقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی ۲۳ اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے ۲۴ اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ۔ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے ۲۵ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں ۲۶ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے ۲۷ اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر ۲۸ سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۲۹ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اُسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے ربّ تعالیٰ سے اور گر پڑے رکوع میں ۳۰ اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخشدی انکی یہ تقصیر۔ اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے ۳۱ اور خوبصورت انجام ہے۔'' (ضیاء القرآن)

اب ضیاء القرآن سے مندرجہ بالا آیات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

۲۲ نیز ہم نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی حکومت کو مستحکم کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی ہیبت دلوں میں بٹھا دی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ بغاوت اور سرکشی کا خیال تک دل میں لا سکے۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کے سینہ کو نورِ حکمت سے روشن فرما دیا اور آپ علیہ السلام کو ایسی بے نظیر فصاحت و بلاغت بخشی کہ آپ علیہ السلام کی گفتگو کے بعد کسی کو تکرار یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی، سب جھگڑے ختم ہو جاتے۔ فصل الخطاب: البیان الفاصل بین الحق و الباطل: ایسا بیان، ایسی تقریر جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔

۲۳ اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ان آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔

جب کسی واقعہ کی اہمیت پر مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تا کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔ الاستفھام التنبیہ علیٰ جلالۃ القصۃ و الاصغاء الیھا و الاعتبار بھا: یعنی کیا آپ علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع ملی ہے کہ جب مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں اچانک جادھمکے۔

تسور الحائط: تسلق: دیوار پر رینگ کر چڑھنا۔ محراب سے مراد آپ علیہ السلام کی عبادت کا حجرہ ہے۔ اس کا ماخذ حرب ہے کیونکہ وہاں آپ علیہ السلام اپنے نفس سے برسر پیکار تھے، اس لئے اس کو محراب کہا گیا۔ مسجد کے محراب کو بھی اسی لئے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوائے نفس، تضلیل ابلیس اور طرح طرح کے خطرات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہد رسالت میں نہ تھی۔ صرح الجلال السیوطی ان المحاریب التی فی المساجد بھیئتھا المعروفۃ الیوم لم یکن فی عھد النبی ﷺ (روح المعانی)۔

۲۴ آپ علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ علیہ السلام ایک روز حکومت کے کاروبار کو انجام دیتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ ایک روز اپنے گھر کے فرائض انجام دیتے۔ تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تا کہ لوگ اُن کی عبادت میں مخل نہ ہوں۔ اس روز کسی کی مجال نہ تھی کہ اندر آنے کی جرات کر سکے۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام اپنے عبادت کے حجرے میں مصروف تھے۔ ایسے وقت میں ان اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اندر گھس آنا بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی' وہ بھی اس چیز کو بھانپ گئے کہ کہنے لگے ڈریئے نہیں ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ علیہ السلام از راہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجئے اور ہم میں سے کسی پر بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ جو فریق بھی ظلم و عدوان کی راہ پر گامزن ہے اُسے عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرما دیجئے۔ لا تشطط ای تتجاون۔

۲۵ اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ۹۹ دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دُنبی ہے۔ یہ مجھے کہتا ہے کہ یہ ایک دُنبی بھی مجھے دے دو۔ میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس طرح میری دُنبیوں کی تعداد پوری سو (۱۰۰) ہو جائے گی اور تُو اس دُنبی کی حفاظت کے جھنجھٹ سے چھوٹ جائے گا۔

۲۶ یہ جب بات کرتا ہے تو چھا جاتا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میری دادرسی کرنے کے بجائے اُلٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔ ای مخاطبتہ ایاہ محاجۃ بان جاء بحجاج لم اطق ردہ (معانی)۔

۲۷ آپ نے فریقین کی باتیں سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی سراسر زیادتی ہے۔ یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دُنبیوں سے بھی اس کی چشم آز سیر نہیں ہوتی، بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دُنبی دیکھ کر اسے رحم آئے اور اسے دس بیس دُنبیاں اپنے پاس سے دیدے تا کہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے، وہ اس کے پاس ایک دُنبی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اُسے بھی چھین لینا چاہتا ہے یہ سراسر ظلم ہے، یہ صریح زیادتی ہے۔

۲۸ فرمایا اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے۔ بڑے حصے والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم کر دیتا ہے، البتہ وہ حصہ دار جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے ان کا حق نہیں چھینتے، بلکہ حق و انصاف اور مروت و اخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔

۲۹ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

۳۰ یہ فیصلہ سنانے کے بعد معاً حضرت داؤد علیہ السلام کو کوئی اپنی بات یاد آ گئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جا رہی ہے، فوراً مغفرت

ب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے ۔ یہاں راکع سے مراد ساجد ہے۔ اور رکوع سجود کے معنی میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے، جیسے اس شعر میں ہے:

فخر علی وجهه راكعا

وتاب الی اللّٰه من كل ذنب (روح المعانی)

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہِ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں راکعا کا معنی ساجدا ہے سجدہ کرنے والا۔

۱۳۱ بیشک داؤد کا مقام ہمارے نزدیک بہت بلند ہے اور ان کے پلٹ کر آنے کی جگہ بہت اعلیٰ و عمدہ ہے۔

آیات کی اس تشریح کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ضیاء القرآن میں آپ مختلف ت پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام علیہم السلام پر فحش تہمتیں لگانے میں کتنے بیباک تھے ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی ـ بھی منسوب کرتے ہوئے انسان ہچکچاتا ہے۔ وہ بے دریغ اپنے نبیوں، اپنے محسنوں اور اپنے مشاہیر کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہی ات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے جو بائبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے۔ جی تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا ے، لیکن عرض حال کے لئے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

رت داؤد علیہ السلام پر بڑا گھٹیا قسم کا الزام کیا تھا اور اس کا رد کیسے کیا گیا

کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے:

''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی ہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع جو حتی ہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت ہو گئی۔ سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں''۔ آیات: ۲ تا ۵۔

اس سے آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یوآب جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو حتی اوریاہ کو جگہ پر تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو:

''صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو۔ اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ ے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا''۔ کتاب ۲ سیموئیل باب ۱۱۔ آیت: ۱۴ تا ۱۷

علماء یہود نے اپنی مقدس کتاب میں جو الزام حضرت داؤد علیہ السلام پر لگایا۔ اس کو پھر یوں اچھالا کہ زبان زد عام ہو گیا۔ حتیٰ کہ بعض مفسرین نے یات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من وعن ذکر کر دیا۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر ے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے''۔

امام رازی فرماتے ہیں: والذی ادین به و اذهب الیه ان ذلك باطل: کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ۔ پھر اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں، فرماتے ہیں:

اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ اور جس بدبخت نے ایسی فحش بات اللہ

نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پُر زور تردید کرے گا اور نے والے پر لعنت بھیجے گا۔ ایسا گھناؤنا جرم جسے ایک ادنئے درجہ کا اُمتی اپنے لئے پسند نہیں کرتا، ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب سکتا ہے۔ نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داوٗد علیہ السلام پر سنگین جرم ثابت ہوں گے۔ ایک قتل بیگناہ دوسرا فعل قبیح۔ قرآن میں یہ لئے نازل کی گئیں تا کہ نبی کریم ﷺ کی دلجوئی ہو اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ کفار کی دلآ زاری سے طرنہ ہوں۔ اگر حضرت داوٗد علیہ السلام سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ فرماتا جو اپنی س کے سامنے بےبس ہے اور قتل بیگناہ کے ارتکاب کی جرات کرتا ہے۔ نیز سابقہ آیات میں حضرت داوٗد علیہ السلام کو جن صفاتِ عالیہ سے فرمایا گیا ہے: عبدنا (ہمارا بندہ) ذاالاید (عبادت و طاعت میں بڑا طاقتور) اوّاب۔ (ہر وقت رجوع کرنے والا) صاحب فصل غیرہا۔ اگر آپ علیہ السلام سے ایسی رذیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے موصوف کرنے کا پھر کوئی مقصد نہ رہتا۔ اور کو عندنا لزلفی اور حسن مآب کی خوشخبری ہرگز نہ دی جاتی۔ اس لئے آیات کا سیاق و سباق دونوں اس قصہ کی پُر زور تردید کرتے ہیں سراپا لغو اور بےہودہ قرار دیتے ہیں۔ (کبیر)

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

من حدثکم بحدیث داوٗد علی ما یرویہ القصاص جلدتہ ماتہ و ستین"۔

ترجمہ: یعنی جو شخص حضرت داوٗد علیہ السلام کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ درے لگاؤں گا۔

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ عام رواج تھا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی کسی کی منکوحہ کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تا کہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں، چنانچہ بسا شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ آدمی عدت گزرنے کے بعد اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ لیکن نبی کی شان بڑی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس بات پر تنبیہہ فرما دی۔

ابوبکر حصاص نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی اوریاہ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داوٗد علیہ السلام عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور اُنہوں نے وہ رشتہ دے دیا۔ لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔

تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ نہ گناہ کبیرہ آپ علیہ السلام کی طرف ہو اور نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ علیہ السلام کی مدح و ثنا کا پہلو نکلے۔ بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ علیہ السلام کا مخالف ہو گیا تھا نے آپ علیہ السلام کے قتل کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ علیہ السلام ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت ہو جایا کرتے تھے۔ اُنہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آ گئے تا کہ تنہائی میں آپ علیہ السلام کا کام تمام کر دیں اور پہرے اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ علیہ السلام کے حجرہ میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ نہ اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ ہم تو آپ علیہ السلام سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے، دروازہ بند پایا۔ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی، اس لئے مجبوراً ہم دیوار کو پھاند کر اندر آ گئے۔ آپ علیہ السلام ان کی بدنیتی پر آگاہ ہو گئے پہلے تو آپ علیہ السلام یا اوران سے انتقام لینے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا اور استغفار اس لئے مانگی کہ ان کے ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی پیدا کیوں ہوا۔ علامہ رازی آخر میں فرماتے ہیں: و کان قولنا اولیٰ و ھذا ما عند نا فی ب۔ واللہ اعلم با سرار کلامہ۔ (کبیر) یعنی ہماری یہ توجیہہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے۔ اللہ کتاب کے اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ہدیہ ناظرین ہے۔

"ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار کو پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے۔ وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے، جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا۔ اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ علیہ السلام کی عدالت کا وقت نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ لیکن جب واضح ہوگیا کہ یہ دونوں تو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ یعنی ان لوگوں کا بے وقت آ دھمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ علیہ السلام کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں، اور اس وجہ سے آپ علیہ السلام کا گھبرا جانا، یہ سب آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں ان کا سوءِ ظن کرنا آپ علیہ السلام کی شانِ نبوت سے فروتر ہے۔ اس لئے آپ علیہ السلام مغفرت طلب کرنے لگے۔ آخر میں علامہ مذکورہ لکھتے ہیں:

ونعلم قطعاً ان الانبیاء علیہم السلام معصومون من الخطایا لا یمکن و قوعهم فی شئی منها ضرورۃ انا لو جوّزنا علیهم شیئا من ذلک بطلت الشرائع و لم یو ثق بشئی مما یذکرون انه وحی من اللہ تعالیٰ فما حکی اللہ تعالیٰ فی کتابه یمر علی ما اراده اللہ وما حکی القصاص مما فیه نقص لمنصب الرسالة طرحناہ و نحن کما قال الشاعر:

و نؤثر حکم العقل فی کل شبهة اذا آثرا لاخبار جلاس قصاص

ترجمہ: یعنی ہمارا پختہ یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے فرمودات سے اعتبار اُٹھ جاتا۔ قصہ لوگوں نے منصبِ نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑلی ہیں۔ ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے:

"جس بارے میں شک وشبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گوؤں کے ہم نشین حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں"۔

شیخ اکبر حضرت ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہئے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے، تو اس کے بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت بُرا جانتے ہیں۔ جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلسِ وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

ولا یتعرض لما ذکرہ المؤرخون عن الیهود من زلات من اثنی اللہ علیهم و اجتباهم و یجعل ذلک تفسیر الکتاب اللہ ۔ (فتوحات مکیہ۔ جلد دوئم۔ صفحہ ۲۵۶۔ مطبوعہ مصر)

واعظ پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے کلیتہً اجتناب کرے جو مؤرخین نے بلا تحقیق یہودیوں سے نقل کی ہیں جن میں ان مقدس ہستیوں کی لغزشوں کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثناء و توصیف فرمائی ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چن لیا ہے، اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ وہ قرآن کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔

اُمید ہے ان سطور کے مطالعہ سے حقیقت حال واضح ہوگئی ہوگی۔ اور قارئین کے ذہن سے وہ بوجھ اتر گیا ہوگا، جو داستان سرائی کرنے والے لوگوں کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے کے بعد ہر سلیم الطبع انسان محسوس کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں اپنا نائب بنایا

واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابه وحبیبه الاکرم اعرف بحقائق آیات ربه۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں اپنا نائب بنایا

ترجمہ: ''اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں ۴۲ پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہِ خدا سے بیشک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہِ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو ۴۳'' (ضیاء القرآن) سورہ ص آیت نمبر ۲۶

تفسیر: ۴۲ حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورثہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ علیہ السلام کے لئے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنا دیا اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرما دی اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو اور اپنی پسند و ناپسند کو اپنے فیصلوں پر کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ اس کی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ اور جو شخص راہِ حق سے بہک جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں منہیہ تحریر فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے:

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ما الخليفة من الملك ؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرات طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

الخليفة الذى يعدل فى الرعية و يقسم بنيهم بالسوية ويشفق عليهم شفقة الرجل على اهله و يقضى بكتاب الله .

یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے۔ ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔

سلیمان بن عوجاء سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے دریافت کیا ہے **ما ادرى اخليفة انا ام ملك .** میں نہیں جانتا میں کیا ہوں۔ خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔

ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا فرق ہے؟

قال الخليفة لا ياخذ الاحقا و لايضعه الا فى حق و انت بحمدالله كذلك و الملك يعسف الناس فيا خذ من هذا ويعطى هذا، فسكت عمر .

اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے۔ اُن سے لیتا ہے اُن کو دیتا ہے یہ سن کر حضرت فاروق خاموش ہو گئے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

سربراہ مملکت کے لئے اسلام نے بادشاہ، سلطان، چیئرمین وغیرہ کلمات پسند نہیں کئے کیونکہ ان میں خود سری اور انانیت کی بُو آتی ہے، بلکہ خلیفہ کا لفظ تجویز کیا ہے جس کا معنی خود سر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ اپنے ربّ کا نائب ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیے ہوئے اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے نظام اور اسلام کے نظام کی سیاست میں بنیادی اہمیت کا مالک ہے۔

۴۳ قرآن کریم نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے موثر پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرق اولین یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے فیصلہ کرتے وقت کوئی خارجی چیز، سفارش، رشوت، کوئی طمع، کوئی خوف حتیٰ کہ اپنے ذاتی مفاد کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا۔ گویا اس نے روز جزا کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعویٰ کرے کہ وہ وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزان عدل کو برابر نہیں رکھ سکتا تو اس کو یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً حق نہیں اور جو لوگ قیامت پر

ن نہیں رکھتے یا اُسے فراموش کر دیتے ہیں ان کے لئے عذاب شدید ہے۔

اللھم انا نعوذبك ان نضلّ عن سبيلك و نعوذبك من عذاب القبر و عذاب الحشر و عذاب النار ۔

ہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ ۳۴''۔ (ص آیت ۲۷)

تفسیر: ۳۴ کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش وعشرت کرلو۔ خوب مزے اڑاؤ۔ دولت کماؤ ں کما سکتے ہو۔ حلال وحرام کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ ومنصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو نے دو، مکروفریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزار ہا سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ ہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین وآسمان کا یہ سارا نظام غلط ۔۔ (ضیاء القرآن جلد دوئم)

تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طالوت کو بادشاہ بنایا طالوت اور کفار کے بادشاہ جالوت کا مقابلہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل نا اور پھر آپ علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے نبوت اور بادشاہت ملنے کا بیان

اس کے لئے پ نمبر ۲ سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۲۴۶ تا نمبر ۲۵۲ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۲۴۶: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کیا تمہیں بنی اسرائیل کے اس گروہ کا حال معلوم نہیں جنہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے وقت کے پیغمبر یعنی حضرت شموئیل علیہ السلام سے کہا کہ کافروں سے لڑنے کے لئے ہم میں سے ایک کو بادشاہ بنا دیجئے م سب اس کے ساتھ ہو کر جہاد کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ تمہارا ایسا حال نہیں کہ جب تم پر جہاد فرض ہو جائے تو اس وقت جہاد کرو۔ بلکہ منہ موڑ بھی تو تم تمنا کرتے ہو۔ جب فرض ہو جائیگا۔ بیٹھ رہو گے۔ تب وہ بولے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے اور ہمیں کیا ہو جائے گا کہ جہاد نہ کریں گے۔ یہ ہو سکتا اس لئے کہ کافروں نے ہمیں ہمارے گھروں سے بے گھر کر دیا۔

(نوٹ: حضرت شموئیل علیہ السلام کے تذکرہ میں ان آیات کی تشریح البدایہ والنہایہ جلد دوئم کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے لیکن یہ تفسیر اس کے ۔ میں زیادہ تفصیل سے اور اچھے طریقے سے بیان کی گئی اور معتبر دلائل کے ساتھ تحریر ہے اس لئے یہاں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے دوبارہ کی۔)

ہماری اولاد باندی وغلام بنالی۔ جب ان کی تمنا سے جہاد فرض ہوا تو بیٹھ رہے۔ بہت تھوڑے آدمیوں کو توفیق ہوئی یعنی تین سو تیرہ کو باقی نہ ے ست وبزدل ہو کر بیٹھ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کا حال خوب جانتا ہے جو نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کو سزا دیتا ہے۔ ''عسیتم'' یہاں پر کی زیر اور زبر دونوں سے ہے۔

آیت نمبر ۲۴۷: اور حضرت شموئیل پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ طالوت کو بنایا ہے۔ تب وہ بگڑے اور کہنے لگے۔ واہ وہ ت ہمارا افسر بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو شاہی خاندان سے نہیں ہم اس سے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم شاہی خاندان سے ہیں یعنی ہمارے باپ دادا گزرے ہیں اور اس کے پاس کچھ زیادہ مال بھی نہیں ہے۔ پھر وہ بادشاہ کیسے ہوگا حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو بادشاہ ہ۔ اور فنون جنگ، سپہ گری، پہلوانی اور شجاعت میں اسے تم پر فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک اس کو دیتا ہے وہ واسع ہے اور لم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔ لہٰذا اس کا حکم مانو اور طالوت کو بادشاہ تسلیم کرو۔

آیت نمبر ۲۴۷-۲۴۸: جب بنی اسرائیل نے انکار کیا کہ وہ ہم پر افسری نہیں کر سکتے اور حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

ن۔تب وہ چپ ہوئے اور سوچ کر کہنے لگے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی طرف سے انہیں بادشاہ کر دیا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کوئی نشانی دکھلا یئے۔حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تابوت سکینہ جس میں رحمت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات ہیں۔کچھ ٹکڑے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرت ہارون علیہ السلام کی چادر اور عمامہ وغیرہ۔جس کی وجہ سے تم دشمن پر فتح پایا کرتے تھے۔اور ے پاس آ جائے گا۔تم دیکھو گے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ان کی بادشاہت کی یہ کھلی نشانی ہے۔اگر تم مسلمان ہو تو ضرور قبول کرو تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔اپنا ہی نقصان کرو گے۔

نمبر۲۴۹: آخرکار جب تابوت سکینہ انہیں مل گیا تب انہوں نے متفق ہو کر ان کی بادشاہت تسلیم کی پس جب طالوت نے لشکر بنا کر وہاں تو راستہ میں جنگل پڑا۔دھوپ اور پیاس نے انہیں بے دم کر دیا۔انہوں نے پانی مانگا۔تب طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ایک ر تمہارا امتحان لے گا۔جو اس سے خوب سیر ہو کر پئے گا۔تو وہ میرے ساتھ نہ رہے گا۔دشمن سے لڑ نہ سکے گا۔او جو خوب سیر ہو کر نہ پئے لے کر پی لے گا۔تو وہ میرے ساتھ ہو گا دشمن کا مقابلہ کرے گا۔اور جب نہر نظر آئی۔سب دوڑ پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ انا۔تھوڑے آدمی یعنی تین سو تیرہ رکے رہے۔انہوں نے ایک چلو پانی پیا۔اللہ تعالیٰ کی قدرت جنہوں نے بے صبری سے پیٹ بھر کر پیا س ہی نہ بجھی۔جنہوں نے ایک ایک چلو لیا تھا وہ ایک چلو ہی انکو اور ان کے جانوروں کو اور ان کی سب حاجتوں کو کافی ہوا۔جب طالوت ساتھ مسلمان نہر سے پار اترے تو آپس میں کہنے لگے۔جالوت کا مقابلہ اور ہم؟ اس کا لشکر بے انتہا ہے۔ہم میں طاقت نہیں ہے لیکن جو تھے ان کو یقین تھا کہ مر کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔انہوں نے کہا ابھی سے گھبراہٹ کیا ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑے سے مسلمان الیٰ کے حکم سے کافروں کے بڑے بڑے لشکر عظیم الشان پر غالب آئے ہیں۔جو صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ امداد کے لئے اس کے ساتھ ہوتا ضم ایک چلو اور بالفتح مقدار تو مفعول مطلق ہو گا۔

ت نمبر۲۵۰: جب دونوں جانب سے صف بندی ہوئی اور مسلمان جالوت کے لشکر کے سامنے پہنچے تو مسلمانوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ جل)! ہمارے دلوں میں صبر ڈال، ہمارے قدموں کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر غالب فرما۔اللہ تعالیٰ نے ان ی فرمائی اور کافروں پر فتح دی۔

ت نمبر۲۵۱-۲۵۲: جب مقابلہ ہوا تو پہلے ہی حملہ میں کافروں کو شکست ہوئی۔حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت بادشاہ کو مارا۔انہیں اللہ تعالیٰ ت بھی دی اور نبوت بھی عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا۔یعنی زرہ بنانا بتلایا۔اگر خدا آپس میں ایک دوسرے کو لڑا کر مفسدوں کا شر کم نہ یہ دنیا بھر کو تباہ و برباد کر دیں۔دیکھو! اگر حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے جالوت کو قتل نہ کراتا تو وہ کیا کرتا۔اور پیغمبروں کے سبب اللہ تعالیٰ ں پر سے کفار کا شر دفع نہ کرے تو ان کا حال کیا ہو۔اگر مسلمان غازی کافروں کو نہ ماریں تو وہ کمزور مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کریں تو کی شان ہے کہ آپس میں لڑاتا ہے۔ایک خدا کو ماننے والا فریق غالب ہو جاتا ہے۔کفار کا فساد کم ہو جاتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل عالم کے اوپر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ان میں پرانی امتوں کے عبرت انگیز واقعے سناتا ہے۔اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دیکھئے ہم سلام کو بھیج کر آپ علیہ السلام پر کیسی کیسی باتیں اتارتے ہیں۔اور آپ علیہ السلام بے شک اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔جن و انس کو ہدایت کیجئے۔یہ یں دینا آپ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کی دلیلیں ہیں کیونکہ غیب کی خبر سچا رسول ہی دے سکتا ہے اور ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بے شک ہمارے عالم کی طرف ہماری طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

ؤد علیہ السلام کے لئے لوہا کو نرم کیا گیا پہاڑ اور پرندے آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے تھے

۲ سورہ سبا آیت نمبر۱۰-۱۱ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے۔

ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے پاس سے فضل دیا یعنی بادشاہت و نبوت کو جمع کیا اور پہاڑوں کو حکم دیا کہ تم حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل

کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی یہ حکم دیا (چنانچہ یہ دونوں چیزیں ان کا ساتھ دیتی تھیں اور تسبیح کرتی تھیں اور ہم نے ان کے ہاتھ پر لوہا موم جیسا نرک کر دیا۔ جیسے گیلی مٹی کا برتن بناتے ہیں یونہی وہ لوہے کی چیزیں بناتے تھے اور ان کو زرہ بنانا سکھایا کہ وسیع اور کشادہ زرہیں بناؤ اور حلقہ کو حلقہ میں اندازے سے ڈالو کہ ڈھیل رہے نہ تو بہت باریک جوڑ لگاؤ اور نہ موٹا کہ پھنس جائے اور تم سب اچھے کام کرو۔ میں تمہاری اچھائی برائی کا عالم ہوں۔ نیز پ ۱۷ سورہ الانبیاء آیت نمبر ۷۹-۸۰ میں بھی اسی طرح کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل کی

(البدایہ والنہایہ جلد دوئم سے اخذ کر کے بیان کیا جاتا ہے پ ۶ سورہ النساء آیت نمبر ۱۶۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ زبور کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر ماہ رمضان میں نازل ہوئی تھی اور وہ مواعظ و احکام پر مشتمل تھی۔ لیکن اب وہ فی الجملہ محل نظر ہے۔ کیونکہ اس میں متعدد مقامات پر اہل کتاب نے تحریف کر دی ہے۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عامر کے حوالے سے لحن داؤدی کے اس معجزے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ علیہ السلام کی آواز سن کر وحوش وطیور ان (یعنی چرندے اور پرندے) آپ علیہ السلام کے گرد جمع ہو کر رقص کرنے لگتے اور رقص کرتے کرتے ان میں سے بعض بے ہوش اور بعض مر بھی جایا کرتے تھے۔

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور کی تلاوت فرماتے تو آپ علیہ السلام کی بے مثال آواز سن کر نہ صرف جن و انس چلتے چلتے رک جاتے بلکہ وحوش وطیور ان آپ علیہ السلام کے گرد جمع ہو کر رقص کرتے اور ان میں بعض بے ہوش اور بعض مر جاتے تھے۔

ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ سے باسناد مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بربط بجا کر زبور کی تلاوت فرماتے لیکن یہ روایت غریب ہے تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز آل داؤد کے مزامیر سے وراثت میں پائی ہے" کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن میں خوش الحانی بھی کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہ حدیث شیخین کے حوالے سے صحیح مسلم میں بھی روایت کی گئی ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حماد بن سلمہ کی زبانی محمد بن عمر ابی سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے مندرجہ بالا حدیث نبوی بیان کی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی تلاوت زبور میں جیسا کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند ایک دوسری جگہ عبدالرزاق کی زبانی اور معمرؒ ہمام اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کیا ہے ایک تو کلام الٰہی کے اثر دوسرے خود ان کی ساحرانہ آواز کی تاثیر سے جو نتائج پیدا ہوتے تھے وہ بعید از قیاس نہیں ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث نبوی اس سلسلے میں خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن محمد اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے پیش کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے قرآن (اس حدیث میں جیسا کہ ظاہر ہے قرآن سے مراد زبور ہے) کی تلاوت شروع کرتے اور پھر اپنا ساز چھیڑتے تھے۔ اسی حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے حوالے سے حضرت داؤد علیہ السلام کے بدست روزی کے حصول اور اکل حلال کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو حضرت موسیٰ بن عقبہ اور ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا مذکورہ معجزہ یعنی ان کے ہاتھ لوہے کا موم ہو جانا اور آپ علیہ السلام کی بے مثال آواز کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث نبوی کا حوالہ دیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حلال روزی کمانے کے لئے لوہے کو ان کے ہاتھ نرم کر کے زرہ سازی کا فن سکھایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کا قتل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت سے سرفراز اور آپ علیہ السلام کے ہاتھوں لوہے کو نرم کر دیا تا کہ حلال روزی کمانے کا سبب بن جائے بنی اسرائیل کا ذکر فرمانے کے بعد ضمن قرآن شریف میں اس کا ذکر فرمایا۔ جس

سے آپ علیہ السلام پہلے کے عام لباس کے علاوہ زرہ بھی بنا لیتے جس سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ ہو جاتے تھے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے پہاڑ اور پرندوں کو مسخر کر دیا اور وہ دیکھتے تھے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے تسبیح کرنے والے ہیں تاہم بنی اسرائیل کے جو اعمال تھے اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل وکرم کا ذکر فرماتے ہوئے ان سے سوال کرتے ہیں کہ آیا اس کے اس فضل وکرم کے باعث وہ اپنے خالق کے شکر گزار ہیں۔

یہ قصہ مجاہد، قتادہ، حکم اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم نے بھی قرآن کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزے کی بناء پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام کو لوہے کو تپانے اور کوٹنے پیٹنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جیسے دوسروں کو پڑتی تھی۔ اور وہ آسانی سے اس کے تار بنا کر یا اسے کڑیوں میں تبدیل کر کے بالترتیب اس سے لباس یا زرہ بنا لیتے تھے۔ جس سے آپ علیہ السلام کو چھ ہزار درہم تک آمدنی ہوتی تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اپنی امت کو خود محنت کر کے روزی حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور انکے علاوہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہما بھی کہتے ہیں کہ علماء وفقہاء اسلام کے ان افکار وانکار کا ماحصل یہ ہے اسی حلال کی روزی سے اہل ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ رات بھر عبادت پروردگار میں مشغول رہ کر نصف النہار تک روزہ سے رہ سکیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا بیان

صحیحین (صحیح مسلم وبخاری) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح پسند کرتا ہوں جیسے اس کی عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کیا کرتے تھے اور روزہ بھی مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزہ کی طرح مرغوب ہے''۔

حضرت داؤد علیہ السلام آدھی رات تک سوتے اور پھر اس کے تہائی حصے میں عبادت الٰہی میں گزارنے کے بعد اس کے چھٹے حصے میں آرام فرمالیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ کر پھر روزہ رکھتے کلام الٰہی کے مطابق جب حضرت داؤد علیہ السلام صبح وشام عبادت خداوندی میں مشغول ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہاڑ اور چرند وپرند بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے اور آپ علیہ السلام کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔

قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ضمن میں آیت قرآنی (وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ) کا مطلب

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک عظیم مملکت کی بادشاہت بخشی تھی اور اس میں ان کے احکام نافذ کر دیئے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے احکام کے نفوذ اور ان کے عدل وانصاف کے سلسلے میں آپ علیہ السلام کے عادلانہ فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر اور ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں دو اشخاص حاضر ہوئے جن میں ایک گائے کی ملکیت کا دعویٰ تھا اور ایک کہتا تھا کہ دوسرے نے اس کی گائے پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے جبکہ دوسرا شخص انکار کرتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے رات تک انتظار فرمایا۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ مدعی جھوٹا ہے اس لئے اسے قتل کر دیا جائے۔

اگلی صبح آپ علیہ السلام نے مدعی کو بلا کر فرمایا کہ ''شب گزشتہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ لہٰذا اب میں تجھے قتل کرنے پر مجبور ہوں۔ اب تو بتا کیا کہتا ہے؟''

وہ شخص بولا: ''یا نبی اللہ! مجھے اس شخص کے باپ پر میری گائے غصب کرنے کا علم ہوا تھا۔ لیکن میں نے دعویٰ بیٹے پر کر دیا۔ جس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں''۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص یعنی مدعی کو غلط دعویٰ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا۔ تو لوگوں کا آپ علیہ السلام کے فیصلوں میں سختی سے عدل وانصاف پر عمل پیرا ہونے کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ آپ علیہ السلام کی صدق دل سے فرمانبرداری کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''شددنا ملکہ'' سے اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے ''الحکمۃ'' کا مطلب نبوت ہے۔

جہاں تک قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ''وفصل الخطاب'' کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں شریح وشعبی اور قتادہ اور ابوعبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب شہود وایمان ہے۔ جس کی بنا پر حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کو قتل کیا اور مدعا علیہ کو چھوڑ دیا۔

مجاہد والسدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اس فیصلے سے آپ علیہ السلام کی اصابت قضا یعنی فیصلے سے اور فہم وفراست ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''فصل الخطاب'' میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کلام اور آپ علیہ السلام کے فیصلے کے مابین فصل کی طرف اشارہ ہے۔ جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں باہمی جھگڑوں اور گواہوں کی کثرت ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کو سماعت اور پھر فیصلہ کرنے میں جو فصل غور کرنے اور کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں رکنا پڑتا تھا۔ کلام الٰہی میں ''فصل الخطاب'' سے وہی مراد ہے۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کے اکثر فیصلوں میں ہدایت خداوندی بھی شامل ہوتی تھی اور مقدمات کی سماعت کے لئے آپ علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم موصول ہونے میں جو وقفہ ہوتا تھا اس ارشاد ربانی میں اس کا مفہوم بھی شامل ہے۔ (البدایہ والنہایہ کا بیان ختم)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں جو قصے بیان کئے گئے ہیں ان میں اسرائیلیات پر مبنی حکایات کثرت سے شامل ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کے بارے میں صرف اسی قصے پر اکتفا کیا ہے جو قرآن شریف میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

قارئین حضرات آپ نے اس موضوع میں دو اشخاص کا جو جھگڑا گائے کے متعلق جو پڑھا ہے اس کے متعلق صاحب تذکرۃ الانبیاء نے صفحہ ۳۵۷ پر روح المعانی کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تجھے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اب تو بتا کیا کہتا ہے؟

تو اس شخص نے کہا کہ آپ علیہ السلام جلدی نہ کریں کیونکہ میں آپ علیہ السلام کو اصل بات بتاتا ہوں۔ کہ میں اس (گائے کے) جرم کی وجہ سے گرفت میں نہیں آیا بلکہ میں نے اس شخص کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور اسے ظاہر نہ ہونے دیا۔ میں اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرات اس عبارت کو لکھنے کا مقصد فقیر کا یہ ہے کہ قتل کسی کو کرنا حاکم کے حکم پر صرف اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس پر بھی کسی جرم کا الزام ثابت ہو جائے اس لئے فقیر کے نزدیک یہ بیان مدعی کا درست ہے کہ وہ قتل کے گناہ کی وجہ سے اس گرفت میں آیا ہے اور جو البدایہ والنہایہ کے حوالے سے ہے کہ مدعی نے کہا دراصل گائے مدعا علیہ کے باپ نے غصب کی تھی اور اس نے اس مدعا علیہ پر الزام لگایا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں تو حضرات فقیر کے خیال میں یہ بیان غلط طور پر بیان ہوا ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر بھی ہیں اور عادل بھی اس لئے آپ علیہ السلام کے شان شایان نہیں کہ صرف غلط الزام لگانے کی وجہ سے کسی کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں۔

لہٰذا آپ علیہ السلام نے تب ہی مدعی کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا جب اس نے مدعا علیہ کے باپ کو قتل کرنے کا جرم بھی خود تسلیم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اور علیم بالذات الصدور ہے وہ تو جانتا تھا اسی لئے اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مدعی کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم (مؤلف)

خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے ارشاد

کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرات طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و اعیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

حضرت سلمان بن عوجا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا کہ ''مجھے معلوم نہیں کہ میں خلیفہ ہوں بادشاہ''۔

ایک شخص کہنے لگا۔ اے امیر المومنین! دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا فرق ہے؟ اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق وانصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ تعالیٰ کے فضل کرم سے آپ رضی اللہ عنہ ایسا ہی کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے۔ اس سے لیتا ہے اُس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری، بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۲۷۱-۲۷۲)

سربراہ مملکت کے لئے اسلام نے ''بادشاہ' سلطان' چیرمین' وغیرہ کلمات پسند نہیں کئے کیونکہ ان میں خودسری اور انانیت کی بو آتی ہے۔ بلکہ ''خلیفہ'' کا لفظ تجویز کیا ہے۔ جس کا معنی خود سر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تکمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیئے ہوئے اختیارات استعمال کرنا ہے۔

یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دوسرے نظام ہوں اور اسلام کے نظام سیاست بنیادی اہمیت کا مالک ہے۔ قرآن پاک نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر انداز اور پیرائے میں بیان کر دیا۔

اس کا فرضِ اولین یہ ہے کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فیصلہ کرتے وقت خارجی چیز ''سفارش'' کوئی طمع' کوئی خوف حتیٰ کہ اپنے ذاتی مفاد کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے روز جزاء کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزان عدل کو برابر نہیں رکھ سکتا تو اس کا یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے عذاب شدید ہے۔

کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش وعشرت کر لو۔ خوب مزے اُڑاؤ۔ دولت کماؤ جتنی کما سکتے ہو اور جس طریقہ سے یعنی حلال و حرام طریقہ سے کما سکتے ہو۔ حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ منصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو۔ مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزار سال سے یہ صوفی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطے کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام عبث اور بے مقصد ہے۔ ایک نیک کار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے متقی اور پرہیزگار اور فاسق فاجر سب یکساں ہیں۔ سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی، ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق فاجر ذلیل ہوں گے۔ حق کا بول بالا ہو گا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی (ضیاء القرآن، بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۲۷۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کی کیفیت حیات و کیفیت وفات

اس کے لئے کتاب البدایہ والنہایہ جلد دوئم کا ص ۲۴ تا ص ۲۶ نقل کیا جاتا ہے۔

تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں احادیث نبوی سے حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اور حوا کو جنت سے نکال کر

زمین پر جانے کا حکم دیا تو اس کے بعد حوا کے بطن سے حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے وفات پاتی چلی گئی جن میں انبیاء علیہم السلام بھی تھے۔ آخر اپنی اولاد میں ایک ممتاز شخصیت کو سامنے دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: ''تمہارا بیٹا داؤد علیہ السلام''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی شان و شوکت' نبوت و بادشاہت کا اعزاز اور بنی اسرائیل میں اس کی عزت و حرمت اور پسندیدگی و ہردلعزیزی دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

''اس کی ساری عمر کتنی ہوگی؟''۔

جواب ملا: ''ساٹھ سال''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''یا رب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے''۔

جواب ملا: ''اس کی عمر میں اضافے کی واحد صورت یہ ہے کہ تمہاری باقی عمر اسے دے دی جائے''۔

حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کے سامنے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر سے جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی چالیس سال نکال کر ان کے اس بیٹے یعنی داؤد علیہ السلام کی عمر میں شامل کر دیئے تو اس کی عمر سو سال ہوگئی لیکن خود حضرت آدم علیہ السلام کی عمر جو ایک ہزار چالیس سال ہونا تھی اب صرف ایک ہزار سال رہ گئی جو اس دعا کے وقت ان کی عمر تھی۔ تاہم جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ انہوں نے اپنی عمر کے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو ہبہ کر دیئے تھے کیونکہ یہ بات آئندہ صدیوں بعد کے واقعات سے متعلق تھی جسے انہوں نے ظاہر ہے کہ عالم تصور میں دیکھا تھا اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے بیٹے داؤد علیہ السلام کی مقررہ عمر ساٹھ سال کی بجائے سو سال کر دی گئی تھی۔

یہ روایت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن خزیمہ اور ابن حبان کے حوالے سے بیان کی ہے۔ حاکم نے اس روایت کو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی سند کی طرح بیان کیا ہے۔

بعض اہل کتاب نے داؤد علیہ السلام کی عمر ستر سٹھ سال بیان کی ہے اور ان کے دور حکومت کو چالیس سال بتایا ہے جب کہ ان کی عمر کے بارے میں ان کا آخر الذکر بیان مندرجہ بالا مستند روایات کے پیش نظر قطعاً ناقابل قبول ہے۔ البتہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کا دور حکومت چالیس سال پر محیط بتایا ہے جسے قبول کرنے میں بظاہر کوئی امر مانع نہیں ہے۔

جہاں تک داؤد علیہ السلام کی عمر اور ان کی وفات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں قبیصہ' حضرت یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عمرو بن ابی عمرو کی زبانی اور مطلب وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام بہت باغیرت انسان تھے' وہ جب کسی مکان سے کبیدہ خاطر ہو کر باہر آ جاتے تو وہاں دوبارہ نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ اس میں رہنے والے ان کے اہل خانہ بھی ان سے معافی کے خواستگار نہ ہوں نہ وہ اس مکان میں اپنے کسی عزیز کو اس وقت تک جانے کی اجازت دیتے تھے۔ تاہم جب وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جہاں ان کی بیوی مقیم تھیں اور انہوں نے انہیں معاف کر دیا تھا تو دیکھا کہ اس مکان کے وسط میں ایک اجنبی کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس کے بارے میں اپنی بیوی سے دریافت کیا تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں کیونکہ انہیں وہ شخص نظر ہی نہ آیا تھا لیکن جب داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے براہِ راست پوچھا: ''تو کون ہے؟'' تو وہ بولا: ''میں وہ ہوں جو بادشاہوں کی محل سراؤں بلکہ ان کی خوابگاہوں تک میں بغیر کسی رکاوٹ کے داخل ہو جاتا ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے''۔ اس شخص سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام بولے: ''پھر تو تم یقیناً ملک الموت ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری قبض روح کے لئے بھیجا ہے' مرحبا!'' - یہ کہہ کر داؤد علیہ السلام جہاں کھڑے تھے وہیں ٹھہر گئے اور عزرائیل ان کی روح قبض کر کے رخصت ہوئے۔ (حدیث نبوی کا لفظی و مفہومی ترجمہ)

مندرجہ بالا روایت کے مطابق داؤد علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے بعد ان کی میت جہاں رکھی گئی تھی وہاں دھوپ تھی۔ یہ دیکھ کر ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے بڑے پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان کے باپ کی میت پر اپنے پنکھ پھیلا کر سایہ کر دے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منظر بچشم خود دیکھ کر بتایا کہ ایک پرندہ کہیں سے آیا' اپنا صرف ایک پنکھ آپ کے سینہ مبارک پر پھیلایا اور آپ کی روح پاک آسانی سے آناً فاناً قبض کر کے نہ جانے کدھر سے باہر چلا گیا۔

یہ روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اور ان کی اسناد انتہائی قوی ہیں اور ثقہ افراد پر مشتمل ہیں۔

جوہری کی روایت کے مطابق جس پرندے نے داؤد علیہ السلام کی میت پر سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سایہ کیا تھا وہ انتہائی لمبے پنکھوں والا شاہین تھا۔

السدی ابی مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی وفات سنیچر کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور ان کی میت پر ایک پرندے نے دھوپ کی وجہ سے سایہ کیا تھا جب کہ اسحاق بن بشر سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ وحسن کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کی وفات چہار شنبہ یعنی بدھ کے روز صبح کے وقت ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

ابوالسکن ہجری بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب نے صبح کے وقت وفات پائی تھی۔

ابن عساکر اپنی اسناد پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام اپنی سجدہ گاہ سے نکل رہے تھے کہ ملک الموت ان کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ جائیں۔ یہ سن کر ملک الموت نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ مجھے سنین و شہور اور آثار و اوزان پر مشتمل صدیوں کا حساب دینا ہوتا ہے۔ ملک الموت سے یہ سن کر داؤد علیہ السلام جس چٹائی پر کھڑے تھے اس پر بیٹھ کر سجدے میں چلے گئے اور ان کی روح قفس عنصر سے پرواز کر گئی۔

اسحاق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں وافر بن سلیمان نے ابی سلیمان فلسطینی اور وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے دن ان کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ جن میں دوسرے لوگوں کے علاوہ صرف راہبوں کی تعداد چالیس ہزار تھی سب کے سب دھوپ میں بیٹھے تھے اور موسم بھی گرمی کا تھا۔ یہ دیکھ کر سلیمان علیہ السلام نے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے یہ اعجاز بخشا تھا کہ پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حاضرین پر اپنے پروں سے سایہ کر دیں لیکن جب بے شمار پرندوں نے چاروں طرف سے آ کر ان کے حکم کی تعمیل کی تو وہاں ہوا کا گزر مشکل ہو گیا جس سے لوگوں کا سانس لینا مشکل ہو گیا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حبس دم کی وجہ سے موت کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے سے کم سے کم اتنی دور رہیں کہ اس جگہ ہوا تھوڑی بہت آتی رہے۔ چنانچہ ان پرندوں نے وہی کیا اور اس کے بعد وہاں موجود لوگوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے اس اعجاز کے اظہار کا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخشا تھا پہلا موقع تھا۔

حافظ ابویعلیٰ کہتے ہیں کہ انہیں ہمام الولید بن شجاع اور ولید بن مسلم نے ہیثم بن حمید الوضین بن عطاء نصر بن علقمہ جبیر بن نضیر اور ابی الدرداء کے حوالے سے یہ حدیث نبوی سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل سو سال تک فتنہ وفساد سے مبرا رہے' ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ داؤد علیہ السلام کی ہدایات پر بہ تمام وکمال عمل کرتے رہے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث غریب اور محل نظر ہے خصوصاً اس لئے کہ الوضین سے بہت ضعیف احادیث منسوب کی گئی ہیں اور وہ خود بھی روایت احادیث میں کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم (مؤلف) (البدایہ والنہایہ کا بیان ختم ہوا)

آج مورخہ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۹ء بمطابق ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ بروز بدھ بوقت ایک بجے رات سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام تک کے حالات واقعات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ اور پیر ومرشد کی نظر عنایت اور دعا سے مکمل ہوئے جس کی ابتداء ۲۷ شعبان ۱۴۳۰ھ کو ہوئی تھی۔

محمد نذیر

خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات

حضرت سلیمان علیہ السلام شجرہ نسب

حافظ ابن عساکر کے بقول حضرت سلیمان علیہ السلام کا پورا نام سلیمان بن داؤد بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عمینا داب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا ابن حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم بن ابی الربیع نبی اللہ بن نبی اللہ علیہم السلام ایک عرصے سے مشہور چلا آتا ہے۔

بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دمشق گئے تھے۔ ابن ماکولا نے آپ علیہ السلام کا نسب نامہ جو بتایا ہے۔ وہ بھی مذکورہ ہی نسب نامہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۲۷)۔

ابن خلدون نے جلد دوئم ص ۱۳۲ پر اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ابن حضرت داؤد علیہ السلام ابن ایشا ابن عوفید بن افضان (اس کا نام بوعر ہے) بن سلمون بن نحشون بن عمینا داب بن ارم بن حضرون بن بارص بن یہودا ابن حضرت یعقوب علیہ السلام (واللہ اعلم)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث حضرت سلیمان علیہ السلام (قرآن کریم کے حوالے سے)

پ ۱۹ سورہ نمل آیت نمبر ۱۶: تفسیر ابن عباس سے بیان کی جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے علم وحکمت ونبوت کے وارث حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے (حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس ۱۹ لڑکے تھے مگر وارث علم ولائق خلافت حضرت سلیمان علیہ السلام ٹھہرے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور جتنی چیزیں میری مملکت میں ہیں ان سب کا علم ہم کو دیا گیا ہے اور ہر طرح کی چیزیں ہم کو عطا ہوئی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل واحسان ہے۔

جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت ملنے کا تعلق ہے اس کا مطلب نبوت و بادشاہت ہے نہ کہ مال وزر جیسا کہ حدیث نبوی شریف سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے جو ان کی اولاد کو نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے مستحق وہ محتاج ہوتے ہیں جو ان کے رشتہ دار نہ ہوں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی تبلیغ دین ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دنیا کے مال وزر سے بے نیاز ہوتے ہیں نہ اپنی اولاد کے لئے اسے جمع کرتے ہیں نہ ان کے لئے اسے ترکہ میں چھوڑتے ہیں۔

یہ حدیث شریف متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے سے صحاح (صحیح ستہ) میں درج ہے۔ (بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۲۷)

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کے مال و دولت کا کسی کو وارث نہیں بنایا جاتا۔ اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کی ورثاء اہم و دنانیر کے وارث نہیں ہوتے بلکہ ان کے علم کے لوگ وارث ہوتے ہیں۔ جس نے یہ علم حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ حاصل کر لیا۔ (بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۴۷۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جن وانس اور پرندوں کے لشکر تابع ومسخر کئے گئے

پ ۱۹ سورہ نمل آیات نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۰ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جن وانس اور پرندوں کے لشکر تابع ومسخر کئے گئے تھے۔ وہ سب اکٹھے کئے گئے تھے اور وہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ وادی نمل کے قریب سے گزرے۔ جس میں چیونٹیاں بکثرت سے تھیں۔ یہ جنگل ملک شام کے نزدیک تھا۔ اور چیونٹیوں نے آپ علیہ السلام کا

لشکر دیکھا تو ایک چیونٹی نے جو لنگڑی تھی اس کا نام منذرہ تھا۔ اس نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں تم کو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر والے بے خبری میں کچل نہ ڈالیں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی آواز سنی تو مسکرائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کہ اے میرے رب (عزوجل)! مجھے اس بات کی توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں سے یہ کسی نے نہ سمجھا۔ کہتے ہیں وہ لنگڑی تھی اس کا نام منذرہ تھا۔ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سمجھ لی اور کوئی نہ سمجھا۔ تو اس کی بات سے تعجب کر کے آپ علیہ السلام ہنسے (مسکرائے) اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار! تو نے جو نعمت مجھ کو دی یعنی دنیا کی صدہا نعمتیں اور دین کی نعمتیں اور اس سے اعلیٰ علم توحید و نبوت اور میرے والدین کو بھی نعمت دی۔ تو تو اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی مجھے توفیق دے اور میرے دل میں الہام کر کہ میں اعمال صالحہ خالصاً تیرے لئے کروں۔ جس کو تو قبول فرمائے اور راضی ہو اور مجھ کو اپنے فضل و رحمت سے اپنے دربار کے مقربین اور صالحین کے گروہ یعنی انبیاء مرسلین علیہم السلام میں شامل کر۔ (تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما)

بیہقی کچھ دوسری اسناد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طیور کی بولی سمجھنے کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام دوسری تمام مخلوقات کی زبان سمجھنے کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قدرت رکھتے تھے اور انہیں ان پر اختیار حاصل تھا۔ جس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ (واتینا من کل شئی) میں موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ مخلوقات بشمول جنات سب کو حکم دے کر ان سے کام لے سکتے تھے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنے پروردگار سے اس دعا کا نتیجہ تھا جو آپ علیہ السلام نے فرمان خداوندی کے اتباع کے حوالے سے اس سے کی تھی۔

کلام الٰہی (قرآن) میں اس کا ذکر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں جن اور انسان اور سواریاں سبھی ہوتے تھے تو ان کے حکم سے ان سب کو دھوپ اور گرمی سے بچانے کے لئے پرندے ان پر سایہ کرتے ہوئے چلتے تھے۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی آواز وادی نمل میں سنی تو خود اپنی مسند پر بیٹھ کر اپنے جملہ ساتھیوں اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں جا پہنچے تھے اور اہل نمل کا پتہ لگا لیا۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا ہی واقعہ آپ علیہ السلام کو وادی طائف میں پیش آیا تھا اور وہ اپنی مسند پر سب کو بیٹھا کر وہاں جا پہنچے تھے۔ قرآن میں واقعہ نمل موجود ہے لیکن واقعہ طائف کا اور اس کی جزئیات کا جو راویوں نے بیان کی ہیں کوئی قرآنی یا دوسرا ثبوت نہیں۔ تاہم اس کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی بساط پر بیٹھ کر جہاں چاہتے پہنچ جاتے تھے اور وہ اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس پر آپ علیہ السلام کا سارا لاؤ لشکر بھی آ جاتا تھا۔

یہاں اس ذکر سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے وہاں کے کوائف معلوم کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے تھے اور وہی وحی کے ذریعہ آپ علیہ السلام کو ان کی اطلاع بہم فرماتا تھا۔ جب کہ مشہور روایات کہ چرند و پرند جن کی بولیاں صرف آپ علیہ السلام سمجھ سکتے تھے ان کے بارے میں قبل از وقت انہیں بتا دیتے تھے من گھڑت کہانیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کیونکہ ان کے برعکس آپ علیہ السلام ہر مہم کے موقع پر آیت قرآنی کے مطابق ہمیشہ "رب اوزعنی" (یعنی اے پروردگار مجھے بتا اور مجھے ہدایت دے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ علیہ السلام کی دعا اس لئے درجہ قبولیت کو پہنچتی تھی کہ خود بھی انتہائی صالح اور اپنے پروردگار کے انتہائی فرماں بردار بندے تھے اور آپ علیہ السلام کے والد ماجد بھی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اور پیارے اور بہت عبادت گزار تھے جیسا کہ قبل بیان ہو چکا ہے اور آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی انتہائی عبادت گزار تھی اور بہت نیک تھی اور جیسا کہ سنید بن داؤد نے حضرت یوسف علیہ السلام بن محمد بن منکدر ان کے والد اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمایا کرتی تھیں کہ "رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے دن فقیر ہوگا" یعنی اس کا دامن نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ شب بیداری و عبادت گزاری کی کس منزل پر فائز تھیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۲۷، ۲۸)

اسی ص ۲۷ پر حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دمشق کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ میں سے

گزرتے ہوئے وہاں دو چڑیوں کو دیکھا جو اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا'' کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں'' اوران کے انکار کرنے پر انہیں بتایا'' یہ چڑیاں نر اور مادہ ہیں۔ نر مادہ سے کہہ رہا ہے کہ اگر تو میری زوجیت میں آ جائے تو میں تجھے رہنے کے لئے غرف دمشق میں جو صحرہ میں ہے ایک گھونسلا بنا دوں گا جب کہ صحرہ میں گھونسلے کی کوئی جگہ نہیں اور اکثر مدعی اس طرح کاذب ہوتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت

جیسا کہ ابتداء میں سورہ نمل کی آیت نمبر ۱۶ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور جتنی چیزیں میرے ملک میں ہیں ان سب کا علم ہم کو دیا گیا اور ہر طرح کی چیزیں ہم کو عطا ہوئیں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے۔

صاحب تذکرۃ الانبیاء علیہم السلام نے اپنی کتاب کے ص ۳۷۵، ۳۷۶ پر بیان کیا ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے'' مور'' کی آواز کو سن کر فرمایا کہ کہہ رہا ہے'' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے''۔'' ھد ھد'' کی آواز کو سن کر فرمایا یہ کہہ رہا ہے'' اے گناہگاروں! اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو''۔'' خطاف'' (لمبے بازوں والا، چھوٹے پاؤں، سیاہ رنگ کا پرندہ) کی بولی سن کر فرمایا یہ کہہ رہا ہے'' نیکی کے کام کرو تا کہ آگے ان کی جزا پاؤ''۔

'' القمری'' کی آواز سن کر فرمایا یہ تسبیح پڑھ رہی ہے'' سبحان ربی الاعلی''۔

'' چیل'' کو بولتے ہوئے فرمایا یہ کہہ رہی ہے'' رب کے بغیر ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے''۔

'' بھٹ تیتر'' کی آواز کی سن کر کہا یہ کہہ رہا ہے کہ'' جو خاموش رہا وہ سلامتی میں رہا''

'' مرغ'' کی آواز سن کر فرمایا یہ کہہ رہا ہے کہ'' اے غافلو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو''

'' گدھ'' کی آواز سن کر فرمایا یہ کہہ رہی ہے'' اے انسان جتنا چاہے تو زندہ رہے آخر تجھے موت آنی ہے''

'' عقاب'' کی آواز سن کر فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے'' لوگوں سے دور رہنے ہی سے انس ہے''

'' مینڈک'' کی آواز سن کر فرمایا یہ کہہ رہا ہے۔'' سبحان ربّ القدوس'' یعنی تسبیح پڑھ رہا ہے (ماخوذ روح المعانی و مدارک)

خیال رہے کہ ان پرندوں کی ہمیشہ یہ بولی نہیں ہوتی بعض اوقات یہ بولی انہوں نے بولی۔ مختلف اوقات میں مختلف بولیاں بولتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا کہ'' اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز عطا کی ہے'' یہ بطور شکر تھا بطور فخر نہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں یعنی میں نعمت کے اظہار اور شکر کے طور کہہ رہا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۷۶)

ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی اور آپ علیہ السلام کے لئے تانبے کا چشمہ اور جنوں کو بھی آپ علیہ السلام کے تابع کر دیا

پ ۲۲ سورہ سبا آیت نمبر ۱۲ تا نمبر ۱۴ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے۔

اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کی۔ صبح سے قریب دوپہر۔ کے ایک مہینے کی راہ چلا کرتے یعنی بیت المقدس شہر سے اصطخر تک اور بعد زوال سے آخر دن تک لوٹ آتے تے ایک مہینہ کی راہ جاتے اور لوٹ بھی آتے۔ یعنی آپ علیہ السلام کا تخت جس پر آپ علیہ السلام کا ہوتا وہ ہوا پر اڑتا اور اتنی راہ طے کرتا۔ اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے آپ علیہ السلام کے لئے چشمہ قطر بہا دیا۔ یعنی گلا ہوا پیتل یا تانبا۔ اس سے جو چاہتے جتنی چاہتے۔ بڑی چیزیں چاہتے ایسے بنوا لیتے جیسے مٹی کا برتن ہاتھ سے بناتے ہیں اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے جنوں کو آپ علیہ السلام کے مسخر کیا بہت سے جن آپ علیہ السلام کے سامنے مکانات عمدہ عمدہ مزدوروں کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بناتے تھے ان میں سے جو ہمارے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت سے منہ پھیرتا تھا ہم اس کو عذاب آتش دیتے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو آگ سے جلا دیتے تھے یا یہ کہ فرشتہ آگ کے گرز سے اس کو سزا دیتا تھا۔ جو کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے جن آپ علیہ السلام کے لئے بناتے تھے۔ بڑی بڑی محرابیں، مسجد

تصویریں (فرشتوں کی۔ پیغمبروں کی اور اولیاء مقربین کی تصویریں اس غرض سے بنواتے تھے کہ لوگ ان کو دیکھ کر عبادت کریں اور اس میں ذوق شوق پیدا ہو اور محنت برداشت کریں۔ مگر چونکہ بعد کو جاہلوں نے اس کا ذریعہ بت پرستی بنا لیا۔ اس سبب سے جانداروں کی تصویریں بنانا ہماری شریعت میں حرام ہوا۔ اس زمانہ میں حلال تھا اور بڑے بڑے پیالے۔ دیگیں جو مثل حوضوں اور تالابوں کے برابر ہوتی تھیں۔ جو اپنی جگہ سے نہ ہٹتیں تھیں نہ اٹھ سکتی تھیں۔ ہزار آدمی اس کے آس پاس بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہم (اللہ تعالیٰ) نے کہا اے سلیمان! اے آل داؤد! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس کی عبارت واعمال صالحہ بجالاؤ کہ شکر نعمت اور ہو جائے۔ اور میرے شکر گزار بندے دنیا میں کم ہیں۔ جب سلیمان پر ہم نے موت کا حکم لگایا (تو وہ کھڑے تھے محراب میں لاٹھی کے بل اسی حالت میں آپ علیہ السلام فوت ہو گئے ایک برس تک مردہ کھڑے رہے۔ جب بیت المقدس شریف جن بنا چکے تب حضرت سلیمان علیہ السلام گرے) تو آپ علیہ السلام کے مرنے پر سب کو اطلاع ہوئے جو کیڑا لکڑی کھاتا ہے گھن یا دیمک اس نے جب آپ علیہ السلام کی لکڑی کھائی تو وہ گرے۔ تب آپ علیہ السلام کی موت معلوم ہوئی تب سب آدمیوں نے جان لیا کہ جن غیب نہیں جانتے اس لئے کہ اگر جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد اتنی مدت کیوں ذلت کے عذاب اور تکلیف میں مبتلا رہتے اس سے پہلے بعض کا خیال تھا کہ جن غیب دان ہوتے ہیں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ وفات قریب ہوا۔ ایک مکان میں عبادت کے لئے عصا تھام کر کھڑے ہو گئے اس حالت میں وفات پائی۔ بیت المقدس شریف کی عمارت جن بناتے رہے جب وہ ایک برس میں مکمل ہو گئی تب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لکڑی گھن کے کھانے سے گری اور جنوں کے غیب دان نہ ہونے کا ثبوت ہوا۔

نوٹ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا جسم مبارک مرنے کے بعد گلتا سڑتا نہیں بلکہ صحیح سلامت رہتا ہے جیسا کہ حدیث سے بھی ثابت ہے (قادری غفرلہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم غیب

سورہ نمل کے آیت نمبر ۱۸، ۱۹ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ چیونٹی کو یہ علم ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے (ضیاء القرآن میں ہے کہ لشکر اور چیونٹی کے درمیان تین میل کا فاصلہ تھا) تو اس نے دوسری چیونٹیوں کو کہا کہ اپنی اپنی سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ لشکر روند نہ ڈالے یہ تو تھا ایک چھوٹی سی چیونٹی کا کہ اس کو اتنی دور سے معلوم ہو گیا کہ لشکر آ رہا ہے اور سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم غیب اور سماعت کی طاقت کتنی زیادہ تھی کہ اتنی دور سے ایک چھوٹے سے جاندار کی آواز سننا اور معلوم ہونا کہ وہ کیا کہہ رہی۔

قارئین حضرات حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم غیب و سماعت اور چیونٹی کا علم بھی قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ اگر ان کو علم اور سماعت کی اتنی طاقت ہے تو پھر امام الانبیاء خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور سماعت کی طاقت کیا حال ہو گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں۔ ہمارے بڑے بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار پیچھے کا علم نہیں وغیرہ وہ ذرا ہوش کے ناخن لیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت وشان میں ایسی گستاخی اور بے ادبی سے باز آ جائیں ورنہ یاد رکھیں کہ انبیاء علیہم السلام کا گستاخ بے ادب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

علم غیب، سماعت کی طاقت، اختیار اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے چاہے اور جتنا چاہے عطا کرے جیسا کہ قرآن پاک میں بہت جگہ انبیاء کرام علیہم السلام کو علم اور طاقت اختیار دینے کے ارشاد باری تعالیٰ ہیں ان سے انکار کرنے کی کوئی جاہل بے وقوف ہی جرات کر سکتا ہی۔ (مؤلف کیلانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے گھوڑوں سے پیار کرتے

پ ۲۳ سورہ ص آیات نمبر ۳۰ تا ۳۲ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۳۰: اور ہم (یعنی اللہ تعالیٰ) نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام سا فرزند بخشا۔ وہ اچھا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، عبادت گزار، اپنے رب تعالیٰ کا فرمانبردار۔

آیت نمبر ۳۱ تا ۳۳: حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بعد نماز ظہر عمدہ عمدہ گھوڑے صافنات پیش کئے گئے۔ صافنات عربی گھوڑے خاص یا دہ

گھوڑے جو جب کھڑے ہوتے ہیں تو تین پاؤں پر ہی کھڑے ہوتے ہیں اور ایک پاؤں کا سم کا کنارہ زمین پر لٹکا رہتا ہے۔ یعنی تیز وعمدہ نہایت ہی عجوبہ روزگار تھے۔ ان کے دیکھنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ بعد ظہر جو وظیفہ پڑھا کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کا خیال نہ رہا۔ جب خیال آیا تب نادم ہوئے اور فرمایا کہ افسوس میں نے مال دنیا کی محبت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر وعبادت پر غالب کر دیا تھا۔ یہاں تک میرا ورد بعد ظہر یا نماز عصر فوت ہوگئی۔ اور آفتاب حجاب میں یعنی پردہ میں دشت یا کوہ قاف میں جا چھپا۔ پھر خادموں سے فرمایا کہ وہ مال جس نے یاد الٰہی عزوجل سے مجھ کو روکا تھا۔ اس کو اپنے پاس نہ رکھوں گا۔ سب گھوڑوں کو پھیر لاؤ۔ خدام سب گھوڑے پھیر لائے۔ سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار سے کاٹ کر گوشت صدقہ کر دیا (یاد رہے اس وقت گھوڑے کا گوشت حلال تھا بعد میں حرام (مکروہ) ہوا) ان کا پنڈلیاں وغیرہ دیکھنے میں نماز عصر فوت ہوئی تھی اور آفتاب ڈوب گیا تھا۔ بعض متکلمین ان روایات کو صحیح نہیں مانتے کئی طرح سے مطلب بتاتے ہیں۔

من جملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑے دیکھ کر فرمایا کہ ان کی محبت مجھ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ ان کے ذریعے جہاد کیا جاتا ہے۔ ان کو دوڑا کر دیکھا یہاں تک کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ تب کہا لوٹا لاؤ۔ پھر نہایت محبت سے گردن اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ یہی زیادہ مناسب ہے (واللہ اعلم بالصواب)

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا (امتحان لیا)

پ ۲۳ سورہ ص آیات نمبر ۳۴، ۳۵ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کی جاتی ہے۔

ہم (اللہ تعالیٰ) نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو فتنہ بلا وامتحان میں مبتلا کیا۔ اور ان کی کرسی مملکت پر ایک جسم ڈال دیا۔ تب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اور عاجزی سے بخشش چاہی اور دعا کی اے پروردگار! میری خطا سے درگزر کر اور مجھ کو ایسا ملک مرحمت فرما۔ جو پھر میرے بعد اس کا کوئی مستحق نہ ہو۔ تو بڑا بخشنے والا ہے۔ نبوت وبادشاہت جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

ف۔ مفسر نے مثل عامہ مفسرین کے اس مقام پر مشہور قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ملک فتح کیا۔ وہاں کی شہزادیوں کو اپنے تحت وتصرف میں رکھا۔ انہوں نے اس سبب سے کہ ظاہر میں مسلمان تھے اور در حقیقت کافر۔ چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں بلا اطلاع آپ علیہ السلام کے بت پرستی اختیار کی اس سبب سے آپ علیہ السلام فتنہ میں ڈال دیئے گئے۔ چالیس دن تک آپ علیہ السلام کے ملک پر ایک شیطان قابض رہا۔ پھر مغفرت ہوئی۔ جسد سے مراد شیطان ہے۔ محققین مفسرین ان روایات کو نامقبول ونامعتبر ٹھہراتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایک بار آپ علیہ السلام نے یہ تمنا کی کہ میں بہت سی عورتوں سے صحبت کروں گا اور سب کے فرزند پیدا ہوں گے اور سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے مگر انشاء اللہ کہنا بھول گئے آپ علیہ السلام کی آرزو پوری نہ ہوئی سوائے ایک لڑکے کے اور کچھ نہ ہوا اور وہ بھی کچا بچہ (ادھورا) جسد سے مراد وہ لڑکا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہنے پر آپ علیہ السلام کو تنبیہ کی گئی۔

نوٹ: کیونکہ منصب نبوت بہت بڑا منصب ہے۔ اس لئے بھول چوک پر ان کو تنبیہ کی جاتی ہے بھول چوک کوئی گناہ نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں۔ بھول چوک پر بھی وہ اپنے رب تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے معافی مانگی۔ آئندہ بھول چوک سے حفاظت کی دعا مانگی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ایسی سلطنت وحکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محققین مفسرین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات ستر عورتوں سے جماع کروں گا (آپ علیہ السلام کی شریعت میں چار سے زیادہ نکاح کرنا منع نہیں تھا) اور ہر عورت سے ایک بچہ پیدا ہو گا جو بہت بڑا شہسوار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ آپ علیہ السلام نے انشاء اللہ نہ کہا۔ آپ علیہ السلام نے

ستر عورتوں سے جماع کیا لیکن کوئی بھی عورت حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک کے۔اس کا بچہ بھی نا مکمل بے جان پیدا ہوا۔خیال رہے مسلم میں ستر عورتوں کا ذکر ہے اور بخاری میں چالیس عورتوں کا ذکر ہے نیز یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ آپ علیہ السلام کو فرشتے نے کہا۔انشاء اللہ کہو۔لیکن آپ علیہ السلام نے نہ کہا آپ علیہ السلام کا نہ کہنا بھول کر تھا یا قصداً تھا کسی صورت میں بھی گناہ نہیں۔کیونکہ فرشتے کا حکم ماننا آپ علیہ السلام پر کوئی فرض نہ تھا۔

فرشتے کے کہنے پر آپ علیہ السلام کا انشاء اللہ نہ کہنا زیادہ سے زیادہ ترک اولیٰ (بہتر کام کو چھوڑنا) پایا گیا ہے اسے گناہ نہیں کہا جا سکتا۔اگر چہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ترک اولیٰ کو بھی ذنب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

جسم سے مراد وہی نا مکمل بے جان بچہ ہے اور کرسی پر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دایہ نے وہ بچہ لا کر آپ علیہ السلام کے تخت یا کرسی پر ایک بے جان جسم ڈال دیا اس بے جان بچے کو پہلے کرسی پر رکھا گیا اور کرسی پر اٹھا کر لایا گیا اور آپ علیہ السلام کی گود میں رکھ دیا گیا کہ آپ علیہ السلام دیکھیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"فو الذی نفسی بیده لو قال ان شاء الله نجاهدوا کلهم فی سبیل الله"

ایک روایت میں "والذی نفس محمد بیده" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی (میری جان) جان ہے۔اگر حضرت سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے اور تمام کے تمام بڑے شہسوار اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے (روح المعانی، کبیر بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۴۱۴، ۴۱۵) اب تک جو بیان حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوا ہے وہ سارا اب ضیاء القرآن سے بیان کیا جاتا ہے۔تا کہ قارئین کی معلومات میں اضافہ ہو سکے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں سے اس لئے محبت کرتے تھے کہ یہ راہِ خدا میں جہاد کرنے کا ذریعہ ہیں

آیات نمبر ۲۷ تا ۳۸ سورہ ص کی تفسیر ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ بیان کی گئی کہ اپنے حسین و جمیل الفاظ میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔(اس کے لئے ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۳ نقل کیا جاتا ہے)۔

آیات نمبر ۲۷ تا ۳۱ کا ترجمہ: کافروں کا یہ گمان ہے پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے ۝ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔یا ہم بنا دیں گے پرہیز گاروں کو فاجروں کی طرح ۲۸ ۲۹ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف، بڑی بابرکت، تا کہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تا کہ نصیحت پکڑیں عقلمند ۝ اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) ۳۵ بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا ۝ جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے ۝ ۳۶"۔(ضیاء القرآن)

آیات نمبر ۳۲ تا ۳۸ کا ترجمہ: "تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب تعالیٰ کی یاد کے لئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے ۝ (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ۝ اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم ۝ ۳۷ پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔عرض کی میرے رب عزوجل! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو۔میرے بعد ۳۸ بیشک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے ۳۹ پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے ۴۰ جدھر آپ جاتے ۝ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے۔کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور ۝ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں ۝"

تفسیر: ۲۷ یہ نظام عبث اور بے مقصد ہے۔ایک نیکو کار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔متقی اور پرہیز گار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی۔ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔اس روز متقی اور پرہیز گار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل و

رسوا ہوں گے۔حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

۳۵۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو بے انداز انعامات فرمائے گئے تھے۔ان کے ذکر کے بعد اب ایک خصوصی لطف و کرم کا بیان ہو رہا ہے۔وہ یہ کہ آپ کو حضرت سلیمان جیسا باکمال، بلند اقبال فرزند عطا فرمایا جسے بارگاہِ ربّ ذوالجلال سے نعم العبد اور اواب کے معزز القاب ارزانی ہوئے۔

۳۶۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت و کمال کا ایک پہلو اس آیت میں ذکر کیا جارہا ہے پہلے اس آیت کے مشکل الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کا مطلب اور اس بارے میں مفسرین کے اقوال پیش کیے جائیں گی۔

ظہر سے لے کر طلوع صبح تک کے وقت کو ''عشی'' کہتے ہیں۔ الصافنات : اس کا واحد الصافن وہ گھوڑا جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھے قدم کے سم کا کنارہ زمین پر ٹیکتا ہے۔ وھی من الصفات المحمودۃ من الخیل: اسے گھوڑے کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیاد ج جواد کی: تیز رفتار۔ برق رفتار گھوڑا۔ و ھو الذی یسرع فی جریہ :توارت: چھپ جانا، اوجھل ہو جانا۔ حجاب: پردہ۔ سوق ج ساق کی: پنڈلی۔ اعناق ج عنق: گردن۔

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آپ علیہ السلام کے شاہی اصطبل کے گھوڑے پیش کیے جانے لگے۔ آپ علیہ السلام بیٹھے ہوئے ان کو ملاحظہ فرماتے رہے اور اس طرح محو ہو گئے کہ سورج ڈوب گیا۔ عصر کی نماز یا اس وقت کا مقررہ وظیفہ فوت ہو گیا۔ جب تاریکی چھا گئی تو آپ کو خبر ہوئی کہ میں گھوڑوں کے دیکھنے میں یوں محو رہا کہ عبادت سے غفلت ہو گئی۔ گھوڑے جو اس غفلت کا باعث بنے تھے انہیں پھر واپس بلوایا اور تلوار سے ان کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میں نے ترجیح دی ہے مال کی محبت کو اپنے ربّ تعالیٰ کے ذکر پر۔ توارت کی ضمیر کا مرجع سورج ہوگا۔ حجاب سے مراد افق مغرب ہے۔ طفق مسحاً کا مفہوم تلوار پھیرنا یعنی تلوار سے کاٹتے چلے جانا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو سخت ناپسند کیا ہے اور ان لوگوں پر اپنی انتہائی برہمی کا اظہار کیا ہے جنہوں نے آیت کی یہ تاویل کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اپنے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام مسند خلافت پر متمکن ہوئے کفار سے جہاد کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ اس لئے آپ علیہ السلام کو گھوڑوں سے بڑی محبت تھی جن پر سوار ہو کر مجاہدین دشمنان دین سے جنگ لڑا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام گاہے گاہے جہاد کے لئے تیار کیے جانے والے گھوڑوں کا خود معائنہ فرماتے۔ ایک روز آپ علیہ السلام نے شاہی اصطبل کے داروغوں کو گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یکے بعد دیگرے گھوڑے آپ علیہ السلام کے سامنے سے گزرتے رہے۔ آپ علیہ السلام ان کو صحت مند اور چاق و چوبند دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے: انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی کہ مجھے ان گھوڑوں سے محض اس لئے محبت اور پیار ہے کہ یہ راہِ خدا میں جہاد کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی وجہ سے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے۔ میں ان سے اس لئے ہرگز محبت نہیں کرتا کہ یہ خوبصورت ہیں یا بہت قیمتی ہیں۔ میری ان سے یہ محبت محض رضائے الٰہی کے لئے ہے۔

آپ علیہ السلام کے سامنے سے گھوڑوں کے گزرنے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سب گھوڑے آپ علیہ السلام کے ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے تھانوں پر پہنچ گئے۔ آپ علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو میرے سامنے دوبارہ پیش کرو۔ اب جب گھوڑے پیش ہونے شروع ہوئے تو آپ علیہ السلام ہر گھوڑے کی گردن پر بھی پیار سے ہاتھ پھیرتے اور اس کی پنڈلیوں کو بھی ٹٹولتے۔ اس سے گھوڑوں کے ساتھ آپ علیہ السلام کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز کیونکہ گھوڑوں کی بیماریوں کے بھی آپ علیہ السلام ماہر تھے۔ ٹانگیں ٹٹولتے ہوئے یہ بھی خیال رکھتے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں۔ نیز خلیفہ وقت ہو کر خود یہ کام کرنا آپ علیہ السلام کی عظمت اور فرض شناسی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ امور جہانبانی انہوں نے نوکروں کے سپرد ہی نہیں کر دیئے تھے بلکہ خود ہر چیز پر توجہ کرتے تھے۔

امام رازی اپنی اس توجیہہ کی صورت ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت سلیمان کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لئے کیا جارہا ہے۔ اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں آپ علیہ السلام کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا جائے تاکہ حضور کو اطمینان حاصل ہو اور اس واقعہ کو

یہاں بیان کرنے کا مقصد پورا ہوا۔ اگر اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ آپ علیہ السلام ذرا سی بات پر غفلت کا شکار ہو گئے اور فریضہ عبادت کو ترک کر بیٹھے، پھر سینکڑوں اصیل گھوڑوں کو مار ڈالا تو اس سے وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر)

جن لوگوں نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے انہوں نے لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ سے استدلال کیا ہے کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ان سے کوئی فروگزاشت سرزد ہوگئی جس کی وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے۔ شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس تکلف کی قطعاً ضرورت نہیں آزمائش اتنی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں سے کیوں محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یا اس لئے کہ گھوڑے بڑے قیمتی اور خوبصورت ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمادیا: انی احببت الایة یعنی میں گھوڑوں سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہوگا۔ مجاہد ان پر سوار ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کفار سے جہاد کریں گے۔ حق کو غلبہ ہوگا اور حق کا پرچم اونچا لہرائے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش

تفسیر آیت نمبر ۳۲ تا ۳۸: ۳۷ یہاں بھی علماء یہود اور تاریخ بنی اسرائیل کی سند سے ایسی چیزیں نقل کر دی گئی ہیں جن کی تردید کرنے کی نیت سے بھی نقل کرنا طبع سلیم کو گوارا نہیں۔ جن لوگوں کو شانِ نبوت اور مقام سلیمانی کا ادنیٰ سا بھی علم ہے وہ ان خرافات کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ علامہ ابن حیان کہتے ہیں: ان هذه المقالة من اوضاع الیهود و زنا دقة السوفسطائیة (بحر) یہ روایت یہودیوں اور زندیقوں کی وضع کردہ ہے۔ علامہ ابن کثیر، امام رازی، علامہ آلوسی اور دیگر محققین نے شد و مد سے اس کی تکذیب اور تردید کی ہے۔

ان آیات کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ علیہ السلام کا کڑیل جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ علیہ السلام جب بیٹھتے تھے تو آپ علیہ السلام کے رعب و جلال کی وجہ سے جن و انس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، اب ضعف اور نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا۔ تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم ہے جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں بڑے عجز و نیاز سے اپنی صحت کے لئے دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ علیہ السلام بالکل صحت یاب ہو گئے اور جہانبانی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔

۳۸ پہلے مغفرت کے لئے التجا کی۔ اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا۔ ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جود و عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ ربّ العالمین ہے، وہ اکرم الاکرمین ہے۔ اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔ حضرت علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مرضی سے نبی ملک (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے نبی عبد بننا پسند فرمایا۔ و کان النبی علیہ السلام نافذ الحکم علی الجن و الانس۔

تاتی بدعوته الاشجار ساجدة　　　تمشی الیه علٰی ساق بلا قدم

یعنی حضور کریم کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں کہ حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور یہی حال خلفاء راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور فقر دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے (مظہری) صاحب روح البیان نے یہاں بڑی پیاری رباعی لکھی۔

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام　　　وز مطبخ نوال تو افلاک نہ طبق

ہر خطبہ کمال بنام تو شد ازل　　　کس تا ابد ز لوح نمی خواندہ ایں سبق (روح البیان)

۳۹ تو جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ تیرے دستِ سخا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جو ذات پاک بخشش اور سخاوت میں وہاب کی صفت سے موصوف ہو وہ اپنے محبوب بندوں کے دامن طلب کو جن لازوال نعمتوں سے بھرتا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

۲۰ کرہ ہوائی کو آپ علیہ السلام کے زیر فرمان کر دیا۔ ہواؤں کی رفتار آپ علیہ السلام کے اختیار میں دے دی۔ شیطانوں کو آپ علیہ السلام کا ماتحت کر دیا۔ ان میں سے کئی فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور کئی سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر طرح طرح کے قیمتی موتی نکالنے کے فن میں ماہر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ علیہ السلام کے حکم کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ آپ علیہ السلام کے اذن کے بغیر نہ وہ کہیں جا سکتے اور نہ کچھ کر سکتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی چیزیں عطا کیں، علم عطا فرمایا اور پرندوں کی بولیاں سکھائیں

سورۂ نمل آیات ۱۵ تا ۱۷: ترجمہ: ''عطا فرمایا داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو علم ۲۰ اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر ۲۱ اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے ۲۲ اور فرمایا اے لوگو! ۲۳ ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں ۲۴ بے شک یہی ۲۵ وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے لشکر ۲۶ جنوں' انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں''۔

تفسیر ضیاء القرآن سے: ۲۰ فرعون کو مصر کی حکمرانی ملی تو اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور غریب رعایا پر ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ شاہی خزانے کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ لیا۔ اس کے مقابلے میں اب ایک ایسی ہستی کا ذکر ہو رہا ہے جو سلطنت کی وسعت، دولت کی کثرت کے اعتبار سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جس کے جاہ وجلال کا یہ عالم ہے کہ شیاطین جن وانس اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ ہوا کا کرہ اس کے زیر فرمان ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ خدا فراموش ہے نہ وہ ظالم وجابر ہے نہ عیاش وبدکار اس کا ہر لمحہ اپنے ربّ تعالیٰ کی یاد میں بسر ہوتا ہے اور اپنے منعم حقیقی کا ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ ان دو فرمانرواؤں کے اس طرزِ عمل میں اس بین تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے داؤد وسلیمان علیہما السلام کو دیا اور جس سے فرعون محروم تھا۔ اس علم سے مراد ذاتِ خداوندی اور صفاتِ الٰہی کی معرفت دنیا کی ناپائیداری کا یقین، روز قیامت پر پختہ ایمان یعنی علما بذات اللہ تعالیٰ سبحانہ علی حسب الطاقۃ البشریۃ وبصفاتہ واحکامہ وباحوال المبدا والمعاد الخ (مظہری)۔ جہاں بھی یہ علم پایا جاتا ہے انسان عزت وعظمت کے بلند ترین مقامات پر فائز ہونے کے باوجود بھی بدمست نہیں ہوتا۔ ناشکری اور نافرمانی کی روش کبھی اختیار نہیں کرتا۔ یہ حقیقت ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی کہ اسے ایک روز ایک مالک حقیقی کے دربار میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے حاضر ہونا ہے۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کے دل ودماغ کو اسی علم کی روشنی سے منور کرنا چاہتا ہے جسے یہ علم حاصل ہو گیا وہ اٹھارہ لاکھ مربع میل کا فاتح ہونے کے باوجود پیوند لگا ہوا کرتا پہنتا ہے۔ سوکھی روٹی کھاتا ہے اور اپنے درے کا تکیہ بنا کر فرش زمین پر سو جاتا ہے۔ اس کے عدل وانصاف سے گلشنِ ہستی میں پھر بہار آ جاتی ہے۔

۲۱ اس نعمتِ عظمیٰ پر جس انداز میں وہ اپنے منعم حقیقی کو حمد وثنا کر رہے ہیں وہ بتا رہا ہے کہ انہیں اس نعمت کی قدر وقیمت کا پورا پورا احساس ہے۔

۲۲ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعدد حرم تھے اور ہر ایک میں سے ان کی کثیر اولاد تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ علیہ السلام کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ جس میراث کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اگر اسے مال وجائداد کی میراث سمجھا جائے اور کہا جائے کہ آپ علیہ السلام کے سارے مال وجائداد کے وارث صرف حضرت سلیمان علیہ السلام بنے اور باقی تمام بیٹے اور بیٹیاں محروم کر دی جائیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو وراثت ملی وہ ملک اور نبوت کی وراثت تھی اور احادیث صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کہ نبی مال وجائداد کی میراث نہیں چھوڑتا بلکہ علم وحکمت کی دولت چھوڑتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ مریم کی آیت ۶ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے تاریخی حوالوں کے علاوہ بائبل کی تصریحات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے کثیر التعداد فرزند تھے۔ چنانچہ سلاطین باب اوّل میں ہے۔

''جب حضرت داؤد علیہ السلام بیمار ہوئے تو اُن کے ایک بیٹے ادونیاہ نے سر اُٹھایا اور کہنے لگا میں بادشاہ ہوں گا اس نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے سب بھائیوں یعنی بادشاہ کے بیٹوں اور سب یہودا کے لوگوں کو جو بادشاہ کے ملازم تھے پر بلایا مگر اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ بلایا''۔ آیت نمبر ۵-۹-۱۰-

۲۳ اللہ تعالیٰ نے جن خصوصی انعامات سے آپ علیہ السلام کو سرفراز فرمایا تھا ان میں سے ایک یہ انعام بھی تھا کہ آپ علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ ہمارا یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ مختلف پرندے مختلف اوقات اور حالات میں مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں آپس میں جب محبت کر رہے ہوتے ہیں تو ان کی آواز اور ہوتی ہے جب ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو اور۔ جب کوئی شکاری پرندہ ان پر جھپٹتا ہے تو اور غرضیکہ مختلف حالات میں ان کی صوتی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں جنھیں دوسرے پرندے اچھی طرح سمجھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اظہار خیال کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے قوت نطق ارزانی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے ایک پیغمبر کو ان کے کلام کے مفہوم پر مطلع کر دے تو کیا بعید ہے۔

۲۴ اس کا مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے ما یھمہ علیہ السلام من امر الدنیا و الأخرہ یعنی جن چیزوں کی انہیں دنیا و آخرت میں ضرورت تھی وہ بکثرت آپ علیہ السلام کو عطا کی گئیں۔

۲۵ ان سب نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ تصریح کر دی کہ ان میں سے کوئی چیز میری ذاتی نہیں ہے بلکہ میرے رب عزوجل نے مجھے یہ بخشی ہیں اور یہ بخشش وعطا محض اس کا فضل وکرم ہے۔

۲۶ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ جن، انسان اور پرندے بعض لوگ جو قرآن کریم کو اپنے خیالات اور مزعومات کا لباس پہنانا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جن سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنا باجگزار بنالیا تھا اور طیور سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں سے سوار فوجی دستے مراد ہیں کاش وہ ''انس'' کا بھی کوئی ایسا معنی گھڑ لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا۔ جب ''جن'' سے مراد جنگلی قبائل ہیں جو انسان ہیں اور طیور سے مراد گھوڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں تو ان دونوں لفظوں کے درمیان ''الانس'' یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ عطف تغائر پر دلالت کرتا ہے اور آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اور طیور، انس دو الگ الگ نوع ہیں۔

کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اب جہاں یہ لفظ مستعمل ہوگا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہوگا بلکہ مجازی معنی لینے کے لئے شرط اوّل یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنیٰ نہ لیا جاسکتا ہو۔ نیز کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معانی کا تعین کرے جب یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دوراز کار تاویلات کرنا یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

۲۷ کہتے ہیں روکنے اور منع کرنے کو۔ اصل الوزع الکف و المنع (روح المعانی)

اس سے مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بدنظمی اور انتشار کا نام ونشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ لشکر کا ہر دستہ سفر وحضر میں فوجی نظم وضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔ یہاں ایک امر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس موقعہ پر بعض مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر آپ علیہ السلام کے تخت اور مملکت کے متعلق بڑی مبالغہ آمیز اور عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں۔ ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان میں اکثر روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں ہمیں صرف انہیں باتوں پر یقین کرنا چاہئے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام ان مبالغہ آمیز باتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں تو آپ علیہ السلام گویا بے دین لوگوں کے لئے دین کا مذاق اُڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھول رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مبالغہ آمیز قصے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے زندیقوں نے وضع کئے ہوں۔ وایاك من الانتصار لما لا صحته له .... من مبالغات شنیعة .... فتفتح بذالك باب السخریة بالدین العیاذ باللّٰہ و لا یبعدان یکون اکثر ما تضمن مثل ذلك من وضع الزنا دقة یریدون به التنفیر من دین الاسلام (روح المعانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا واقعہ

اس کے لئے سورہ نمل کی آیات نمبر ۱۸ اور ۱۹ کا ترجمہ اور تفسیر ضیاء القرآن جلد سوم سے بیان کی جاتی ہے۔

ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے ۲۸ ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے بلوں میں کہیں کچل کر نہ

رکھ دیں۔ سلیمان اور ان کے لشکر اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں۔

تفسیر: ۲۸ ایک دفعہ آپ علیہ السلام اپنے لشکر جرار کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے جہاں سے آپ علیہ السلام نے گزرنا تھا وہاں چیونٹیوں کی ایک آبادی تھی اس کے سردار نے جب دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ ادھر سے گزرنے والے ہیں تو اس نے تمام چیونٹیوں کو اپنی اپنی بلوں میں گھس جانے کا حکم دیا ایسا نہ ہو کہ آپ علیہ السلام کا لشکر گزرے اور وہ بے خبری میں ان کو روندتا چلا جائے اور یہ سب کی سب پس کر رہ جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ابھی اس وادی سے تین میل کے فاصلہ پر تھے جبکہ آپ علیہ السلام نے اس چیونٹی کی آواز کو سنا۔ آپ علیہ السلام سن کر ہنس دیئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی جلیل القدر نعمتوں پر شکر کی توفیق مانگنے لگے جس نے آپ علیہ السلام کو دیگر انعامات کے ساتھ اتنی قوت سمع عطا فرمائی کہ اتنی دور سے آپ علیہ السلام ننھی سی چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں۔

آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ چیونٹی جب انہیں ہدایت دے رہی ہے تو جمع مذکر کے صیغے اور ضمائر استعمال کر رہی ہے۔ حالانکہ قاعدہ کے مطابق جمع غیر ذوی العقول کے لئے واحد مونث کا صیغہ اور ضمیر استعمال ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ہماری نسبت سے بے شک وہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی بات سمجھتی ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتی ہیں اس لئے وہ اپنی نسبت سے ذوی العقول ہیں۔ اگر ان چیونٹیوں کے افعال و کردار کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی انسان کی طرح ایسی عقل دی ہے جو کلیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ وہ انسانوں کی طرح مختلف قبائل اور خاندانوں میں بٹی ہوتی ہیں۔ ہر کام کے لئے الگ الگ چیونٹیاں متعین ہوتی ہیں۔ مثلاً خوراک کی بہم رسانی کے لئے الگ اور اپنی بستی کی نگہبانی اور دفاع کے لئے الگ اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کا علیحدہ لشکر ہوتا ہے جو مختلف حصوں میں بٹا ہوتا ہے اور اس کی نگرانی کے لئے علیحدہ علیحدہ جرنیل متعین ہوتے ہیں۔ نیز جب وہ گندم وغیرہ کے دانے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تاکہ اگر انہیں نمی پہنچے تو وہ اُگ نہ پڑیں لیکن جب وہ مسور اور دھنیا کا ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کے چار چار ٹکڑے کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کا نصف حصہ بھی اُگ جاتا ہے۔ اُن حالات کے پیش نظر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں هذا و امثاله يحتاج الى علم كلى استدلالى و هو يحتاج الىٰ نفس ناطقة و قد برهن شيخ الاشراف (لعله شيخ الاشراق) على ثبوت النفس الناطقه لجميع الحيوان (روح المعانی)۔ یہاں بھی اسلام کے نئے کرم فرما تاویل کرنے پر مجبور ہو گئے اور کہہ دیا کہ وادی نمل اس وادی کا نام ہے جہاں ایک بنی نمل نامی قبیلہ آباد تھا اور نملہ سے مراد ان کا ایک فرد ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم کو بروقت متنبہ کیا۔

لیکن ان کی پہلی تاویلات کی طرح نصوص قرآنیہ اس تاویل کی بھی رد کر رہی ہیں۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نبی اور عادل فرمانروا کا لشکر اتنا ظالم ہو کہ وہ ایک انسانی بستی کو روندتا ہوا گزر جائے اور اس کو تاخت و تاراج کر دے۔ نیز اگر اس قبیلے کے سردار کو یہ خدشہ پیدا ہوا تو اسے چاہئے تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کو یہ مشورہ دیتا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لو تاکہ لشکر سلیمانی کی تاخت و تاراج سے تم محفوظ رہو۔ سب سے بڑی بات جو ان کی تاویل کی مضحکہ خیز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات پر تعجب کرنا، پھر مسکراتے ہوئے ہنس دینا اور پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ قرار دے کر شکر کی توفیق مانگنا بالکل بے محل ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پرندے ہدہد کا واقعہ

سورۂ نمل کی آیات نمبر ۲۰ کا ترجمہ: اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا ۲۹ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہدہد نظر نہیں آ رہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر۔ (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری ۳۰ (کہ وہ آ گیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس

کی آپ کو خبر نہ تھی اور (وہ یہ کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ ۳۱ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی حکمران ہے، میں نے پایا ہے اُسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ۳۲ اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال ۳۳ پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں ۳۴ اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کرینگے ۳۵ اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے''۔ (ضیاء القرآن)

تفسیر از ضیاء القرآن: ۲۹ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندوں کا بھی ایک دستہ ہوا کرتا تھا۔ ایک بیدار مغز اور مدبر فرمانروا ہونے کی وجہ سے آپ اپنے لشکر کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے تاکہ کوئی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہ ہو اور فوجی نظم وضبط میں کیسی طرح کی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے جب پرندوں کے دستہ کا جائزہ لیا تو ہُد ہُد کو غیر حاضر پایا۔ آپ علیہ السلام جیسا منتظم اور مدبر بادشاہ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ آپ علیہ السلام کی اجازت کے بغیر آپ علیہ السلام کا کوئی لشکری جدھر چاہے چلا جائے آپ علیہ السلام نے از راہ حیرت فرمایا کہ آج ہُد ہُد دکھائی نہیں دے رہا وہ کہاں لاپتہ ہو گیا اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان نہ کی تو اسے فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے کے سنگین جرم کے باعث عبرتناک سزا دی جائے گی۔ تفقد: تطلب ما غاب عن شئى ۔ کسی گمشدہ چیز کو تلاش کرنا۔ طیر: اسم جمع ہے، اس کا واحد طائر ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں۔ ان کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا لو ان سخلة على شاطى الفرات اخذها الذئب ليسال عنها عمر ۔ یعنی اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے لئے بھی عمر رضی اللہ عنہ کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد علامہ موصوف حسرت وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے خبری اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔

۳۱ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہُد ہُد حاضر ہو گیا اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا پہلے آپ علیہ السلام کو علم نہیں۔ میں سبا کے ملک میں گیا تھا وہاں کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور وہی چشم دید یقینی حالات عرضِ خدمت کرتا ہوں۔ سبا اسم مدينه تعرف بمارب باليمن بينها و بين صنعاء مسيرة ثلثة ايام (قرطبی)۔ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ معجم البلدان میں سبا کے متعلق لکھتے ہیں۔ ارض باليمن مدينتها ما رب بينها و بين صنعاء مسيرة ثلاثة ايام ۔ سبا یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر مآرب ہے جو صنعاء (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ یشجب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اس لئے یہ علاقہ سبا کہلایا۔ (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ طبع بیروت)۔

علامہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے آثار البلاد میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ سبا ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ اور پانی بہت میٹھا تھا۔ باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے حیوانات بکثرت پائے جاتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ بارش ہوتی پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (DAM) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا۔ اس بند میں پانی کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سوراخ تھے۔ حسب ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوش حال ہو گئے۔ خوش حالی اپنے ہمراہ عیش وعشرت اور فسق وفجور لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہر الٰہی سیلاب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بند ٹوٹ گیا، سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ اس کا ذکر قرآن

میں کئی مواقع پر آیا ہے۔ وہاں مزید وضاحت کی جائے گی۔

۳۱؎ ہد ہد وہاں کے حالات بتا رہا ہے۔ ملکہ سبا کے تخت کے متعلق علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے قال ابن عباس کان طول عرشها ثمانين ذراعاً و عرضه اربعين ذراعاً وارتفاعه فى السماء ثلاثين ذراعاً ۔ یعنی اس کا طول اسی ہاتھ عرض چالیس ہاتھ، اونچائی تیس ہاتھ۔

تفسیر: ۳۲؎ اس کے مذہب کے متعلق بتایا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کیا کرتی ہے۔

۳۳؎ یعنی شیطان نے اس کھلی گمراہی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا ہے اور وہ اس پر اس طرح فریفتہ ہو گئے ہیں کہ عقل کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

۳۴؎ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت الا یسجدو ا للہ الخ ہد ہد کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس میں اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو خطاب کیا جا رہا ہے۔

۳۵؎ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری اس بات کی پوری تحقیق کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی ملزم عذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرا نہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اس کی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے لیس احد احب الیه العذر من الله من اجل ذالك انزل الكتاب و ارسل الرسل ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں۔ اسی لئے اس نے قرآن نازل کیا اور رسول مبعوث فرمائے۔

ملکہ سبا کا بیان

آیات نمبر ۳۶ تا ۴۰ کا ترجمہ: "لے جا میرا یہ مکتوب ۳۶؎ اور پہنچا دے ان کی طرف، پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ ۳۷؎ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط ۳۸؎ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے۔ تم لوگ غرور وتکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقت ور اور سخت جنگجو ہیں ۳۹؎ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے کہا ۴۰؎ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لئے جنگ کرنا قرین و دانشمندی نہیں) اور میں بھیجتی ہوں انکی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں"۔ (ضیاء القرآن)

تفسیر: ۳۶؎ چنانچہ آپ نے بلقیس کی طرف ایک خط لکھا جس کا مضمون اگلی آیات میں مذکور ہے اور ہد ہد کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر بلقیس کو پہنچا دے اور پھر اس کے رد عمل سے مطلع کرے۔ القی کا معنی کسی چیز کو اس طرح پھینکنا کہ وہ تجھے دکھائی دیتی ہے۔ الالقاء طرح الشى حيث تلقاه اى تراه (مفردات)۔

لیکن جب ترکیب کلام یوں ہو جیسے اس آیت میں ہے تو پھر اس کا معنی پہنچا دینا ہے۔ صاحب منجد اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں القى الشىء الى الارض طرحه اليه و القى اليه القول و بالقول: ابلغه اياه۔

۳۷؎ خط پہنچا کر بھاگ نہ آنا، الگ کھڑے ہو کر دیکھنا کہ اس کے بارے میں باہم کیا بات چیت کرتے ہیں۔

اى ماذا يرجع بعضهم الى بعض من القول (مظہری)

۳۸؎ کہتے ہیں کہ جب ملکہ سبا اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی تو ہد ہد نے وہاں ان کے سروں پر پہنچ کر پھڑ پھڑانا شروع کیا۔ جب

بلقیس نے نگاہیں اوپر اُٹھائیں تو اس نے وہ خط اس کی گود میں پھینک دیا اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ سو رہی تھی اور ہُد ہُد روزن سے داخل ہوا اور چپکے سے وہ خط اس کے سینے پر رکھ دیا بہر حال اس نے خط پڑھا تو اس کے ایجاز اور اس کے پر جلال اسلوب کو دیکھ کر لرز گئی۔ فوراً شاہی مشیروں کی مجلس مشاورت منعقد کی اور اس میں اس نے وہ خط پڑھ کر سنایا اور ان سے رائے دریافت کی اور انہیں کہا کہ میں ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا کرتی ہوں۔ اب بتاؤ اس خط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ حتیٰ تشهدون ای حتی تحضرونی و تشیرونی او تشهدوا علی کونه صواباً۔

۳۹ جو اہل الرائے وہاں جمع ہوئے انہوں نے کہا کہ جہاں تک فوجوں کی تعداد، سامانِ جنگ کی فراہمی اور شجاعت و مردانگی کا تعلق ہے وہ تو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ خود جانتی ہیں کہ وقت آنے پر ہم اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں گے۔ بہر حال جنگ کی ذمہ داری لینے کے لئے ہم تیار نہیں۔ اس کے متعلق قطعی فیصلہ وہ ہوگا جو آپ کریں گی۔ ہم آپکے ہر حکم کو ماننے کے لئے بسر و چشم تیار ہیں۔

۴۰ یقیناً وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و طاقت اور ان کے عظیم لشکر سے باخبر ہوگی اس لئے وہ انہیں بتا رہی ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کا مقابلہ کر کے ہم خود اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دینے کی حماقت نہیں کر سکتے۔ کوئی اور تدبیر ہی کرنا ہوگی۔

اس آیت میں ملوکیت کے مزاج سے کیسا پردہ اٹھایا گیا ہے کہ بادشاہوں کے سبز قدم جہاں پہنچتے ہیں اور جس ملک کو وہ فتح کرتے ہیں اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے معاشی وسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں اور وہاں کے اصلی باشندوں کو افلاس و غربت کی سختیاں سہنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور جو شخص غلامی کی ذلت کو گوارا نہیں کرتا اور ان کے اس مالی استحصال اور سیاسی استبداد پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ اس کو اتنا ذلیل و رسوا کرتے ہیں کہ اس کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں رہتا و كذالك يفعلون فرما کر اس حقیقت کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان استعماری قوتوں کے قدم جہاں پہنچتے ہیں وہاں کے رہنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ وہ فقر و فاقہ کے شکنجہ میں کس دیئے جاتے ہیں۔ فرانس، آزادی اور انسانی اقدار کا سب سے بڑا علمبردار ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن جہاں اس نے اپنے استعمار کے خونی پنجے گاڑے۔ وہاں کے لوگوں کی خونچکاں داستان الجزائر وغیرہ نو آبادیت کے رہنے والوں سے پوچھئے۔

ترجمہ: ''کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں ۴۱ سو جب قاصد آپکے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا ۴۲ کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سما رہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے) تو واپس چلا جا انکے پاس اور ہم آ رہے ہیں انکی طرف ایسے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! ۴۳ کون تم سے لے آئیگا میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آ جائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر''۔ (ضیاء القرآن)

تفسیر از ضیاء القرآن: ۴۱ ایسے عظیم بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں لیکن یوں ہی اس کے دین کو قبول کر لینا بھی معقولیت سے بعید ہے۔ میں یہ ہدیہ دے کر قاصد اس کی طرف بھیجتی ہوں اس کے رویہ سے پتہ چل جائے گا کہ وہ بادشاہ ہے یا نبی۔ اگر بادشاہ ہوا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اگر نبی ہوا تو پھر بھی معلوم ہو جائے گا۔ وہ ہدیہ جو بلقیس نے آپ علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا وہ کیا تھا۔ امام رازی فرماتے ہیں فالناس اكثروا فی صفة الهدية لكن لا ذكر لها فی الكتاب ۔ یعنی اگر چہ لوگوں نے اس ہدیہ کے بارے میں بڑی مبالغہ آرائیوں سے کام لیا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہوگی بلکہ بڑی قیمتی اور نادر اشیاء ہوں گی۔

۴۲ قاصد جب ہدیہ لے کر پہنچے تو آپ علیہ السلام نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا گھمنڈ ہے اور اپنے جواہرات سے بھرے ہوئے خزانوں پر بڑے اتراتے ہو اور میری طرف یہ تحفہ بھیج کر تم خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ سمجھتے ہو کہ تم نے بڑی ہی

قیمتی اور نادر چیزیں میری طرف بھیجی ہیں لیکن کان کھول کر سن لو میری نظر میں تمہارے ان تحائف اور نوادرات کی پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں جو خزانے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی ہیں ان کے سامنے یہ سب ہیچ ہیں۔ انہیں اپنی ملکہ کے پاس لے جاؤ اور جا کر اسے میری طرف سے یہ بات صاف صاف سنا دو کہ اگر تم نے سورج کی پرستش سے توبہ کر کے میرے لائے ہوئے دین کو قبول نہ کیا تو میں ایسا لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کروں گا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ لاقبل لھم بھا : ای طاقة لھم (الصحاح) قبل کا معنی طاقت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طاقت اور عظمت کا بیان

سورۂ نمل کی آیت نمبر ۳۹ اور ۴۰ کا ترجمہ: ''عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ (علیہ السلام) کے پاس اسے پیش ازیں کہ آپ (علیہ السلام) کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بیشک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا ۴۴؎ (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ (علیہ السلام) کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پھر جب آپ (علیہ السلام) نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب عزوجل کا فضل (وکرم) ہے تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے ۴۵؎ اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی''۔ (ضیاء القرآن)

۴۳؎ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے قاصد انہیں واپس لے گئے اور سارا ماجرا اپنی ملکہ سے کر کہا وہ سمجھ گئی کہ آپ علیہ السلام بادشاہ نہیں ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کی اس میں ہمت نہیں لیکن ایمان لانے سے پہلے وہ آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ شاہی تزک و احتشام کے ساتھ وہ آپ علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئی جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ علیہ السلام نے چاہا کہ اسے اپنے رب قدوس کی قدرت کاملہ کا ایک اور بین ثبوت دکھائیں۔ نیز اس پر یہ امر بھی واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو کتنی عزت اور کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ علیہ السلام کے غلاموں میں بھی ایسے باکمال لوگ موجود ہیں جو ایسے کرشمے دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون بلقیس کے شاہی تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکتا ہے۔ جنوں میں سے ایک طاقتور جن اٹھا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے اسے یہاں پہنچا دوں۔ اگرچہ وہ بڑا بھاری بھی ہے اور مسافت بھی ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ ہے لیکن میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور میں امین بھی ہوں جو قیمتی جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں ان میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔ آپ علیہ السلام نے اس کی پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔ گویا آپ علیہ السلام کو یہ گوارا نہ ہوا کہ کوئی درباری اس معمولی کام کے لئے اتنی لمبی مہلت مانگے۔

۴۴؎ چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے مودبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو وہاں سے اٹھا کر آپ علیہ السلام کے قدموں میں لا کر رکھ دوں۔ آپ علیہ السلام نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور جب آپ علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور و نخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولیٰ کریم کا شکر ادا کرنے لگے۔ عرض کیا یہ میرے رب عزوجل کا فضل و کرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی ہے کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا یہ فضل بہت بڑی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایات جلیلہ پر اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔ مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش تصور کرتے ہیں لیکن جب فرحت و سرور کا دور آتا ہے جب اس کے انعامات کی بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے اور پہلے قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے اس میں کامیاب ہونا کسی دل گردے کا کام ہے۔ تکالیف و مصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور آرام و آسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو۔ اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ علیہ السلام صرف زبان سے ہی شکریہ ادا کرتے رہیں

حقیقی شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

۴۵ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے تم اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے بلکہ اپنے لئے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہے ہو اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو وہ اسے اور زیادہ دیتا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دستِ جود و عطا سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت سے سبا سے بیت المقدس شریف پہنچا دیا۔ نیز وہ تخت کہیں صحن میں تو پڑا نہیں ہوگا بلکہ قصر شاہی کی کسی محفوظ ترین جگہ میں رکھا ہوگا اور اس کی نگہبانی کے لئے خصوصی پہرے داروں کا انتظام بھی ہوگا۔ اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر کا نام لیا ہے اور کسی نے جبرائیل علیہ السلام کا اور کسی نے آصف بن برخیا کا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے۔ لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا۔ یعنی اُس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول کارنامے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی لکھتے ہیں۔ و ان لهذا لوصف تاثيراً في نقل ذالك العرش (کبیر) امام عبدالقاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صلہ سے کی جائے تو اس فعل کے صدور میں اس صلہ کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس علم من الکتب (کتاب کا علم) تھا۔ اس آیت سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اُمتی ''الکتاب'' کے علم کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے تو سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا ولی جو الکتاب کا نہیں بلکہ الکتب المبین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا سرزد ہونا کیا مشکل ہے۔ وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیاء کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں مکرر غور کرنا چاہئے۔

ہمارے تجدد پسند مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے جب بلقیس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو بلقیس کے بیٹھنے کے لئے کوئی تخت بنا دے تا کہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھایا جائے ان کی اس تاویل کو دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یا تو وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں ورنہ وہ ایکم یاتینی بعدشہا (کہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لا سکتا ہے) کا یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا۔ کھلے بندوں اس کا انکار کرنے کی بھی جرات نہیں کر سکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ملکہ سبا (بلقیس) کا اسلام قبول کرنا

آیات نمبر ۴۱ تا ۴۴ کا ترجمہ: ''آپ علیہ السلام نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ۴۶ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ۴۷ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے ۴۸ جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بیشک وہ قوم کفار سے تھی''۔ اسے کہا گیا ۴۹ کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے آپ علیہ السلام نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ ۵۰ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب (عزوجل)! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ عزوجل پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۵۱''۔ (ضیاء القرآن)

تفسیر از ضیاء القرآن: ۴۶ آپ نے حکم دیا کہ اس تخت کی شکل و صورت میں کچھ ردو بدل کر دو۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی

ہے یا نہیں۔

۴۷؎ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا شاہی تخت بھی اسی قسم کا ہے جیسے یہ ہے۔ وہ فوراً بھانپ گئی اور کہنے لگی یہ تو بعینہٖ وہی معلوم ہوتا ہے اور ہمیں اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل چکی ہے کہ تخت آپ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنی شان وعظمت دکھانے کے لئے آپ علیہ السلام نے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ ہم تو اس سے ہی جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے آپ علیہ السلام کو بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور ہم تو مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

۴۸؎ ایسی سلیم الطبع خاتون جس نے حق کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور بلا تامل اسے قبول کرلیا۔ اب تک سورج کی پوجا کیسے کرتی رہی اس کی وجہ بیان فرمادی کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسے آج تک کسی نے یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ سورج عبادت کے لائق نہیں، بلکہ عبادت کے لائق تو وہ ہستی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ اس کو نور وحرارت کا سرچشمہ بنایا۔ اور اسے اپنے قانون کا پابند بنا کر انسان کی خدمت پر مامور کردیا۔

تفسیر: ۴۹؎ آپ علیہ السلام کا ایک عظیم الشان محل تھا جس کا فرش بلور کا بنا ہوا تھا۔ اس کے نیچے پانی رواں رہتا تھا آپ علیہ السلام نے اپنا تخت اس محل کے وسیع صحن میں بچھایا اور اُسے شرف باریابی حاصل کرنے کی اجازت دی۔ وہ جب اندر داخل ہونے لگی تو اُسے یوں محسوس ہوا کہ وہاں پانی کی لہریں موجزن ہیں۔ اس نے اپنے پائنچے چڑھائے تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اسے یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ پانی صحن میں نہیں بلکہ صحن بلور کا بنا ہوا ہے اور پانی اس کے نیچے بہ رہا ہے۔

۵۰؎ آپ علیہ السلام نے اس کی غلطی پر اسے متنبہ فرمادیا۔ قواریر: شیشہ بلور۔ ممرد: مملس، صاف شفاف۔ چمکدار۔ امرد: اس نوجوان کو کہتے ہیں جس کے رخساروں پر ابھی بال نہ اُگے ہوں۔

۵۱؎ دل تو پہلے ہی نور ایمان سے روشن ہوگیا تھا۔ اب جب اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بے اختیار ہوکر اپنی سابقہ گمراہی پر ندامت کا اظہار کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بلقیس کو اپنا حرم بننے کی عزت بخشی اور اس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی ''واللہ تعالیٰ اعلم''۔

ملکہ سبا بلقیس نے نکاح کس سے کیا؟

تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۳۱ پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملکہ سبا (بلقیس) نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سمجھانے پر سدد بن زرعہ نامی شخص کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی طرف سے ملک یمن کا گورنر مقرر کرکے بلقیس کو بدستور سبا کا بادشاہ بنائے رکھا۔

لیکن البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۲۹ پر ثعلبی کا بیان اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اپنی زوجیت میں لے آئے تھے اور اسے اس کی مملکت میں واپس کردیا تھا۔ بلکہ وہیں اس کے لئے تین بڑے شاندار محل عدنان، سالحین اور بیتون بنوادیئے تھے اور جب کبھی دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے یمن جاتے تو تین روز اس کے پاس ٹھہرا کرتے تھے جبکہ ابن اسحق بعض اہل علم کے علاوہ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے شادی نہیں کی تھی بلکہ اس کی شادی ہمدان کے بادشاہ سے کردی تھی لیکن یمن کی حکمرانی اسی کے لئے برقرار رکھی تھی اور وہیں تینوں مذکورہ بالا محل اس کے لئے جنات سے تعمیر کرائے تھے جن کی تعمیر بنی آدم علیہ السلام کے لئے محال تھی اور یمن میں بلقیس کا دارالحکومت انہی محلات کی وجہ سے شہر کی حیثیت سے مشہور ہوا ''واللہ اعلم''۔ تذکرۃ الانبیاء ص ۳۸۸ پر تحریر ہے کہ ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل ہے بحوالہ جلالین۔

اللہ تعالیٰ کے ولی کی طاقت جن سے زیادہ

اس کی وضاحت کافی حد تک اس سے قبل ضیاء القرآن کے حوالے سے ہو چکی ہے۔ اس سے زیادہ مجھ جیسا نکما، کم علم والا وضاحت کیا کرے

گا۔لیکن قارئین کی مزید معلومات کے لئے ایک بیان جو صاحب تذکرۃ الانبیاء نے ص ۴۰۱ بحوالہ روح المعانی بیان کیا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔لفظ ''عفریت'' جو کہ قرآن پاک کی سورہ نمل کی آیت نمبر ۳۹ میں آیا ہے کہ قال عفریت من الجن۔اس کا مطلب روح المعانی میں جو بیان کیا گیا ہے وہ پڑھیئے۔

''عفریت سرکش وخبیث کو کہا جاتا ہے۔یعنی ایسا خبیث ومنکر جو اپنے ساتھیوں پر سرکشی اور خیانت کرے یعنی جنوں میں ایک سرکش خبیث جن جسے اپنی طاقت پر ناز تھا نے کہا بلقیس کے تخت کو آپ علیہ السلام کے سامنے آپ علیہ السلام کے اجلاس برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے لے کر ظہر تک مجلس عدالت قائم فرماتے جس میں لوگوں کے درمیان فیصلے فرماتے تھے۔

گویا جن کا مطلب یہ تھا کہ میں آدھا دن گزرنے سے پہلے پہلے آپ علیہ السلام کے پاس بلقیس کا تخت پہنچادوں گا۔کیونکہ مجھے اتنے بڑے عظیم تخت کا اٹھانا کوئی بھاری محسوس نہیں ہوگا۔میں بڑی بڑی چیزوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں یعنی یہاں قوی کا معنی قادر لیا گیا ہے اور میں وہ تخت لانے میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کروں گا نہ اس سے کچھ توڑوں گا نہ ہی اس میں کوئی تغیر وتبدل کروں گا۔بلکہ امانت کا پاس کروں گا (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ کے ولی نے کہا

چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا۔اس نے مودبانہ التماس کی کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت وہاں سے اٹھا کر آپ علیہ السلام کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔آپ علیہ السلام نے اجازت فرمائی اور جب آپ علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا۔آپ علیہ السلام نے اپنے ایک خادم سے اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور ونخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولا کا شکر ادا کرنے لگے۔عرض کیا'' یہ میرے رب عزوجل کا فضل وکرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی ہے کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں'' اس کے بعد فرمایا فضل بہت بڑی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایت جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں (تذکرۃ الانبیاء ص ۴۰۱)

قارئین حضرات جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے خادم کا اتنا علم، طاقت اور اختیار ہے تو آپ علیہ السلام کا علم وطاقت کا اختیار کتنا ہوگا۔اور پھر سید المرسلین امام الانبیاء سلطان الانبیاء، خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین حضور سیدنا ومولنا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وطاقت اور اختیار کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی کچھ نام نہاد عالم دین جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے قرآن واحادیث کے ترجمے غلط کر کے انبیاء واولیاء اللہ کی شان و عظمت کو گھٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

جن کے دلوں میں کوئی روگ ہوتا ہے وہ اگر عوام کے سامنے کھل کر اظہار نہ کر سکیں تو قلم کے ذریعے قرآنی آیات اور حدیثوں کے ترجمے اس طرح کرتے ہیں جس سے ولی اللہ (عزوجل) اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان وعظمت میں کمی واقع ہو۔اس قسم کی مثال ایک تو پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القرآن میں بیان فرمائی جو کہ اس سے قبل سورہ نمل آیت نمبر ۴۰ کی تفسیر کے تحت مندرجہ بالا سطور میں بیان ہو چکی ہے اور دوسری مثال بھی سنیئے اور پڑھیئے جو کہ مؤلف کو ملی ہے۔ملاحظہ فرمایئے۔

تاریخ ابن کثیر شہرہ آفاق عربی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' کا اُردو ترجمہ کرنے والے کا کردار

جو کہ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی) ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی ایم اے (اسلامیات) اور ایم اے (تاریخ اسلام) سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) گرگوسن کالج (پونا) الفسٹن کالج (بمبئی) مطبوعہ نفیس اکیڈمی اُردو بازار کراچی طبع اوّل جون ۱۹۸۷ء ایڈیشن آفسٹ جلد دوئم ص ۲۹ سطر نمبر ۷ تا نمبر ۹ پر جو تحریر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

''ملکہ سبا یعنی بلقیس کے اس کروفر کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام سے جب بیان کیا گیا تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلانے کا قصد کیا تو ایک جن نے ان سے عرض کیا کہ اگر ان کی اجازت ہو تو وہ بلقیس کو اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں لا کر حاضر کر دے۔روایت ہے کہ پیش کش کرنے

والے آصف بن برخیا تھے اور قوم جنات کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے' اور پھر اسی صفحہ کی سطر نمبر ۱۴ تا ۱۷ پر یہ تحریر ہے۔

''لیکن ان کے اس مشورے پر جب بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا۔ تو انہوں نے جنات کو حکم دیا کہ اسے اس کے تخت سمیت ان کی خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی یہ طاقت نیز یہ دیکھ کر کہ تمام وحوش وطیور تک ان کے فرمانبردار ہیں ان کی شان وشوکت اور رعب ودبدبے کا اندازہ لگالیا اور ان کے دست حق پرست پر ایمان لے آئی''۔

جبکہ ان قرآنی آیات نمبر ۳۹، ۴۰ سورہ نمل کا ترجمہ ایک تو جو ضیاء القرآن کا ہے وہ اس سے پہلے صفحات پر تحریر ہو چکا ہے اور دوسرا ترجمہ جو تاجدار بریلی شریف حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ یہ ہے۔

''ایک زور آور خبیث جن بولا کہ میں اس تخت کو اس سے پہلے لاسکتا ہوں کہ آپ علیہ السلام دربار سے اٹھیں (دربار برخاست کریں) اور بے شک میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں'' ۳۹۔ (مگر سلیمان علیہ السلام کو اس سے بھی پہلے منگانا منظور تھا) تو جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس نے سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ میں آپ علیہ السلام کے پلک جھپکانے سے پہلے اس تخت کو آپ علیہ السلام کی خدمت میں لاسکتا ہوں (چنانچہ اس نے تخت فوراً حاضر کر دیا) پھر جب سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے ربّ عزوجل کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنی ہی اچھائی کے لئے شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو بے شک میرا ربّ سب سے بے پرواہ ہے۔ اور عزت اور خوبیوں والا ہے ۴۰۔

حضرات اب خود ہی دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کیا فرماتا ہے اور مترجم البدایہ والنہایہ کیا ترجمہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی لاریب کتاب میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ عفریت بولا کہ میں اس تخت کو اس سے پہلے لاسکتا ہوں کہ آپ علیہ السلام دربار سے اٹھیں۔ بیشک میں طاقت ور اور امانت دار ہوں تو جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے عرض کیا کہ میں آپ علیہ السلام کے پلک جھپکانے سے پہلے اس تخت کو آپ علیہ السلام کے پاس لاسکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے تخت فوراً حاضر کر دیا۔

عفریت جن کو تخت لانے کی اجازت نہ ہوئی کیونکہ اس سے بڑی طاقت والے جس کے پاس کتاب کا علم تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا ولی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتی انسان تھا اور جن نہ تھا اس نے تخت لاکر حاضر کر دیا جبکہ مترجم البدایہ والنہایہ نے صاف طور پر تحریر کیا ہے کہ آصف بن برخیا تھے جو کہ قوم جنات سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اجازت طلب کی کہ وہ بلقیس کو بمع اس کے تخت کو لاکر پیش کر دیتے ہیں اور پھر اگلی سطور پر رقم طراز ہے کہ جب بلقیس نے اپنے وزراء اور رؤسا کے مشورے پر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ بلقیس کو اس کے تخت سمیت حاضر کر دیا جائے۔

حضرات ذرا غور کریں کہ مترجم نے کس طرح اس مشہور واقعہ کے متعلق البدایہ والنہایہ کی عربی تحریر کا اُردو ترجمہ کیا ہے مترجم نے اللہ تعالیٰ کے ولی کے بارے ایک لفظ بھی نہ لکھا بلکہ آصف بن برخیا کو جن قوم سے بتاتا ہے اور پھر یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے جنوں کو حکم فرمایا تخت سیت بلقیس کو حاضر کرنے کے لئے اور جن ہی تخت لائے سمیت بلقیس کے۔

حضرات کیا آپ کو معلوم ہوا کہ ایسا کیوں بیان کیا گیا ہے تو حضرات صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو اللہ تعالیٰ کے ولی کی کرامت تسلیم کرنا گوارہ نہیں بلکہ جنات کی طاقت اور غائب کے علم کا قائل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ولی کے علم غیب اور طاقت جو اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہر گز تسلیم کرنا نہیں چاہتا اور یہ اس گروہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو ولی اللہ کے گستاخ اور بے ادب ہیں اس میں اتنے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کا ترجمہ غلط کر کے ان کے منکر ہیں۔ جبکہ قرآن کے ایک حکم کو نہ ماننا کافر کر دیتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے علم غیب کی نفی کی ہے۔ اس کے لئے پ ۲۲ سورہ سبا آیت نمبر ۱۴ کا مطالعہ فرمائیں جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔

جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا حکم بھیجا تو جنوں کو ان کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک جوان کا عصا کھا رہی تھی۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام عصا ٹوٹنے کی وجہ سے زمین پر گرے تو جنوں کو حقیقت کھل گئی (کہ وہ غیب نہیں جانتے) اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت وخواری کے عذاب و مشقت میں مبتلا نہ ہوتے۔

لیکن ادھر مترجم صاحب جنوں کی طاقت اور علم غیب اور اختیار کے قائل ہیں کیونکہ بغیر علم رکھنے کہ وہ تخت کہاں ہے کتنا وزنی ہے اور پھر اس کے لانے کے لئے طاقت کتنی درکار ہے یہ سب علم ہونا ضروری ہے اس لئے مترجم تحریر کرتا ہے کہ آصف بن برخیا جن قوم سے تھا اور جنوں نے ہی وہ تخت لایا۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اولیاء اللہ کے علم اور طاقت جو اسکو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اس کی وجہ سے ان سے جو کرامتیں ظہور میں آتی ہیں ان کا منکر اور بے ادب سیدھے راستے پر ہے یا جوان کا ماننے والا ہے اور اس کی تعظیم کرنے والا ہے وہ سیدھے راستے پر ہے۔

یہ ضمناً واقعہ لکھ دیا ہے کیونکہ اس قسم کے واقعات سے لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری ہوتا ہے جو کہ قرآن وحدیث کے غلط ترجمے کر کے اور ان کو توڑ مروڑ کر کے عوام کو گمراہ کرتے ہیں خبردار ہوشیار ایسے نقالوں سے بچو اور اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کی توفیق فرمائیں۔ (آمین) (مؤلف کیلانی)

ملکہ سبا بلقیس اپنے ملک کی بادشاہ کیسے بنی؟

ملکہ سبا بلقیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا باپ تو بنی آدم میں سے تھا۔ لیکن ان کی والدہ قوم جنات سے تھی۔

ثعلبی کہتے ہیں کہ بلقیس کی حکومت سے قبل ان کی قوم پر جو شخص حکمران تھا۔ وہ شرابی اور عیش وعشرت کا دلدادہ تھا جسکی وجہ سے ساری قوم میں فسادات پھوٹ پڑے تھے اور سارے ملک میں انتشار پھیل گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بلقیس نے اسے کچھ لوگوں کی مدد سے تہ تیغ کر کے اس کا سر اس کے قصر کے دروازے پر ٹنگوا دیا تھا۔ اور اس حکمران سے نجات پانے کے بعد بلقیس کی ساری قوم پر اس کا سکا بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ تمام کی تمام اس کے زیر فرمان آ گئی تھی۔ اس طرح بلقیس اپنی قوم کی سیاہ وسفید کی مالک ہو گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شاہی محل میں جو تخت بنوایا تھا۔ وہ زرد جواہر سے مزین ہونے کے علاوہ اپنی چھت کے لحاظ سے بے نظیر تھا۔ کیونکہ اس میں سچ مچ کے ستارے نظر آتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۲۹)

پروفیسر علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سیرت رسول عربی ﷺ'' کے صفحہ نمبر ۱۶ پر بیان فرماتے ہیں کہ

> دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق خبیث بادشاہ تھا جس کا نام مالک تھا۔ وہ باکرہ عورتوں کو بلا کر ان کی آبروریزی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی چچازاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ کیا۔ بلقیس چونکہ بہت عقل مند اور نیک سیرت تھی اس لئے اس نے بادشاہ کو کہا کہ میرے محل میں آ جانا۔ اور اس کے قتل کرنے کے لئے اپنے اقربا میں سے دو آدمی مقرر کئے۔ جب بادشاہ بلقیس کے محل میں داخل ہوا۔ تو ان آدمیوں نے اسے قتل کر ڈالا اہل یمن نے بلقیس کی جرات کو دیکھ کر اسے اپنا حکمران بنالیا۔ ورنہ وہ عورت کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ (سیرت رسول عربی ﷺ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے

پ ۱۷ سورہ الانبیاء آیت نمبر ۷۸، ۷۹ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے۔

اور ہم (اللہ تعالیٰ) نے داؤد وسلیمان (علیہما السلام) کو بھی حکمت ونبوت دی۔ جب وہ اپنی قوم کی کاشت میں یعنی انگوروں کے بارے میں حکم کرتے تھے کہ ایک قوم کی بکریاں دوسری قوم کے انگوروں میں جا پڑی تھیں اور خوب روندا تھا اور ہم سب کی رایوں اور حکمتوں کو جانتے تھے۔ اس وقت ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم خوب سمجھا دیا۔ جو حق کے موافق اور زیادہ قریب تھا اور یوں ہم نے دونوں کو حکم، علم، فہم اور نبوت دی تھی۔

اب خزائن العرفان سے اس واقعہ کی مزید تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

ایک آدمی کی بکریاں رات کے وقت چھوٹ گئیں اور ان کے ساتھ کوئی آدمی نہ تھا۔ دوسرے شخص کی کھیتی کھا گئیں۔ یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام

کے سامنے پیش ہوا۔ آپ علیہ السلام نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دو۔ چونکہ بکریوں کی قیمت کھیتی کے برابر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب فیصلہ سنا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ایک صورت اس سے بہتر اور دونوں فریقوں کے لئے نفع مند ہو سکتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اچھا تم بتاؤ کہ وہ کیا صورت ہو سکتی ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں کھیتی والے کو صرف اس لیے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرتا ہے اور بکریوں والے شخص کو کہا جائے کہ وہ اس شخص کے کھیت میں کام کرے اور محنت کر کے ضائع شدہ فصل کے برابر اور فصل کاشت کر کے تیار کرے۔ جب وہ کھیتی اپنے حال پر آ جائے تو کھیتی والے کو اس کی کھیتی دے دی جائے اور بکریوں والے کو اس کی بکریاں دے دی جائیں۔

یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ دونوں فیصلے اجتہادی تھے جو اس وقت کی شریعت کے مطابق تھے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قانون کے مطابق تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ ان دونوں کے درمیان صلح کرانے کی صورت میں تھا۔ ہماری شریعت میں اگر جانور راز خود چھوٹ جائیں کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچائیں تو جانوروں کے مالک پر کوئی ضمان لازم نہیں (خزائن العرفان۔ بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۴۲۰)

دو عورتوں کے جھگڑے کا فیصلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک وقت دو عورتیں تھیں ان دونوں کے بچے ان کے ساتھ تھے۔ ایک بھیڑیا ایک بچے کو لے گیا۔ ایک عورت نے دوسری عورت کو کہا کہ بھیڑیا تمہارا بچہ لے گیا ہے دوسری نے کہا کہ بھیڑیا تمہارے بچے کو لے گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑے نے طول پکڑا۔ تو وہ اپنا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں۔ آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ دیا۔ یعنی ان دونوں عورتوں میں سے ایک چھوٹی عمر کی تھی اور ایک بڑی۔

جب دونوں (فیصلہ کے بعد) باہر نکلیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آئیں۔ آپ علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کی خبر دی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ چھری لاؤ میں اس بچے کے ٹکڑے کر کے تم دونوں میں تقسیم کر دوں۔ تو چھوٹی نے کہا اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام پر رحم فرمائے ایسا نہ کریں۔ وہ اسی کا بیٹا ہے تو آپ علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۵۸ بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۴۲۱)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اور پیر و مرشد کی نگاہ کرم اور دعا سے آج عید الفطر کی چاند رات بوقت 1:30 بجے بروز سوموار بمطابق ۲۱ ستمبر ۲۰۰۹ء حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات واقعات کا بیان اختتام کو پہنچا۔ (مؤلف کیلانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر وفات اور آپ علیہ السلام کی مدت حیات و دور حکومت کا تعین

اس کے لئے کتاب البدایہ والنہایہ جلد دوئم کا ص ۳۳ تا ص ۳۵ نقل کیا جاتا ہے۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

''پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کے عصا کو کھا تا رہا۔ جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ (اہل) سبا کے لئے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف''۔ (۱۴:۳۴)

ابن جریر اور ابن حاتم وغیرہ سے متعدد حوالوں کے ساتھ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نبی سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے سامنے ایک نیا پودا نمودار ہوا۔ انہوں نے اس سے (نماز ختم کر کے) پوچھا: ''تیرا نام کیا ہے؟ جب اس نے نام بتایا تو انہوں نے پوچھا تیرا کام کیا ہے؟ اگر تو دوا کے لئے ہے تو اُگتا رہ اور اگر صرف اُگنا ہی مقصود ہے تو اتنا ہی رہ''۔

پھر ان کے سامنے اسی روز نماز کے دوران میں ایک اور درخت نمودار ہوا تو انہوں نے (نماز سے فراغت کے بعد) اس سے دریافت کیا: ''تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا ''خروب'' جب پوچھا تیرا کام کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ اس مکان کی تخریب''۔

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جنات پر موت طاری فرما دے تا کہ انسان یہ جان سکیں کہ جنات علم غیب سے واقف نہیں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اپنے عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور انسانوں کے سوا جنات ان کی موت سے واقف نہ ہو سکے اور انسانوں نے سمجھ لیا کہ جنات علم غیب نہیں جانتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ (یعنی جنات) ان کے سامنے خود ذلت کی تکلیف میں مبتلا رہے (یعنی اس وقت تک جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے ان کے عصا کو دیمک کے کیڑے نے نہ کھا لیا اور وہ عصا کے ساتھ خود بھی نہ گر پڑے) اور آخر کار انہیں ان کی وفات کا پتا لگا۔ (حدیث نبوی کا ترجمہ مفہومی)

ابن جریر ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب تک سلیمان علیہ السلام اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے رہے حالانکہ وہ وفات پا چکے تھے جن انہیں زندہ ہی سمجھتے رہے کیونکہ جس حصہ زمین پر ان کا عصا رکا ہوا تھا اس کے نیچے وہ پانی دیکھ رہے تھے اور یہی بات جنات کو ان کی وفات سے ناواقف رہنے کی وجہ بنی رہی۔

یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں تاہم عطاء خراسانی نے ابن جریر کی اس روایت سے اختلاف کیا ہے۔ البتہ ابن عساکر نے سلمہ ابن کہیل کے ذریعہ اور سعید بن جبیر وابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے اسے صحت سے قریب بتایا ہے۔

السدی نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ابی مالک، ابی صالح، مرہ ابن مسعود اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بتایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل بیت المقدس شریف میں متکف ہو گئے تھے اور انہوں نے وہیں اپنے مصلیٰ کے سامنے وہ دونوں درخت دیکھے تھے اور پہلے درخت سے اس کا نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر وہ بنی نوع انسان کے لئے مفید مطلب ہے اور دوا کے کام آتا ہے تو سرسبز رہے۔

دوسرے درخت سے جب انہوں نے اس کا نام دریافت کیا تھا تو اس نے خروب بتایا تھا اور اپنے کام کے بارے میں کہا تھا کہ اس کا کام بیت المقدس شریف کے انہدام اور اس کی تباہی سے متعلق ہے۔

السدی مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً یہ پسند نہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام اپنی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس شریف کی تباہی دیکھیں اس لئے اس نے اس سے قبل ان کی موت کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ نماز کے لئے محراب میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہیں وفات پا گئے لیکن وہ اس وقت نماز سے فارغ ہو کر اپنا عصا لئے غالباً محراب سے باہر آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی۔ تاہم جنات ایک عرصے سے یہ سمجھتے رہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے عصا سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہ ان کی دعا کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت تک جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ دیمک نے ان کا عصا اندر ہی اندر کھا کھا کر کھوکھلا نہ کر دیا اور ان کا جسد خاکی گر نہ پڑا جنات کو ان کی وفات کا علم نہ ہوا اور وہ حسب معمول ان کاموں میں مشغول رہے جس کا حکم انہیں سلیمان علیہ السلام اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ (آیات قرآنی کی توضیح)

بہر کیف سلیمان علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ بعد جیسا کہ اس روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے جب جنات کو اس کی خبر ہوئی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ اگر انہیں ان کی وفات کی قبل از وقت اطلاع ہو جاتی تو وہ انہیں بہترین کھانے اور بہتر سے بہتر مشروبات پیش کرتے لیکن مندرجہ بالا آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر پانے کے بعد جنات نے آپس میں کہا تھا کہ اگر انہیں ان کی وفات کی خبر پہلے ہو جاتی تو وہ ان کے احکام کی تعمیل کی اذیت سے کافی عرصہ قبل چھوٹ جاتے۔

ابن مسعود متعلقہ آیات قرآنی کی توضیح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات اور لوگوں میں ان کی شہرت کا درمیانی فصل پورے ایک سال پر محیط تھا جب کہ جنات اس دوران میں انہیں زندہ سمجھتے رہے تھے کیونکہ اس دوران میں جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے

محراب مسجد اور ان کے درمیان آگ کا ایک الاؤ انہیں نظر آتا رہا جس کے خوف سے انہوں نے محراب کے قریب جانے کی جرات نہیں کی اور انسانوں سے یہی کہتے رہے کہ وہ زندہ ہیں۔

بہر کیف جب لوگوں کو سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر ہوئی تو انہوں نے جنات کے پہلے بیان کو کذب پر محمول کیا اور بعض نے یہ بھی کہا کہ جنات کو اس کا علم کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو دیمک کا کیڑا رات دن ایک سال تک برابر کھاتا رہا۔ جس کے اختتام پر ان کا جسد خاکی زمین پر گرا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر مشہور ہونے کے بعد بیت المقدس شریف میں داخل ہو کر لوگوں نے ان کا عصا دیکھا تو وہ کھوکھلا ہو کر قریب قریب خاک ہو چکا تھا البتہ اس کے اوپر ایسی مٹی کے کچھ آثار بھی تھے جو جھاڑیوں کی جڑوں میں ہوتی ہے۔

یہ روایت اسرائیلات سے ماخوذ ہے لیکن اس کی صحت وتکذیب یقینی طور پر بیان نہیں کی جاسکتی۔

ابوداؤد اپنی کتاب القدر میں بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا تھا کہ جب اسے ان کی روح قبض کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انہیں اس کی اطلاع دے دے لیکن ملک الموت نے انہیں جواب دیا تھا کہ ہر نفس کی موت کا وقت تو مقرر ہے لیکن خود اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ عین وقت پر اسے مرنے والے کا نام بتا کر اس کی روح قبض کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے۔

اصبغ بن فرج اور عبداللہ بن وہب عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملک الموت سے اپنی موت کا وقت دریافت کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنی موت سے خائف تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ملک الموت نے ان سے معذرت کرتے ہوئے انہیں اتنا بتا دیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر جن وانس میں سے کسی کو ایک عرصے تک نہ ہو سکے گی۔

ایسی ہی ایک روایت جماعت سلف وغیرہ نے بھی بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

اسحٰق بن بشر نے محمد بن اسحٰق اور زہری کے حوالے سے سلیمان علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت باون سال بتائی ہے اور ان کا دور حکومت چالیس سال بیان کیا ہے جب کہ اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ابوروق نے عکرمہ اور ابو عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی عمر ساڑھے پچاس سال ہوگئی اور انہوں نے صرف بیس سال حکومت کی۔ واللہ اعلم

ابن جریر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت کے چوتھے سال بیت المقدس شریف کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے رجعام نے سترہ سال حکومت کی جس میں بنی اسرائیل نے کوئی رخنہ اندازی کی نہ ان میں باہم کسی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے بعد ان کی مملکت قائم نہ رہ سکی۔

داؤد وسلیمان علیہما السلام کے بعد اور زکریا و یحییٰ علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل کی ایک جماعت انبیاء علیہم السلام کا ذکر جن کے ادوار نبوت نامعلوم ہیں بحوالہ البدایہ والنہایہ حصہ دوئم ص ۳۶ تا ۵۰ (اُردو ترجمہ)

حصہ دوم 'باب سوم

حضرت شعیا بن امصیا علیہ السلام

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ داؤد وسلیمان علیہما السلام کے بعد اور حضرت زکریا وحضرت یحییٰ علیہما السلام کے قبل بنی اسرائیل کی جماعت انبیاء کرام علیہم السلام میں سے پہلے نبی کا نام شعیا بن امصیا تھا اور ان کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے بعد علی الترتیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی تھی۔

شعیا بن امصیا کے زمانے میں بنی اسرائیل کا بادشاہ خرقیا تھا جو اپنے زمانے کے نبی شعیا کی مذہبی اوامر ونواہی کے جملہ معاملات میں اطاعت کیا کرتا اور اپنی قوم کو ان کی پابندی کا حکم دیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے تمام بنی اسرائیل اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور وہ ان میں بہت مقبول تھا۔

کچھ عرصہ بعد خرقیا کے ٹخنے میں قرحہ پیدا ہوا اور وہ شدید مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اسی زمانے میں بابل کے بادشاہ سخاریب نے بیت المقدس شریف پر حملے کا ارادہ کیا اور محمد ابن اسحٰق کے بقول اس نے چھ لاکھ فوجیوں کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھائی کر دی اور بیت المقدس شریف میں اتنی لوٹ مار کی کہ بنی اسرائیل چیخ پڑے۔

خرقیا نے شعیا بن امصیا علیہ السلام سے اس کے تدارک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں اس بارے میں وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملا' اس لئے وہ اس کے بارے میں فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن عین ممکن ہے کہ بعد میں کوئی حکم آ جائے۔ البتہ کچھ ہی دن بعد انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ خرقیا بادشاہ سے کہیں کہ اپنے بعد کسی کو حسب منشا اپنا جانشین بنا دے۔

جب خرقیا کے خیال میں اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے قبلہ رو ہو کر تسبیح و تہلیل شروع کر دی اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی شعیا کے ذریعہ اسے اطلاع دی کہ اس کی دعا قبول ہوئی اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ٹخنے پر جس میں قرحہ کی وجہ سے (لاعلاج) زخم ہو گیا ہے انجیر کا عرق لگائے۔

جب اس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی تو اسے بحکم خداوندی شفائے کامل حاصل ہو گئی اور دوسری طرف سخاریب کی فوج کے سارے سپاہی اس کے اور اس کے پانچ ساتھیوں کے سوا بحکم خداوندی ہلاک ہو گئے۔ سخاریب اور اس کے پانچوں ساتھیوں کو جن میں بخت نصر بھی شامل تھا گرفتار کر کے شہر بہ شہر پابہ زنجیر پھرایا گیا اور خوراک میں انہیں ستر روز تک فی کس دو مٹھی جو دیئے گئے جس کے بعد انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کے بادشاہ خرقیا کو اللہ تعالیٰ کے نبی شعیا علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ وہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر کے ان کے ملک بھیج دے تاکہ وہ اپنی قوم کے لئے عبرت کا سبب بنیں چنانچہ خرقیا نے انہیں قید سے رہا کر کے ان کے ملک جانے کی اجازت دے دی۔

سخاریب نے بابل پہنچ کر اپنی قوم کے لوگوں کو جن میں جادوگر اور کاہن بھی شامل تھے جمع کر کے انہیں اپنے مصائب کا حال سنایا تو ان میں جو نجومی تھے وہ بولے کہ انہوں نے اسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل پر کوئی کتنا ہی شہ زور ہو فتح نہیں پا سکتا کیونکہ انہیں ان کے انبیاء اور ان کے رب تعالیٰ کی امداد حاصل ہے جن پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ کاہنوں اور نجومیوں سے یہ سن کر سخاریب خوف سے لرزہ براندام ہو کر رہ گیا اور اس سے سات سال بعد ہی وہ مر گیا لیکن اس دوران میں خود بنی اسرائیل میں تفرقے پڑ گئے جس کی وجہ سے ان کے دشمن پھر سر اٹھانے لگے جس پر جناب شعیا علیہ السلام نے بحکم الٰہی اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ لیکن جونہی وہ اپنا خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے انہی کی قوم کے لوگ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے ان کی طرف دوڑے لیکن وہ ان سے بچ کر ایک طرف بھاگ نکلے اور راستے میں ایک درخت کو حکم دیا کہ وہ اپنے تنے میں شگاف پیدا کر کے ان کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔ ان کے اس حکم پر وہ درخت تنے کے حصے میں دو برابر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور وہ اس میں سما گئے تو وہ شگاف خود بخود دبند ہو گیا لیکن اتفاقاً ان کے پیراہن کے دامن کا ایک ٹکڑا باہر رہ گیا جس سے ان کے تعاقب میں آنے والوں کو ان کی جائے پناہ کا پتا چل گیا۔ تاہم وہ سوچنے لگے کہ انہیں درخت سے باہر کیونکر نکالا جائے۔ ان کی یہ مشکل شیطان مردود نے حل کر دی اور انہیں بتایا کہ اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیر دیا جائے۔ شیطان لعین کے اس مشورے پر ان کے دشمنوں نے جب اس درخت کے تنے کو درمیان سے چیرا تو بہ قضائے الٰہی شعیا علیہ السلام بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○

حضرت شعیب ثانی بن ذی مھدم علیہ السلام اور حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام

آپ علیہ السلام عرب بائدہ بنی ارفخشد 'یقطن بن عابر بن فالخ بن ارفخشد سے نسبا رکھتے ہیں۔ ان کے قبیلے جرا ہم' حضور' حضرموت اور سلف تھے۔ ان کی طرف آپ علیہ السلام مبعوث ہوئے آپ علیہ السلام کو ان لوگوں نے شامت اعمال سے جھٹلایا آپ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ انجام یہ ہوا کہ اور گردہوں

کی طرح یہ بھی ہلاک ہو گئے (تاریخ ابن خلدون جلد دوئم حصہ اول تاریخ الانبیاء علیہم السلام ص ۶۹) الروض الانف شرح سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۴۲ تا ۴۴ پر اس طرح بیان ہے کہ اہل یمن پر یہ عذاب اس لئے مسلط ہوا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے نبی حضرت شعیب بن ذی مہدم علیہ السلام کو شہید کر دیا تھا۔ آپ علیہ السلام کی مرقد انور یمن میں جبلِ حنین پر ہے ان سے مراد وہ شعیب علیہ السلام نہیں جن کا مسکن مدین تھا اور ص ۴۴ مذکورہ کتاب پر یہ بھی ہے کہ اہل یمن نے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اہل عرب کو مسلط فرمایا۔ یعنی بخت نصر جو کافر تھا اور طاقتور بادشاہ تھا اس کے ذریعے اہل یمن پر عذاب بھیجا جس نے وہاں بہت قتل و غارت کی بستیاں اجاڑ دیں اور بہت کثیر تعداد میں بنی اسرائیل قیدی بنا لئے۔ بخت نصر کا دور حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت سے دو سو سال بعد شروع ہوتا ہے۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق بخت نصر کے زمانہ میں حضرت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء بن حلقیاء علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ وہ بخت نصر کی طرف جائیں اور اسے آگاہ کریں کہ میں (اللہ تعالیٰ) اسے عرب پر تسلط دینے لگا ہوں اور حضرت معد کو براق پر سوار کر کے وہاں سے نکالنے لگا ہوں تا کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے کیونکہ آپ کی پشت سے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین والرسل ہوں گے۔ حضرت معد کو براق پر سوار کر کے سرزمین شام لے جایا گیا وہاں انہوں نے بنو اسرائیل میں نشو ونما پائی معانہ بنت جوشن نامی خاتون سے شادی کی ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس خاتون کا نام ناعمہ تھا (واللہ اعلم) جب اللہ تعالیٰ نے اہل عرب سے جنگ کی سختی کو اٹھالیا تو حضرت معد سرزمین حجاز میں واپس آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے کم قصمنا من قریۃ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (روض الانف)

قصہ ارمیا بن حلقیا علیہ السلام

ارمیا علیہ السلام بن حلقیا بھی بنی اسرائیل کے انہی انبیاء کرام علیہم السلام میں شامل ہیں جن کا ذکر زیر نظر باب کی افتتاحی سطور میں کیا گیا ہے۔ وہ لاوی بن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام درحقیقت وہی تھے لیکن یہ بڑی عجیب وغریب روایت ہے جو صحیح نہیں ہے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے جب انہیں یحییٰ بن زکریا کے خلاف فتنہ سازی کی خبر ملی تو وہ بھاگ کر دمشق کی طرف چلے گئے تھے جہاں وہ کچھ دن ٹھہرے اور پھر پانی میں اتر کر غائب ہو گئے۔

ابوبکر بن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے علی بن ابی مریم نے احمد بن حباب اور عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ ارمیا علیہ السلام وہی تھے جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ:

''اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کے بارے میں چاہتا ہوں کہ وہ تیرے محبوب بندے بن جائیں، ان میں سے اکثر یہی کہتے ہیں کہ وہ تیرا ذکر ذکر خلائق چھوڑ کر اسی طرح کریں جس طرح میں تیرا ذکر کرتا ہوں، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں موت پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جو دائمی بقاء کے لئے فنا ہو جانے پر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ انہیں اگر دنیا کا عیش حاصل ہو تو اس پر قناعت کرتے ہیں اور اگر وہ ان سے چھن جائے تب بھی خوش رہتے ہیں۔ اے میرے رب (عزوجل)! ان لوگوں کو میری محبت دے اور انہیں ان کی خواہش سے زیادہ عطا فرما''۔

بیت المقدس شریف کی تباہی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بے شک نوح علیہ السلام ہمارے شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پس جب پہلے

(وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکو کاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے کرو گے۔ اور اگر اعمال بد کرو گے تو (انکا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہو گا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے تا کہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں اسے تباہ کیا' اُمید ہے تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہیں (پہلا سا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔ (۱۵:۲-۸)

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل میں معاصی کی کثرت ہونے لگی تو انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کو جنہیں حضرت ارمیا علیہ السلام کے نام سے پکارا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ ظہر اور عصر کے درمیان اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے کہیں کہ ان کے دل تو ہیں لیکن وہ احساس سے خالی ہیں' ان کی آنکھیں ہیں لیکن وہ دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے دو کان بھی ہیں لیکن وہ سننے سے قاصر ہیں' وہ بھول گئے کہ ہم نے ان کے اسلاف کو عزت بخشی تھی لیکن وہ اب اپنے اسلاف کی روش چھوڑ کر پھر معاصی پر اتر آئے ہیں' ان کے کاہنوں نے انہیں دوبارہ شرک پر مائل کر دیا ہے تو ہم بھی اپنے جلال کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اب ہم ان کی حرکات کے مطابق ان سے سلوک کریں گے' ہم ان کے اوپر ایک جابر حاکم کو مسلط کر دیں گے جو باہر سے آئے گا جس کے ساتھ بادلوں کی طرح فوج اُمڈ کر آئے گی' اس کے گھوڑے اور دوسرے سواری کے جانور موج در موج ہوں گے۔ اس کے سوار پھریرے اڑاتے آئیں گے اور چشم زدن میں تمہاری عمارتوں کو منہدم کر دیں گے' وہ تمہاری بستیوں کو ویرانوں اور خرابوں میں تبدیل کر دیں گے۔ اس کے بعد تمہاری ساری شان وشوکت خاک میں مل جائے گی' تمہاری عورتیں خوشبوؤں کی جگہ اپنے چہروں پر مٹی ملا کریں گی' ہمارے حکم سے آسمان تمہارے لئے لوہے کا بن جائے گا' تمہاری کھیتی باڑی کی زمینیں سنگلاخ بن جائیں گی' تمہارے لئے نہ آسمان سے ایک قطرہ بارش ہوگی نہ تمہاری زراعتی زمینوں سے غلے کا ایک دانہ اُگے گا نہ سبزی اُگے گی۔ البتہ جانوروں کے لئے ہم اپنی رحمت سے زمین کی دراڑوں میں سے گھاس اُگا دیا کریں گے۔ ہم اس وقت تمہاری طرف سے قطعاً اپنا رُخ پھیر لیں گے اور تمہاری فریاد پر بالکل توجہ نہیں دیں گے۔

اس روایت کو ابن عسا کر نے انہیں الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اسحٰق بن بشر کہتے ہیں کہ انہیں ادریس نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بتایا کہ ارمیا علیہ السلام کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل نہ صرف طرح طرح کی بداعمالیوں اور معاصی میں مبتلا ہو گئے تھے بلکہ قتل انبیاء کرام علیہم السلام کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور یہی ان کے زوال کا باعث ہوا تھا لیکن ارمیا علیہ السلام کے ذریعہ انہیں اپنے عذاب وانتقام سے ڈرانے کے باوجود جب بنی اسرائیل اپنی حرکات قبیح سے باز نہ آئے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' یہ ان پر عذاب الٰہی کی نشاندہی ہی تھی کہ بخت نصر کو بیت المقدس شریف فتح کرنے کی سوجھی اور اس نے سخاریب کو جو اس وقت بابل کا بادشاہ تھا بنی اسرائیل پر فوج کشی کا مشورہ دیا اور خود بھی اس کے ساتھ بنی اسرائیل پر چڑھ دوڑا اور انہیں طرح طرح سے ذلیل وخوار کیا۔ تاہم جب خرقیا یعنی بنی اسرائیل کے بادشاہ نے ارمیا علیہ السلام سے مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی دعا والتجا کی وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' ان کے شر سے سخاریب و بخت نصر کی بلا ٹال دی تھی لیکن وہ پھر اپنی انہی قبیح حرکات میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارمیا علیہ السلام پر وحی بھیج کر آخر بار متنبہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ' جلال وجبروت اور قہاری کے حوالے سے انہیں ڈرایا لیکن وہ اتنے ڈھیٹ تھے کہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور ارمیا علیہ السلام کو کاذب ٹھہرانے لگے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے عالم' قاری اور واعظ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے حتیٰ کہ انہوں نے ارمیا علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔

چنانچہ ان تمام باتوں کے بعد ہی عذاب الٰہی ایک بار پھر بخت نصر کی شکل میں ان پر نازل ہوا اور اس نے اب کے ایک پہلے سے زیادہ لشکر جرار کے ساتھ بیت المقدس شریف پر حملہ کیا اور وہاں قتل وغارت کی انتہا کر دی' سینکڑوں بلکہ ہزاروں لاکھوں کو جن میں جوان اور بوڑھے سبھی شامل تھے تہ تیغ کیا' پانی میں غرق کیا یا اپاہج کر دیا' بنی اسرائیل کی مستورات کو سر بازار پھرا کر ذلیل کیا' ان کی تمام شاندار عمارتیں منہدم کر دیں' بیت

المقدس شریف میں گھوڑے باندھے' سور ذبح کیے اور طرح طرح کی دوسری ناگفتہ بہ قبیح حرکات اپنے اور اپنی فوج کے لئے مباح کر لئے' اس نے نہ صرف بنی اسرائیل کے سارے قلعے بلکہ مساجد تک کو مسمار کیے بغیر نہ چھوڑا۔

غرض اب کے بنی اسرائیل پر ایسا عذاب آیا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھی بس یوں سمجھئے کہ اس نے بنی اسرائیل کے بچے بچے کو فنا کر کے رکھ دیا' اس نے بنی اسرائیل کے سرداروں اور بادشاہوں کے ستر ہزار جوان لڑکوں کو صرف بیت المقدس شریف میں قتل کیا۔ وہ جب اس قتل و غارت گری سے فارغ ہو کر بابل کو لوٹا تو اس کے ساتھ ان قیدیوں کی تعداد جنہیں اس نے گرفتار کر کے غلام بنالیا تھا حسب ذیل تھی:

حضرت داؤد کے خاندان کے سات ہزار' حضرت یوسف علیہ السلام بن حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کے خاندان کے گیارہ ہزار عیشی بن حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے آٹھ ہزار' حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹوں زبالون اور نفتالی کے خاندان کے چودہ ہزار' دان بن حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے چودہ ہزار' یستاخر بن حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے آٹھ ہزار زبالون بن حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے خصوصی نوجوان دو ہزار' روبیل اور لاوی کے کے خاندان کے چار ہزار اور ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے دوسرے خاندانوں کے بارہ ہزار۔ اس کے علاوہ بخت نصر بیت المقدس شریف سے بنی اسرائیل کا مال وزر اور دوسرا سامان جو مال غنیمت سمجھ کر بابل لے گیا تھا وہ حد وشمار سے باہر تھا۔

اسحاق بن بشر وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بخت نصر بیت المقدس شریف میں وہ سب کچھ کر چکا جو اسے کرنا تھا تو بنی اسرائیل کے کچھ باقی ماندہ لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے مقابل آنے والوں کو تو قتل کر چکا ہے یا غرق آب کر چکا ہے لیکن اسے اس شخص کی کچھ خبر نہیں جو بنی اسرائیل کے صاحبان اقتدار کو ان کی بداعمالیوں سے روکا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے تو انہوں نے اسے قید کر دیا تھا اور وہ ابھی تک قید خانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے یہ سن کر بخت نصر کے ارمیا علیہ السلام کو قید سے رہائی دے کر کہا:

''یہ کیسی بری قوم ہے جس نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور قتل کیا بلکہ خود اس ذات پاک کی بھی تکذیب کی جس نے انہیں ان کی اصلاح کے لئے نبی بنا کر بھیجا تھا''۔

بقول راوی ارمیا علیہ السلام نے بخت نصر سے کہا کہ وہ نہ ان سے ڈرے تھے جنہوں نے انہیں قید کیا تھا نہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ روئے زمین پر خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے بخت نصر کے جانے کے بعد ارمیا علیہ السلام حسب سابق ایلیا میں اپنے مکان میں رہنے لگے تھے۔ تاہم یہ روایت غریب ہے اور اس میں صرف مواعظ اور سبق آموزی شامل ہیں۔ (مولف)

ہمارے مذکورہ بالا راویوں کے علاوہ اکثر دوسرے مؤرخین نے بھی بختِ نصر کے فارسی النسل ہونے' اس زمانے کے شاہ ایران کی طرف سے رومی سرحدوں کے علاقے میں اس کے نائب السلطنت ہونے' فلسطین' شام' مصر' بعض رومی و مغربی علاقوں خصوصاً دمشق پر جہاں بنی اسرائیل دوسرے علاقوں کے علاوہ کثیر تعداد میں اس کی قتل و غارت سے بچ کر روپوش ہو گئے تھے اس کی فوج کشی اور ان تمام مقامات پر اس کی بیت المقدس شریف کی طرح قتل و غارت گری کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ غرض بخت نصر بنی اسرائیل پر جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹا تھا اور انہیں کہیں چین سے بیٹھنے کی مہلت نہیں دی تھی جس کی وجہ سے وہ ایک عرصے تک جگہ جگہ مارے پھرے تھے لیکن جہاں جہاں بھی وہ گئے تھے اس قہر الٰہی نے جو بیت المقدس شریف میں ان کی بداعمالیوں کی بناء پر ان پر عذاب بن کر نازل ہوں مدتوں تک کہیں ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بیت المقدس شریف سے نکل کر دنیا کی اِدھر اُدھر پھیلے تو ان کا ایک گروہ حجاز میں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ بھی آ گیا تھا اور انہی میں سے کچھ لوگ وادی قریٰ میں بھی آباد ہو گئے تھے لیکن جب اس کی خبر مصر میں بخت نصر کو ہوئی تو اس نے والی حجاز کو لکھا کر وہ ان شر وفساد کی بنیاد رکھنے والے لوگوں کو گرفتار کر کے مصر بھیج دے تا کہ وہ ان کا بالکل ہی قلع قمع کر دے لیکن جب والی حجاز نے اس سے انکار کیا تو وہ حجاز پر بھی حملہ آور ہوا تھا اور اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

ابن کلبی نے اس روایت کے آخر میں بتایا ہے کہ بخت نصر' مصر' بلادِ مغرب' بیت المقدس شریف اور فلسطین کے دیگر علاقوں اور اُردن تک قتل و

غارت گری کے بعد حضرت دانیال علیہ السلام کے سرحدی علاقوں تک جا پہنچا تھا۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں حضرت دانیال علیہ السلام سے ابن کلبی کی مراد' جیسا کہ وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے' دانیال علیہ السلام اکبر کی بجائے دانیال علیہ السلام اصغر ہے۔ واللہ اعلم

ذکر دانیال علیہ السلام سے بعض واقعات کا ذکر

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن عبدالاعلیٰ شیبانی نے بیان کیا اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ اگر وہ مجھ سے یہ بات شعیب بن صفوان براہِ راست بیان نہ کرتے تو یقیناً مجھ سے میرے بعض ساتھی اجلح الکندی اور عبداللہ بن ابی الہذیل کے حوالے سے بیان کرتے کہ بخت نصر نے اپنے مقابلے میں شیر نر کی طرح آنے والے دو انتہائی بہادر آدمیوں کو بمشکل پکڑ کر ایک کنویں میں لٹکا دیا اور اس کے بعد جب اس نے کسی نہ کسی طرح حضرت دانیال علیہ السلام پر بھی قابو پالیا تو ان آدمیوں کے اوپر اس کنویں میں انہیں بھی لٹکا دیا۔

ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام کو بھوک پیاس ستانے لگی' لیکن انہوں نے جہاں تک ہو سکا صبر کیا۔ ان کے اس صبر و استقامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جناب ارمیا علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کو کھانا پانی پہنچائیں۔ جناب ارمیا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر اس سے عرض کیا کہ وہ انہیں کھانا پانی کس طرح پہنچا سکتے ہیں جب کہ بخت نصر نے انہیں سرزمین عراق بابل کے قریب دمشق میں قید کر رکھا ہے اور وہ (ارمیا علیہ السلام) ان سے اتنی دور ارض مقدس میں ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ جو کھانے پینے کی اشیاء ارمیا علیہ السلام کو بھیجا کرے وہ انہیں اپنے طور پر دانیال علیہ السلام کو پہنچا دیا کریں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اور ان اشیاء کے حمل و نقل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اشیائے خورد و نوش ارمیا علیہ السلام کو ملیں اور اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام اور ان اشیاء کو اپنی قدرت سے مذکورہ بالا کنویں تک پہنچا دیا لیکن جب وہ پہلی بار اس کنویں کی من پر پہنچے تو دانیال علیہ السلام نے ان کی آہٹ سن کر پوچھا: ''تم کون ہو؟''۔

ارمیا علیہ السلام نے جواب دیا: ''میں ارمیا ہوں''۔

دانیال علیہ السلام نے دریافت کیا:

''تم یہاں تک کس طرح پہنچے اور تمہیں کس نے پہنچایا؟''۔

ارمیا علیہ السلام نے جواب دیا:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ تک پہنچایا ہے''۔

دانیال علیہ السلام بولے:

''تو پھر اس نے تم سے میرا ذکر بھی ضرور کیا ہوگا''۔

ارمیا علیہ السلام نے کہا: ''جی ہاں کیا ہے''۔

ارمیا علیہ السلام سے یہ سنکر دانیال علیہ السلام بولے:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اپنے ذکر کرنے والوں کو فراموش نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو اس سے امید کرتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو شخص اس پر توکل کرتا ہے وہ کسی دوسرے پر توکل کرنے کا محتاج نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ احسان کی جزا احسان سے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کو صبر کی جزا میں نجات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ تکلیف کے بعد راحت پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہم خود اپنے اعمال بد کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ہمیں اس بدگمانی سے دور کر کے یقین کی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جب ہماری ہر امید منقطع ہو جاتی ہے تو وہ ہمیں از سر نو امید دلاتا ہے''۔

یونس بن بکیر محمد بن اسحٰق اور ابی خلد بن دینار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخرالذکر دونوں کو ابوالعالیہ نے بتایا کہ جب انہوں نے یعنی اسلامی افواج نے تستر فتح کیا تو ابوالعالیہ کے بقول ہرمزان کے گھر میں انہیں جو سامان ملا اس میں ایک تخت بھی تھا جس پر کسی شخص کی میت رکھی ہوئی تھی اور اس میت کے سرہانے ایک مصحف آسمانی بھی تھا جسے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے کعب (بن احبار) کو بلا کر اس کا عربی رسم الخط میں ترجمہ کرایا۔

اس روایت کے آخر میں ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ وہ پہلے شخص تھے جس نے اس مصحف کو اس طرح پڑھا جس طرح قرآن پڑھا جاتا ہے۔

پھر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اس میت کا کیا ہوا جس کے سرہانے وہ مصحف رکھا ہوا پایا گیا تھا اور اس مصحف میں کیا لکھا تھا؟ تو وہ بولے کہ اس مصحف میں وہ احکام تھے جو اس زمانے کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام پر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امت کی ہدایت کے لئے نازل فرمائے تھے اور وہ میت خود حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔ اس میت کو دیکھنے کے بعد انہوں نے ہرمزان کے محل کے احاطے میں تیرہ قبریں اور دیکھیں لیکن انہیں کھدواتے کھدواتے رات ہوگئی تاہم اس کے سوا کہ ان قبروں میں سے ان میں مدفون اشخاص کے ناموں کی سنگی لوحیں تو ملیں مگر ان کی نشان دہی کوئی نہ کرسکا البتہ اس میت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی۔

جب ان سے دریافت کیا گیا کہ انہوں نے اس میت کو دیکھ کر یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کی تھی جب کہ ان کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک پورے تین سو سال گزر چکے تھے اور آخرالذکر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مزید چار سو سال گزر چکے ہیں تو وہ بولے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی میتیں ہوتی ہیں جو صدیاں گزرنے کے باوجود صحیح و سالم رہتی ہیں نہ انہیں مٹی خراب کرسکتی ہے اور نہ ان کا گوشت درندے کھا سکتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ دانیال علیہ السلام کی میت کس حالت میں تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کی سر کی گدی سے کچھ بال ضرور اڑ گئے تھے لیکن ان کے علاوہ نہ صرف گوشت پوست سالم تھا بلکہ اس پر بال بھی پہلے کی طرح موجود تھے بہرکیف ہم نے انہیں وہیں دفن کردیا تھا۔

آخر میں وہ بولے کہ ازمنہ قدیم کے دوسرے انبیاء اور اللہ کے صالح بندوں کا بھی اسی طرح پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

ابوبکر بن ابی الدنیا اپنی کتاب "احکام القبور" میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو بلال بن حارث بن عبداللہ ابن ابی بردہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابومحمد القاسم بن عبداللہ نے ابی اشعث الاحمری کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں امت محمدیہ کے لوگ دفن کریں۔

جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تستر فتح کیا تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آیا اور یہ بھی یاد آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص دانیال علیہ السلام کی نشان دہی کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے وہاں ان کی میت یا قبر کی تلاش شروع کردی اور انہیں وہ تابوت مل گیا جس میں ان کی میت رکھی ہوئی تھی جو بالکل صحیح و سالم تھی اور ان کے سرہانے وہ مصحف آسمانی رکھا ہوا تھا جو ان پر نازل ہوا تھا اور وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے اسے عربی زبان میں منتقل کرا کے پڑھا تھا اور پھر اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوایا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لئے تستر کے کچھ بوڑھے لوگوں کو طلب کیا تھا اور انہوں نے انہیں بتایا تھا کہ دانیال علیہ السلام کے زمانے کے بادشاہ نے یوں تو بے شمار لوگوں کو قتل کرایا تھا لیکن دانیال علیہ السلام کو وہ انگوٹھی دیکھ کر چھوڑ دیا تھا جو ان کے ہاتھ میں تھی جس کے نگینے پر ان کی تصویر تھی اور اس کے دونوں طرف دو شیروں کی تصویریں تھیں جو زبانیں باہر نکالے ان کے پاؤں چاٹ رہے تھے۔

جن لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دانیال علیہ السلام کی میت کو شناخت کے لئے طلب کیا تھا انہوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کے بزرگوں سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ ایسی انگوٹھی صرف دانیال علیہ السلام ہی پہنا کرتے تھے اور اس کے نگینے پر جو نقش تھا وہ اس بات کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کی حفاظت کرتا ہے انہیں شیر تک نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ انکے پاؤں اپنی زبانوں سے چاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دانیال علیہ السلام کی میت دفنانے سے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک بہت گہری خندق کھدوائی تھی اور پھر چار چار جنگلی جانور دو مرتبہ مروا کر اس میں اس طرح دفن کئے تھے کہ ان کے مدفن انسانوں کی قبریں معلوم ہوں اور پھر ان قبروں کے درمیان حضرت دانیال علیہ السلام کو دفن کرایا تھا تاکہ ان کی میت کی پھر کبھی بے حرمتی نہ ہو۔

اس روایت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو مال غنیمت تستر میں ملا تھا وہ انہوں نے شریعت کے مطابق خمس نکال کر اپنے فوجیوں میں حصہ رسد تقسیم کر دیا تھا لیکن حضرت دانیال علیہ السلام کی وہ انگوٹھی بطور یادگار خود پہن لی تھی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب وہ انگوٹھی ان کی والدہ کو دکھائی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے بیٹے اس انگوٹھی کو ہمہ وقت پہنے رہتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ یہ انہیں دانیال علیہ السلام کی میت تلاش کرنے کے بعد ان کی انگلی سے ملی تھی اس لئے وہ اسے ان کی یادگار کے طور پر ہمہ وقت پہنے رہتے ہیں۔

اس روایت کی اسناد ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے اور ائمہ متفقہ طور پر روایت حسن تسلیم کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

اپنی سرزمین کے تحفظ، قومی سلامتی اور بیت المقدس شریف کی از سر نو تعمیر کے لئے وہاں سرداران بنی اسرائیل کا اجتماع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اس شخص کو: نہیں دیکھا جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق سے گزر ہوا۔ تو اس نے کہا کہ خدا اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا (نہیں) بلکہ سو برس مرے رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

پہلے اس ارشاد باری تعالیٰ پر غور فرمایئے پھر بیت المقدس شریف کی تباہی کے بعد اس کی از سر نو تعمیر کے سلسلے میں ہشام بن کلبی کی بیان کردہ درج ذیل روایت کو بغور ملاحظہ کیجئے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس شریف کی تباہی اور وہاں بنی اسرائیل کے قتل عام اور لاکھوں افراد کو قیدی بنا کر بابل لئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارمیا علیہ السلام کو جنہیں بخت نصر اور بابل کے بادشاہ نے قید سے رہا کر دیا تھا۔ وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ بیت المقدس شریف کو از سر نو تعمیر کریں تو انہوں نے وہاں پہنچ کر اسے بالکل ایک خرابے کی صورت میں پایا تو وہ سوچنے لگے کہ اس کی پہلی بار تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ تعمیر فرما دیا تھا جس کی خبر اس نے مجھے وحی کے ذریعہ دی ہے لیکن اسی نے اس کی پھر تباہی کے بعد مجھے یہاں آ کر اس کے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے' پہلے یہ کب تباہ ہوا ہوگا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے کتنے عرصے بعد تعمیر فرمایا ہوگا' اور اب مجھے اس کی از سر نو تعمیر نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے۔ یہ سوچتے سوچتے انہیں نیند آ گئی اور اسی نیند کی حالت میں انہیں سو سال گزر گئے۔ ارمیا علیہ السلام اپنے ساتھ گدھا اور کھانا بھی بیت المقدس شریف لے گئے تھے۔

اسی کتاب میں ص ۴۸ پر بھی بالکل یہی قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ ہی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما خزائن العرفان۔ تفسیر الحسنات میں ارمیا علیہ السلام کی بجائے حضرت عزیر علیہ السلام بیان کیا گیا ہے۔

بہر کیف اب بخت نصر کے ہاتھوں بیت المقدس شریف کی تباہی کو ایک سو بیس سال سے زیادہ گزر چکے تھے اور اس دوران میں بابل کا وہ پہلا بادشاہ جس کے ساتھ رہ کر بخت نصر نے بیت المقدس شریف پر حملہ کیا تھا مر چکا تھا اور بادشاہت اس کے بیٹے لہراسپ کے حصے میں آ گئی تھی۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بشتاسب بابل کا بادشاہ ہو گیا تھا اور اس نے بابل پر ایک سو بیس سال حکومت کی تھی جب کہ اس سے قبل لہراسپ کے

زمانے میں بخت نصر بھی فوت ہو چکا تھا۔ تاہم بشتاسب نے بابل سے شام جا کر دمشق کی ویرانی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اس کے کھنڈرات میں درندوں نے بسیرا کر لیا ہے بلکہ اس تمام عرصے میں سرزمین فلسطین کی بھی ایسی حالت ہو چکی تھی کہ وہاں بھی کوئی فرد بشر نظر نہیں آتا تھا۔

یہ دیکھ کر بشتاسپ نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو جنہیں بخت نصر بیت المقدس شریف سے گرفتار کر کے اور غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا تھا آزاد کر کے یہ اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے جو چاہے وہاں سے اپنی آبائی سرزمین فلسطین واپس جا سکتا ہے چنانچہ وہ لوگ فلسطین واپس آ گئے تھے اور انہوں نے وہاں جگہ جگہ کئی شہر بھی آباد کر لئے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکا تھا بیت المقدس شریف کی بھی از سر نو تعمیر کر لی تھی اور اس دوران میں آل داؤد علیہ السلام ہی کا ایک شخص ان کا حکمران رہا تھا۔ بخت نصر کی تباہی کے ستر برس بعد دوبارہ آباد ہوا۔

جب ارمیا علیہ السلام اپنی سو سالہ نیند سے بحکم خداوند تعالیٰ بیدار ہوئے تو وہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہشام ابن کلبی اپنی اس روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ بابل سے واپسی کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بار پھر بیت المقدس شریف میں قدم جما لئے تھے لیکن جب ان میں پہلے کی طرح پھر طوائف الملوکی پھیلی تو رومیوں نے ان پر حملہ کر کے ایک بار پھر بیت المقدس شریف کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا تھا اور وہاں کے اکثر لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہی تھے قتل کر کے وہاں تباہی مچا دی تھی۔

ہشام ابن کلبی نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بابل کا بادشاہ لہراسپ جس نے بنی اسرائیل کو آزاد کر کے بیت المقدس شریف جانے کی اجازت دی تھی بہت دانش مند حکمران تھا اور اس نے بابل میں بہت سے خوب صورت شہر آباد کرنے اور وہاں کثرت سے شاندار عمارات تعمیر کرنے کے علاوہ متعدد قلعے بھی تعمیر کیے تھے نیز یہ کہ اس کے بیٹے بشتاسب کے زمانے میں جب لہراسپ کی مملکت رو بہ زوال ہوئی تو رومیوں کو جن میں نصرانیت ظہور پذیر ہو چکی تھی بیت المقدس شریف پر حملہ کرنے اور اسے تباہ کرنے کا قصد کیا تھا۔

ہشام بن کلبی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بشتاسب کے زمانے ہی میں فارس میں ایک شخص زرتشت نامی نے اہل فارس کو مجوسیت کی تلقین کی تھی اور اس کے بہت سے پیروکار آج بھی ہندوستان و ایران میں پائے جاتے ہیں۔

اس روایت کو مزید بڑھا کر بعض راویوں نے اسی زرتشت کو جو بشتاسب کو آذربائیجان میں ملا تھا اور اسے مجوسیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ارمیا علیہ السلام کی بددعا سے وہ مبروص ہو گیا تھا اور اہل فارس نے ہی جن میں خود اس کے بزرگ بھی شامل تھے اسے قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے نبی ابراہیم الزرتشت بتایا ہے جو صریحاً غلط ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام زرتشت کا شمار بنی اسرائیل کے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں ہوتا ہے جو حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام سے قبل بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہ درحقیقت قفقاز کی نہر الرس کی وادی میں پیدا ہوئے تھے جس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الرس'' فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ رس' الرس کا مخفف ہے۔ بہرکیف ابراہیم الزرتشت وادی رس میں پیدا ہوئے اور وہیں مبعوث ہوئے تھے ان کی کتاب قدیم فارسی زبان میں ہے اور پہلی آسمانی کتابوں اور صحائف کی طرح احکام و ہدایات پر مشتمل ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا بھی ذکر اور بشارت ہے لیکن مجوسیوں نے یہ سمجھ کر کہ یا تو وہ کسی پہلے نبی کا ذکر ہے یا خود اس زرتشت کا جس نے ایران میں مجوسیت کی تلقین کی تھے اور اسی التباس کی وجہ سے پارسی قوم اس کاذب نبی کی پیروی کرنے لگے۔ اس بات کو ادیان و مذاہب کے عالم بخوبی سمجھتے ہیں۔ (فرج اللہ زکی الکردی)

بشتاسب کے بعد اس کا بیٹا بہمن بن بشتاسب بادشاہ ہوا تھا لیکن فارس و بابل کے یہ تینوں بادشاہ بخت نصر ہی کے زیر اثر رہے حتیٰ کہ وہ طویل عرصے تک سیاہ و سفید کا مالک رہ کر دنیا سے روسیاہی سمیٹ کر کوچ کر گیا۔

یہاں اس روایت کو پیش کرنے کا اصل مقصد اس گاؤں کا ذکر کرنا تھا جہاں سے ایک شخص نے گزرتے ہوئے اسے مسمار و منہدم دیکھ کر یہ سوچا تھا کہ خدا اس کے باشندوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا اور جب وہ وہیں سو سال تک مردہ رہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھر زندہ ہو گیا تھا اور اس نے اقرار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی طرح ارمیا علیہ السلام نے بیت المقدس شریف میں سو سال تک بحالت خواب گزارنے کے بعد بیدار

ہو کر جب بیت المقدس شریف کو دوبارہ تعمیر شدہ دیکھا تھا تو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

اس روایت کو اس کے سیاق کے ساتھ ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے اور اس میں متعدد مستند حوالے پیش کئے ہیں جن میں عبداللہ بن سلام' ابن عباس' حسن' قتادہ السدی سلیمان اور ابن بریدہ وغیرہم کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور ابراہیم زرتشت علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے نبی بتایا ہے اور یہی بات بہت سے اسلاف و اخلاف میں مشہور ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عزیر علیہ السلام

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے عزیر علیہ السلام کا پورا مشہور تاریخی نام عزیر بن جروہ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انہیں بن سوریق بن عدیا بن ایوب بن درزنا بن عری بن تقی بن اسبوع بن فنحاص بن عازر بن ہارون بن عمران اور عزیر بن سروخا بھی کہا جاتا تھا اور ان کی قبر دمشق میں بتائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر ہی نے ابی القاسم بغوی کی طرح داؤد بن عمرو' حبان بن علی' محمد بن کریب اور ان کے والد نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کے اس نسبت نامے کی شہرت کے باوصف یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے یا نہیں یا وہ خود کسی کا اتباع کرتے تھے یا انہیں کسی نے غلام کی حیثیت سے خریدا یا فروخت کیا تھا کیونکہ موئل بن حسن کی یہ اسناد روایت کے مطابق مشہور ہے کہ بخت نصر دوسرے بنی اسرائیل کے لوگوں کے ساتھ انہیں بھی بیت المقدس شریف سے غلام بنا کر بابل لے گیا تھا لیکن پھر انہیں کے ساتھ وہ بھی آزاد کر دیئے تھے۔

بہرکیف ابن عساکر کی اسی رویت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ یعنی عزیر علیہ السلام چالیس سال کی عمر کو پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت زیادہ حکمت سے نوازا تھا اور یہ بھی مشہور ہے کہ تورات کا حافظ و عالم اس زمانے میں ان سے بڑا کوئی دوسرا نہیں تھا اور اسی وجہ سے ان کا نام بھی ایک نبی کی حیثیت سے بحکم الٰہی اب تک زندہ ہے لیکن یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے بارے میں ان سے سوال کیا تھا ایک ضعیف روایت ہے اور اسی لئے منقطع و منکر سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

اسحاق بن بشر سعید' ابی عروبہ' قتادہ' حسن اور عبداللہ بن سلام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عزیر وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سو سال تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا تھا۔

اسحٰق بن بشر ان حوالوں کے علاوہ مقاتل و جویبر' ضحاک' عبداللہ بن اسماعیل السدی ان کے والد' مجاہد' ابن عباس رضی اللہ عنہ و ادریس اور ان کے دادا وہب بن منبہ کے حوالے دے کر بیان کرتے ہیں کہ ان سب نے ان سے فرداً فرداً بیان کیا کہ عزیر ایک مرد صالح اور دانشمند شخص تھے لیکن ایک دن وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے کسی دور کی بستی کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کا کسی شخص سے ملنے کا وعدہ تھا تو گرمی کی وجہ سے راستے میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کے لئے ٹھہر گئے اور اپنے گدھے پر سے کھانا اور پینے کا سامان جو کچھ انجیروں' انگوروں اور ایک خربوزے پر مشتمل تھا اور ایک تھیلے میں تھا اتار کر گدھے کو بھی درخت کی ایک شاخ سے باندھ دیا۔

ان کے سامنے کسی قدیم بستی کے کھنڈرات تھے جنہیں دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ اس بستی کے باشندے بھی کبھی زندہ ہوں گے لیکن اب نہ جانے کب سے مردوں کی طرح ان کھنڈرات میں دبے پڑے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا تو بھلا وہ ان مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ وہ ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض کر لی گئی اور انہیں سو سال تک اسی حالت میں رکھا گیا۔

سو سال گزرنے کے بعد ایک فرشتے نے خدا کے حکم سے سے وہاں آ کر انہیں خواب مرگ سے جگایا اور پوچھا کہ وہ کب سے وہاں آرام کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ:

"یہی ایک دو گھنٹے ہوئے ہوں گے لیکن مجھے اس درخت کے سائے میں گہری نیند آ گئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کچھ زیادہ دیر ہو گئی ہو"۔

ان سے یہ سن کر فرشتہ بولا:

''آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہاں مردہ بنا کر سو سال تک پڑا رکھا ہے اور اب پھر زندہ کر دیا ہے۔ تاہم آپ علیہ السلام کا کھانا ہنوز اسی طرح تر و تازہ رکھا ہے جیسا وہ پہلے روز تھا لیکن آپ علیہ السلام کے گدھے کو بھی مرے ہوئے سو سال ہو چکے ہیں''۔

یہ کہہ کر اس فرشتے نے ان کے گدھے کی ہڈیاں جو ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں ایک جگہ جمع کر کے خدا کے حکم سے اس میں روح پھونکی تو وہ زندہ ہو گیا اور کان اوپر اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے رینگنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنی غلط سوچ اور خدا کی قدرت میں جو شک کیا تھا اس سے توبہ کر کے کہا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس روایت کے آخر میں اسحٰق بن بشر کے بقول آیاتِ قرآنی: (اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا الخ) میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسحٰق بن بشر نے اس روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب عزیر علیہ السلام جب اس جگہ سے واپس اپنے گھر کی طرف چلے تو انہیں کنیسہ حزقیل علیہ السلام کے قریب بیس سال کی ایک اندھی لڑکی ملی۔ (جبکہ خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات میں ہے کہ وہ لڑکی نہیں تھی بلکہ ایک بوڑھی اور ضعیف عورت تھی جو کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے گھر رہتی تھی اور وہ آپ علیہ السلام کے وقت کی باندی تھی اس نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تھا) (تفسیر الحسنات جلد اول ص ۴۲۵) جو دونوں پاؤں سے بھی معذور تھی اور لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے سڑک پار کرا دی تو اس نے پوچھا:

''آپ کون ہیں؟'' وہ بولے: ''میں عزیر علیہ السلام ہوں''۔

یہ سن کر لڑکی بولی: ''کیا آپ علیہ السلام اللہ کے نبی عزیر علیہ السلام ہیں؟''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیر علیہ السلام بہت شرمندہ ہوئے لیکن اس لڑکی سے کہا:

''ہاں میں اللہ عزوجل کا بندہ اور نبی عزیر ہوں''۔

ان سے یہ سن کر لڑکی بولی: ''لیکن میں نے سنا ہے کہ انہیں تو وفات پائے سو سال ہو چکے ہیں''۔

لڑکی سے یہ سن کر حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا: ''لیکن خدا نے مجھے سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس لڑکی سے یہ کہہ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تو اپنی قدرت دکھا کر میرا شک دور فرما دیا ہے اور میں اپنی اس غلط سوچ اور شک پر تجھ سے توبہ کر کے معافی بھی مانگ چکا ہوں لیکن اب تجھ سے میری التجا ہے کہ میرے توسط سے اس لڑکی کی بصارت بحال کر کے اور اس کے ٹخنوں کے زخموں کو ٹھیک کر کے اسے بھی اپنی قدرت دکھا دے''۔

حضرت عزیر علیہ السلام کی اس دعا اور التجا پر انہیں غیب سے آواز سنائی دی کہ ان کی التجا قبول ہوئی تو انہوں نے اس لڑکی کی آنکھوں اور ٹخنوں پر ہاتھ پھیر دیا تو فوراً اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی اور اس کے ٹخنوں کے وہ زخم جو بڑھتے بڑھتے ناسور ہو گئے تھے مندمل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر وہ لڑکی حیرت سے چیخ پڑی: ''آپ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے وہی نبی ہیں اور آپ علیہ السلام نے بالکل سچ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے''۔

یہ کہہ کر وہ لڑکی آنکھوں میں شکر گزاری کے آنسو لئے حضرت عزیر علیہ السلام کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی اس مجلس میں پہنچی جہاں اس وقت ان کے شیوخ جمع ہو کر کسی معاملے میں باہم مشورہ کر رہے تھے۔

جب اس لڑکی نے انہیں حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعے کے علاوہ ان کے ہاتھوں اپنی بصارت کی بحالی اور اپنے پاؤں کے لاعلاج زخموں کے اندمال کا واقعہ سنایا تو وہ بھی ان کے معجزے اور اللہ تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت پر حیران رہ گئے۔

یاد رہے کہ جب عزیر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سو سال کے لئے موت کی نیند طاری ہوئی تھی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور جب وہ سو سال گزرنے کے بعد بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا مجلس میں پہنچے تھے تو خود ان کے بیٹے کی عمر ایک سو بیس سال اور ان کے والد کی عمر ظاہر ہے اس سے بھی کہیں زیادہ ہو چکی تھی لیکن عزیر علیہ السلام کی عمر اب تک وہی چالیس سال تھی۔

لیکن خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات جلد اول ص ۴۲۵ پر اس طرح بیان ہے کہ وہاں آپ علیہ السلام کے پوتے بھی تھے وہ بھی بوڑھے ہو چکے تھے اور جب بڑھیا نے مجلس میں بیٹھے لوگوں کو یہ بتایا کہ آپ علیہ السلام حضرت عزیر علیہ السلام ہیں تو آپ علیہ السلام کے بیٹے نے کہا کہ ہمارے باپ کے شانوں کے درمیان خالے بالوں کا ایک ہلال تھا آپ علیہ السلام نے پشت مبارک دکھائی تو وہ موجود تھا۔

ایک مشہور روایت میں بتایا گیا ہے کہ عزیر علیہ السلام کے اس واقعے سے قبل جب بخت نصر نے بیت المقدس شریف کو مسمار کر کے وہاں سے ملا ہوا توریت کا ایک واحد قدیم نسخہ بھی نذر آتش کر دیا تھا تو عزیر علیہ السلام ہی نے جو اس مقدس آسمانی کتاب کے سب سے بڑے حافظ تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بے مثل عطا فرمایا تھا اپنی یادداشت سے اس کا ایک جدید نسخہ تیار کر کے وہاں سے قریب ایک ٹیلے کو گہرا کھدوا کر اسے وہاں گاڑ دیا تھا تا کہ وہ بنی اسرائیل کے دشمنوں کی پہنچ سے دور رہ کر محفوظ رہ سکے۔ (بحوالہ جمل) (البدایہ والنہایہ کا بیان ختم ہوا)

لیکن مندرجہ بالا دونوں تفسیروں میں اس طرح بیان ہے جب آپ علیہ السلام نے توریت زبانی پڑھ کر سنا دی تو ایک شخص نے کہا کہ مجھے اپنے والد صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ بخت نصر کے حملہ کے وقت میرے دادا نے توریت کا ایک نسخہ زمین میں دفن کر دیا تھا جس کا پتہ مجھے معلوم ہے۔ چنانچہ وہ نسخہ تلاش کر کے نکالا گیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے جو اپنی زبانی توریت لکھوائی تھی۔ وہ بالکل ایک ایک حرف اس کے مطابق تھی۔ (خزائن العرفان)

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام اور حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے درمیانی عرصہ کے دوران انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر

ان انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک میں کوئی واضح ثبوت نہیں ہے لیکن کچھ کی نشاندہی حدیث مبارکہ سے معلوم ہوئی اور باقی کے نام اور مختصر حالات تاریخ ابن خلدون اور تاریخ ابن کثیر، اردو ترجمہ کتاب عربی البدایہ والنہایہ سے اخذ کئے گئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تین انبیاء کرام علیہم السلام ہوئے ہیں۔ جن کے صرف نام ہی تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۳۰ میں تحریر ہیں۔

نمبر ۱ حضرت حابان (یا ناماں) علیہ السلام

نمبر ۲ حضرت کاد علیہ السلام

نمبر ۳ حضرت اوصاف علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں حضرت اوراخیا علیہ السلام (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۳۲)

ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد نے کافی عرصہ تک حکومت کی اس دوران میں کافی انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء پاک ملے ہیں۔ اس لئے مؤلف یہ ضروری سمجھتا ہے کہ بادشاہوں کے نام اور ان کا زمانہ حکومت لکھنے کے ساتھ ان کے زمانہ میں جو جو انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ان کے اسماء پاک تحریر کئے جائیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے آپ علیہم السلام کس دور میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور یہ تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۳۳ تا ۴۵ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نام بادشاہ	عرصہ حکومت	اسماء انبیاء علیہم السلام
۱۔ رجعم بن حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۷ سال	
۲۔ اخیاذ بن رجعم	۳ سال	
۳۔ اسا بن اخیاذ	۴۱ سال	
۴۔ میہو شاط بن اسا	۲۵ سال	حضرت الیاس بن شویاق اور الیسع بن شیوات علیہم السلام

۵- یہورام بن یہوشاط	۸ سال	حضرت ایلیا- حضرت الیسع اور حضرت بودیا علیہم السلام
۶- اخریاہو بن یہورام	۱ تا ۲ سال	حضرت عاموراور حضرت فخار علیہما السلام
۷- عتلیان ام اخریا	۷ سال	
۸- یورش بن اخریاہو	۴۰ سال	
۹- امضیاہو بن یواش	۲۷ سال	حضرت یونان- ناحوم- عاموس- یہوشع- غوریا
۱۰- عزیاہو بن امضیاہو	۵۳ سال	اموص- اشعیا یاشعیا اور یونس بن متا علیہم السلام
۱۱- یوآب بن عزیاہو	۱۶ سال	حضرت یوشع- شعیا- یوبل اور عوف علیہم السلام
۱۲- اجاز بن یوآب	۱۶ سال	
۱۳- خرقیا بن احار	۲۹ سال	
۱۴- منشا بن خرقیا	۲۹ سال	
۱۵- امون بن منشا	۲ سال	
۱۶- یوشیا بن امون	۳۲ سال	حضرت حقونا- کلامی- ناحوم اور ارمیا بن الحیا علیہم السلام
۱۷- یورش بن یوشیا	۳ ماہ	
۱۸- الیاقیم بن یواش	۱۱ سال	حضرت دانیال- خانیا- عزازیا- ء بن خرقیل اور میصائل علیہم السلام
۱۹- نحیہو بن الیاقیم	۳ ماہ	حضرت ارمیا اور یابن شعیا- موری والاحزقیا۔
۲۰- صدقیا بن یواش	۹ سال	دانیال- حبقون اور باروح علیہم السلام
۲۱- بخت نصر	۴۵ سال	
۲۲- اویل مرماح	۲۳ سال	
۲۳- بلتنصر بن اویل	۳ سال	
۲۴- پھر کیرش بن کیکو المعروف سائرس اعظم نے بخت نصر کی حکومت کو ختم کر کے بنی اسرائیل کو آزاد کر کے فلسطین واپس کیا	سال	حضرت متینا- عازریا- یثائیل اور حضرت عزیر علیہم السلام

کیرش بن کیکو نے حضرت دانیال علیہ السلام جو کہ بنی اسرائیل کے ساتھ قید میں تھے۔ ان کو آزاد کر کے بنی اسرائیل کے سردار منتخب کئے ان قیدیوں کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے۔

نمبر ۲۵: احاب بن بنیامین بن قتال سبط بیاخر جو کہ بت پرست تھا اور ایک بت ہیکل کو سجدہ کرتا تھا۔ اس نے سب سے زیادہ انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۴۲) اسی وجہ سے حضرت ایلیا علیہ السلام کی دعا سے قحط پڑا اور پھر انہی کی دعا سے بارش ہوئی۔ لیکن طبری کا خیال ہے کہ جس نبی نے ان کے لئے بددعا فرمائی تھی وہ حضرت الیاس بن سین (یایامین) لخاض بن عیزار بن حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور آپ علیہ السلام اہل بعلبک اور احاب اور اس کی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور پھر انہی کی دعا سے بارش ہوئی۔ اور حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع بن اخطوب علیہ السلام کو نبوت ملی جبکہ ابن عساکر لکھتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا نام اسباط بن عدی بن شو لیم بن افرائیم ہے جبکہ ابن حمید لکھتا ہے کہ احاب کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت الیا نبی علیہ السلام پر حضرت الیاس بن یغسا کو پاک کر کے وحی نازل فرمائی تھی۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۴۲،۱۴۳) ''واللہ اعلم''

مندرجہ بالا اسماء الانبیاء علیہم السلام تاریخ ابن خلدون جلد دوئم سے اخذ کیے گئے ہیں لیکن ان کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں (مؤلف)

مندرجہ ذیل انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانے کا کوئی پتہ نہیں

نمبر ۱ حضرت حنظلہ علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے جسکا بادشاہ طیفور یہ تھا (اشتہار مولانا محمد رفیق کیلانی گھسیلو کے)

نمبر ۲ حضرت جدعون علیہ السلام بھی نبی تھے (سیرت رسول عربی)

نمبر ۳ حضرت میکایاہ علیہ السلام (اشتہار مولانا محمد رفیق کیلانی ساکن گھسیلو کے)

نمبر ۴ حضرت جرجیس علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے نام

صاحب تفسیر الحسنات جلد دوئم ص ۱۳۴ پر بیان فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان (اختلاف کے ساتھ ۴۵۰ تا ۶۰۰ برس کا فاصلہ ہے)۔ تین انبیاء علیہم السلام اور بھی آئے جس کی طرف قرآن کریم کی سورہ یٰسین آیت نمبر ۱۳، ۱۴ میں اشارہ ہے ان آیات کا ترجمہ "اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے (رسول) آئے ○ جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے۔ پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے زور دیا۔ اب ان سب نے کہا کہ بے شک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں"۔ (کنز الایمان)

ایک قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین چار انبیاء کرام علیہم السلام اور ہیں تین تو وہ جن کا مندرجہ بالا آیت میں اشارہ ہے اور ایک عرب قبیلہ بنی عبس سے جن کا اسم پاک حضرت خالد بن سنان علیہ السلام ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ "یہ نبی تھے۔ ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا"۔

پھر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کرتے ہیں۔ "کہ تین نبی تو وہ ہوئے جن کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ ہے لیکن خالد بن سنان عبسی ان کے متعلق راغب بھی مسترد ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا نبی بنی و بین حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں دنیا اور آخرت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھتا ہوں۔ انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں شریعتیں مختلف ہیں دین سب کا ایک ہے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی اور پیغمبر نہیں ہوا۔

(بخاری۔ مسلم) بحوالہ تفسیر الحسنات جلد دوئم ص ۱۳۴

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ اور مذکورہ بالا آیات مبارکہ کے مطابق چار انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن میں حضرت خالد بن سنان عبسی علیہ السلام علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل مبعوث ہوئے ہوں گے یا پھر آپ علیہ السلام کے زمانے میں ہی تھے جس طرح کہ باقی تین جن کا تذکرہ مندرجہ ذیل بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی تفسیر میں اور حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں بیان فرماتے ہیں کہ وہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد (حواری) اور اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ پہلے دو کو بھیجا ان کو انطاکیہ شہر کے بادشاہ نے قید کر دیا پھر تیسرے کو ان کی امداد کے لئے بھیجا اور اس کی کوشش سے پہلے دونوں بھی رہا ہوگئے اور بادشاہ اور اس کے قوم کے کافی لوگ بھی اسلام کے دائرے میں آ گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں یہ نام ہیں پہلے دو انبیاء علیہم السلام کے اسماء پاک تومان و شمعان اور تیسرے کا شمعون الصفا علیہم السلام (اور یہ بھی بیان ہے کہ ان کے ناموں میں اور بھی اقوال ہیں یعنی اختلاف ہے)

لیکن خزائن العرفان میں پہلے دو کے نام صادق و صدوق اور تیسرے کا نام شمعون علیہم السلام ہیں بقول کعب رضی اللہ عنہ اور بقول وہب رضی اللہ عنہ یوحنا اور یونس علیہم السلام (خزائن العرفان)۔

مقاتل کہتے ہیں ایک کا نام ادمان اور دوسرے کا نام یونس اور شعیب الجبائی کہتے ہیں ایک کا نام شمعون اور دوسرے کا یوحنا وہب اور کعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک کا نام صادق اور دوسرے کا صدوق تھا ایک اور قول ہے کہ ایک کا نام ناروص اور دوسرے کا ماروص علیہما السلام مندرجہ بالا چاروں اقوال تفسیر الحسنات جلد پنجم ص ۵۷۵ سے اخذ ہیں اور اسی صفحہ سے یہ بھی اخذ کیا گیا ہے اور تیسرے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما شمعون الصفا علیہ السلام اور بعض نے کہا سمعان علیہ السلام اور حضرت وہب وکعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شلوم علیہ السلام اور شعیب جبائی کے نزدیک وہ بولص علیہ السلام (واللہ اعلم)

حضرت خالد بن سنان عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوائے اس کے جو مندرجہ بالا میں مذکور ہو چکا مزید کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن باقی تین مندرجہ بالا اسماء سے زیادہ جن اسماء پاک پر اتفاق ہے وہ حضرت صادق وصدوق پہلے دو اور تیسرے حضرت شمعون علیہم السلام ان کے متعلق کچھ حالات واقعات مندرجہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

حضرت صادق وصدوق اور شمعون علیہم السلام

آپ علیہم السلام کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک شہر جسکا نام انطا کیہ تھا اس کی شان یہ تھی کہ اس میں چشمہ پانی اور پہاڑ کافی تھے اور اس شہر کا دور بارہ میل میں تھا اس کی پناہ سنگین تھی۔ اس شہر کی طرف دو رسول یعنی صادق وصدوق علیہما السلام وہاں کے لوگوں کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے بھیجے گئے کیونکہ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے۔ آپ علیہما السلام نے وہاں پہنچ کر انہیں فرمایا کہ ہم دعوت حق دینے آئے ہیں۔ شہر کے کنارے آپ علیہما السلام کو ایک ضعیف العمر بزرگ ملے جن کا نام حبیب نجار تھا (اسکے متعلق کئی اقوال ہیں کہ وہ کون تھا نمبرا وہ مری کے بیٹے تھے۔ نمبر۲ مشہور تر کھان تھے۔ نمبر۳ وہ کاشتکار تھے۔ نمبر۴ وہ دھوبی تھے۔ نمبر۵ وہ موچی تھے۔ نمبر۶ وہ بت تراش تھے۔ نمبر۷ ممکن ہے وہ ان تمام صفات کے مالک ہوں ان کے حالات میں بعض نے لکھا ہے کہ یہ ایک غار میں رہتے تھے۔ مومن تھے۔ اپنے ربّ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے)۔

حبیب نجار نے آپ علیہما السلام سے پوچھا کہ آپ علیہما السلام کہاں سے اور کیسے آئے؟ آپ علیہما السلام نے فرمایا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادے ہیں ہماری ہدایت صرف یہ ہے کہ یہ قوم بت پرستی چھوڑ کر ایک وحدہٗ لاشریک ربّ تعالیٰ کی پیروی کرے۔

حبیب نجار نے آپ علیہما السلام سے نشانی طلب کی آپ علیہما السلام نے فرمایا کہ ہماری نشانی یہ ہے کہ ہم بیماروں کو صحت یاب کرتے ہیں نابینا کو بینا کرتے ہیں مبروص یعنی برص جسے پنجابی میں پھلبیری کہتے ہیں اسے صحت یاب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حبیب نجار کا بیٹا دو سال سے بیمار تھا۔ اس نے اسے پیش کیا فرستادوں نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ وہ تندرست ہو گیا۔ حبیب نجار یہ دیکھ کر ایمان لے آئے۔

یہ خبر آبادی میں مشہور ہو گئی اور ایک کثیر جماعت نے آپ علیہما السلام کے ہاتھ سے شفا پائی۔ حتیٰ کہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچی اس نے آپ علیہما السلام کو طلب کیا، اور آپ علیہما السلام سے دریافت کیا کہ ہمارے معبودوں (بتوں) کے سوا اور کوئی بھی معبود ہے جس کی طرف آپ علیہما السلام ہم کو بلاتے ہو آپ علیہما السلام نے بیبا کانہ جواب دیا کہ ہاں وہ معبود وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے بتوں کو پیدا کیا ہے اس پر لوگ بگڑ گئے اور آپ علیہما السلام کی تکذیب کی اور مارا پیٹا۔ اور بادشاہ نے آپ علیہما السلام کو قید کر دیا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ قصہ سنا تو حضرت شمعون علیہ السلام کو انطا کیہ بھیجا اور فرمایا کہ تم اجنبی بن کر ان کی رہائی کی تدبیر کرو۔ آپ علیہ السلام بالکل اجنبیانہ انداز سے انطا کیہ پہنچے۔ اور حکمت عملی سے امراء اور وزراء کو ملے اور ان میں ایسے خلط ملط ہوئے کہ دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اپنی رسائی بادشاہ تک پیدا کر لی۔ بادشاہ آپ علیہ السلام سے مانوس ہو گیا (یعنی آپ علیہ السلام پر اعتماد کرنے لگا)

ایک روز باتیں کرتے کرتے حضرت شمعون علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ دو آدمی جو قید کئے گئے ہیں۔ آپ نے ان کی کوئی بات بھی سنی یا یونہی سنی سنائی پر قید کیا ہے۔

بادشاہ بولا۔ میری اور ان کی گفتگو تفصیلی نہیں ہوئی۔ جب انہوں نے نیا خدا اور نیا دین ظاہر کیا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے قید کر دیا۔

حضرت شمعون علیہ السلام نے مشورہ فرمایا کہ بادشاہ کا خیال ہو تو انہیں بلایا جائے اور معلوم کیا جائے کہ ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے یا ان کے پاس کوئی

دلیل بھی ہے۔

مشورہ مناسب سمجھتے ہوئے بادشاہ نے حضرت صادق وصدوق علیہما السلام کو بلایا۔ اور پوچھا کہ آپ علیہما السلام کو کس نے بھیجا ہے۔ آپ علیہما السلام نے فرمایا اس اللہ تعالیٰ نے جو خالق کل اور مالک کل ہے اور رزاق مطلق ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت شمعون علیہ السلام نے فرمایا اس کی کچھ مختصر صفت بیان کرو۔ آپ علیہما السلام نے فرمایا وہ جس کا ارادہ فرماتا ہے وہ کرتا ہے اور تمام حاکموں کا اعلیٰ حاکم ہے جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ حضرت شمعون علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ علیہما السلام کے دعویٰ کی صداقت کی کیا نشانی ہے۔ دونوں نے فرمایا جو بادشاہ چاہے ہم وہی پیش کریں گے۔

بادشاہ نے ایک اندھا لڑکا بلایا اور کہا کہ اس کی آنکھیں ٹھیک کرادو۔ آپ علیہما السلام نے دعا فرمائی اس کی آنکھیں بالکل تندرست ہوگئیں۔

اسکے بعد حضرت شمعون علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا۔ کہ اب ہمیں اس کے جواب میں اپنے بتوں سے کہنا چاہئے کہ وہ بھی ایسے ہی ایک اندھے کو دیکھنے والا کریں تاکہ تیری عزت بھی ہو اور ان کی بھی۔

بادشاہ نے حضرت شمعون علیہ السلام سے کہا کہ آپ علیہ السلام سے کیا چھپاؤں اور کیوں چھپاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود تو خود آنکھ نہیں رکھتے دوسرے کو آنکھ کہاں سے دیں گے ان کی نہ زبان ہے نہ کان۔ پھر وہ کسی کا نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ کسی کا کچھ سنوار سکتے ہیں۔

پھر بادشاہ نے حضرت صادق وصدوق علیہما السلام سے کہا کہ اگر آپ علیہما السلام کا خدا مردے زندہ کردے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔

آپ علیہما السلام نے فرمایا مردہ زندہ کرنا ہی نہیں وہ تو ایسا قادر ہے کہ جو تو چاہے وہ کردے گا۔

بادشاہ نے ایک زمیندار کے لڑکے کو منگوایا جسے مرے ہوئے سات دن ہو چکے تھے اس کا جسم پھول گیا تھا لاش متعفن تھی۔ آپ علیہما السلام سے عرض کیا۔ اسے زندہ کرادو۔

آپ علیہما السلام نے دعا فرمائی بحکم الٰہی وہ زندہ ہوگیا اس سے بادشاہ نے پوچھا کہ مرنے کے بعد تو کہاں تھا لڑکا بولا میں مشرک تھا مجھے جہنم کی سات وادیوں میں رکھا گیا تھا۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ جس دین پر تم لوگ ہو وہ بہت برا دین ہے تم ایمان لاؤ۔ میں بھی ایمان لاتا ہوں۔ میرے لئے آسمانوں کے دروازے کھلے اور ایک حسین نوجوان مجھے نظر آیا جس نے ان تینوں آدمیوں کی اتباع کی تعلیم دی۔ اور میرا واقعہ یہ ہے جو میں نے بیان کردیا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا وہ تین آدمی کون ہیں۔

حضرت شمعون علیہ السلام کی طرف اشارہ کرکے لڑکا بولا ایک یہ اور حضرت صادق وصدوق علیہما السلام کی طرف اشارہ کرکے بولا دو یہ ہیں۔

بادشاہ نے حیرت میں آکر عجیبانہ انداز میں دیکھنا شروع کیا۔

حضرت شمعون علیہ السلام سمجھ گئے کہ زندہ شدہ لڑکے کی بات بادشاہ پر اثر کرگئی ہے۔ پھر آپ علیہما السلام نے بھی اسے نصیحت فرمائی حتیٰ کہ وہ ایمان لے آیا اور اس کی قوم کے کچھ آدمی بھی ایمان لے آئے۔ اور کچھ سرکش رہے اور ان پر ایسا عذاب آیا کہ ہلاک ہوگئے۔ چنانچہ اس قصہ کو اجمالاً بیان فرمایا گیا۔ اس سے آگے سورہ یٰسین کے دوسرے رکوع کی باقی آیات کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ (ابن عباس، خزائن العرفان، تفسیر الحسنات)

حضرت شمعون، صادق وصدوق علیہم السلام اور انطاکیہ شہر کے کفار کی گفتگو

انطاکیہ شہر کے بادشاہ اور اس کے ساتھ چند آدمیوں جو اسی کی قوم سے تھے وہ تو ایمان لے آئے لیکن باقی جنکی اکثریت تھی وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تینوں رسولوں نے فرمایا ہم بے شک تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں قوم کہنے لگی تم تو ہماری طرح آدمی ہو اور رحمٰن نے کچھ نہ اتارا۔ تم کچھ نہیں مگر نرا جھوٹ بول رہے ہو۔

ان تینوں (پیغمبر) علیہم السلام نے فرمایا۔ ہمارا رب جانتا ہے کہ بے شک ہم ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ صاف حکم پہنچا دینا

ہے۔ یعنی دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ سے تمہیں بتادیں کہ وہ مردوں کو جلانے والا اور اندھوں کو آنکھیں دینے والا ہے اس پر بھی وہ راہ راست پر نہ آئے تو امساک باراں کا عذاب ان پر آیا۔ جس سے یہ ہوا کہ قبول ہدایت کی بجائے اور بگڑ گئے حتیٰ کہ کہنے لگے۔

بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اب سمجھ لو کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں پتھروں سے ماریں گے اور تمہیں بے شک ہمارے ہاتھوں سے دکھ پہنچے گا۔ (بدشگونی یا نحوست سے یہ مراد ہے کہ جب سے تم ہمارے اندر آئے ہو۔ بارش بند ہوگئی ہے یہ تمہاری نحوست ہے۔ حالانکہ امساک باراں کی وجہ ان کے سرکشی تھی۔ جب انہوں نے ہدایت قبول نہ کی تو امساک باراں کا عذاب ان پر آیا)۔

چنانچہ تینوں پیغمبروں علیہم السلام نے فرمایا کہ تمہاری بدشگونی اور نحوست تمہارے بداعمال کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہے کیا جب تمہیں نصیحت کی جانے لگی تو اس سے بدشگونی لیتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو (ابن عباس، خزائن العرفان، الحسنات)

حبیب نجار نے اپنی قوم کو فرمایا

سورہ یٰسین کی آیات نمبر ۲۰ تا ۳۲ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

شہر انطا کیہ کے ایک کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا یعنی حبیب نجار جو شہر کے کنارے ایک غار میں رہتے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ قوم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوؤں کی تکذیب کر رہے ہیں۔ تو وہ غار سے نکل کر دوڑتے ہوئے اپنی قوم کی طرف آئے۔ اور کہنے لگے اے میری قوم پیروی کروان کی جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور ان کی پیروی کرو۔ جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ یعنی حبیب نجار نے قوم کو ہدایت کی اور بتایا کہ یہ تم سے کچھ نہیں مانگتے نہیں بلکہ تمہاری خیر اندیشی میں تمہیں نصیحت فرماتے ہیں۔

حبیب نجار نے اپنی قوم میں آکر سمجھایا اور بتایا کہ ان رسولوں کی مخالفت نہ کرو۔ وہ ہدایت پر ہیں اور تمہیں صحیح اور سچی دعوت دے رہے ہیں تو قوم نے بگڑ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی انہیں کے خدا پر ایمان لا چکے ہو۔ تو حبیب نجار نے کہا کیوں ایمان نہ لاتا جبکہ ان کی ہدایت سے میں سمجھ چکا کہ ان کا جو معبود ہے وہی قادر علی الاطلاق ہے اور قادر علی کل شئی ہے۔ ایک دن اسی کے حضور مجھے اور تمہیں سب کو حاضر ہونا ہے ابتداء ہستی سے اس کی نعمتیں ہم پر ہیں اور آخر کار اسی کے فضل سے ہماری بخشش ہوگی۔ ایسے مالک حقیقی قادر تحقیقی کی عبادت و اطاعت نہ کرنا کیا معنی اور اس کی اطاعت سے انحراف کس عقل کے تحت ہے اس کی نسبت اعتراض کرنا کہاں کی ذہانت اور عقلمندی ہے ہر کوئی تھوڑا سا عقل رکھنے والا بھی تھوڑا بہت غور کرنے کے بعد اس کے حق نعمت اور احسان کو سمجھ سکتا ہے۔

کیا میں پکڑوں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود کہ اگر رحمٰن میرے ساتھ چاہے برائی تو ان بتوں کی سفارش مجھے مستغنی نہ کر سکے اور میرے کام نہ آئے اور وہ بت مجھے عذاب سے نہ بچا سکیں۔ میں جب تو کھلی گمراہی میں ہوں۔ اگر سمجھ بوجھ کر بھی بتوں کو پوجوں

یہ باتیں حبیب نجار سے سن کر قوم کے لوگ سب متفق ہو کر یک دم ان پر حملہ آور ہوئے اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی اور آپ رضی اللہ عنہ کو گرا کر پتھروں سے شہید کر دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر آج انطا کیہ میں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ حال جب قوم نے کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جلدی سے تینوں مرسلین حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو مخاطب کر کے عرض کیا۔ میں آپ علیہم السلام کے رب پر ایمان لا چکا ہوں۔ اچھی طرح سن لیجئے۔ یعنی آپ علیہم السلام میرے ایمان کے گواہ رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میرے ایمان کی گواہی دینا۔

اللہ تعالیٰ نے حبیب نجار رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت عطا فرمائی

اکرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حبیب نجار رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت ملی۔ اور فرمایا گیا (حبیب) جنت میں جا۔

جب آپ رضی اللہ عنہ جنت میں داخل ہو گئے اور وہاں کی نعمتیں دیکھیں تو قوم کی ضلالت پر افسوس کرتے ہوئے فرمایا! کاش میری قوم کسی طرح جان سکتی جو میرے ربّ تعالیٰ نے میرے ساتھ کرم نوازی فرمائی اور مجھے عزت والوں میں کیا۔ تا کہ ان مرسلین علیہم السلام کے دین کی طرف انہیں بھی رغبت ہو۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب قوم حبیب رضی اللہ عنہ پر

مختصر یہ کہ جب حبیب نجار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس کی قوم کے کیفر کردار پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیر نہ ہوئی اور عذاب کسی لشکر کی صورت میں نازل نہ ہوا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ اور ہم نے نہیں نازل فرمایا اس قوم پر حبیب نجار رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں وہاں کوئی لشکر اتارنا تھا وہ تو بس ایک ہی چنگھاڑ تھی تو جبھی وہ ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔ وہ ایسے ٹھنڈے ہو کر رہ گئے جیسے آگ بجھ کر سرد ہو جاتی ہے۔ (ابن عباس، خزائن العرفان، حسنات)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس جس قوم نے میرے رسولوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تکذیب کی ان سب کو ہلاک کر دیا

سورہ یٰسین کی آیت نمبر ۳۰ تا نمبر ۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا فرمایا: افسوس ہے ان بندوں پر ان کی طرف کوئی رسول نہ آیا مگر اس کا مذاق ہی کرتے رہے۔ یہاں جمع کا صیغہ اس لئے فرمایا کہ یہی فقط (حبیب نجار رضی اللہ عنہ کی قوم) ایسے نہیں تھے۔ بلکہ ان کے سوا اور قومیں بھی جو ہلاک ہوئیں سب کا یہی رویہ تھا کہ وہ رسولوں کا مذاق اڑاتی اور تکذیب کرتیں تھیں۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے رسولوں کی تکذیب انہیں ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں (یعنی لوط، عاد، ثمود، اہل مدین، فرعون، نمرود، شداد ہو یا قارون) ہلاک کر دیں اور وہ اب ان کی طرف پلٹ کر آنے والی نہیں اور یقیناً جتنے بھی ہیں سب کے سب ہمارے سامنے حاضر لائیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ دراصل اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ہمارے حبیب سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہیں اور تکذیب کرتے ہیں کہ جو اپنی عمارتوں کے کھنڈرات شام، یمن، عراق اور مصر میں چھوڑ گئے ایسے ہلاک ہوئے کہ اب وہ واپس آ کر اپنا حال بیان نہیں کر سکتے ان سے سبق عبرت لینا چاہئے تھا۔ اس کی بجائی اور سرکشی کر رہے ہیں انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ تمام امتیں بروز حشر ہمارے حضور حساب دینے کے لئے حاضر کی جائیں گی۔ (ابن عباس، خزائن العرفان اور تفسیر الحسنات)

اللہ تعالیٰ نے جو جو احکامات قرآن پاک میں فرمائے ہیں وہ صرف اہل مکہ ہی کے لئے نہیں ہیں بلکہ قیامت تک آنے والی تمام قوموں کے بندوں کے لئے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی کریم رؤف الرحیم رحمتہ للعالمین شفیع المذنبین سیّدنا و مولانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیامت تک کی ساری کائنات کے نبی اور رسول ہیں اور قرآن مجید جو کہ لاریب ہے وہ بھی قیامت تک ہدایت و رشد ہے اس کے ہی حکم قیامت تک چلیں گے۔ اس لئے آج بھی جو لوگ رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں یا تکذیب کرتے اور اپنے ذہن کے غلام بن کر رہ گئے یا اللہ تعالیٰ خالق حقیقی قادر مطلق اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا کر مغربی طاقتوں اور قوموں کی غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ انہیں کے سامنے اپنی جھولیاں بچھاتے ہیں کہ ان کی امداد کریں یا ان کے علاوہ کسی دوسری منافق یا کافر دولت مند سے اپنی حاجتیں پوری کرنے کے لئے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اس کے عوض اپنے دین اور غیرت کا جنازہ نکال کر عارضی دولت مندوں اور حاکموں کو خوش کر رہے ان سے التماس ہے کہ ذرا کچھ تو سوچیں اور خیال کریں کہ وہ کامیابی کی طرف جا رہے ہیں یا بربادی کی طرف۔

خدارا جھوٹے دعویدار حاکموں اور دولتمند کفار اور منافق کے بدلے اپنے حقیقی مالک خالق قادر مطلق کی طرف آئیے اور اسی کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی مغفرت مانگئے اور اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کریں انشاءاللہ تعالیٰ امیدیں پوری ہوں گی اگر بالفرض کچھ دیر ہو تو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑیں انشاءاللہ تعالیٰ حبیب نجار رضی اللہ عنہ کی طرح سب کچھ جنت میں مل جائے گا۔ یہ دنیا فانی ہے چند دن اگر خوب عیش و عشرت سے فرعون، نمرود، ہامان اور قارون کی طرح گزار بھی لئے تو کیا حاصل ہوگا جبکہ ان کی طرح نہ ختم ہونے والی زندگی جہنم کی وادیوں میں گزارنی پڑی۔

اس لئے ابھی وقت ہے سچے دل سے اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر سیدھے راستہ پر آ جائیے انشاءاللہ اللہ تعالیٰ حامی و مددگار ہے اور انشاءاللہ ضرور اپنے بندوں کو جو اس سے معافی طلب کریں گے بخش دے گا اور جنت میں داخل کریگا (مؤلف)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اور پیر و مرشد کی نگاہ کرم اور دعا سے یہاں تک آج مورخہ 27-09-2009 بروز اتوار بوقت 1:30 بجے دن مطابق ۷ شوال ۱۴۳۰ھ کو مکمل ہوا (مؤلف کیلانی غفرلہ)

حصہ دوم 'باب چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم٥

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے پاک نام سے شروع کرتا ہوں

آج مؤرخہ 2009-09-28 مطابق ۹ شوال ۱۴۳۰ھ بروز سوموار رات ۱۰ بجے

حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام

شجرۂ نسب

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی مشہور کتاب ''الحافل'' میں حضرت زکریا علیہ السلام کا پورا نام زکریا بن برخیا لکھتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ علیہ السلام کو زکریا بن دان اور زکریا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داؤد بن حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام ابو یحییٰ بھی کہا جاتا تھا۔ اور یہ کہ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور اسی حیثیت سے مشہور تھے۔ ابن عساکر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تلاش میں دمشق کے علاقے میں گئے تھے جبکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا اور اس وقت آپ علیہ السلام دمشق میں تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوئم اُردو ترجمہ ص ۵۲)

اور ابن عساکر کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا نسب اور کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ ان کا نام الف ممدودہ اور الف مقصورہ دونوں کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بعض لوگ ان کو زکری بھی کہتے تھے۔

حالات وواقعات

سورہ آل عمران آیات نمبر ۳۵ تا نمبر ۴۱ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۳۵، ۳۶: پھر حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا قصہ بیان کیا کہ جب عمران کی بیوی حنا نے کہا کہ اے پروردگار! میں منت مانتی ہوں کہ جو چیز میرے پیٹ میں ہے۔ وہ جیتی جاگتی پیدا ہو تو میں اسکو بیت المقدس شریف کا خادم بناؤں۔ تیری عبادت کے لئے وقف کروں۔ امور دنیا سے آزاد کروں تو میری نذر قبول کر۔ تو دعا کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ جب ان کے مریم سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں تو کہنے لگی یا اللہ یہ تو لڑکی ہے۔ مرد ہوتا تو خوب خدمت بجالاتا۔ عورت مرد کا کام نہیں دے سکتی حالانکہ خدا خود جانتا تھا۔ جو اس نے جنا تھا۔ اور جو حنہ نے مانگا (لڑکا) تھا۔ وہ اس (لڑکی) جیسا نہ تھا۔ حنہ نے اس لڑکا کا نام مریم رکھا اور دعا کہ میں اس کو اس کی اولاد کو شیطان ملعون کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ تو اسکو اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے بچا اور محفوظ رکھ۔

آیت نمبر ۳۷: اور پھر جب مریم سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی اچھی طرح قبول کیا اور اچھی اس کی پرورش کی۔ اور وہ دن دونی بڑھتی تھیں ہر وقت عبادت میں مشغول رہتیں اور ہر وقت ضرورت غیب سے غذا آتی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام پیغمبر کی نگرانی اور کفالت میں پرورش پاتیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے۔ جب کہیں جاتے تھے تو ان کو بند کر کے جاتے تھے۔ جب آتے تو ان کے پاس غیبی میوے بے موسم پاتے۔ گرمی کے سردی میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں۔ تب ان سے پوچھا کہ اے مریم! یہ کہاں سے آئے ہیں تو وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے کھلاتا و پلاتا ہے۔

آیت نمبر ۳۸، ۳۹: جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بے موسم کے میوے پہنچاتا ہے۔ آپ علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے۔ اولاد نہ تھی۔ خیال آ گیا کہ کاش اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا فرما دے۔ تب یہ دعا کی کہ یا خدایا! مجھے اپنی رحمت سے اچھی اور نیک

اولاد عطا کر۔ تو دعا کو سنتا ہے قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے جب حضرت زکریا علیہ السلام نماز کو محراب میں کھڑا ہوئے آ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو اولاد کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام یحییٰ علیہ السلام رکھا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلمے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو بن باپ کے پیدا ہوں گے۔ تصدیق کریں گے اور ان کے کلمۃ اللہ تعالیٰ ہونے کی اور ان کی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی دیں گے۔ سردار عالی مقام ہوں گے۔ بردبار ہوں گے۔ اور عورتوں کی طرف رغبت نہ کریں گے۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ ہوں گے اور دنیا اور آخرت میں نیک ہوں گے۔

آیت نمبر ۴۰، ۴۱: حضرت زکریا علیہ السلام بشارت سن کر خوش ہوئے۔ مگر اپنی حالت دیکھ کر مایوس ہونے لگے اور پوچھا کہ اے جبرائیل! میرے تربیت کرنے والے خوشخبری دینے والے! یہ تو بتاؤ کہ میرے لڑکا کیوں کر ہوگا۔ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتیں اپنی قدرت سے دکھلاتا ہے۔ اس پر بھروسہ رکھو۔ تب وہ بولے کہ میں چاہتا ہوں کوئی نشانی اس کے پیدائش کے وقت ایسی ہو جس سے مجھ کو معلوم ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک کسی کے ساتھ دنیا کی کوئی بات نہ کر سکو گے۔ خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور صبح و شام کی تسبیح و عبادت میں مشغول رہنا۔

اب سورہ مریم آیات نمبر ۱ تا نمبر ۱۵ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کی جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱ تا ۶: کٓھٰیٰعٓصٓ (۱) یہ آپ (یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے ربّ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے۔ جو اپنے بندے زکریا کو یاد کرتا ہے جبکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ربّ کو آہستہ سے پکارا یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے مسجد میں اپنے ربّ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا کہ اے میرے رب (عزوجل)! میری ہڈیاں سست ہو گئیں یعنی بدن کمزور ہو گیا اور میرا سر بڑھاپے سے چمک اُٹھا یعنی سفید ہو گیا۔ اور میں تجھ سے دعا کرنے میں کبھی محروم نہ رہا۔ یعنی تو نے ہمیشہ دعا منظور فرمائی اور مجھے اپنے پیچھے آنے والوں وارثوں سے خوف ہے۔ کہ وہ میرے بعد دین میں رخنہ اندازی نہ کریں اور میری بیوی مریم بنت عمران کی خالہ بانجھ ہے تو مجھے اپنے دربار سے ایک ولی وارث نیک اولاد عطا فرما۔ جو میرے بعد علوم نبوت کا وارث اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا وارث ہو۔ کیونکہ اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کو حکومت اور نبوت تو نے عطا فرمائی تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خالو تھے (یعنی عمران) اے میرے رب (عزوجل)! میں اس لڑکے کو جو مجھے عطا فرمائے گا۔ اسکو نیک اور پسندیدہ بنا۔

آیات نمبر ۷ تا ۱۵: جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے حضرت زکریا علیہ السلام ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ علیہ السلام ہے۔ یعنی چونکہ ان کے سبب ان کی والدہ کا رحم دوبارہ زندہ ہوا۔ اس سبب سے ان کا نام یحییٰ علیہ السلام رکھا۔ اور ہم نے یحییٰ علیہ السلام سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کو کوئی لڑکا نہ دیا تھا۔ جس کا وہ کچھ نام رکھتے یا یہ کہ یحییٰ علیہ السلام سے پہلے اس نام کا کوئی نہیں ہوا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا۔ میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے خشک ہو گیا ہوں۔ بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں یعنی بہتر ۷۲ سال کی عمر ہو گئی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ آپ علیہ السلام کے ربّ نے فرمایا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد دینا اور بانجھ کو صحیح کر دینا میرے نزدیک آسان بات ہے۔ بے شک میں نے تم کو بھی اس سے پہلے اس وقت پیدا کیا تھا جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب (عزوجل)! میرے لئے کوئی نشانی فرما دے۔ جس سے میں سمجھ جاؤں کہ میرے اولاد ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن رات تک اچھے بھلے ہو کر کلام نہ کر سکو گے۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام مسجد سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ اے لوگو! تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہو۔ اور آپ علیہ السلام تین دن رات تک زبان سے نہ بول سکے۔ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ہم نے ان سے کہا اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب (توریت) کو مضبوط سے پکڑو (خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی تبلیغ کرو)۔ ہم نے ان کو بچپن ہی میں حکمت علم اور نبوت عطا فرمائی۔ اور اپنی طرف سے مہربانی کی عادت، رحم دلی، پاکیزگی اور ستھرا پن عطا فرمایا۔ اور وہ (حضرت یحییٰ علیہ السلام) اپنے ربّ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے اور اپنے ماں باپ سے بہت اچھا سلوک کرنے والے اور ان کی خدمت کرنے والے تھے اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ اور ہماری طرف سے ان پر سلامتی اور مغفرت اور سعادت مندی دی

گئی۔ جس دن وہ پیدا ہوئے جس وقت وہ مریں گے اور جس دن دوبارہ زندہ کر کے قبر سے اٹھائیں جائیں گے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدائشی نبی تھے۔ آپ علیہ السلام کا نام حیا تھا۔ انجیل میں یوحنا اور قرآن پاک میں یحییٰ ہے (روح المعانی بحوالہ حسنات جلد اول ص ۴۹۷)

اب ضیاء القرآن جلد سوئم ص ۶۵ تا ص ۶۹ اور ص ۷۱، ۷۲) سے سورہ مریم کی آیات نمبر ا تا نمبر ۱۱ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے جو کہ پہلی تفسیر سے تفصیل کے ساتھ اور ایسے انداز سے بیان کی گئی جس سے قارئین حضرات کی معلومات اور دلچسپی زیادہ ہوگی۔

۱۔ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کے آغاز اور بعض دوسرے مقامات پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے مختلف اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ ک کافی پر ھا ھادی پر یا حکیم پر ع علیم پر اور ''صاد'' صادق پر۔

قشیری نے حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے۔

معناه كاف لخلقه هاد لعباده يدنا فرق ايديهم عالم بهم صادق في وعده ـ

یعنی وہ اپنی مخلوق کے لئے کافی ہے۔ اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ سب پر غالب ہے سب کو جانتا ہے۔ اور اپنے وعدے کا سچا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے:۔

یا کھیعص اغفرلی یا کاف ھایا عین ص مجھے بخش دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے۔ (قرطبی، روح المعانی)

۲۔ یہ فقرہ خبر ہے۔ اور اس کی مبتدا ''ھذا'' محذوف ہے یعنی ھذا ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا اے سرور عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ جس کا بیان اب ہو رہا ہے اس میں تیرے رب کریم کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے ایک جلیل القدر بندے حضرت زکریا علیہ السلام پر فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنے وجود اور اپنی بقا میں اس کی شانِ ربوبیت کا مرہونِ منت ہے۔ بایں ہمہ صفت ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء سے ہے۔ وہ اور کسی چیز کو میسر نہیں۔ عبد کی اضافت اپنی ذات کی طرف فرما کر حضرت زکریا کی عزت وشرف کا اظہار فرما دیا۔

۳۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ جن کے ذمہ بیت المقدس شریف میں مذہبی رسومات کو ادا کرنا تھا۔ آپ حضرت مریم کی خالہ ایشبع (Elizabeth) کے شوہر تھے۔ اسی قرابت کے باعث آپ علیہ السلام کو حضرت مریم کا نگران مقرر کیا گیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

۴۔ آپ علیہ السلام کی عمر بعض روایات کے مطابق ۷۰ ستر سال اور بعض کے مطابق ایک سو بیس سال اور آپکی اہلیہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال ہوگئی تھی اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی فرزند تولد نہ ہوا تھا۔ آپکو اپنے رشتہ داروں میں کوئی مرد صالح اور ارجمند نظر نہ آتا تھا جو اس قابل ہو کر انکے بعد انکے رفیع منصب کی نازک ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ اس لئے آپ علیہ السلام بڑے فکر مند رہا کرتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انکے رحلت فرما جانے کے بعد کوئی نااہل شخص انکا جانشین بن جائے اور ان دینی رسومات اور عبادات کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگے۔ اہل نظر سے مخفی نہیں کہ جب شاہین کا نشیمن زاغ وزغن کے تصرف میں آجاتا ہے تو پھر دینی رسومات کتنی پژمردہ اور بے جان ہو جاتی ہیں اور اخلاقی قدروں کی کس بیدردی سے تحقیر کی جاتی ہے۔ یہی احساس حضرت زکریا علیہ السلام کو ہر لحظہ بے چین رکھا کرتا تھا۔ ایک روز دل کا سوز التجا بن کر زبان پر آ ہی گیا۔ عجز ونیاز میں ڈوبے ہوئے انداز سے بارگاہ رب العزت میں غم پنہاں کا اظہار کر دیا۔ بڑی خاموشی سے چپکے چپکے اپنے چارہ ساز کے حضور میں اپنی حکایت درد کہہ دی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے پاک نبی کی طلب اور اندازِ طلب دونوں غور طلب ہیں۔ دستِ دعا پھیلانے والوں کو آداب بارگاہ صمدیت کی کیسی تعلیم دی جارہی ہے۔ سب سے پہلے اپنے عجز کا اعتراف ہے۔ اور اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار۔ الٰہی اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئی ہیں۔ میرے سر کے سارے بال پیرانہ سالی کے باعث برف کی طرح سفید ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد عرض کی میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصہ دراز سے اپنے لطف وکرم کا خوگر بنا دیا ہے۔ جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا فرمایا۔ تیرے کرم نے ہمیشہ میری

آرزوؤں کی لاج رکھی۔ تیری عنایات نے آج تک مجھے کبھی ناشاد و نامراد نہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس خوگر لطف وعنایت کی یہ التجا بھی شرف قبول سے سرفراز ہوگی۔

۵ ساتھ ہی اس دعا کی اہمیت کا ذکر بھی کر دیا کہ میرے قریبی رشتہ دار جو میری مسند کے وارث بننے والے ہیں۔ ان میں ایک بھی تو ایسا دکھائی نہیں دیتا جو اس منصب کی سنگین ذمہ داریوں کو انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ پہلے اپنے پیر فرتوت ہونے کا ذکر کیا۔ اب اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کا تذکرہ کر دیا۔

۶ ان آداب شاہانہ کو بجالانے کے بعد اصل مدعا عرض کیا۔

یہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے اموال اور جائدادیں بھی بطور میراث وارثون میں تقسیم ہوسکتی ہیں۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اس آیت سے بوجوہ استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وراثت کے لفظ کا اطلاق اگرچہ علم، منصب اور مال کی وراثت پر ہوتا ہے لیکن اس کا معنی حقیقی مالی وراثت ہے۔ اور دیگر امور کے لئے اس کا استعمال بطور مجاز ہے۔ اس آیت میں وراثت کا حقیقی مفہوم مراد ہوگا۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا درست نہیں۔ نیز علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں حضرات ابن عباس مجاہد، عکرمہ اور ابوصالح سے اس آیت کا یہی معنی نقل کیا ہے۔ انھم قالوا فی الآیۃ یرثنی مالی یعنی مجھے ایسا بیٹا دے جو میرے مال کا وارث ہو نیز ارشاد نبوی سے بھی اسی معنی کی تائید ملتی ہے۔ عن الحسن انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الآیۃ یرحم اللہ تعالٰی اخی زکریا ما کان علیہ ممن یرث مالہ' یعنی اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالٰی میرے بھائی زکریا پر رحم فرمائے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوتا۔ اگر ان کے مال کا کوئی بھی وارث بنتا۔ نیز علم کسب واکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے اور وراثت میں انسان کے کسب اور جدوجہد کو دخل نہیں۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ اُن کا کوئی وارث ہوتا ہے کیونکہ احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہ احادیث صرف اہل سنت کی کتب میں ہی موجود نہیں بلکہ شیعہ کی کتب میں صحیح سند سے مروی ہیں۔ چنانچہ ان کے محدثِ اعظم کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ان العلماء ورثۃ الانبیاء ذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیئی منھا فقد اخذ بحظ و افر ۔

ترجمہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث علماء کرام ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام درہم اور دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے حکیمانہ ارشادات بطور ورثہ دیتے ہیں۔ جس نے ان ارشادات سے کوئی چیز حاصل کی تو اس نے نبوت کی میراث کا بڑا حصہ لیا۔ اس حدیث میں ''انما'' کا لفظ قطعی طور پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس کے شیعہ بھی معترف ہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں جو فریقین کے نزدیک صحیح ہیں ہم آیت میں یرثنی کا معنی وراثتِ علم ہی کریں گے۔

ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وراثت کا اطلاق وراثتِ مال پر حقیقی ہے اور دوسرے معانی پر مجازی بلکہ علم ومنصب اور مال کی وراثت سب پر اس کا اطلاق حقیقتاً ہوتا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ دیگر معانی پر اس کا اطلاق مجازی ہے تو بھی یہ ایسا مجاز نہیں کہ جس کا مفہوم متعین کرنے میں قاری کو دشواری کا سامنا کرنا پڑے بلکہ یہ مجاز متعارف ہے اور بکثرت ان معانی پر اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ خصوصاً قرآن کریم میں اس کا استعمال اتنا کثیر ہے کہ حقیقت کا ہم پلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے ''ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا'' یعنی اپنے بندوں سے جن کو ہم نے چنا تھا انہیں کتاب کا وارث بنایا۔ دوسری جگہ ہے ''فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب'' ان کے بعد ان کے جانشین کتاب کے وارث ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد ہے ''ان الذین اورثو الکتاب من بعدھم'' یعنی وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے۔ یہاں تمام آیات میں وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں بلکہ علم وحکمت ہے۔

نیز وہ آثر جو وراثتِ مال پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ علماء جرح وتعدیل کے نزدیک پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ والآثار الدالۃ علی انھم

یورثون المال لا یعول علیھا عند النقاد (روح المعانی) اور وہ احادیث مرسل ہیں اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں انہیں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ھذہ مرسلات لا تعارض الصحاح۔

اس کے علاوہ پیغمبر کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ مال ومتاع کی محبت میں اسیر ہو۔ وہ ہر وقت حسن ازل کے جلوؤں کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ دنیا کی نفیس سے نفیس چیز بھی ان کے دامنِ دل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ دوسرا حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کر کے اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت ہی کہاں تھی جس کے لئے وہ ہر وقت فکر مند رہتے۔ ان تمام امور کے پیش نظر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں وراثت سے مراد وراثتِ مال نہیں بلکہ علم وحکمت کی وراثت ہے۔

۸ دعا کی مقبولیت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے سمی: ہم نام۔

۹ یہ مژدہ سن کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ازراہِ مسرت وحیرت عرض کرنے لگے۔ عتیا: وہ بوڑھا جس کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئی ہوں۔ علامہ راغب نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ای حالۃ لا سبیل الی اصلاحھا و مداواتھا یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جب نقاہت انتہا کو پہنچ جائے اور اس کے دور ہونے کی اب کوئی صورت نہ ہو۔

۱۰ یعنی وہ قادرِ مطلق جس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس پیرانہ سالی کی حالت میں تمہیں فرزند ارجمند عطا فرمائے۔

۱۱ عرض کی کہ میرے لئے کوئی نشانی مقرر کی جائے جس سے میں یہ جان لوں کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا اس کے پورا ہونے کا وقت اب آ گیا ہے۔ اس شوق وبے قراری کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جو کبھی ایسے حالات سے دوچار ہوا ہو۔

۱۲ نشانی یہ بتائی گئی کہ تم اس وقت بات چیت نہیں کر سکو گے لیکن یہ خاموشی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہو گی بلکہ بطور علامت ایسا ہو گا۔ سویا حال ہے اور تکلم کا فاعل اس کا ذوالحال ہے۔ "حال من فاعل تکلم مفید لکون انقطاع التکلیم بطریق الاعجاز و حرق العادۃ لا لا عتقال اللسان بمرض و ھذا ما علیہ الجمھود" (روح المعانی)

۱۳ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سویا کا تعلق ثلث لیال سے ہے یعنی تین کامل راتیں۔ آیت کا ترجمہ جمہور کی رائے کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۴ قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نیاز مندانہ دعا، اس کی قبولیت، حضرت یحیٰ علیہ السلام کی سیرت اور اخلاق کی جو تفصیلات بیان ہوئیں ان کو آپ نے اچھی طرح پڑھ لیا۔ یہ واقعہ تقریباً انہی تفصیلات کے ساتھ انجیل لوقا باب اول آیات ۵ تا ۲۵ میں مذکور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انجیل میں وہ نیاز وادب میں ڈوبی ہوئی التجاء مذکور نہیں جو اس واقعہ کی جان ہے۔ نیز آپ علیہ السلام کے سکوت کو قرآن نے جہاں محض اس خوشخبری کے وقوع پذیر ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔ وہاں انجیل میں لکھا ہے کہ بطور سزا ان سے قوتِ گویائی سلب کر لی گئی تھی۔ چنانچہ اسی باب کی آیت نمبر ۲۰ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقعہ نہ ہو لیں تو چپکا رہے گا۔ اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا"۔

۱۵ پیدائش وفات اور حشر کے دن انسان کے لئے جس خصوصی اہمیت کے حامل ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ ان میں سے ہر ایک دن زندگی کے ایک نئے اور نامعلوم دور کا یوم آغاز ہے۔ اور ان ایام میں انسان کی بے بسی اور بے کسی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ ویسے تو انسان کو ہر آن اور ہر لحہ رحمتِ وعنایات کا محتاج ہوتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ یہاں لکھتے ہیں:۔

کہ یہ تینوں دن بہت اندیشہ ناک ہیں۔ کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا اس لئے ان تینوں موقعوں پر ....

نہایت وحشت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اکرام فرمایا کہ انہیں ان تینوں موقعوں پر امن وسلامتی عطا کی۔ (خزائن العرفان)

۱۶؎ حضرت زکریا اوران کی اہلیہ کی عمر سو سال کے قریب یا اس سے بھی زیادہ ہو چکی تھی اولاد پیدا ہونے کا طبعی وقت گزر چکا تھا۔ انہیں اس حالت میں بچہ عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور مشیت مطلقہ کا نا قابلِ تردید ثبوت بہم پہنچایا اور علت ومعلول اور سبب ومسبب کی زنجیریں بنانے والوں کو متنبہ کر دیا کہ علیت وسببیت کا تسلسل اگرچہ اس کی حکمت کی جلوہ گری ہے یہ اصول وضوابط جن کے مطابق حوادثات رو پذیر ہورہے ہیں۔ اسی نے مقرر فرمائے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان اصولوں اور ضوابط کے سامنے مجبور نہیں کہ انکے بغیر اگر وہ چاہے بھی تو کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ وہ جو چاہتا ہے جب چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مشیت وارادہ کے سامنے رکاوٹ بن کر کھڑی نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کی تبلیغ بنی اسرائیل کو کرنے کا حکم فرمایا

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اسناد مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دے کر ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ان کی تبلیغ بنی اسرائیل میں کریں۔

پہلی بات یہ تھی کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں کیونکہ وہی واحد ہستی ہے جو انہیں رزق دیتا اور ان کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہے اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کی مثال اس غلام کی ہوگی جو ہو تو کسی کا زر غلام اور اسی کا کھاتا پیتا ہو۔ لیکن اطاعت کسی اور شخص کی کرتا ہو۔

دوسری بات نماز ہے۔ جسے پوری توجہ سے ادا کرنا چاہئے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے لہٰذا بندے کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ بھی اپنے معبود کے سامنے پوری طرح متوجہ رہے۔

تیسری بات روزہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے لباس کو مشک سے خوشبو میں بسائے۔ لیکن اس کے منہ سے مشک کی خوشبو نہ آئے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ دار کے منہ سے بھی مشک کی خوشبو آئے گی جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ صدقہ کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کا کوئی دشمن اسے کسی مضبوط قلعہ میں قید کر دے جہاں سے اس کی رہائی محال ہو۔ اس کے علاوہ اس کی گردن بھی مارنا چاہتا ہو۔ لیکن کچھ زرنقد لے کر اسے چھوڑ دے۔

پانچویں بات جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا۔ وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے شیطان اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس پھٹکنے نہ پائے گا۔

یہ فرما کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا اپنے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا تو ان سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام بنی اسرائیل تک چاہیں تو وہ ہی پہنچائیں لیکن وہ بولے کہ اگر اس سلسلے میں وہ سبقت کریں گے تو ان کی قوم ان کی ایذا رسانی پر سختی کرے گی۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس شریف میں جمع کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ان پانچوں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا اور یکے بعد دیگرے ہر حکم کے ساتھ یہی مثالیں بھی دیں۔ (حدیث نبوی کا مفہوی ترجمہ)

اس حدیث مبارکہ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"میں بھی تمہیں ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ پہلا حکم جماعت ہے دوسرا حکم حکم کی ساعت ہے۔ تیسرا حکم اس حکم کی تعمیل اور چوتھا حکم ہجرت اور پانچواں حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے جماعت سے قطع تعلق کیا تو سمجھو کہ اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ (توبہ کر کے) رجوع کرے ورنہ اگر وہ زمانہ جاہلیت کی دعادی پر قائم رہا تو اس کی سزا جہنم ہے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص صرف نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیا سمجھا جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم بھی اسے مسلمان اور مومن کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے سب لوگوں کو اس نام سے یاد فرماتا ہے'' صاحب البدایہ والنہایہ نے یہ حدیث کئی اسناد کے ساتھ تحریر کی ہے لیکن اختصار کی وجہ سے مؤلف نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن ابی جعفر الرازی اور انکے والد اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ربیع بن انس کے بقول ان سے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے علمائے بنی اسرائیل سے سنا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرما کر صرف انہی پانچ باتوں کا حکم دیا تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مندرجہ بالا حدیث میں ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر اکثر ویران مقامات پر چلے جاتے اور درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کر لیتے اور ساتھ ہی کہتے جاتے تھے کہ ''اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے''۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد گرامی حضرت زکریا علیہ السلام کبھی کبھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے بحیرہ اردن تک جا پہنچتے اور دونوں مل کر خوف خدا کی وجہ سے رونے لگتے تھے اور آپ علیہما السلام دونوں اسے بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔

ابن وہب مالک، حمید بن قیس اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوراک جھاڑیوں کے پتے تھے اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف سے اتنا روتے کہ روتے روتے آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے تھے۔

محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے ابو صالح لیث اور عقیل نے ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے بتایا کہ ایک روز آخر الذکر ابی ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ وہ بولے ''میں تمہیں ایک بہترین آدمی کا قصہ سناؤں'' ان سے یہ سن کر پاس بیٹھے ہوئے سب لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے تو وہ بولے۔ وہ آدمی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جنہیں جنگلی جانوروں کے ساتھ شریک طعام اس سے زیادہ پسند تھا کہ وہ انسانوں کے ساتھ مل کر طرح طرح کے لذیذ کھانے کھائیں کیونکہ آپ علیہ السلام کو اس سے کراہت تھی۔

ابن مبارک وہیب بن الورد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈتے ہوئے ایک ویران قبرستان میں جا پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ لسلام ایک نئی قبر کھود کر اس میں بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے بولے ''اے میرے بیٹے! میں تمہیں تین دن سے تلاش کر رہا ہوں اور تم اس قبر میں بیٹھے رو رہے ہو''۔ اپنے والد گرامی سے یہ سن کر حضرت یحییٰ علیہ السلام فرمانے لگے ''اے میرے والد محترم دوزخ اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ روئے بغیر منقطع نہیں ہو سکتا'' حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر فرمایا ''تم نے سچ کہا'' اور پھر دونوں مل کر رونے لگے۔ وہب بن منبہ اور مجاہد رضی اللہ عنہما ایسی ہی ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا کے خوف سے روتے روتے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے گالوں میں آنسوؤں کے مسلسل بہنے سے گڑھے پڑ گئے تھے۔

حضرت امام احمد اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے یزید بن ھرون کی زبانی ثابت، ابی رافع اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نجار تھے۔

یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو روایت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن حضرت زکریا علیہما السلام مدیسین میں شمار ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک حدیث نبوی ﷺ میں جو ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر متعدد حوالوں کے علاوہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما جوانان جنت کے سردار ہوں گے۔ لیکن اس

کے بعد آپ ﷺ نے اس میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بھی شامل کر لیا۔

اسرائیل نے ابی حصین اور خیثمہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی تھے۔ نیز یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صوف کے کپڑے پہنتے جبکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اونٹ اور خرگوش کے بالوں سے بنا ہوا لباس استعمال کرتے تھے۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں علیہما السلام کے پاس دینار و درہم یا لونڈی یا غلام کوئی چیز نہ تھی بلکہ معمولی ضروریات زندگی سے بھی بے نیاز تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق مندرجہ بالا دونوں مضمون کتاب ''البدایہ والنہایہ جلد دوئم کے ص ۵۲ تا ص ۵۵ سے اخذ کر کے بیان کئے گئے۔

آج کل کے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کو مندرجہ بالا بیانات کو غور سے پڑھ کر اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور غریب و مسکین لوگوں کو یہ پڑھ کر صبر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں نے کس طرح زندگی گزاری ہے (مؤلف)

حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیرودس کے دور حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور جنگل و بیابان میں رہتے تھے ٹڈی اور شہد آپ علیہ السلام کی خوراک تھی۔ اونٹ کے بالوں کا آپ علیہ السلام کپڑا پہنتے تھے اور چمڑے کا کمر بند ہوتا تھا۔ یہود نے ارض مقدس کے کاہنوں کا آپ علیہ السلام کو سردار بنایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی (لیکن اس سے قبل قرآن پاک کی آیات کی تفسیر کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز کیا تھا)۔

آپ علیہ السلام کے زمانے میں یہود پر بیت المقدس شریف میں انطیفس بن ہیرودس حکومت کر رہا تھا۔ جو اپنے باپ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ بادشاہ نہایت شریر اور فاسق فاجر تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی بھاوج کو گھر میں ڈال لیا۔ اور اسے اپنی بی بی بنا لیا تھا حالانکہ اس کی بھاوج صاحب اولاد تھی۔ چونکہ یہ امر یہودیوں کی شریعت میں ناجائز تھا۔ اس وجہ سے علماء یہود اور کاہنوں نے جن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی تھے اس کے فعل سے بیزاری اور نفرت ظاہر کی۔ اس وجہ سے ہیرودس غصے میں آ گیا اور اس نے ان سب کو مع حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل کر ڈالا۔

اگرچہ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے اور بہت سے اسباب ظاہر کئے ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ علماء تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے وقت حضرت زکریا علیہ السلام زندہ تھے یا نہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کر دیئے گئے تو بنی اسرائیل نے حضرت زکریا علیہ السلام کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ آپ علیہ السلام جان کے خوف سے بھاگ کر ایک باغ میں پہنچے اور ایک درخت میں چھپ گئے لیکن چادر کا ایک گوشہ باہر رہ گیا جس سے لوگوں کو آپ علیہ السلام کے بارے معلوم ہوا۔ انہوں نے درخت کو آرے کے ساتھ مع حضرت زکریا علیہ السلام دو ٹکڑے کر دیا۔ بعضوں کا یہ بیان ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت سے پہلے انتقال فرما چکے تھے۔ جو درخت میں چھپے تھے۔ جنہیں یہود نے دو ٹکڑے کر دیئے تھے وہ حضرت شعیا علیہ السلام تھے۔ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

علماء تاریخ نے آپ علیہ السلام کے مدفن میں بھی اختلاف کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ارض مقدس میں دفن کئے گئے اور یہ ہی صحیح ہے۔ حضرت ابو عبید بسند حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ کہ بخت نصر جب دمشق سے آیا تو اس نے حضرت یحییٰ بن حضرت زکریا علیہما السلام کے خون کو جوش زن پایا۔ اس نے پھر اس خون پر ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا جس سے اس کا خون کا جوش رک گیا۔ لیکن یہ روایت نہایت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی زمانے میں تھے۔ اور یہ امر باتفاق ثابت ہو چکا ہے کہ آپ علیہ السلام بخت کے بہت زمانے بعد پیدا ہوئے تھے۔

اسرائیلیات میں یعقوب بن یوسف نجار کی تصنیف سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ ہیرودس نے حضرت زکریا علیہ السلام کو اس وقت قتل کیا جبکہ مجوسی جناب الیشوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ڈھونڈنے آئے تھے اور پھر ہیرودس نے حضرت زکریا علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کے لڑکے یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کو ان کے لڑکوں کے ساتھ قتل کئے جانے کے لئے طلب کیا۔ جو بیت اللحم میں قتل ہو رہے تھے۔ لیکن اس سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ

آپ علیہ السلام کو ساتھ لے کر سفراء بھاگ گئیں تھیں۔ وہ اس کے خوف سے وہیں روپوش تھیں۔ لہٰذا حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی لاعلمی کا ذکر کیا۔ اور یہ فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ ہیں۔ ہیرودس نے آپ علیہ السلام کے اس جواب کو ناکافی سمجھا۔ اور پہلے سے زیادہ آپ علیہ السلام پر سختی کی اس کے بعد اس نے حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کرادیا۔ اور کچھ روز بعد خود بھی مر گیا۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۸۰ تا ۱۸۱)

اب کتاب ''البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۵۶ اور ص ۵۷'' سے اخذ کر کے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کے جو اسباب بیان کرنے والوں نے بیان کیے ہیں ان میں ایک خاص سبب جو سب سے زیادہ مشہور ہے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اس زمانے کے بادشاہ کی یہ خواہش تھی کہ آپ علیہ السلام اس کی حرم کی عورتوں میں سے ایک کے ساتھ اپنی پسند سے شادی کر لیں۔ جبکہ آپ علیہ السلام کو عورتوں سے کوئی رغبت نہ تھی۔

اس لئے بادشاہ کے خود کہنے کے باوجود آپ علیہ السلام نے شادی کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے بادشاہ آپ علیہ السلام کا دشمن ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کو قتل کر کے آپ علیہ السلام کا سر ایک طشت میں رکھ کر اسے پیش کیا جائے۔ سپاہیوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے زمانے کے جیسا کہ کلام پاک میں آپ علیہ السلام کے بارے میں کلمات سیداً و حصوراً سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام انتہائی حسین و جمیل شخص تھے اس واسطے اس بادشاہ کی بیوی آپ علیہ السلام کی طرف مائل ہو گئی تھی اس لئے آپ علیہ السلام کو خلوت میں طلب کیا لیکن آپ علیہ السلام نے صاف طور پر انکار کر دیا۔ جسکی وجہ سے بادشاہ کی بیوی نے غصہ میں آ کر اپنے خاوند سے قتل کرا دیا۔ اس کتاب میں بھی کئی روایات بیان کی گئیں ہیں لیکن وہ قابل قبول نہیں۔ لیکن اس کتاب کے ص ۵۶، ۵۷ پر ایک حدیث اسراء جو بیان کی گئی ہے۔ وہ یہاں بھی بیان کی جاتی ہے۔

حدیث اسراء میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت بارے جو واقعہ مذکور ہے وہ اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بعد سلام دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو درخت کے تنے پر آرا چلا کر شہید کیا گیا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو ان کا صبر واقعی قابل رشک تھا۔ اس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ واقعہ آپ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خود حضرت زکریا علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بتایا کہ مجھے بنی اسرائیل کے بادشاہ وقت کے ظالمانہ حکم سے بیت المقدس شریف کے محراب میں نماز پڑھتے ہوئے شہید کیا گیا تھا لیکن اس وقت بھی میری پوری توجہ نماز کی طرف رہتی تھی۔ اور اپنے دل میں ذرہ بھر بھی کچھ اور خیال نہ آیا۔ اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس بات کی بھی تصدیق کی تھی کہ بعد شہادت ان کا سر ان کی لاش سمیت طشت میں رکھ کر اس بادشاہ کو پیش کیا گیا تھا۔

حدیث اسراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرف بہ حرف صحیح الفاظ یہ ہیں کہ ''جب میں باہم خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے پاس سے گزرا''، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور قول جمہور سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایشاع بنت عمران، مریم بنت عمران کی بہن تھی۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایشاع حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں جو عمران کی بیوی حنہ کی بہن تھیں تو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی کس رشتہ سے تھے؟ واللہ اعلم

اب پہلے مندرجہ بالا اعتراض کا جواب جو صاحب کتاب ''تذکرۃ الانبیاء'' نے ص ۱۰۸ پر دیا ہے وہ بیان کیا جاتا ہے۔

صاحب تقریب نے جواب دیا ہے کہ حدیث پاک میں مجاز پایا گیا ہے۔ کثیر طور پر خالہ کی بیٹی کو عزت و تکریم کے پیش نظر خالہ کہہ دیا جاتا ہے (جیسے ہمارے رواج میں ماں کی خالہ اور ماموں کو بچے خالہ اور ماموں کہہ دیتے ہیں۔) مقصد صرف ان دونوں انبیاء علیہما السلام کی قرابت کو بیان کرنا ہے کہ ان دونوں میں باعتبار خالہ کے رشتہ پایا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

خیال رہے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن محی السنۃ اور علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہما اس کے قائل ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ ایشاع حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی بہن تھیں۔

لیکن جبکہ حنہ زوجہ عمران نے منت مانی کہ اے اللہ (عزوجل)! مجھے بچہ عطا فرما منت اس قسم کی اسی وقت مانی جاتی ہے جب کوئی اولاد نہ ہو اور یہ بھی کہ حنہ اس وقت بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی تھی اولاد کی کوئی امید نہ تھی تو منت اس طرح مانی کہ اے اللہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ اگر جیتا جاگتا تندرست بچہ پیدا ہوا تو اس کو بیت المقدس شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی۔ تو جب اس طرح حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی اور کوئی بہن ہی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح تذکرۃ الانبیاء کرام علیہم السلام کے حوالہ سے مندرجہ بالا میں بیان ہو چکا ہے کہ کثیر طور پر خالہ کی بیٹی کو عزت و تکریم کے پیش نظر خالہ کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح ہی صحیح ہے (مؤلف)

اس کی تصدیق کے لئے ایک حدیث مبارکہ جو کہ تذکرۃ الانبیاء ص ۶۰۹ پر بیان کی گئی ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عمران کی زوجہ حنہ کی اولاد نہیں تھی۔ یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی تھی ایک دن درخت کے سائے میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو چوگ کھلا رہا تھا تو آپ کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ (عزوجل)! مجھے بچہ عطا فرما۔ آپ کی دعا کو قبول کر لیا گیا۔ جب آپ حاملہ ہو گئیں تو آپ نے نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے۔ اُسے میں بیت المقدس شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی جو تیرے گھر کی خدمت گزاری کرے گا اگرچہ آپ نے صرف اتنا ہی کہا تھا۔ جو میرے پیٹ میں ہے۔

لیکن اس سے مراد مذکر تھا کیونکہ اس وقت بیت المقدس شریف کی خدمت کے لئے مذکر بچے ہی وقف کئے جاتے تھے۔ مونث بچیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں۔ جب آپ نے اپنی نذر کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو انہوں نے کہا اگر تمہاری بچی پیدا ہو گئی تو پھر کیا کرو گی۔ تو انہوں نے پھر اپنے رب تعالیٰ کے حضور عرض کی "فتقبل منی" اے اللہ تعالیٰ میری نذر قبول کر۔ یعنی مجھے بچہ ہی عطا کرتا کہ میں اسے بیت المقدس شریف کی خدمت کے لئے وقف کر سکوں (روح المعانی، کبیر)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی والدہ نے جو نذر مانی تھی۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہام ہوا تھا۔ اگر الہام نہ ہوتا تو شاید آپ منت بھی نہ مانتی۔ یہ ایسے ہی تھا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے حالانکہ اس میں صراحتاً وحی نازل نہیں ہوئی تھی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی الہام کے ذریعے ہی آپ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔ (تذکرۃ الانبیاء ص ۶۱۰)

مندرجہ ذیل ضیاء القرآن جلد سوئم ص ۶۹ اور ۷۰ سے نقل کیا جاتا ہے۔

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبوت منصب پر فائز کیا گیا۔ تو آپ علیہ السلام کو کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ علیہ السلام کی زندگی بتاتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس حکم خداوندی کو تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑیوں میں جا کر لوگوں کو پیام حق سنایا اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب بتائی۔ بے شمار لوگ آپ علیہ السلام کی تبلیغ سے راہ راست پر آ گئے۔ فسق و فجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ قوم کے ہر طبقہ کو آپ علیہ السلام نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر ان کو خبردار کیا۔

علمائے بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے تھے کہ احکام الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ انہیں بڑی سختی سے جھنجوڑا اور بڑے سخت لہجہ میں انہیں فرمایا۔

"اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا ہے کہ آنے والے غضب سے بھاگو۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ۔ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو۔ کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان پتھروں سے ابراہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے (متی باب نمبر ۳ آیت نمبر ۷ تا نمبر ۱۰)

آپ علیہ السلام کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا۔ بادشاہی دربار بھی آپ علیہ السلام کے نعرہ حق سے لرزہ براندام تھا۔ بادشاہ وقت ہیرودیس نے

اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو برملا جا کر کہا۔ اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھ کو جائز نہیں۔

انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

''پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرادے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا تھا اور اسے بچائے رکھتا تھا۔ اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا۔ مگر سنتا خوشی سے تھا اور ایک موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں، فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا۔ تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا۔ جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دے دونگا۔ اور اس لڑکی نے پھر جا کر اپنی ماں سے پوچھا کہ میں کیا مانگوں اس نے کہا یوحنا بپتسمہ (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) دینے والے کا سر۔ وہ لڑکی فوراً بادشاہ کے پاس آئی اور اس سے عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوادے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا۔ اور اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے انکار نہ کرسکا۔ پس بادشاہ نے فوراً ایک سپاہی کو حکم دیا کہ وہ جا کر آپ علیہ السلام کا سر لائے اس نے قید خانہ میں جا کر آپ علیہ السلام کا سر کاٹا اور ایک تھال میں رکھ کر لایا اور اس لڑکی کو دیا۔ لڑکی نے اپنی ماں کو دیا (مرقس باب نمبر ۶ آیت ۱۹:۲۸)

اس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب تعالیٰ کے اس فرمان ''اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی اور طاقت سے پکڑ'' کی تکمیل کا حق ادا کیا۔

(پ ۱۶ سورہ مریم آیت نمبر ۱۲) (از ضیاء القرآن جلد نمبر ۳ ص ۷۰ پ ۱۶)

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بادشاہ کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے شہر سے باہر جانے کا رخ کیا۔ بادشاہ نے اپنی فاحشہ عورت کے کہنے پر آپ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے بھی اپنے سپاہیوں کو بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی جان کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو ایک درخت کے تنے میں چھپالیا جو اندر سے خالی تھا۔ آپ علیہ السلام کو درخت کے اندر سے خالی تنے میں جب پایا گیا۔ تو ان لوگوں نے درخت کو اوپر سے نیچے آرے سے کاٹ دیا۔

یعنی اس طرح آپ علیہ السلام کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے آپ علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا۔

خیال رہے کہ جان کی حفاظت کا وعدہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ نے فرمایا۔

''اور اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو لوگوں سے بچائے رکھے گا''۔

اور دوسرے رسولوں سے جو نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اتنے بڑے لوگوں کی مخالفت کے باوجود میرے احکام ان تک پہنچا سکوں گے۔ تمہارے دلائل کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور تمہارے بدلے میں ان کے کئی آدمیوں کو قتل کر دوں گا۔ جب دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو لوگوں سے بچائے رکھنے کا وعدہ نہ فرمایا تو ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ) وہ (بنی اسرائیل) انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے (پ ۱ سورہ البقرہ آیت نمبر ۶۱) یعنی وہ خود بھی سمجھتے کہ ہم ظلم کر رہے ہیں ہمیں قتل کرنے کا کوئی حق نہیں۔

(اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا) بے شک ہم اپنے رسولوں کی امداد کرتے ہیں یعنی دلائل و حجت اور ظاہری غلبہ میں (از روح المعانی ج اوّل ص ۲۷۷)

بحوالہ تذکرۃ الانبیاء ص ۶۳۱، ۶۳۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے ابتداء کر رہا ہوں

آج مورخہ 2009-10-02 مطابق ۱۶ شوال ۱۴۳۰ھ بروز جمعۃ المبارک بوقت تین بجے بعد نماز جمعۃ المبارک

سیّدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

شجرۂ نسب

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن حضرت مریم سلام اللہ علیہا بنت عمران بن ہاشم بن امون بن میشا بن حزقیا بن احدیق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن ایشا بن ایان بن رحعام بن حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام اور حضرت ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن حضرت مریم سلام اللہ علیہا بنت عمران بن ماثان بن العازر بن الیود بن اخز بن صادوق بن عیازوز بن الیاقیم بن ایہود بن زریابیل بن شالقال بن یوحینا بن برشا بن امون بن میشا بن حزقا بن احاز بن عزریا بن یورام بن یوشافاط بن ایشا بن ایا بن رحعام بن حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام (البدایہ والنہایہ جلد دوئم ص ۶۰) اور تاریخ ابن خلدون جلد دوئم ص ۷۹ اپر) اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پڑنانہ (حاثان) بن عاذر بن یہود بن اخس (اخیم) بن رادوق (صادوق) بن یوعازور (عزور) بن الیاقیم بن ایود (ابیہود) بن زرقابل (رربابل) بن سالات (شئیل) بن یوحنانیا (یکہنیاہ) بن یوشیاہ (ملوک بن اسرائیل کا سولہواں بادشاہ) بن امون بن عمون بن منشا بن حزقیا بن احاز (احز) بن یواش (یوتم) بن اخریاہ (عزیاہ) بن یورام بن یہوشافاظ (یہوشافط) بن اساہ بن رجعم بن حضرت سلیمان بن حضرت داؤد علیہما السلام کی نسل سے ہے اور یوحنانیا بن یوشیا (سولہواں بادشاہ بنی اسرائیل) جلاوطنی کے دنوں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ نسب میں (ابن خلدون) نے متی (انجیل سے نقل کیا ہے بنی حشمنائی کے بعد کاہنوں کی سرداری اس وقت بنی ماثان کر رہے تھے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شجرہ اور البدایہ والنہایہ میں مذکورہ شجرہ ان ہی کے نام سے درست معلوم ہوتا ہے" واللہ اعلم"

ہیرودیس کے زمانے سے پہلے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے والد عمران کاہن اعظم تھے۔ ابن اسحاق امون بن منشا کی طرف منسوب کر کے ان کا نسب کچھ یوں بیان کرتا ہے۔ عمران بن ہاشیم بن امون بن منشا حالانکہ عمون اور عمران میں ایک بڑی مدت ہونے کی وجہ سے صرف ایک پشت کا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ امون ارض مقدس کی ویرانی اوّل سے کچھ دن پہلے تھا۔ جبکہ عمران دور حکومت ہیرودس میں ویرانی ثانی سے چند دن بعد گزرا ہے۔ اس طرح ان دونوں ویرانیوں میں چار سو برس کا فرق پڑتا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتا ہے کہ عمران زریافیل کی اولاد سے ہے۔ جو بنی اسرائیل کے ارض مقدس کی جانب واپسی کے وقت ان کا حاکم تھا۔ زریافیل یخنیا (بنی اسرائیل کے آخری بادشاہ) کا بیٹا ہے۔ جسے کہ بخت نصر نے قید کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کے چچا صدقیا ہو کر حکمران مقرر کیا تھا۔ ابن عساکر نے عمران بن ماثان سے زریافیل تک آٹھ اشخاص کا عبرانی الفاظ میں نسب نامہ لکھا ہے غالباً یہ نسب نامہ پہلے سے زیادہ صحیح ہے جسے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے بہر حال عمران پدر حضرت مریم سلام اللہ علیہا اپنے زمانے کے کاہن تھے۔ اور حنہ بت فاقوذ بن فیل ان کی زوجہ تھیں جو اس زمانے میں عابدات سے مشہور تھیں ان کی بہن ایشاع سلام اللہ علیہا حضرت زکریا علیہ السلام ابن یوحنا کی زوجیت میں تھیں جن کے بطن پاس سے حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔" واللہ اعلم"

یوسف بن یعقوب نجار کا ذکر

یعقوب بن یوسف نجار بن یعقوب کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مثان یعنی ماثان حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ اور اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام یعقوب اور دوسرے کا نام یواقیم۔ یعقوب بن ماثان سے یوسف پیدا ہوا جو حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا خطیب یعنی نسبتی منگیتر اور چچازاد (بھائی) تھا۔ اس کے چار بیٹے یعقوب، یوشا، بلوت اور یہوذا جبکہ ایک لڑکی مریم تھی۔ پہلے بیت لحم میں رہتے تھے۔ پھر ناصرہ چلے گئے وہیں سکونت اختیار کی کیونکہ انہوں نے نجاری سیکھ لی تھی اور وہ اس سے بسر اوقات کرتے تھے۔ وہ اسی وجہ سے نجار کے لقب سے مشہور و معروف ہو گئے۔

(ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۷۹)

حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا بیان

یواقیم نے پھر حنہ ہمشیرہ ایشاع زوجہ حضرت زکریا علیہ السلام ابن یوحنا سے عقد کر لیا۔ جب تیس برس تک حنہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو یواقیم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی، وہ دعا قبول ہوئی اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔ اس طرح حضرت مریم سلام اللہ علیہا یواقیم کی لڑکی ہیں اور یواقیم مثان کا لڑکا ہے اور ماثان سبط سلیمان ابن داؤد ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام سے ہے اس صورت میں اعتراض کا قرآن پاک میں حضرت مریم سلام اللہ علیہا بنت عمران لکھا ہے۔ یہ جواب کافی ہے کہ عمران ہی کو عبرانی زبان میں یواقیم کہتے ہیں۔ یہ کثیر الوقوع نام ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوا کرتے ہیں۔ (ابن خلدون جلد دوئم ص ۱۸۰)

اب ضیاء القرآن جلد سوئم سے سورہ مریم کی آیت نمبر ۱۷ تا ۴۰ کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

اس کے فوراً بعد اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور بین ثبوت بیان فرمایا جا رہا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ حیران کن اور اٹل ہے وہ حضرت مسیح کی بن باپ ولادت ہے۔

جو لوگ فطرت کے عام اصولوں کو نا قابل تغیر تسلیم کرتی ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا تسلسل نا قابل شکست ہے اس میں کسی طرح کا ردو بدل ممکن نہیں وہ ایسے واقعات کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور انکے بطلان کے لئے اس کے علاوہ مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ یہ واقعہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔ اسی لئے یورپ کے کئے فلسفیوں نے حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کا صریح انکار کر دیا اور کہا کہ آپ علیہ السلام حضرت مریم اور یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ اور آپ علیہ السلام کی ولادت حسب معمول ہوئی ہے۔ غلام ہندوستان میں جب اس کی صدائے بازگشت سنائی دی تو کئی مرعوب اذہان نے اس کو اپنا جزو ایمان بنا لیا وہ قرآن کا انکار تو نہ کر سکے لیکن اپنی ذہنی فرنگی آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملانے کے جنون میں انہوں نے آیاتِ قرآنی کی ایسی تاویلات کرنی کی جسارت کی جنہیں تحریف قرآن کے بغیر اور کوئی عنوان نہیں دیا جا سکتا۔ انکے شکوک و شبہات کا ناقدانہ جائزہ لینا میرا فرض ہے تا کہ کسی کی بڑی شخصیت فہم قرآن میں حائل نہ ہو لیکن اس بحث میں الجھنے سے پہلے میں آیات قرآنی کی مختصر تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اگر قاری نے آیات قرآنی کو صحیح طور پر سمجھ لیا تو پھر ان شبہات کا رد اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

۱۷ سورہ آل عمران میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ انکے شکم میں جو بچہ ہے وہ اسے بیت المقدس شریف کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔ مریم سلام اللہ علیہا نے جب کچھ ہوش سنبھالا تو انکی والدہ ان کو لے کر آئیں اور انہیں بیت المقدس شریف کے متولیوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انکی سرپرستی اور نگرانی کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کو مقرر کیا گیا۔ ان کی رہائش کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا گیا جو جانب مشرق تھا اور آپ اس میں مصروف عبادت رہا کرتیں۔ النبذ، الطرح والرمی۔ کسی چیز کو پھینک دینے کو نبذ کہتے ہیں۔ الانتباذ الاعتزال و الانفراد۔ انتباذ کا معنی لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لینا۔

۱۸ آپ سلام اللہ علیہا ایک روز گوشہ تنہائی میں مصروف عبادت تھیں۔ اچانک کیا دیکھا کہ ایک تندرست و خوبرو نوجوان آ انکے بالکل قریب کھڑا

تھے۔ آپ سلام اللہ علیہا یہ خیال کر کے گھبرا گئیں کہ اس کی نیت اچھی نہیں۔ فوراً اسے خدائے رحمٰن کا واسطہ دے کر دست درازی کرنے سے روکا۔ وہ آنے والا جبرائیل علیہ السلام تھا جو بشری صورت میں ان کی خلوت گاہ میں کھڑا تھا۔ اس کی حکمت واضح ہے کیونکہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی ملکوتی شکل میں دیکھنے کی ہمت نہ رکھتی تھیں۔

۱۹۔ جبرائیل علیہ السلام نے انکی اس گھبراہٹ کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں اور تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے اسلئے بطور مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کردی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اگر کسی نعمت کے ملنے کو اس کے ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے۔ اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آجکل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔

۲۰۔ ایک پریشانی سے جان چھوٹی تو دوسری پریشانی نے آ کر دامن پکڑ لیا جو پہلے سے بھی زیادہ ہوشربا اور روح فرسا تھی۔ کہنے لگیں میں کنواری لڑکی ہوں نہ میری شادی ہوئی اور نہ میں بدکارہ ہوں میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ بغی فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور مذکر و مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۲۱۔ جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا ایسا ہی ہوگا۔ قانونِ فطرت تو یہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے بچہ پیدا ہوا کرتا ہے اور بن باپ کے بچہ پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے لیکن اے مریم تیرے رب کا یہ فرمان ہے کہ ایسا بچہ پیدا کرنا اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ وہ ان اصولوں کے سامنے مجبور نہیں جن کے تم خوگر ہو بلکہ وہ اصول اور قوانین نتیجہ خیز ہونے میں اس کے اذن کے محتاج ہیں۔

۲۲۔ اس بچے کو بن باپ کے پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ علت و سبب کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیا جائے۔ نیز یہ بتایا کہ یہ مولود مسعود عام قسم کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ ہماری طرف سے نوید رحمت سنانے کے لئے مقرر کیا جائے گا۔

۲۳۔ اے مریم اس میں تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا بچہ پیدا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اب یہ ہو کر رہے گا۔

آپ ان آیات کے لفظی ترجموں کو ہی اگر پیش نظر رکھیں گے تو ان لوگوں کے نظریہ کا بے بنیاد ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم اس لئے حیران و ششدر ہو گئی تھیں کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ابھی اس کنوارپنے کی حالت میں انکے ہاں بچہ ہوگا حالانکہ بات یہ نہ تھی ابھی تو صرف بشارت دی جا رہی تھی۔ بچہ تو شادی کے بعد پیدا ہونا تھا۔ آپ غور فرمائیں اگر مقصود خداوندی یہی ہوتا جو علم و دانش کے ان بزرگوں نے آیات سے اخذ کیا ہے تو پھر اسلوبِ کلام یہ نہ ہوتا۔ صرف اتنا کہہ دیا جاتا کہ مریم جب تو شادی کرے گی تو بچہ پیدا ہوگا۔ کلام الٰہی کا انداز ان لوگوں کے نظریات کی واضح تردید کرتا ہے۔

۲۴۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھونک ماری اور حمل قرار پا گیا۔ منشائے خداوندی پر مطلع ہو کر مریم خود تو مطمئن ہو گئیں لیکن اپنے دامنِ عفت کو لوگوں کی بہتان تراشیوں سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ ہر ایک سے تو رازِ الٰہی کہا بھی نہیں جا سکتا اور اگر کہہ بھی دیا جائے تو مانے گا کون۔ اس لئے آپ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ چنانچہ اپنے حجرہ کو خیر باد کہی اور ایک دور گوشہ میں چلی گئیں۔ خود سوچئے اگر یہ حمل شادی کے بعد ہوتا تو انہیں اپنا گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی۔

۲۵۔ جب وقت پورا ہو گیا اور وضع کا درد شروع ہوا تو کھجور کے ایک تنے کی اوٹ میں آ گئیں۔ وضع حمل کی تکلیف شروع ہے۔ کوئی دایا پاس نہیں اور سر چھپانے کے لئے جھونپڑا تک نہیں اور یہ احساس تیز تر ہو گیا ہے کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب بچہ پیدا ہوگا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ شدت بیچارگی و درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ ہی گئے۔ یالیتنی الایۃ غور فرمایئے اگر یہ حمل شادی کا

ہوتا تو وہ اپنے گھر میں آرام سے پلنگ پر لیٹی ہوتیں۔ زیادہ نہ سہی تو ایک آدھ دایا خبر گیری کے لئے ہی پاس ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ شادی شدہ عورت بچہ جننے کے لئے تنہا وادیوں میں گھوم رہی ہو۔ اسے ایک سوکھا ہوا کھجور کا تنا نظر آئے تو اس کی پناہ لینے میں ہی غنیمت سمجھے۔

چند الفاظ: قصی۔ دور۔ اجاء۔ جاء پر ہمزہ کا اضافہ کر کے متعدی بنا دیا گیا لیکن اس میں ''آنے'' کے معنی کے ساتھ الجاء مجبوراً آنا کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لکنہ خص بالالجافی الاستعمال (مظہری) مخاص (مصد) وجع الولادۃ دردِ زہ جب بچہ باہر نکلنے کے لئے شکم میں حرکت کرنے لگے تو عرب کہتے ہیں مخضت المراۃ (مظہری)

۲۶۔ جب آپ کی پریشانی حد سے گزر گئی تو نیچے سے تسلی آمیز آواز آئی۔ مریم غم نہ کرو یہ دیکھو تیرے لئے تیرے رب نے ایک خشک ندی میں پانی جاری کر دیا ہے جب اس کی نظر عنایت ہردم اور ہر لحظہ تیری طرف مائل ہے تو پھر تو کیوں دلگیر ہو سریا: السری النھر الصغیر جمہور علماء کے نزدیک آیت میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سری کا معنی وہ مرد عظیم ہے جو خصالِ حمیدہ سے متصف ہو السری من الرجال العظیم الخصال السیّد (قرطبی)

اِس صورت میں آیت کا معنی ہوگا اے مریم تو کیوں غمزدہ ہوتی ہے نیچے پڑے ہوئے اس معصوم بچے کو دیکھ، جس کی پیشانی پر سیادت وعظمت کی انوار دمک رہے ہیں۔

۲۷۔ قدم قدم پر اپنی عنایات سے سرفراز فرمایا جا رہا ہے۔ اس تنے کو ذرا جھنجھوڑ تمہارے کھانے کے لئے عمدہ پکی ہوئی کھجوریں تیرے قدموں میں آگریں گی۔ وہی پروردگار جو حجرہ عبادت میں تجھے بے موسم کے پھل کھلایا کرتا تھا وہی آج تیرے ایام زچگی کے لئے تازہ اور میٹھے خرموں کا اہتمام فرما رہا ہے۔ جنی وہ پکا ہوا پھل جو توڑنے کے قابل ہو جائے الجنی الذی بلغ الغایۃ وجاء اوان اجتنانہ اطباء کے نزدیک ایام زچگی میں عورت کے لئے بہترین خوراک تازہ اور شیریں کھجور ہے۔

۲۸۔ اس آیت میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔

۲۹۔ اگر کوئی شخص تیری گود میں بچہ دیکھ کر تم پر زبانِ طعن دراز کرنے لگے تو تمہیں اپنے دفاع کے لئے بولنے کی ضرورت نہیں تم خاموش رہنا اور معترضین کو بتا دینا کہ میں روزہ دار ہوں اس لئے گفتگو نہیں کروں گی۔

۳۰۔ جب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تو اپنے فرزند دلبند کو گود میں اٹھا کر اپنے گھر لوٹیں۔ جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ مریم' کنواری مریم' بچہ اٹھائے آ رہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہوگا اگر فرطِ خجالت سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ یمریم الخ وھب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ ملامت کرنے کے لئے مرد و زن دوڑے آئے۔ ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ سوکھ گیا۔ ایک مرد نے کہا یہ تو زنا کارہ ہے تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا بُرا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم انداز میں اتنا ہی کہہ سکے قد جئت شیئا فریا کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں الفری کفنی الامر المختلق المصنوع او العظیم نقلھما الجوھری او العجیب نقلہ الراغب یعنی فری جوغنی کا ہموزن ہے جوھری نے اس کے دو معنی ذکر کئے ہیں۔ المختلق المصنوع گھڑا ہوا بناوٹی اور اور العظیم بہت بڑا۔ امام راغب نے اس کا معنی عجیب، حیران کن کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حیان اندلسی نے اس کا معنی العظیم الشنیع بتایا ہے۔ یعنی بہت قبیح فعل ہے۔ (بحر)

علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے انہ یستعمل فی العظیم من الامر شرا او خیرا قولا او فعلا (روح المعانی) ہر بڑے کام کے لئے خواہ وہ بُرا ہو یا اچھا۔ قول ہو یا فعل۔ یہ لفظ (فری) استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ وضاحت مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے۔ اور موقع کے بھی مناسب ہے۔ اس لئے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۱۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ سلام اللہ علیہا کے کسی بھائی کا نام ہارون تھا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے

کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں مریم کو اختِ ہارون، ہارون کی بہن کہا گیا ہے حالانکہ ہارون مریم سے صدہا سال پہلے گزرے ہیں۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ جب واپس آئے تو بارگاہِ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔ انهم كانوا يسمون بانبيائهم و الصالحين قبلهم کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیاء کرام علیہم السلام کے اور پہلے بزرگوں کے ناموں پر رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کے ایک بھائی تھے جن کا نام حسبِ دستور حصولِ برکت کے لئے حضرت ہارون کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دیگر علما نے لکھا ہے کہ ہارون سے مراد حضرت ہارون ہی ہیں۔ کیونکہ مریم ان کے خاندان سے تھیں۔ اس لئے اختِ ہارون کہا گیا۔ عرب میں جب قبیلہ کے کسی فرد کو قبیلہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو لفظ اخ استعمال کرتے ہیں جیسے یا اخامضر یا اخاتمیم حدیثِ پاک میں ہے ان اخاصداء قد اذن فمن اذن فهو يقيم (قرطبی) یعنی صداع کے بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔

۳۳۔ جن الفاظ سے لوگ مریم کو عار دلا رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا۔ تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی۔ تم نے یہ بے دین اور بداعتقاد لونڈا کیسے جنا۔ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیرا باپ ''امرء سوء'' (مرد بدکار) نہ تھا۔ اور تیری ماں ''بغیا'' (بدکارہ) نہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ عورت کو یوں عار دلائی جاتی ہے۔

۳۴۔ حسبِ ارشادِ خداوندی مریم خود چپ رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو پوچھنا ہے اس سے پوچھو۔

۳۵۔ انہوں نے کہا مریم تو ہمارے ساتھ مذاق کرتی ہے۔ خود گم سم ہو کر بیٹھی ہے اور ہمیں اس شیر خوار بچے سے گفتگو کرنے کو کہتی ہے جو ابھی جھولے میں جھول رہا ہے۔ ہم اس سے کیسے بات کر سکتے ہیں۔ آیت میں ''کان'' کا لفظ تحقیق طلب ہے کیونکہ وہ حضرات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کے قائل نہیں انہیں اس سے بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین فرما لیجئے تاکہ آگے جب ان کی غلط فہمی کا تذکرہ آئے تو آپ کو کسی کی تشویش لاحق نہ ہو۔

کان فعل ناقص ہے۔ اور ماضی کا صیغہ ہے جو گزشتہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح آیت کا معنی یوں ہوگا کہ ہم ان سے کیسے بات کریں جو گزشتہ زمانے میں پنگھوڑے میں بچہ تھا۔ یہ معنی کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے علماء اسلام طاب الله ثراهم نے اس آیت کے ضمن میں کان پر بڑی مفید بحث کی ہے۔ من كان في المهد صبيا

ابو عبیدہ (امام نحو و ادب) نے کہا ہے کہ یہاں کان زائدہ ہے اور محض تاکیف کا فائدہ دیتا ہے اور کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتا۔ كان زائدة لمجرد التاكيد من غير دلالة على الزمان (روح المعانی)

بعض نے کہا ہے کہ یہ تامہ ہے۔ ان دونوں صورتوں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر کان زائدہ ہوتا تو ''صبیا'' خبر کو کیسے نصب دیتا اور اگر کان تامہ تھا تو اسے خبر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ حالانکہ یہاں ''صبیا'' خبر مذکورہ ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صبیا خبر نہیں بلکہ حال ہے اور اسی وجہ سے منصوب ہے۔

علامہ ابن حیان اندلسی یہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کان ناقصہ ہے اور صبیا اس کی خبر ہے اور کان زمانہ ماضی پر دلالت کرنے کے ساتھ زمانہ حال میں اس فعل کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ زمانہ ماضی میں پائے جانے کے ساتھ ساتھ وہ فعل زمانہ حال میں بھی بدستور پایا جا رہا ہے۔ جیسے كان الله غفورًا رحيمًا کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ غفور رحیم تھا اور اب بھی ہے یا جیسے ولا تقربوا الزنى انه كان فاحشه زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ۔ یہ پہلے بھی بے حیائی کا کام تھا اور اب بھی ہے۔ یہ نہیں کہ گزشتہ زمانہ میں تو زنا فحش و قبیح تھا اور اب نہیں ہے۔

والظاهر انها ناقصة فتكون بمعنى صارا و تبقى على مدلولها من اقترن مضمون الجملة بالزمان الماضي ولا يدل ذلك على الانقطاع كما لم يدل في قوله و كان الله غفورًا رحيمًا و في قوله و لا تقربوا الزنى انه كان فاحشة . والمعنى كان

و هوا لا ن علی ما کان و لذلک عبر بعض اصحابنا ان کان هذه بانها تراداف لم یزل (البحرالمحیط)

۳۶ آپ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ یہ باتیں سن کر آپ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی طرف رخ کر کے یہ کلام معجز نظام ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ نہ میں خدا ہوں اور نہ خدا کا بیٹا۔ جس طرح ان کے پرستار ان کے متعلق اعتقاد رکھنے والے تھے۔ آنے والی غلطیوں کا پہلے دم ہی ازالہ فرما دیا۔ نیز مقام عبدیت تمام مقامات قرب سے اعلیٰ ترین مقام ہے۔

۳۷ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دے گا۔ اور مجھے وقت مقررہ پر نبی بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ اور مجھے بابرکت کرے گا بلکہ تمام صیغے ماضی کے استعمال ہوئے ہیں جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب مرحمت فرمادی ہے۔ مجھے نبی بنا دیا ہے اور مجھے بابرکت کر دیا ہے۔ اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی ان نعمتوں سے سرفراز فرما دیا تھا لیکن علامہ قرطبی نے اس وجہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) جو چیز علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو وہ اگرچہ وقوع پذیر نہ ہو پھر بھی اس کو زمانہ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے واقع ہونے میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔

وقیل ان ذلک سبق فی قضائه و سابق حکمه و یحتمل ان یجعل الآتی لتحققه کانه قدوجد (بحر)۔ مبارک کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔ قال مجاهد نفاعاً بہت نفع رساں وقال سفیان معلم خیر (بھلائی کی تعلیم دینے والا) و قیل آمراً بمعروف و ناهیا عن منکر۔ نیکی کا حکم دینے والا برائی سے روکنے والا و عن الضحاک قضاءً للحوائج بہت حاجت روا۔ (روح۔ بحر)

۳۸ اس سے مراد یا تو شرعی نماز اور زکوٰۃ ہے یا نماز سے مراد دعا اور زکوٰۃ سے مراد نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا تھا اس کو دور کرنے کے لئے آپ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی برات کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ موثر، دلنشین اور بلیغ اسلوب نہیں ہو سکتا۔ یعنی کیا ایک زانیہ کے شکم سے ایسا بچہ تولد ہو سکتا ہے جو ان کمالات کا حامل ہو۔ میرا صاحب کتاب نبی ہونا میرے وجود کا سراپا برکت ہونا کیا اس بات کی بین دلیل نہیں کہ میری والدہ تقیہ، عفیفہ، زاہدہ اور قانتہ ہیں۔

اگر کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی عفت اور پاکدامنی کا یقین نہ آئے تو وہ اپنے ذوق کا ماتم کرے۔

۳۹ قرآن کریم کی جو آیات میں ولادت مسیح کا مفصل تذکرہ ہوا ان کا آپ نے مطالعہ فرما لیا۔ آیئے اب ان لوگوں کے موقف کا علمی محاسبہ کریں۔ جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے نہیں ہوئی بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں۔ اس طائفہ کے سرخیل سر سیّد احمد خاں ہیں۔ جس شرح و بسط سے انہوں نے اس پر بحث کی ہے اور اپنی طرف دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ انہی کا حصہ ہیں۔ باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چین ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوع بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

''وہ لکھتے ہیں کہ مسیح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں۔ اس لیے ہم نہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ آپ علیہ السلام کی پیدائش کے لیے بلاوجہ قانون فطرت کو توڑا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہار قدرت کے لئے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بین اور ظاہر ہو تاکہ کسی کو مجال انکار نہ رہے اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امر مخفی ہے۔''

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لئے زیادہ مغز ماری کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا ولنجعله آیة للناس کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کن اعتبار سے لوگوں کے لئے

آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت شام و فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔ تخلیقِ عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ یہ تھا کہ خالق سے تخلیقِ عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح خالق سے عالم کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتا دیا کہ وہ ذاتِ پاک جو خالقِ کائنات اور مبدعِ ارض و سمٰوٰت ہے اس کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے۔ وہ مادی اسباب کی پابند نہیں۔ اور نہ ان کے سامنے مجبور و مقہور ہے بلکہ وہ قادر و توانا ہے۔ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نیز وہ لوگ عالمِ ارواح کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کے نزدیک انسان صرف اس گوشت پوست کے ڈھانچے کا نام تھا۔ یہاں انسانی نطفہ کے بغیر نفخ روح سے آپ کے پیدا کر کے منکرین عالمِ ارواح پر اس بات کو آشکارا کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی۔ اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ آپ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے اور یہ درست نہیں۔ کیونکہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی دی گئی تھی اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا۔ اس لئے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔ سبحان اللہ کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون اُن کو بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ مریم کے "لم یمسسنی" الخ کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مریم نے اظہارِ تعجب اس لئے کیا تھا کہ اُن کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ فقط بچے کی پیدائش کی بشارت تھی۔ اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہونی تھی۔ آپ خود انصاف فرمائیں اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لئے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ مریم گھبراؤ نہیں بچہ تب پیدا ہو گا جب تم شادی کر لو گی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعدِ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

پھر فرماتے ہیں آپ کا آیۃ للناس ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ علیہ السلام بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے۔ کیونکہ نشانی ایسی ہونے چاہئے جو واضح ہو اور جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ یہ تو ایک امر مخفی ہے۔ اس پر بیسیوں شہادت وارد کئے جا سکتے ہیں۔

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرتِ خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکارہ ہو۔ حضرت مسیح کے کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہو گئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہو گیا کہ ایسا نورانی اور سراپا یمن و برکت بچہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ باقی رہے بدفطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔ زمین و آسمان، دریا و صحرا، چاند ستارے کسی چیز میں بھی ان کور باطنوں کو قدرتِ الٰہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیاتِ بینات کو بھی امر مخفی کہہ کر ان پر قلمِ تنسیخ پھیر دینگے۔

اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے "کیف نکلم من کان فی المھد صبیا" سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب و غریب تشریح کر کے عقلِ سلیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کلام مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور ان کو ان کی کجرویوں پر متنبہ کرنے لگے تو علماء یہود احتجاج کرنے کے لئے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بدعقیدگی کی شکایت کی۔ مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کی بجائے اس کو گود میں اٹھا لائیں اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خود اس سے بات کر لو تو انہوں نے جواب دیا "کیف نکلم من کان فی المھد صبیا" "ہم اس شخص کے ساتھ کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالمِ شیر خوارگی میں پنگھوڑے میں

جھولتا رہا تھا۔ آپ نے ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا۔ کیا کہنے اس فہم قرآن کے۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انہیں کسی ایسے عالم سے گفتگو نہیں کرنے چاہئے جسے بچپن میں گہوارے میں لٹایا گیا ہو۔ ان مدعیانِ علم و دانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضب الٰہی کا اندیشہ نہ سہی کہ انہیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں۔ نیز وہ نوخیز جس نے محفلِ عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناطقہ بند کر دیا اور انہیں بر سر عام لاجواب کر دیا اس کے متعلق یہ تو ہو کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہے اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ کل کا بچہ ہے اور عرصہ تک جھولے میں جھولتا رہا ہے۔ اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ رہا یہ کان ماضی کا صیغہ ہے اس لئے زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم اس آیت کی تشریح کے ضمن میں تحقیق کر آئے ہیں۔ آخر میں وہ یہ کہتے ہیں۔

”کہ نہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور نہ حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی۔ اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ نہ کہتے انی عبداللہ الخ بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکارہ نہیں ہے۔ تم محض افترا باندھ رہے ہو“۔

اس کے متعلق میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ خود ہی آیت نمبر ۲۷، ۲۸ کا ترجمہ دیکھ لیں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا یہ بہتانِ زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا انی عبداللہ الخ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی موثر اور ابلغ صورت ہو سکتی ہے۔ الٰہی اپنے محبوب مکرم صاحبِ قرآن ﷺ کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما آمین ثم آمین۔

۴۹؎ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صرف یہود و نصاریٰ میں ہی باہمی اختلاف آراء نہ بلکہ خود عیسائی بھی آپ علیہ السلام کی متعلق ایک رائے پر متفق نہ تھے۔ مفسرین نے ان کے باہمی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تو بنی اسرائیل ایک جگہ اکٹھے ہوئے تاکہ حقیقتِ مسیح کے متعلق کچھ فیصلہ کریں۔ تبادلہ خیال کے لئے انہوں نے چار علماء منتخب کیے۔ پہلے گروہ کے نمائندہ عالم نے مسیح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ کو خدا مسیح کی شکل میں زمین پر اُترا۔ اُس نے جسے چاہا زندہ کیا اور جسے چاہا مار دیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف لوٹ گیا۔ (اس نظریہ کے ماننے والوں کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے) یہ سن کر باقی تین عالموں نے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا۔ دوسرے عالم نے کہا مسیح خدا نہیں بلکہ خدا کا بیٹا ہے۔ (اس رائے کے ماننے والے نسطوریہ کہلائے) لیکن اس کو بھی جھٹلا دیا گیا۔ تیسرے عالم نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ وہ ثالث ثلثہ ہے یعنی تین خدا ہیں۔ ان میں سے مسیح تیسرا ہے۔ چوتھے عالم نے کہا کہ یہ تینوں باتیں سراسر کذب و افترا ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔

انیسویں صدی سے یورپ کے جید علماء کا رجحان اس آخری نظریے کی طرف ہے۔ ڈی۔ ایف۔ سٹراس (David Friedrich Strauss) کی کتاب حیات مسیح (Life of Jesus) مطبوعہ ۱۸۳۵ اور ای۔ اینان (Ernest Renan) کی کتاب حیات مسیح مطبوعہ ۱۸۶۳ء کے بعد عیسائی حلقوں میں اس نظریہ کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔ مختصر الفاظ میں نظریہ یہ تھا کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی قوت و شہود کی معرفت اوروں سے زیادہ حاصل تھی۔

This Implied that Jesus was a man like other men, but with a heightened awarness of the presence and power of God, (Ency of Bri, Vol-13, Page-25)

عیسائیوں کا باہمی اختلاف صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ بے شمار فرقے ہیں اور ہر ایک کا نظریہ حقیقتِ مسیح کے متعلق دوسرے سے مختلف ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۰؎ یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں یعنی یہ لوگ آج تو پیغام حق سننے سے بہرے اور نور حق دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے لیکن کل جب روز قیامت بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے تو ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ (ضیاء القرآن کا بیان ختم ہوا)

اللہ تعالیٰ کے ولایت سے منزہ ہونے اور ظالموں کی طرف سے اس پر سب سے بڑے اتہام کا بیان

سورہ مریم آیت نمبر ۸۸ تا ۹۵ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان:

بعض لوگوں نے یعنی یہود وغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا۔ یعنی فرشتوں، حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو۔ اے یہودیوں کافرو اور عیسائیوں! تم نے عجیب لغو باطل اور سخت قبیح وہولناک بات کہی اور زبان پر بڑا بے ہودہ کلمہ لائے اس سے قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بہہ جائیں یعنی رحمٰن کے لئے لڑکا ولڑکی مقرر کرتے ہیں۔ ہرگز رحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کہ کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنائے۔ جتنی آسمان اور زمین میں مخلوق ہے سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس کے بندہ ہونے کا اقرار کرتی ہے اور سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ سب کو خوب جانتا ہے۔ سب کے سب روز قیامت اس کے دربار میں اکٹھے کئے جائیں گے۔ نہ مال ہوگا نہ اولاد اور نہ کوئی یار نہ مددگار۔

سورہ اخلاص کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں بیان کرتے ہیں۔ قریش نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے بت تو کوئی چاندی کا کوئی سونے کا کوئی پتھر کا ہے۔ تمہارا اللہ تعالیٰ کا ہے کا ہے۔ سونے یا چاندی کا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی شان بیان فرمائی۔ کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! قریش سے کہہ دو۔ کہ وہ اللہ ایک اکیلا ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کے کوئی لڑکا اور اولاد ہے وہ صمد (بے نیاز) ہے بے پرواہ ہے۔ سردار ہے۔ اس کی سرداری انتہا کو پہنچ گئی وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اس کے ماسوا سب کے اس کے محتاج ہیں یا صمد کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج نہیں یا صمد کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس کے پیٹ ہی نہیں کہ اس کے بھرنے کے لئے روٹی پانی کا محتاج ہو جیسے آدمی وغیرہ کے پیٹ ہے خالی۔ یا ''صمد'' کے معنی عیب سے پاک ہے یا ''صمد'' بمعنی دائم ہے ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گا۔ یا ''صمد'' بمعنی باقی ہے۔ یعنی سب کو فنا ہے اور اس کو کوئی فنا نہیں وہ اس عیب سے مبرا ہے یا بمعنی کافی ہے یا یہ معنی کہ آدمیوں کی طرح اس کا پاخانہ پیشاب کا کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ وہ جسم والا نہیں ہے اور یہ سب معنی درست ہیں۔ ایک لفظ کے کئی معنے ہوتے ہیں۔ ایک ذات کی کئی صفتیں ہوتی ہیں۔ نہ اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ نہ کسی کا لڑکا کہ اپنے باپ کا وارث ہو۔ اور نہ اس سے کوئی لڑکا ہے کہ وہ اس کے ملک کا وارث ہو۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ نہ اس کی برادری اور نہ کفو ہے۔ نہ مثل نہ ہمسر نہ اس کے کوئی مشابہ اور ہم شکل ہے نہ ہے اور نہ ہو سکے وہ سب سے برتر واعلیٰ اور بے مثل ہے۔ وہ صورت وشکل وجسم وروح وغیرہ سارے جہاں کی چیزوں سے پاک ومبرا ہے کیونکہ صورتوں والے جسم وروح والے سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف اس کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ لہٰذا کوئی مخلوق اس کے مثل نہیں ہو سکتی۔

سورہ النساء آیت نمبر ۱۷۱ تا نمبر ۱۷۳ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح ہے:

آیت نمبر ۱۷۱: ان تمام مدلل ارشادات کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اہل کتاب سے فرمایا: اے کتاب والو! اپنے دین میں اس قدر ہٹ دھرمی نہ کرو۔ حد سے باہر نہ نکلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے افتراء نہ اٹھاؤ۔ صدق وراستی کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ حضرت عیسیٰ (مسیح) علیہ السلام کے بارے میں جھوٹی باتیں نہ بناؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم (سلام اللہ علیہا) کے بیٹے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے کلمہ کن سے بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کا کلمہ ہے جو اس نے بی بی مریم (سلام اللہ علیہا) کی طرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی روح ہیں۔ جو اس نے بی بی مریم (سلام اللہ علیہا) میں پھونکی کہ وہ بن باپ کے پیدا ہو گئے۔ تم سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔ تین خدا نہ ٹھہراؤ۔ ایک باپ، ایک بی بی، اور ایک لڑکا۔ اپنے اس ناپاک شرک سے باز رہو۔ اور توبہ کرو۔ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کا ساجھی، نہ اس کے بی بی نہ بیٹا، وہ اکیلا ہے۔ وہ لڑکے، بیوی وغیرہ سے پاک ہے۔ اس کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ لڑکے وغیرہ کا محتاج ہو۔ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اس کے بندے اس کے محتاج ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت پر خود کافی گواہ ہے۔ نجران کے نصاریٰ جو مناظرہ کو آئے تھے ان میں کئی مذاہب والے فرقے تھے۔ ایک ''نسطوریہ'' وہ کہتے تھے

کہ عیسیٰ مسیح السلام اللہ تعالیٰ کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ ایک ''حضرت یعقوبیہ'' وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں ایک ''مرقوسیہ'' وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں سے ایک ہیں۔ ایک ''ملکانیہ'' وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شریک ہیں۔ ان سب سے خطاب ہے کہ ان خیالوں سے توبہ کرو۔ یہ بات توحید کے خلاف ہے۔

آیت نمبر ۱۷۲،۱۷۳: جب آیت سابقہ اتری تو انہوں نے کہا کہ تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بہت بے قدر سمجھتے ہو۔ اگر وہ خدا نہیں اور نہ اس کے بیٹے ہیں تو تم جیسے اس کے بندے ہوں۔ اس میں ان کی حقارت و توہین ہے۔ تم پیغمبر بھی کہتے ہو۔ اور انکی حقارت بھی کرتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بندہ خدا ہونے سے سرکشی نہیں کرتے اور اپنے بندہ ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔ جو عرش اعظم کے اٹھانے والے ہیں۔ اور ملاء الاعلیٰ کے رہنے والے ہیں وہ عاجزی سے اپنی بندگی کا اقرار کرتے ہیں۔ جو بندہ ہونے سے عار کرنے گا اور غرور کرے گا اور ایمان سے تکبر برتے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو عنقریب قیامت میں جمع کرے گا۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں۔ اور خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے کام کئے ہیں۔ ان کو وہاں پورا پورا ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو اور زیادہ چیزیں دے گا۔ اور جو غرور کرتے ہیں اور ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں ان کو سخت عذاب دے گا۔ اور وہاں کوئی عزیز، قریبی مددگار اور ناصر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا نہ پائیں گے۔

قرآن پاک میں اس موضوع پر بے شمار اور آیات بھی ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ عقل مند کے لئے تو اشارہ کافی ہے لیکن جاہل اور ہٹ دھرم کے لئے جتنی بھی زیادہ ہدایت کی تبلیغ کی جائے اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی اور آخر کار دوزخ میں چلا جائیگا۔

اس سے قبل ضیاء القرآن کا بیان تحریر ہو چکا ہے۔ جس میں پیر محمد کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بہت زیادہ بلند فرمائے) نے یہود و نصاریٰ کے متعلق انکی کتابوں کے حوالہ جات سے نشاندہی فرمائی ہے کہ کس طرح توریت و انجیل کی اصلی عبادت کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیا ہے اور مزید کوشش کر رہے ہیں اور اس طرح عالم سو ہندوستان اور پاکستان میں بھی قرآن پاک کی آیات کی غلط تحویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسرے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القرآن میں مدلل دلائل کے ساتھ اس قسم کے واقعات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے خاص کر انبیاء کرام علیہم السلام پر بہت ہی برے اور گندے الزام لگائے ہیں جن کو رد کرنے کے لئے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کافی دلائل سے روشنی ڈالی ہے اور اس فقیر نے بھی آپ کی تفسیر ضیاء القرآن سے بہت سے حوالہ جات اپنی اس کتاب میں نقل کئے ہیں جو آپ حضرات اس سے قبل پڑھ چکے ہوں گے۔

اب کتاب تذکرۃ الانبیاء کا صفحہ نمبر ۶۵۵ تا ۶۶۳ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے القاب

پ ۳ سورہ آل عمران آیت نمبر ۴۵، نمبر ۴۶ کا ترجمہ

''اور یاد کرو۔ جب فرشتوں نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم سلام اللہ علیہا کا بیٹا وجیہہ ہو گا۔ دنیا اور آخرت میں قرب والا اور لوگوں سے باتیں کرے گا پالنے اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہو گا''۔

آپ علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا گیا

اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) آپ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے واسطہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' سے ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی تخلیق میں جب باپ کا واسطہ نہیں تخم (نطفہ) کا استعمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' سے ہوئی اس وجہ سے آپ علیہ السلام کو کلمہ کن کہا گیا۔ یعنی کلمۃ اللہ سے پیدا شدہ جیسے مخلوق کو خلق

مقدور کو قدرت کہہ دیا جاتا ہے۔

(۲) آپ علیہ السلام نے بچپن میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں کلام فرمایا۔ اسلئے آپ علیہ السلام کو کلمہ کہہ دیا گیا۔

(۳) کلمہ معانی اور حقائق کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حقائق اور اسرار الٰہیہ کی رہنمائی فرمار ہے۔ آپ علیہ السلام کو کلمہ کہہ دیا گیا۔

(۴) آپ علیہ السلام کی بشارت حضور ﷺ کے آنے سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں میں آ چکی تھی۔ جب آپ علیہ السلام تشریف لائے تو کہا گیا کہ یہ وہی کلمہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) جس طرح انسان کا نام کبھی فضل اللہ اور کبھی لطف اللہ رکھ لیا جاتا ہے اسی طرح آپ علیہ السلام کا نام کلمۃ اللہ رکھا گیا۔ خیال رہے کہ کلمہ سے مراد اس مقام پر کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے آپ کوئی بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے پیدا ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ ہوئے ہیں، یہ تاویل کرنی ضروری ہے ورنہ اس کا معنی درست نہیں ہوسکتا۔ (کبیر پ ۳ زیر آیت ان اللّٰہ یبشرک بیحییٰ)

تنبیہ

تمام مخلوق کی تخلیق اور ہر نطفہ کا قرار اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہی ہوتا ہے لیکن ان میں عام مشہور اور متعارف سبب ہی ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق باپ کے واسطہ اور نطفہ کے قرار پکڑنے سے ہوئی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اس طرح کی کوئی وجہ موجود نہ تھی باپ کا کوئی واسطہ نہیں نطفہ آپ علیہ السلام کی پیدائش کا ذریعہ نہیں اس لئے آپ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کی نسبت زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ (کبیر پ ۳ آیت ان اللّٰہ یبشرک بکلمۃ)

فائدہ

عادل بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے:

"ظل اللّٰہ فی ارضہ" اللہ تعالیٰ کا سایہ اس کی زمین میں۔

اسی طرح کبھی کہا جاتا ہے:" انہ نور اللّٰہ" بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔

جب بادشاہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو وہ مخلوق پر عدل و انصاف کے فیصلے کرتا ہے کہ اس کے عدل کا سایہ زمین پر پھیلتا ہے تو اسے۔۔۔۔۔

"ظل اللہ فی ارضہ" کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح جب اس کے احسانات کا نور جگمگاتا ہے تو اسے۔۔۔۔۔۔"نور اللہ" کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی کثیر بیانات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو ظاہر فرمایا اور لوگوں کے شبہات کو زائل کیا رب تعالیٰ کے کلام میں لوگوں کی تحریفات کو زائل کیا تو اس مناسبت کی وجہ سے بھی آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا۔ (از کبیر زیر آیت ان اللّٰہ یبشرک بکلمۃ)

آپ کو "مسیح" کیوں کہا گیا؟

اس میں چند وجوہ ہیں۔ خیال رہے کہ مسیح فعیل کا وزن ہے فعیل کبھی بمعنی فاعل کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول کے۔ اگر بمعنی فاعل کے ہو تو آپ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی یہ وجوہ ہیں:

(۱) جب کوئی شخص آفت زدہ ہوتا یعنی کسی بھی مرض میں مبتلا ہوتا تو آپ علیہ السلام اس پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کو شفا حاصل ہو جاتی۔

(۲) مسح الارض لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معانی ہوتا ہے زمین کو قطع کرنا یعنی سفر کرنا اور سیر کرنا آپ علیہ السلام بھی چونکہ ایک جگہ پر ساکن نہیں رہتے تھے بلکہ چلتے پھرتے رہتے تھے اس لئے آپ علیہ السلام کو مسیح کہا گیا۔

(۳) آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اس لئے آپ مسیح ہوئے۔

اور اگر فعیل بمعنی مفعول کے استعمال ہو تو آپ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی یہ وجوہ ہوں گی:

(۱) آپ علیہ السلام سے گناہوں اور گناہوں کے بوجھ، آلودگی کو مٹا دیا گیا تھا یعنی آپ علیہ السلام کو ربّ تعالیٰ نے گناہوں سے دور رکھا ہوا تھا۔

(۲) آپ علیہ السلام کے قدموں سے نشیب کو مٹایا ہوا تھا یعنی آپ کے قدم بالکل سیدھے تھے عام آدمیوں کی طرح نہیں تھے کہ قدموں کے تلوں کا کچھ حصہ زمین میں نہیں لگتا کیونکہ اس میں نشیب ہوتا ہے۔

(۳) آپ علیہ السلام کو زیتون کا مبارک تیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگا دیا گیا تھا جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو لگایا جاتا تھا جس سے فرشتوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ اس ہستی کو نبی بنایا جائے گا۔

(۴) جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو اپنے پروں سے مس کیا تھا تا کہ آپ علیہ السلام شیطان کے مس سے محفوظ رہیں۔

(۵) آپ علیہ السلام جب والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کو تیل لگا ہوا تھا عام بچوں کی طرح آپ علیہ السلام کے بالوں کو تیل لگانے کی ضرورت در پیش نہیں آئی۔ (از کبیر)

تنبیہ:

''دجال کو'' بھی مسیح کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین (ایک آنکھ اس کی ضائع ہو چکی ہو گی) ہو گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو قطع کرے گا مختلف علاقوں میں پھرے گا اسی مقام پر روح المعانی میں مذکور ہے کہ امام نخعی نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب لقب ہو گا تو اس وقت مسیح ''میم کے فتحہ اور سین کی تخفیف سے'' پڑھا جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمن دجال کا لقب ہو گا تو مسیح ''میم کے کسرہ اور سین کی شد'' سے پڑھا جائے گا۔

فائدہ

مسیح آپ علیہ السلام کا لقب ہے اور عیسیٰ نام ہے اور ابن مریم آپ علیہ السلام کی کنیت ہے آپ علیہ السلام کا لقب ایسا ہے جو آپ علیہ السلام کی شرافت اور مراتب کی بلندی پر دلالت کر رہا ہے جس طرح صدیق لقب ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اور فاروق لقب ہے عمر رضی اللہ عنہ کا۔ ان کے القاب بھی ان کی شرافت اور بلندی مراتب پر دال ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لقب کو پہلے ذکر کیا تا کہ ابتدائی طور پر ہی آپ علیہ السلام کی شان کا ہر شخص کو پتہ چل جائے۔

خیال رہے کہ بشارت بھی حضرت مریم علیہا السلام کو دی جا رہی ہے اور پھر ابن مریم بھی کہا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے آباء کے ناموں کی طرف منسوب کیا آپ علیہ السلام کو ماں کی طرف منسوب کر کے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو بشارت کے وقت ہی بتا دیا گیا کہ تمہارا بیٹا بغیر باپ کے پیدا ہو گا۔

آپ علیہ السلام کو وجیہ کہا گیا:

وجیہ کا معنی صاحب مرتبہ، صاحب شرافت اور صاحب قدر و منزلت ہے۔

''وجه الرجل یوجه و جاهة فهو وجیه''۔

یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کا مرتبہ لوگوں یا بادشاہ کے نزدیک زیادہ بلند و بالا ہو۔ اور بعض اہل لغت نے بیان کیا ہے الوجیہ کا معنی کریم ہے کیونکہ انسان کے تمام اعضاء سے اشراف اس کا چہرہ ہے اس لئے الوجیہ کا معنی بطور استعادہ کرم اور کمال لیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام دنیا میں وجیہ تھے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے آپ علیہ السلام کی دعاء سے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا مادر زاد اندھوں کو نظر عطا فرمائی برص والے مریضوں کو برص سے نجات دی۔

اور دنیا میں آپ کے وجیہ ہونے کی اور وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ان تمام عیوب سے بری رکھا جو یہود آپ علیہ السلام پر لگاتے تھے

یعنی آپ کا حقیقت میں عیوب سے بری ہونا ہی وجیہ ہونے کا سبب تھا اگر چہ آپ علیہ السلام پر یہود عیب لگاتے رہے لیکن آپ علیہ السلام کی شان میں کوئی فرق نہ آ سکا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وجیہ بنایا اگر چہ آپ علیہ السلام پر بھی یہود عیب لگاتے رہے آخرت میں بھی آپ علیہ السلام وجیہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی امت کے مومنین کو حق راہ پر چلنے والوں کا شفیع بنایا آپ علیہ السلام کی شفاعت کو دوسرے تمام اکابر انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت کی طرح قبول کیا جائے گا۔ (از کبیر)

اور وجہ یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ذریعے زیادہ ثواب اور بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔

آپ مقربین سے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کی عظیم مدح کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین کہا تو آپ علیہ السلام کو بھی یہی صفت عطا فرمائی کیونکہ آپ علیہ السلام بھی بلند مراتب اور رفیع درجات رکھتے ہیں اور فرشتوں کے ساتھ ہی زندہ رہیں گے نیز آخرت میں جس شخص کو وجیہ بنایا گیا اس نے مقرب تو ہونا ہی ہے کیونکہ اسے جنت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوں گے۔

مہد اور کہولیت میں آپ علیہ السلام کو متکلم بنایا:

مہد سے مراد پنگھوڑا یا ماں کی گود تاہم یہاں مراد یہ ہے:

"فانه يكلم الناس في الحالة التي يحتاج الصبي فيها الى المهد"

کہ آپ علیہ السلام اس حالت میں کلام کرنے والے ہوں گے جب بچہ پنگھوڑے کا محتاج ہوتا ہے۔

خواہ وہ پنگھوڑے میں ہو یا ماں کی گود میں، آپ علیہ السلام نے بچپن میں ایک مرتبہ کلام فرمایا جس سے اپنی والدہ کی برائت بیان کی اور اپنے اوصاف بیان کئے پھر آپ علیہ السلام نے خاموشی اختیار کی پھر عام بچوں کی طرح بولنے کے وقت بولنا شروع کیا یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے اور یہ معتبر بھی ہے البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام نے جب سے کلام شروع فرمایا سی وقت سے آپ علیہ السلام نے اعلان نبوت بھی فرما دیا اور پھر آپ علیہ السلام مسلسل تبلیغ فرماتے رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) (روح المعانی)

کہولیت یعنی بڑی عمر میں بھی آپ علیہ السلام کلام فرمائیں گے بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ بڑی عمر میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے اس میں آپ علیہ السلام کی فضیلت کیسے؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ان لوگوں کا رد پایا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے قائل ہیں کہ جو شخص پہلے چھوٹا ہو پھر بڑا ہوا اس میں تغیر آتا رہے وہ الٰہ نہیں بن سکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا والدہ کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے بھی معجزہ ہے اور بڑی عمر میں وحی اور نبوت کے ذریعے کلام کرنا بھی معجزہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حالتوں کا ذکر ایک ساتھ ہے کہ آپ علیہ السلام بچپن میں اس طرح فرمائیں گے جس طرح بڑی عمر میں یعنی بچپن کا کلام بڑی عمر کے کلام سے مختلف نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ کہولیت سے مراد بڑھاپا نہیں بلکہ

"ان الكهل في اصل اللغة عبارة عن الكامل التام"

اصل میں کہولیت کی عمر وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا جسم کامل ہو۔
یہ تیس سال سے لے کر چالیس سال تک کی عمر ہے۔ایک قول کے مطابق حضرت علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور پھر آپ علیہ السلام دنیا میں تشریف لا کر لوگوں سے کلام فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اس عمر میں آپ علیہ السلام کا آسمانوں سے اتر کر کلام کرنا آپ علیہ السلام کا اعجاز ہے۔

آپ علیہ السلام کا صالحین سے ہونا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی عظیم صفات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:
(ومن الصالحین) آپ علیہ السلام صالحین سے ہوں گے۔ کیونکہ
"لا رتبة اعظم من کون المرء صالحالانه یکون کذالك الا و یکون فی جمیع الافعال و الترك مواظبا علی النهج الاصلح و الطریق الاکمل".
اس سے بڑھ کر کوئی اور مرتبہ نہیں کہ انسان صالح ہو اس لئے کہ صالح ہو ہی وہ سکتا ہے جس کے تمام افعال خواہ ان کا تعلق عمل سے ہو یا چھوڑنے سے ہمیشہ بہتر طریقہ پر ہوں اور کامل طریقہ پر ہوں۔
اس سے معلوم ہوا کہ صالح ہونے کا تعلق تمام مقامات سے ہے خواہ ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے اسی طرح ایسے افعال جو دل سے متعلق ہوں یا ظاہری اعضا سے تمام میں صالحیت ہوگی۔ (از کبیر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب "روح"

(اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ) (۱۸۱سورۃ النساء پارہ ۶)
مسیح عیسیٰ مریم سلام اللہ علیہا کا بیٹا، اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم سلام اللہ علیہا کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح۔
آپ علیہ السلام کو روح کہنے کی چند وجوہ ہیں:

(۱) عام لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب کسی طہارت اور نظافت کے اعلیٰ درجہ کی تعریف کرنی ہو تو اسے روح کہہ دیتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق باپ کے نطفہ سے نہیں ہوئی بلکہ نفخ جرائیل علیہ السلام سے ہوئی تو یقیناً آپ علیہ السلام کی صفت روح سے بیان کی گئی۔

(۲) آپ علیہ السلام مخلوق کے دین کے زندہ رہنے کا سبب ہے جس کی وجہ سے کسی کا دین زندہ رہے اسے روح کہہ لیا جاتا ہے جیسے قرآن پاک کو روح کہا گیا:
(وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا) (آیت ۵۲ سورت الزخرف)
اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جانفزا چیز (قرآن) اپنے حکم سے۔

(۳) روح بمعنی رحمت کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے

(وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ)

یہاں روح سےمراد رحمت ہے حضور کریم ﷺ نے فرمایا:

"انما ان رحمة مهداة" میں رحمت اور ہدایت بن کر آیا۔

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے آپ علیہ السلام ان کو دین و دنیا میں نیکی کے راستے کی ہدایت کرتے تو اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کو روح کہا گیا۔

(۴) روح کلام عرب میں نفخ (پھونک) کے معنی میں بھی استعمال ہے روح اور ریح معنی ہیں قریب قریب ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام کو روح اس لئے کہا گیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے نفخ جبریل سے پیدا ہوئے۔

(۵) روح پر تنوین تعظیم کی ہے اب یہ معنی ہے کہ:

"روح من الارواح الشريفة القدسيه العالية"

شریف، قدسی، بلند مراتب رکھنے والی روحوں میں سے آپ علیہ السلام کی روح بھی ہے۔

یعنی آپ علیہ السلام کی روح عظیم روح ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے۔ اسی لئے آپ علیہ السلام کو "روح" کہہ دیا گیا۔ (از کبیر)

"روح قدس" سے آپ علیہ السلام کی امداد کی گئی:

(وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) اور پاک روح سے اس کی مدد کی۔

اس پاک روح سے مراد کیا ہے اس میں مختلف اقوال ہیں لیکن ان تمام وجوہ سے آپ علیہ السلام کو امداد دی گئی رئیس المحققین والمدققین استاذی المکرم حضرت مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی مدظلہ فرماتے ہیں:

کہ کسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہوں یا کسی حدیث پاک کی شرح میں محدثین کرام کے مختلف اقوال ہوں اور ان میں کوئی تعارض نہ ہو تو سب کو جمع کر لیا جائے۔ اس قانون و ضابطہ کے مطابق آپ علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے امداد دی گئی:

(۱) "روح قدس" سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کی امداد فرماتے رہے۔ جبرائیل علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت اور بلندی مرتبہ حاصل ہے اس کی وجہ سے روح قدس کہا گیا اور جس طرح بند کو روح کے ذریعہ زندگی حاصل ہوتی ہے ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دین کو زندگی حاصل ہوتی رہی کیونکہ آپ علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس وحی لاتے رہے جس کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام احیاء دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اگرچہ تمام فرشتوں کو روحانیت حاصل ہے لیکن جبرائیل علیہ السلام کو تمام سے زیادہ اور کامل روحانیت حاصل ہے اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کو "روح قدس" کا لقب عطا کیا گیا۔

(۲) "روح قدس" سے مراد انجیل بھی ہو سکتی ہے جیسے قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا)

اسی طرح انجیل کو بھی روح کہہ دیا گیا کیونکہ آسمانی کتب کے ذریعے ہی انبیاء کرام علیہم السلام تک احکام خداوندی پہنچے اور انبیاء کرام علیہم السلام نے وہی احکام اپنی امتوں کو پہنچا کر ان کے دنیاوی امور کو بھی درست فرمایا اور انکے دین کو بھی زندہ کیا۔

(۳) ''روح قدس'' سے مراد اسم اعظم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسم اعظم آپ علیہ السلام کو عطا کر کے آپ علیہ السلام کی امداد فرمائی اسی اسم اعظم کے ذریعے آپ مردوں کو زندہ فرماتے۔

(۴) ''روح'' سے مراد وہ روح ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطاء فرمائی۔ ''قدس'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی آپ میں مالک الملک نے اپنی طرف سے روح بواسطہ جرائیل علیہ السلام پھونک کر آپ علیہ السلام کو اپنا مقرب بنایا اور روح اللہ کا لقب عطاء فرمایا۔ (از کبیر)

اگرچہ تمام معانی بیک وقت لینے درست ہیں تاہم زیادہ حضرات نے روح قدس سے مراد جرائیل علیہ السلام ہی لئے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ حاصل رہی کیونکہ آپ علیہ السلام جہاں جاتے جرائیل علیہ السلام انکے ساتھ ہی چلتے اور جمیع احوال میں آپ کا ساتھ دیتے رہے اور آسمانوں میں بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ گئے۔ (کتاب تذکرۃ الانبیاء کا بیان ختم ہوا۔)

اب تاریخ ابن خلدون جلد دوئم کا صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۵ نقل کیا جاتا ہے۔

نوٹ: (لیکن اس سے قبل قارئین حضرات کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل قرآن مجید کی آیات کے ترجمے اور تفسیر جو بیان کی گئی ہے اس میں اور تاریخ ابن خلدون کے بیان میں بعض واقعات کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے لیکن صحیح طور پر قرآن پاک میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہی ابن خلدون نے بعض اسرائیلی روایات سے اخذ کر کے بیان کیے ہیں۔ میں (مؤلف) ان کو درست تسلیم نہیں کرتا' اس لئے اختلاف کا خاص خیال رکھیں۔ ابن خلدون کا بیان تاریخی طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ کچھ واقعات صحیح بھی ہیں جو اسرائیلی روایات سے غلط بیان کئے گئے ان کے متعلق آپ حضرات کو معلوم ہو سکے۔)

مریم سلام اللہ علیہا کا بیان

یواقیم نے پھر حنہ ہمشیرہ ایشاع زوجہ حضرت زکریا علیہ السلام بن یوحنا سے عقد کر لیا۔ جب تیس برس تک حنہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو یواقیم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی وہ قبول ہوئی اور مریم پیدا ہوئیں۔ اس طرح مریم یواقیم کی لڑکی ہیں اور یواقیم ماثان کا لڑکا ہے اور ماثان سبط سلیمان ابن داؤد بن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام سے ہے۔ اس صورت میں اس اعتراض کا قرآن پاک میں مریم ابنتہ عمران (یعنی مریم بیٹی ہیں عمران کی) لکھا ہے یہ جواب کافی ہو سکتا ہے کہ عمران ہی کو عبرانی زبان میں یواقیم کہتے ہیں۔ یہ کثیر الوقوع نام ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوا کرتے ہیں۔

ان کی پرورش کا زمانہ

طبری روایت کرتا ہے کہ حنہ مادر مریم حاملہ نہیں ہوتی تھیں اس وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ نذر کی کہ اگر میں حاملہ ہوئی تو اپنے لڑکے کو محرر کر دوں گی یعنی اسے دنیاوی امور سے آزاد کر کے محض تیری عبادت کے لئے مخصوص کر دوں گی۔ چنانچہ جب حنہ کا وضع حمل ہوا اور جناب مریم پیدا ہوئیں تو حنہ انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسجد لائیں اور عباد کو دے دیا۔ کاہنوں نے مریم کے لینے میں اختلاف کیا اور یہ کہا ارض مقدس کی مجاورت عورت نہیں کر سکتی تب حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں جواب شافی دے کر روکا۔ اس کے بعد ان کی کفالت اور پرورش کا جھگڑا شروع ہو گیا جس کا فیصلہ قرعہ کے ذریعے کیا گیا۔ قرعے میں حضرت

ذکریا علیہ السلام کا نام نکلا لہٰذا انہوں نے مریم کی تکفیل کی اور انہیں مسجد کے ایک گوشے میں ٹھہرایا جس میں سوائے حضرت ذکریا علیہ السلام کے اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ مریم مسجد میں حضرت ذکریا علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق عبادت میں معروف ہو گئیں اور اس قدر عبادت میں مستغرق ہوئیں کہ لوگ تمثیلاً ان کا ذکر کرنے لگے۔ عبادت کے دوران مریم پر عجائبات اور کرامات بھی ظاہر ہوئے جن کا ذکر کلام پاک میں آیا ہے۔

مریم سلام اللہ علیہا کو بشارت ملنا

مریم سلام اللہ علیہا کی یہ حالت تھی کہ وہ مسجد میں عبادت کرتی تھیں بعد کو اللہ تعالیٰ نے انہیں ولایت سے مشرف فرمایا اگرچہ لوگوں نے ان کی نبوت میں اختلاف کیا ہے۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس ضمن میں کما قالہ ابوالحسن الاشعری اور دلائل فریقین اپنے مواقع پر موجود ہیں، ان کے ذکر کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ بہر حال ملائکہ نے مریم کو برگزیدگی کی بشارت دی کہ کسی انسانی تعلق کے بغیر تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا اور وہ نبی ہوگا۔ مریم کو اس بات سے تعجب ہوا۔ ملائکہ نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے کرنے پر قادر ہے۔ مریم یہ سن کر خاموش ہو رہیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدائے پاک کا یہ ایک معجزہ ہے۔

یعقوب بن یوسف بن یعقوب نجار کا بیان

یعقوب بن یوسف نجار نے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ مریم کی عمر ابھی آٹھ برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے حنہ انتقال کر چکی تھیں۔ اس زمانے میں یہ بنی اسرائیل کے مذہب میں داخل تھا کہ جب کوئی عورت طریقہ ازدواج کو ناپسند کرتی تھی تو اس پر ہیکل کی مجاورت فرض ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر یہ الہام کیا ''اولاد ہارون جمع کی جائے اور مریم ان کی طرف رجوع کی جائیں۔ جس کے عصا سے کوئی علامت ظاہر ہو، وہ اس کے سپرد کی جائیں اور یہ اس کے زوجہ کے مشابہ (منگیتی بیوی) ہوں گی۔ لیکن وہ ان سے فطری طریقے کے مطابق انسانی تعلق نہیں پیدا کر سکے گا۔ یوسف نجار بھی اس مجمع میں تھا، اس کے عاص سے ایک کبوتر سفید رنگ کا اچانک نکل کر اس کے سر پر بیٹھ گیا۔ حضرت ذکریا علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا ''یہ تیری منگیتی بیوی ہے لیکن تو اس کے ساتھ زن شوئی والا تعلق پیدا نہیں کر سکے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر بکراہت تمام مریم کو اپنے ہمراہ لے کر ناصرہ کی طرف چلا گیا۔ اس وقت مریم کی عمر بارہ برس کی تھی۔ یوں وہ اپنے منگیتی شوہر کے ساتھ ناصرہ میں رہنے لگیں جب ایک روز وہ پانی لانے کے لئے ایک چشمہ پر گئیں تو اس مقام پر ایک فرشتہ ظاہر ہو کر آپ سے ہم کلام ہوا اور اس نے ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی جیسا کہ قرآن پاک سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ بلا تعلق بشری حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت ذکریا علیہ السلام کے پاس ارض مقدس گئیں لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ اس وجہ سے مریم پھر ناصرہ واپس آئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام انہیں حاملہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے پھر اپنے منہ کو طمانچوں سے لال کر لیا کیونکہ کاہنوں نے اس سے تعلق بشری پیدا نہ کرنے کی شرط لی تھی۔

فرشتے کی آمد

مریم سلام اللہ علیہا نے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس واقعے سے آگاہ کیا مگر اسے ان کے کہنے پر یقین نہیں آیا، تب فرشتہ نے خواب میں کہا ''یہ حمل روح القدس سے ہے تو اسے اپنے میں لے لے''۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام خواب سے بیدار ہو کر مریم کے پاس آیا اور تعظیماً اسے سجدہ کیا اور پھر اپنے گھر لے گیا۔ انجیل متی میں یہ واقعہ یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مریم سے اپنی منگنی کی تو اس نے مریم کو حاملہ پایا اس سے پہلے کہ وہ اس سے ہم بستر ہو، اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے بدنامی اور رسوائی کے خوف سے اس کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا مگر خداوند کریم کے فرشتہ نے خواب میں اس پر ظاہر ہو کر کہا کہ تو اسے قبول کر لے اور اسے اپنے پاس رکھنے سے مت ڈر کیونکہ اس سے جو انسان پیدا ہونے والا ہے وہ روح القدس سے ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نیک نہاد اور سچا آدمی تھا لہٰذا اس نے اس خواب کو سچا باور کر لیا اور پھر یسوع اس کے یہاں پیدا ہوئے۔ انتہیٰ

طبری کا بیان

طبری لکھتا ہے کہ مریم اور یوسف ابن یعقوب آپس میں چچا زاد بھائی بہن تھے اور یہ دونوں ارض مقدس کی مجاورت کرتے اور شبانہ روز وہیں رہتے تھے وہ سوائے قضائے حاجت کے اور کسی وقت ارض مقدس سے باہر نہ آتے تھے۔ جس وقت ان کا پانی ختم ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ قریب سے پانی لے آتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے مریم پانی لینے کے لئے آئیں اور یوسف ان سے پیچھے رہ گیا۔ جب مریم پانی لینے کے لئے ایک گڑھے کے اندر گئیں تو جبرائیل علیہ السلام نے اسی وقت ظاہر ہو کر کہا:

انما انا رسول ربك لا هب لك غلاما زكيا۔

ترجمہ: میں بے شک تیرے خدا کا فرستادہ ہوں تا کہ تجھے ایک بیٹا ہونہار دوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور حالات و واقعات زندگی کے

وہب ابن منبہ سے مروی ہے کہ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے مریم کے پیراہن میں پھونک دیا جس کا اثر رحم تک پہنچ گیا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم رہ گیا۔ یوسف نجار جو مریم کا رشتے دار تھا اور ان کے ساتھ جبل صیہون کی مسجد میں عبادت کر رہا تھا، یہ عجوبہ حمل دیکھ کر گھبرا گیا اور اسے اس حمل کا سخت تعجب ہوا کیونکہ مریم اس کی نظروں سے کسی وقت غائب نہیں ہوتی تھیں۔ اتنے پھر اس عجوبہ حمل کا سبب دریافت کیا تو مریم نے قدرت باری کا حوالہ دیا، یہ سن کر یوسف خاموش ہو گیا اور اسی سرگرمی سے مسجد کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ اس عجوبہ حمل کی اطلاع مریم کی خالہ ایشاع کو ہوئی۔ اتفاق سے وہ بھی حاملہ تھیں اور یحییٰ علیہ السلام ان کے بطن مبارک میں تھے۔ اس کے بعد ایشا نے کہا کہ میں یہ دیکھتی ہوں کہ جو لڑکا میرے حمل میں ہے وہ اسے سجدہ کرتا ہے جو مریم کے پیٹ میں ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے خوف سے مریم کو ارض مقدس سے جانے کا حکم ہوا چنانچہ یوسف انہیں اپنے ہمراہ لے کر مصر کی طرف چلا۔ راستے میں حضرت مریم کو درد زہ اٹھا اور حمل وضع ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام انہیں پھر گدھے پر سوار کر کے لایا اور لوگوں سے اس راز کو پوشیدہ کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام بارہ برس کے ہو گئے اور ان پر کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ واقعات مشہور ہو گئے۔ تب مریم کو یہ حکم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر ایلیا (بیت المقدس) واپس چلی جائیں،

چنانچہ مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر ارض مقدس آ گئیں اور یہاں ان سے معجزات ظاہر ہونے لگے۔ بیماران کے پاس آتے اور اچھے ہو کر واپس جاتے تھے۔ لوگ ان سے غیب کے حالات پوچھتے تھے۔

لڑکوں کا مارا جانا

طبری سدی کی روایت سے لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس شریف کے قریب شرقی بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے۔ نصاریوں کا مؤرخ ابن عمید لکھتا ہے کہ ولادت یحییٰ بن حضرت زکریا علیہ السلام کے تین مہینے بعد، حکومت ہیرودس کے اکتیسویں سال اور اوغسطش قیصر کے سنہ ۴۲ جلوس میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ جب یوسف سے مریم منسوب ہوئیں تو وہ بغرض اخفاء حمل انہیں اپنے ہمراہ لے کر بیت اللحم چلی گئیں۔ آپ نے وہیں وضع حمل کیا۔ اس دوران ایک جماعت مجوس جنہیں بادشاہ فارس نے بھیجا تھا، یہ دریافت کرتی ہوئی ہیرودس کے پاس آئی کہ جو بڑا بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے، ہم اسے سجدہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہیرودس سے وہ سب باتیں ظاہر کر دیں جو کاہنیں اور علوم نجوم نے ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علامتیں بتلائی تھیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ کچھ کم یا زیادہ دو برس ہوئے وہ بیت اللحم میں پیدا ہو گیا ہے۔ اوغسطش قیصر نے جب یہ واقعہ مجوسیوں سے سنا تو اس نے ہیرودس سے دریافت کیا۔ ہیرودس نے اس واقعہ کی تصدیق کر دی اور پھر بیت اللحم کے لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ لیکن یوسف نجار خدا کے حکم پر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں مریم کو لے کر مصر چلا گیا تھا اور وہیں بارہ برس تک ٹھہرا رہا۔ اس دوران حضرت مسیح علیہ السلام سے کرامات ظاہر ہوئیں۔ پھر جب ہیرودس مر گیا جو مسیح علیہ السلام کے قتل کی فکر میں تھا تو خدا نے الہام کیا اور یوسف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو ایلیا واپس لے آیا۔ غرض اس طرح خداوند کی یہ پیشین گوئی جو اشعیا نبی علیہما السلام کے معرفت ہوئی تھی کہ میں نے تجھے مصر سے بلایا ہے، پوری ہو گئی۔

مصر کی طرف سفر

یعقوب بن یوسف نجار کی تصنیف میں یہ بھی درج ہے کہ جب یوسف نجار بخیال اخفاء راز یروشلم سے نکل کر چلا تو راستے میں مریم کو درد اٹھا۔ قریہ بیت اللحم میں پہنچ کر ایک غار میں مریم نے پھر وضع حمل کیا اور لڑکے کا نام ایشوع رکھا۔ جب یہ دو برس کے ہوئے تو پورب سے مجوسی آئے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کے بعد ہیرودس جناب مسیح علیہ السلام کے خوف سے بیت اللحم کے لڑکوں کو قتل کروانے لگا لیکن اس سے پہلے خدا کے حکم کے مطابق یوسف' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کی ماں کو مصر لے کر چلا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

وہ دو برس تک مصر میں رہا، جب ہیرودس مر گیا تو فرشتے نے خواب میں ظاہر ہو کر اسے واپسی کا حکم دیا۔ چنانچہ یوسف مصر سے واپس آ کر ناصرہ میں مقیم ہو گیا، اور یہیں جناب مسیح علیہ السلام سے خوارق عادات مثل احیاء موتیٰ (مردوں کا زندہ کرنا)، کوڑھیوں کا اچھا کرنا اور چڑیوں کو پیدا کرنا ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بعد جب یوحنان علیہ السلام معتمد (یعنی یحییٰ بن حضرت زکریا علیہ السلام) بیابان سے واپس آئے اور توبہ کرنے کی منادی کی اور لوگوں کو دین کی طرف بلایا۔ بعدہٗ مسیح علیہ السلام ناصرہ سے آئے اور یوحنان علیہ السلام سے اردن کے کنارے ملاقات کی، یوحنان علیہ السلام نے پھر انہیں اصطباغ (بپتسمہ) دیا، وہ اس وقت میں تیس برس کے تھے۔ اس کے بعد حضرت

عیسیٰ علیہ السلام بیابان کی طرف چلے گئے اور عبادت اور نماز و رہبانیت میں مصروف ہوئے۔ انہوں نے پھر اپنے ان بارہ تلامذہ کو منتخب کیا جن کے نام یہ ہیں: سمعان پطرس (شمعون پیڑ)، اندراوس (اندریاہ)، یعقوب بن زبدی، یوحنا بن زبدی، فیلیس (فلپ)، برتو تومادس (برتھلمی)، توما (تہوماہ)، متی باجدار، یعقوب ابن حلفا (الفی)، تداوس (لبی عرب تہدی)، سمعان القنانی (شمعون الکنعانی) اور یہوذا الاسخر یوطی (یہودا ایشکر یولی)۔

تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کچھ عرصہ بعد ہیرودس ثانی نے یوحنان علیہ السلام (یعنی یحییٰ بن حضرت زکریا علیہ السلام) کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور وہ نابلس میں دفن کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مسیح علیہ السلام نماز، روزہ اور تمام قربانیوں کی تعلیم دینے لگے۔ انہوں نے بعد اشیاء کو حلال اور بعض کو حرام کیا۔ جب ان پر انجیل نازل ہوئی اور ان سے خوارق عادات اور معجزات ظاہر ہو چلے تب ان کا ذکر سارے علاقوں میں پھیل گیا اور اکثر بنی اسرائیل ان کی پیروی کرنے لگے۔

یہودی سرداروں کی سازش

اس وقت تک رؤساء یہود دنیاوی کثافتوں میں مبتلا ہو کر دینی امور کو چھوڑ بیٹھے تھے لہٰذا وہ جمع ہو کر مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کا باہم مشورہ کرنے لگے۔ مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو جمع کر کے سب کو رات بھر اپنے پاس رکھا اور وعظ کے دوران یہ فرمایا کہ بے شک تم میں سے بعض میرا انکار کریں گے۔ اس سے قبل کہ مرغ تین آوازیں دے اور تم میں سے ایک شخص مجھے معمولی قیمت پر فروخت کر کے اس قیمت کو کھا جائے گا۔ اس کے بعد تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے۔ انہوں نے ایسا اس لئے کہا کہ یہودی آپ علیہ السلام کی تلاش میں تھے تا کہ آپ علیہ السلام کو قتل کر دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گرفتار ہونا

اتفاق سے شمعون حواری راہ میں مل گئے، یہودیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ انہوں نے پھر مسیح علیہ السلام کی پیروی سے انکار کیا تو یہودیوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد یہوذا الاسخر یوطی نے یہودیوں سے تیس درہم لے کر انہیں مسیح علیہ السلام کا پتہ بتا کر اس مکان تک پہنچا دیا جہاں جناب موصوف شب کو رہتے تھے۔ یہودی انہیں گرفتار کر کے فلاطش نبطی، سپہ سالار قیصر کے پاس لے گئے۔ اس کے بعد ایک گروہ کاہنوں (مجاوروں) کا بلایا گیا۔ اس میں کہا گیا کہ "یہ ہمارے دین کو برباد کرتا ہے، ہمارے اسلاف کو برا کہتا ہے اور حکومت و سلطنت کا مدعی ہے تم اسے قتل کر ڈالو"۔

قتل کے احکامات

فلاطس نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی۔ اس پر رؤساء یہود چلا کر کہنے لگے کہ "اگر تو ہماری خواہش کے مطابق ایسوع علیہ السلام کو نہ قتل کرے گا تو ہم اس کی اطلاع دربار قیصری میں کر دیں گے۔ فلاطش یہ سن کر گھبرا گیا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پہلے حواریوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہود کو میرے بارے میں شبہ ہو گا۔

صلیب پر چڑھنا

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہود نے انہیں اپنی دانست میں قتل کر ڈالا اور سولی دے دی۔ انہوں نے انہیں سات دن سولی پر رکھا۔ جنابہ مریم روتی ہوئیں صلیب کے پاس آئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وہاں آئے اور رونے کا سبب دریافت کیا۔ مریم نے کہا کہ مجھے تمہاری حالت پر رونا آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھا لیا ہے اور مجھے مطلقاً کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس میں انہیں شبہ واقع ہو گیا ہے۔ آپ میرے حواریوں سے کہئے کہ فلاں مقام پر مجھ سے مل لیں۔

حواریوں کے لئے حکم

چنانچہ حواریان مسیح علیہ السلام مقام معینہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ آپ علیہ السلام نے ان سب کو اطراف و جوانب میں تبلیغ احکام الٰہی کے لئے مقرر فرمایا۔ جیسا کہ وہ پہلے ہی مقرر کر چکے تھے۔ نصاریوں کے علماء کا یہ خیال ہے کہ حواریوں میں سے رومہ کی طرف پطرس کو روانہ کیا جبکہ تابعین میں سے پولس (پولوس) کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ ارض سوڈان وحبشہ اور اس کے مضافات میں متی باجدار کو روانہ کیا اور اندراوس کو بابل کی طرف۔ مشرق میں توماکو، ملک افریقہ کی طرف قیلیس کو، افسوس قریہ اصحاب کہف اور یروشلم میں یوحنا کو جبکہ ممالک عرب وحجاز میں برتولوماوس کو اور سرزمین برقہ و بربر میں شمعون القنانی کو مقرر کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

ابن اسحاق لکھتا ہے کہ اس واقعے کے بعد یہودیوں نے بقیہ حواریوں کو ستانا شروع کر دیا اور انہیں ایذا پہنچانے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ اطلاع قیصر کے کانوں تک پہنچی۔ اس دوران سپہ سالار فلاطش نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حالات، ان کے ساتھ یہودیوں کی شرارت اور کینہ اور یوحنان کے قتل کے واقعات لکھ بھیجے۔ قیصر نے پھر فلاطش کو اس فعل سے یہودیوں کو باز رکھنے کی سخت تاکید کر دی۔ اس کے بعد حوارئین مسیح علیہ السلام ان ممالک کی طرف چلے گئے۔ جن کی طرف مسیح علیہ السلام نے انہیں بھیجا تھا۔ وہاں بعض قوموں نے ان کی تصدیق کی اور دین عیسویں میں داخل ہو گئیں۔ بعض نے انہیں جھٹلایا۔ جب یعقوب بن زبدی رومہ گئے تو انہیں غالیوس قیصر نے قتل کر ڈالا اور شمعون کو قید کر ڈالا۔ پھر کچھ عرصہ بعد چھوڑ دیا تب وہ انطا کیہ چلے گئے۔ اس کے بعد وہ فلودیش قیصر کے دور میں پھر رومہ آئے تو اکثر رومیوں نے ان کی اتباع کی اور بعض بیگمات قیاصرہ بھی ان پر ایمان لے آئیں۔ بعد ازاں شمعون کے کہنے سے بیت المقدس شریف آئیں اور صلیب کی لکڑی کو جس پر مسیح علیہ السلام کو صلیب دی گئی تھی، مزبلہ سے نکالا۔ وہ پھر اسے حریر وغیرہ میں لپیٹ کر روم لے گئیں۔

انجیل کا تحریر ہونا

پطرس اور پولس جنہیں مسیح نے رومہ کی سمت بھیجا تھا، وہ دونوں رومہ جا کر ٹھہرے اور دین عیسوی کی تعلیم دیتے رہے۔ وہیں پطرس نے زبان رومہ میں انجیل تحریر کی اور اسے اپنے شاگرد مرقس کی طرف منسوب کیا۔ اس کے بعد ارض مقدس میں متی نے اپنی انجیل زبان عبرانی میں لکھی پھر لوقا نے انجیل رومہ میں لکھ کر اکابر روم کے پاس بھیجی۔ اس کے بعد یوحنا زبدی نے رومہ میں اپنی انجیل لکھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت

اس کے بعد حواریوں اور ان کے رسولوں کا ایک جلسہ سنہ ۱۰۰ میں ہوا۔ انہوں نے اس میں اتفاق سے اپنے دین کے لئے قوانین شرعیہ بنائے اور اسے اقلیمطس شاگرد پطرس کی رائے سے مرتب کیا۔ عیسائیوں کی کتب قدیمہ سے یہ کتابیں ہیں: توریت پانچ اسفار، کتاب یوشع بن نون، کتاب القضاۃ، کتاب ارعوث، کتاب یہوذاء، اسفار الملوک (چار کتابیں)، سفر بنیامین، سفر المقباسین (تین کتابیں)، کتاب عزیر الامام، کتاب اشیر، کتاب حصہ ہامان، کتاب ایوب صدیق، مزامیر داؤد النبی، کتاب سلیمان ابن داؤد (پانچ) نبوات الانبیاء الصغار و الکبار (سولہ کتابیں) اور کتاب یشوع بن شارخ یہ تھیں قدیم کتب۔ کتب جدیدہ یہ ہیں۔ چاروں انجیلیں، کتب القتالیقون (سات رسائل) کتاب بولس (چودہ رسائل)، اریکسیس (یعنی رسولوں کے قصص جسے اقلیمد کہتے ہیں) آٹھ کتابیں (جس میں رسولوں کے اوامر و نواہی کا ذکر ہے) کتاب النصاریٰ الکبار بنام بطارقہ جو بلاد معینہ میں دین مسیح کی تعلیم دے رہے تھے جیسا کہ رومہ میں پطرس حواری تھے اور جنہیں مسیح نے اس سمت روانہ کیا تھا۔ اس زمانے میں ارض مقدس میں یعقوب نجار اور اسکندریہ میں مرقس شاگرد پطرس اور بزنطینہ (قسطنطنیہ) میں اندر اس وغیرہ تھے۔

بطریق کا عہدہ

عیسائیت میں مذہب کے مالک کو جوان کے مراسم مذہبی کا قائم رکھنے والا ہوتا ہے، بطریق کہتے ہیں۔ وہی ان کی ملت کا سردار اور مسیح علیہ السلام کا خلیفہ مانا جاتا ہے۔ وہی اپنے نائبین اور خلفاء کو آس پاس اور دور دراز کے ممالک میں تعلیم دین مسیحی کے لئے روانہ کرتا ہے۔ یہ لوگ اسقف یعنی بطریق کے نائب کہلاتے ہیں جبکہ واعظین کو قسیس، متولی نماز کو جاثلیق، مسجد کے منتظم کو شماشہ اور تارک الدنیا کو جو خلوت میں بیٹھا ہوا عبادت کیا کرتا ہے، راہب اور قاضی کو مطران کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ طویل زمانے تک مصر میں کوئی اسقف نہیں رہا یہاں تک کہ وہدس نامی گیارھواں اسقف اساقفہ اسکندریہ سے مصر آیا۔

رومہ کا بطریق (پوپ)

اساقفہ بطریق کو کیونکہ آبا اور قسوس اساقفہ کو ابا کہتے ہیں اس وجہ سے اسم اب مشترک سمجھ کر تمیز کی غرض سے بطریق اسکندریہ کے لئے بابا (پوپ) کا اسم مختص کیا گیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ لقب بطریق رومہ کا دیا گیا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بڑے حواری پطرس کا قائم مقام تھا۔ چنانچہ رومہ کا بطریق اس وقت سے لے کر اب تک اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (ابن خلدون جلد دوئم کا بیان ختم ہوا)

مندرجہ ذیل کے لئے البدایہ والنہایہ جلد دوئم کا ص ۶۷ تا ص ۷۸ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سلام اللہ علیہا کی ولادت، صغر سنی اور لڑکپن میں ان کی تربیت اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے آغاز کا ذکر

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ولادت بیت المقدس شریف کے قریب بیت لحم میں ہوئی تھی، جس کا ذکر اکثر مستند روایات

میں آیا ہے اور حدیث نبوی میں بھی یہی ثابت ہے لیکن وہب بن منبہ کے بقول ان کی ولادت مصر میں ہوئی تھی۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بن یعقوب نجار کے ساتھ حالت سفر میں تھیں۔ بہر حال چونکہ یہ روایت دیگر مستند روایات کی متضاد اور مذکورہ بالا حدیث نبوی سے بھی متعارض ہے اس لئے اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف منکر ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

ویسے وہب بن منبہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بہت سے ملائکہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا گرد جمع تھے جن کی وجہ سے شیطان کے چیلوں بلکہ خود شیطان کو ان کی ولادت کے فوراً بعد ان کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی نیز یہ کہ اس وقت آسمان پر خلاف معمول ایک نہایت روشن ستارہ نمودار ہوا لیکن ساتھ ہی مشرق و مغرب دونوں کے افقوں پر کچھ ایسے طوفانی آثار پائے گئے جس سے فارس کا بادشاہ ڈر گیا۔ اس نے اپنے نجومیوں اور کاہنوں سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ بولے کہ ملک شام کی طرف ایک عظیم المرتبت بچہ پیدا ہوا ہے اور اسی کی ولادت کے یہ آثار ہیں۔ ان سے یہ سن کر فارس کے بادشاہ نے بہت سا سونا اور قیمتی تحائف حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی خدمت میں روانہ کئے لیکن جب اس کا ایلچی دمشق پہنچا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ ایسا بچہ بیت المقدس شریف میں پیدا ہوا ہے لیکن انہوں نے ساتھ ہی اس ایلچی سے پہلے بیت المقدس شریف پہنچ کر حضرت مریم کو خبر دی کہ فارس کے بادشاہ کے آدمی ان کے نومولود لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے حکم پر قتل کرنے کے لئے پہلے شام آئے تھے اور اب بیت المقدس شریف آنے والے ہیں۔ اس لئے حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر فوری طور پر مصر کی طرف روانہ ہوگئی تھیں اور مصر میں اس وقت تک ٹھہریں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر کو نہ پہنچ گئے۔

اس کے علاوہ وہب بن منبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑکپن ہی میں خرق عادات کرامات اور معجزات کا ظہور ہونے لگا تھا۔ وہ اکثر فقراء و مساکین کے پاس جاتے رہتے تھے اور اکثر ان کی مدد فرماتے رہتے تھے۔ اس ضمن میں ایک غریب دہقان کا قصہ مشہور ہے جس کا کوئی گھر تھا نہ در اور اس کے علاوہ وہ نابینا بھی تھا لیکن اس وقت آپ علیہ السلام تشریف فرما تھے زر و مال کا ایک انبار تھا۔ جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے اس دہقان سے فرمایا کہ دیکھو یہ سارا مال تم لے جاؤ۔ اس پر وہ بولا کہ:

"میری تو آنکھیں ہی نہیں ہیں اس لئے میں اس مال کو دیکھ سکتا ہوں نہ اٹھا کر لے جا سکتا ہوں"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"کیوں نہیں، تم تو میری طرح دیکھ سکتے ہو"۔

اور اسی وقت اس نابینا دہقان کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس زمانے میں ایسی متعدد کرامات کا ظہور ہوا جس سے عام لوگوں میں آپ علیہ السلام کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور آپ علیہ السلام ہر دلعزیز ہو گئے حالانکہ وہ اس وقت صغیر سن ہی تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا کرامت کے بعد وہ دہقان اور اس کی اولاد عزت کی زندگی بسر کرنے لگے اور مالدار بھی ہو گئے تو انہوں نے ایک روز لوگوں کی بڑی شان دار دعوت کی اور کھانے کے ساتھ شراب کے کئی مرتبان یا خم بھی رکھے تھے کیونکہ ان دنوں وہاں شراب نوشی کا عام رواج تھا لیکن جب ان مرتبانوں کو یکے بعد دیگرے کھولا گیا تو ان میں سے ایک قطرہ شراب بھی نہ

نکلی۔ یہ دیکھ کر اس دہقان اور اس کے بیٹوں کو بہت دکھ ہوا۔ تاہم جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مرتبانوں کے نزدیک سے گزر کر اس دہقان اور اس کے لڑکوں کو دوبارہ انہیں دیکھنے کا اشارہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان میں سے ہر مرتبان یا خم میں سے ان سڑے ہوئے کھیروں کی سخت بدبو آ رہی تھی جن سے وہ شراب تیار کی گئی تھی۔

اس واقعے کے بعد دونوں ماں بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا مصر سے بیت المقدس شریف واپس آ گئے۔

اسحاق بن بشر سے مروی ہے کہ لڑکپن میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب کبھی سورج' چاند یا کسی بہتے ہوئے دریا یا بلند پہاڑ کو دیکھتے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی شان میں کلمات تمجید ان کی زبان مبارک پر آ جاتے تھے۔

اسحاق بن بشر' مقاتل' ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سات سال کی عمر میں پڑھنے کے لئے مکتب میں بٹھایا گیا تو وہ بڑی علمی کتاب پر ایک نظر ڈال کر اسے ایک طرف رکھ دیتے تھے۔

بار بار یہ دیکھ کر ایک روز ان کے معلم نے ان سے کہا:

''تم ان کتابوں کو اس طرح ایک نظر دیکھ کر رکھ دیتے ہو جیسے یہ سب کتابیں تمہیں ازبر ہیں حالانکہ ابھی تو تمہیں ابجد کے معنی بھی معلوم نہیں''۔

معلم کی یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے:

''وہ تو آپ کو معلوم نہیں''۔

ان کی بات عجیب بات سن کر معلم نے طنزاً کہا:

''تو آپ ان کے معانی بتا دیجئے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معلم سے فرمایا:

''پھر آپ اپنی مسند پر مجھے بیٹھنے دیجئے اور خود میری طرح میرے سامنے بیٹھئے تو میں ان کے معانی آپ کو بتاؤں گا''۔

جب معلم نے ان کی اس بات کو مضحکہ خیز سمجھ کر اپنی مسند ان کے لئے خالی کر دی اور ان کے سامنے شاگردوں کی طرح زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھ گیا اور بولا:

''اب فرمایئے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''الف کے معنی ہیں الا اللہ (یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) ''ب'' سے مراد ہے بہا اللہ (یعنی اللہ کی شان) اور ''ج'' کا مطلب ہے بہجتہ اللہ (عزوجل) اور اس کا جمال''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اس صغرسنی میں ابجد کے یہ معانی سن کر ان کا معلم انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ اس نے ابجد کے یہ معانی اپنی زندگی میں صرف انہی کی زبان سے سنے تھے۔

اسحاق بن بشر اس روایت کے آخر میں کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے اس واقعے کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے اس موضوع پر کافی طویل گفتگو فرمائی تھی۔ تاہم یہ حدیث متنازعہ ہے۔
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لڑکپن میں اپنے ہم سبق لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ان سے الگ الگ کہتے کہ:

''جاؤ آج تمہاری ماں نے تمہارے کھانے کے لئے فلاں چیز پکائی ہے''۔

اور جب وہ لڑکے اپنے اپنے گھروں میں جا کر اپنی اپنی ماؤں سے کھانے کے لئے وہی چیز مانگتے تو وہ ان سے پوچھتیں:

''یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے؟''۔

جب وہ ان سے کہتے:

''عیسیٰ علیہ السلام نے''۔

تو وہ حیران رہ جاتیں کیونکہ ان کے گھروں میں الگ الگ وہی چیز پکی ہوتی تھیں۔

پھر وہ عورتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاتیں تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتے تھے یہ دیکھ کر وہ اپنے اپنے لڑکوں سے کہتیں:

''تم اس لڑکے کے ساتھ نہ کھیلا کرو۔ خدا جانے وہ تمہیں اور کیا الا بلا سکھا دے گا''۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ ان سے ادریس نے اپنے دادا وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اس وقت کی قیامگاہ سے بیت ایلیا جانے کا حکم دیا جس میں یقیناً حکمت یہ تھی کہ وہاں ان پر بہت سے عجائبات الہاماً ظاہر ہونے لگے تھے جن میں مستقبل بینی بھی شامل تھی اور اس وجہ سے بنی اسرائیل انہیں حیرت سے دیکھنے لگے تھے اور ان کی والدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو یہ خوف ہوا تھا کہ کہیں ان کی قوم ان کے بیٹے کی ان عجیب وغریب باتوں کو سن کر اس کے دشمن نہ بن جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ماموں کے بیٹے یوسف بن یعقوب نجار کے پاس پہنچیں اور ان سے وہ سب باتیں بیان کیں تو وہ ان دونوں ماں بیٹوں کو گدھے پر بٹھا کر ایلیا کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں ان پر انجیل نازل ہوئی اور وہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے توریت کا علم ہوا۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایلیا ہی میں انہیں مردوں کو زندہ کرنے اور لا علاج مریضوں کو صحت بخشنے کے معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے۔ اور اسی زمانے سے انہوں نے اپنی قوم کو دعوت حق دینی شروع کی اور لوگ ان کے پاس جوق در جوق آنے لگے۔

چار آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے اوقات نزول کا بیان

ابو زرعہ دمشقی کہتے ہیں کہ انہیں عبداللہ بن صالح اور معاویہ بن صالح نے جیسا کہ بیان کیا اس کے مطابق توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ماہ رمضان المبارک کی چھ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر ماہ رمضان المبارک کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ماہ رمضان المبارک کی اٹھارہ راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوئی اور قرآن حضرت محمد ﷺ پر ماہ رمضان المبارک کی چوبیں راتیں گزرنے کے بعد نازل ہوا اور ان چاروں آسمانی کتابوں کے نزول کے درمیانی فصل کی ترتیب یہ ہے کہ زبور توارات کے چار سو چراسی سال بعد نازل ہوئی۔ انجیل زبور کے ایک ہزار پچاس سال بعد

نازل ہوئی اور قرآن مجید انجیل مقدس کے بعد ماہِ رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو نازل ہوا۔

ہم نے قرآن مجید کے نزول کی تاریخ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ:

(شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ)

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وضاحت کی ہے جب کہ نزول انجیل کی مذکورہ بالا تاریخ متعدد احادیث واردہ سے ثابت ہے۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نزول انجیل کا آغاز رمضان المبارک کی مذکورہ بالا تاریخ کو ہوا جب ان کی عمر تیس سال تھی اور اس کا نزول ان پر اس وقت ختم ہو گیا جب ان کے دشمنوں نے اپنے نزدیک انہیں صلیب پر لٹکایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں (زندہ) آسمان پر اٹھا لیا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال تھی۔

اس موضوع پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

اسحٰق بن بشر بیان کرتے ہیں کہ انہیں سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ مقاتل، عبد الرحمٰن بن آدم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، جیسا کہ انجیل میں مذکور ہے، وحی کے ذریعہ فرمایا تھا کہ اس نے انہیں ایک پاک باکرہ (کنواری) کے بطن سے بے باپ کے پیدا کیا ہے اور اس سے قبل کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور انہیں تمام بشری مخلوق میں سے نزول انجیل کے لئے بطور خاص منتخب فرمایا ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ انجیل میں نازل شدہ اس کے تمام ہدایات و احکام کی سریانیہ کے جملہ علاقوں میں تبلیغ کریں۔

اسحٰق بن بشر کی اسی روایت میں مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی خوش قامت اور حسین وجمیل شخص تھے، ان کا چہرہ ہمہ وقت چاند کی طرح روشن رہتا تھا اور ان کے بالوں بلکہ تمام جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جس طرف سے گزرتے اس راستے میں دور دور تک مشک کی خوشبو پھیل جاتی تھی۔ ان کے جسم پر سینے کے مٹھی بھر بالوں کے سوا کسی اور جگہ بال نہیں تھے۔ ان کی گردن سے قدموں تک سیال چاندی کی طرح ایک رو بہتی نظر آتی تھی۔

اسحٰق بن بشر انجیل مقدس کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ان پر ایمان لانے والوں کے لئے طوبیٰ کا سلام ہوں اور ان کا نکاح آسمان پر ہوگا۔

شجرہ طوبیٰ کی وضاحت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے (آسمان پر) عرض کی:

"یارب طوبیٰ کیا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"یہ ایک درخت کا پودا ہے جسے خود میں نے لگایا ہے اس کی جڑ جنت میں ہے، اس کی سیرابی جنت کی نہر تسنیم سے ہوتی ہے۔ اس کی خنکی کافور کی خنکی ہے، اس کی خوراک زنجبیل (ادرک) ہے، اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہے، جو اس کا مشروب پی لے اسے پھر بہتر سے بہتر مشروب کی تمنا نہ ہوگی"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"یارب مجھے اس کا مشروب پلا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس کا مشروب انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام ہے جب تک وہ نبی (یعنی نبی آخرالزماں و خاتم النبیین ﷺ) اور اس کی امت اس مشروب کو نہ پی لے"۔

اس سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کے نزدیک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں زمین سے آسمان پر اٹھا کر اپنی قربت سے سرفراز کروں گا' پھر تمہیں آخری زمانے میں زمین پر بھیجوں گا تا کہ تم زمین پر فتنہ دجال سے اس نبی کی امت کی حفاظت کرو' تمہیں (صبح کی) نماز کے وقت زمین پر بھیجا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ

"مجھے اس نبی کی امت کا ایک فرد بنا کر زمین پر بھیج دینا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ امت مرحومہ ہے اور اس کا نبی آخری نبی ہوگا۔ اس لئے کہ تم نبی کی حیثیت سے دوبارہ زمین پر نہ جا سکو گے۔

ایسی متعدد روایات کتبِ تواریخ میں بکھری پڑی ہیں جنہیں ہم نے یہاں بخوفِ طوالت پیش نہیں کیا۔

خبر مائدہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈرو۔ وہ بولے کہ ہماری خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں۔ اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں (تب) عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لئے۔ اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے خدا نے فرمایا میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا تو اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا"۔ (۵:۱۲-۱۵)

ہم نے سورۂ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں ابن عباس' سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے حوالے سے قرآن مجید کی اس سورۂ مبارکہ کی تشریح و وضاحت کے سلسلے میں جتنی متعلقہ روایات مل سکتی تھیں سب جمع کر دی ہیں جن سب کا مضمون یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے وہ روزے رکھنے سے قبل ان سے عرض کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان کے لئے آسمان سے کھانے کا خوان اتارے تا کہ ان کے قلب مطمئن ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے روزے قبول فرما لئے ہیں اور وہ اسی خوان سے روزے افطار کیا کریں اور آخر میں اس کی خوشی منائیں اور اس روز عید منا کر اس دن کو اپنے لئے عید کا دن مقرر کر لیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ روزے

پورے نہ کر سکے تو نہ اللہ تعالیٰ کا صرف شکر ہی ادا نہ کر سکیں گے بلکہ ان شرائط کو بھی پورا نہ کر سکیں گے جو اس خوان کے آسمان سے نزول کی شرط تھی یعنی اگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق بڑے سخت عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ تاہم جب تمام حواریوں نے اپنے عہد کے پورے کرنے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آسمان سے ہر روز لذیذ کھانوں اور فواکہات کے خوان اترنے شروع ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس خوان کرم میں سب کو شرکت کی دعوت دے دی۔ وہ بولے کہ پہلے آپ علیہ السلام کھایئے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس کی خواہش کی تھی تو پہلے انہی کو کھانا چاہئے لیکن پھر ان کے اصرار پر انہوں نے اس میں سے پہلے کچھ کھا لیا۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر روز سات ہزار آدمی اس کھانے میں شریک ہونے لگے۔ کیونکہ وہ لوگ بھی ان میں مل گئے جو آسمان سے اس خوان کے اترنے کو صرف ایک مذاق سمجھتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی طرف سے اس خوان نعمت میں صرف فقراء و مساکین کو شریک کیا کریں۔ اس حکم کی تعمیل پر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ناخوش ہو کر انہیں بُرا بھلا کہنے پر اتر آئے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔

اس سے قبل وہب بن منبہ کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ان جھگڑالو نام نہاد عالموں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

"اے علمائے سو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم تو جنت کے لذائذ سے متمتع ہوتے رہو لیکن فقراء و مساکین کو اس میں گھسنے تک نہ دو"۔

اس قبیل کی روایات بے شمار ہیں جن میں سے ابن عساکر نے کچھ ثقہ روایات انتخاب کر کے پیش کی ہیں اور ہم نے بھی انہیں بطور اختیار یہاں پیش کر دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کا ذکر

یہود یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے مکر و فریب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کر دیا اور عیسائی بھی یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں مصلوب کیا گیا تھا لیکن اس کی حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائی۔ اس کا ارشاد ہے:

"اور ان نے (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) داؤ اور تدبیر کی اور خدا (اے نبی اس وقت کو یاد کر) نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لئے) پوشیدہ تدبیر فرمائی اور خدا سب سے بہتر (اچھی) تدبیر والا ہے۔ جس وقت خدا نے فرمایا کہ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (غالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا"۔ (۳:۵۴-۵۵)

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

"(لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا) تو ان کے عہد کو توڑ دینے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (خدا نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے

نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب خدا نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر کے سبب اور مریم سلام اللہ علیہا پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔ اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم سلام اللہ علیہا کے بیٹے عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو جو خدا کے پیغمبر (کہلائے) تھے قتل کر دیا ہے (خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا"۔ (۱۵۵:۴-۱۵۹)

قرآن مجید کی ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس نے انہیں اس حالت میں اپنی طرف اٹھایا کہ وہ سو رہے تھے یعنی نیند کی حالت میں زمین پر ان کی زندگی کے دن پورے کر کے زندہ ہی اپنی طرف اٹھایا تا کہ وہ اپنے دشمنوں کی ہاتھوں اذیت سے بچ جائیں اور فی الوقت ان کا رشتہ ان دنیا والوں سے منقطع ہو جائے جو اس زمانے کے بعض بادشاہوں کے اشارے پر ان کے قتل کے درپے تھے۔

حسن بصری اور محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل یا انہیں سولی دینے کا حکم دیا تھا اور انہیں بیت المقدس شریف کے قریب ایک گھر میں محصور کروایا تھا' اس کا نام داؤد بن نور تھا۔

جب اس داؤد بن نور کے حکم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے لئے اس گھر سے باہر نکال کر لے جایا جانے لگا اس وقت جمعہ کا دن گزر کر ہفتے (سنیچر) کی رات شروع ہو چکی تھی۔

بہر کیف جیسی کہ خدا کی مرضی تھی ان کے ساتھیوں میں سے جو وہاں حاضر تھے ایک شخص نطیانوس کی صورت ان کے مشابہ کر دی گئی اور جو سپاہی انہیں مصلوب کرنے کے لئے صلیب تک لے جانے آئے تھے وہ اس شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گھر کے ایک روشندان سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھا لیا اور انہیں اس طرح باہر جاتے اس گھر کے لوگوں نے دیکھا مگر ان کے اور دوسرے یہودیوں کے علاوہ بہت سے نصرانیوں نے بھی مذکورہ بالا حاکم کے خوف سے اس بات کی گواہی دی کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ (خدانخواستہ) لوگوں کو اپنی باتوں سے گمراہ کر رہے تھے (نعوذ باللّٰہ من ذٰلک) جب کہ یہ بات خود اپنی جگہ انتہائی گمراہ کن تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

> "اہل کتاب (یہ گمراہی چھوڑ کر) ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئیں گے یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ زمین پر اس لئے اتارے گا کہ وہ اہل ایمان کو دجال مردود کی، جو مسیح علیہ السلام ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا' گمراہ کن باتوں سے بچانے کے لئے اس کے خلاف جہاد کریں۔ (یہ وضاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے ذکر کے ساتھ مختلف کتابوں میں پائی جاتی ہے) اس کے علاوہ ان کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو وہ دجال کے خلاف جہاد کرتے ہوئے خنزیروں کو ہلاک کرنے کا حکم دیں گے اور اس زمانے کے عام لوگوں کو دین اسلام کی پیروی کا حکم دیں گے اور خود بھی ان کا

مذہب وہی ہوگا جس کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے بعد اپنے آخری نبی یعنی رسول عربی محمد ﷺ کو مبعوث فرمائے گا۔ تاہم آپ ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی یہود و نصاریٰ اب تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ آج تک بہت سے دوسرے غلط اور گمراہ کن عقائد رکھتے اور ان کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل و فضائل کا ذکر

اس سے قبل وہ قرآنی آیات پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واقعی اپنے زمانے میں مسیحائی فرمائی ہے' انہوں نے نہ صرف معذور لوگوں کو صحت بخشی بلکہ مردے تک زندہ کر دیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے دور نبوت میں گمراہ لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی اور جو لوگ ان کی ہدایات پر عمل کرنے لگے وہ ان لوگوں کے لئے درحقیقت مسیحا ثابت ہوئے۔

ایسی متعدد احادیث ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ شیطان ہر نومولود کو اکثر چھوتا ہے لیکن اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب آنے کی جرات نہیں کی اور صرف در پردہ یہ کہتا رہا کہ وہ بے باپ کے بیٹے ہیں' یہ گویا انہیں اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کا طعنہ تھا۔

اس کے علاوہ عمیر بن ہانی سے بہ اسناد مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانا اور اس کی گواہی دی کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں' دوزخ و جنت اور حشر و نشر کو تسلیم کیا نیز اس نے یہ بھی گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی تھے' اللہ تالی نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا کرنے کے لئے اپنے کلمے اور روح کو سبب ٹھہرایا تھا تو ایسا شخص جنت کا مستحق ہے اور اپنے اعمال صالح کی بنیاد پر ضرور جنت میں جائے گا۔

اس حدیث نبوی کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری و مسلم دونوں کے ہیں۔

حدیث اسریٰ میں جن جن انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت ﷺ کے ملنے اور ان کے شمائل بیان فرمانے کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو آپ ﷺ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی غسل کر کے آئے ہوں کیونکہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور ان کا جسم اطلس کی طرح چمک رہا تھا۔ حسن وغیرہ سے بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو حدیث مروی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''ایک شخص نے چوری کی لیکن جب اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''کیا تو نے چوری کی؟''۔

تو وہ بولا: ''خدا کی قسم میں نے چوری نہیں کی''۔

اس پر یہ سُن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی میری آنکھوں کو جھٹلا رہا ہے''۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایسی متعدد احادیث ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف اور شمائل و فضائل پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔

بیت لحم اور القمامہ کی تعمیر

بادشاہ قسطنطین نے مولد مسیح علیہ السلام پر بیت لحم اور اس کی ماں ہیلا نہ نے وہیں القمامہ کی تعمیرات کی تھیں جب کہ قسطنطین یہودیوں کے سامنے اپنے آپ کو بطور مسیح پیش کرتا تھا یعنی انہیں بتاتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنہیں سولی دی گئی تھی اس کی شکل میں دوبارہ جنم لیا ہے۔ اس طرح اس نے ارتکاب کفر کے علاوہ اس کے احکام و قوانین بھی وضع کئے تھے جن میں کتاب عتیق یعنی توریت سے انکار بھی شامل تھا۔ اس نے بہت سی حرام چیزوں کو حلال کر دیا تھا جیسے سوٗر کا گوشت۔

وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تھا اور اس نے دوسروں کو بھی یہی حکم دے رکھا تھا۔ جب کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کے جملہ انبیاء صخرہ بیت المقدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے بھی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سولہ یا سترہ مہینوں تک مسجد اقصیٰ شریف ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی جس کے بعد بحکم خدا انہوں نے نماز میں ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ شریف کی طرف رخ کیا تھا۔

قسطنطین ہی نے کنیساؤں یعنی عبادت گاہوں کو مصور کرنا شروع کیا تھا اور یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا اور لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ تصاویر ان کے بچوں اور عورتوں کی محافظ ہیں۔

اسی نے عیسائیوں میں یہ عقیدہ عام کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور اس کے جوہر نور میں شریک ہیں۔ خدا کی روح نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے بطن میں بحیثیت روح القدس حلول کر کے جسد خاکی اختیار کیا تھا۔ لہٰذا (نعوذ باللہ) یہ تینوں یعنی خدا، خدا کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس تینوں واجب التعظیم اور معبود و مسجود ہیں۔ حالانکہ یہ کفر بدترین کفر ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

(بقیہ: سراغ زندگی'' ص:۶۱ سے آگے)

کہ اس کی ذات کی پہچان جو کہ تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے معلوم یہ ہوا کہ انسان اگر صحیح معنوں میں انسان بن جائے اپنے مقصد زندگی کو پالے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلے تو اس کا درجہ ملائک سے بڑھ جاتا ہے۔ کیا خوب کہا اقبالؔ نے

تو مرد میداں تو میر لشکر ...... یہ نوری حضوری تیرے سپاہی کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی ...... یہ بے سوادی یہ کم نگاہی پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے ...... کردار بے سوز گفتار واہی

معلوم یہ ہوا کہ اگر انسان، انسان بن جائے انسانیت کی معراج حاصل کرلے تو اس کا درجہ ملائک سے افضل ہے اور اگر انسان اپنے مقصد حقیقی کو حاصل نہ کرسکے تو پھر قرآن فرماتا ہے کہ یہ انسان چوپاؤں سے بھی برتر ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان ملائک سے افضل کس طرح ہے تو میرے محترم قارئین خداوند قدوس عالم نے ملائک کو صرف ملکوتی صفات عطا فرمائی ہیں وہ بشری صفات سے محروم ہیں اور حضرت انسان بشری صفات کا بھی مالک ہے اور ملکوتی صفات کا بھی مالک ہے اگر انسان اپنی بشری صفات کو مغلوب کرے اور ملکوتی صفات کو غالب کرے تو انسان بھی طاقت پرواز رکھتا ہے۔

آج کل کے اس پرفتن اور پرآشوب دور میں ملکوتی صفات کو اجاگر کر کے محو پرواز ہونا تو دور کی بات ہے بلکہ انسان کہلانے والا بھیڑیئے اور درندوں کا کردار ادا کر رہا ہے۔ جس سے انسانیت بھی پناہ مانگتی ہے نہایت معذرت کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا۔ میرے یہ سخت جملے پڑھ کر ناراض نہ ہونا وہ لوگ بھی تو اپنے آپ کو انسان بلکہ مسلمان کہلاتے ہیں جو دن دیہاڑے حوا کی بیٹیوں کی عصمتیں لوٹ لیتے ہیں جن کے ہاتھوں آدم کے بیٹوں کی جان اور مال محفوظ نہیں ہے شراب کشید کرنے والے شراب نوش کرنے والے شراب سپلائی کرنے والے ڈکیتیاں کرنے والے دوسروں کا مال شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کرنے والے جو شرف و حیا کی تمام چادریں تار تار کر کے دن رات گناہوں میں لت پت رہتے ہیں جن کے ظالم پنجوں سے بیگانے تو بیگانے اپنے بھی محفوظ نہیں ہیں آج کل انسان بلکہ مسلمان کہلانے والا ایسے ایسے انسانیت سوز کردار ادا کر رہا ہے کہ جسے دیکھ کر انسانیت کی جبینیں عرق آلود ہو جاتی ہیں۔

کہیں دہشت گردی سے بے گناہ اور معصوم جانیں ضائع ہو جاتی ہیں کہیں مساجد میں نمازی نماز ادا کرتے اپنے ہی خون میں نہا جاتے ہیں۔ اگر اخبارات کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی گولی کا نشانہ بن گیا ہے کوئی بیٹا اپنے باپ کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے اور کوئی ماں اپنے بیٹے کے ظالم پنجوں میں سسک سسک کر جان دے گئی ہے۔ کوئی بہن اپنے بھائی کے ظلم کا شکار ہو گئی ہے۔

کیا یہی انسانیت ہے کیا یہی مسلمانی ہے اگر تمہارے نزدیک اسی کا نام انسانیت ہے اسی کا نام اسلام ہے تو میں کہوں گا تف ہے ایسی مسلمانی پر تف ہے تیرے ایسے اسلام پر آیئے فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ اسلام کس چیز کا نام ہے۔ مسلمانی کسے کہتے ہیں تو میرے آقا ہادی برحق محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ حدیث پاک کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔ اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ ہم کس حد تک مسلمان کہلانے کے حق دار ہیں۔ کیا ہمارا مسلمان بھائی ہمارے ہاتھ اور زبان

سے محفوظ ہے اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو پھر ثابت یہ ہوا کہ ہم اس دنیا کی خاطر کسی قدر گھناؤنے افعال سرانجام دے رہے ہیں۔ ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ اس دنیا کی حقیقت کیا ہے جس کی خاطر ہم اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں اس بوڑھے آسمان کے نیچے اور اس دھرتی پر بڑے بڑے دانشور پیدا ہوئے بڑے بڑے شاہ دماغوں نے جنم لیا کسی نے کہا کہ دنیا نفرت کا مقام کسی نے کہا کہ دنیا غلاظت کا مقام ہے۔ آیئے یہ سوال بھی اللہ کی کتاب قرآن سے کرتے ہیں۔ پارہ نمبر 29 کے آغاز میں سورۃ ملک میں رب نے ارشاد فرمایا کہ میں نے زندگی کو پیدا فرمایا اور موت کو پیدا فرمایا تا کہ تمہارا امتحان لوں تمہاری آزمائش کی جائے کہ تم میں سے اچھے عمل کون کرتا ہے اور برے عمل کون کرتا ہے۔ قرآن کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے کمرہ امتحان اگر کوئی آدمی یہ خیال کرے کہ میں کمرہ امتحان میں غفلت کی نیند سو جاؤں یا فارغ بیٹھا رہوں یا کم از کم اپنی مرضی استعمال کرلوں تو ایسا کرنے والا کبھی کامیابی کے زینے کو نہیں چھو سکتا۔ ثابت یہ ہوا کہ اگر ہم اپنی تمام خواہشیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشوں پر قربان کر دیں تو ہمارے سروں پر بھی کامیابی کا تاج سجا دیا جائے۔ آیئے مزید قرآن کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ قرآن نے کن لوگوں کو کامیاب کہا ہے ارشاد ربانی ہے ترجمہ: جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کر لی انہوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ اسی طرح پارہ نمبر 18 کے آغاز میں ارشاد فرمایا کہ کامیاب ہیں وہ مومن جو نمازوں میں دل لگاتے ہیں لغویات سے منہ موڑتے ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ کامیابی کا راز اطاعت خدا اور اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر ہے۔ یقیناً کامیابی کا تاج انہیں کے سروں پہ سجایا جائے گا جن کی زندگی کی شاہراہ نیک اعمال کے قمقموں سے جگمگا رہی ہو گی مگر بڑے دکھ کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ میرے ملک پاکستان میں تو ہر قسم کے گناہ کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے۔ ہر قسم کی بے حیائی کو ثقافت کا نام دے دیا گیا ہے۔ ہمارا تو اب اللہ ہی حافظ ہے۔

نیک اعمال کا جذبہ دن بدن مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ کیا خوب کہا اقبال نے،

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

دوستو! ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے ان زندگی کے لمحات کو غنیمت جانیئے آیئے اپنی زندگی کو سنواریں اپنے اسلام میں حسن پیدا کریں۔ ہم اغیار کے سامنے ایک ایسا کردار اور نمونہ پیش کریں کہ اغیار بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہوتا ہے کہ وہ لا یعنی چیزوں کو ترک کر دے یہ فرمان عالی شان ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لئے آؤ اپنے اپنے اسلام میں حسن پیدا کرتے ہیں ان باتوں کو ترک کرتے ہیں جو مقصدیت کے حسن سے خالی ہیں۔ سنجیدگی کے نور سے محروم ہیں جمال وقت کو داغدار کرنے والی ہیں سوچنے سمجھنے عمل کرنے اور زندگی کو نتیجہ خیز بنانے سے ان کا کوئی تعلق نہیں یاد رکھو بامعنی زندگی لا یعنی افعال اور اعمال کے اندھیاروں سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔ موتی کی طرح شفاف سورج کی طرح روشن شہد کی طرح میٹھی آسمان کی طرح اونچی کہکشاں کی طرح مربوط گلاب کی طرح مہکتی دریاؤں کی طرح جاری زمستانی ہواؤں کی طرح خوشگوار برف کی طرح حسین صحراؤں کی طرح کشادہ پہاڑوں کی طرح جوان ہمت وادیوں کی طرح پرسکون، حالات بدل، زمانہ گیر، عالم پرور،

انقلاب آفرین، شیطان شکن، سستی سوز، رواں دواں پیہم جاوداں مجذوب و سرمست گرہ کشا بخت در دست یہ تصور مومنانہ زندگی کا ہے اور مومنانہ زندگی ہی حسین زندگی ہے اور حسین زندگی ہی دراصل زندگی ہے گویا زندگی وہی ہے جو ہمہ رنگ بھی ہو۔ ایک رنگ بھی ہو تضاد کی حکمت بھی رکھتی ہو اتحاد کی برکت بھی ہمہ جہت بھی ہو اور جہتوں سے پاک بھی ظاہر بھی اور باطن بھی اور اول بھی ہو اور آخر بھی ہونہاں بھی ہو اور عیاں بھی آواز بھی ہو اور لبیک بھی نمونہ بھی ہو اور عمل بھی بزم اور شبنمی لفظوں میں حسن باطن ہو تو خدا ہے ظاہر ہو تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے جہت ہو تو خدا ہے ہمہ جہت ہو تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گویا حسن یا اللہ ہے یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کامل اس وقت ہوتا ہے جب اس میں حسن ہو یعنی وہ بامعنی ہو مسلمانو لایعنی باتوں کو ترک کر دو تا کہ تمہارا اسلام حسین ہو جائے با خدا ہو جاؤ با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاؤ لایعنی نہ ہو معنی یہ ہیں کہ ایسی زندگی کے حامل ہو جس میں محض مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں زندگی تمہیں آواز دیتی ہے تم سے سوال کرتی ہے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ڈانٹ ڈپٹ کر حاکم کی طرح فرمان رواں کی مثل اور کبھی وہ لبادہ مسکنت پہن کر تم سے سوال کرتی ہے ہاتھ جوڑ جوڑ کر بچھ بچھ کر جھک جھک کر فقیروں کی طرح گداؤں کی مانند لٹے پٹے مسافروں کی مثل کہ اے میرے محبوب اے میرے شہ والا اے میری جان میں تیری زندگی ہوں زندگی میں کشکول گدا گر نہیں کہ تو اسے خالی رکھے جامہ فقیر نہیں کہ تو اسے حقیر جانے خاک راہ نہیں کہ تو اسے روندتا ہوا گزر جائے اور شہر غریباں بھی نہیں کہ تو اسے دھتکار دے میں تیری زندگی ہوں زندگی مجھے ضائع نہ کرائے میرے محبوب دنیا کی ہر کھوئی ہوئی متاع تو دوبارہ میسر ہو سکتی ہے لیکن میں وہ قیمتی گوہر ہوں جس سے کسی کو ایک ہی بار نوازا جاتا ہے اس لئے مجھے لایعنی مشاغل میں صرف نہ کر۔ مجھے حسین اور آراستہ کر۔ با خدا، بنا، با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔

صاحبو! جس بدن کو تم سجا سجا کر رکھتے ہو جس جس پر تم زرق برق لباسوں کے غلاف چڑھاتے ہو جن سروں کو تم پیچ در پیچ عماموں سے مزین کرتے ہو جس رخ رونق کی زیب و زینت پر تم سینکڑوں خواہشیں لٹاتے ہو، جس آنکھوں کو تم سرگین و جذب گیں رکھنے کے اہتمام کرتے ہو جس ماتھے کو تم پر کشش بنانے کے لئے جھومر سے سجاتے ہو کبھی سوچا کہ ان کی یہ سب رونقیں زندگی سے ہیں زندگی نہیں تو پھر آنکھ نہیں مٹی کا ڈھیلا ہے ماتھا نہیں لکڑی کی تختی ہے سر نہیں لخت سنگ ہے بدن نہیں بوسیدہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اس لئے بناتے ہی ہو سنوارتے ہی ہو زیب و زینت کے مشتاق ہی ہو تو زندگی کو سنوارو اس کا میک اپ کرو اسے مزین کرو اور یاد رکھو کہ زندگی نہیں بنتی زندگی نہیں سنورتی زندگی نہیں آراستہ ہوتی اور زندگی کا چہرہ حسن کے غازہ سے نہیں چمکتا بجز اس کے کہ اسے اسلام کے آب صافی کا غسل دو اسے اسلام کے رنگ میں رنگوا سے اسلام کے آب صافی سے دھو پیارو اسے ضائع نہ کرو اسے بے کشش اور مجبور نہ رکھو اسے بناؤ بناؤ سلجھاؤ سلجھاؤ یہ فضول کاموں سے نہیں بنتی نہیں سلجھتی اس کے حسن کا راز اسی میں ہے کہ اسے با خدا بناؤ با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بناؤ۔ تسلیم کیا کہ تم نے بہت کچھ بنایا فلک بوس عمارتیں فراٹے بھرتی گاڑیاں فضائیں چیرتے طیارے دنیا میں گھومتے سیارے سمندر فگار جہاز عالم سوز بم جہان ساز مشینیں کھلی کھلی ریاستیں وسیع و سیع ملک بڑے بڑے صوبے اور طویل و عریض کشور لیکن سچ بتاؤ کوئی ایک انسان بھی بنایا حسینو مہ جبینو زندگی تم سے شکوہ کرتی ہے تم زندہ رہنے کی خواہش تو کرتے ہو لیکن زندگی کو ختم کرنے کے در پے ہو تم نے زندگی لوٹنے والے وردی پوش پال رکھے ہیں تم نے زندگی بکھیرنے والے کارخانے بنا رکھے ہیں تم نے زندگی کی عصمت دری کرنے والے غنڈوں کی حوصلہ افزائی والے مرکز قائم کر لئے ہیں تمہارے ہاں

فسق و فجور کی سندیں ملتی ہیں پھر افسوس یہ ہے کہ تم اس کالے دھندے کا نام رکھتے ہو دین تہذیب تمدن کلچر جب الوطنی اور نامعلوم کیا کیا۔

دنیا والو! زندگی تم سے پناہ چاہتی ہے زندگی تم سے امان مانگتی ہے زندگی تمہیں زندہ رکھنا چاہتی ہے تم اس کے قتل پر تلے بیٹھے ہو یہ بیچاری مجبور کہاں پناہ لے کسے پکارے کس کو آواز دے کدھر دوڑے اور کدھر بھاگے۔ بس ایک ہی مقام ہے جہاں زندگی کی قدر کی جاتی ہے جہاں انسانیت کو سلامتی ملتی ہے اور وہ ہے اسلام یقیناً یہی وجہ ہے کہ زندگی اسلام ہی کا طواف کرتی ہے اس لئے سلامتی اسلام ہی میں ہے تمہارا بھلا ہو با خدا ہو جاؤ' با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دوستو یہ وہ نگر ہے جہاں زندگی ضائع کرنے سے منع کیا جاتا ہے والعصر یہ باتیں سچی ہیں یہ باتیں پختہ ہیں یہ سب باتیں عبرت آموز ہیں غور کر لو۔ آؤ ایک بات پوچھوں کبھی قبرستان دیکھے؟ کبھی مٹی کے ڈھیروں کی یہ دنیا دیکھنے کا اتفاق ہوا؟ کبھی گزرتے گزرتے اونٹ کی کوہان کی طرح خاکی ڈھیریاں دیکھیں؟ پیارو! یہ بچوں کے کھیل کے میدان نہیں یہ نابالغ بچوں کے ہاتھوں بنے ہوئے گھروندے نہیں مانا کہ تم سب کچھ سمجھتے ہو لیکن تمہاری سمجھ کی معراج یہ ہے کہ یہ مردستان ہیں مرگ گاہیں قبر آباد ہیں لیکن اصلی بات یہ نہیں کہ انہیں مردوں کا مسکن قرار دیا جائے حقیقت یہ ہے کہ یہ زندوں کے مدفن ہیں آج کے زیر زمین لوگ گزشتہ کل سب زندہ تھے سب زندگی رکھتے تھے تو اس میں کیا حرج ہے کہ کہہ دیا جائے کہ قبرستان زندوں کے نہیں بلکہ زندگی کے مدفن ہوا کرتے ہیں قبل اس کے کہ کوئی تمہاری زندگی کو زیر زمین داب آئے تمہاری زیست کے پرکٹ جائیں اور یہ بیچاری المدد المدد کے قابل بھی نہ رہے آج ہی ان گھڑیوں کو غنیمت جانو اور لگاؤ نعرہ حیدری اتر و عمل کے میدان میں سنبھل جاؤ اور سنبھال لو زندگی اور قابو میں رکھو حیات مستعار کے ایک ایک لمحہ کو مستعدی سے اپنی زندگی کے ہر لحظہ میں اسلام کا نور چنو ورنہ تم خسارے میں چلے جاؤ گے قرآن ہمیں یہی سکھلاتا ہے والعصر قسم ہے زمانے کی کہ ان الانسان لفی خسر بے شک انسان خسارے میں ہے الا الذین امنو وعملو الصلحت وتواصوا بالحق ط وتواصوبالصبر. "وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔" پیارو! یہ ہے سراغ زندگی۔ ابلیس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے وہ تمہیں جہنم میں دھکیل دے گا بلکہ دنیا اور آخرت دونوں جہان برباد کر دے گا شیطان لعین کا کہا مان کر اس فانی زندگی کو سنوارتے سنوارتے اپنی آخرت اور حیات جاودانی کو برباد نہ کرو، باخدا ہو جاؤ' با مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاؤ۔

اس جہان مجاز پہ نہ ہو نثار اے شفیق
مسافر ہے اس جہاں میں مکیں نہیں ہے تو

(ماہنامہ انجم کا بیان ختم ہوا)

شریعت اسلامیہ کی حکمت و فلسفہ

تالیف

الشیخ حضرت الاستاذ علی احمد الجرجاوی الازہری رحمہ اللہ
رئیس جمعیۃ الازہر العلیہ، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف مصر

ترجمہ

پروفیسر ذوالفقار علی ساقی
دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

زاویہ پبلشرز
(8-C محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور
فون: 042-37248657
موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466
Email:zaviapublishers@yahoo.com


عقائد اہلِ سُنّت
احادیث نبویہ کی روشنی میں
عصمتِ رسول پر حملے
رہنمائے مبلغات
سماعتِ مصطفیٰ
اسلامی نام
شریعت اسلامیہ
کی
حکمت و فلسفہ
تفسیر
درِ عرفان
مومن خاک ہو جاتا ہے
منہاج العابدین
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ، لاہور
Voice: 042-7248657
Mobile: 0300-9467047